تیرے پیار کی خوشبو

قمروش شیبک

مکمل ناول

تیرے پیار کی خوشبو

ژالے بیڈ پر بالکل بے تکلف ہو کر بے خبر سو رہی تھی، وہ اس قدر گہری نیند میں تھی کہ یہ بھی محسوس نہ کر سکی کہ سامنے سنگل صوفے پر براجمان زرمیل افروز اسے ہی تک رہا ہے۔ ژالے کے چہرے پر آج بھی وہی معصومیت

رعنائی تھی جو آج سے دو سال پہلے تھی، وہ آج بھی اتنی ہی دلکش و خوبصورت تھی جیسا وہ اسے دو سال پہلے چھوڑ کے گیا تھا، زرمیل کی نگاہ اس کے چہرے سے ہوتی اس کے لمبے گھنے گولڈن بالوں پر جا ٹھہری جو بکھرے ہوئے تھے، اسے نہیں یاد پڑتا کہ ژالے کو کبھی لمبے بال پسند تھے اور نہ ہی کبھی اس نے بال بڑھائے ہوں گے، ہمیشہ سے شولڈر کٹ بال رہے تھے اس کے۔

ژالے جو نہایت گہری نیند سو رہی تھی خود سے بھی بیگانہ جانے کون سا احساس تھا، دل جانے کیوں عجیب انداز میں دھڑکا تھا کہ اس کی نیند ٹوٹی تھی، سامنے نگاہ اٹھی تھی تو نظر جیسے ساکت و جامد ہو کر رہ گئی ہو، سارے احساس منجمد ہو کر رہ گئے

ہوں مگر یونہی تھے۔ لگے تھے اس حقیقت کو قبول کرنے میں کہ سامنے بیٹھا زرمیل کوئی خواب کوئی جنا نہیں تھا۔ وہ صوفے پر نہایت ہی پرسکون بیٹھا ہے۔ ثرالے جھٹ سے اٹھی تھی، گولڈن بال جھٹکے سے سارے اس کے آگے آ گئے تھے کہ اس کے وجود کو چھپا گئے تھے اس کو سب سے پہلا خیال بنڈکی دوسری سمت گیا، جہاں اسی کے پہلو میں رضا ... اب وہ خالی جگہ اس کا منہ چڑا رہی تھی، رضا وہاں نہیں تھا، ثرالے کا دل بری طرح دھڑکا تھا۔ وہ گھبرا کے بیڈ سے نیچے اتری تھی، زرمیل جو اس کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا اس کے فکرمندانہ انداز پر مسکراتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا اور مضبوط قدم زمین پر جماتا ہوا اس کے مقابل آ کھڑا ہوا تھا، ثرالے کا ارادہ یہاں سے چلے جانے کا تھا کہ زرمیل اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔

''اگر رضا کے لیے فکرمند ہو تو بے فکر رہو وہ اس وقت امی کے پاس ہے۔'' مگر ثرالے نے جیسے اس کی بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی اور ان سنی کرتی ہوئی اسے بری طرح نظرانداز کرتی ہوئی سائیڈ سے نکلنا چاہتی تھی کہ زرمیل نے اس کا بازو پکڑ کر اپنے مقابل واپس کیا تھا۔

''کیا بات ہے تم مجھے اس طرح نظرانداز کیوں کر رہی ہو؟ میں دو سال بعد واپس آیا ہوں مگر تمہارے چہرے پر خوشی کے بجائے اتنی بے زاری کیوں ہے؟'' اپنی روشن سرمئی آنکھیں اس کے براؤن کانچ میں گاڑ دیں ہوں جیسے ان سرمئی آنکھوں میں آج بھی وہی رعب وہی سختی ہلکورے لے رہی تھی جو وہ ہمیشہ سے دیکھتی چلی آ رہی تھی، مگر پہلے کی بات اور تھی پہلے وہ ان آنکھوں سے ڈر جایا کرتی تھی، سہم کر کہیں خوفزدہ ہو کر کسی کونے کھدرے میں چھپ جایا کرتی تھی مگر اب ایسا بالکل نہیں تھا اب وہ پہلے جیسے نہیں رہی تھی اب وہ اکیلی نہیں تھی اس کے ساتھ اس کا بیٹا تھا جس نے اسے بہادر بنا دیا تھا مضبوط کر دیا تھا۔

''آپ دو سال بعد آتے یا زندگی بھر نہ آتے، مجھے اب کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' اس نے سرد لب و لہجے میں کہتے ہوئے ایک جھٹکے سے اس کی آہنی کلائی سے اپنا بازو چھڑایا تھا اور اس سے دو قدم کے فاصلے پر جا کھڑی ہوئی، صرف کچھ پل کے لیے زرمیل حیران و ساکن ہوا تھا، ورنہ ثرالے کے اس طرح جھڑکنے، اس تضحیک آمیز انداز پر اس کی انا جل کے رہ گئی تھی، مگر جلد ہی خود پر قابو پالیا تھا، عنابی گداز لبوں کی تراش میں ہلکی سی مسکراہٹ کھلی تھی، آنکھوں میں نرمی بھرے وہ چند قدم بڑھاتا اس کے مزید قریب ہوا تھا کہ درمیانی فاصلہ ایک انچ سے بھی کم رہ گیا تھا، چہرہ بالکل اس کے چہرے کے قریب کر لیا کہ اس کی سانسوں کے گرم تھپیڑے ثرالے کا پورا چہرہ جھلسا گئے۔

''ان دو سالوں میں بہت بہادر ہو گئی ہو۔''

''تو آپ نے کیا سمجھا میں آج بھی ایک ڈری سہمی، دبوی لڑکی ہوں جو آپ کی ایک آنکھ کی سختی سے ڈر جاؤں گی، آپ کی بہت بڑی خوش فہمی ہے میں نہ صرف بہت بہادر ہو گئی ہوں بلکہ میرے دل و دماغ سے ہر قسم کا ڈر و خوف بھی مٹ چکا ہے، کیونکہ اب میرے ساتھ میرا بیٹا ہے، میرا سہارا، میرے جینے کی وجہ، ہونہہ..... ورنہ آپ نے تو مجھے مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' اس نے زرمیل کی سمت سے نفرت سے رخ ہی پھیر لیا تھا۔ زرمیل آج پہلی بار اسے اتنا بولتا ہوا سن رہا تھا، اس کے لب و لہجے میں وہ لڑکھڑاہٹ وہ گھبراہٹ بالکل مفقود تھی جو اسے سامنے پا کر ہمیشہ سے رہتی تھی۔

''میری جدائی نے اور رضا کی آمد نے تمہیں بہت نڈر و بہادر بنا دیا ہے۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کے اس کی ٹھوڑی

بچھڑے اس کا نازک سا سندر مکھڑا اپنی سمت کیا تھا۔

''خبردار جو آپ نے رضا کا نام بھی لیا تو وہ صرف میرا بیٹا ہے آپ کا اس سے صرف نام کا رشتہ ہے۔'' ثرالے نے اس کا ہاتھ جھٹکا اور اس سے بہت فاصلے پر جا کھڑی ہوئی تھی، زرمیل نے بغور اس کے دلنشیں سراپے کو دیکھا تھا، کاٹن کے بلیو پرنٹڈ سوٹ میں بغیر دوپٹے کے کھڑی وہ اس وقت کوئی شوخی چنچل سی لگ رہی تھی کہ اگر اس کے بچے کو کسی نے ہاتھ بھی لگایا تو وہ ہر شے کو تہس نہس کر دے گی، زرمیل کو اس کی معصومیت پر بہت پیار آیا تھا، اس کا یہ بدلا بدلا روپ اس کا چین و قرار لوٹ لے گیا وہ آہستہ سے چلتا ہوا ایک بار پھر اس کے نزدیک آ ٹھہرا۔

''اور اگر میں یہ کہوں کہ میں ہمیشہ کے لیے یہاں تمہارے اور رضا کے پاس آ گیا ہوں تو.....؟''

''پھر بھی مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، آپ یہاں رہیں یا نہ رہیں مگر میں یہاں رضا کے ساتھ بہت خوش ہوں، آپ کی گنجائش ہمارے بیچ کہیں نہیں نکلتی ہے۔'' اس کی باتوں پر زرمیل کو غصہ بالکل نہیں آیا تھا بلکہ زور سے ہنس دیا تھا۔ زرمیل کی یہ بھرپور ہنسی ثرالے کو حیران کر گئی تھی، وہ تو سمجھی تھی کہ زرمیل اس پر غصہ کرے گا اور اکڑ کر یہاں سے چلا جائے گا مگر وہ تو جیسے اس کی باتوں کو انجوائے کر رہا تھا۔

''اوہ..... ثرالے! تم واقعی بہت بدل گئی ہو، مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ وہی ثرالے ہے جو میری آنکھ کی ذرا سی سختی سے سہم جایا کرتی تھی۔'' زرمیل نے مسکرا کے بغور اس کا خوبصورت چہرہ دیکھا اور اس کے کھلے شہد آگیں بالوں کو اپنی مٹھی میں آہستگی سے قید کر لیا۔

''تمہارا انداز ہی نہیں تم تو سراپا مجسم بدل گئی ہو جو روپ مروپ میرا آئیڈیل تھا تم بالکل اسی طرح ہو۔'' سرگوشی میں کہتا ہوا وہ ایک خوبصورت سی جسارت کر گیا، ثرالے تو اندر تک کانپ اٹھی، اس کے رخسار زرمیل کی اس بے ساختہ حرکت پر سرخ اناری ہو گئے، جیسے ابھی وہاں سے خون چھلک اٹھے گا، وہ بری طرح جھینپ کر رہ گئی۔ زرمیل سے تیزی سے رخ موڑنا چاہا کہ جھٹکے سے وہ اس کے وسیع چوڑے سینے کا حصہ بنی تھی وجہ یہ کہ اس کے کھلے بال اس کی بند مٹھی میں قید تھے، ان بے ساختہ حرکتوں نے تو اس کی دل کی دنیا تہہ و بالا کر دی، اس کا دل اتنی زور زور سے دھڑک رہا تھا کہ باآسانی زرمیل کی سماعت سے محفوظ نہیں رہ سکیں مگر زرمیل ویسے ہی کسی مضبوط پہاڑ کی مانند وہیں کھڑا رہا جسے کوئی آندھی کوئی طوفان ہلا نہیں سکتی تھی، زرمیل نے اپنا مضبوط بازو اس کی نازک کمر کے گرد باندھ کر مزید اسے خود سے قریب تر کر لیا تھا۔

''ان دو سالوں میں تمہارے لیے میری وارفتگیوں میں خاصا اضافہ ہوا ہے، ہر گزرتے لمحے مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ میں تم سے جنون کی حد تک محبت کرتا ہوں اور آخری سانس تک کرتا رہوں گا اور اس حقیقت کو جب میں نے مکمل تسلیم کر لیا تو دیکھو آج میں تمہارے پاس تمہارے قریب ہوں۔'' وہ دھیرے دھیرے اس کے شہد آگیں بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا، اس سرد موسم میں بھی وہ پوری پسینے میں شرابور ہو گئی تھی۔

''چھوڑیئے مجھے..... مجھے آپ کی کسی بات پر کوئی یقین نہیں ہے اور نہ ہی میں آپ کے کسی جھوٹے بہلاوے میں آنے والی ہوں۔'' وہ پوری جان لگا رہی تھی اس کی آہنی مضبوط گرفت سے آزادی کے لیے مگر ہر کوشش ناکام و بے سود رہی۔

''ثرالے! چھٹنے کی کوشش کرو میں واقعی میں بیچ کہہ رہا ہوں مجھے تمہاری کشش اور رضا کی محبت کھینچ کر لائی ہے، میں

تم دونوں کے بغیر نہیں جی سکتا ہوں"۔ اس کے لب و لہجے میں سچائی بول رہی تھی مگر ثراۓ کہاں دیکھ رہی تھی وہ سچائی اب ہی دیکھنا چاہتی تھی۔

"نہیں مجھے اب آپ پر کوئی اختیار نہیں ہے، چھوڑ دیجئے مجھے...!" وہ گرفت توڑنے کی پوری جان توڑ کوشش کر رہی تھی جس کے لیے مقابل قطعی طور پر تیار نہیں تھا۔

"ثراۓ! رضا رو رہا ہے"۔ اسی اثناء میں حرا نے دروازہ کھٹکھٹایا اس کی گود میں رضا تھا۔ جس کے رونے کی آواز پر وہ تڑپ اٹھی تھی۔

"زرمیل! چھوڑ دیجئے، رضا رو رہا ہے، میں اسے رونے نہیں دیتی ہوں"۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں کا کاجل سے بھری آنسو ٹوٹ کر رخسار پر پھسلنے لگے تھے، زرمیل کا ان بہتے اشکوں پر دل کٹ کر رہ گیا، اس نے گرفت ڈھیلی کردی، ثراۓ تیزی سے دروازے کی سمت بھاگی تھی، دروازہ کھولا اور حرا کی گود سے بلکتے ہوئے رضا کو اپنی نرم آغوش میں چھپالیا، اپنے سینے سے لگائے وہ اسے پیار کرنے لگی تھی، ممتا کی خوشبو محسوس کر کے رضا خاموش ہو گیا تھا۔

ثراۓ کو زرمیل کی موجودگی محسوس ہوئی جو وہ رضا کو پا کر یکسر فراموش کر بیٹھی تھی، اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا وہ وہیں کھڑا انہیں ہی بغور تک رہا تھا۔

"میری زندگی صرف میرا بیٹا ہے، مجھے اپنے بیٹے کے علاوہ کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے"۔ اس نے خاص کر بیٹا پر بھی پر زور دیا اور شکایتی نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی حرا کے سائیڈ سے نکلتی چلی گئی، حرا نے جاتی ہوئی ثراۓ کو ایک نظر دیکھنے کے بعد نہایت بے بسی سے اپنے بڑے عزیز ترین بھائی کو دیکھا اور اندر داخل ہوگئی۔

"ثراۓ بہت بدل گئی ہے زرمیل بھائی! وہ اب پہلے جیسی نہیں رہی ہے، وہ جو کسی کو ناراض کرنا نہیں جانتی تھی، کسی سے خفا نہیں ہوتی تھی، آج خود اپنے آپ سے اور آپ سے سخت ناراض ہے"۔ حرا کی آنکھوں میں نمی ٹھہر گئی۔

"مگر زرمیل بھائی! مجھے آپ دونوں بہت عزیز ہو، میں نے ہمیشہ سے صرف آپ دونوں کو ایک ساتھ ہی دیکھا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ آپ دونوں ہمیشہ ساتھ رہو، کبھی الگ نہ ہو"۔

"تمہارا خواب کبھی نہیں ٹوٹے گا، ہم ہمیشہ ایک ساتھ رہیں گے، میں جانتا ہوں ثراۓ مجھ سے سخت ناراض ہے مگر میں اسے منالوں گا"۔ اس نے اپنی چھوٹی بہن کے سر پر ہاتھ شفقت سے رکھا تھا۔

"سچ کہہ رہے ہیں ناں آپ؟ آپ ثراۓ بھابی کو منالیں گے نا؟" اس کے چہرے پر ایک انوکھی سی چمک آ گئی تھی۔

"ہوں...!"

"مگر وہ ارشد بھائی...؟" یکدم ارشد کا خوف چہرے پر نمودار ہوا تھا۔

"ارشد... ارشد کو کیا ہوا؟" اس نے سر پر سے ہاتھ ہٹایا تھا۔

"آپ کو امی نے نہیں بتایا؟"

"نہیں... خیریت؟"

"اصل میں ارشد بھائی کو آپ پر بہت غصہ ہے، آپ ثراۓ سے شادی کر کے جو دو دن بعد ہی کسی کو بتائے بغیر

یہاں چلے گئے تو اس بات پر ارشد بھائی نے پورے گھر میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا تھا، وہ بہت غصہ ہو رہے تھے کہ میں پہ وہ تو ان کو سیم چچا نے روک دیا جانے دو کیا کرتے، مگر انہوں نے ابو سے اور سیم چچا سے ایک بات اور کہہ دی"۔ وہ بولتے بولتے خاموش ہو گئی یا بولنا نہیں چاہتی تھی۔

"کیا بات کہہ دی؟" زرمیل نے بے صبری سے پوچھا۔

"یہی کہ اب جو میں چاہوں گا وہی ہوگا، ثراۓ وہی کرے گی جو میں کہوں گا"۔

"واٹ... کیا مطلب کیا کرے گا وہ؟"

"وہ... وہ کہہ رہے تھے کہ زرمیل کو ثراۓ کو طلاق دینی ہوگی"۔ اس نے ڈرتے ڈرتے دھیرے سے ساری بات بتادی۔

"دماغ تو خراب نہیں ہو گیا اس کا، یہ بات سوچی بھی کیسے اس نے؟" زرمیل زور سے دھاڑا کہ حرا ڈر کے کانپ اٹھی۔

"ثراۓ نے کچھ نہیں کہا؟"

"نہیں وہ بھی وہی کرے گی جو ارشد بھائی کہیں گے"۔

"اپنے بھائی کی طرح اس کا دماغ بھی خراب ہو گیا ہے، دیکھتا ہوں کون ثراۓ کو مجھ سے الگ کرتا ہے"۔ غصے سے دماغ کی رگیں پھڑ پھڑانے لگیں، سرخ آنکھوں میں سرخ ڈورے واضح نظر آ رہے تھے۔

"زرمیل بھائی! چاہے کوئی کچھ بھی کرے یا کہے، ہوگا وہی جو ثراۓ چاہے گی آپ پلیز ثراۓ کو منالیں"۔ ان کے ٹوٹنے کا سوچ کر ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، حرا کو اس طرح روتا دیکھ کر زرمیل کو اپنے غصے پر کنٹرول کرنا پڑا۔

"تم فکر مت کرو ثراۓ کو تو میں منا ہی لوں گا، مگر اس ارشد کا دماغ ٹھکانے لگانے میں مجھے صرف دو منٹ لگیں گے۔"

"نہیں زرمیل بھائی! ابھی آپ خاموش رہیں، گھر میں عارفین بھائی کی شادی کے ہنگامے شروع ہو رہے ہیں، ارشد بھائی سے شادی کے بعد بات کر لیجئے گا، شادی میں بدمزگی اچھی بات نہیں"۔ بہت سمجھداری سے اس نے اپنا نظریہ بیان کیا تھا، زرمیل تو اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا میری چھوٹی سی گڑیا اتنی سمجھداری کی باتیں کرتی ہے ذرا اپنی یہ سمجھداری تھوڑی سی ثراۓ کو بھی دو"۔ اس نے مسکرا کے شرارت سے کہا تھا، حرا زرمیل کی بات پر روتے روتے مسکرا دی۔

"دیکھیے میں آپ سے باتیں کرنے میں بالکل بھول گئی کہ پھپھو نے مجھے اوپر بلایا تھا، عارفین بھائی کی دلہن کے لیے پیک کرنے کے لیے"۔

"کب سے ہے شادی؟"

"کل ہم مایوں کی رسم کرنے جائیں گے ان کے گھر"۔

"اس کا مطلب ہے میں بالکل صحیح وقت پر آیا ہوں"۔

"جی آپ بالکل صحیح وقت پر آئے ہیں، اچھا زرمیل بھائی! میں چلتی ہوں"۔ اس نے اپنا پرس۔۔۔ اٹھایا اور کمرے سے چلی گئی۔

زرمیل کی تمام سوچوں کے دھاگے صرف ژالے کے اردگرد ہی الجھے ہوئے تھے، کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ژالے کو کیسے منایا جائے؟ زندگی کا پہلا واقعہ تھا کہ کوئی اس سے روٹھا تھا اور اس کو منانا تھا مگر اسے اتنا یقین تھا کہ ژالے مان جائے گی۔

☆.........☆.........☆

"آخر کیوں آیا ہے وہ یہاں؟ کیا لینے آیا ہے؟ اگر اس نے ژالے سے بات بھی کرنے کی کوشش کی تو میں اسے جان سے مار دوں گا"۔ ارشد کو پتہ چل گیا کہ زرمیل آج دوپہر کو یہاں آ گیا ہے، اسے جب سے ہی غصہ آ رہا تھا، بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے ابھی اسی وقت شوٹ کر دے۔

"ارشد پلیز! ریلیکس ہو جائیے، یہ گھر زرمیل بھائی کا بھی تو ہے"۔

"اگر یہ گھر اس کا ہے تو جو اس کا دل چاہے گا وہ من مانی کرتا پھرے گا، اور اگر وہ شام کو ژالے کے کمرے میں گیا تھا تو تم نے اسے روکا کیوں نہیں؟" ارشد کو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ زرمیل ژالے سے ملنے ان کے کمرے میں بھی گیا تھا۔

"ارشد! کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ میں کیوں انہیں ژالے کے کمرے میں جانے سے روک سکتی ہوں، ژالے ان کی بیوی ہے"۔

"ہونہہ.... بیوی ہے، یہ بیوی اسے اب یاد آئی ہے دو سال بعد، مگر اب میں ایسا کچھ بھی نہیں ہونے دوں گا، بڑے ابو نے جو غلطیاں کرنی تھیں کر لیں، میری بہن مجھے بہت عزیز ہے اس کی خوشی مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے اور اس کی خوشی اسی میں ہے کہ وہ زرمیل کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی میں اسے طلاق دلواؤں گا"۔ ثمرن نے دل کے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ کچھ جانتے بھی ہیں آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ غلط ہے، پلیز ارشد! میں آپ سے ریکویسٹ کرتی ہوں آپ ایسا مت سوچیے، ژالے صرف بیوی ہی نہیں زرمیل بھائی کے بیٹے کی ماں بھی ہے"۔ ارشد اس وقت بہت غصے میں تھا اور شاید وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ جو کچھ بول رہا ہے بہت غلط ہے، یہی وجہ تھی کہ ثمران اکثر اس کے بے انتہا غصے سے خائف رہتی تھی۔

"میں کچھ نہیں جانتا اور خبردار جو اگر تم نے زرمیل کی ذرا بھی طرف داری کی ہو تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا"۔ وہ ایک غصے بھری قہر آلود نظر اس کے چہرے پر ڈالتا ہوا باہر نکلتا چلا گیا تھا۔

ثمرن کی آنکھوں میں نمی سی بھرنے لگی، ارشد ایسے ہی تھے وہ غصے میں ہوتے تو پھر کچھ نہیں دیکھتے، سوچے سمجھے مقابل بندے کو اچھی طرح جھاڑ کے رکھ دیتے تھے، اور وہ ہر بار کوشش کرتی کہ ارشد کی کسی بھی کام میں کوئی کوتاہی نہ ہو مگر سب کچھ ٹھیک کرتے کرتے بھی کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ہو جاتی تھی اور پھر اس کی شامت آ جاتی پھر وہی ارشد جو رات کے اندھیرے میں محبت کی پھوار سے اسے پور پور بھگو دیتا تھا، وہی ارشد اس کی ذرا سی غلطی پر اسے دن کے اجالے میں اپنی نوکیلی باتوں کے تیروں سے اس کی روح تک کو چھلنی چھلنی کر کے رکھ دیتا تھا۔

☆.........☆.........☆

"دیکھیے عارفین بھائی! یہ سوٹ میں نے خاص معصوم بھابی کے لیے پسند کیا ہے، مجھے یقین ہے ان پر یہ بہت سجے گا"۔ حرا نے پوری میکسی کارپٹ پر پھیلا دی۔ عارفین جو موبائل پر کسی کا SMS پڑھ رہا تھا حرا کی تیز آواز پر نظریں اٹھا کے دیکھا، دھانی اینڈ پنک امتزاج کی اس میکسی پر فل باریک ستاروں موتی سے خوبصورت کام بنا ہوا تھا، پھر حرا نے اس کا دوپٹہ بھی پھیلا دیا جس کے صرف بارڈر پر دھانی اینڈ پنک ستاروں موتیوں کا نفیس کام تھا، اس کی نظروں کی چھیڑوں پر ایک دم سے وہ سندر شرمیلا سا چہرہ جھلملایا تھا۔

"لو بھئی ابھی تو ابھی سے معصوم بھابی کے خواب و خیالوں میں کھو گئے"۔ ژالے نے مسکراتے ہوئے عارفین کو چھیڑا، اس کا چہرہ کچھ خفیف سا ہو گیا۔

"ارے رے، دیکھو حرا! اپنے عارفین بھائی کو شرمانا بھی آتا ہے"۔ ژالے اس وقت فل موڈ میں تھی، حرا کی ہنسی نے عارفین کو الرٹ کر دیا کہ اب یہ دونوں مل کر اس کی درگت بنانے والی ہیں اور اس سے پہلے کہ وہ مزید ان کی شرارتوں کا نشانہ بنتا دونوں کو گھورتا ہوا وہاں سے اٹھنے لگا۔

"کہاں جا رہے ہو چاند!" رابعہ جو اپنے لاڈلے بیٹے کے پیچھے کھڑی ان کی باتوں کی چھیڑ چھاڑ سے لطف اندوز ہو رہی تھیں عارفین کو اٹھتے دیکھ کر اس کے چوڑے شانے پر ہاتھ کا دباؤ ڈال کر دوبارہ سے صوفے پر بٹھا دیا، عارفین نے گردن گھما کر بے بسی سے اپنی ماں کو دیکھا ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"ممّا! آپ بھی"۔

"جی میں بھی اور آپ کی شادی تک مکمل طور پر اپنی بھتیجیوں کا ساتھ دینے والی ہوں"۔

"ممّا! اٹس ناٹ فیئر یہ سراسر چیٹنگ ہے"۔ وہ شاکی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔

"کوئی چیٹنگ نہیں ہے عارفین بھائی! اب تو اور مزہ آئے گا آپ کو تپانے میں"۔ ژالے نے رابعہ کو ایک آنکھ دبا کر ہوئے کہا۔

"اچھا چلیں چھوڑیں سب کچھ، یہ بتائیے عارفین بھائی! کہ وہ ہیں کیسی؟" ژالے کا لب و لہجہ اس قدر سنجیدگی لیے ہوئے تھا کہ کسی کو معمولی سا گمان بھی نہ ہوا کہ وہ عارفین کو چھیڑ رہی ہے۔

"کون بھئی؟" عارفین ناسمجھی کی کیفیت میں اسے دیکھنے لگا۔

"ارے وہی جس کے خواب و خیالوں میں آپ ابھی مکمل طور پر ڈوبے ہوئے تھے"۔ ژالے زیادہ دیر اپنی ہنسی پر کنٹرول نہیں رکھ سکی تھی۔

"ارے ژالے! ڈوبے نہیں تھے بلکہ یہ تو ان کے ساتھ سوئمنگ کر رہے تھے"۔ وہیں بیٹھے اس کے کزن نے چٹکلا چھوڑا جس پر عارفین جھینپ گیا اور اس کی اس ادا پر پورا کمرہ زعفران زار بن گیا ہر ایک کو موقع ملا تھا عارفین کو چھیڑنے کا جس میں سب سے آگے ژالے اور حرا پیش پیش تھیں۔

"خوب کرلو مکر یار! رکھو اللہ سب کو چانس دیتا ہے"۔ عارفین نے باری باری دونوں کو گھورا۔

"بندہ کا تو نہیں معلوم مگر اس وقت تو کوئی ہمارے ہاتھ میں ہے"۔ حرا چہکی۔

"ارے کون سے یاد آیا تم لوگ پھر بھول گئے بھئی! مقسوم بھائی سے اس ایک ماہ میں ہم میں سے [illegible] کسی کا بھی سامنا نہیں ہوا اور جس سے نہیں ہونا چاہیے تھا وہ محترم پورا ایک گھنٹہ ان سے ملاقات کا شرف بخش کر آئے ہیں۔ آپ لوگ بہن ایک گھنٹے کو یوں فراموش نہیں کر سکتے بلکہ ان سے پورا پورا چارج اگلوا لیجئے کہ اس ایک گھنٹے میں کیا کیا فرمانے [illegible] ہیں اور کیا سن کر آئے ہیں۔" ثرالے دور کی کڑی کھینچ کر لائی تھی اور عارفین جس بات سے ڈر رہا تھا آخر کار وہی ہوا... وہ سمجھا وہ لوگ بھول گئے ہوں گے مگر اس ثرالے کی بچی کا کیا کریں جس کا دماغ نہیں چلتا پھرتا کمپیوٹر تھا۔

"جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر کیسی بات ہے عارفین بھائی؟" ایک منچلے کزن نے ہانک لگائی۔

"بتایئے نا عارفین بھائی! کیسی بات ہے؟" منزا نے ثرالے کے ہاتھ پر تالی ماری۔

"وہ تو مما نے بھیجا تھا مجھے وہاں کہ شرارے دکھا کے آ جاؤں مقسوم کی امی کو۔"

"اوہ.....!" پورے کمرے میں "اوہ" کا زوردار نعرہ لگا تھا، عارفین نے سب کو گھورا تھا وہ سب سمجھتا تھا ان سب کے مذاق کو مگر کیا کرتا وہ اس وقت بالکل اکیلا تھا اور وہ سب ایک تھے۔

"اچھا پھر کیا ہوا؟" حرا نے مزے سے پوچھا جیسے کوئی کہانی سن رہی ہو۔

"کیا مطلب کیا ہوا؟"

"مطلب یہ کہ مقسوم بھائی کو شرارے پسند آ گئے؟" ثرالے شرارت سے بولی۔ مگر عارفین خاموش رہا۔ ان سب نے ذرا سی بات کا مذاق بنا لیا تھا۔ مقسوم سے ملاقات صرف پانچ منٹ کی ہوئی تھی وہ بھی اتفاقاً، وہ اپنی کسی سہیلی کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھی اس کی امی بھی وہیں موجود تھیں، وہ وہیں چلا آیا وہیں پر اس نے پہلی بار مقسوم کو دیکھا تھا، وہ [illegible] اسے سلام کر کے کھڑی ہو گئیں اور وہ اپنے ساتھ کھڑی اپنی سہیلی کا ہاتھ پکڑ کر جس طرح کمرے میں بھاگی جیسے عارفین ابھی اسے پکڑ کر اپنے ساتھ ہی لے جائے گا۔ یہی بات اس نے آ کر رابعہ کو بتا دی، بدقسمتی سے پیچھے ثرالے کھڑی تھی جس نے خوب ریکارڈ لگایا اس کا۔

"ہیلو گائز! کیا ہو رہا ہے؟" زرمیل کی گھمبیر و بھاری آواز پر سب نے ہی پلٹ کر دیکھا تو گویا سب کو ہی سانپ سونگھ گیا، ہر کوئی اپنی جگہ ساکت و جامد بیٹھا رہا گویا پورے کمرے میں سناٹا بکھر گیا، جو زرمیل کو بہت محسوس ہوا، وہ چلتا ہوا عارفین کے برابر میں رکھے خالی صوفے پر براجمان ہو گیا۔

"خیریت... یہ ماحول میں اس قدر خاموشی کیوں؟ یار! میں ایسا کوئی ڈریکولا ابھی نہیں کہ تم سب لوگوں کو ثابت سالم ہی نگل جاؤں گا۔" اس کی نظر سب پر سے ہوتی ہوئی ثرالے پر جا ٹھہری جو پنک ایمبرائیڈ دھانی دوپٹے کو ہاتھ میں پکڑے یوں دیکھ رہی تھی جیسے اس سے ضروری کوئی کام ہی نہیں۔

"دیکھو ذرا کیسے چپ ہو گئے سب کے سب اتنے سیدھے جیسے ان سے زیادہ کوئی سیدھا اور خاموش [illegible]" عارفین نے مسکرا کے زرمیل کو دیکھا۔

"مگر مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے لوگوں کو میرا یہاں آنا خاص پسند نہیں آیا۔" اس کا اشارہ صاف ثرالے کی سمت تھا جسے وہاں موجود ہر فرد نے نوٹ کیا تھا۔

"ارے نہیں زرمیل بیٹا! ایسی بات نہیں ہے اصل میں سب جانتے ہیں کہ تمہیں زیادہ شور شرابا، ہلا گلا بالکل پسند نہیں اس لیے سب خاموش ہو گئے ہیں۔" رابعہ نے اپنے چہیتے بھتیجے کو پیار بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

"پھپھو! اگر ایسی بات ہے تو سب سن لیں کہ مجھے یہ سب شور شرابا، ہلا گلا بہت پسند ہے۔" اس کی نظر اب بھی ثرالے پر ہی تھی۔

"جی...؟" سب کی کورس میں آوازیں بلند ہوئی تھیں، سوائے ثرالے کے جو اب بھی دوپٹے کو بغور دیکھ رہی تھی۔

"جی ہاں بالکل سچ۔" زرمیل خوشگوار مسکراہٹ بکھیرتا ہوا بولا تھا۔

"زرمیل! کچھ کھانے کو لاؤں؟" رابعہ نے کہا۔

"نہیں پھپھو! نیچے کھانا کھا کر آیا ہوں، آپ پلیز اچھی سی کافی پلوا دیں۔" نہایت سہولت سے کہا۔

"ابھی لاتی ہوں۔" وہ جانے لگیں تو سب کی پیچھے سے آوازیں آئیں کافی کی فرمائش کے لیے۔

"ہاں تو بھئی! میرے آنے سے قبل کیا گفتگو چل رہی تھی؟" زرمیل نے سب پر ایک نظر ڈالی۔

"میں سمجھتی ہوں رضا مما کو تنگ کر رہا ہوگا۔" ثرالے زرمیل کو بری طرح نظرانداز کرتی ہوئی دوپٹے کو ٹھیک کرتی کھڑی ہو گئی، زرمیل نے خاص نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"جو میدان چھوڑ کے بھاگتے ہیں وہ بزدل ہوتے ہیں۔" عارفین اس کی جانے کی وجہ سمجھ گیا تھا۔

"ٹھیک کہتے ہیں آپ عارفین بھائی! جو میدان چھوڑ کے بھاگتے ہیں وہی لوگ بزدل ہوتے ہیں۔" اس نے دیکھا جو وہ عارفین کو نہیں تھا مگر چوٹ زرمیل پر پڑی تھی، کمرے میں موجود ہر شخص اس کا اشارہ سمجھ گیا تھا اور سب کی نظریں صرف زرمیل کی سمت اٹھی تھیں، وہ سب اندر ہی اندر سہم سے گئے تھے اور سب کی یہی سوچ تھی کہ ثرالے، زرمیل کے غیض و غضب کی تاب سے نہیں بچ سکتی مگر سب کی حیرت اس وقت زیادہ بڑھی کہ نہ تو زرمیل کے چہرے پر پہلے والا وہ غصہ و جلال تھا نہ ہی ان کی آنکھوں میں وہ سختی تھی جو وہ سب بچپن سے دیکھتے چلے آ رہے تھے۔

ثرالے اور زرمیل کی اس زبردستی کی شادی سے تقریباً آدھا خاندان ہی واقف تھا، ثرالے، زرمیل سے کوئی پندرہ سال چھوٹی تھی، والدین کی زور زبردستی کی بنا پر یہ شادی ہوئی تھی اور نتیجہ زرمیل، ثرالے کو دو دن بعد ہی کسی کو بغیر بتائے کہیں چلا گیا تھا۔

زرمیل کی گمشدگی، ثرالے کا بلک بلک کر رونا، ارشد کا غصہ اور پھر رضا کی پیدائش اور آخر میں زرمیل کی یوں اچانک آمد دو سال بعد اس کی آمد کیا رنگ لاتی ہے کوئی نہیں جانتا تھا، مگر اس کی واپسی پر ارشد کسی زخمی شیر کی طرح اپنے شکار کو دبوچ لینے کے لیے موقع کی تلاش میں تھا، وہ تو سلیم صاحب کا حکم تھا ورنہ اب تک وہ اس کے رو برو ہوتا۔

زرمیل صرف دھیرے سے اس کی بات پر مسکرا دیا اور صوفے سے کھڑا ہوا اور چلتا ہوا ثرالے کے مقابل آ ٹھہرا تھا۔

"یہ بزدل اپنا گناہ بھی تو قبول کر رہا ہے اور کسی بھی سزا کے لیے تیار ہے سوائے تمہاری جدائی کے۔" تھوڑا جھک کر ثرالے سے سرگوشی کی، مگر وہاں موجود سب ہی انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے، زرمیل کا یہ انداز تکلم، یہ طرز گفتگو تو کبھی نہ تھا، اس قدر بدلاؤ سب ہی بے ہوش ہونے لگے ہوں جیسے کسی کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

"آہم... آہم...!" عارفین زور سے کھنکھارا، زرمیل کو تو رتی بھر فرق نہیں پڑا البتہ ثرالے بری طرح جھینپ کر رہ گئی

اور عارفین کو گھورتی ہوئی پیر پٹخ کر جانے لگی۔

"اگر آپ کی ناز و نیاز کی محبت بھری سرگوشیاں ختم ہو چکی ہوں تو پلیز آپ واپس یہیں آجایئے اور ویسے بھی ثنا لے جا چکی ہے"۔ عارفین دلکشی سے مسکرایا تھا۔

"کیوں نہیں ضرور"۔ زرمیل نے جاتی ہوئی ثنا لے کو ایک نظر دیکھا۔

"یار زرمیل بھائی! دو سال میں آپ بہت بدل گئے ہیں"۔ ان کے ایک کزن چاند نے اپنے لب و لہجے میں حیرانگی سموتے ہوئے کہا تھا۔

"کیوں کیا میں انسان نہیں ہوں؟"

"یہ انسانوں والی خصوصیات پہلے کہاں تھیں بھائی؟" سب کو تو جیسے موقع مل گیا تھا زرمیل کے اس بدلے انداز پر۔

"کچھ شرم کرو تم سب، یہاں میری بیوی مجھ سے ناراض ہے نا کہ تم لوگ میری مدد کرو تم لوگوں کو مذاق سوجھ رہا ہے"۔

"اوہ....!" سب نے ایک دوسرے کو دیکھنے کے بعد زرمیل کو دیکھا۔

"تو منایئے نا ثنا لے کو، آپ کو آئے تقریباً بارہ گھنٹے ہو گئے اور ابھی تک یوں ہی اکیلے اکیلے کسی بیوہ کی طرح پھر رہے ہیں"۔ عارفین کی زبان بے لگام ہی تھی اور اب تو کچھ زیادہ ہی زبان میں کھجلی ہو رہی تھی۔ زرمیل اس کے "بیوہ" کہنے پر جھینپ کر رہ گیا، زرمیل کے اس طرح جھینپنے پر سب کا مشترکہ قہقہہ کمرے کی خوشگوار فضاؤں میں گونجا تھا، یہ منظر بہت لطف اندوز تھا۔

☆..........☆..........☆

"یہ تم کہاں چلیں؟ کیا سارے کپڑے پیک ہو گئے؟" ثمرن بھابی نے اسے سیڑھی پر ہی پکڑ لیا تھا۔ ثمرن کی گود میں رضا تھا جو ثنا لے کو دیکھ کر اس کے پاس آنے کے لیے ہمکنے لگا تھا۔

"کیا پیک کروں، کوئی سیریس ہی نہیں ہو رہا۔ سب کو مذاق سوجھ رہا ہے"۔ اس نے رضا کو ان کی گود سے لیتے ہوئے کہا۔

"چلو میں دیکھوں، یہ سب پاگل ہو گئے ہیں کل بری لے کر جانی ہے، کتنا کام کرنے کو ابھی باقی ہے"۔

"نہیں ثمرن بھابی! اب مجھے رضا کو سلانا ہے آپ جایئے"۔ وہ واپس اس جگہ دوبارہ جانا نہیں چاہ رہی تھی۔

"کوئی نہیں سلانا اور ویسے بھی رضا سونے کے بالکل موڈ میں نہیں ہے چلو اوپر"۔ ثنا لے کے انکار کو ثمرن نے یکسر نظرانداز کر دیا تھا اور اس کا ہاتھ پکڑے پھپھو کے پورشن میں آ گئیں، اس کے منع کرنے کے باوجود۔ سامنے صوفے پر عارفین کے ساتھ باتیں کرتا زرمیل پر نظر پڑی تو ثنا لے کا گریز اور یہاں نہ آنے کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ ثنا لے کی کلائی پر ثمرن کی گرفت خود بخود ڈھیلی پڑ گئی، اس کے چہرے پر ڈر و خوف کا ایک سایہ لہرایا تھا اور یہ ڈر تھا ارشد کا۔ اس سے پہلے کہ ثنا لے واپس ہوتی عارفین تیزی سے اٹھا اور ثنا لے کی گود سے رضا کو لے کر واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا، ثمرن نے ثنا لے کو دیکھا جس کی نظر عارفین کی گود میں رضا پر تھی، ثمرن نے ایک گہری سانس بھری اور نظر رابعہ پھپھو پر ڈالی جو دوسرے سے جانے کی غرض سے اٹھ کر آ گئی تھیں۔

"کچھ شرم کرو تم لوگ! آ کر رابعہ پھپھو کا ہاتھ بٹاؤ، ان سے ہی کام کروا رہی ہو"۔ ثمرن نے سب لڑکیوں کو بری طرح ڈپٹا۔

"رہنے دو بیٹا! کوئی بات نہیں"۔ رابعہ نے ان کی حمایت لی اور ٹرے زرمیل کے آگے بڑھا دی جس میں سے اس نے ایک کپ اٹھا لیا۔

"تمہیں پھپھو! اگر ایسے ہی بیٹھی رہیں گی تو ہمارا کام ایسے ہی پڑا رہے گا، اب جلدی سے سب اٹھو، یہ سارا سامان اٹھاؤ اور دوسرے کمرے میں لے کر چلو"۔ انہوں نے سختی سے کہا، ساری لڑکیاں اٹھیں اور سارا پیکنگ کا سامان اٹھا کر دوسرے کمرے میں چلی آ گئیں۔

"آؤ ثنا لے!" وہ ثنا لے کا ہاتھ پکڑنے لگی، اصل میں یہ سب صرف اس نے ثنا لے کی وجہ سے کیا تھا، اگر ارشد دیکھ لیتے کہ وہ ثنا لے کو زرمیل کے ساتھ لے کر بیٹھی ہے تو ارشد سب کے سامنے اس کی بے عزتی کرنے میں سیکنڈ بھی نہیں لگاتا۔

"بھابی! رضا....!" اس کی نظر رضا پر ہی تھی جسے زرمیل نے عارفین سے لے لیا تھا، ثمرن نے پلٹ کر دیکھا رضا، زرمیل کی گود میں اس سے کھلکھلا رہا تھا۔

"وہ زرمیل بھائی کے پاس ہے ثنا لے!" نہایت نرمی سے کہا۔

"نہیں بھابی! مجھے ان پر بالکل اعتبار نہیں ہے، آپ پلیز مجھے رضا کو لا دیں"۔ آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں، ان آنکھوں میں رضا کے لیے اس قدر تڑپ تھی کہ ثمرن کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"ٹھیک ہے تم چلو میں لاتی ہوں"۔ ثمرن نے پیار سے اس کا گال تھپتھپایا وہ ثمرن پر یقین کی ایک نگاہ ڈالتی آگے بڑھ گئی اور ثمرن، زرمیل کی سمت بڑھی تھی۔

"زرمیل بھائی! رضا کو دیں"۔

"بھابی! رضا، زرمیل کے پاس خوش ہے کھیل رہا ہے، آپ لوگ آرام سے کام کریں"۔ عارفین نے رضا کو زرمیل کی گود میں خوش دیکھا تو ثمرن سے کہا۔

"نہیں ثنا لے پریشان ہو رہی ہے"۔

"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے اور پھر زرمیل کوئی غیر تو نہیں رضا کے باپ ہیں"۔

"یہی تو مسئلہ ہے کہ زرمیل بھائی رضا کے باپ ہیں، جس پر ثنا لے کا کہنا ہے کہ وہ ان پر بالکل اعتبار نہیں کر سکتی"۔ چبھتا ہوا لہجہ تھا زرمیل خاموشی سے دیکھ کر رہ گیا۔

"یہ کیا بچکانہ باتیں ہیں بھابی! ٹھیک ہے جو ہونا تھا وہ ہو چکا اس میں کوئی کیا کر سکتا ہے، آپ ثنا لے کو سمجھایئے"۔ عارفین مکمل طور پر زرمیل کی حمایت میں تھا اور اس کی باتیں تو جیسے ثمرن کو غصہ ہی دلا گئیں۔

"سمجھاؤں.... دو سال سے سمجھا ہی تو رہی ہوں اور عارفین! تم تو اس طرح بول رہے ہو جیسے کچھ جانتے نہیں ہو، ثنا لے کا رونا تڑپنا، بلک بلک کر بین کرنا اور اس کی آخری حد خودکشی کی کوشش کرنا، کیا یہ سب تم بھول گئے ہو؟ ہاں یہ سب تم بھول سکتے ہو کیونکہ تم ایک مرد ہو اور تم مردوں کے پاس نہ تو کوئی جذبات ہوتے ہیں اور نہ ہی احساسات، تو وہ کسی اور

کی فیلنگ کیا سمجھ سکتے ہیں"۔ ثمرن کے کھری کھری سنانے پر جہاں عارفین کا سر شرمندگی سے جھک گیا تھا، وہیں زرمیل ان انکشافات پر شاک ہو کر رہ گیا تھا۔

"اور کیا کہا تھا تم نے کہ جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے، اس میں کوئی کیا کر سکتا ہے؟ ہونہہ..... کیونکہ ہمیشہ ہر طرف سے نقصان عورت کا ہی ہوتا ہے۔ ژالے کوئی غیر تو نہیں تھی، اسی گھر کی بیٹی ہے، گھر کے ہر فرد کی لاڈلی، اگر اس کے ساتھ ایسا ہوا ہے تو قصور کس کا ہے اس میں؟ عمل کا ردعمل تو ہوتا ہی ہے، اگر وہ آج ایسی ہے تو یہ سب زرمیل بھائی! آپ کی وجہ سے ہے، وہ اگر آپ کو کچھ لوٹا رہی ہے تو وہی سب لوٹا رہی ہے جو آپ اسے دے کر گئے تھے اور صحیح تو کہہ رہی ہے وہ اعتبار کی کون سی ڈور آپ نے اس کے ہاتھ میں تھمائی تھی جو وہ آپ پر بھروسہ کرے؟" ثمرن نے زرمیل کی طرف شکوہ بھری نظروں سے دیکھا اور جھک کر ان کی گود سے رضا کو لے لیا اور جانے لگی کہ پھر پلٹ کر خاص زرمیل کو دیکھا تھا۔

"معذرت کے ساتھ زرمیل بھائی! بے شک میں آپ کو اپنا بھائی مانتی ہوں مگر میرا پورا سپورٹ صرف ژالے کے لیے ہے، اسے میں نے ان گزرے دو سال تک کیسے سنبھالا ہے یہ میں اور میرا پروردگار جانتا ہے"۔ وہ پھر رکی نہیں، رضا کو لے کر چلی گئی۔ زرمیل وہاں بیٹھا ندامت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا وہ خود کو اس وقت اتنا گرا ہوا محسوس کر رہا تھا کہ شاید کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔

"زرمیل!" عارفین نے اس کے ساکت مضبوط شانے پر ہاتھ دھرا۔

"میں جانتا ہوں کہ مجھ سے سنگین غلطی سرزد ہوئی ہے اور میں اپنی غلطی تسلیم بھی کرتا ہوں، اس کے لیے مجھے کوئی بھی سزا ملے مجھے منظور ہے، مگر ژالے سے جدائی میں برداشت نہیں کر سکتا، میں اپنی جان تو دے سکتا ہوں مگر ژالے کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا"۔ عارفین نے بغور زرمیل کو دیکھا تھا وہ اپنی غلطی پر پشیمان تھا بے شک اسے بھی زرمیل پر غصہ تھا مگر وہ نادم تھا اپنی غلطی مان رہا تھا، ژالے سے معافی بھی مانگنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اب ژالے کو دل سے چاہتا تھا۔

"زرمیل یار! تجھے ژالے کو منا لینا چاہیے"۔

"ہاں! میں ژالے کو منا لوں گا، وہ صرف میری ہے اور ہمیشہ میری ہی رہے گی، ارشد کو اس کے ارادے میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا"۔ آنکھوں میں جیت جانے کا ایک عزم سر ابھار رہا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا تم جیسا اسٹون مین بھی کسی کے عشق میں ڈوب سکتا ہے"۔ عارفین کو اگر زرمیل کے اس بدلے انداز پر حیرت ہوئی تھی تو خوشی بھی بہت تھی۔

"ڈیئر! ابھی تم عشق کی باتوں سے نابلد ہو، شادی ہو جائے پھر پتہ چلے گا محبت کیا ہوتی ہے اور عشق کس چڑیا کا نام ہے"۔ زرمیل بھاری لہجے میں کہتا ہوا وہاں سے اٹھا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

"کیا سوچ رہی ہو؟" نجمہ بیگم بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے گم صم خلاؤں میں نہ نظر آنے والی شے کو گھور رہی تھیں، وہیں بیٹھے سلیم احمد آفس کی کوئی فائل دیکھ رہے تھے جب ان کی نظر خاموش بیٹھی کچھ سوچتی ہوئی نجمہ بیگم کی سمت اٹھی تھی۔

"زرمیل واپس آ گئے ہیں"۔

"ارے یہ تو بارہ گھنٹے پہلے کی خبر ہے، کوئی نئی بات کریں"۔

"سلیم! مجھے ارشد سے بہت ڈر لگ رہا ہے"۔ انہوں نے دل کا ڈر عیاں کیا۔

"ارے پہلی ماں ہو دنیا کی جسے اپنی اولاد سے ڈر لگ رہا ہے"۔ لب و لہجہ غیر سنجیدہ تھا۔

"سلیم! آپ سیریس کیوں نہیں لیتے میری بات کو؟ میرے کہنے کا مقصد ہے مجھے ارشد کے غصے سے بہت ڈر لگ رہا ہے، ابھی تک ارشد اور زرمیل کا سامنا نہیں ہوا ہے، مجھے ڈر ہے اگر سامنا ہو گیا تو کوئی طوفان ہی آ جائے گا، وہ ژالے کی وجہ سے آگے کچھ نہیں دیکھیں گے، کبھی کبھی تو ثمرن کو بری طرح جھڑک دیتے ہیں ژالے کے لیے"۔

"بھئی! اکلوتی لاڈلی بہن ہے ارشد کی، جو اتنی منتوں و مرادوں سے ہماری زندگی میں آئی ہے، پندرہ سال بڑے ہیں ارشد ژالے سے، وہ بہت چاہتے ہیں ژالے کو، اگر اسے معمولی سی بھی زک پہنچے گی تو ان کا دل تو دھڑکے گا ناں؟"

"سلیم! مجھے واقعی لگ رہا ہے کہ آپ بالکل غیر سنجیدہ ہیں"۔ وہ بری طرح زچ ہو گئیں، وہ بات کیا کر رہی تھیں اور وہ کیا جواب دے رہے تھے، سلیم احمد مسکرا دیئے۔

"میں یہاں بہت پریشان ہوں اور آپ مسکرا رہے ہیں"۔ سلیم ان کے چہرے پر رقم پریشانی دیکھ کر سنجیدہ ہو گئے اور بات ختم کر دی۔

"اگر آپ پریشان ہیں تو مت ہوں، کیونکہ میں نے ارشد سے بات کر لی ہے، عارفین کی شادی ہو جائے پھر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے"۔

"ارشد مان تو گئے ہیں نا آپ کی بات؟" نجمہ بیگم کو جیسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ارشد اتنی آسانی سے کیسے مان گیا۔

"تو آپ یہی سوچ رہی ہیں کہ ارشد اتنی آسانی سے کیسے مان گئے؟" انہوں نے بغور دیکھا، نجمہ بیگم نے دھیرے سے اثبات میں گردن ہلائی تھی۔

"تو نجمہ بیگم! میں نے ارشد سے کہہ دیا کہ اگر کوئی بھی گڑبڑ ہوئی تو میں ژالے کو ان کی خالہ کے پاس لندن بھجوا دوں گا تاکہ شادی میں کوئی بدمزگی نہ ہو"۔

"کیا مطلب آپ ژالے کو لندن بھیجیں گے؟" ان کا دل دہل گیا، ایک ہی تو بیٹی تھی ان کی جسے وہ بھلا نظروں سے دور کر سکتی تھیں۔

"ارے نہیں بھئی! میں نے تو صرف ارشد کو دھمکی دی ہے، ہو سکتا ہے اس دوران کوئی سبیل نکل آئے"۔ وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گئے، نجمہ بیگم بیڈ سے اتر کر سلیم احمد کے برابر رکھی چیئر پر آ بیٹھیں۔

"سلیم! ایک بات پوچھوں آپ سے؟"

"ہوں..... پوچھیں!"

"کیا آپ بھی چاہتے ہیں کہ زرمیل، ژالے کو طلاق دے دیں؟" سلیم احمد نے چند لمحوں کے لیے انہیں نہایت غور سے دیکھا تھا۔

"آپ کیا چاہتی ہیں؟" الٹا ان سے سوال کیا تھا۔

"کوئی بھی ماں یہ نہیں چاہتی کہ اس کی بیٹی طلاق کا داغ لے کر گھر بیٹھ جائے، اس کا گھر اجڑ جائے"۔ لہجہ بہت دکھی

تھا۔

"تو پھر آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں اپنی پھولوں سی بیٹی کا گھر برباد کروں گا؟ ٹھیک ہے میں مانتا ہوں زرمیل نے جو کیا وہ سراسر غلط ہے مگر غلطی تو ہم سے بھی ہوئی ہے، زرمیل نے ہم سے شادی کرنے سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ ژالے سے شادی نہیں کرنا چاہتا، وجہ ایج ڈیفرنس، مگر ہم نے اس کی وجہ کو فضول گردان کر دونوں کی زبردستی شادی کروادی۔ مگر جو ہوا سو ہوا، زرمیل کی دو سال بعد واپسی، شاید انہوں نے یہ رشتہ قبول کرلیا ہے، پیار کرنے کا ادا در رکھتے ہیں یہ تو صرف دی جانتے ہیں، بہرحال اب جو بھی بات ہوگی وہ عارفین کی شادی کے بعد ہوگی اور ویسے بھی کل بڑے بھائی جان نیروبی سے واپس آرہے ہیں"۔

"تو کیا بھائی جان کو پتہ چل گیا زرمیل کے گھر واپس آنے کا؟"

"نہیں مگر کل تو پتہ چل ہی جائے گا، دیکھو ان کا کیا ردعمل ہوتا ہے"۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، مگر سلیم! میرا دل یوں ہی ہر لمحے دہلتا رہتا ہے، اگر زرمیل نے واقعی ژالے کو چھوڑ دیا تو کیا ہوگا، کیونکہ ژالے اب اکیلی نہیں ہے سلیم! ان دونوں کا ایک بیٹا بھی ہے رضا، جو ابھی صرف ایک سال کا ہی تو ہے، بہت چھوٹا اور معصوم ہے وہ"۔

"آپ بھی اپنی جگہ بالکل درست ہیں نجمہ! مگر فکر مت کریں، انشاء اللہ سب بہتر ہو جائے گا، آپ اچھی امید رکھیں، مایوس مت ہوں، اور اب بہت رات ہو رہی ہے صبح پھر جلدی اٹھنا ہے، چلیں ساری سوچوں کو فی الحال جھٹک دیں اور پرسکون نیند سو جائیں ورنہ پھر آپ کا بی پی بڑھ جائے گا"۔ سلیم احمر نے ان پر ایک مسکراتی نگاہ ڈال کر گاگل سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور اٹھ کر واش روم میں چلے گئے اور نجمہ بیگم اپنی لاتعداد سوچوں میں گھری بیڈ پر آکر لیٹ گئیں، ان کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔

☆..........☆..........☆

دروازے پر دستک بہت زور زور سے ہو رہی تھی وہ جو نہایت گہری نیند سو رہی تھی، ہڑبڑا کے رہ گئی، کمرے میں چونکہ بہت اندھیرا تھا فوراً ہاتھ بڑھا کے ٹیبل لیمپ آن کیا، پہلو میں بے خبر نیند کی آغوش میں سوتے رضا کو دیکھا جو کمبل میں لپٹا تھا، اس زوردار آواز سے وہ بھی ہلکا سا کسمسانے لگا تھا، ژالے نے خود پر سے بلینکٹ ہٹایا اور دروازے کی سمت بڑھی، دروازہ کھولا جہاں پریشان سی ثمرن کھڑی تھی۔

"بھابی! خیریت کیا ہوا؟" ان کی پریشان گھبرائی ہوئی صورت دیکھ کر وہ بھی گھبرائی۔

"ژالے! اتنی دیر سے دروازہ کھولا میں تو پریشان ہی ہوگئی"۔ وہ پریشان پریشان سی اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"تا کیا ہوا ہے؟" ژالے نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کر سارے بٹن آن کردیے نظر وال کلاک پر پڑی جہاں دو بجنے کا تقریباً ایک بجنے والا تھا۔

"میں اتنی دیر تک سوتی رہی ہوں؟"

"جی ہاں، اور جانتی ہو میں گیارہ بجے بھی آئی تھی تم نے اندر سے دروازہ لاکڈ کیا ہوا تھا، میں بہت پریشان ہوگئی تھی۔

جاری ہے

مکمل ناول

تیرے پیار کی خوشبو

"جی ہاں، اور جانتی ہو میں گیارہ بجے بھی آئی تھی تم نے اندر سے دروازہ لاک کیا ہوا تھا، تب بہت پریشان ہو گئی تھی، آج تک ایسا کیا جو نہیں تھا تم نے"۔ اب ڈالے انہیں کیا بتاتی کہ زرمیل کے ڈر سے اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی،

دروازہ لاک کر دیے تھے، اس دن کی ان سرمئی آنکھوں کی وہ بے باکی بھلا کیسے بھول سکتی تھی وہ۔

"میں تو اب ارشد کو بلانے ہی والی تھی کہ تم نے دروازہ کھول دیا، جب سے تم نے اپنے ساتھ خودکشی کرنے کی کوشش کی ہے ہم سب تمہاری طرف سے بہت فکرمند ہو گئے ہیں"۔ ڈالے کا سر شرمندگی سے جھک گیا تھا۔

"سوری بھابی! آپ کو میری وجہ سے پریشانی اٹھانی پڑی"۔

"ارے نہیں جان! یہ کیسی باتیں کر رہی ہو، دو سال میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ تم اتنی دیر تک سوتی رہی ہو اور وہ بھی دروازہ لاک کر کے، اس لیے میرے دل میں بہت سے شک و شبہات، وسوسے آنے لگے تھے"۔ ثمرن نے پیار سے اس

کے شبد آ گیں کو لندن بکھرے بالوں کو سمیٹا۔

''اچھا چلو چھوڑو، تم جلدی سے فریش ہو، میں رضا کو تیار کر کے لے کر جا رہی ہوں''۔ ثمرین بیڈ پر کھسکاتے رضا کی طرف بڑھی، ثرا نے ان دونوں پر ایک نظر ڈال کر واش روم کی سمت بڑھی تھی۔

☆......☆......☆

''اور سنایئے برخوردار! کیا ارادے لے کر واپس آئے ہیں آپ یہاں؟'' نعیم احمد آج 1 بجے ہی واپس آ گئے تھے اور انہیں اطلاع مل چکی تھی زرمیل کے واپس آنے کی، اس لیے پہلی فرصت میں زرمیل کی اپنے کمرے میں طلبی ہو گئی تھی۔ زرمیل، نعیم احمد کے سامنے شرمندگی سے سر جھکائے کھڑا تھا۔

''بابا! میں اپنی غلطی پر شرمسار ہوں''۔ دھیرے سے اپنی غلطی تسلیم کی۔

''غلطی.....!'' نعیم احمد نے جیسے تمسخر اڑایا تھا۔

''ماشاء اللہ اب تک آپ سمجھتے رہے ہیں کہ آپ نے غلطی کی ہے..... نہیں غلطی نہیں بلکہ ایک سنگین گناہ کے مترادف ہیں آپ، اور اس سنگین گناہ کی سزا کیا ہونی چاہیے کچھ اندازہ ہے آپ کو؟''

''جی مجھے اندازہ ہے، ثرا لے مجھ سے ناراض ہے اور میں اسے منا لوں گا''۔

''اچھا ویری گڈ!'' لب و لہجے میں بھرپور طنز تھا جو زرمیل کو مزید شرمندگی کی گہرائیوں میں دھنسا رہا تھا۔

''تو پھر آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ ارشد آپ سے بہت ناراض ہیں؟''

''جی.....!''

''ہوں... اور یہ بھی کہ آپ کی سزا بھی وہی تجویز کریں گے؟'' زرمیل خاموش ہو گیا اور اس کی گھمبیر خاموشی کو نعیم احمد نے بغور دیکھا تھا۔ زرمیل نے ایک گہری سانس لی اور آسیہ بیگم کی طرف دیکھنے کے بعد نعیم احمد کو دیکھا۔

''ارشد چاہے جو بھی کر لے مگر وہ یہ چاہتا ہے کہ میں ثرا لے کو طلاق دے دوں تو ایسا ناممکن ہے کیونکہ میں ثرا لے کو کسی بھی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا اور ایسا میں نے کبھی چاہا بھی نہیں''۔

''اگر ایسا نہیں چاہا تھا تو شادی کے دو دن بعد ہی اس ثرا لے کو روتا بلکتا کیوں چھوڑ کے چلے گئے تھے؟'' نعیم احمد کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا وہ غصے میں اتنی زور سے دھاڑے تھے کہ پیچھے بیڈ پر بیٹھیں آسیہ بیگم کا دل دہل کر رہ گیا۔

''اس وقت میں غصے میں تھا''۔

''تو آج اسی غصے میں ثرا لے کو طلاق بھی دے دو تم''۔ کتنی سفاکی سے انہوں نے یہ بات اتنی آسانی سے کہہ دی کہ آسیہ بیگم کی روح تک بلبلا اٹھی اور زرمیل کا دل خون ہو گیا اس نے تڑپ کے اپنے باپ کو دیکھا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ پاپا! میں ایسا نہیں کر سکتا''۔

''کیوں نہیں کر سکتے؟ شادی کر سکتے ہو ثرا لے سے اسے چھوڑ کے جا سکتے ہو اور ماں کو بھی منا سکتے ہو تو طلاق کیوں نہیں دے سکتے؟'' آج تو لگ رہا تھا جیسے اس کا یوم حساب کا دن ہو۔

''نعیم! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' آسیہ بیگم پیچھے سے کھڑی ہو کر نعیم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے بولیں، وہ چاہے کتنا اپنے لخت جگر بیٹے سے روٹھی تھیں، ناراض تھیں، بہت خفا تھیں، مگر وہ اپنی غلطی پر پشیمان تھا، معافی مانگ رہا تھا، ثرا لے کو بھی منانے کی کوشش کر رہا تھا تو پھر تھوڑی رعایت تو اسے ملنی چاہیے تھی۔

''کیوں آپ نہیں جانتیں میں کیا کہہ رہا ہوں؟'' انہوں نے تختی سے آسیہ بیگم کا ہاتھ اپنے کندھے سے جھٹکا تھا۔

''آج یہ جو کچھ بھی ہیں جتنے خودسر، خودپرست جسے اپنے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا جو صرف اور صرف اپنے بارے میں سوچتا ہے تو اس کی وجہ صرف آپ ہیں، اس کے بگڑنے کی ذمے دار، سنا آپ نے؟'' انہوں نے آسیہ بیگم کو بری طرح جھوڑا تھا۔

''مگر نعیم! زرمیل اپنی غلطی پر شرمندہ ہیں، معافی مانگ تو رہے ہیں''۔ نعیم احمد کی کڑوی کسیلی باتیں بلکہ الزامات وہ نہایت آرام سے برداشت کر گئی تھیں، اور جب زرمیل کی فیور میں بولیں بھی تو لہجہ نہایت دبا ہوا تھا۔

''تو... احسان کر رہے ہیں مجھ پر؟ ثرا لے کے گزرے دو سال جو انہوں نے اذیتوں میں گزارے ہیں رو رو کے اور یہاں تک انہوں نے خودکشی کرنے کی کوشش کی تو کیا لوٹا ئیں گے آپ کے صاحب زادے وہ گزرے دن؟ بیگم... آسیہ بیگم! کہنا بہت آسان ہے، مگر جس پر گزرتی ہے وہی جانتا ہے، اور آپ ایک عورت ہیں مجھ سے زیادہ ثرا لے کو آپ سمجھتی ہوں گی، مگر اب جو ارشد چاہیں گے وہی ہو گا، میں ارشد کے ساتھ ہوں''۔

''تو پھر میری بھی سن لیں، ثرا لے کو میری موت ہی مجھ سے الگ کر سکتی ہے''۔

''اچھا بہت خوب، تو میرا دل کر رہا ہے کہ میں اسی وقت تمہیں گولی سے شوٹ کر دوں''۔

''نعیم.....!'' آسیہ بیگم نے تڑپ کر اپنے دل پر ہاتھ رکھا تھا، وہ ایسے تو کبھی نہیں تھے، اتنے ظالم و سفاک یہ روپ تو وہ ان کا آج پہلی بار دیکھ رہی تھیں۔

''سمجھا یئے اپنے لاڈلے بیٹے کو کہ ارشد جو چاہتے ہیں اب وہی ہو گا، بہت من مانی کر لی، فی الحال تو میں خاموش ہوں رخصتی کی شادی کے بعد ہی اب آپ سے فائنل بات ہو گی''۔ وہ زرمیل کو قہر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کمرے سے نکلتے چلے گئے تھے۔ زرمیل جس کے اندر زبردست تلاطم برپا تھا، کتنے ہی آندھی طوفانوں نے اسے اندر تک توڑ پھوڑ کے رکھ دیا تھا، نعیم احمد اس کا سگا باپ، وہی اس کی زندگی کو مزید برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے، مگر چاہے کچھ بھی ہو جائے اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے وہ ثرا لے کو کسی قیمت پر طلاق نہیں دے گا، اس نے نظر اٹھا کے سامنے دیکھا جہاں آسیہ بیگم اپنے دل پر ہاتھ رکھے زمین پر بیٹھتی چلی گئیں، وہ تیزی سے ان کی سمت بڑھا۔

''ماما.....!'' اس سے ان کے ناتواں شانے پر اپنا بازو پھیلایا اور انہیں اٹھانے لگا وہ جو بے آواز زار و قطار رونے لگی تھیں، زرمیل کے ہاتھوں کو بری طرح جھٹک دیا۔

''خبردار جو آپ نے مجھ سے بات بھی کی تو''۔ زرمیل کا دل خون کے آنسو رو دیا۔

''آپ بھی ناراض ہیں مجھ سے ماما؟''

''ہاں میں بھی آپ سے سخت ناراض ہوں''۔ انہوں نے تختی سے کہا۔

''پھر تو میں واقعی میں مر جاؤں گا ماما!''

''زرمیل.....!'' زرمیل کے الفاظ نے جیسے ان کے پیروں تلے زمین کھینچ لی ہو، وہ ایک ماں تھیں کیسے اپنے بچے سے ناراض رہ سکتی تھیں۔

''پلیز ماما! آپ تو مجھے سمجھنے کی کوشش کیجیے''۔

''کیا سمجھوں میں؟ کیوں چھوڑ کے چلے گئے تھے تم ہمیں، اس گھر کو؟'' انہوں نے آنسوؤں بھری آنکھوں سے پاس بیٹھے زرمیل کو دیکھا۔

''ہم سے غلطی ہوئی، ہم مان رہے ہیں، تمہارے بہت انکار کرنے کے باوجود ہم نے تمہاری شادی ثرا لے سے کرا دی، مگر تم نے کیا کیا، اتنی بڑی سزا دے دی ہم لوگوں کو، تمہارے جانے کے بعد کتنا کچھ ہوا اس گھر میں جانتے ہو؟ میں، سلیم اور بچوں کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہیں رہی اور ثرا لے..... وہ تو بہت معصوم ہے اس کی تو میں سب سے بڑی

مجرم ہوں، آج اس کی جو حالت ہے سب ہماری وجہ سے ہے، کس قدر خوش رہتی تھی، چہکتی رہتی تھی، پورے گھر میں اس کی ہنسی کی شرارتوں کی گونج رہتی تھی، مگر آج... آج انہی درو دیوار سے ایسا لگتا ہے اس کے رونے کی صدا سنائی دیتی ہے جو چیخ چیخ کر کہتی ہے کہ میں نے اس کی معصوم شرارتوں، اس کی قلقاریوں کا خون کر دیا۔ اس کی ہنسی اس کی مسکراہٹ کا گلا گھونٹ دیا"۔ آسیہ بیگم اپنے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے کسی معصوم سے بچے کی طرح بلک بلک کر رو دیں۔

"میں خود کو کبھی معاف نہیں کر پاؤں گی، بس اب تو یہی دعا ہے کہ اللہ مجھے موت دے دے، مگر میں جانتی ہوں مجھے سکون مرنے کے بعد بھی نہیں ملے گا، میری روح تڑپتی رہے گی"۔

"ماما پلیز! ایسی باتیں تو مت کریں"۔ زرمیل نے تڑپ کر انہیں خود سے لگا لیا۔

"بہت برا کیا زرمیل! آپ نے، کہیں منہ دکھانے کو نہیں چھوڑا"۔ زرمیل نے کچھ نہیں کہا، خاموشی سے انہیں اٹھایا اور بیڈ پر بیٹھا ایک گلاس فریج میں سے پانی لیا اور ان کے ہونٹوں سے لگا دیا جسے آسیہ بیگم نے دو تین گھونٹ پی کر واپس اسے تھما دیا۔

"ماما! مجھ سے نادانستگی میں غلطی ہوگئی ہے جس کے لیے میں معافی مانگنے کو بھی تیار ہوں، مگر میں بہت تنہا ہوں اکیلا پڑ گیا ہوں"۔ اس نے آسیہ بیگم کا نحیف سا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا لیا۔

"ڈالے کا ناراض ہونا اور ارشد کا غصہ ہونا بالکل جائز ہے، مگر میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ تم ڈالے کو طلاق دو، تم سے جو غلطی ہوئی سو ہوئی اس کا ازالہ ہو جائے گا مگر ڈالے کو طلاق دینے کے بعد اس کا ازالہ مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے جو یہ لوگ بالکل نہیں سمجھ رہے"۔ زرمیل نے بغور انہیں دیکھا تھا، دل میں ایک امید کی کرن روشن ہوئی، دل کو تھوڑا سکون ملا کہ اس کی ماں اس کے ساتھ ہے۔

"ماما! میں ارشد سے خود بات کروں گا"۔

"نہیں تم ارشد سے کوئی بات نہیں کرو گے"۔ انہوں نے سخت لہجے میں اسے ٹوک دیا۔

"مگر کیوں ماما! آخر آپ سب لوگوں نے اس بدماغ کو اس قدر اپنے اوپر حاوی کیوں کر لیا ہے، اسے تو حویلی والوں کی اور پاپا کا جو رویہ ہے وہ تو آپ نے دیکھ لیا، ان کا پورا سپورٹ ارشد کی طرف ہے، اس لیے مجھے کسی سے کوئی امید نہیں ہے میں اپنا معاملہ اپنے طور پر ہینڈل کروں گا اور ارشد کا تو میں دماغ ٹھکانے لگا دوں گا"۔ ان سرخی آنکھوں میں غصے سے سرخ ڈورے پھیلنے لگے تھے۔

"زرمیل! بے وقوفی کی باتیں مت کریں، میں نے جب منع کر دیا کہ آپ ارشد سے کوئی بات نہیں کریں گے تو مطلب نہیں کریں گے"۔ انہوں نے ڈانٹ دیا، مگر زرمیل سر جھکائے خاموش رہا۔

"زرمیل! میں کیا کہہ رہی ہوں آپ سے؟" انہوں نے اس کا بازو ہلایا۔

"او کے نہیں کروں گا، مگر اس کے ناپاک ارادے میں اسے میں کامیاب بھی نہیں ہونے دوں گا، وہ جو چاہ رہا ہے ایسا میں نہیں ہونے دوں گا"۔

"تو میری جان! میں کب آپ سے کہہ رہی ہوں کہ ایسا ہو، آپ فکر مت کریں کوئی موقع دیکھ کر میں فہیم سے بات کرتی ہوں کہ وہ ارشد سے اور سلیم سے بات کریں"۔

"چلیں آپ یہ بھی کر کے دیکھ لیں، مگر آئی ایم شیور کہ پاپا میری سپورٹ میں بالکل نہیں ہیں وہ میرے لیے بات نہیں کریں گے، ہاں میرے خلاف ضرور بات کر لیں گے"۔ اس کے لب و لہجے میں بہت بدگمانی تھی جسے آسیہ بیگم نے نوٹ کر لیا تھا۔

"غلط بات مت کریں، اتنی بدگمانی بھی اچھی بات نہیں ہے، اچھا چلیں چھوڑیں، یہ بتائیے ڈالے سے بات ہوئی؟"

"ابھی ہوئی تھی اور آپ کی بہو صاحبہ کو ان دو سالوں میں بہت بولنا آ گیا ہے، وہ ڈالے جو میرے سامنے نظر اٹھا کے بولتے ہوئے ڈرتی تھی میری ذرا سی ڈانٹ پر سہم کر چھپ کر کسی کونے کھدرے میں بھاگتی تھی، وہ ڈالے آج بڑی بہادری سے میرے سامنے کھڑی اپنا دفاع کر رہی تھی"۔ کل کا سارا منظر اس کی آنکھوں میں گھوم گیا تو لب خود بخود مسکرا اٹھے۔

"بہت بدل گئی ہے ڈالے، وہ اب پہلے جیسی نہیں رہی ہیں، مسکرانا تو جیسے بھول ہی گئی ہے۔ سارا سارا وقت خاموش رہ کے گزار دیتی ہے، کسی نے بات کر لی تو جواب دے دیا وہ خاموشی کا قفل لگائے کام میں جتی رہتی ہے، کبھی کبھی تو سوچتی ہوں میرا دل ڈالے کو دیکھ کر اس قدر کٹ جاتا ہے تو نجمہ کا کیا ہوتا ہوگا"۔

"مگر اب میں آ گیا ہوں ناں، سب ٹھیک ہو جائے گا، آپ کی ڈالے پہلے کی طرح ہنسنے بولنے لگے گی"۔

"ان شاء اللہ بیٹا! میں بھی یہی چاہتی ہوں"۔

"اچھا یہ بتائیے ارضا کس پر ہے؟ سب سے زیادہ گھر میں کس سے اٹیچ ہے وہ؟" بیٹے کے ذکر پر ہونٹوں میں جیسے شیرینی گھل گئی ہو۔

"رضا تو بتایا ناں میرے زرمیل کا پرتو ہے، بہت پیارا بچہ ہے ماشاء اللہ سے، ہر کوئی اس پر جان چھڑکتا ہے، وہ بھی جیسے سب سے بہت پیار کرتا ہے سب کے پاس رہ جاتا ہے، نجمہ کی تو جیسے اس میں جان ہے، بہت دیکھ بھال کرتی ہیں وہ اس کی"۔ وہ مسکرا مسکرا کے رضا کے بارے میں بتا رہی تھیں، جسے زرمیل بہت شوق سے سن رہا تھا۔

☆..............☆..............☆

"حرا! تم نے رضا کو دیکھا ہے کہاں ہے وہ؟ کس کے پاس ہے کافی وقت ہو گیا میں نے اسے دیکھا نہیں"۔ پریشان سی ڈالے نے سامنے آتی حرا کو روکا جو چوڑیاں ڈال رہی تھی اپنی کلائی میں، ڈالے کی فکر مندی حرا سے چھپی نہیں رہ سکی۔

"تم اتنا پریشان کیوں ہو رہی ہو؟" نرم و ملائم لب و لہجے میں کہتے ہوئے اس نے ڈالے کا ہاتھ تھاما۔

"رضا کہیں نہیں جائے گا یہاں سب اس کے اپنے ہی تو ہیں"۔

"ہاں! ہیں مگر جب سے تمہارے بھائی آئے ہیں میرے دل و دماغ میں بس ایک ہی ڈر و خوف ہے کہ وہ میرے رضا کو مجھ سے چھین کر نہ لے جائیں"۔

"ایسا کیوں سوچتی ہو ڈالے؟"

"ایسا سوچنے پر تمہارے بھائی نے مجھے مجبور کیا ہے"۔

"ایک موقع تو دو تم انہیں"۔

"نہیں، کبھی نہیں، میری یہ زندگی اب صرف رضا کے لیے ہے اور ہم ہی ایک دوسرے کا سہارا ہیں کسی تیسرے کی کوئی گنجائش نہیں ہے ہماری زندگی میں"۔ وہ یہ کہتی ہوئی اس کا ہاتھ جھٹکتی وہاں سے تیزی سے نکل گئی حرا صرف اسے دیکھ کر رہ گئی، جیسے ہی پلٹی تھی سامنے زرمیل کو ایستادہ پایا تھا حرا چونک سی گئی۔

"زرمیل بھائی! آپ... آپ کب آئے؟"

"ڈالے مجھ سے بہت بدگمان ہے، کبھی کبھی تو سوچتا ہوں ڈالے کی یہ حد سے بڑھتی بدگمانی کوئی اور رنگ نہ لے آئے"۔ بہت ہارا تھکا تھکا سا لب و لہجہ تھا اس کا، حرا کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"آپ ابھی سے ہمت ہار گئے؟" زرمیل نے سرد سانس کھینچی۔

"نہیں ہمت تو میں آخری سانس تک نہیں ہاروں گا، ڈالے صرف میری ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسے مجھ سے الگ نہیں کر سکتی۔" کس قدر جنون تھا ان سرمئی کانچ میں، زحرا ایک ٹک دیکھتی ہی چلی گئی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟"

"یہی کہ میرے بھائی کے دل پر صرف ڈالے راج کرتی ہے اور اسے خبر ہی نہیں۔"

"ہو گی... خبر بھی ہو گی، تھوڑا انتظار کر لو، خیر! ابھی تو جانے میں کچھ ٹائم ہے تم ذرا میرے لیے ایک کپ کافی بنا دو۔" وہ اپنی بہن کے سر پر ہاتھ رکھے مسکراتا ہوا جس کمرے سے نکلا تھا اسی کمرے میں واپس چلا گیا، پیچھے کھڑی زحرا اپنے بھائی کے لیے دل سے دعا مانگتی کچن کی جانب چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

ڈارک بلیو شرارے جس کے آرگنزا دوپٹے پر بلیو اینڈ گرین گوٹے سے بہت نفیس دبمدہ کام ہوا تھا، پورا گھونگھٹ گرائے وہ شاہی کرسی پر براجمان تھی۔ خاندان کی ہر خاتون ایک ایک کرکے آ رہی تھی اور رسم کرکے جا رہی تھی مگر کسی نے بھی دلہن کا خوبصورت چہرہ نہیں دیکھا تھا کیونکہ دلہن کی دادی کا کہنا تھا کہ معصوم نے کوئی منت مانی ہے اور جب تک وہ منت پوری نہیں ہو جاتی وہ اپنا چہرہ کسی کو نہیں دکھائے گی۔ پوری محفل میں اس بات کو لے کر چہ مگوئیاں ہو رہی تھیں، کچھ بزرگ خواتین کو منت برا لگا تھا اور غیر شادی شدہ لڑکیاں خوب مزے لے رہی تھیں جبکہ عارفین کی کزنز نے تو باقاعدہ ریکارڈ لگا رکھا تھا اور چپت پٹے سے سوالات کر رہی تھیں جس کا معصوم صرف ہوں ہاں میں ہی جواب دے رہی تھی۔

"میں آپ سے بہت معذرت خواہ ہوں رابعہ! اور سوی کی اس بے تکی حرکت پر شرمندہ بھی بہت ہوں۔" معصوم کی والدہ سر جھکائے شرمساری رابعہ کے پاس کھڑی اپنی بیٹی کی نادانی پر پشیمان ہو رہی تھیں۔

"ارے کوئی بات نہیں، ہو جاتا ہے اکثر، ہو سکتا ہے معصوم کی نظر میں اہم ہو یہ منت!" وہ مسکرائیں مگر انہیں بھی یہ منت کچھ سمجھ میں نہیں آئی جس کا انہوں نے کچھ اظہار نہیں کیا۔

"سوی نے مجھے بھی آج صبح بتایا ہے اگر وہ تین دن پہلے بتا دیتی تو میں اس کی یہ بات بالکل نہیں مانتی، ابھی بھی میں سوی سے سخت ناراض ہوں۔"

"یہ تو آپ غلط کر رہی ہیں، یہ بیٹیاں بہت نازک ہوتی ہیں آپ پلیز معصوم سے ناراض مت ہوں۔"

"مگر آپ کے گھر والوں نے بھی تو سوی کو نہیں دیکھا سوائے آپ کے اور عارفین کے۔"

"میں نے سب کو سمجھا لیا ہے اور پھر اچھا ہے ابھی کوئی نہ دیکھے ایک چارم رہے گا۔" رابعہ نے ان کا ہاتھ تھام کر حوصلے سے دبا دیا۔

رابعہ کے اس نرم و ملائم انداز نے جہاں معصوم کی امی کو مطمئن کر دیا تھا وہیں وہ اپنی اکلوتی بیٹی پر بہت غصے میں بھی تھیں، وہ تو شکر تھا عارفین کی ماں نے غصہ نہیں کیا ورنہ ان کی بچی کا مستقبل جانے کیسا ہوتا۔

"یار ڈالے! یہ عجیب سی منت نہیں ہے پہلے تو کبھی ہم نے نہیں سنی۔" حرا کو بہت رنج ہو رہا تھا کہ وہ عارفین بھائی کی دلہن کو نہ دیکھ سکی۔

"ہاں عجیب تو ہے مجھے بھی تمہاری طرح بہت قلق ہو رہا ہے کہ عارفین بھائی کی دلہن نہیں دیکھ سکی۔" دونوں کی نظر مسند کی جیسر پر بلیو شرارے میں بڑے سے گھونگھٹ میں چہرے کو چھپائے معصوم پر تھی، یہاں تک کہ چہرے کو بھی اس قدر جھکایا ہوا تھا کہ آرگنزا دوپٹے سے جھلک تک نہیں دیکھ سکتا تھا کوئی۔

"یار حرا! یہ کیا بات ہوئی بھلا، ہم عارفین بھائی کی دلہن کو ہی نہیں دیکھ سکتے۔" ان کی کزن لائبہ اپنا ہی دکھ لیے دونوں کے پاس آئی تھی۔

"صبر میری جان! کیونکہ ہم بھی یہاں صبر کیے بیٹھے ہیں۔" حرا نے لائبہ کی معصوم شکل دیکھی تو مسکرا کر اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"پھر بھی یار! ایسی بھی کیا منت تم نے پہلے بھی نہیں سنی کہ اپنا مکھڑا ہی نہیں دکھانا کسی کو، تمہیں پتہ ہے وہاں بیٹھی کچھ خواتین تو خوب باتیں بنا رہی تھیں۔"

"تم لوگ یہاں کیا کر رہی ہو وہاں کھانا شروع ہو گیا ہے۔" ثمرن بھابی، رضا کو گود میں اٹھائے ان تینوں کے پاس چلی آئیں۔

"ہم نہیں کھا رہے کھانا جائیے آپ ان سے کہہ دیں کہ ہم نے بھی منت مان لی ہے کہ جب تک دلہن کا چہرہ نہیں دیکھ لیتے ہم کھانا نہیں کھائیں گے۔" یہ حرا تھی جو اپنے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی، کتنی خوش تھی کہ وہ معصوم سے خوب چھیڑ چھاڑ کرے گی مگر معصوم کی منت نے سارا خوشی ملیا میٹ کر دی۔

"کیا پاگل پن ہے یہ جانتی ہو لوگ کتنی باتیں بنائیں گے؟" ثمرن نے باقاعدہ اسے ڈانٹا تھا۔

"تو ثمرن بھابی! باتیں تو اب بھی بنا رہے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے مگر ہمیں اپنی طرف سے کوئی موقع نہیں دینا چاہیے اب اٹھو اور یہ فضول ضد چھوڑو۔"

"کیا بات ہے یہاں کیا کر رہی ہو تم سب وہاں کھانے کے لیے بلایا جا رہا ہے۔" اسی وقت زرمیل کی بھاری گمبھیر آواز نے چاروں کو چونکا دیا تھا۔

"بھائی! رضا کو دیں میں اسے تھوڑا میٹھا کھلا دوں گی۔" ڈالے اپنی جگہ سے اٹھی ثمرن کی گود سے رضا کو لیے آگے بڑھ گئی تھی جبکہ زرمیل کو اس نے بری طرح نظر انداز کر دیا تھا، جاتی ہوئی ڈالے پر زرمیل ایک خاموش نگاہ ڈال کر رہ گیا۔

☆......☆......☆

وہ بیساکھی کے سہارے چلتی ہوئی ریحان شیخ کے کمرے تک آ رکی اور آہستگی سے دروازہ ناک کیا تھا۔

"یس کم ان!" بھاری آواز اندر سے ابھری، وانیہ نے ہلکے سے دروازہ کھولا اور اندر کی سمت بڑھنے لگی، ریحان شیخ جو ٹائی کی ناٹ باندھ رہے تھے ان کی سیدھی نظر وانیہ پر اٹھی تھی۔

"ارے وانیہ بیٹا! آپ ابھی تک سوئی نہیں؟"

"نہیں بابا! میں آپ کے ساتھ ایئر پورٹ چلوں گی۔"

"بلکہ میں تو کہہ رہا ہوں کہ آپ میرے ساتھ کراچی ہی چلو، عارفین کی شادی میں تھوڑا انجوائے کر لو گی اور پھر رابعہ بھابی نے بھی کتنے پیار سے بلایا ہے آپ کو۔"

"رابعہ آنٹی کے پیار کی میں دل سے قدر کرتی ہوں بابا، مگر آپ تو جانتے ہیں کہ مجھے یہ سب شور و غل کی عادت نہیں ہے۔" اب وہ کیسے بتاتی کہ لوگوں کی ترس کھاتی نظریں اس کا دل چیر پھاڑتی ہوئی لگتی ہیں۔

"بابا کی جان! لوگوں میں اٹھو گی بیٹھو گی تو سب کچھ اچھا لگنے لگے گا اور رابعہ بھابی کے گھر جا کر آپ بور بالکل نہیں ہو گی بلکہ آپ کا تو وہاں سے آنے کا دل ہی نہیں چاہے گا۔" وہ اسے کسی بھی طرح اپنے ساتھ چلنے پر راضی کر رہے تھے۔

"نہیں بابا! آپ جائیے میں نہیں جاؤں گی۔"

"مجھے وہاں آپ کی فکر ہو گی۔" انہوں نے فکر مندی سے لب و لہجے میں کہتے ہوئے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ دھرا تھا۔

''بابا! صرف چند دن کی تو بات ہے لیکن اگر آپ کو تسلی نہیں ہو رہی تو ٹھیک ہے میں عنبر کے پاس چلی جاؤں گی یا اسے یہاں بلا لوں گی۔''

''جاؤ گی پھر بھی نہیں؟'' وہ دھیرے سے مسکرا دیے جس پر وہ بھی ہلکے سے ہنس دی۔

''او کے ہمیشہ کی طرح تم جیتیں میں ہارا، اب چلیں فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے۔'' وہ دونوں ڈرائیور کے ہمراہ ائیرپورٹ روانہ ہوئے تھے۔

''او کے مائی چائلڈ! اپنا بہت خیال رکھنا اور دوائی وقت پر لینا۔'' وہ ضروری ہدایتیں دے کر نظروں سے اوجھل ہو گئے تو وہ بیساکھی سنبھالتی ہوئی گاڑی کی سمت بڑھنے لگی، آرام سے گاڑی میں بیٹھی تھی۔

''عبدل! عنبر کے گھر چلو۔''

''جی چھوٹی بی بی!'' کوئی پندرہ منٹ کی ڈرائیو تک سے گاڑی عنبر کے بنگلے کے آگے آ رکی، وہ نہایت آہستگی سے نیچے اتری۔

''تم جاؤ جب مجھے ضرورت ہوگی تو میں تمہیں فون کر دوں گی۔'' ڈرائیور جا چکا تھا، وہ نہ پلٹ کر بیل پر ہاتھ رکھنے ہی لگی تھی کہ کسی نے نہایت جارحانہ انداز میں اسے اپنی طرف کھینچا تھا، وہ ٹھہری ایک کمزور معذور لڑکی تو اذن سنبھال نہیں سکی اور لڑکھڑاتی ہوئی کسی کے مضبوط وجود کا حصہ بنی تھی، اس دوران اس کی بیساکھی زمین پر گر چکی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ زور سے چیخ مارتی کوئی ہلکی نرم سی بے ہوش کر دینے والی شے اس کی ناک پر رکھ دی گئی جس سے وہ دنیا جہاں سے بے خبر ہوتی چلی گئی، عقل و خرد میں اگر کوئی یاد باقی تھی تو صرف یہ کہ کسی نے اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھا کے گاڑی میں ڈال دیا تھا۔

☆-------☆-------☆

''بھابی! آپ نے رضا کو دیکھا ہے؟ جب سے میں مہندی سے واپس آئی ہوں وہ نظر نہیں آیا ہے مجھے۔'' فکر میں ڈوبی ہوئی آواز پاس سے گزرتی آسیہ بیگم کے کانوں میں پڑی تھی۔

''ژالے چندا! وہ سو گیا تھا اور کسی نے اسے یہیں صوفے پر لٹا دیا تھا تو زرمیل اسے اٹھا کے اپنے کمرے میں لے گیا ہے۔'' نہایت بے بسی سے ژالے نے پہلے آسیہ بیگم کو اور پھر پاس کھڑی ثمرن کو دیکھا تھا، آسیہ بیگم نے لمحے میں اس کی بے بسی بھانپ لی تھی۔

''ژالے بیٹا! آپ کو برا لگا؟'' انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''نہیں، مگر رضا انہیں تنگ کرے گا، ان کی نیند خراب ہو جائے گی۔'' اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ اصل میں وہ یہ چاہتی ہی نہیں کہ رضا، زرمیل کے پاس اس کے نزدیک رہے، ورنہ زرمیل کی نیند کی اسے رتی بھر پروا نہیں ہے۔

''او تو یہ وجہ ہے۔'' وہ سکھ کا سانس لیتی ہوئی مسکرا دیں۔

''تو میری جان! کرنے دو تنگ، اگر رضا، زرمیل کی نیند خراب کرتا ہے تو اسے بھی معلوم ہونا چاہیے کہ بچے پالنا آسان نہیں ہے، جس طرح ایک سال تک آپ نے اسے سنبھالا ہے اب کچھ ذمے داری زرمیل پر بھی ڈالو۔'' ژالے تو ان کی باتوں کا مطلب نہیں سمجھ رہی تھی، مگر ثمرن اچھی طرح سمجھ گئی تھی آسیہ بیگم کے ارادے کو، اور کہیں نہ کہیں خود وہ بھی تو یہی چاہتی تھی کہ ژالے اور زرمیل میں صلح ہو جائے۔

''ہاں ژالے! تائی ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں، تم پریشان مت ہو بلکہ زرمیل کو پریشان ہونے دو، اچھا ہے انہیں کچھ تو سزا ملے۔'' اس نے بات کو مزاح کا رخ دیا اور مسکرا کے آسیہ بیگم کی سمت دیکھا اور آنکھوں سے تسلی کا اشارہ دیا تھا۔

''ارے میں تو باتوں میں بھول ہی گئی کہ نعیم صاحب نے کافی مانگی تھی۔'' وہ دونوں پر ایک نگاہ ڈالتی ہوئیں کچن کی سمت بڑھ گئیں۔

''ژالے! مت سوچو کچھ بھی، رضا، زرمیل بھائی کے پاس ہے وہ کہیں نہیں جائے گا۔'' ثمرن نے بڑے پیار سے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام لیا۔

''ثمرن بھابی پلیز! آپ تو ایسی باتیں مت کریں، آپ تو سب جانتی ہیں، مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔'' اس نے ثمرن کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھوں کو نکال کر اس کے دونوں ہاتھ سختی سے تھام کے دبائے تھے۔

''ژالے! جتنے وہم و وسوسے اپنے دل و دماغ میں پالو گی وہ تمہیں اتنا ہی ڈرائیں گے۔''

''تم دونوں یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اچانک ارشد کی تیز و بھاری آواز پر وہ دونوں اپنی جگہ سے دو فٹ اچھلی تھیں بلکہ ثمرن کا دل تو باقاعدہ تیزی سے دھڑکنے لگا تھا، جیسے پسلیاں توڑ کے ابھی باہر آ جائے گا۔

''ک... کچھ... کچھ نہیں بھائی! ہم باتیں کر رہے تھے بس۔'' ژالے لڑکھڑا کے رہ گئی، ثمرن کی کیفیت بھی اس سے کچھ کم نہ تھی۔

''تو پھر چلو... اور یہ رضا کہاں ہے؟'' جس بات کا ڈر تھا وہی ہوا، ثمرن کی تو سمجھو جیسے سانس ہی رکنے لگی ہو کیونکہ اگر ارشد کو پتہ چل گیا کہ رضا، زرمیل کے کمرے میں اس کے پاس ہے تو سب سے پہلے اس کی شامت تھی، ارشد اسے چھوڑنے کا نہیں۔

''بھائی! وہ... رضا ممی کے کمرے میں سو رہا ہے۔'' ڈانواں ڈول لب و لہجہ ارشد کو شک و شبہات میں ڈال گیا، بہت گہری نظروں سے اس نے ژالے کو دیکھا تھا۔

''ہاں تو اس میں اتنا ڈرنے والی کون سی بات ہے، مجھے تو کوئی اور ہی بات لگ رہی ہے ثمرن! تم بتاؤ مجھے کیا بات ہے؟'' سوال کا رخ اچانک ساکت و جامد کھڑی ثمرن کی سمت کیا گیا۔

''جی... وہ... وہ!'' اسی اثناء میں ارشد کے کوٹ کی جیب میں موجود موبائل چیخ پڑا، ارشد جو تیز نظروں سے ثمرن کو دیکھ رہا تھا جیب میں سے موبائل نکالا اور اوکے کا بٹن پریس کر کے کان سے لگا لیا۔

''ہاں حسن! کیسے ہو یار؟'' لہجے میں یکدم شگفتگی گھل گئی تھی، ثمرن اور ژالے نے خود کے بچ جانے پر سکھ کا سانس لیا، ارشد اپنے دوست سے بات کرتے کرتے آگے بڑھنے لگا۔

''یار! میرا تو مشورہ ہے کہ تم اپنا سارا بزنس وائنڈ اپ کر کے یہاں کراچی آ جاؤ۔''

''چلو جیسے تمہاری مرضی، مگر میرے گھر کے دروازے ہمیشہ تمہارے لیے کھلے ہیں جب چاہو آ سکتے ہو۔'' وہاں سے جانے کیا کہا گیا کہ ارشد کا جاندار قہقہہ خاموش فضا میں گونجا تھا۔

''ایک منٹ ہولڈ کرو!'' موبائل کان سے ہٹا کر ارشد نے پلٹ کے دیکھا تو وہ دونوں اب بھی وہیں کھڑی تھیں۔

''کیا بات ہے رات یہیں کھڑے کھڑے گزارنے کا ارادہ ہے؟'' طنز سے بھرپور جملہ دونوں کو ہوش کی دنیا میں لے آیا، اس سے پہلے کہ تفتیشی انداز پھر سے شروع ہوتا دونوں تیزی سے آگے بڑھیں اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگیں، ارشد نے دونوں کو ایک نظر دیکھنے کے بعد موبائل پھر سے کان سے لگا لیا۔

''ہاں کہو کیا کہہ رہے تھے تم؟'' وہ اپنے بیڈروم کی سمت بڑھا۔

ژالے کو کمرے میں ٹہلتے ٹہلتے کافی دیر ہو گئی تھی، اب تو پاؤں بھی شل ہو گئے تھے، جسم کا ایک ایک حصہ دکھ رہا تھا، آج عارفین کی مہندی سے لوٹ کر گئے تھے، صبح سے ہی کام میں لگی تھی مگر اتنی تھکن و نیند کے باوجود اس کا دھیان صرف رضا میں ہی لگا

تھا، وہ اسے اپنی نظروں کے سامنے رکھنا چاہتی تھی۔ بالآخر دل مضبوط کر کے فیصلے پر مہر ثبت کر دی۔ نہایت آہستگی سے دبے دبے بے آواز قدموں سے وہ سیڑھیاں عبور کرتی زرمیل کے بیڈروم کے دروازے کے پاس آ ٹھہری، بند دروازے کو ایک نظر دیکھا، پھر پیچھے گردن گھما کے خاموشی سے دیکھا کہ کوئی ہے تو نہیں اور اگر کسی کی نظر اس پر پڑ گئی تو کس قدر شرمندگی کی سبکی کی بات تھی، جب تسلی ہوگئی تو کپکپاتے ہاتھ سے دھڑکتے دل سے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا ہی چلا گیا، کمرے میں زیرو پوائنٹ کی گرین روشنی ہر شے پر پھیلی ہوئی تھی اس کی نظر سیدھی بیڈ پر پڑی۔

کتنی بدصورت یادیں ذہن کی اسکرین پر روشن ہوگئی تھیں، دو سال پہلے وہ اس کمرے میں دلہن کے روپ میں اس بیڈ پر تھی اور آج وہ دو سال بعد پھر اس کمرے میں مجبوری کے تحت آئی تھی، ورنہ یہاں سے نکلنے کے بعد قسم کھائی تھی کہ وہ دوبارہ قدم نہیں رکھے گی، مگر وہ آئی تھی تو صرف اپنے لخت جگر جان سے عزیز بیٹے کے لیے، ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے اپنی سوچوں کو جھٹکا اور آگے بڑھی۔

رضا، زرمیل کے پہلو میں بے خبر سو رہا تھا، اس پر زرمیل کا ایک ہاتھ رکھا ہوا تھا، ثوبیہ نے پہلے ہلکے سے دروازہ بند کیا اور پھر آہستہ روی سے چلتی ہوئی بیڈ کے قریب آرکی، اگر وہ رضا کو اٹھاتی تو زرمیل کی آنکھ کھل جاتی جو کہ وہ نہیں چاہتی تھی اس لیے اس نے سوچا پہلے رضا پر سے زرمیل کا بازو ہٹائے جو نہایت مشکل مرحلہ تھا، مگر رضا کو لے جانے کے لیے اسے یہ کام کرنا ہی تھا، وہ دو قدم اور آگے بڑھی اور زرمیل کے پاس آرکی، رات کی گپ تنہائی میں اگر زرمیل کی آنکھ کھل گئی تو....؟ اس سے آگے وہ سوچ ہی نہیں سکی۔ دل کی دھڑکن اتنی بری طرح شور کر رہی تھی کہ سماعتیں بآسانی سن سکتی تھیں، اس نے دل مضبوط کیا اور تھوڑا سا جھکی، زرمیل کا بازو آہستگی سے تھام کر رضا کے اوپر سے ہٹانا چاہا کہ زرمیل نے جو سیدھے ہو کر آنکھیں کھولیں ثوبیہ کی نظر اٹھی اور وہ بری طرح بوکھلا کے رہ گئی اور اسی بوکھلاہٹ میں وہ پورے وجود سمیت زرمیل کے چوڑے سینے پر آ گری تھی، وہ اٹھنا ہی چاہتی تھی کہ زرمیل نے اس کی نازک مرمریں کمر کے گرد اپنے دونوں مضبوط آہنی بازوؤں کا حصار کھینچ دیا تھا، وہ زرمیل کی اس حرکت پر تلملا کر رہ گئی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے چھوڑیں مجھے"۔ وہ پوری طاقت سے اپنا دفاع کرنے لگی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے نظر اگر کچھ پل کے لیے انجان ہوگئی ہے تو میں تمہاری آہٹ محسوس نہیں کر سکتا تو مسز زرمیل! آپ کی بے آواز ایک ایک چاپ پر میرا پورا وجود سماعت بنا ہوا ہے، تم مجھے جتنا بے خبر سمجھتی ہو میں اتنا بے خبر ہوں نہیں"۔ اس کی مزاحمت کو نظر انداز کیے وہ ایک فسوں اس کے کانوں میں پھونک رہا تھا۔

"زرمیل! چھوڑیے... میں رضا کو لینے آئی ہوں"۔ وہ اس کے چوڑے سینے پر دونوں ہاتھ رکھے اس کی مضبوط گرفت توڑنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی جس کے لیے مقابل قطعی طور پر تیار نہیں تھا۔

"تمہیں نہیں لگتا رضا اپنی اصل جگہ پر آ گیا ہے اس لیے تم بھی اب سب کچھ بھول کر یہیں میرے پاس اپنے بیڈروم میں رہو"۔ زرمیل نے اس کی آگے پڑی موٹی سی چوٹی کو ذرا سا کھینچا تو چہرہ اس کے چہرے پر جھکا، دل عجیب طرح دھڑک اٹھا، رات کے اس پہر اگر کسی نے دیکھ لیا کہ وہ اس کے بیڈروم میں ہے تو کوئی کچھ نہیں سمجھے گا بس وہ شرم سے پانی پانی ہو کر رہ جائے گی، اور کوئی کچھ کہے نہ کہے ارشد.....! یہ نام سوچ کر اس نے جھرجھری سی لی تھی۔

"زرمیل! اگر ارشد بھائی.....!"

"شش.....!" زرمیل نے آہستگی سے اس کے کپکپاتے ہونٹوں پر اپنی انگشت شہادت رکھ دی تھی۔

"تمہارے اور میرے بیچ کسی تیسرے وجود کا ذکر میں برداشت نہیں کروں گا"۔ ثوبیہ اس کی حرکت اور بات دونوں پر سراپا سنگ کر رہ گئی۔

"تیمور اور جو... وہ میرے بڑے بھائی ہیں اور ایک بات آپ سن لیں کہ وہ جو کہیں گے میں مانوں گی"۔ زرمیل نے کہتے ہی ہے اس کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھا تھا جہاں اس کے لیے کس قدر سناٹا کی تھی، جہاں نفرت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

"یعنی اب تم مجھے معاف نہیں کر سکتی ہو؟"

"نہیں، کبھی نہیں، میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی، آپ نے بہت ظلم کیا ہے مجھ پر"۔ اس کے نین کٹوروں میں سے چند موتی ٹوٹ کر رخسار پر پھسلتے چلے گئے۔

"میں ایک ایک پل کا ازالہ کرنے کو تیار ہوں، مگر جو تم یا ارشد چاہتے ہو وہ میرے مرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے"۔ اس کے رخسار پر پھسلتے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں کے پوروں میں جذب کر لیا۔

"تو میں انتظار کرلوں گی، مگر آپ کے پاس واپس قطعی نہیں آؤں گی"۔

"اتنی نفرت کرتی ہو مجھ سے؟" ایک زخمی مسکراہٹ اس کے لبوں پر رینگی تھی۔

"ہاں! آپ کی سوچ سے کہیں زیادہ"۔ کس قدر ظالم بے رحم قاتل حسینہ لگ رہی تھی وہ اس وقت۔

"تو ٹھیک ہے دیکھتے ہیں، میری محبت تمہاری نفرت کے آگے دم توڑتی ہے یا پھر تم میری بانہوں میں آ کر پھولوں کی طرح مہکتی ہو"۔

"آپ کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی"۔

"خیر خواہش کا تو تم رہنے ہی دو، اب ہی دیکھ لو رات کے تیسرے پہر تم میرے بیڈروم میں میرے کس قدر قریب ہو کہ ہماری سانسیں ایک دوسرے سے الجھنے لگی ہیں"۔ وہ اس کے مالوی لب دیکھتے ہوئے کہتا ہوا ایک خوبصورت سی شرارت کر کے اسے خود سے الگ کر چکا تھا، یہ سب اتنی اچانک ہوا تھا کہ اسے اپنے بچاؤ کا موقع ہی نہیں ملا تھا، اس نے زرمیل کو بری طرح گھورا تھا اور تیزی سے آگے بڑھی، رضا کو اٹھاتی ہیر پٹختی اس کے کمرے سے نکل گئی، اس کی ان اداؤں پر زرمیل ہنس دیا مگر دل میں مصمم ارادہ باندھ لیا کہ وہ ثوبیہ کو ہر قیمت پر منائے گا۔

☆.........☆.........☆

"پاپا! میں آپ کو ایئرپورٹ چھوڑنے چلوں گی"۔

"اوکے مائی چائلڈ!" وہ ریحان شیخ کو ایئرپورٹ چھوڑ کر اپنی فرینڈ کے گھر آ گئی تھی، اس نے بیل بجائی بھی نہیں تھی کہ کسی نے نہایت بری طرح اپنی طرف کھینچا تھا اور کوئی نرم ملائم سی شے اس کے ناک پر رکھ دی جس سے وہ اپنے سارے شعور کو کھوتی چلی گئی، یہ سب اس کی بند آنکھوں کی پتلیوں پر کسی فلم کی طرح چل رہا تھا، دھیرے دھیرے اس کا شعور بیدار ہونے لگا جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے مفلوج ہو چکا تھا، وہ آہستہ آہستہ اپنے اصل حال میں واپس آنے لگی تھی، اس کی بند پلکوں پر جنبش ہونے لگی، اس کے ہاتھوں کی انگلیاں ہلنے لگی تھیں، ہونٹ اس قدر پیاسے تھے کہ حلق تک خشک ہونے کی وجہ سے کانٹے چبھنے لگے تھے، اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں، سامنے چھت پر پنکھا تیز رفتاری سے چل رہا تھا، اسے سب کچھ یاد آیا تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی، کمرہ نہایت کشادہ اور خوبصورتی سے ڈیکوریٹ تھا۔

"شکر ہے محترمہ! آپ کو ہوش تو آیا ورنہ میں تو سمجھا شاید زندگی بھر آپ کے جاگنے کا انتظار ہی کرنا پڑے گا"۔ کمرے کے دروازے سے کوئی اندر ہوا، وانیہ نے دیکھا کوئی لمبا چوڑا سا شخص تھا جسے وانیہ نے زندگی میں پہلی بار ہی دیکھا تھا مگر وہ تھا کون...؟ یہ سوچ کر اس کا غصہ بڑھنے لگا۔

"کون ہو تم اور مجھے یہاں اس طرح لانے کا مقصد کیا ہے تمہارا؟"

"آرام سے مس وانیہ شیخ! اتنی جلدی بھی کیا ہے، پہلے آپ ذرا یہ اسکواش پی لیں پھر آرام سے تسلی سے بات کریں گے"۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا اسکواش وانیہ کے آگے بڑھایا جسے وانیہ نے غصے سے ایک ہاتھ مار کے پیچھے کیا تو وہ نیچے کارپٹ پر گر گیا۔

"شٹ اپ! مجھے فضول بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے یہاں سے جانا ہے"۔

"بالکل جانا ہے تمہیں روکا کس نے ہے، مگر میرا مقصد پورا ہونے کے بعد"۔

"دیکھو مسٹر...!"

"خاکسار کو آفریدی کہتے ہیں"۔ اس نے وانیہ کی بات کاٹ دی۔

"مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں کہ تمہیں کیا کہتے ہیں، تمہیں اگر پیسے چاہئیں تو بولو! میں ابھی اور اسی وقت بلینک چیک کاٹ کے تمہارے منہ پر مارتی ہوں"۔ آفریدی نے بس اس کے تحت لہجے کو بغور دیکھا تھا اور طنزیہ مسکراہٹ لیے ایک قدم آگے بڑھا، ایک پیر جوتے سمیت اٹھا کر بیڈ پر رکھا اور تھوڑا سا اس کے چہرے پر جھکا تھا۔

"تم باپ بیٹی کو اپنی اس حرام کی کمائی دولت پر گھمنڈ بہت ہے نا؟" ایک تو اس کا بے ہودہ انداز، اوپر سے اس کی یہ گفتگو وانیہ کے خون میں شرارے دوڑا گئی۔

"اپنی حد میں رہو، میرے باپ کے پاس حرام کی کمائی ہے یا حلال کی تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے، تم بس اپنی قیمت لگاؤ"۔

"دے سکو گی میری قیمت؟" آفریدی کی گھنی کالی مونچھوں کے نیچے عنابی لبوں کی تراش میں ہلکی سی مسکراہٹ کھلی تھی۔

"تم بول کے تو دیکھو تمہاری اوقات سے زیادہ تمہیں دوں گی"۔ وانیہ نے ایک نفرت بھری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔

"تو ٹھیک ہے میری اوقات تمہاری قیمت ہے"۔ ایک لمحے کو تو وہ سناٹے میں ہی آ گئی تھی یہ وہ کیا بول رہا تھا۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے؟" لہجہ معمولی سا کمزور ہو گیا تھا۔

"اس میں بے ہودگی کی کیا بات ہے، اپنی قیمت لگائی ہے میں نے تو"۔ آفریدی وہاں سے ہٹ کر سامنے چیئر پر بیٹھ گیا اور بغور اسے دیکھنے لگا۔

"تم جانتے ہو میں کون ہوں، کس کی بیٹی ہوں؟"

"جانتا ہوں، بہت اچھی طرح جانتا ہوں، اس شہر کے بزنس ٹائیکون ریحان شیخ کی بیٹی، جس کی پہنچ اثر و رسوخ بہت ہے مگر وہ اس وقت تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا، کیونکہ وہ اس وقت یہاں ہیں نہیں کراچی شادی میں گئے ہوئے ہیں"۔ اسقدر جانکاری کیسے ہو وانیہ کچھ کیسے جانتا تھا اور تھا کون؟

"بتاؤں گا کسی دن تمہاری سوچوں کا جواب فرصت سے دوں گا مگر اس وقت نہیں"۔ وانیہ نے نہایت حیرانگی سے اسے دیکھا تھا کہ اس کی سوچ تک رسائی تھی۔

"اب یہ حیرانگی دور کرو، اور ٹائم ضائع کیے بنا تیار ہو جاؤ، ایک گھنٹے میں قاضی اور کچھ گواہ آنے والے ہیں، ہمارا نکاح ہے ابھی"۔ آفریدی نے اس کی حیرانگی سے بھری آنکھوں میں جھانکا۔

"واٹ؟ ایسا نہیں ہو سکتا"۔

"محترمہ بہت کچھ ہو سکتا ہے، اگر میں چاہوں تو بکرنی الحال نکاح پر ہی اکتفا ہے"۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور اس کے بیڈ کے پاس آ کھڑا ہوا، وانیہ اس کے ارادے سے گھبرا گئی۔ غصہ اور جلال بے کار تھا، وہ نہ تو اس کے غصے سے پیچھے ہٹنے والا تھا، نہ ہی اس کی بے پناہ دولت سے وہ مرعوب ہونے والا تھا۔

"دیکھو جو تم سوچ رہے ہو ایسا کچھ نہیں ہو سکتا ہاں اگر تم مجھے پسند کرتے ہو تو میں اپنے پاپا سے تمہارے لیے بات کروں گی مگر اس طرح نکاح پڑھانا ٹھیک نہیں ہے"۔ وہ اس کی بات سمجھا تھا یا نہیں، مگر اس کی بات پر اس کے جاندار اور جاندار قہقہے نے کمرے کی خاموشی کو چیرتے ہوئے وانیہ کو اپنی کمزوری کا احساس دلا گئے تھے، اس کا حقارت سے بھرا قہقہہ یہ باور کرا گیا کہ جلد بازی میں یا یہاں سے رہائی حاصل کرنے کے لیے وہ بغیر کچھ سوچے سمجھے بہت غلط بول گئی ہے جس کا احساس اسے شدت سے ہوا تھا، آفریدی خاموش ہو گیا مگر ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھی بھی تھی۔

"پسند... مس وانیہ شیخ! میرا ٹیسٹ اب اتنا خراب بھی نہیں ہے"۔ اس کا یہ جملہ بہت کچھ سمجھا گیا، آفریدی نے بغور اس کو دیکھا وہ نظریں جھکا گئی۔

"ایک راز کی بات اور بتاؤں؟" وانیہ نے پلکوں کی باڑ اوپر اٹھائی۔

"دنیا میں اگر میں نے سب سے زیادہ نفرت کی ہے کہ اگر مجھے یہ کہا جائے کہ اس کا قتل تم پر معاف ہے تو وہ ایک شخص ہے اور وہ ہو تم"۔ وہ بغور اسے تک رہی تھی، اندر تک اس کی بات پر کانپ کر رہ گئی، آنکھوں میں معمولی سی نمی چھلکنے لگی تھی۔ مگر وہ پھر بھی اس شخص کو سمجھ نہیں پائی تھی اور اپنے اندر مچلتے سوال کو لبوں پر لے ہی آئی۔

"اگر اتنی ہی نفرت کرتے ہو تو مار دو مجھے، یہ نکاح کرنے کا کیا مقصد ہے تمہارا؟"

"میں نے کہا نا کہ بتاؤں گا فرصت سے بتاؤں گا اور رہی بات مارنے کی تو وہ تو میں تمہیں بہت پہلے ہی ختم کر چکا ہوتا مگر تب کمر اک پالنے کی کیا ضرورت تھی مجھے پھر"۔ اس کا اشارہ اسے اغوا کرنے کی سمت تھا۔

"ریحان شیخ کو قتل مارنے میں ہی مزہ ہے، تکلیف کسے کہتے ہیں اور مفلسی کس چڑیا کا نام ہے یہ سب تو اسے جاننا ہی چاہیے"۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ تم میرے پاپا کے بارے میں اتنی واہیات گفتگو کیوں کر رہے ہو؟"

"جانے کی سمجھ اتنی جلدی بھی کیا ہے، پہلے ذرا تم پر تو اپنے نام کی مہر نصب کر دیں"۔

"ایسا میں نہیں ہونے دوں گی، تم مجھ سے نکاح کر کے میرے پاپا کو بلیک میل کرو گے یہ میں ہونے نہیں دوں گی"۔

"وہ تو وقت ہی بتائے گا، فی الحال بغیر کسی ضد و بحث کے نکاح نامے پر سائن کر دینا، جتنی جلدی میرا کام ہو گا اتنی ہی جلدی اپنے گھر جا سکو گی"۔ وہ اس کے سراپے پر ایک بھرپور نظر ڈالتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا تھا، کہ وانیہ نے پھر پیچھے سے پکارا تھا وہ شاید ایک آخری کوشش کرنا چاہتی تھی۔

"دیکھو تم مجھ سے نکاح کر کے بہت پچھتاؤ گے، کیونکہ مجھ جیسی اپاہج لڑکی تمہیں کچھ نہیں دے سکتی"۔ لہجہ روہانسا سا ہو گیا تھا، اسے اپنی عزت اور اپنے پاپا کی عزت کا خیال تھا خاندان بھر میں کیا جواب دیں گے؟

"یہی تو میں تمہیں باور کرانا چاہتا ہوں کہ میری نفرت کی حد دیکھو، میں تم جیسی اپاہج لڑکی سے نکاح کر رہا ہوں، ان خوبصورت و حسین اپسراؤں کو چھوڑ کے"۔

"تو پھر ان ہی خوبصورت و حسین اپسراؤں میں سے کسی ایک سے نکاح کر لو، میری جان بخش دو"۔ نہ چاہتے ہوئے بھی چند قطرے آنکھوں سے ٹوٹ کر رخسار پر پھسلتے چلے گئے۔

"کروں گا ضرور کروں گا، اس کے لیے مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت نہیں ہے، مگر اپنا بدلہ پورا ہو جانے کے بعد"۔ پھر وہ رکا نہیں اور نفرت کی ایک نگاہ اس پر ڈالتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا، اور وہ اپنی دونوں ہتھیلیوں میں چہرہ

چھپائے سسک پڑی۔

☆ ...... ☆ ...... ☆

وہ ثمرن بھابی کی طرف جا رہی تھی رضا کو لینے تاکہ اسے نہلا دھلا کر تیار کر دے کہ اسی اثناء میں کسی نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا، وہ بری طرح دیوار سے لگی تھی، آنکھوں میں چند لمحے کے لیے جو اندھیرا سا آ گیا تھا وہ صاف ہوا تو سامنے زرمیل کو مسکراتے ہوئے پایا، اس کے ہاتھ میں کچھ تھا جسے ژالے نے نظر انداز کر دیا، غصہ تو اسے بہت آیا تھا اور وہ اپنی بھڑاس بھی نکال دیتی مگر گھر جو مہمانوں سے بھرا پڑا تھا ان کا سوچ کر زہر کا یہ گھونٹ بھی کر حلق میں اتار لیا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" دبے دبے لہجے میں غصہ عروج پر تھا۔

"حرکت..... مگر جان! ابھی تو میں نے کوئی حرکت ہی نہیں کی ہے۔" ڈھیٹ لہجہ تھا۔

"دیکھیے مجھ سے فضول گفتگو سے پرہیز کریں۔" اس کا "جان" کہنا بہت ناگوار گزرا تھا اور جس طرح اس نے اپنی چھوٹی سی ناک سکیڑی تھی زرمیل اس پہ ہولے سے ہنس دیا۔

"پرہیز تو اب ہمارے بس کی بات نہیں ہے اور پھر تم جب سامنے ہوتی ہو تو دل کے تار تو ویسے بھی فل والیوم سے بجنے لگتے ہیں۔" وہ دھیرے سے سرگوشی کرتا جیسے اس کی جان ہی نکال گیا تھا۔

"دیکھیے مجھے دیر ہو رہی ہے، رضا کو تیار بھی کرنا ہے۔" وہ اپنی کلائی اس کی مضبوط ہتھیلی سے چھڑا رہی تھی۔

"رضا کی فکر مت کرو اسے ثمرن نے تیار کر دیا ہے، اب ایسا ہے کہ آج کی تقریب میں تمہیں یہ ساڑھی باندھنی ہوگی۔" اس نے وہ پیکٹ اس کے آگے کیا جسے ژالے نے بڑی بے رخی سے پرے دھکیلا تھا۔

"اپنی یہ ساڑھی اپنے پاس ہی رکھیے اور اپنے دل و دماغ سے یہ خوش فہمی بھی نکال دیجیے کہ میں آپ کی کوئی بھی بات مان لوں گی۔" زرمیل نے بہت سکون سے اسے سنا بھی اور دیکھا بھی کیونکہ وہ ژالے سے یہی توقع رکھتا تھا۔

"بات تو تمہیں ماننی ہی ہوگی، اب یہ تم پر ہے کہ آرام سے مانو یا پھر مجھے زبردستی کرنی پڑے گی جس میں مجھے کوئی عار نہیں ہے او کے مائی ڈیئر وائف! رات کو تم مجھے اسی ڈریس میں ملو گی۔" ایک بھرپور نگاہ اس کے چہرے پر ڈالتا وہ آگے بڑھا تھا۔ ژالے غصے میں مٹھیاں ہی بھینچ کے رہ گئی اور ایک زہریلی نگاہ اس پیکٹ پر ڈالی جو زرمیل اس کے ہاتھ میں زبردستی تھما گیا تھا۔

"ارے ژالے! تم یہاں کھڑی ہو، ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟" ثمرن اوپر رابعہ کے پاس جا رہی تھی کہ سامنے سے آتی ژالے کو سوچوں میں گم دیکھ کر وہ اس کے پاس آ رکی۔

"جی.....!" وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔

"سب خیریت تو ہے ناں اور یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟" ان کی نظر اس پیکٹ پر پڑی، ژالے نے اس پیکٹ کو گھورا اور ثمرن کے ہاتھ میں دے دیا۔

"یہ آپ انہیں ہی واپس کر دیجیے گا اور کہہ دیجیے گا کہ جب مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو ان کی دی ہوئی کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔" غصے سے اس کا چہرہ مکمل سرخ ہو گیا تھا، آنکھوں میں غصے کے شرارے دیکھ کر ثمرن کا دل دہل کر رہ گیا، مگر وہ یہ جا وہ جا، اور اپنے پیچھے ثمرن کو بہت سی لامتناہی سوچوں کے گرداب میں چھوڑ گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ژالے کو یہ پیکٹ زرمیل نے دیا ہے اب وہ کیا کرے، کس کی طرف داری کرے؟ اگر زرمیل کی طرف داری کرتی تو ارشد ژالے کی ڈھال بن کے کھڑا تھا جس سے کچھ بعید نہیں وہ کیا کچھ کر گزرے، اگر ژالے کے لیے لڑے گی تو وہ بھائی جو اسے سگے بھائیوں سے زیادہ عزیز تھا جس نے اسے اپنی سگی بہن بنا کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تھا وہ اس کی زندگی تباہ و برباد ہوتے

نہیں دیکھ سکے گی، وہ یہ بھی جانتی تھی کہ زرمیل اپنی غلطی پر پشیمان ہے، شرمندہ ہے اور اس کے دل میں ژالے کے لیے محبت سا پیار بھی ہے جو ژالے کو اس وقت نظر نہیں آ رہا یا وہ اپنے بدلے کے انتقام میں دیکھنا نہیں چاہتی، ڈر تھا کہیں اسی ضد میں وہ اپنا گھر تباہ نہ کر لے، پھر پچھتانے کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہیں ہو گا جس میں سب سے بڑا ہاتھ اس کے اپنے شوہر کا تھا جو اس وقت ژالے کی محبت میں اس قدر اندھا ہو چکا تھا کہ ثمرن کا ذرا سا بھی بولنا اپنی شامت بلانے کے مترادف تھا، اس کی خود کی اپنی زندگی الجھ کر رہ گئی تھی۔

"ہیلو..... آپ یہاں کھڑی ہیں اور مما کب سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں اوپر۔" مسکراتی ہوئی آواز پر ثمرن نے رخ موڑ کے دیکھا جہاں عارفین دولہا کے روپ میں وجاہت وحسن کا خوبصورت پیکر لگ رہا تھا، کریم شیروانی پر گولڈن وسلور اور ہم رنگ دبکے کی انتہر ایمبرائیڈری پر گرے کلاہ پہنے وہ کوئی ریاست کا شہزادہ ہی لگ رہا تھا اور چہرے پہ جو دلکش مسکراہٹ و چمک تھی وہ انوکھا ہی منظر پیش کر رہی تھی۔

"بھابی! لگتا ہے آپ مجھے آج نظر لگائیں گی۔" اس نے چٹکی بجائی ان کے چہرے کے آگے۔

"اللہ نہ کرے کہ تمہیں میری یا کسی کی بھی نظر لگے اور اگر لگے بھی تو صرف معصوم کی لگے۔" بات کو مزاح کا روپ دے کر انہوں نے ہلکے سے اس کے بازو پر مکا بنا کر مارا تھا جس پر عارفین ہولے سے مسکرا دیا، اس کی آنکھوں کی چلمنوں پر اس پری وش کا معصوم چہرہ جھلملا اٹھا۔ نہ جانے کیوں ہر بار سوچتے وقت صرف اسی کا گھبرایا چہرہ سامنے آ جاتا تھا۔

"یہ دیکھو..... ذرا نام کیا لے لیا محترم ان کے خیالوں میں ابھی سے غوطہ زن ہو گئے، ژالے بالکل ٹھیک ریکارڈ لگاتی ہے بھابی!" ثمرن ہولے سے ہنس دی۔

"بھابی! آپ بھی کم نہیں ہیں۔" وہ بری طرح جھینپ سا گیا تھا۔

"ثمرن بھابی! جلدی سے اوپر آ جائیے، رابعہ آنٹی بلا رہی ہیں۔" عارفین کے کزن چاند نے اوپر سے ہی ہانک لگائی تھی وہ شاید بہت جلدی میں تھا پلک جھپکتے غائب ہو گیا۔

"دیکھو ذرا تم سے یہاں باتوں میں لگ کر بھول گئی کہ رابعہ پھپھو نے بلایا ہے۔" وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

"کہاں بھئی! نو بجنے والے ہیں کسی کو کچھ خیال ہے ابھی تک تیاری ختم نہیں ہوئی کسی کی؟ کیا بارہ بجے کے بعد بارات لے کر پہنچو گے سب لوگ؟" ہال میں فہیم احمد غصے سے کہہ رہے تھے۔

"چلو بھئی! اور کتنی دیر کرو گی تم لوگ، نیچے پاپا غصے ہو رہے ہیں۔" ژالے کمرے میں داخل ہوئی جہاں سب لڑکیاں اپنی تیاری کو آخری ٹچ دے رہی تھیں۔

"واؤ! سو گڈ لکنگ یار! آج تو زرمیل بھائی تمہیں دیکھتے ہی رہ جائیں گے۔" سی گرین اینڈ آتشی کلر کی جارجٹ کی ایمبرائیڈری انارکلی فراک پاجامے پر اس کی شہابی رنگت خوب کھل رہی تھی۔

ژالے کا اپنی کزن کے اس کمنٹس پر منہ کڑوا ہو گیا جیسے منہ میں کسی نے کڑوا زہریلا بادام ڈال دیا ہو۔

"اپنی بے ہودہ بکواس بند کرو اور سب شرافت سے نیچے آ جاؤ، گاڑیاں تیار کھڑی ہیں اور عارفین بھائی بھی گاڑی میں بیٹھ چکے ہیں۔" وہ سب پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتی کمرے سے نکل گئی تھی۔

وہ سب لوگ کوئی آدھے گھنٹے بعد بارات لے کر پہنچ گئے تھے، نکاح ہو چکا تھا مگر پردے کا اہتمام بہت سخت تھا، بہت سی لڑکیوں کے ارمان پر تو اوس ہی پڑ گئی تھی۔

"لو یہ کیا بات ہوئی؟ ہم بھلا کیا ایک دوسرے کو دیکھنے دکھانے کے لیے تیار ہوئی ہیں؟" عارفین کی کزن ماہین جل کر بولی تھی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہے یار! ایک تو اتنی محنت کی، میک اپ پر، ڈریس پر سوچا تھا کوئی نہ کوئی تو ڈیشنگ لڑکا امپریس ہو ہی جائے گا مگر نہیں، یہ دنیا تو بس جلتی ہے ہم حسن والوں سے۔" ایک اور کزن اپنے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی جس پر سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"کچھ تو شرم کرو تم لوگ، کیسی باتیں کر رہی ہو؟" ثرالے نے دونوں کو گھورا تھا۔

"ہاں ہاں! تمہیں کیوں افسوس ہوگا بلکہ تم تو بہت خوش ہوگی کہ چلو زرمیل بھائی سے جان چھوٹی۔"

"ماہین! تم واقعی کبھی کبھی بہت سمجھداری کی باتیں کرتی ہو، مگر میری دعا ہے کہ اللہ کرے تمہارا سسرال بھی عارفین بھائی کے سسرال کے جیسا ہو۔" وہ جلی بھنی ماہین کی شکل دیکھنے لگی مگر ماہین وہ تو ٹھیک ٹھاک تپ کر ہی رہ گئی تھی۔

"ثرالے کی بچی! آئی ول کل یو۔" وہ دانت پیستی ہوئی بس اسے گھور کے اتنا ہی بول سکی۔ نکاح ہو چکا تھا، نکاح کے چھوارے بانٹے جا رہے تھے مگر دلہن کو ابھی تک اسٹیج پر نہیں لایا گیا تھا۔

"چلو لڑکیو! جلدی جلدی یہ چھوارے کھاؤ تم لوگوں کا بھی اسی سال نکاح ہو جائے گا۔" ثمرین ان کی ٹیبل کے پاس آئی اور نکاح کے چھواروں کی بہت سی تھیلیاں ٹیبل پر پھینکیں۔

"ارے بھابی! کیسے چھوارے، کہاں کے چھوارے اور کیسا نکاح؟ ایسی شادی میں کون لڑکی بیٹھ کے چھوارے کھائے گی؟" ماہین نے منہ بنا کے کہا مگر اس کی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئی۔

"کیا مطلب؟"

"اب دیکھو نہ ہم یہ چھوارے کھائیں اور کہیں سے کوئی ہینڈسم، گڈ لکنگ، ڈیشنگ سا بندہ ہمیں دیکھ لے تو وہ بھی کہے گا کہ جس نزاکت سے یہ لڑکی چھوارے کھا رہی ہے کتنی اچھی و خوبصورت لگ رہی ہے اور پھر وہ وہیں سے ہمیں پسند کرلے گا اور اپنا رشتہ ہمارے گھر بھیجے گا مگر یہاں..... آہ..... یہاں تو کوئی چانس ہی نہیں ہے۔" وہ ٹھنڈی آہ بھر کے رہ گئی۔

"لاحول ولاقوۃ ماہین! کس قدر بے تکی بکواس کرتی ہو، چھوارے اور نزاکت کو تم نے ملایا نہیں بلکہ اچھی خاصی توہین کر دی ہے۔" ثمرین اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر بولی تھی اور "بے وقوف" بول کر آگے بڑھ گئی۔

"ماہین! پہلے تو شک تھا مگر آج یقین ہو گیا کہ تمہاری اوپر کی منزل مکمل خالی ہے۔" ثرالے کو بھی اس کی بے تکی رائے پر ہنسی آ گئی تھی، وہ سب جانتی تھیں کہ ماہین کو شادی کا کتنا شوق ہے جو کہ ابھی تک بے چاری کا سپنا پورا نہیں ہوا تھا۔

"ثرالے! تم تو کچھ بولو ہی نہیں، خود تو اپنی شادی کر کے بیٹھ گئی اور ایک عدد بچے کی ماما بھی بن چکی ہو، اور ہمیں بیٹھی تقریر جھاڑ رہی ہو۔"

"قسم سے یار! اگر میرے بس میں ہوتا تو اپنی جگہ تجھے بٹھا دیتی۔"

"ہائے اللہ نہ کرے جو کبھی ایسا ہوتا، تم ہی تھیں اتنی ہمت و جگر ہے جوان بڈھے سے شادی کر سکتی ہے، ہم میں تو اتنا دم خم نہیں ہے۔" وہ توبہ کرتی ہوئی ایسے انداز میں بولی کہ جیسے واقعی کہیں وہ اسے بٹھا ہی دیتی۔

"واٹ ماہین! اسٹوپڈ... یہ تم نے بڈھا کسے کہا ہے؟" حرا کو اپنے چہیتے از حد پیارے عزیز بھائی کو اس طرح پکارے جانا خاصا ناگوار گزرا تھا۔

"اوہ... میں تو بھول ہی گئی ہمارے ساتھ حرا بھی بیٹھی ہے۔" وہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کے زور سے ہنسی تھیں۔

"ثرالے! بجائے کہ تم ماہین کو سخت سناؤ تم بھی اس کا ساتھ دے رہی ہو۔" حرا کو ثرالے کا یوں ماہین کے ساتھ ہنس کر زرمیل کا مذاق اڑانا بہت برا لگا تھا۔

"تو میں کیوں نہ کہوں؟ ماہین کو وہ سچ ہی تو کہہ رہی ہے۔" وہ ماہین کو ایک آنکھ دبا کر حرا کو دیکھنے لگی مگر ثرالے کی یہ حرکت حرا سے چھپی نہیں رہ سکی۔

"تو پھر مرو تم دونوں اور خوب مذاق اڑاؤ کسی کا، میں یہاں سے جا رہی ہوں۔" وہ تنکتی ہوئی اٹھی چیئر سے اور ماہین کو غصے سے دیکھتی ہوئی چلی گئی۔

"ارے یار، او وہ تو ناراض ہوگئی۔" ماہین کو اس کی ناراضی بہت کھلی تھی۔

"ہاں! تو بہت غلط بات ہے، تم لوگوں کو زرمیل بھائی کو بڈھا نہیں بولنا چاہیے تھا۔" لائبہ کو بھی ان دونوں کی گفتگو پسند نہیں آئی تھی۔

"یہ ثرالے ہے یہ سب اسی کی وجہ سے ہوا ہے۔" ماہین بولی۔

"ارے واہ! میرے کھاتے میں یہ الزام کیوں؟"

"اب تم دونوں پھر سے مت شروع ہو جانا، جاؤ حرا کو مناؤ۔" لائبہ کو حرا کی فکر لاحق ہوگئی۔

"بھئی! میں تو اپنے بیٹے کو دیکھنے جا رہی ہوں، تم ہی مناؤ پھر حرا کو۔" وہ ہاتھ جھاڑتی بغیر حرا کی ناراضی کی فکر کیے اپنی چیئر سے کھڑی ہوگئی۔

"ایسے کیسے؟" وہ دونوں بھی اپنی چیئر سے کھڑی ہوگئیں۔

"غلطی دونوں کی ہے دونوں ہی حرا کو منائیں گے۔" ماہین نے اسے اپنے ساتھ گھسیٹا تھا۔ نکاح ہوئے آدھا گھنٹہ ہی ہوا کہ رخصتی کا شور شروع کیا۔

"یار! یہ کیسی شادی ہے، مانا دلہن کا پردہ مرد حضرات سے ہے مگر ہم خواتین کو تو اپنا چہرہ مبارک دکھا دیتیں۔" لائبہ کو سب سے زیادہ تجسس تھا معصوم کو دیکھنے کا۔

"یقیناً کوئی چاند چہرہ پری چہرہ ہوں گی جسے دیکھنے سے انہیں نظر لگ جائے گی۔" ماہین کو بھی بہت عجیب لگا تھا۔

"تم لوگ اتنی اتاؤلی کیوں ہو رہی ہو، بلکہ میرا مشورہ مانو آج رات عارفین بھائی کے بجائے تم دونوں ہی معصوم بھابی کے پاس رک جانا۔" ثرالے رضا کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"توبہ ہے ثرالے! سوچ سمجھ کے تو بولا۔" ماہین ان کی بات سوچ کر جھینپ کر رہ گئی، جس پر حرا سمیت وہ ہنس دی۔

"یا ہی! ثرالے کچھ زیادہ ہی بے شرم نہیں ہو گئی ہے؟" لائبہ نے ماہین کو دیکھا۔

"بے شرم... یار! اس میں بھی شرم تھی ہی کہاں۔" ماہین نے ثرالے کے عریاں بازو پر ایک چٹکی بھری جسے وہ سہلا کے رہ گئی مگر بدلہ بعد کے لیے چھوڑ دیا کہ دلہن کو ڈریسنگ روم سے لایا جا رہا تھا۔ اتنی بڑی گولڈن کلر ایمبرائیڈری چادر نے دلہن کو ڈھانپ رکھا تھا کہ ہاتھ تک نظر نہیں آ رہے تھے، معصوم کی امی اور خالہ اسے سنبھالتیں ہوئیں باہر تک لائی تھیں اور آرام سے گاڑی کے اندر بٹھا دیا، کوئی آدھے گھنٹے میں وہ سب گھر میں تھے، تھوڑی ہی دیر کے لیے معصوم بس پیچھے بیٹھی تھی، وہ بھی گھونگھٹ ڈالے۔

"دلہن کی خواہش ہے کہ اس کا چہرہ سب سے پہلے دلہا ہی دیکھے گا۔" یہ رابعہ پھپھو تھیں جو رخصتی سے پہلے ڈریسنگ روم میں اکیلی معصوم کے پاس تھیں، اس پر وہاں موجود سارے کزنز دل مسوس کے رہ گئے۔ ارادہ تھا معصوم کو خوب تنگ کرنا، عارفین کا ریکارڈ لگانا، مگر معصوم کی خواہش نے وقت سے پہلے سب کرے کرائے پر پانی ڈال دیا۔ حجلۂ عروسی میں عارفین نے جیسے ہی اپنے مضبوط قدم دھرے سامنے کے منظر نے تو جیسے ایک لمحے کے لیے اسے چکرا کے رکھ دیا تھا۔ اس نے تیزی سے دروازہ لاک کیا اور گلاس ونڈو کی سمت بڑھا جو باہر لان کی جانب کھلتی تھی، عروسی لباس میں مقید اس دلہن کو اس نے بڑی

سرعت سے پلنگ کے اپنی سمت کھینچا تھا، جو کلاس ونڈو کے باہر اتر رہی تھی۔ معصوم پوری طرح سے اس کی مضبوط بانہوں میں قید ہو چکی تھی۔ نہایت ڈری سہمی ہوئی نظروں سے مقابل کی نظروں میں دیکھا تھا جہاں حیرتوں کا ایک سمندر موجزن تھا۔

وہی مجسمہ حسن سراپا، وہی چاند جیسا چمکتا روشن چہرہ، وہی معصوم آنکھیں جنہیں دیکھ کر وہ اس لمحے کتنے ہی پل مبہوت ہو کر رہ گیا تھا جسے دیکھ کر اس کا دل پہلی بار دھڑکنا سیکھا تھا۔ جسے دیکھ کر یہ احساس جاگا یا اندازہ ہوا کہ محبت کسے کہتے ہیں مگر یہ وہ تو نہیں جس سے اس کی شادی طے ہوئی تھی۔ یہ تو سوی کی دوست تھی اور اگر یہ یہاں اس کے بیڈ روم میں عروسی جوڑے میں تھی تو سوی کہاں ہے؟ اور یہ یہاں کیوں ہے؟ کتنے ہی لاتعداد ان گنت سوچوں میں گھرا وہ اس کے خوفزدہ چہرے کو بغور تک رہا تھا مگر سوچوں کا جو تسلسل ٹوٹا تو اس کی وجہ اس کی مضبوط بانہوں میں قید وہ تھی جو مچلنے لگی تھی گرفت توڑنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

"مجھے جانے دیں پلیز! مجھے جانے دیں"۔ عارفین نے اسے خاموشی سے دیکھا مگر اسے اپنی لاتعداد سوچوں کا جواب چاہیے تھا جو صرف وہی دے سکتی تھی۔

"پہلے آپ مجھے یہ بتایئے کہ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں اور سوی کہاں ہے، دیکھیے مجھ سے بالکل سچ بولیے گا کیونکہ جھوٹ سے مجھے سخت نفرت ہے"۔ عارفین کا لب و لہجہ تھوڑا سخت ہوا تھا، کیونکہ یہ خاندان بھر کا معاملہ تھا معصوم پہلے تو چپ رہی مگر بتائے بنا کوئی حل بھی نہیں تھا۔

☆......☆......☆
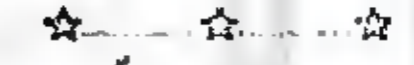
"دیکھ معصوم! صرف ایک گھنٹے کی تو بات ہے میں جلدی آ جاؤں گی"۔

"سوی! تو پاگل تو نہیں ہو گئی ہے، آج تیری مایوں ہے، تیرے سسرال والے آ گئے ہیں رسم کرنے اور تو کہہ رہی ہے میں مایوں کا تیرا ڈریس پہن کر بیٹھ جاؤں، نہیں سوی! میں یہ رسک نہیں لے سکتی، قطعی نہیں اگر کسی کو پتہ چل گیا کہ دلہن کی جگہ اس کی فرینڈ بیٹھی ہے تو سوچ کس قدر شرمندگی کا مقام ہے"۔ معصوم اس کی یہ فضول بات کسی بھی طرح ماننے کو تیار نہیں تھی۔

"تو اس کی فکر مت کر، ویسے تو میں رسم سے پہلے آ جاؤں گی اور دوسری بات کہ پورے ہال میں یہ بات میں نے پھیلا دی ہے کہ دلہن نے منت مانگی ہے کہ وہ اپنا چہرہ کسی کو نہیں دکھائے گی"۔

"اوہ مائی گاڈ! سوی! تو واقعی بہت پاگل ہے"۔ معصوم نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"اب یہ سب چھوڑ... اور میرا یہ مایوں کا ڈریس پہن لے، میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گی"۔ وہ کالی چادر میں خود کو اچھی طرح ڈھانپے پیچھے کی ونڈو سے باہر نکل چکی تھی، مجبوراً اسے مایوں کا ییلو اینڈ گرین شرارہ پہننا پڑا اور دوپٹے کا بڑا سا گھونگھٹ نکال لیا تا کہ کوئی اس کا چہرہ تک نہ دیکھ سکے۔

رسم ہو چکی تھی، وہ جب کمرے میں آئی تو جلدی سے پہلے دروازہ لاک کیا اور اپنے زور زور دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھے اسے اعتدال پر لانے کی کوشش کرنے لگی، چہرہ اتنی ٹھنڈ کے باوجود پورا پسینے میں تر تھا، پورا وجود خوف و ڈر سے کانپ رہا تھا، نگاہیں اوپر اٹھائیں تو سامنے ہی بیڈ پر بیٹھی سوی نہایت دلچسپ نظروں سے دیکھ رہی تھی، ہونٹوں پر خوبصورت سی مسکراہٹ تھی۔

"قسم سے معصوم! تو اس ڈریس میں اس قدر حسین لگ رہی ہے کہ واقعی میں لگ رہا ہے تیری شادی ہو رہی ہے، اتنا روپ آیا ہے اس لیے تیرے چہرے پر"۔ سوی کی بات پر معصوم بری طرح جھینپ کے رہ گئی۔

"اچھا اب بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور پکڑ اپنا دوپٹہ، جانے دوستی میں اور کیا کیا کروائے گی"۔ وہ دوپٹہ خود

سے آزاد کر کے اس پر اچھالتی ڈریسنگ روم میں گھس گئی تھی مگر اپنے پیچھے اس کے قہقہے کی آواز اس کی سماعت سے محفوظ نہ رہ سکی۔ جلد ہی بارات کا دن بھی آ گیا، اس دن بھی سوی نے اپنی دوستی کی قسمیں دیں، اس کی منتیں کیں، یہاں تک کہ اس کے آگے خوب رو رو کے ہاتھ بھی جوڑے تھے۔

"سوی! کیا ہو گیا ہے تجھے، آخر تو مجھے بتاتی کیوں نہیں ہے، کیوں اندھیرے میں رکھ رہی ہے، اگر کوئی بات ہے تو مجھے بتا، ہم مل کر اس کا حل ڈھونڈ لیں گے"۔ وہ اس کے دونوں ہاتھ پکڑے شک بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"معصوم میں ابھی تجھے کچھ بھی نہیں بتا سکتی، مگر میں تجھ سے وعدہ کرتی ہوں میں لوٹ کر آؤں گی تو تجھے سب سچ بتا دوں گی"۔ وہ گڑگڑا کے رونے لگی تھی۔

"سوی! کسی مشکل میں مت پھنسا دینا مجھے، تجھے تو معلوم ہی ہے کہ میرے حالات کیسے ہیں"۔

"نہیں تو بے فکر رہ، کچھ نہیں ہوگا"۔ اس کے نرم مان جانے والے لہجے پر سوی نے کہا۔

"نہیں سوی! فکر کی تو بات ہے اگر گھر میں پتہ چل گیا تو تُو سوچ بھی نہیں سکتی کتنی بڑی پرابلم ہو جائے گی"۔

"میں نے کہا ناں کہ میں کچھ نہیں ہونے دوں گی میں جلد ہی واپس آ جاؤں گی"۔ اور آخر کار بہت سے وعدے لے کر وہ چلی گئی۔

ایک بار پھر دلہن کا بھاری سرخ جوڑا اسے اپنے نازک بدن کی زینت بنانا پڑا۔ وہ دلہن کے روپ میں سجی سنوری سب سے پہلے ہوٹل میں آ گئی تھی اور اس وقت ڈریسنگ روم میں بیٹھی سوی کا شدت سے انتظار کر رہی تھی کہ اس نے یہیں آنے کا کہا تھا، دل تو جیسے پسلیاں توڑ کے اب باہر ہی آ جائے گا، اس قدر گھبراہٹ ہو رہی تھی کہ اے سی کی کولنگ میں بھی وہ پسینے میں پوری شرابور ہو گئی تھی، ایک گھنٹے سے زیادہ ٹائم ہو گیا تھا مگر سوی کا ابھی تک کچھ اتا پتا نہیں تھا، وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی، چہرہ تو اس کا تقریباً چھپا ہوا ہی تھا، اس بھاری شرارے اور کچھ گھبراہٹ کی وجہ سے جب کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا تو وہ دوبارہ چیئر پر بیٹھ گئی کہ اسی اثناء میں ڈریسنگ روم کا دروازہ کھلا اور چند لوگ اندر آ گئے۔ وہ معصوم اظہر سے معصوم عارفین بنا دی گئی تھی۔

"نہیں یہ غلط ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے، عارفین سوی کے ہیں ان کی زندگی میں صرف سوی ہی آئے گی مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، آنٹی کو سب کچھ سچ بتا دینا چاہیے تھا، نکاح کے وقت ہی انکار کر دینا چاہیے تھا، یہ نکاح سراسر غلط ہے"۔ وہ خود کو ہی قصوروار ٹھہرا رہی تھی مگر اب جو ہونا تھا سو ہوا، یہ رخصتی کسی بھی طرح روکنی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے ارادے پر عمل کرتی رخصتی کا شور مچ گیا تھا۔

"اتنی جلدی رخصتی... یا اللہ سوی! کہاں پھنسا کے چلی گئی ہو؟" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کے رہ گئی۔

اسے حجلہ عروسی میں بٹھا کے رابعہ چلی گئی تھیں، ان کے جانے کے بعد وہ تیزی سے اس سجے سنورے بیڈ سے نیچے اتری خود پر بڑی سی لپٹی چادر کو خود سے آزاد کیا اور چاروں اطراف دیکھا اسے ایک گلاس ونڈو نظر آ گئی وہ عارفین کے آنے سے پہلے اس کمرے سے بھاگ جانا چاہتی تھی اور وہ کامیاب بھی ہو جاتی اگر کسی نے اس کا نازک بازو نہایت جارحانہ انداز میں پکڑ کے کھینچا نہ ہوتا۔

"ہوں... تو یہ بات ہے"۔ عارفین نے سینے پر دونوں بازو باندھے اس جان تمنا کو دیکھا تھا۔

"جی!" نظر جھکائے دھیمی آواز میں اپنا اقرار جرم قبول کر گئی۔

(جاری ہے.....)

☆......☆......☆

"ہم تو آپ کو پہلی نظر میں دیکھ کر ہی اپنی جان سے ہار گئے تھے مسز عارفین!" اس کی دھیمی سرگوشی پر وہ کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی تھی۔ آنکھوں میں نمی آ ٹھہری تھی۔ وہ خود کو اس کے پہاڑ جیسے وجود کے آگے بالکل بے بس محسوس کر رہی تھی۔ عارفین کی نظر جب اس کے معصوم چہرے پر پڑی تو پلندا فی الفور اسے مہنگا پڑتا نظر آیا۔ اس کا چہرہ مکمل سپید پڑنے لگا تھا۔ وہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا تھا۔

"آئی ایم سوری میں تو صرف مذاق کر رہا تھا ورنہ یقین جانیے میرا ارادہ آپ کا دل دکھانا بالکل نہیں تھا"۔ معصوم نے نظر اٹھا کے دیکھا۔ عارفین کی نظروں میں اسے مکمل سچائی نظر آئی تھی۔ اس نے اپنی شیروانی کی جیب سے رومال نکال کر اس کی سمت بڑھایا۔

"لے لو اور اپنے آنسوؤں کو صاف کرلو۔ تکلیف ہو رہی ہے مجھے"۔ معصوم نے نہایت عجیب نظروں سے اسے دیکھا تھا مگر رومال لینے کے لیے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا تھا۔

"پکڑ لو ورنہ یہ جسارت مجھے ہی کرنا پڑے گی"۔ اس کے رخسار پر بکھرے موتیوں کو بغور تکتے ہوئے ذومعنی لب و لہجے میں اسے کہا تھا۔ معصوم اس کی بات سمجھتے ہوئے فوراً سے پیشتر وہ رومال تھام کے اپنے بہتے آنسوؤں کو صاف کرنے لگی تھی۔

عارفین مسکراتا ہوا وہاں سے ہٹا اور کمرے میں رکھے فریج کی طرف بڑھا اس میں سے ایک گلاس ٹھنڈا پانی لا کر اسے لا کر دیا جسے معصوم نے صرف دو گھونٹ پی کر واپس کر دیا۔

"کھڑے کھڑے تھک جائیں گی آئیے وہاں چل کر بیٹھتے ہیں"۔ اس کا اشارہ سامنے جھولے سے آئرن صوفہ سیٹ کی طرف تھا۔

"نہیں پلیز! مجھے یہاں سے جانے دیں، صبح ہونے سے پہلے میں یہاں سے بہت دور چلی جاؤں گی"۔ بھیگی گھنیری پلکوں کی باڑ اوپر اٹھائی۔

"اچھا پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟"

"میں... میں سوی سے کونٹیکٹ کرنے کی کوشش کروں گی، مجھے لگتا ہے وہ کسی بڑی مشکل میں پھنس گئی ہے"۔

"اس کے بعد؟"

"پھر وہ یہاں واپس آجائے گی یہ جگہ صرف اس کی ہے، اس جگہ پر آپ پر صرف اور صرف سوی کا ہی حق ہے"۔

"ایک بات پوچھوں؟"

"جی...؟"

"آپ واقعی بہت معصوم ہیں یا مجھے بنا رہی ہیں؟"

"میں سمجھی نہیں؟" کتنی معصومیت تھی اس کی آنکھوں میں۔

"تو پھر پلیز مجھے سمجھنے کے لیے... میرا مطلب ہے میری باتوں کو سمجھنے کے لیے آپ کو وہاں بیٹھنا پڑے گا اور سکون سے میری باتوں کو سننا اور سمجھنا پڑے گا"۔ بالآخر وہ مان گئی اور اس کے پیچھے آ کر سنگل صوفے پر سمٹ کر بیٹھ گئی۔

"دیکھیے اب جو میں کہنے جا رہا ہوں اسے غور سے سنیے گا اور میری باتوں کو سمجھنے کی کوشش کریے گا"۔ جواباً خاموشی سے عارفین نے اس کے ڈرے سہمے وجود کو دیکھا۔

"یہ جو ہماری شادی ہوئی ہے وہ کوئی خفیہ شادی نہیں ہوئی ہے بلکہ نہایت دھوم دھام سے ہوئی ہے، جس میں

ہمارا خاندان جمع ہوا تھا اور رشتے دار اور دوست احباب سب شامل تھے کسی سے یہ شادی ڈھکی چھپی نہیں ہے مگر اب یہ سوی کون ہیں کیا یہ تو نہ میں جانتا ہوں اور نہ ہی آپ۔ لیکن اگر آپ یہاں سے اس طرح چھپ کر جاتی ہیں کسی کو کچھ بتائے بغیر چلی جاتی ہیں تو ایسی باتیں چہ میگوئیاں ہوں گی جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ اس کے علاوہ ہمارے دونوں خاندانوں کی بدنامی الگ، اور میرا نہیں خیال کے آپ یہ سب چاہیں گی"۔ نہایت سہولت سے عارفین نے اسے اپنا مدعا سمجھایا۔

"اچھا ایک بات تو بتائیے! آپ کا نام کیا ہے؟ کیونکہ نکاح تو میرا معصوم اظہر سے ہوا ہے جو کہ نکاح نامے پر بھی نام لکھا ہے، اب میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا کہ آپ کو کیا کہوں؟"

"آپ اسے اتفاق سمجھیں یا میری بدقسمتی کہ میرا نام بھی معصوم اظہر ہے"۔ نہایت دکھ سے لہجے میں خود کو مورد الزام ٹھہرایا تھا۔

"ایسا تو آپ سوچتی ہیں اگر میری سوچ پڑھ سکتیں تو اپنی قسمت پر ناز کرتیں"۔ اپنے اس ذومعنی جملے میں وہ بہت کچھ باور کرا گیا تھا اگر وہ سمجھ سکتی تو، مگر وہ تو اپنا ہی دکھڑا لے کر رو رہی تھی۔ عارفین کی آنکھوں میں پنہاں محبت نظر ہی نہیں آ رہی تھی اسے۔

"دیکھیے آپ مجھے ادھر ادھر کی باتوں میں الجھانے مت اور مجھے یہاں سے جانے دیجیے"۔ اس نے عاجزی سے تکتے ہوئے اس کی سمت دیکھا۔

"او مائی گاڈ! ٹھیک کہا ہے فلاسفر نے کہ ہر خوبصورت چہرے کی عقل بالکل خالی ہوتی ہے"۔

"دیکھیے... پلیز!"

"جب سے آپ دیکھیے، دیکھیے کر رہی ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اس وقت صرف اور صرف آپ ہی کو دیکھ رہا ہوں"۔ دلکشی سے مسکراتے ہوئے وہ اسے چھیڑنے لگا تھا۔ معصوم ان لو دیتی نگاہوں سے گھبرا کے رو گئی اور نگاہ چرانے لگی، عارفین نے بغور ان نگاہوں کو دیکھا تھا۔

"اچھا ویٹ... اب ذرا ریلیکس ہو جائیں"۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"آپ یہیں رکیں، میں ذرا ابھی آتا ہوں"۔

"مگر آپ مجھے اکیلا چھوڑ کے کہاں جا رہے ہیں؟" وہ بھی صوفے سے گھبراتی ہوئی اٹھی تھی۔

"بے فکر رہو، تھوڑی دیر کے لیے میرے بغیر اکیلا رہنا پڑے گا"۔ پھر ذومعنی جملہ جو اس کے خاک پلے نہیں پڑا۔ وہ مسکراتا ہوا دروازے کی سمت بڑھنے لگا مگر پھر کچھ سوچ کر وہ واپس پلٹا تھا۔

"اور ہاں! پھر سے اس گلاس ونڈو سے باہر اترنے کی کوشش مت کرنا، باہر لان میں ٹائیگرز کھول دیے گئے ہیں اور انہیں بھی میری طرح حسین چہرے بہت پسند ہیں"۔ وہ اس کے دلہناپے سراپے پر ایک بھرپور نظر ڈالا کمرے سے نکل گیا تھا۔ وہ اس کی صرف ایک بات سمجھی تھی کہ باہر لان میں ٹائیگرز ہیں، وہ ڈرتی ہوئی پھر سے صوفے میں دبک کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ رابعہ کے روم کا دروازہ دھیرے دھیرے بجا رہا تھا۔

"اس وقت کون ہے؟" وہ بلینکٹ سے نکل کر دروازے پر آئیں اور دروازہ کھولا تو سامنے ہی عارفین کو کھڑا پایا۔

"ارے عارفین بیٹا! تم اس وقت... سب خیریت تو ہے ناں؟" وہ گھبرا گئی تھیں۔

"مما! کیا میں اندر آسکتا ہوں؟"

"ہاں جانتا! کیوں نہیں آؤں گا!" وہ اندر ہی اندر ڈری جا رہی تھیں۔ دل کسی انہونی بات کو سوچ سوچ کر دہل رہا تھا۔ اس نے آرام آرام سے ساری بات رابعہ کو بتا دی تھی۔

"او مائی گاڈ عارفین! یہ تو بڑا گھمبیر مسئلہ ہو گیا ہے اب کیا ہو گا؟" وہ صحیح معنوں میں بہت پریشان ہو گئیں۔ انہیں اتنا پریشان دیکھ کر وہ بھی بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ بے شک اس نے معصوم کو پہلی ہی نظر میں پسند کر لیا تھا مگر اس کی شادی اتنی اچانک...... وہ بھی اس کی دوست سوئی سے ہوئی تھی مگر پھر حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ وہی جان عزیز اس کی ہمسفر بن گئی، وہ قدرت کے اس فیصلے پر بہت خوش ہوا تھا مگر خوابوں و خیالوں سے نکل کر جب حقیقت کی دنیا میں قدم رکھا تو حالات کے خراب ہونے کا اندازہ ہوا۔

"عارفین! تم پہلا کام تو یہ کرو کہ سوئی کی ممی کو فون کرو اور انہیں یہاں بلاؤ۔" انہوں نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"مگر مما! اس میں سوئی کی ممی کیا کر سکتی ہیں؟" وہ سمجھا نہیں تھا۔

"ارے بیٹا! سوئی ان کی بیٹی ہے جس کی شادی تم سے ہونی تھی مگر وہ کیا وجہ ہے کہ سوئی کی دوست سے تمہاری شادی کر دی گئی ہے اور پھر سب سے بڑی بات کہ کل ولیمے کی تقریب ہے یہ بات ان کے علم میں ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو انہوں نے ایسا کیوں کیا، یہ تو ہمارے ساتھ سراسر دھوکہ ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مما! مگر معصوم کا کہنا بھی ہے کہ وہ لاعلم ہیں سوئی کی اس حرکت سے بے خبر ہیں۔"

"وہی تو میرا مطلب ہے عارفین! مگر میں پھر بھی بہت کنفیوز ہوں، تم پہلی فرصت میں سوئی کی ممی کو فون ملا کے مجھ سے بات کراؤ۔" کچھ ہی گھنٹوں میں وہ رابعہ اور عارفین کے روبرو تھیں، اور رابعہ سے انہیں سب کچھ پتہ چل گیا تھا مگر ان کی کیفیت رابعہ سے بالکل مختلف تھی چہرے پر غم دکھ کے علاوہ غصہ و جلال بھی بہت تھا۔

"میں ملنا چاہتی ہوں معصوم سے۔" وہ تینوں اسی کمرے میں داخل ہوئے تھے جہاں معصوم ایک صوفے پر بیٹھی تھی، سوئی کی ممی کو دیکھ کر وہ صوفے سے کھڑی ہوئی تھی، وہ انہیں دیکھ کر اس کے چہرے پر ڈر و خوف کے رنگ منڈلانے لگے تھے، دل سہم سہم کر جیسے سکڑنے لگا تھا، آنکھوں میں نمی سی اترنے لگی، ہلکے ہلکے پورا وجود کپکپا رہا تھا، ان کی آنکھوں میں غصے کے شعلے بھڑکے آگے بڑھیں اور ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر مارا کہ وہ پھر سے اسی صوفے پر گری تھی۔ انہوں نے اسے پھر سے دونوں بازوؤں سے سختی سے پکڑ کے اپنے مقابل کیا تھا۔

"یہ کیا کیا ہے تم نے؟ اور سوئی کہاں ہے؟" ان کا غصہ اس قدر عروج پر تھا کہ اگر بس چلتا تو وہ ابھی اور اسی وقت معصوم کو شوٹ کر دیتیں، ان کی یہ جارحانہ حرکت دیکھ کر عارفین آگے بڑھا تھا، آفرین بیگم! کی ان حرکتوں نے عارفین کو بھی غصہ دلا دیا تھا، بہت برا لگا تھا ان کا یہ برتاؤ معصوم کے ساتھ۔

"بی ہیو آنٹی! یہ کون سا طریقہ ہے بات کرنے کا؟" اس نے معصوم کو ان کی سخت گرفت سے چھڑایا تھا وہ بھی ڈر و خوف سے عارفین کی پشت پر چھپی تھی۔

"یہ آپ بول رہے ہو جبکہ سب سے بڑی مجرم تو یہ خود آپ کی ہے۔" انہیں عارفین کا یوں معصوم کا چھڑانا بہت ناگوار گزرا تھا۔

"دیکھیے اس طرح غصہ کرنے سے یہ کوئی مسئلے کا حل نہیں ہے اہم پوائنٹ یہ ہے کہ سوئی نے یہ کیوں کیا؟ کہاں ہے وہ اس وقت؟"

"یہ تو یہ بتائے گی جو بہت معصوم بن رہی ہے۔" انہوں نے زہریلی نگاہوں سے عارفین کی پشت پر چھپی معصوم کو دیکھا۔

مجھے تو شک ہو رہا ہے کہ اسی نے بہکا کر میری بھولی بیٹی کو ورغلایا ہے، پوچھو اس لڑکی سے کہ کہاں ہے سوئی؟"

"ویسے تو اس نے آپ کی بھولی بیٹی کو ورغلایا ہے اور وہ اتنی بھولی تھی کہ اس کے ورغلانے میں آ بھی گئی؟"

"عارفین بیٹا! آپ نہیں جانتے ایسی لڑکیوں کو، امیر لڑکوں کو پھانسنے میں یہ بہت آگے ہوتی ہیں۔"

"اچھا، وری گڈ! تو پھر آپ کی اپنی بیٹی کو کیا کہا جائے گا اسے اپنا نہیں تو کم از کم آپ کی عزت کا ہی خیال رکھنا چاہیے تھا، شادی والے دن گھر سے بھاگ جانا، یہ کون سی عقلمندی ہے؟ بہت سے سوالات اٹھتے ہیں ایسی لڑکیوں کے لیے، گھر میں کچھ نہیں بولوں گا، آپ خود سمجھدار ہیں اور اگر معصوم کی تو اگر یہ آج یہاں نہیں ہوتی تو جو سوالات میرے ذہن میں ہیں وہ سب آپ سے آپ کے گھر والے، رشتے دار، شادی میں ہر فرد آپ سے کر رہا ہوتا پھر میں آپ سے پوچھتا کہ کیا جواب ہے آپ کے پاس آنٹی! اس لڑکی نے آپ کی عزت رکھی ہے۔"

"مگر یہ جگہ اس کی نہیں ہے سوئی کی ہے۔" وہ کسی بھی طرح اتنا اچھا، اعلیٰ خاندان، بہترین لڑکا گنوانا نہیں چاہتی تھیں۔ انہیں رہ رہ کے سوئی پر غصہ آ رہا تھا جس نے اپنی بے وقوفی اور نادانی میں اتنی بڑی غلطی کر دی تھی۔

"مگر نکاح میرا سوئی سے نہیں معصوم سے ہوا ہے اور اس لحاظ سے یہ میری شریک حیات ہے۔"

"مگر میں اس نکاح کو نہیں مانتی ہوں، میں سوئی کو ڈھونڈ لوں گی یہ جگہ اسی کی ہے وہ یہاں آئے گی، میں اس لڑکی کو سوئی کی جگہ نہیں لینے دوں گی۔"

"فی الحال تو آپ سوئی کو ڈھونڈ لیجیے پتہ کریں کہ وہ کہاں ہے باقی باتیں بعد کی ہیں۔" اس نے بھی حتمی فیصلہ سنا دیا تھا۔

"عارفین! بہت ہو گئی اب خاموش رہو تم۔" رابعہ کو بیچ میں ٹوکنا ہی پڑا۔

"آئی ایم سوری آفرین! عارفین کچھ زیادہ ہی بول گئے ہیں، اہم بات تو اب یہ ہے کہ کل ولیمہ ہے اور کل آپ کے پورے خاندان کو یہاں آنا ہے تقریب میں تو وہ سب معصوم کو دیکھ کر بہت سے سوالات اٹھائیں گے اور پھر بہت سی رسوم وغیرہ، اس کے بارے میں کیا سوچا ہے آپ نے؟" رابعہ نے نہایت تسلی سے پوچھا تھا۔

"پہلی بات تو یہ رابعہ! کہ مجھے عارفین بیٹے کی کوئی بات بری نہیں لگی کیونکہ ان کے بدلاؤ کی ذمہ داری بھی یہی لڑکی ہے جس نے میری اپنی سگی بیٹی کو ورغلا کے جانے کہاں بھگا دیا پھر تو یہ غیر ہے۔"

"آنٹی! آپ پھر زیادتی کر رہی ہیں۔" عارفین چپ نہیں رہ سکا۔

"خیر ویسے یہ تو وقت کے ساتھ آپ کو خود پتہ چل جائے گا اور دوسری بات آپ سے رابعہ! یہ کہنی ہے کہ کل کا ولیمہ اور تمام رسوم وغیرہ پوسٹ پون کر دینا چاہیے۔"

"ہاں آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں اس مسئلے کا یہ ایک اور حل ہے مگر معصوم کا کیا بول کر اپنے خاندان میں تعارف کرواؤں؟" انہوں نے ایک اہم نقطہ آگے رکھا تھا۔

"ہونہہ...... نکال کر باہر پھینک دیجیے۔" کس قدر تذلیل و تحقیر تھی ان کے لب و لہجے میں، عارفین کے پہلو میں چھپی نازک سی معصوم کا دل کٹ کر رہ گیا، آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔

"آپ پھر غلط لہجہ اور غلط بات کر رہی ہیں، میری بیوی کے بارے میں۔"

"بیوی...؟" طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے انہوں نے ایک قہر آلود نظر اس سہمی چڑیا پر ڈالی۔

"آفرین! یہ مسئلے کا حل نہیں، آج صبح مجھے سب کے آگے جواب دہ ہونا ہے، ہماری عزت ہے، بے شک بیٹی گھر

سے آپ کی بنی ہے مگر رشتہ تو اس کا میرے گھر کے ساتھ جڑنے جا رہا تھا اور مجھے یہ بات قطعی پسند نہیں کہ کوئی کسی کی بیٹی پر انگلیاں اٹھائے، اس لیے پلیز میں آپ سے ریکویسٹ کرتی ہوں کہ غصہ، جلال ایک طرف رکھ کر سمجھداری کی باتیں کریں۔" حالانکہ انہیں بھی آفرین کی باتیں پسند نہیں آئی تھیں مگر وہ خاموش ہی رہی تھیں۔

"اوکے تو پھر ایک حل اور بھی ہے، میں معصوم کو ابھی اسی وقت اپنے ساتھ اپنے گھر لیے جاتی ہوں۔"

"جی...؟" رابعہ نے حیرانگی سے انہیں دیکھا اور ان کی بات پر وہ بالکل بے ساختگی میں معصوم نے [illegible] عارفین کا بازو اپنی مٹھی میں دبوچا تھا، عارفین کی اس لمس پر حس الرٹ ہوگئی تھی، وہ صاف اس وجود کی کپکپاہٹ محسوس کرسکتا تھا۔

"نہیں آنٹی! معصوم یہاں سے کہیں نہیں جائے گی۔" عارفین کے لہجے میں سختی تھی اور پھوپھو اور رابعہ کا [illegible]

"کیوں... کیوں نہیں جائے گی؟ یہ میری بیٹی کی منگنی ہے یہ میرے گھر پر رہے گی اور جب سوہی آجائے تو [illegible] یہاں آئے گی، میں سوہی کا حق اسے مارنے نہیں دوں گی۔" نفرت سے اسے دیکھا تھا۔

"تو آپ سوہی کے آنے کا انتظار کیجیے، مگر معصوم یہاں سے کسی صورت نہیں جائے گی۔"

"عارفین بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے آفرین! ہمیں پہلے سوہی کے گھر آنے کا انتظار کرنا چاہیے اور تب تک معصوم [illegible] یہیں رہے گی سوہی کے آنے تک۔" رابعہ نے مکمل عارفین کا ساتھ دیا تھا، آفرین خاموش ہوگئیں۔

"آل رائٹ، جیسا آپ مناسب سمجھیں، ویسے بھی اب بہت ٹائم ہوگیا ہے، فجر ہونے والی ہے [illegible] چاہیے گھر وہاں بھی جوابدہ ہونا ہے۔" وہ خاموشی سے وہاں سے معصوم کو ایک نظر اور گھورتی ہوئیں باہر نکل آئیں [illegible] کے پیچھے رابعہ بھی چلتی ہوئی چلی آئیں۔

"اگر آپ کی اجازت ہو تو دروازہ بند کردوں؟" لہجے کو بشاش بناتے ہوئے ذومعنی انداز میں اس کی [illegible] آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"جی... پلیز بند کردیجیے۔" اس کے لب و لہجے میں صاف ڈر و خوف بول رہا تھا، عارفین کا ذومعنی لہجہ اس نے سمجھا ہی نہیں تھا، جس کا عارفین کو اچھی طرح اندازہ تھا۔

"مگر کیسے، یا تو آپ میرے ساتھ وہاں تک آیئے یا پھر اپنی ان نازک ہتھیلیوں کی گرفت سے مجھے آزاد کیجیے حالانکہ میں یہ چاہتا نہیں ہوں۔" اب وہ پوری طرح اس کا اشارہ اور اس کی شرارت سمجھ گئی تھی اور بری طرح جھینپتے ہوئے اپنی ہتھیلی اس کے بازو سے ہٹائی تھی، وہ مسکراتا ہوا دروازہ بند کرنے آگے بڑھا تھا۔

☆.........☆.........☆

پوری رات وہ روتی رہی تھی اپنی اس طرح قسمت بدل جانے پر، وہ اپنے نصیب سے شکوہ کناں تھی۔

"آفریدی کون ہے، یوں اس کی زندگی میں آیا کہ اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں مل پایا اور اس کے بیچ ایسی کون سی دشمنی ہے جس کا ازالہ میری ذات سے کیا گیا میں جو ایک نامکمل لڑکی ہوں آفریدی نے مزید میری شخصیت مسخ کر رکھ دی۔" یہی سب جو کچھ اس پر بیتا تھا وہ سوچ سوچ کر پھوٹ پھوٹ کر زار و قطار روتی رہی یہاں تک کہ صبح کے سات بج گئے اور پھر نیند نے اس کی سوچوں پر اس کے آنسوؤں پر غلبہ پالیا تھا۔

بلیک تھری پیس سوٹ میں وہ چلتا ہوا اندر داخل ہوا تھا، ملازمہ جو صفائی کر رہی تھی ڈرائنگ روم کے سامنے کھڑے اس انجان چہرے کو دیکھ کر حیرانی بھری نظروں سے تکنے لگی تھی۔

"[illegible] شیخ کہاں ہے؟" مختصر سا سوال تھا لیکن اس کے آگے کوئی سوال نہیں۔

"جی وہ تو اپنے کمرے میں سو رہی تھیں۔"

"[illegible] ہے؟" آفریدی نے ہینڈ واچ دیکھی جہاں صبح کے 10 بج رہے تھے۔

"[illegible] تم اپنا کام کرو، میں خود دیکھتا ہوں۔" آفریدی نے ملازمہ پر ایک نظر ڈالی اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا [illegible] ملازمہ کی کہہ نہ سکی وہ یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ ان کے کمرے میں کوئی بھی ان کی بغیر اجازت نہیں جاسکتا، [illegible] نہیں اٹھا سکتا، جب تک کہ وہ خود نہیں اٹھ جاتیں۔

آفریدی بغیر ناک کیے اندر داخل ہوا تھا، سامنے جہازی سائز بیڈ پر نظر پڑی جہاں پنک بلینکٹ میں وہ سکڑی [illegible] بے خبر سو رہی تھی، رخسار پر جابجا آنسوؤں کے خشک نشان تھے، جس کا مطلب تھا وہ پوری رات روتی رہی [illegible] نے پورے کمرے میں نظر دوڑائی، جہاں اسے اپنی مطلوبہ شے مل گئی تھی، ڈریسنگ ٹیبل کے پاس رکھی آرام چیئر اس نے اٹھائی اور اس کے بیڈ کے قریب رکھی نہایت آرام سے اس پر براجمان ہوا تھا، بغور اس کے چہرے پر جھکتے ہوئے اپنی شہادت کی انگلی اس کی بند پلکوں پر پھیری تھی، مردانہ لمس محسوس کرکے وانیہ نے اپنی آنکھیں کھولی تھیں، وہی چہرہ جس سے اس نے پوری رات شدت سے نفرت کی تھی، اس نے آفریدی کی بھاری ہتھیلی اپنے چہرے سے بری طرح جھٹکی تھی اور ایک جھٹکے سے وہ بیٹھی تھی۔

"تمہاری اتنی ہمت کہ تم میرے بیڈ روم میں آسکتے ہو؟" چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا تھا، آفریدی طنزیہ مسکراہٹ لیے چیئر سے اٹھا اور اس کے پاس بیڈ پر بیٹھا تھا۔

"تمہیں ابھی بھی میری ہمت پر شک ہے؟" اس نے وانیہ کے کھلے لمبے بالوں کو چھیڑا تھا۔

"دور ہو مجھ سے، کراہیت آتی ہے مجھے تم سے۔" وانیہ نے بری طرح آفریدی کے ہاتھ کو جھٹکا تھا، مگر آفریدی اس کے اس انداز کو دیکھ کر غصہ نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے اندر کے انسان میں ایک تسکین کی لہر دوڑی تھی وہ لطف لے رہا تھا۔

"مگر کیا کریں اب تمہیں اسی کراہیت زدہ انسان کے نام کے ساتھ اپنی پوری زندگی گزارنی پڑے گی وانیہ آفریدی!"

"ہرگز نہیں میں ایسا کچھ بھی نہیں ہونے دوں گی، میں بہت جلد اس نام سے چھٹکارا پالوں گی۔" وہ صرف اسے گھور سکتی تھی۔

"ویری گڈ! مگر کوئی ریزن تو ہوگی نا اس نام سے چھٹکارا پانے کے لیے؟"

"یہی ریزن کیا کم ہے کہ تم نے مجھے کڈنیپ کرکے زبردستی نکاح کے پیپرز سائن کروائے ہیں۔"

"مگر اس ریزن کا کوئی ثبوت نہیں۔" وہ فل اسے چڑانے کے موڈ میں تھا اور کامیاب بھی رہا تھا اپنی اس حرکت میں۔

"وہ سب میں کچھ نہیں جانتی، بس اتنا جانتی ہوں کہ میں کسی بھی قیمت پر تم سے طلاق لے کر رہوں گی، میرے بابا کا بہت اثر و رسوخ ہے۔" وہ پھنکاری تھی۔

"چلو پھر دیکھتے ہیں تمہارے بابا ریحان شیخ کا اثر و رسوخ، مگر میری ایک بات تم کان کھول کر سن لو۔" آفریدی نے اس کا بازو زور سے پکڑ کے جھٹکے سے اپنے قریب تر کیا تھا کہ وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پائی اور سیدھی اس کے بھاری سینے سے ٹکرائی تھی۔

"تم کسی بھی عدالت، کورٹ، کچہری میں جاؤ، کتنی ہی کوشش کرلو تم باپ بیٹی مگر میں تمہیں کسی بھی قیمت پر طلاق نہیں دوں گا، یوں سمجھ لو کہ تم میرے وجود کا وہ ناسور بن کر رہ گئی جسے میں تمہاری لاکھ کوششوں کے باوجود بھی کاٹ کر نہیں پھینک سکتا، اس لیے میری صلاح مانو، اس خیال کو دل سے باہر نکال دو، یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔" زرمیل نے جس جھٹکے سے اسے اپنے قریب کیا تھا اسی زور سے خود سے دور بھی کیا کہ وہ پوری جان سے ہل کر رہ گئی اور ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالتا کھڑا ہوا تھا۔

"مگر ہاں! ایک بات پر ساری زندگی افسوس رہے گا کہ تمہارے باپ کی غلطی کی سزا ان کا تاوان تمہیں بھگتنا پڑے گا، بڑا غرور ہے نا تمہارے باپ کو، اب وہ جب تمہیں دیکھے گا اپنے کیے پر پشیمان ہوگا۔" وہ پھر کمرے سے باہر نکل چلا گیا تھا۔

اس کے چلے جانے کے بعد وہ ایک بار پھر بکھرتی چلی گئی، آنسو تھے جو رات بھر بہتے بہتے خشک ہوگئے تھے، وہ ایک بار پھر اس کی قسمت پر ماتم کناں تھے۔

☆........☆........☆

ژالے کو نجمہ نے آسیہ کے پاس نیچے بھیجا تھا۔ معصوم کو وہ ڈائمنڈ کا سیٹ دکھانے آئی تھی جو وہ آج کی تقریب میں معصوم کو منہ دکھائی میں دینے والی تھیں، وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی سامنے ہی زرمیل کا بیڈ روم تھا، دروازہ کھلا تھا مگر وہ کہیں نظر نہیں آرہا تھا، وہ تائی مما کو یہ ڈائمنڈ سیٹ دکھا کے فوراً سے پیشتر یہاں سے چلی جانا چاہتی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ زرمیل کا اس سے سامنا ہو مگر وہ کہتے ہیں نا جو ہم سوچتے ہیں ایسا اکثر ہوتا نہیں ہے، تو زرمیل منظر عام پر آگیا تھا، وہ واش روم میں تھا بلیو جینز، اجلی شرٹ کے گلے میں ناول ڈالے وہ سامنے کھڑا تھا۔

ژالے کی نگاہ اس کے حلیے کو دیکھ کر خود ہی جھکتی چلی گئی تھی، وہ بیٹھے سے کھڑی ہوگئی مگر اپنا رخ اس کی سمت سے موڑ لیا تھا۔

زرمیل زمین پر مضبوط قدم دھرتا آہستہ سے روم سے آگے بڑھا اور اس کے بالکل پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا، زرمیل کے کسرتی بدن سے پھوٹتی کلون کی خوشبو بہت قریب محسوس ہوئی تھی، وہ ٹھٹکا کے جھٹکے سے مڑی تھی، وہ زرمیل اس کے اس قدر قریب کھڑا تھا کہ وہ پلٹنے پر بالکل اس کے چوڑے سینے سے لگی تھی، ایک تو زرمیل کا یہ حلیہ پھر اس کی یہ قربت، ژالے کے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی وہ جلدی سے پیچھے ہوئی تھی۔

"آج میری صبح کا آغاز بہت خوبصورت ہوا ہے، یعنی کہ میری محبت کا اثر ہوتا نظر آرہا ہے۔" اس کا اشارہ یہاں اس کی موجودگی پر تھا، وہ اس کا اشارہ بہت اچھی طرح سمجھ گئی تھی، اس لیے نہایت تپ کر اسے دیکھا تھا۔

"آپ اپنی اس خوش فہمی سے باہر نکل آئیے، مجھے میری ماما نے زبردستی بھیجا ہے کہ یہ ڈائمنڈ سیٹ تائی ماما کو دکھا لاؤں جو ماما آج ولیمے میں معصوم بھابی کو گفٹ کرنے والی ہیں۔" اس نے اپنے آنے کی وجہ تفصیل سے بیان کردی جسے زرمیل نے بہت سکون و اطمینان سے سنا تھا۔

"تم نے تو لمبی چوڑی تمہید باندھ دی مگر میرے لیے یہی کافی ہے کہ تم اس وقت یہاں میرے سامنے ہو، اب شاباش! ایک کام کرو میرے لیے اچھا سا ناشتہ بنا کے لاؤ۔" یعنی وہ اسے سلگا کے حظ اٹھا رہا تھا۔

"میں آپ کی نوکر نہیں ہوں۔" زرمیل اس کے سلگ کر جواب دینے پر ہنس دیا تھا۔

"اچھا تو یار! کمرے میں میری شرٹ پڑی ہے اس پر استری ہی کردو۔"

"آپ اپنے سارے کام خود کریں۔"

"تو تمہیں بیوی بنا کر لایا ہوں۔"

"اچھا اس بیوی کا خیال اتنی جلدی آگیا آپ کو؟" اس نے "بیوی" پر خاص زور دیتے ہوئے طنز بھرے انداز میں زرمیل کو دیکھا تھا۔

"چلو تو گیا نا اب بحث چھوڑو اور کمرے میں چلو مجھے تم سے کچھ کام ہے۔" زرمیل نے اس کی نازک کلائی پکڑ لی تھی، ژالے بری طرح گڑبڑا کے رہ گئی، اس کی بے تکلف حرکت پر بات تو وہ اس طرح کر رہا تھا جیسے بہت اچھے تعلقات ہیں دونوں کے درمیان میں جیسے کبھی کوئی حادثہ ان کی زندگی میں آیا ہی نہیں، مگر ساتھ ہی یہ خیال بہت تیزی سے آیا کہ ارشد گھر میں ہے اور کسی بھی وقت نیچے آسکتا ہے کیونکہ باہر جانے کا راستہ یہیں سے نکلتا تھا۔

"زرمیل! چھوڑیے میرا ہاتھ، ارشد بھائی گھر میں ہیں۔" ژالے نے جھٹکے سے اس کی مضبوط ہتھیلی سے اپنی کلائی چھڑائی تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا نا کہ مجھے تمہارے میرے اپنے بیچ کسی تیسرے وجود کا ذکر برداشت نہیں ہے اور تم نے پھر اس سالے کا نام لیا۔"

"زرمیل! مائنڈ یور لینگویج، اب آپ گالیاں بھی بکنے لگے ہیں، شرم آنی چاہیے آپ کو۔" زرمیل کی یہ طرز گفتگو اسے ناگوار گزری تھی۔

"مگر میں نے گالی تو نہیں دی، تمہارے رشتے سے تمہارا چہیتا بھائی میرا سالا ہی تو لگا نا۔" ژالے اس کی بات سن کر بری طرح جھینپ کر رہ گئی، اس کے چہرے کا رنگ حیا سے دہک اٹھا تھا، زرمیل نے بڑی چاہ سے اس قوس قزح کے ان رنگوں کو اپنی نگاہوں سے دل میں اتارا تھا

"ژالے....!" نہایت دھیمی آواز میں پکارا تھا جیسے کوئی فسوں پھونکا ہو، ژالے نے سیاہ گھنیری پلکیں بمشکل اوپر اٹھائی تھیں۔

"سب کچھ بھول کر واپس میرے پاس آجاؤ۔" پہلے تو وہ خاموش رہی، اس کے چہرے کو اس کی سرخ آنکھوں کو گھورتی رہی، ایک لمحے کو وہ سب کچھ بھول بھی جاتی مگر اپنی انا پر لگی کاری ضرب اپنی ذات کا وہ ٹھکرایا جانا نسوانیت کی بے عزتی نہیں، یہ سب بھول جانا اتنا آسان نہیں تھا، دو سال میں جل جل کر سلگ سلگ کر وہ جس آگ میں جلی تھی اس کی معمولی سی بھی تپش کا زرمیل کو اندازہ نہیں تھا ورنہ وہ یہ بات اتنی آسانی سے نہیں بولتا۔

"نہیں کبھی نہیں، میں آپ کے پاس واپس نہیں آؤں گی، آپ کے لیے چاہے بھول جانا آسان ہو مگر میرے لیے وہ سب کچھ وہ ایک رات بھولنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے، ان دو سالوں میں جتنا میں اور میرے چاہنے والے تڑپے ہیں آپ اس کا مداوا نہیں کر سکتے۔" سبز کانچ سمندر سے بھرنے لگے تھے۔

"میں آپ سے نفرت کرتی ہوں، شدید نفرت، مت آیا کریں میرے سامنے، مجھے وہ لمحات پھر سے یاد آنے لگتے ہیں، زخم ادھڑنے لگتے ہیں، آپ کو دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے مجھے۔" وہ پھر رکی نہیں، سسکتی ہوئی وہاں سے بھاگتی ہوئی اوپر گئی تھی۔

اور وہ وہاں پتھر کا مجسمہ بن کر رہ گیا، ایسا گلیشیئر جو جانے کب ژالے کی محبت کی گرمی سے پگھلے گا، ژالے کی آنکھوں میں آنسو اور اس کی باتوں نے زرمیل کو مزید شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا تھا۔

"زرمیل بیٹا! ژالے کو منانا آسان نہیں ہے۔" آسیہ جو جانے کب سے پیچھے کھڑی ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھیں وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئیں اس کے مقابل آٹھہریں، ژالے کو دیکھ کر تو خود ان کا دل بھی خون خون ہوتا تھا۔

کچھ منہ کو آتا تھا۔

"جانتا ہوں ماما، مگر میں ہمت نہیں ہاروں گا۔ میں ژالے کو اس کی خوشیاں، وہ جیت واپس دلوں گا جو اس کا حق ہے، میں اسے اپنے پاس واپس بلالوں گا، یہ رستہ کٹھن ضرور ہے مگر میں ہر مشکل پار کرلوں گا۔" اس نے آسیہ کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لیے تھے۔

"انشاء اللہ! میرے چاند! جیت تمہاری ہی ہوگی۔" انہوں نے دل سے دعا دی اور اس کی چوڑی پیشانی پہ بوسہ دیتے ہوئے وہ ژالے کا ہیٹ اٹھایا جو ژالے ٹیبل پہ رکھ کر چلی گئی تھی اسے لیے اوپر کے پورشن کی جانب بڑھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

دروازے پہ زور زور سے دستک دی جارہی تھی۔ عارفین بیڈ پہ بے خبر سو رہا تھا۔ معصوم کو اس کی بے خبر نیند کا اندازہ تو ہو گیا تھا کہ چاہے آندھی آئے طوفان آئے وہ اپنی پوری نیند کرکے ہی اٹھتا ہے۔ ویسے کوئی دوسری تیسری بار تھا دروازہ بجا بجا کر تھک ہار کر چلا گیا مگر اب دروازے کو جس طرح پیٹا جارہا تھا لگ رہا تھا کہ دروازے توڑ کے ہی دم لیں گے بالآخر معصوم صوفے سے اٹھی اور بیڈ کی سمت بڑھی جہاں وہ پورے بیڈ پہ پھیلا جانے بے خبر سو رہا تھا۔

"سنیے! اٹھیے نا، دروازے پہ کوئی ہے۔" بنا اس کو ہاتھ لگائے معصوم آہستگی سے بولی مگر وہ تھا کہ ٹس سے مس نہ ہوا، اسی کشمکش میں وہ کھڑی سوچتی رہی کہ نظر الارم گھڑی پہ پڑی۔

"یہی طریقہ ٹھیک رہے گا۔" اس نے الارم گھڑی اٹھائی اور آن کرکے بالکل اس کے کان کے نزدیک رکھ دی، عارفین بری طرح گھبرا کے رہ گیا۔

"یااللہ خیر!" معصوم کی دبی دبی مسکراہٹ اس سے مخفی نہیں رہ سکی۔

"یہ کون سا صور اسرافیل تھا۔"

"دروازے پہ کوئی ہے، تیسری بار آیا ہے کوئی، آپ پلیز دیکھیے۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے مگر آپ کو کوئی اور طریقہ نہیں آتا نیند سے جگانے کا؟" وہ کان کھجاتا اٹھ کے بیٹھا تھا اور الارم کو آف کرکے ٹیبل پہ رکھا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں ادھر ادھر گردن گھمائی، عارفین اسے بغور تکتا ہوا گہری سانس لیتے ہوئے بیڈ سے نیچے اترا تھا۔

"اگر ہم میں اتنی فرینڈشپ ہوتی تو میں ضرور بتاتا کہ نیند سے کیسے جگایا جاتا ہے۔" وہ ذومعنی سا کہتا ہوا آگے بڑھا اور اس کی ذومعنی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے وہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی۔

"یار! کیا عارفین بھائی! آپ نے تو حد ہی کردی، ہم کل سے ایکسائیٹڈ ہو رہے ہیں کہ معصوم بھابی کو دیکھیں اور آپ ہیں کہ انٹری ہی نہیں دے رہے۔" بے تکان بولتی سب سے پہلے عارفین کی بنا اجازت لیے ماہین اندر داخل ہوئی اس کے پیچھے حرا اور ژالے بھی تھیں۔

"ماشاء اللہ، زبردست، بیوٹی فل، واؤ...!" اس طرح کے بہت سے کمنٹس معصوم نے اپنے لیے سنے تھے، ان لوگوں کو دیکھ کر گھبرا سی گئی، سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے، وہ سب اس کو گھیر کر کھڑی ہو گئیں، تبھی اس کی نگاہ ایک چہرے پر اٹھی تھی، اور ان سیاہ کانچ میں رقم تحریر وہ بھلا کیسے نہیں سمجھ سکتا تھا، نیند تو ویسے ہی پوری ہو چکی تھی اب اور کیا سونا، یہی سوچا وہ آگے بڑھا۔

"دیکھ لیا اب چلو نکلو کمرے سے شاباش!"

"واقعی...؟" ان تینوں کا اس عزت افزائی پر منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"ارے بچے تین چوروں کا غلام" ژالے نے بے ساختہ ہو کر عارفین کا ریکارڈ لگایا، عارفین ژالے کے اس بے ساختہ جملے پر کچھ خجل سا ہوگیا، لیکن اگر وہ تھوڑا سا بھی ڈھیلا پڑ جاتا تو یقیناً یہ اس کی کمزوری ہوگی، جس کا یہ لڑکیاں بھرپور فائدہ اٹھاتیں۔

"ہاں تو اس میں کیا کوئی شک ہے؟ بھئی! ہماری مسز ہی اتنی پیاری و خوبصورت کہ ان کا غلام ہونا پڑے گا۔" یہ کہتے ہی ان تینوں لڑکیوں کو سائیڈ میں کیا اور خود معصوم کے برابر میں جا کر کھڑا ہو گیا۔

"عارفین بھائی! آپ تو بڑے ہی بے شرم ہیں، ہم تو سمجھے تھے کہ اس گھر میں ایک ہی بے شرمی کا پیس ژالے ہے مگر یہاں تو آپ اس سے بھی آگے ہیں۔" ماہین نے عارفین کو رگیدنے کے ساتھ ژالے سے بھی اپنا پچھلا حساب بے باق کرنا چاہا۔

"ہیلو، ایکسکیوزمی! تم یہاں میرے ساتھ عارفین بھائی کا ریکارڈ لگانے آئی ہو یا میری ٹانگ کھینچنے؟" ژالے نے گھرکی لی۔

"ژالے...!" عارفین نے ژالے کو گھورا تھا۔

"مجھے یقین ہے ایسا تخریب کار دماغ تمہارا ہی ہو سکتا ہے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا عارفین بھائی! یہاں اور سب بہت معصوم ہیں؟ ٹھیک ہے نہیں کرتی میں آپ سے بات، بلکہ اب ہی آپ مجھے منانے کی کوشش کیجیے گا۔" ژالے واک آؤٹ کرکے جانے لگی۔

"ارے ارے میری سویٹ سسٹر! میں تو مذاق کر رہا تھا۔" عارفین نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کے اسے روکا۔

"عارفین بھائی! ابھی آپ ہمیں مروا دیتے، جانتے ہیں کہ ژالے کی ناراضی ہم افورڈ نہیں کر سکتے۔" حرا شرارت بھری مسکراہٹ چہرے پہ سجا کر آگے بڑھی تھی۔

"ٹھیک کہا حرا! تم نے کیونکہ یہ ناراضی میں کھاتی بہت ہے۔" ماہین نے بھی چٹکلا چھوڑا تھا۔

"کیا کہا...؟" ژالے نے ماہین کے ایک موٹی سی چٹکی بھری کہ وہ بلبلا کے رہ گئی اور "سی..." کرتے ہوئے اپنا بازو سہلانے لگی۔

"تم لوگ خوب تاک تاک کر معصوم بھابی کے سامنے میری بے عزتی کرو۔"

"اب تم لوگ اپنی ہی ہانکتی جاؤ گی یا میری مسز سے بھی ملو گی؟" عارفین نے بڑی چاہت بھری نظروں سے معصوم کو دیکھا تھا۔

"ہاں عارفین بھائی! ہم اصل میں معصوم بھابی سے ہی ملنے آئے تھے، کب سے انتظار کر رہے تھے کہ اب صبح ہو اور معصوم بھابی کے دیدار کا شرف حاصل کریں۔" معصوم کو دیکھ کر ژالے کو بہت خوشی ہوئی تھی۔

"واقعی معصوم بھابی! اگر آپ نے اپنا چہرہ منہ دکھائی کی منت مانی تھی تو بالکل ٹھیک مانی تھی، آپ واقعی میں بہت خوبصورت ہیں۔" حرا نے معصوم کی سرخ و سفید رنگت کو دیکھ کر کہا جس کی تائید ان دونوں نے بھی کی تھی۔

"بہت اچھی بات ہے، تعریف کر رہے ہو وہ بھی سوکھے منہ، ژالے! تمہیں تو کم از کم شرم آنی چاہیے، شادی شدہ عورت ہو بچے کی ماں بھی ہو، شوہر نامدار آئے ہیں پھر بھی خالی ہاتھ منہ اٹھائے چلی آئیں معصوم کو دیکھنے۔" عارفین نے جان بوجھ کر یہ ذکر چھیڑا تھا، ژالے نے عارفین کی اس اچانک بات پر ٹھٹک کے پہلے معصوم کو دیکھا پھر عارفین کو

دیکھنے لگی تھی، جبکہ ماہین اور حرا اچھی طرح سمجھ گئی تھیں، دونوں کی دبی دبی مسکراہٹ چھوٹی تھی جسے وہ شوالے سے پی گئی تھیں۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو، ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں، اچھی خاصی اسامی ہو کوئی بھاری سا گفٹ ہونا چاہیے تمہاری طرف سے ہماری مسز کے لیے اس لیے جاؤ اور اپنے میاں کے ساتھ کوئی اچھا اور مہنگا سا گفٹ خرید کے لاؤ مقسوم کے لیے''۔ وہ اگر اسے سنگار رہا تھا تو وہ کب رہا تھا، ثنا لے سر تا پیر سنگ کر دی گئی تھی۔

''عارفین بھائی! اگر آپ کو گفٹ ہی چاہیے تو وہ میں دے دوں گی، بجائے مہنگا مگر اس کے لیے مجھے کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے''۔ اس نے کچھ تلخی سے عارفین کو جواب دیا تھا، ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو وہ بڑی مشکل سے سنبھلی تھی کہ عارفین کی بات نے پھر سے اس کے دل کے زخم پر نمک چھڑک دیا، وہ پھر رکی نہیں حرا کو سائیڈ میں کرتی باہر نکلتی چلی گئی، وہ سب اسے آوازیں دیتے رہ گئے مگر کسی کی بھی پکار پر اس نے کان نہیں دھرے تھے، ماحول یک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا''۔ حرا نے پرسوچ لب و لہجے میں دروازے کی سمت دیکھا تھا۔

''بیٹھے گا ضرور بیٹھے گا اور اس کا کوئی سولڈ حل نکالنا پڑے گا''۔ عارفین کی بھی سوچتی نگاہیں دروازے پر تھیں۔ اسی پل حرا اور ماہین کی نگاہ مقسوم پر پڑی جو نا سمجھی کی کیفیت میں انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

''یہ لو بتاؤ ذرا، ہم نے مقسوم بھابی کو بھی پریشان کر دیا، وہ بھی کیا سوچ رہی ہوں گی''۔ ماہین کے کہنے پر عارفین کی نگاہ اپنے برابر میں کھڑی مقسوم پر ٹھہر گئی۔

''ابھی تو فی الحال کچھ نہیں سوچ رہی ہیں، مگر بہت جلد تم لڑکیوں کی بے وقوفیاں سمجھ جائے گی''۔

''عارفین بھائی...!'' دونوں کی زوردار چیخ نکلی تھی۔

''ٹھیک ہے آج ولیمہ ہے آپ نکلا کے دیکھ لیں ہم سے گفٹ''۔ حرا نے اپنے تئیں دھمکی دی۔

''پھر تو تمہیں گفٹ ابھی دینا پڑے گا کیونکہ آپ لوگوں کے لیے اعلان عرض ہے کہ آج کی تقریب پوسٹ پون ہو چکی ہے''۔

''کیوں...؟'' دونوں حیرانگی سے بولیں، مگر ماہین کو سب سے زیادہ افسوس یوں بھی ہوا کہ آج کی تقریب میں پہننے کے لیے اس نے بہت زبردست انارکلی فراک سلوائی تھی۔

''بھئی! کچھ ایسی وجوہات تھیں جس کی بنا پر ولیمہ کینسل کرنا پڑا''۔

''مگر عارفین بھائی! ہماری تو مکمل تیاریاں ہیں اور میں نے تو بہت خوبصورت سوٹ بھی سلوایا ہے''۔

''تو کوئی بات نہیں ہم آپ کا سوٹ ضائع نہیں ہونے دیں گے، ایک کام کرتے ہیں آج رات کا ڈنر یک پارٹی کا میری طرف سے''۔ اس نے شان بے نیازی سے فرض کالر جھاڑے تھے۔

''یاہو... یہ بات ہوئی نا، پھر تو مقسوم بھابی! آپ کا گفٹ پکا ہے''۔ حرا خوشی سے بولتے ہوئے مقسوم سے لگی تھی۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے مگر ایک پرابلم ہو گئی ہے''۔

''وہ کیا...؟''

''ارے ہماری محفل کی جان ثنا لے ناراض ہو گئی ہے''۔

''آپ اس کی فکر مت کریں، اسے ہم منا لیں گے بس آپ اپنی جیب گرم رکھیے گا''۔

ٹھیک رات کے 8 بجے سب تیار رہنا''۔

''ہو گئے... ہم آپ کو 8 بجے سے پہلے ہی ریڈی ملیں گے، اچھا چلیں اب ہم ذرا مقسوم بھابی کو تیار کر دیں ورنہ پھوپھو نے ناشتہ بھی لگوا دیا ہوگا''۔ ماہین نے مقسوم کی سفید دودھیا کلائی تھام لی۔

''جی نہیں آپ ان کی فکر چھوڑ دیں انہیں تیار کرنے کی ذمے داری میری ہے، میں خود انہیں تیار کر رہا ہوں، آپ دونوں جائیے''۔ عارفین نے بڑھ کر ہلا جھٹک ماہین کا ہاتھ اس کی کلائی سے ہٹایا، دونوں کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا، آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''اب جاؤ بھی...!'' دونوں نے اپنے چہرے کا زاویہ بدلا۔

''جا رہے ہیں، ویسے ثنا لے نے ابھی کچھ دیر پہلے بالکل ٹھیک ہی کہا تھا''۔ دونوں نے دو قدم پیچھے بڑھائے تھے۔

''کیا...؟'' اس نے ابرو اچکائی۔

''جورو کا غلام...!'' دونوں ایک ساتھ بولتی ہوئیں بھاگی تھیں کیونکہ عارفین نے ایک قدم آگے بڑھایا تھا۔

ان دونوں کے جانے کے بعد ان کی بات پر وہ مسکرا دیا، آگے بڑھ کر دروازہ لاک کیا اور آہستہ روی سے چلتا ہوا مقسوم کے مقابل آ ٹھہرا، اس کے جھکے چہرے کو ٹھوڑی سے پکڑ کر اوپر اٹھایا تھا، وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کیے اپنی گھبراہٹ کو کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ عارفین نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

''مقسوم! میری سب کزنز مجھے بہت چاہتی ہیں بالکل سگے بھائیوں کی طرح اور میں بھی ان سے بہت محبت کرتا ہوں اس لیے میرے حوالے سے سب تمہیں اسی طرح ٹریٹ کریں گی اور یہ تو سمجھو ایک ٹریلر تھا باقی تو ایک سے ایک بڑھ کر ہے، تمہیں یہاں ایڈجسٹ ہونا پڑے گا''۔

''مگر ان سب پر میرا کوئی حق نہیں ہے، اتنی محبت وچاہت عزت واحترام کے میں لائق نہیں ہوں یہ جگہ میری نہیں ہے اس جگہ پر یہاں میرا کوئی حق نہیں ہے''۔ عارفین نے خاموشی سے اسے سنا اور بغور دیکھا تھا مگر کچھ ہی لمحوں بعد...

''تم کس لائق ہو اور تمہارا یہاں کیا حق ہے یہ بھی فرصت سے بتاؤں گا مگر یہ بعد کی بات ہے کہ یہ جگہ کس کی ہے، ابھی تو صرف یہ ہے کہ تم میری بیوی ہو اور اس گھر کی بہو ہو، فی الحال یوں سمجھ لو کہ تمہیں اس گھر کی بہو بیٹی کا رول پلے کرنا ہے''۔

''مگر...!''

''شش...!'' عارفین نے اس کے جلتے پتنگ لبوں پر اپنی انگشت شہادت رکھ دی۔

''آگے کچھ نہیں... اور اب ویسے ہی بہت دیر ہو گئی ہے، چلنا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ گھر کے سارے افراد ہمارے کمرے میں موجود ہوں''۔ وہ مسکرا کے اس کے پاس سے اٹھتا ہوا وارڈروب کی جانب بڑھا اور اپنے لیے ایک سادہ لان کا کرتے شلوار قمیص ہینگر کیے نکالا اور اس کے لیے بھی ایک ریڈ جارجٹ کا فل ایمبرائیڈری سوٹ نکالا تھا۔

''جلدی سے بغیر کچھ سوچے اور بولے ریڈی ہو جاؤ''۔ وہ سوٹ اس کے ہاتھ میں تھماتا ہوا واش روم میں گھس گیا تھا۔

☆......☆......☆

''بابا تا رہی تھیں کہ آج کا ولیمہ کینسل ہو گیا ہے؟'' ثمرین، ارشد کی ٹائی کی ناٹ ٹھیک کرتے ہوئے بولی تھی۔

''ہاں پتہ چلا ہے، مگر وجہ نہیں بتائی، خیر... ہو گی کوئی وجہ''۔ ارشد نے اپنا موبائل دیکھا جہاں حسن کی مس کالز

تھیں۔

"آج میٹنگ بھی ہے ہوٹل میں، ویسے کی وجہ سے کینسل ہو گئی ہے مگر ہوٹل میں رکھ لی ہے۔"

"تو آپ رات کا ڈنر ہمارے ساتھ نہیں کریں گے؟" ثمرین نے ٹیبل سے والٹ اٹھا کے اس کو دیا۔

"نہیں، بلکہ مجھے آج رات دیر بھی ہو سکتی ہے۔" والٹ اور موبائل کوٹ کی جیب میں ڈالا۔

"مگر عارفین نے تو ہوٹل میں ڈنر پہ ہم سب کو انوائٹ کیا ہے۔"

"میری طرف سے معذرت۔ لیناا اور وہ جو گفٹ خریدا تھا عارفین کی دلہن کے لیے وہ آج ہی دے دینا، جب ولیمہ ہو گا تب کی تب دیکھی جائے گی۔" ارشد نے یہ کہہ کر مرر میں ایک بار پھر اپنا جائزہ لیا، یہ بھی نہیں سوچا کہ ان کے ایسے رویے سے اس کا چھوٹا سا دل کس قدر دکھا ہو گا، ارشد تیزی سے پلٹے اور اس کی طرف دیکھے جانے لگا کہ وہ یا آنے پر پلٹا۔

"اور ہاں اگر ڈرمیل جائے گا تو ڈرائیور کو جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ عارفین نے تو سب کو انوائٹ کیا ہے۔" ارشد کے چہرے پر معمولی سی سختی در آئی، وہ دو قدم آگے بڑھا تھا۔

"پہلی بات تو یہ کہ مجھے بحث کرنے والی عورتوں سے سخت چڑ ہے، یہ تم اچھی طرح جانتی ہو اور دوسری یہ کہ جب میں کچھ کہہ دوں اس کے بعد آگے کرنے کے لیے کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر ڈرائیور کا کہہ دیا تو تم نہیں جاؤ گی، نہیں جائے گی۔" اس نے اچھی طرح ثمرین کو جھڑک دیا تھا۔

"لیکن ارشد! معصوم کیا سوچے گی؟"

"کہا ناں کہ مجھ سے بحث مت کیا کرو، کوئی کیا سوچتا ہے مجھے یا تمہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے اور اب اپنی فضول بکواس میں مجھے مزید دیر مت کرواؤ۔" وہ اسے گھورتا ہوا بریف کیس اٹھائے کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ ثمرین کی آنکھوں سے چند موتی ٹوٹے اور اپنا اصل کھوتے چلے گئے۔

☆ ☆ ☆

ٹیکسی "شیخ ولا" کے پاس آ کر رکی تھی، چوکیدار ریحان شیخ کو دیکھ کر اپنی چیئر سے اٹھا اور ٹیکسی کا دروازہ کھولا، باہر نکلے چوکیدار نے ان کا سوٹ کیس ٹیکسی سے نکالا تھا۔ وہ اندر بڑھے سارے ملازمین نے انہیں سلام کیا تھا، جن کا انہوں نے جواب دیا اور ڈرائیور کو طلب کیا۔

"تم ایک کام کرو، گاڑی تیار کرو، میں فریش ہو کر آتا ہوں پھر وانیہ کو لے کر آتا ہے۔"

"مگر بڑے مالک وہ تو گھر پر ہی ہیں۔" ڈرائیور نے ادب سے جھک کر کہا۔

"گھر پر... مگر وہ تو اپنی سہیلی کے رکی تھی۔"

"جی بڑے مالک! مگر وہ تو اسی رات کو ہی گھر واپس آ گئی تھیں، اور انہیں کوئی صاحب چھوڑ کے گئے تھے۔"

"اچھا... کون صاحب تھے؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا اور نہ ہی میں نے انہیں یہاں پہلے کبھی دیکھا ہے۔" ریحان شیخ نے اسے خاموشی سے دیکھا اور کچھ کہے بنا وانیہ کے کمرے کا رخ کیا تھا۔ ہلکے سے دروازہ ناک کیا مگر اندر سے جواب ندارد، تو انہوں نے دھیرے سے دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا، کمرہ پورا گھپ خاموشی اور اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ انہوں نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا، کمرہ روشنیوں میں پورا نہا گیا، انہوں نے پورے کمرے میں نگاہ دوڑائی، ایسا لگ رہا تھا کہ

کمرے کی صفائی ستھرائی نہیں ہوئی ہے، اس قدر بکھرا ہوا تھا، ان کی متلاشی نگاہیں بیڈ کے پاس سمٹی بیٹھے ہوئے وجود پر پڑیں جسے پہچاننے میں انہیں زیادہ دیر نہیں لگی۔

"وانی... میری جان!" ان کے لب و لہجے میں اس قدر تڑپ تھی، وہ جو اپنی ہی دنیا میں گم صم تھی، اپنے پیارے بابا کی آواز پر اس نے چہرہ اوپر اٹھایا، ریحان شیخ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا ہو، کتنے ہی ٹکڑے ہوئے تھے ان کے دل کے اس کی حالت دیکھ کر۔ مرجھایا، اجڑا چہرہ، زرد پھیکی رنگت، آنسوؤں سے بھری آنکھوں کے نیچے حلقے، دو دن میں ایسی کیا قیامت ٹوٹی کہ وہ اس قدر ابتر حالت میں تھی۔

"بابا!" اس نے بلک کر دونوں ہاتھ بڑھائے تھے۔

"بابا کی جان!" وہ بھی تڑپ کے آگے بڑھے اور اس کے سہمے وجود کو اپنی نرم و گرم آغوش میں چھپا لیا، وہ ریحان شیخ کے سینے میں سر دیے زار و قطار رونے لگی کہ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں، چپ کرانا مشکل ہو گیا تھا۔

"کیا ہوا وانی! میرا بچہ، بتاؤ ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا۔" وہ اس کا سر سہلا رہے تھے۔

"بابا! میں برباد ہو گئی۔"

"کیا کہہ رہی ہو وانی! کیا ہوا ہے؟" انہوں نے اسے کندھوں سے پکڑ کے سامنے کیا۔

"وانیہ! بتاؤ میرے بچے، کیا ہوا ہے میرے پیچھے؟" اور پھر وہ آنسوؤں کے درمیان ایک ایک بات بتاتی چلی

"کیا... مگر یہ ہے کون؟"

"میں کچھ نہیں جانتی بابا! وہ بھی آپ کو بہت برا بھلا بول رہا تھا۔" ریحان شیخ سوچنے پر مجبور ہو گئے آخر انہوں نے ایسا کون سا گناہ کر دیا جس کی سزا ان کے جگر گوشے ان کی بیٹی کو ملی تھی۔

"بابا! وہ بہت برا ہے، میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی، آپ مجھے اس کے نام سے آزاد کرا دیجئے۔" وہ بلک بلک کر روئے ہی جا رہی تھی، کسی طرح چپ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

"کول ڈاؤن بیٹا! جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہو گا، تھوڑی دیر میں اسے سلاخوں کے پیچھے جان نہ کر دیا تو میرا بھی نام نہیں، اسے تمہارے ایک ایک آنسو کا حساب دینا ہو گا۔" انہوں نے اس کے بالوں پر بوسہ لیا اور رومال سے اس کا بھیگا چہرہ صاف کیا۔

"چلو شاباش! کھڑی ہو، پتہ نہیں کب سے بیٹھی ہو گی، مجھے یقین ہے کہ کل سے کچھ کھایا بھی نہیں ہو گا۔" انہوں نے نہایت آرام سے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور آہستہ سے بیڈ پر بٹھا دیا تھا۔

"نوری...!" انہوں نے نوکرانی کو آواز دی۔

"جی بڑے مالک!" وہ فوراً حکم کی تعمیل کرتی ہوئی دوڑتی چلی آئی تھی۔

"سب سے پہلے وانی کے لیے کچھ فروٹس اور دودھ لے کر آؤ۔ آج میں خود اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھ سے کھلاؤں گا۔ پھر اچھی طرح اس کمرے کی صفائی کرنا۔" وہ جانتے تھے کہ وانیہ نے کمرے میں آنے کی کسی کو بھی اجازت نہیں دی ہو گی۔ اپنے جان سے عزیز بابا کو سامنے پا کر اسے کچھ ڈھارس ہوئی، ایک مضبوطی کا احساس جاگا تھا، کچھ ہی دیر میں نوری فروٹس اور دودھ لے کر آ گئی تھی، ریحان شیخ اس کے بہت منع کرنے کے باوجود اس کو کھلاتے چلے گئے۔

"بابا! اب بس کریں، میں نے بہت کھا لیا۔" وہ دودھ بھرا گلاس اس کے منہ سے لگا رہے تھے۔

"کوئی بہت نہیں کھایا ہے، اپنی حالت دیکھو ذرا، میں تو اتنا پچھتا رہا ہوں کہ یا تو مجھے جانا نہیں چاہیے تھا یا تمہیں

اپنے ساتھ زبردستی ہی لے جاتا تو بہتر تھا"۔ انہوں نے زبردستی اسے دودھ کا آدھا گلاس پلا دیا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ بابا! مجھے آپ کی بات مان لینی چاہیے تھی"۔ وہ سر جھکائے شرمندگی سے بولی۔

"لیکن خیر... چھوڑو اب تمہیں اور زیادہ ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں آ گیا ہوں، سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ انہوں نے اس کے جھکے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا تھا، پھر کتنی ہی دیر تک وہ دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے تھے، وانیہ بہت حد تک سنبھل گئی تھی۔

"مگر بابا! آج تو ولیمہ تھا آپ نے اٹینڈ کیوں نہیں کیا؟"

"ہاں تھا تو مگر آج کی تقریب پوسٹ پون ہو گئی ہے"۔

"پوسٹ پون...؟" اس کے چہرے پر حیرانگی در آئی۔

"مگر کیوں بابا؟"

"پتہ نہیں بیٹا! لاورنس نے رابطہ کر کے بتایا، ہو گی کوئی وجہ لیکن وہ تمہارا بہت پوچھ رہی تھیں اور عارفین بھی تو ناراض ہو رہا تھا، بول رہے تھے کہ منسوخ ہو لے کر وہ خود تم سے ملنے آ جائیں گے"۔

"یہ تو ان کی محبت ہے بابا!" وہ خوش دلی سے بولی تھی۔ اسی دوران ریحان شیخ کا موبائل بج اٹھا، انہوں نے موبائل اسکرین دیکھی جہاں کوئی نیا نمبر چمک رہا تھا، انہوں نے اوکے کا بٹن پریس کیا۔

"ہیلو...!"

"السلام علیکم سسر جی" نہایت چہکتی ہوئی آواز گونجی تھی۔ ریحان شیخ کی غصے سے رگیں تن گئیں۔

"کیا بے ہودگی ہے یہ، کون بات کر رہا ہے؟"

"ارے... اوہ آئی ایم سوری! مجھے پہلے آپ سے اپنا انٹروڈکشن کرانا چاہیے تھا، یوں اچانک دھچکا دے کر آپ کی ہارٹ بیٹس نہیں بڑھانی چاہیے تھی، تو مسٹر ریحان شیخ! میں آپ کا داماد بات کر رہا ہوں"۔ اس کے اس جملے پر ریحان شیخ کے اعصاب میں کھنچاؤ سا آ گیا تھا۔

"تو تم ہو جس نے میری بیٹی کو کڈنیپ کر کے زبردستی نکاح کیا ہے، تم بس میرے سامنے ایک بار آ جاؤ پھر دیکھنا تمہارا وہ حشر کروں گا کہ تمہاری سات پشتیں یاد رکھیں گی"۔ وہ غصے سے دہاڑ رہے تھے، وانیہ جو انہیں دیکھ رہی تھی سمجھ گئی تھی کہ موبائل کے اس سائیڈ کون بات کر رہا تھا، وہ اندر تک سہم گئی تھی۔

"ضرور... ضرور سسر جی! میں ضرور تمہارے سامنے آؤں گا، بلکہ آج رات کے ڈنر پر ملاقات کر لیتے ہیں اپنی بیٹی سے کہنا کہ میرے لیے اچھا سا ڈنر بنوا کر رکھے"۔ وہ دھیرے سے ہنس دیا تھا۔

"ڈنر ہی نہیں بلکہ صبح کا ناشتہ اور دوپہر کا کھانا اب تم حوالات میں ہی کھاؤ گے وہ بھی پولیس کے گرم ہنٹر سمیت"۔

"یہ تو وقت بتائے گا مسٹر ریحان شیخ! کہ حوالات میں کون جاتا ہے، مگر میری ایک بات یاد رکھنا اگر تم ہماری بھی دشمنی میں پولیس کو انوالو کرو گے تو سراسر نقصان تمہارا اور تمہاری بیٹی کا ہی ہو گا"۔

"کیسی دشمنی...؟" وہ پرسوچ انداز میں بولے تھے۔

"کون ہو تم؟ اور تمہاری مجھ سے کیا دشمنی ہے؟"

"پتہ چل جائے گا، سب پتہ چل جائے گا، اتنی بھی جلدی کیا ہے"۔

"دیکھو میں تمہیں نہیں جانتا لیکن اگر میری بیٹی پر آنچ بھی آئی تو میں تمہیں زندہ درگور کر دوں گا"۔

"آنچ...!" کتنی زور سے وہ ہنسا تھا، جیسے مذاق اڑا رہا ہو۔

"ریحان شیخ! تم آنچ کی بات کرتے ہو، تمہاری بیٹی اب آگ کی لپیٹ میں ہے، کس قدر تکلیف ہوتی ہے ناں جب کسی اپنے کو کوئی معمولی سی بھی زک پہنچائے تو، لیکن خیر... تمہیں بھی جب ہی پتہ چلے گا جب تم خود اس تکلیف دہ عمل سے گزرو گے اور تمہیں اس تکلیف سے گزارنا ہی تو میرا مقصد ہے"۔

"تو ٹھیک ہے تمہاری دشمنی مجھ سے ہے ناں تو میری بیٹی کو بیچ میں کیوں لائے، مرد تھے تو مردوں کی طرح سامنے آ کر وار کرتے"۔

"خیر... اس مرد والی بات کو تو ریحان شیخ! جانے ہی دو، کیونکہ تم سے بہتر مردوں کی خوبیوں سے کوئی واقف نہیں ہوگا"۔ نہایت طنز میں ڈوبا زہریلا تیر اس نے پھینکا تھا جو ان کے ناک بھی پلے نہیں پڑا تھا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

"چھوڑو اس بات کو، اب جو بھی بات ہوگی، وہ روبرو ہی ہوگی، اس لیے اب اپنے سسر جی سے اجازت چاہوں گا"۔ چڑانے والے انداز میں کہتا وہ موبائل آف کر گیا اور یہاں سے ریحان شیخ ہیلو، ہیلو ہی کرتے رہ گئے۔

"پتہ نہیں کون خبیث ہے"۔ انہوں نے منہ میں بڑبڑا کے موبائل کو گھورا۔

"وہ آئے گا بابا! وہ اگر کہہ رہا ہے تو ضرور آئے گا بابا! وہ بہت خطرناک ہے"۔ وانیہ ایک بار پھر سے بکھرتی چلی گئی۔

"آنے دو بیٹا! یہی تو میں چاہتا ہوں کہ وہ یہاں آئے، مگر وہ یہاں سے اپنے گھر نہیں حوالات جائے گا جیل کی سلاخوں کے پیچھے، جب خود اس کے ساتھ ایسا ہو گا تو آئندہ تمہارا نام بھی زبان پر لانے کے لیے سو بار سوچے گا"۔ وہ وانیہ کا سر سینے سے لگا کر شفقت سے اس کا سر سہلانے لگے، اس کے نین کٹورے پھر سے بھرنے لگے تھے، وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کے بابا کی یہ تسلی صرف تسلی ہی رہے گی، وہ آئے گا اپنے کہے پر عمل کرے گا، ابھی سے اس کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہ رضا کو گود میں لیے نیچے آئی تھی، آسیہ بیگم کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری کروا رہی تھیں، فہیم احمد آفس گئے ہوئے تھے، حرا اور پرشالے اور ماہین کے ساتھ رات کے ڈنر میں جانے کے کپڑے دیکھ رہی تھی، زرمیل ابھی تک آفس نہیں گیا تھا، وہ نیچے آئی اسی مقصد سے تھی کہ کسی طرح وہ زرمیل کو رات کے ڈنر پر جانے سے منع کر دے مگر کیسے؟ کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا، زرمیل، ارشد اور رشالے یہ تین نفوس اس کی زندگی میں اہم ہیں، مگر ان تینوں کی سرد جنگ میں اس کا ناتواں وجود کرچی کرچی ہو رہا تھا، وہ اندر ہی اندر ان کے غموں میں گھلتی جا رہی تھی، ان ہی سوچوں کے احاطے میں گھری وہ زرمیل کے بیڈروم میں چلی آئی تھی۔

"ارے ثمرن! تم... خیریت؟" زرمیل نے جب ثمرن کی گود میں رضا کو دیکھا تو اپنا کام چھوڑ کے اس کی طرف بڑھا۔

"اچھا ہوا تم آ گئیں، میرا رضا کو دیکھنے کا بہت دل کر رہا تھا، اب تم اسے مجھے دو، اور پلیز میری شرٹ پر استری کر دو"۔ زرمیل نے رضا کو ثمرن کی گود سے لے لیا، وہ بھی خون تھا اس کا لپک کر اس کی گود میں آیا تھا، زرمیل اسے لے کر بیٹھ گیا اور ثمرن ایک گہری نظر ان باپ بیٹے پر ڈالتی اپنی سوچوں کو جھٹکتی آئرن اسٹینڈ کی طرف بڑھی تھی۔

"رات میں عارفین نے سب کو ڈنر پر انوائٹ کیا ہے"۔ وہ شرٹ پر استری پھیرنے لگی تھی۔

"ہاں مجھے بھی کہا ہے مگر میں نے معذرت کر لی ہے"۔ وہ رضا کے چھوٹے چھوٹے سرخ و سفید گال پر پیار کرنے

لگا۔ثمرن کو اس کی بات سے کچھ سکون ہوا۔

"اچھا مگر کیوں؟" پھر بھی دل کی تسلی ضروری تھی۔

"اصل میں تیری ولی سے ایک ڈیلی گیشن آرہا ہے۔ڈیڈی چاہتے ہیں وہ میں دیکھ لوں، اس لیے ان کا آرڈر یہ ہے کہ رات کا ڈنر انہیں میں دوں مگر میں نے انہیں بول دیا ہے کہ ریکیسٹ سنڈے کا ڈنر میری طرف سے ہو گا۔"

"چلو شکر ہے مجھے منع نہیں کرنا پڑا، ورنہ جس قدر میرا دل دکھ رہا ہے وہ میں یا میرا رب ہی جانتا ہے۔" وہ یہ سوچتی ہوئی شرٹ پر استری کر کے اسے تھمانے لگی۔

"ثمرن! انابیا تم مجھ سے کچھ بات کرنے آئی تھیں۔" اب وہ نارمل بول رہا تھا یا پھر اس کے آنے کی وجہ کا اندازہ لگایا، وہ سمجھ نہیں سکی تھی۔

"ثمرن...!" زرمیل نے اس کے چہرے کے سامنے ایک چٹکی بجائی وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"نہیں... نہیں تو، میں تو ایسے ہی آئی تھی۔" اس نے زرمیل سے رخ موڑ لیا۔

"آر یو شیور...؟"

"یس...!" وہ نگاہیں چرا گئی۔

"او کے... مجھے اب دیر ہو رہی ہے۔ نکلنا چاہیے، او کے جونیئر اب اجازت ہے۔" اس نے رضا کے [illegible] بگاڑے تو وہ قلقاریاں بھرنے لگا۔ اس کے چلے جانے کے بعد ثمرن نے پورے کمرے کا جائزہ لیا جہاں بیڈ پر [illegible] مکمل پراتے ثرالے کی کھلکھلاتی ہوئی تصویر نظر آئی جسے وہ گہری نظروں سے دیکھتی ہوئی کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

جیسے جیسے شام کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے اس کے دل میں بھی گہرے سائے اترتے جا رہے تھے۔ چند گھنٹوں کی ملاقات میں وہ اتنا تو اسے پہچان ہی گئی تھی کہ وہ اپنے کہے پر عمل ضرور کرے گا، ریحان شیخ کے بہت [illegible] کرنے پر بھی وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی چپ چاپ بیڈ پر سکڑی سمٹی بیٹھی تھی، مگر ریحان شیخ اسے تسلی دے گئے تھے کہ وہ اس کے کمرے میں تو کیا اب کبھی اس کی نظروں کے سامنے بھی نہیں آئے گا رات کے آٹھ بج گئے اور اس کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔

"وانی بیٹا! وہ اب نہیں آئے گا بے فکر ہو کر سو جاؤ، وہ ڈر گیا ہے۔"

"بابا! آپ سچ کہہ رہے ہیں نا؟" اس کے نین کٹوروں میں ڈر و خوف کے سوا کچھ نہ تھا اور یہی سب ریحان [illegible] سے دیکھا نہیں جا رہا تھا، ان کی چہیتی لاڈلی اکلوتی بیٹی ویسے ہی دنیا سے منہ موڑے بیٹھی تھی، اس پر اس اجنبی شخص نے مزید اس کا رہا سہا اعتبار بھی کھو دیا تھا، دل تو یہ کر رہا تھا کہ اس کا سینہ گولیوں سے چھلنی کر دیں کہ اپنی شناخت تک [illegible] جائے۔

"ہاں میری جان! میں سچ کہہ رہا ہوں، جب تک میں زندہ ہوں وہ یہاں نہیں آئے گا۔" اسی دوران موبائل چیخ اٹھا، انہوں نے وانیہ کو دیکھا اور موبائل کا او کے کا بٹن پریس کر دیا۔

"واٹ...؟" موبائل کے اس پار جو بھی تھا اس کی بات نے ریحان شیخ کو پوری جان سے ہلا کے رکھ دیا تھا۔

"مگر کیسے؟ اور چوکیدار کہاں مر گیا تھا؟"

"سر! مجھے تو خود یہ خبر کسی نے موبائل پر دی تھی تو میں فوراً سب کچھ چھوڑ کر یہاں پہنچا ہوں، سارا یہاں [illegible] کوئلے کا ڈھیر ہو گیا ہے۔"

"او کے تم... تم وہیں رکو میں ابھی پہنچتا ہوں۔" انہوں نے موبائل آف کر دیا۔

"بابا سب خیریت تو ہے نا؟" اپنے پیارے بابا کو یوں پریشان و ہراساں دیکھ کر وہ لمحے بھر کے لیے اپنی [illegible] بھول گئی تھی۔

"نہیں کچھ خیریت نہیں ہے، ہمارے کپڑے کی فیکٹری میں آگ لگ گئی ہے، اس میں کروڑوں کے حساب سے چیزوں کے تھان تھے سیکریٹری بتا رہا ہے سب کچھ جل گیا ہے، مجھے فوراً وہاں پہنچنا ہو گا۔" وہ اپنی پریشانی و غم میں یہ بھی بھول گئے کہ وانی کس قدر ڈرپوک ہے، وہ جلدی سے وہاں سے نکلے تھے۔ وانیہ کچھ مزید پریشان ہو گئی، کتنی محنت سے اس کے بابا نے یہ فیکٹری کھڑی کی تھی بلکہ سارا مال باہر سے منگوایا تھا اور لمحوں میں سب کچھ شعلوں کی زد میں آ کر خاک ہو گیا تھا، وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ اچانک لائٹ چلی گئی، کمرا پورا اندھیرے میں ڈوب گیا کہ خود کا سایہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا، اس کا دل اتنی زور سے دھڑکا تھا جیسے ابھی ہی پسلی توڑ کے باہر آ جائے گا۔

"شرفو... چوری!" وہ حلق کے بل چیخ چیخ کے ملازمین کو بلا رہی تھی۔

سایہ بھی ساتھ جب چھوڑ جائے ایسی ہے تنہائی
رونا چاہوں تو آنسو نہ آئے ایسی ہے تنہائی

کوئی بہت ہی بہرش گنگنا رہا تھا، وانیہ خاموش ہو گئی تھی، آواز کا تعین کرنے لگی جیسے کوئی اس کے بیڈ روم میں ہی گنگنا رہا ہے۔

اور بہت ہی کم وقت میں یہ آواز پہچان گئی تھی، وہ آ گیا تھا اس کا خوف سچ ثابت ہوا تھا، اس نے اپنا کہا پورا کر دیا، وانیہ کی آواز اندر ہی اندر کہیں گھٹ کر رہ گئی تھی، اندھیرے میں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کہاں دیکھے آج اس پل بے بس ہونے، اپنی کمزوری کا شدت سے احساس جاگا تھا۔ کتنے ہی عرصے سے بابا کہہ رہے تھے کہ معمولی سا آپریشن کروا لو، اپنی اس کمزوری سے چھٹکارا پا لو، مگر وہ اس ڈر سے نہیں کروا رہی تھی کہ کہیں اگر اس کا آپریشن ناکام ہو گیا تو... اس سے آگے سوچنے کی سکت نہیں تھی۔

اسی پل آفریدی نے اپنے کوٹ کی جیب سے لائٹر نکالا اور انگلی میں دبا سگریٹ لبوں سے لگا کر لائٹر جلا کر سگریٹ سلگایا، لائٹر کی ذرا سی روشنی میں جب وانیہ نے آنکھیں پھاڑ کے دیکھا تو وہ اس کے بالکل پاس بیڈ پر ہی بیٹھا تھا۔

"ہیلو وانیہ بیگم! کیسی ہو؟ تمہارے باپ نے کیا سوچا کہ وہ مجھے دھمکیاں دے گا اور میں یہاں نہیں آؤں گا؟" ایک بے ساختہ قہقہہ اندھیرے کو پھاڑتا ہوا اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا گیا تھا۔

"بہت ہی بے وقوف ہے مگر وہ ہے کہاں؟" آفریدی نے لائٹر کا شعلہ اس کے چہرے کے قریب کیا، وانیہ نے ڈر کر اپنا چہرہ اس شعلے سے پیچھے کیا کیونکہ اس پاگل سے کچھ بعید نہیں کہ وہ اس کا چہرہ ہی جلا دے، لائٹ بھی آ گئی، آفریدی نے لائٹر کی لو کو بجھا دیا اور لائٹر واپس کوٹ کی جیب میں رکھ لیا تھا۔

وہ سگریٹ کا ایک لمبا کش لیتا ہوا دھواں اس کے خوفزدہ چہرے پر چھوڑ گیا، جس سے اسے کھانسی کا ایک نا ختم ہونے والا دورہ اٹھا تھا۔

(جاری ہے......)

☆......☆......☆

"معصوم بھابی! یہ میری طرف سے۔"

"میری طرف سے یا ہماری طرف سے؟" عارفین نے جملہ اچکا تھا۔

"ہماری مطلب؟" وہ نا سمجھ نظروں سے عارفین کو تکنے لگی، وہ تو نہیں سمجھی البتہ وہاں موجود سب ضرور سمجھ گئے تھے۔

"بھئی! تمہاری اور زرمیل کی بات کر رہا ہوں نا سمجھ لڑکی! یہ گفٹ تم دونوں کی طرف سے ہے ناں۔" عارفین نے جان کر بات کو لمبا چوڑا کھینچا تھا۔

"جی نہیں۔"

"تم نے بالکل ٹھیک کہا عارفین! یہ گفٹ ہم دونوں کی طرف سے ہی ہے۔" اچانک آتی بھاری آواز پر سب نے ہی اس سمت دیکھا تھا جہاں پر ڈارک بلیو تھری پیس کوٹ پینٹ میں زرمیل منان لبوں پر شریر مسکراہٹ لیے نہایت چاہت بھری نگاہوں سے ڈالے کو بغور تک رہا تھا۔

"ارے زبردست۔ آؤ زرمیل! ایک تمہاری ہی کمی محسوس ہو رہی تھی۔" عارفین خوشدلی سے اسے […] لگا، زرمیل نے ایک خالی چیئر پاس والی ٹیبل سے کھینچی اور ڈالے کے بالکل سامنے براجمان ہو گیا تھا۔

"اور تم لوگ میری معصوم مسز کو کس لیے اتنا پریشان کر رہے تھے؟"

"اوہ... معصوم...!" سب کزنز کی کورس میں آواز بلند ہوئی تھی۔

"زرمیل بھائی! خدا کا خوف کریں آپ جو کہہ رہے ہیں وہ سراسر غلط ہے۔" یہ ماہین تھی جسے ڈالے کو "معصوم" کہا جانا ہضم نہیں ہوا تھا۔

"ویسے زرمیل! تمہارے پاس کیا پروف ہے کہ یہ بہت "معصوم" ہے؟" عارفین جان کر اسے چھیڑ رہا تھا۔

"اب پروف میں تم لوگوں کو کیوں دوں، ہاں اگر ڈالے کی اجازت ہو تو میں پروف دے سکتا ہوں کیوں ڈالے!" مرتضیٰ کا بچہ بھی پیار و چاہت کے ڈیپ جائے وہ ڈالے کو اپنے فوکس میں لیے ہوئے تھا۔ وہاں موجود بے شک سب اس سچویشن سے لطف اندوز ہو رہے تھے سوائے ڈالے جس کی نظر میں سوائے نفرت جلن کے کچھ نہیں تھا اور دوسرا وہ وجود تھا جو ڈر و خوف بھری نگاہوں سے زرمیل کو دیکھ رہی تھی اور صرف سوچ رہی تھی کہ وہ یہاں کیوں آیا، اگر ارشد کو پتہ چل گیا تو اس کی خیریت نہیں ہو گی۔

"زر... زرمیل... تت... تم نے تو منع کیا تھا ناں۔" ثمرن کے دل و دماغ میں اندر کا ڈر و خوف زبان پر آ گیا تھا جسے نہایت باریکی سے زرمیل نے دیکھا تھا تو وہیں عارفین نے بھی نوٹس لیا تھا مگر وہ اس کے لب پر چھپے ڈر و خوف کی وجہ جان نہیں پایا تھا۔

"ہاں آج جو ڈیلی گیشن آیا ہے انہیں اسی ہوٹل میں ڈنر پر انوائٹ کیا گیا تھا۔" لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ ثمرن کے خوف کو سمجھ گیا تھا۔

"تو تمہارا تو وہاں ہونا زیادہ ضروری ہے ناں۔" وہ کسی بھی طرح اس محفل سے زرمیل کو نکالنا چاہتی تھی۔

"کیا بات ہے ثمرن بھابی! آپ اتنا ٹینس کیوں ہو رہی ہیں، اگر زرمیل نے ہمیں جوائن کر لیا ہے تو کیا ہوا؟ ہاں اگر آپ کو اس کے کھانے کی فکر ہے تو یہ ڈالے ہے ناں، ڈالے اپنی پاکٹ منی سے زرمیل کو کھانا کھلا دے گی۔" وہ بات کو مزاح کا روپ دینا چاہتا تھا اور ثمرن کا سمجھ میں آنے والا ڈر و خوف دور کرنا چاہتا تھا۔

"عارفین! خاموش رہو کر وہ ضروری نہیں ہے کہ ہر بات کو مذاق میں لیا جائے۔" ثمرن نے بہت […]

[…] پایا تھا، وہاں موجود سب ہی زرمیل کی آمد پر بہت خوش ہوئے تھے اور مسکرا بھی رہے تھے سوائے ڈالے کو […] کے کیا بھی تھا ثمرن کی ذہانت پر دل ہی دل میں ستائش کر رہے تھے مگر ثمرن کے اندر کی چھپی بات کو سمجھ نہیں سکے تھے۔

"ثمرن! کوئی پرابلم ہے کیا؟" زرمیل نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا مگر ابھی تک اس کے رویے کی وجہ جان نہیں پایا تھا۔

"ہاں ہے پرابلم اور وہ تم ہو۔" ثمرن نے تھوڑا غصے میں جواب دیا تھا۔

"ثمرن بھابی! کیا ہوا ہے آپ کو؟ آپ زرمیل بھائی سے اس طرح کیوں بات کر رہی ہیں؟" حمزہ کو یہ […] رہا تھا وہ حیرت بھی ہوئی تھی ان کے اس ایٹی ٹیوڈ پر۔

"جی ثمرن بھابی! حمزہ بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے آپ اتنے غصے میں کیوں آ گئی ہیں؟" ماہین نے بھی […] کیا۔

ارشد جو اپنے بزنس پارٹنر کے ساتھ اتفاق سے اسی ہوٹل میں ڈنر پر آیا تھا کہ نگاہ بالکل سامنے ہی زرمیل پر […] آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں ابھرنے لگی تھیں، غور کرنے پر دیکھا وہاں ڈالے بھی موجود تھی، پھر تو اور بھی غصہ آیا تھا، مگر ڈالے کے چہرے پر زرمیل کے لیے نفرت، بیزاریت کے رنگ وہ دیکھ سکتا تھا۔

"آپ لوگ چلو مجھے کچھ کام یاد آ گیا ہے۔" وہ ان لوگوں کو چھوڑ کر آگے بڑھا تھا۔

"ڈالے...!" ارشد کی بھاری گمبھیر غصیلی آواز پر سب سے پہلے ثمرن نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تھا اور وہیں […] کے لیے کھڑی ہوئی ڈالے بھی ارشد کو اتنے غصے میں دیکھ کر اندر تک کانپ کر رہ گئی تھی۔

"ار... شد...!" ثمرن کے لبوں سے یہ دو لفظ بڑی مشکلوں سے ادا ہوئے تھے وہی جانتی تھی اس کا سانس جیسے رک سا گیا تھا دل حلق میں آ گیا ہو۔

"شٹ اپ...!" ارشد نے بہت بری طرح اسے جھڑکا تھا، آنکھوں میں بے پناہ غصے کے انگارے لیے اس نے ثمرن کو گھورا تھا۔

"چلو ڈالے!" اس نے سب کو بری طرح اگنور کیا یہاں تک کہ نئی نویلی دلہن معصوم کو بھی خیال نہیں کیا اور ڈالے کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے چلتا چلا گیا۔ عارفین پل بھر میں ثمرن کا ڈر و خوف سمجھ گیا تھا، زرمیل کا یہاں آنے […] اور پھر ارشد کا یہاں آنے کا اندیشہ وہ سب کچھ سمجھ گیا تھا، اب شاید نہیں بلکہ یقیناً وہ ثمرن کی بہت […] کرے گا، نہایت دکھ و غم کے ملے جلے تاثرات سے اس نے ثمرن کو دیکھا تھا۔

"[…] غلط بات ہے ارشد بھائی کو اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا، کم از کم معصوم بھابی کا ہی خیال کر لیتے۔" حمزہ […] ارشد کی اس فضول حرکت پر غصہ آ رہا تھا وہیں پر اپنے عزیز از جان زرمیل بھائی کو دیکھ کر دل کٹ کر رہ […] اس طرح ان کے سر […] کا تاج میں ایک روشنی سی چھولی […] ڈالے کو دیکھ کر […] کرب نے […] لیا تھا۔

"[…] بول رہی ہو حمزہ! واقعی ارشد بھائی تو ہر کام سوچے سمجھے بغیر ہی کرتے ہیں، معصوم بھابی کیا سوچیں گی۔" […] کہتے ہوئے بولی۔ زرمیل نے ایک طائرانہ نگاہ سب پر ڈالی اور وہاں سے کھڑا ہوا خاموشی سے ہوٹل سے […] چلا گیا، آسیہ نے اسے اپنی قسم نہ دی ہوتی تو زرمیل اس وقت ارشد کا دماغ ٹھکانے لگا دیتا بلکہ ڈالے کو […] اس طرح جانے نہیں دیتا، بہت ضبط کیا تھا اس نے اپنے غصے پر یہی وجہ تھی کہ وہ بغیر کسی سے کچھ کہے […] اس منظر سے ہٹتا چلا گیا تھا۔

"ہاں وہ میں ہی ہوں، میں نے تمہیں برباد کیا ہے، ریحان شیخ اگر یہ تو ابھی شروعات ہیں میں تمہیں اس سے بھی زیادہ برباد کروں گا تم بالکل خالی ہاتھ رہ جاؤ گے، جو باقی رہ گئے ہیں وہ دن کا میں تمہارے پاس ، تمہاری زندگی تمہاری موت سے بھی زیادہ بدتر بنا دوں گا"۔

"اور یہ سارے خواب تمہارے خواب ہی رہ جائیں گے ،ایک بار صرف ایک بار میری نظروں کے سامنے آجاؤ، میرا ابھی تم سے وعدہ ہے کہ جو تم نے ابھی مجھ سے میرے لیے کہا ہے، وہ سب میں تمہارے ساتھ کروں گا" غم و غصے کی شدت سے وہ پاگل ہونے لگے تھے۔

"تم جو کوئی بھی ہو میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں"۔

"ٹھیک ہے دیکھتے ہیں تمہیں اپنی ملاقات کا شرف بخشنا ہی پڑے گا مگر اتنی جلدی بھی کیا ہے تھوڑا اور انتظار کرلو"۔

"میں تمہیں ڈھونڈ نکالوں گا تم دنیا کے جس کونے میں بھی ہو گے وہاں سے ڈھونڈ کے رہوں گا میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں مسٹر!"

"آفریدی...!" اس نے اپنا نام دہرایا۔

"ویسے ایک بات بولوں ریحان شیخ! اب ان لکوں میں تیل نہیں ہے تمہارا ایک بازو تو کٹ ہی چکا ہے کمزور ہو گئے ہو تم، سوائے خالی خولی دھمکیوں کے کچھ نہیں تمہارے پاس"۔

"نہیں یہ تمہاری بھول ہے میرا آج بھی اتنا اثر و رسوخ ہے کہ تمہاری جڑیں ہلا سکتا ہوں"۔

"خوش فہمی ہے تمہاری مگر خیر دیکھتے ہیں کہ جیت کس کی ہوتی ہے اور زندگی سے ہار کون مانتا ہے، مسٹر ریحان شیخ! ہم "آفریدی" ہیں جن کی عورتیں تو ایک وقت پر کمزور پڑ سکتی ہیں مگر مرد ایک مضبوط چٹان کی مانند ہوتے ہیں جس سے جو ٹکرائے گا وہ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے گا، اور جس بدلے کی آگ میں، میں جل رہا ہوں، اس کی تو صرف معمولی سی چنگاری تم تک پہنچی ہے، تو تمہارا یہ حال ہے اب سوچو جب یہ دہکتا آتش فشاں پھٹے گا تو تمہارا کیا حال ہو گا، بھسم ہو جاؤ گے تم، اس شعلے سے بھڑکتی ہوئی آگ میں ریحان شیخ! راکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں آئے گا تمہارے"۔ جس لب و لہجے میں فاتحانہ گونج تھی اسی لہجے میں بدلے کی آگ کی بو آ رہی تھی، ریحان شیخ کے بہت سوچنے بہت دل و دماغ پر زور دینے کے باوجود بھی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس بدلے کی بات کر رہا ہے۔

☆..............☆..............☆

حرا اس کے بیڈ روم میں داخل ہوئی وہ ابھی تک سر تک کمبل ڈالے خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی اس کا تو پارہ ہائی ہو گیا وہ دھم دھم کرتی آگے بڑھی اور پورا کمبل اس کے اوپر سے کھینچ کر ایک سائیڈ پر ڈال دیا۔ "ثوالے کی بچی! اٹھو... ابھی تک سو رہی ہو کالج نہیں جانا کیا؟" حرا نے نہایت بری طرح اسے جھنجوڑ دیا تھا۔

"کیا ہے یار! سونے دو، رضا نے بہت ستایا ہے رات کو"۔ وہ برا منہ بنا کر دوسری کروٹ لے کر سو گئی۔

"ٹھیک ہے سو، دل بھر کے نیند پوری کرو اور آج جو مس خان ٹیسٹ لیں گی اس کا جواب کون دے گا"۔

"مس خان... اور ٹیسٹ...!" پر اس کی پوری آنکھیں کھل گئی تھیں، وہ جھٹ سے اٹھ کے بیٹھی تھی۔

"ارے ہاں یار! وہ تو میں بھول ہی گئی۔ میں 5 منٹ میں تیار ہو کر آتی ہوں"۔ وہ جلدی سے بیڈ سے اتری

زری وارڈروب سے استری شدہ ہینگر کا ایک سوٹ نکالا اور تیزی سے واش روم میں گھس گئی۔

"ناشتہ تو کرو زوالے!" ثمرین نے اس کا ناشتہ ٹیبل پر رکھ دیا تھا، رضا بھی وہیں نجمہ بیگم کی گود میں بیٹھا کھو رہا تھا۔

"نہیں بھابی! ویسے بھی بہت دیر ہو چکی ہے، آدھا پیریڈ تو مس ہو گیا ہے"۔ وہ بہت عجلت میں تھی۔

"کوئی بات نہیں اگر دیر ہو گئی ہے تو، لیکن تم یہ دودھ ہی پی لو"۔ نجمہ بیگم بیٹی کو یوں بھوکا نہیں جانے دیتی تھیں۔

"امی! واقعی میں بہت دیر ہو گئی ہے"۔

"اب اتنی بحث میں ٹائم ضائع کر رہی ہو مگر دودھ نہیں پیو گی"۔

"اوکے!" اس نے جھٹ سے دودھ کا گلاس اٹھایا اور ایک ہی سانس میں پی گئی۔

"دودھ پی لیا ہے تو یہ سینڈوچ ہاتھ میں لو اور گاڑی میں کھاتی چلی جانا"۔ ثمرین نے زبردستی اس کے ہاتھ میں سینڈوچ تھما دیا تھا۔

"بھابی...!" وہ منہ بنا کر رہ گئی۔

"بیپ ورنہ ایک لگاؤں گی"۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے آنکھیں دکھائیں، نجمہ بیگم نے بغور اپنی لاڈلی بیٹی کو دیکھا تھا، کتنی مشکل سے وہ پھر سے زندگی کی طرف لوٹی تھی، ورنہ وہ تو اس کی طرف سے بالکل ہی مایوس ہو چکی تھیں۔

"اوکے بائے... بائے جانو!" رضا پر ایک فلائنگ کس اچھالی اور حرا کے ساتھ نیچے اتری، اس سب کے دوران وہ صرف ثوالے کو ہی دیکھ رہی تھیں، جس کے چہرے پر وہی پہلے والی زندگی سے بھرپور رونق تھی انہوں نے دل سے دعا دی تھی اس کی خوبصورت زندگی کی۔

دونوں کاریڈور میں آئیں تو ساری گاڑیاں جا چکی تھیں، سوائے ٹیک کے جس میں وہ بیٹھنا نہیں چاہتی تھی وہ آج کالج نہ جانے کا فیصلہ کر چکی تھی، اس لیے حرا کو منع کر کے واپس مڑی تھی کہ سامنے سے زرمیل اپنے ہاتھ میں گھڑی باندھتا ہوا چلا آ رہا تھا۔

"چلو بھئی، ریڈی ہو؟" اس نے دونوں پر ایک سرسری نگاہ ڈالی اور نہایت مصروف انداز میں اپنی گاڑی کی سمت بڑھا تھا۔

"حرا میں نہیں جا رہی"۔ اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

"پاگل ہو گیا، ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی چوائس نہیں ہے، ایک پیریڈ تقریباً مس ہو گیا ہے، جاتے جاتے دس پندرہ منٹ لگیں گے اور تیسرا ہی مس خان کا ہے"۔ وہ کچھ تو تپی تھی اس کے نہ جانے کی وجہ تھی الحال کسی بحث و مباحثے میں پڑنے سے بہتر تھا کہ وہ جلدی دکھاتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑا تو اس نے حرا کو گھور کر جھڑک دیا تھا، گاڑی کا دروازہ کھولے ان کی یہ ساری کارروائی زرمیل بھی دیکھ رہا تھا۔

"تم جاؤ میں آج جا ہی نہیں رہی ورنہ میں خود مس خان سے ایکسکیوز کر لوں گی"۔

"ثوالے...!" اس نے بے بسی سے دیکھا۔

"حرا تم گاڑی میں بیٹھو اسے میں خود دیکھتا ہوں"۔ زرمیل نے حرا کو حکم دیا۔ وہ فوراً گاڑی کی طرف بڑھی، بلکہ بنا جتائے ثوالے کی طرف بڑھا اس کا نازک وجود اپنے مضبوط بازوؤں میں بھرے فرنٹ سیٹ پر بٹھا

"فی الحال میرے پاس اتنا فضول ٹائم نہیں ہے کہ تمہاری ناز برداریاں اٹھاؤں، یہ کام کسی اور وقت کے لیے اٹھا کے رکھو۔" پیچھے حرا منہ نیچے کیے مسکراتی رہی، جبکہ وہ سرتاپا بری طرح سلگ کر رہ گئی۔

"آپ نہایت ہی ڈھیٹ ہیں، میں آپ کو چھوڑوں گی نہیں۔" غصے سے بل کھا کر وہ رخ ہی پھیر گئی۔

"اونہہ! مت چھوڑنا، مگر یہ تو بتاؤ کہ مجھے کہاں آ کر پڑے گا تمہارے بیڈ روم میں یا تم آج رات میرے روم میں آ رہی ہو۔" سرگوشی میں اس کی اتنی کھلی ذو معنی گفتگو سے وہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی تھی، مٹھیوں کو بھینچ کر اپنی غیر ہوتی حالت پر کنٹرول کیا تھا۔

"تمہارا کیا جاتا ہے؟" ژالے نے اپنی سبز آنکھوں میں بے پناہ غصہ سموئے اسے گھورنے کی ناکام کوشش کی تھی، مگر مقابل بھی کچھ کم نہیں تھا، خوب فارم میں تھا، اپنی سرمئی کانچ میں اس کے لیے بے پناہ چاہت و محبت کا عکس لیے بہت پیار سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اوف...!" وہ اب اس سے کچھ نہیں بولے گی، اس کی بے باک گفتگو اس کا دل بری طرح دھڑکا گئی تھی۔

"زرمیل بھائی! تیز گاڑی چلائیے، یہ باقی گفتگو رات میں کر لیجیے گا۔" ان کی گفتگو سرگوشی میں بھی ہو رہی تھی کہ حرا کی موجودگی کا احساس تھا۔

"تمہاری زبان زیادہ نہیں چلتی، کم بولا کرو۔" ژالے نے اپنے تئیں اسے بری طرح ڈانٹنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

"سن لی اپنی بھابی کی ڈانٹ، اب چپ چاپ ہو کر بیٹھی رہو۔" اس نے بیک مرر سے حرا کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا، وہ بھی مسکرا دی تھی۔ ایک پر شوق نگاہ ناراض ناراض سی ژالے کی سمت ڈالی اور کچھ سوچ کر مسکراتے ہوئے ونڈ اسکرین پر نظر جما دی تھی۔

"لو بھئی آ گیا تمہارا کالج!" گاڑی اس نے کالج گیٹ کے پاس ہی روک دی تھی، جس میں سے ژالے جھٹکے سے نکلی تھی۔

"ارے ہائے ژالے!" زرمیل نے اس کی آواز کی سمت نگاہ دوڑائی، کوئی لڑکا تھا، جس نے اپنا ہاتھ مصافحہ کرنے کے لیے اس کی سمت بڑھایا تھا، جسے ژالے نے تھام لیا تھا۔

"ہائے ولی! [illegible]؟"

"یا قسمت... میں کب سے تمہارا ویٹ کر رہا تھا۔"

"کیوں...؟"

"یار! بھول گئیں کچھ نوٹس کے بارے میں ڈسکس کرنا تھا۔"

"یہ چغد کون ہے؟" زرمیل کے اندر ایک حسد ایک عجیب سی جلن محسوس ہوئی تھی، اور جس حرکت نے سب سے زیادہ غصہ دلایا تھا وہ تھا ژالے کا یوں اس نامحرم سے ہاتھ ملانا، اس لڑکے کا ژالے کو "یار" کہنا بہت برا لگا تھا۔

"کالج میں نیا ایڈمیشن ہے، لندن سے امیگریشن کر کے یہاں اس کالج میں آیا ہے۔" حرا نے ولی کو گھورا۔

"وہ تو اس کے حلیے سے لگ رہا ہے کہ یہ چیز یہاں کی پیداوار نہیں ہے۔" سفید رنگ پر کوٹش شولڈر تک جاتے سلکی بالوں کی پونی سی بندھی تھی، باریک سا ہیئر بینڈ کلپ لگائے کانوں میں چھوٹی چھوٹی والیاں

بالیاں، ہاتھوں کی انگلیوں میں سلور رنگ، کلائی میں بلیک بینڈ، دوسرے ہاتھ کی کلائی میں سلور کڑا اور کپڑے... وہ تو بالکل ہی عجیب سی لک دیے ہوئے تھے۔ ایک نظر میں زرمیل نے سر سے پیر تک اس کا پوسٹ مارٹم کر لیا تھا۔

"مجھے تو اس قدر برا لگتا ہے یہ ولی... مگر ژالے سے بہت اچھی فرینڈ شپ ہے۔"

"وہ تو نظر آ رہا ہے۔" اس کا اشارہ ولی کا ہاتھ تھامے اس سے مصافحہ کرنے پر تھا، زرمیل کو سخت ناپسند آیا تھا۔

"اوکے تم جاؤ، بعد میں بات کرتے ہیں۔" زرمیل کا سخت تاثر لب و لہجہ وہ نوٹ کر چکی تھی، مگر پھر کچھ اور نہ کہہ کر گاڑی سے اتر گئی تھی۔

"ژالے کی بچی! تمہیں ذرہ شرم و حیا نہیں ہے، کوئی ادب و لحاظ نہیں رہا؟" اس کی متلاشی نگاہیں ژالے کو ڈھونڈ چکی تھیں، جو ولی کے ساتھ کچھ نوٹس تھوڑے اسے بتا کے فارغ کر رہی تھی۔

"میں بھی تو نہیں؟" ژالے شاید بھول گئی تھی، پھر جو اس نے زرمیل کے سامنے ولی کے ساتھ کیا، حرا اس کے انداز پر غصے سے گھورنے لگی۔

"تمہیں پتا ہے زرمیل بھائی کو باہر تمہارا ولی سے یوں مصافحہ کرنا، یوں بات کرنا سخت برا لگا ہے۔"

"اور مجھے تمہارے زرمیل بھائی سخت برے لگتے ہیں۔" اس نے بھی کوئی کمی نہیں رکھی تھی۔

"ژالے!"

"بڑی مہربانی ہوگی میرا موڈ خراب مت کرو، ویسے ہی صبح صبح کسی کا چہرہ دیکھ کر میرا موڈ خراب ہو چکا ہے، معلوم نہیں پورا دن کیسے گزرے گا، آج تو مس ثنا کا ٹیسٹ بہت برا ہو گا۔" وہ غصے میں پیر پٹختی وہاں سے اندر کی سمت ہو لی، پیچھے کھڑی حرا اس کو پٹختی ہی دیکھتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

وہ صوفے پر دونوں پاؤں کو سمیٹے گھٹنوں پر اپنی تھوڑی ٹکائے بس ایک نظر آنے والے غیر مرئی نقطے پر نظر جمائے ہوئے تھی وہ اپنی سوچوں میں اس قدر کھوئی ہوئی تھی کہ یہ بھی محسوس نہ کر سکی کہ عارفین بیڈ روم میں داخل ہو چکا ہے، عارفین کی نظر اس پر پڑی تو وہ وہیں چلا آیا اور نہایت آرام سے اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"کیا سوچا جا رہا ہے؟" نہایت قریب سے آتی عارفین کی آواز پر وہ بری طرح چونک کر رہ گئی تھی۔

"آ... آپ... آپ کب آئے؟" معصوم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی، بلکہ اس سے کچھ فاصلے سے ہو کر بیٹھی تھی، جو عارفین نے نوٹ کر لیا تھا۔

"آپ تو مجھ سے اس طرح بچتی ہیں جیسے خدانخواستہ مجھے کوئی مرض لاحق ہو گیا ہے۔" وہ مسکرا کر بولا تھا۔

"اللہ نہ کرے، یہ کیسی بات کر رہے ہیں آپ؟" اس کا دل بری طرح دھڑکا تھا اور اس بے ساختہ کہے گئے چند جملوں نے عارفین کو خوش فہمی میں ڈال دیا تھا۔

"اس کا مطلب ہے آپ کو میری فکر ہے؟" اس نے ان سیاہ آنکھوں میں اپنا عکس ڈھونڈنا چاہا تھا۔

"کیوں نہیں ہوگی، آپ کسی کی امانت ہیں۔" اور معصوم کا اشارہ وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

"آپ تو بہت ہی صاف گو ہیں، تھوڑا سا خوش ہی ہونے دیتیں۔" عارفین نے بالکل برا نہیں مانا تھا، اس کی بات پر معصوم نے بھی پھر کچھ نہیں کہا، چہرہ جھکا گئی۔

"اچھا جناب! چھوڑیں، یہ تو صرف مذاق کی بات تھی، اب مجھے سچ سچ بتائیں کیا بات ہے، کیوں اتنی پریشان

ہیں یہاں کسی نے کچھ کہہ دیا ہے؟" عارفین نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے، یہاں تو سب بہت اچھے ہیں میرا بہت خیال کرتے ہیں۔"

"تو پھر کیا وجہ ہے جو آپ خاموش ہیں؟" معصوم نے ایک نظر اس کے سنجیدہ چہرے کو بغور دیکھا پھر فیصلہ کیا ان سے بات کرنی چاہیے۔

"اگر آپ فیصلہ کر چکی ہیں مجھے اپنی پریشانی کا سبب بتانے کے لیے تو میں منتظر ہوں۔" عارفین اس کی سوچ تک رسائی رکھتا تھا۔ ان سیاہ آنکھوں میں حیرانگیوں کے سمندر موجزن تھے۔

"وہ دراصل میں سوئی کا سوچ رہی تھی، آج ہماری شادی کو 20 دن ہو گئے ہیں مگر نہ تو سوئی کا کچھ پتا چل رہا ہے نہ ہی اس نے مجھ سے کوئی رابطہ رکھا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ کسی مشکل میں تو نہیں پھنس گئی ہے۔" عارفین نے بغور اسے دیکھا اس کی سرخ و سفید رنگت میں درد و کرب کی چھاپ نمایاں ہوئی تھی، ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب تھی، جو عارفین کو بہت پسند تھی اور اسی مسکراہٹ سے ان کے گالوں پر جو ڈمپل پڑتا تھا، جس میں عارفین کا دل ڈوب گیا تھا مگر معصوم اس کے ان جذبات سے بے خبر تھی، وہ اس کو اپنی بیسٹ فرینڈ کی امانت سمجھتی تھی، مگر عارفین تو سوئی کو بالکل ہی بھول گیا تھا۔ ابھی معصوم نے ذکر کیا تو اسے سوئی یاد آئی تھی اور آج یہ سوئی کی ہی تو مہربانی تھی کہ معصوم جس سے اسے پہلی نظر میں محبت ہوئی تھی، وہ اس کی زندگی میں بغیر دعا کے شامل ہوئی تھی جس کے لیے وہ اپنے رب کے آگے گڑگڑایا نہیں، اس نے کوئی سجدے نہیں کیے تھے اس کے لیے، یقیناً اس کی کوئی ایسی نیکی رہی ہوگی، جس کے عوض اس کو رب نے اس کی جھولی میں کسی قیمتی موتی کی طرح دان کر دیا۔ اب وہ اس کے لیے کیا تھی یہ تو وہ خود بھی نہیں جانتی تھی، بس اتنا تھا کہ وہ اس کی آتی جاتی سانسوں میں خوشبو کی طرح رچ بس گئی تھی، اس کے دل کی دھڑکنوں سے ڈور کی طرح بندھ گئی تھی۔

"اوکے... تو آپ مجھے یہ بھی بتادیں کہ میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں۔" اس نے اپنی مضبوط ہتھیلی کی پشت کو اپنے گال پر رکھی اور نظریں اس کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔

"آپ کچھ کریں۔" معصوم سا سوال تھا۔

"دل سے اجازت دے رہی ہیں؟" ذومعنی لب و لہجے پر وہ جھینپ کر رہ گئی، سرخ و سفید رنگت پر گلال بکھرنے لگا، نچلے ہونٹ کو دانتوں میں دبا لیا اس نے، جس کا عارفین نے کوئی اور مطلب نکالا تھا، کالی گھنیری پلکوں کی جالر رخسار پر جو گریں تو جیسے ان کا بوجھ مستور ہو گیا ہو۔

"اوکے ریلیکس...!" اس کی غیر ہوتی حالت پر عارفین کو ترس آ گیا تھا، وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"میں کچھ کرتا ہوں پتہ کرواتا ہوں کہ یہ سوئی میڈم کہاں روپوش ہیں، ورنہ ہماری نازک سی بیگم اندر ہی اندر گھل گھل کر خود کو کوئی نقصان نہ پہنچا لیں گی، جو کہ ہم سے تو بالکل برداشت نہیں ہوگا۔"

"تھینک یو!" معصوم نے تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھا، مگر آخری کے چند جملوں کو قطعی نظر انداز کر گئی۔

"اس طرح نہیں ایک کپ گرم چائے پلا دیں۔"

"ضرور کیوں نہیں ابھی لاتی ہوں۔" اس کا کام ہو گیا تھا، اب یہاں اس کے پاس رہنے کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا، وہ تیزی سے اٹھی تھی کہ مبادا پھر وہ کوئی ایسی ویسی بات نہ کہہ دے، وہ عارفین کو صرف سوئی کی امانت سمجھتی تھی لیکن پھر بھی جب وہ کوئی ذومعنی سی بات کرتا تو اسے لگتا جیسے وہ سوئی سے بے وفائی کر رہی ہو۔

"مگر پلیز... جلدی آنا، بلکہ یوں کریں کہ اپنا کپ بھی یہیں لے آئیں، مجھے آپ سے کچھ اور بھی..."

کی بجائے..." وہ جھپاک سے کمرے سے نکلی تھی اور وہ جانتا تھا اس کی اتنی جلدی کو، وہ بیڈروم میں اس کی موجودگی میں کم ہی ہوتی تھی، اس کا بس چلتا تو وہ رات بھی بیڈروم میں نہ سوتی، نیچے سے کوئی نہ کوئی آجاتا، اس کے ساتھ بیٹھ جاتی۔ یا پھر سارا وقت رابعہ کے ساتھ ادھر ادھر کی باتوں میں گزار دیتی، مجبوراً اسے ہی لاتحمل کرنا پڑتا سب کے سامنے معصوم کو بیڈروم میں لے کر آجاتا، جس پر وہ لوگ خوب تبصرے کرتے مگر اسے کوئی پروا نہیں تھی کیونکہ ان کے مابین جو کچھ چل رہا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کسی تیسرے کو پتہ چلے۔

کوئی ایک گھنٹہ تو گزر ہی گیا ہوگا مگر ابھی تک چائے نہیں آئی تھی اس نے گھڑی دیکھی، شام کے چھ بج رہے تھے، آخر وہ خود ہی باہر چلا آیا، اور جو سوچا تھا وہ سامنے دیکھ رہا تھا، نیچے ثمرن بھابی آئی ہوئی تھیں، وہ دونوں آپس کی باتوں میں مشغول تھیں، وہ گردن آگی میں ہاتھ ان کی سمت بڑھا، اور وہیں معصوم کے برابر میں جا بیٹھا تھا۔

"بیگم صاحبہ! اگر آپ بھول نہیں رہی ہوں تو میں نے آپ سے ایک گرم کپ چائے منگوائی تھی۔" اس نے معصوم سے آہستگی سے کہا تھا معصوم کے برابر میں اس کا یوں بے دھڑک بیٹھنا اور پھر اس کا چوڑا شانہ اس کے نازک کندھے سے جو مس ہوا تو وہ اندر تک بے کل ہو گئی۔

"سوری میں واقعی میں بھول گئی تھی۔" وہ کچھ شرمندگی اور کچھ اس لمس کے احساس سے گھبرا گئی تھی، اتنا کہ عارفین کو چائے دینے اور وعدہ کرنے بھی تو یہی آئی تھی مگر ثمرن آ گئی تو اس کے دماغ سے نکل گیا۔

"یہ لو میں سب کے لیے گرم چائے کے ساتھ اسنیکس بھی بنا کر آ گئی۔" رابعہ ٹرالی گھسیٹتی ہوئی لا رہی تھیں، جس پر معصوم مزید شرمندگیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں دھنستی چلی گئی تھی۔

"آئی ایم سوری آنٹی! مجھے یاد رکھنا چاہیے تھا۔" وہ تیزی سے آگے بڑھی اور ٹرالی ان کے ہاتھ سے لے لی، اسے اچھا نہیں لگا کہ اس کے ہوتے یہ کام رابعہ کریں۔

"ارے چندا! کوئی بات نہیں، اور ویسے بھی تم ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔"

"لاؤ میں چائے بنا دیتی ہوں۔" کہتے ہوئے ثمرن نے معصوم کے ہاتھ سے لے لی تھی اور سب کو چائے بنا کر دی سوائے عارفین کے۔

"یہ کام تمہارا ہے، عارفین کو تم اپنے ہاتھ سے چائے دوگی تو اس کی ناراضی دور ہو جائے گی۔" ثمرن نے مسکراتے ہوئے چائے کا کپ معصوم کے ہاتھ میں تھما دیا، معصوم نے کپ عارفین کی جانب بڑھا دیا جسے اس نے مسکرا کے تھام لیا تھا۔

"ویسے میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔" چائے کا ایک گرم گھونٹ اس نے حلق میں اتارتے ہوئے کہا۔

"اور تم میری بہو سے ناراض ہو بھی نہیں سکتے، کیونکہ وہ ہے ہی اتنی پیاری۔" رابعہ نے جانثار نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا پھپھو! کہ معصوم اپنے نام کی طرح بہت پیاری ہے، تمہیں پتہ ہے معصوم! جب تم نے اپنا چہرہ دکھانے کی منت مانی تھی تو ہم سب نے عارفین کا خوب ریکارڈ لگایا تھا۔" ثمرن نے معصوم کا ہلکا پھلکا موڈ بحال کیا، معصوم کی بے ساختہ نظریں عارفین کی سمت اٹھی تھیں، ذہن کی اسکرین پر ایک بار پھر وہ گزری ملاقات کسی فلم کی طرح چلنے لگی، سب کچھ پھر سے تازہ ہو گیا سوئی کی یاد شدت سے آئی تھی، اس کی سرخ و سفید

"بے فکر رہیں! ہم عارفین بھائی اور معصوم بھابی کی پرائیویسی میں انٹرفیئر نہیں ہونے دیں گے۔" ثمران کے کان میں آہستہ سے سرگوشی کی مگر پھر بھی عارفین اور معصوم نے اس کی یہ سرگوشی سن لی تھی، جہاں عارفین نے مسکرا کے ثمران کو دیکھا تھا، وہیں معصوم کی گھنیری سیاہ پلکیں گھبراہٹ سے رخسار پر گری تھیں۔ اب وہ ڈالے کو کیا بتاتی کہ حیا وہ مجھ ہی سے ایسا شخص نہیں بلکہ وہ تو تصور بھی نہیں کر سکتی۔

"بہت بدتمیز ہوتی جا رہی ہو۔" ثمران نے اس کی بات کو سمجھتے ہوئے اس کے سر پر ہلکے سے چپت لگائی۔

"بدتمیز ہوتی نہیں جا رہی ہے بلکہ ثمران بھائی! یہ بدتمیز ہے، بے حیائی کے اس نئے سادہ سے پیکار توڑ رہے ہیں۔" حرا کو عارفین کی بارات یاد آ گئی کہ کس قدر بے باکی سے ہواس پہ کوس کیے جا رہی تھی۔

"اچھا! میں بے حیا اور تم لوگوں نے حیا کے جھنڈے ہاتھوں میں لیے ہوئے ہیں۔" وہ بھی کہاں بخشنے والی تھی۔

"ایک تم دنیا کی چلی اور ایک تمہارا بھائی شرم وحیا کا مجسمہ۔" وہ ایسی ہی تھی بولنے پر آتی تو بنا سوچے سمجھے بے تکان بولتی چلی جاتی جس کا مطلب بھی بعد میں سمجھ میں آتا تھا۔

"توبہ ہے ڈالے! تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" حرا خفیف سی ہو گئی تھی۔

"ذرا یہ بھی بتا دیں کہ اس شرم وحیا کے مجسمے نے آپ کا کیا بگاڑ دیا ہے؟" عارفین کے ہاتھ اس کی کمزوری لگی، وہ شرارتی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے اسے بغور دیکھنے لگا، اور اب وقت چھیڑنے کا تھا۔ ڈالے نے سوچتی نظروں سے عارفین کو دیکھا پھر اس کی بات پر غور کرنے کے بعد اپنا بنا سوچے سمجھے بولنے پہ جی بھر کے پچھتائی تھی، وہ آگے سے کچھ نہیں بولی تھی بس جی بھر کے عارفین کو گھورنے لگی تھی۔

"ہے بابا ہو گے سوری..... میں تو کچھ نہیں پوچھتا، یہ آپ کا پرسنل میٹر ہے۔" عارفین نے ڈرنے کی بھرپور اداکاری کی تھی۔

"عارفین بھائی! اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی بیگم کے سامنے آپ کی درگت نہ بنے تو یہ بھی فضول نہیں ہے۔" اس نے انگشت شہادت اٹھا کر دھمکی دی۔

"ہاں ہاں سوری، میں بھول گیا تھا کہ یہ حق تو آپ کا حاصل ہے۔" پھر سے جملہ کسا۔

"بھیجو! دیکھ رہی ہیں آپ انہیں؟" اس نے روہانسے لہجے سے شکایت کی جو خود بھی منہ نیچے کیے مسکرا رہی تھیں، مگر ڈالے کے بولنے پہ فوراً سے مسکراہٹ چھپائی، کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے۔

"عارفین! بری بات... مت تنگ کرو۔" عارفین کو مسکراہٹ کے درمیان ڈانٹنے کی ناکام کوشش کی تھی جس پہ عارفین زور سے ہنس دیا۔

"ٹھیک ہے، جس لیں آپ نہیں جاؤں گی میں آپ لوگوں کے ساتھ۔" اس نے ایک کشن اپنے پیچھے سے نکال کر اس کو دے مارا اور منہ پھلا کے صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔

"ڈالے! اب میں تمہارے کان کھینچنے والی ہوں، اگر اب تم نے میری نند کو چھیڑا تو۔" ثمران جو ان کی نوک جھونک سے خوب محظوظ ہو رہی تھیں مگر پھر بھی وہ ڈالے کی ناراضی افورڈ نہیں کر سکتی تھیں۔

"ثمران بھائی کا ساتھ میں بھی دوں گی، کیونکہ ڈالے میری بیسٹ فرینڈ ہے۔" حرا اپنی جگہ سے اٹھی اور صوفے پر اس میں جگہ بنائی، اس کے گلے میں ہاتھ ڈالے عارفین کو دیکھا، یہ بھی سچ تھا کہ حرا اسے بہت چاہتی تھی، بچپن سے ہی وہ ایسی کو اور اس لیے اور بھی زیادہ کہ اس کے چہیتے اکلوتے بھائی کی بیوی تھی۔

رنگت میں زردی سی گھلنے لگی تھی۔

"کیا ہوا معصوم! اچانک تمہارے چہرے کی رنگت کیوں بدل گئی ہے، میری کوئی بات بری لگی کیا؟" ثمران اس کے چہرے کی بدلتی رنگت دیکھ کر پریشان ہو گئی اور اس کی بدلتی رنگت کا سبب رابعہ اور عارفین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

"نہیں تو... ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے بمشکل خود پر کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔

"اچھا بھئی! یہ سب چھوڑو، عارفین بیٹا! تو پھر آپ لوگوں نے کیا فائنل کیا ہنی مون کے لیے کہاں جا رہے ہو؟" رابعہ نے جان کر تیزی سے بات بدلی تھی، ثمران نے پہلے تو نوٹ کیا پھر اپنا وہم سمجھ کر سر جھٹک کر رابعہ کو دیکھنے لگی تھی، عارفین سمجھ گیا تھا کہ رابعہ نے اتنی تیزی سے باتوں کا رخ کیوں بدلا ہے، جبکہ معصوم انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگی، وہ تو سب سمجھ جاتی تھیں پھر ایسا کیوں کہہ رہی تھیں؟

"میرا مشورہ تو یہ ہے کہ ہم سب کی محبت چھوڑو اور اکیلے ہی معصوم کو لے کر دو دن ناران میں گھوم آؤ یا پھر سوئٹزرلینڈ وغیرہ۔" ثمران نے اپنے تئیں مشورہ دیا، اصل وجہ تو یہ بھی تھی کہ وہ خود بھی جانا نہیں چاہتی تھی اور ویسے بھی ابھی تک ارشد سے پوچھا بھی تو نہیں تھا۔

"اور پھر واپسی میں یہ ہم سے بچ جائیں گے۔" ڈالے اور حرا کی انٹری وہاں بالکل اچانک تھی، ثمران کی بات ان دونوں نے سن لی تھی، ڈالے نے پہلے تو ثمران کو دیکھا پھر قتل کر دینے والی نظروں سے عارفین کو دیکھتے ہوئے اس کے بالکل سامنے آ بیٹھی، حرا نے بھی اسی کے برابر میں اپنی جگہ سنبھالی تھی۔

"دیکھ لیجیے آپی! میری ملک الموت صاحبہ بتا رہی ہیں! میں اپنی اتنی خوبصورت زندگی کیسے گنوا دوں، وہ بھی جس کے سر پر ابھی نیا نیا سہرا سجا ہے، نیز ثمران بھابی! ہم سب اکٹھے جائیں گے، ورنہ یہ مجھے بخشنے کی نہیں۔" عارفین نے مصنوعی ڈر و خوف خود میں سموتے ہوئے ڈالے کو دیکھا۔

"ویری گڈ عارفین بھائی! آپ کافی سمجھدار ہیں، انہیں زیادہ محنت کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" ڈالے نے صاف لفظوں میں جیسے دھمکی دی تھی۔

"بری بات ہے ڈالے! کیوں ستا رہی ہو، جانے دو ان دونوں کو کہیں، جانتی ہو کیا ہنی مون تو ہوتے ہی ایک دوسرے کو جاننے پرکھنے سمجھنے کے۔" ثمران نے پیار سے ڈالے کو سمجھایا۔

"ثمران بھابی! آپ بہت غریب کاری جا رہی ہیں، جب عارفین بھائی نے وعدہ کیا تھا کہ ہم سب ساتھ جائیں گے تو ساتھ چلیں گے نا اور پھر آپ کو یاد ہے، ہم لاسٹ ٹائم بھی نہیں جا سکے تھے، بس اب اور کوئی بدمزگی نہیں چلے گی، ہم سب ساتھ جائیں گے۔" وہ بچوں کی طرح ضد کرنے لگی لگتا ہی نہیں تھا کہ خود ایک سال کے بچے کی ماں ہے۔

"میری جان! ہم پھر کبھی...!"

"ارے ثمران بھابی! جانے دیں نا اور ویسے بھی میں خود بھی تو آپ لوگوں کے بغیر نہیں جا سکتا، اس لیے میں نے سب کی سیٹ پہلے سے ہی کنفرم کر لی ہیں، اگلے ایک ہفتے میں ہم سب یہ پارٹی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔" عارفین نے ثمران کی بات کاٹ کر نرم نگاہوں سے ڈالے کو دیکھا تھا۔

"ہیرے..... یہ بات ہوئی نا۔" ڈالے خوشی سے اچھل پڑی اور مسکراتی ہوئی وہاں سے اٹھی اور ثمران کے گلے کا ہار بن گئی۔

"اور ماں تو! ابھی بھی امی اتنی ناراضگیاں بالکل افورڈ نہیں کر سکتا ہوں"۔ وہ اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے اٹھا اور اس کے سامنے رکھی ٹیبل پر بیٹھ گیا اور جو کشن اس کے اوپر اچھالا تھا وہی کشن اٹھا کے اس نے آگے پیش کر دیا۔

"سوری بھیا!" ذرا لے نے جلا بھنا چہرہ اوپر اٹھایا اور عارفین کی شکل دیکھ کر زور سے ہنس دی۔

"عارفین بھائی! اچھا ہے مسکینی سی صورت بنانے بہت ہی لگ رہے ہیں آپ"۔ اس نے وہ کشن اس کے ہاتھ سے چھین کر پھر سے اسی پر اچھال دیا۔

"پگلی...!" عارفین نے بھی اس کے سر پر شفقت سے چپت لگائی۔

"اچھا اب ایسا ہے کہ تم لوگوں کو جو تیاری کرنی ہے کر لو ایک ہفتہ ہے تمہارے پاس"۔ عارفین نے ان تینوں کو باری باری دیکھا تھا۔

"ہاں! یہ آپ ٹھیک بول رہے ہیں، چلو حرا! سب سے پہلے شاپنگ کرنی ہے"۔ ذرا لے نے کچھ زیادہ ہی جلد بازی دکھائی اور پھر ایک ہفتے میں بھی اسے لگتا تھا کہ بہت کچھ ادھورا رہ جائے گا اس لیے وہ وقت ضائع کیے بنا ذہن میں ہی اپنی ضروریات کی چیزوں کی لسٹ تیار کرتی ہوئی حرا کا ہاتھ پکڑے وہاں سے اٹھی تھی۔

"اللہ خیر... اتنی جلدی نہیں ہے"۔ عارفین اگر تیزی سے پیچھے نہ ہٹتا تو یقیناً ذرا لے کا سر بری طرح اس کے منہ پر لگتا۔

"اوہ لو... نہیں پلیز ذرا لے! میں تمہارے ساتھ شاپنگ پر نہیں جاؤں گی"۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑایا کیونکہ ایک تو ذرا لے کی سستی کی انتہا اوپر سے وہ جب دکاندار سے ایک گھنٹہ بحث کر کے اپنی مطلوبہ شے نہ لے لے وہاں سے نہیں ہلتی تھی۔ بقول حرا کے۔

"تم تو دکاندار کا بخار ہی بن جاتی ہو"۔ ذرا لے نے حرا کو گھورا اور عارفین کی طرف نگاہ اٹھائی۔

"ارے باپ رے پلیز! میری طرف ان ظالم نظروں سے مت دیکھنا، کیونکہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا"۔ وہ بھی ہڑبڑا کے وہاں سے اٹھا اور معصوم کے برابر میں جا کر بیٹھ گیا۔ ذرا لے نے اسے بھی کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا۔

"میں چلتی میری جان! اگر میرے تو خود آج کل گھٹنوں میں درد ہے"۔ رابعہ نے جب دیکھا اس کی نظروں کا رخ ان پر ہے تو وہ بھی جھٹ سے بول پڑیں۔

"تو آپ بھی کوئی بہانہ گھڑ دیجیے"۔ اس نے طنزیہ نظروں سے ثمرین کو پلٹ کر دیکھا۔

"ارے ہاں! مجھے تو یاد ہی نہیں رہا، خالہ ماں نے مجھے بلایا تھا ارشد بیٹے میرا ویٹ کر رہے ہوں گے"۔ سنجیدہ شکل بنائے ثمرین وہاں سے اٹھی اور جانے لگی مگر پیچھے پلٹ کر پھوپھو کو دیکھ کر دونوں ہاتھوں کو کانوں پر رکھے لگی تھی گردن ہلاتی آگے بڑھی تھی، وہاں معصوم بیٹھی جو ان سب کی گفتگو سن رہی تھی اور بہت انجوائے بھی کر رہی تھی مگر ذرا لے کی معصوم صورت دیکھ کر اسے ترس آ گیا، پتہ نہیں وہ لوگ اس کے ساتھ شاپنگ پر جانے سے اس قدر کیوں ڈر رہے تھے وہ سمجھ ہی نہیں سکی۔

"اگر ذرا لے! برا نہ لگے تو میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ شاپنگ پر"۔ آخر اس کو ذرا لے کی روہانسی صورت پر رحم آ گیا اور معصوم کی اس خدمت گزاری پر جو وہ ذرا لے کے لیے کرنے جا رہی تھی چاروں نے ایک وقت دیکھا تھا، معصوم ان لوگوں کے اس طرح دیکھنے پر گھبرا کے رہ گئی۔

"میں نے کچھ غلط بول دیا؟" اس نے آہستگی سے عارفین سے پوچھا تھا۔

"نہیں بیگم صاحبہ! آپ نے کچھ غلط نہیں کہا، آپ ذرا لے کے ساتھ شاپنگ پر جا رہی ہیں اس پر ایک بار پھر ذرا غور کر لیجیے"۔ اور اس سے پہلے کہ عارفین مزید کچھ بولتا وہ تیزی سے آگے بڑھی۔

"عارفین بھائی! زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے، معصوم بھابی! آپ چلیں آپ بلکہ ابھی میرے ساتھ چلیں، مجھے ان لوگوں پر کوئی بھروسہ نہیں ہے"۔ اس نے معصوم کا ہاتھ پکڑا اور بنا کسی سے کچھ کہے اسے لیے سیڑھیاں اتری، عارفین تو دیکھتا ہی رہ گیا۔

"عارفین بھائی! فاتحہ پڑھ لیں آپ نے معصوم بھابی پر"۔ عارفین نے حرا کو سوچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

"کوئی بات نہیں ابھی آپ کی بھابی کو تجربہ نہیں ہے، مگر آئی ایم شیور کہ نیکسٹ ٹائم ان کی حالت بھی ہم سے کم نہیں ہوگی وہ خود اپنی بھی شاپنگ کرنے کبھی نہیں جائیں گی"۔ جو لے سے مسکرا کے جواب دیا تھا۔
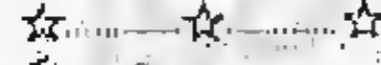
☆...☆...☆

وہ وانیہ کے بیڈ روم میں آئی تو وانیہ کو اپنے وارڈ روب کے پاس کھڑے پایا جو بیساکھی کے سہارے کھڑی جانے کیا کر رہی تھی۔

"چھوٹی بی بی! کیا کر رہی ہیں، لائیں میں کر دوں"۔ نوری جلدی سے آگے بڑھی، وانیہ نے گردن گھما کر پہلے اسے دیکھا پھر سے اپنے پرانے کام میں لگ گئی۔

"نہیں میں کر لوں گی، بلکہ تم یوں کرو میں نے یہ کچھ سوٹ نکالے ہیں انہیں تم رکھ لو"۔ اس نے بیڈ کی طرف اشارہ کیا تو نوری ان کپڑوں کی طرف بڑھی اور ایک ایک ہینگر اٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔

"یہ تو بہت خوبصورت ہیں، بالکل نئے لگتے ہیں، ایسا لگتا ہے آپ نے انہیں پہنا بھی نہیں ہے"۔

"ہاں! ابھی سمجھ لو زیادہ سے زیادہ ایک دو گھنٹے ہی پہنے ہوں گے"۔ وہ اپنے کام میں مصروف بولی۔

"مجھے نہیں آ رہا کیا پہن کے جاؤں؟"

"کہیں جانا ہے آپ کو چھوٹی بی بی!" نوری کے کان فوراً کھڑے ہو گئے تھے۔

"ہاں! اپنی فرینڈ سحر کے جانا ہے، میں تو بالکل نہیں جا رہی تھی دل ہی نہیں چاہ رہا تھا مگر سحر اس قدر ضد کر رہی ہے کہ مجبوراً جانا ہی پڑے گا"۔

"تو کیا ان کے ہاں کچھ ہے؟" اپنی مصروفیت میں نوری کا مشکوک بھرا انداز نوٹ ہی نہیں کر سکی۔

"ہاں اس کی منگنی ہے"۔ نوری خاموش ہوئی تو وانیہ نے اس کی خاموشی کو بہت محسوس کیا، اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ پر سوچ انداز میں سوٹ ہاتھ میں لیے دیکھ رہی تھی۔

"تم خاموش کیوں ہو گئی ہو؟" اس نے ٹوکا تو وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

"نا... نہیں تو، میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ اگر آپ منگنی میں جا رہی ہیں تو یہ سوٹ پہن لیں، یہ زیادہ اچھا لگے گا"۔ اس نے فوراً بات کو سنبھالتے ہوئے ایک پرپل کلر کا سوٹ اس کے سامنے کیا تھا۔

"ارے نہیں بھئی! اب دل نہیں کرتا اتنے ڈارک کلر پہننے کا، یہ پاپا کی چوائس تھی تو لے لیا تھا ورنہ مجھے لائٹ کلر ہی پسند ہیں"۔ اس نے پھر سے وارڈ روب میں کپڑے دیکھے کہ اس دوران موبائل بج اٹھا وانیہ نے پلٹ کر دیکھا تو نوری کے ہاتھ میں موبائل فون تھا، نوری نے چونک کر موبائل دیکھا پھر وانیہ کو۔

(جاری ہے......)

☆...☆...☆

مکمل ناول

تیرے پیار کی خوشبو

''چھوٹی بی بی! میں ابھی آتی ہوں''۔ وہ جھٹ سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی، دانیہ بغیر کوئی نوٹس لیے اپنے سابقہ کام میں لگ گئی۔

''کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا، لگتا ہے مارکیٹ ہی جانا پڑے گا''۔ اس نے کچھ اور کپڑے نکال کر بیڈ پر رکھے تاکہ نوری کو دے دے، پھر بیساکھی کے سہارے نوری کو دیکھنے باہر آئی تو وہ وہیں دروازے کے پاس کھڑی کسی سے دھیرے دھیرے موبائل پر بات کر رہی تھی۔

''نوری...!'' اس نے پکارا اس کی اچانک آواز پر نوری اتنی بری طرح ڈری کہ شاید ہی کبھی زندگی میں ڈری ہوگی اور اس ڈر کے سبب موبائل بھی اس کے ہاتھ سے گر کر دانیہ کے قدموں کی سلامی دینے لگا، دانیہ نے بہت اچنبھے سے اسے دیکھا تھا۔

''کیا بات ہے تم اس قدر پریشان کیوں ہوگئی ہو، اور فون پر کس سے بات کر رہی تھیں؟''

''وہ... وہ چھوٹی بی بی! آپ یوں اچانک آ گئی تھیں ناں تو اس لیے میں ڈر گئی تھی''۔ چہرے پر سے پسینہ صاف کیا۔

''اور دوسری بات کا جواب؟''

''ک...کون...کون سی بات؟'' بمشکل ہکلاتے ہوئے تھوک نگلا تھا، آج لگتا تھا اس کا آخری دن تھا۔
''فون کس کا تھا نوری؟'' ذرا سختی سے پوچھا جانے کیوں وہ اپنے شک کو جھٹک ہی نہیں پا رہی تھی۔
''میرے میاں کا تھا جی''۔
''تو اپنے میاں سے تم وہاں کمرے میں بھی بات کرسکتی تھیں، یہاں کیوں آگئیں؟'' وانیہ کی انویسٹی گیشن شروع ہوگئی تھی، وہ اس سے آج سب کچھ اگلوانا چاہتی تھی، کافی دنوں سے نوٹ کررہی تھی، ہر چند گھنٹے بعد کسی کا فون آتا اور وہ پہلے وانیہ کو دیکھتی پھر جانے کس کونے میں جاکر بات کرتی، کافی دنوں سے یہ ڈرامہ دیکھ رہی تھی، مگر آج رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی۔
''کرتی بات چھوٹی بی بی! مگر کیا کروں میرا میاں بہت جنگلی اجڈ ہے، وہ بہت چیخ چیخ کر گندی گندی گالیاں دیتا ہے، مجھ سے بات بہت بدتمیزی سے کرتا ہے، وہ سب اگر آپ سن لیں تو مجھے بہت دکھ ہوگا اور آپ تو بہت پڑھی لکھی ہیں، اس طرح کی باتیں کہاں برداشت کرپائیں گی، اس لیے میں باہر چلی جاتی ہوں''۔ سیکنڈ میں کہانی گھڑی تھی، آنکھوں میں آنسو لیے وانیہ کو دیکھ رہی تھی اور جس طرح جس انداز میں اپنی رام کہانی سنائی تھی، وانیہ نے یقین بھی کرلیا تھا بلکہ بہت دکھ کے ساتھ افسوس بھی کررہی تھی۔
''چلو چھوڑو، چپ کرجاؤ، ویسے بہت ناانصافی کی تمہارے ماں باپ نے تمہارے ساتھ، اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنے جاہل آدمی سے شادی کرکے، مجھے تو حیرت ہے تم اتنا سب کچھ برداشت کیوں کررہی ہو، چھوڑ کیوں نہیں دیتی ہو''۔ وہ آرام سے آگے بڑھی اور نوری کے بہتے آنسو صاف کیے۔
''نہیں بی بی! ہمارے ہاں یہ نہیں ہوتا، ہمیں ہر حال میں یہ رشتہ نبھانا پڑتا ہے''۔ اس کی نظر زمین پر پڑے موبائل پر پڑی تو بہت کچھ یاد آگیا۔
''چھوٹی بی بی! آپ کو کوئی کام تھا مجھ سے...؟'' اس نے اپنے دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔
''ہاں دیکھو میں بالکل بھول گئی ایسا ہے کہ تم وہ سارے کپڑے لے لو جو میرے بیڈ پر پڑے ہیں، میں نے کچھ اور بھی نکال دیے ہیں، اس کے بعد میرے ساتھ مارکیٹ چلو''۔
''جی بہتر چھوٹی بی بی!''
''اور اب مت رونا''۔ وانیہ نے مسکراتے ہوئے اس کا گال تھپتھپایا اور بیساکھی سنبھالے وہاں سے واپس کمرے میں آگئی۔
وانیہ کے جانے کے بعد نوری نے موبائل دیکھا موبائل اٹھایا وہاں اسکرین پر وہ ابھی بھی موجود تھا، لائن کٹ نہیں کی تھی بلکہ ان کے مابین ہونے والی ساری گفتگو اس نے سن لی تھی، نوری نے موبائل کان سے لگا کر کچھ بتا کر بند کردیا۔ ڈرائیور ان دونوں کو شاپنگ مال کے قریب چھوڑ کر پارکنگ لاٹ کی سمت بڑھ گیا۔
''بی بی جی! یہ والی لے لیجیے''۔ نوری نے پرپل کلر کا کاٹن کا کڑھائی کا فینسی سوٹ دکھایا جو ڈمی پر لٹکا بہت خوبصورت اور کافی مہنگا بھی لگ رہا تھا، وانیہ نے دیکھا تو اسے بہت بھاری کام کا لگا تھا۔
''نہیں نوری! یہ تو بہت ہی بھاری کام کا ہے، اور بہت ڈارک کلر بھی لگ رہا ہے''۔ اس نے ایک نظر دیکھا اور آگے بڑھ گئی، نوری نے کچھ نہیں کہا بلکہ اپنے پیچھے دیکھا جہاں اب کوئی نہیں تھا، وانیہ آگے بڑھتی جارہی تھی، اس نے پیچھے پلٹ کے نہیں دیکھا تھا کہ نوری آ بھی رہی ہے یا نہیں، وہ وانیہ پر ایک آخری نگاہ ڈالتی

آہستہ آہستہ پیچھے کھسکتی چلی گئی تھی، وانیہ شیشے کے اس پار ان دو ڈمی کے آگے رک گئی، ایک ڈمی پر ڈارک شاکنگ پنک کلر تھا، جس کے دوپٹے پر چاروں طرف ریشم کے ساتھ کڑھائی کی گئی تھی، جبکہ گلے کے ساتھ صرف دامن پر کڑھائی کی گئی تھی، مگر وہ تھی اسے اس قدر ہیوی لگ رہا تھا اور کلر بھی بہت ڈارک تھا، وہ اتنی منہمک تھی کہ محسوس ہی نہ کرسکی کہ کسی کے مضبوط آہنی بازوؤں کا حصار اس کے اردگرد باندھ دیا گیا، آفریدی نے اپنا چہرہ اس کے نازک کندھے پر ٹکا دیا تھا۔
''مجھے یہ کلر بہت پسند ہے، تم پارٹی میں یہی کلر پہن کے جاؤ گی''۔ گمبھیر آواز اس کے کانوں میں گونجی، صحیح معنوں میں سرتاپیر اسے سلگا گئی، وہ بری طرح اس کی مضبوط گرفت سے نکلنے کی مزاحمت کررہی تھی، مگر ناکام کیونکہ مقابل کی گرفت کسی چٹان کی طرح طاقتور تھی۔
''کیا بے ہودگی ہے کوئی مینرز ہیں تم میں یا نہیں؟'' وہ بھرپور کوشش کررہی تھی اس بندھ کو توڑنے کی۔
''دیکھو چھوڑ دو مجھے، ورنہ میں شور مچا کے سب کو اکٹھا کرلوں گی''۔
''اچھا تو پھر بیگم صاحبہ، آپ شور مچا کے کس کو بلائیں گی، کیونکہ اس وقت اس مال میں میرے اور تمہارے علاوہ تو کوئی نہیں ہے''۔ اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑنے لگے تھے۔
آفریدی نے اس کا رخ اپنی سمت کیا، جہاں کسی موت کا سایہ لہرا رہا تھا۔
''جانتی ہو جب تمہیں اس طرح دیکھتا ہوں تو میرے دل کو کس قدر تسکین ملتی ہے، ٹھنڈی میٹھی سی پھوار میرے دل پر پڑتی ہے، میری روح کو سکون و راحت ملتی ہے، کیونکہ مجھے تمہارے باپ کا ذرا سا بھی سکون برداشت نہیں ہوتا، میں چاہتا ہوں تم دونوں باپ بیٹی تڑپو، بلبلا جی کے مرو اور مر کے جیو، کبھی کبھی تو سوچتا ہوں کہ تمہارے اس خوبصورت جسم کا ریشہ ریشہ بکھیر دوں، تمہیں اتنی اذیت ناک موت دوں کہ تمہارا باپ بھی زندگی نہ مانگے، نہ اس دنیا میں نہ مرنے کے بعد''۔ آفریدی نے بہت بے باکی سے اس کو اوپر سے نیچے تک دیکھا تھا، اس کی اس قدر خوفناک بات پر وہ ڈر و خوف سے پیچھے ہٹی کہ پیچھے کھڑی شیشے کی دیوار سے جا لگی تھی، خوف و ہراس اس کے چہرے سے ہی نہیں اس کے روئیں روئیں سے ٹپک رہا تھا، آنکھیں پتھرا کے اسے دیکھ رہی تھیں۔
''ارے تم تو ابھی سے ڈر گئیں، ڈرو مت میری جان! میں تمہیں ابھی اتنی جلدی نہیں ماروں گا''۔ وہ بولتے بولتے اس کے بے حد نزدیک آیا تھا اور اپنی دونوں ہتھیلیاں اس کے آس پاس شیشے پر یوں ٹکا دیں کہ اس کے جانے کا راستہ بند ہوکر رہ گیا تھا۔
''ابھی تو صرف تمہارے دل و دماغ نے میرے ہونے کا احساس محسوس کیا ہے، وہ بھی ڈر و خوف کا، تمہارے وجود، تمہاری رگ رگ کو بھی تو اپنے وجود کا احساس دلانا ضروری ہے، تاکہ تم جب جب سانس لو جب جب تمہارا دل دھڑکے اس میں صرف میرا ہی ڈر و خوف کا احساس جاگے، ابھی تو صرف تمہارے نام کے ساتھ میرا نام جڑا ہے، مگر میری نفرت کی چنگاری سے تمہارا نام ہی نہیں تمہارے وجود کو روح سمیت خاکستر کرنا باقی ہے''۔ اس کی گرم سانسوں کے تھپیڑے سے اس کا پورا چہرہ جھلس گیا تھا۔
''بخش دو مجھے، خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو، میں نہیں جانتی کہ مجھ سے یا میرے بابا سے کہاں غلطی ہوئی ہے، کہاں ناانصافی ہوئی ہے مگر میں تم سے معافی مانگتی ہوں، اگر مالی نقصان کی بات ہے، تو وہ تو تم کرہی چکے ہو، ہمیں پورا برباد کرنا ہی تمہارا مقصد تھا تو تم اپنے ارادے میں کامیاب بھی ہوگئے ہو، میرے بابا کا تقریباً پورا

بزنس ڈوب گیا ہے، ہم خسارے میں ہیں جس کے ذمے دار صرف تم ہو، مگر ہم پھر بھی تمہیں کچھ نہیں کہیں گے کیونکہ تم نے اپنی پوری قیمت سود سمیت وصول کرلی ہے، اب اور کیا چاہتے ہو؟" وہ کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی مگر کمزور پڑ رہی تھی، اس کے نین کٹورے بھیگتے چلے گئے تھے، مگر مقابل بھی کوئی کمزور شے نہیں تھا، جو ان کے آنسوؤں پر رحم کھا کے پیچھے ہٹ جاتا، اس کی باتوں میں آکر پگھل جاتا۔

"قیمت...!" مذاق خیز انداز، طنز آمیز قہقہہ اس کے کانوں میں جیسے گرم سیسہ ڈال رہا ہو۔

"چکا سکو گی میری قیمت، مسز وانیہ آفریدی! میری قیمت تمہاری یا تمہارے باپ کی حرام کی دولت سے بھی زیادہ ہے، بات مال کی ہوتی تو کب کی تمہیں رہائی مل چکی ہوتی، مگر بات تو جان پر آرہی ہے۔"

"کیا مطلب.... میں سمجھی نہیں"۔ بھیگی پلکوں سے اسے دیکھا جو بہت ظالم لگ رہا تھا۔

"میری قیمت تمہاری زندگی ہے، مگر اس میں ایک اضافہ ہے، وہ یہ کہ میں تمہیں جتنا تڑپتا، سسکتا، روتا بلکتا دیکھوں گا میری قیمت میں مزید اضافہ ہوگا اور تمہیں جتنا تڑپتا، سسکتا، روتا، بلکتا تمہارا باپ دیکھے گا، میری روح کو اتنا ہی سکون میسر ہوگا، تو بولو! چکا پاؤ گی میری قیمت؟" آفریدی نے اپنی بلوری آنکھیں اس کے بھیگے نین کٹوروں میں گاڑھ دیں۔ ان بلوری آنکھوں میں کس قدر چمک تھی، کتنا جنون تھا، فتح مندی کا، جیت کا نشہ امڈ کر آرہا تھا، وانیہ زیادہ دیر ان چمکتی آنکھوں میں نہیں دیکھ پائی تھی، نگاہیں نیچی جو کریں تو جیسے نہ اٹھنے کی قسم کھالی تھی، اس کا نازک سا دل سہم کر سمٹ کر رہ گیا تھا، بس دل سے خود کے لیے اس لمحے ایک ہی دعا نکلی تھی شدت کے ساتھ۔

"یارب! میری یہ آتی جاتی سانسیں رک جائیں، یہ سینے میں دل کی دھڑکنیں دھڑکنا ختم کر جائیں، میرے جسم سے یہ روح پرواز کر جائے"۔ کس قدر شدت سے اس نے اپنے لیے یہ بددعا مانگی تھی، مگر ہر گھڑی قبولیت کی گھڑی نہیں ہوتی، اس کا امتحان ابھی ختم نہیں ہوا تھا، ابھی تو بہت سی خاردار جھاڑیاں کانٹوں بھرے راستے میں ہر سو بکھری پڑی تھیں، جس پر سے اسے برہنہ پا گزرنا تھا، اب چاہے وہ پاؤں کتنے ہی زخمی کیوں نہ ہوں، ان پر مرہم رکھنے والا کوئی نہیں تھا، یہ لہو یوں ہی رستا رہے گا، جب تک اس کے اندر سانس باقی تھی۔ آفریدی نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا، اور اپنی ایک شہادت کی انگلی اس کی ٹھوڑی پر رکھی اور اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تھا۔

"اس طرح کام نہیں چلے گا، میں ان نین کٹوروں کا درد دیکھنا چاہتا ہوں، زندگی کی بھیک مانگتا دیکھنا چاہتا ہوں، لیکن خیر... یہ تو ابھی شروعات ہے، فی الحال تو تم جس کام کے لیے آئی ہو وہ کرو"۔ آفریدی نے ان کے سمندر سے بھرے نین کٹورے دیکھے اور وہاں سے ہٹ گیا، شیشے کے اس پار گیا اور وہ ڈمی اٹھا لی پھر ایک سیلز مین کو آواز دی۔

"یہ سوٹ پیک کروا کے ان کی گاڑی میں رکھوا دیں، اینڈ تعاون کا شکریہ"۔ سیلز مین کے ہاتھ میں ڈمی اور کچھ بڑے بڑے نوٹ تھمائے جنہیں وہ لے کر چلا گیا تھا۔

"آج کے لیے اتنا سبق کافی ہے، پھر ملاقات ہوگی تفصیل کے ساتھ، شاید تمہارے بیڈروم میں یا میرے بیڈروم میں"۔ اس نے ایک بھرپور نگاہ اس کے سراپے پر ڈالی اور وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا، وانیہ وہیں پیچھے چلی گئی تھی، کسی نازک کانچ کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے لگی تھی۔

"چھوٹی بی بی...!" نوری ایک سائیڈ سے دوڑتی چلی آئی تھی، اور وہیں فرش پر اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔

"یہاں دفع ہوگئی تھیں تم؟" ریحان شیخ مسلسل نوری پر غصہ کر رہے تھے۔

"صاحب جی! میں تو ہر وقت چھوٹی بی بی کے ہی ساتھ تھی، میں سوٹ دیکھنے لگی کہ پیچھے سے ایک گارڈ آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کے لے گیا، بولا یہاں ایک بڑا سا سانپ گھس آیا ہے، جلدی سے نکلو، کہیں وہ کسی کو نقصان نہ پہنچا دے، میں تو جی بری طرح ڈر گئی تھی، اس نے سب کو ہی وہاں سے باہر نکال دیا تھا، میں وانیہ بی بی کو آواز دیتی، گارڈ نے مجھے موقع ہی نہیں دیا"۔ ریحان شیخ نے بغور اس کو سنا تھا، کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔

"جاؤ یہاں سے، اور اب سے صرف تمہیں وانیہ کے ہی ساتھ اس کے پاس رہنا ہے، اگر ایک منٹ کے لیے بھی اس سے دور ہٹیں تو جان نکال دوں گا تمہاری"۔ وہ بری طرح گھور کر اس کو وہاں سے باہر کی سمت لے کر چلے گئے تھے۔

نوری کتنی مشکلوں سے وانیہ کو وہاں سے لائی تھی، یہ صرف وہی جانتی تھی، جیسے ہی گھر آئے سامنے صوفے پر ریحان شیخ بیٹھے تھے، وانیہ نے کس قدر تڑپ کر انہیں دیکھا تھا، اس کی روہانسی آواز پر ریحان شیخ نے اس کی طرف دیکھا، تو وانیہ کی بکھری حالت کو دیکھ کر ان کا دل لمحے بھر کو رکا، وہ تیزی سے آگے بڑھے وانیہ ان کے سینے سے لگی بلک بلک کر روتے ہوئے، اپنے سارے عقل و خرد گنواتی چلی گئی تھی، وہ نوری کی مدد سے اسے اس کے بیڈروم میں لائے اور پھر نوری نے وہاں جو کچھ بھی ہوا سب کہانی سنا دی، پھر تو جو نوری کو سننی پڑیں اس نے کان پکڑ لیے، سختی سے وانیہ کی تیمارداری کی تاکید بھی کرتے چلے گئے تھے۔

☆..........☆..........☆

"ڈیڈی! وہاں فیکٹری میں کچھ ورکرز ہڑتال پر ہیں"۔ فہیم احمر کسی فائل کو بغور پڑھ رہے تھے، پاس ہی زرمیل بیٹھا تھا۔

"ہاں! مجھے مینجر کا فون آیا تھا تم یوں کرو کہ وہاں تم چلے جاؤ اور جو بھی معاملہ ہو ہینڈل کرو، جو ڈیمانڈ چاہ رہے ہیں ایسا ممکن تو نہیں ہے، مگر ہاں اتنا ضرور کر سکتے ہیں کہ ہر چھ ماہ بعد پر ورکرز کو بونس دینے کا اعلان کر دینا"۔ وہ فائل ایک سائیڈ پر رکھ کے مکمل زرمیل کی طرف دیکھنے لگے، بلیک جینز پر پرپل شرٹ میں ملبوس وہ فہیم سالار کا بیٹا پہلے سے زیادہ سوبر لگ رہا تھا، جن آنکھوں میں انہوں نے کبھی چمک نہیں دیکھی تھی، آج کل وہ مرتی کانچ روشن رہنے لگے تھے، اور اس کی وجہ بھی وہ جانتے تھے مگر مجبور تھے کہ وہ ابھی کچھ نہیں بول سکتے تھے، زور زبردستی کر کے وہ کسی ایک کا اب نقصان نہیں کریں گے، اسی دوران آسیہ بھی چائے کی ٹرے ہاتھ میں لیے آگئیں، ٹرے میں رکھ کے ایک کپ چائے کا فہیم احمر کو تھما دیا اور ایک زرمیل کو، اور اپنا کپ لے کر خود سامنے ایک سنگل صوفے پر براجمان ہوگئیں۔

"اوکے ڈیڈی! اگر ورکرز اس بات پر بھی ایگری ہو جائیں گے؟"

"دیکھو زرمیل اہم سے جو ہو سکتا ہے ہم کر رہے ہیں، ہم ان میں سے نہیں ہیں کہ جو مزدور محنت کرے اور اس کا معاوضہ نہ دیا جائے، ہم اس بات پر عمل کرتے ہیں کہ مزدور کی محنت کا پسینہ بھی خشک نہ ہو اور اس کی اجرت ادا کر دی جائے، ہم بونس کا اعلان اس لیے کر رہے ہیں کہ وہ دلجمعی سے ہماری فیکٹری میں محنت کر رہے ہیں، حالانکہ ہم ان کی محنت کی کمائی دوگنی دے رہے ہیں انہیں، پھر بھی وہ کوئی ڈیمانڈ رکھتے ہیں تو یہ ناجائز ہے، مگر خیر ہمیں کوئی اعتراض بھی نہیں ہے"۔ انہوں نے ایک سپ گرم چائے کا لیا تھا۔

"اور اگر کچھ ماہ بعد ان لوگوں نے کوئی اور ڈیمانڈ رکھ دی؟"

"ہاں اس بارے میں ہم نے پہلے سے ہی سوچا ہے کہ فیجر ہر ورکرز سے اسٹیمپ پیپرز پر سائن کروائے گا، یہی کہ دس ڈیمانڈ کے بعد کوئی بھی ورکر بے جا ڈیمانڈ نہیں کرے گا، لیکن اگر پھر بھی کوئی نہیں مانتا تو مجبوراً ہمیں سنجیدگی سے اس کے لیے کچھ اور سوچنا پڑے گا، اور اس کا یہی حل نکالا ہے کہ اس کا حساب کتاب کر کے فیکٹری سے فارغ کر دیا جائے۔" آسیہ کتنے غور سے ان دونوں باپ بیٹے کو باتیں کرتے دیکھ رہی تھیں، آج کتنے عرصے بعد دونوں یوں ایک ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے ورنہ بزنس کی مصروفیت کے سبب زرمیل اپنے بزنس میں مگن رہتا تھا، اور فہیم احمر اکثر و بیشتر باہر ہوتے تھے، دونوں میں کھنچاؤ ژالے اور زرمیل کی شادی کے بعد آ گیا تھا، وہ دل ہی دل میں اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے ساتھ سب کچھ ٹھیک ہو جانے کی دعا کر رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے ڈیڈی! یہاں پر دو تین میٹنگز ہیں ان سے فارغ ہو کر چلا جاؤں گا، ویسے آپ کی کب کی فلائٹ ہے؟" اس نے اپنی چائے ختم کر لی تھی، کپ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"ابھی تو فی الحال میں یہیں ہوں کچھ کام دیکھنے ہیں، سائٹ پر جا کر کام دیکھوں گا جو برج ہموار ہا ہوں اپنی زیر نگرانی میں کروانا پڑے گا مجھے وہ۔"

"او کے...!"

"ماما! مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی... آ... آ... آ... ہ...!" ژالے اپنی دھن میں تیز آواز میں بولتی ہوئی نیچے آ رہی تھی کہ نظر اچانک جو زرمیل پر پڑی تو خود کو سنبھال نہیں سکی، پیر پھسلا کتنی ہی سیڑھیوں سے گرتی ہوئی نیچے آ گئی تھی۔

"ژالے...!" کتنی ہی آوازیں نکلی تھیں، بجھ تیزی سے نیچے آ گئی تھیں، زرمیل، فہیم احمر، آسیہ بھاگے تھے اور سب سے بڑھ کر ارشد جو آفس سے ابھی آیا تھا، بریف کیس چھوڑے بھاگتا ہوا ژالے کی سمت آیا تھا۔

"ژالے...!" ارشد نے بری طرح پہلے زرمیل کا بڑھتا ہوا ہاتھ جھڑکا تھا، جو ژالے کی طرف بڑھا تھا پھر اس کو اپنے بازوؤں پر اٹھائے باہر کی سمت تیزی سے بڑھا تھا، اس کے پیچھے سوائے زرمیل کے سب گئے تھے کیونکہ آگے بڑھتے زرمیل کے چوڑے شانے پر آسیہ نے اپنا ہاتھ رکھ کر اسے روک لیا تھا۔

"ابھی نہیں میری جان!" کتنی عاجزی والتجا تھی ان کے طرز انداز میں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے رکنا پڑا تھا، مگر اس کی آنکھوں میں ژالے کا خون میں لت پت چہرہ گھوم رہا تھا، وہ بہت بری طرح سیڑھیوں سے گری تھی، اس کے پیر میں شاید موچ بھی آ گئی تھی اور سر ٹیلی فون اسٹینڈ کارنر سے لگنے کی وجہ سے پھٹ گیا تھا، اس نے غصے میں ٹیلی فون اسٹینڈ کارنر کو ایک جھٹکے سے ٹھوکر ماری کہ وہ دور جا گرا تھا، آواز سن کر جو ملازم بھی بھاگے چلے آئے تھے، وہیں کھڑے زرمیل کی اس حرکت اور غصے کو دیکھ کر سہم سے گئے تھے۔

"مجھکو اسے باہر، آج کے بعد مجھے یہ گھر میں نظر نہیں آنا چاہیے۔" غصے سے گھورتا وہ اپنے بیڈ روم میں آیا تھا، اس قدر بے بسی تھی کہ وہ جا بھی نہیں سکتا تھا۔

"جانے ژالے کیسی ہوگی، وہ بے ہوش ہو گئی تھی، ہوش آیا یا نہیں؟" گھر میں ایک ہلچل مچ گئی تھی، تھوڑی ہی دیر میں سب اسپتال میں تھے، کافی ٹائم گزر گیا تھا اب اور صبر نہیں ہو رہا تھا، اس نے ثمرن کو فون کیا تھا۔

"ثمرن! کیسی ہے ژالے، اسے ہوش آ گیا؟" کس قدر تڑپ تھی، بے بسی تھی اس کے لب و لہجے میں کہ

وہ فون کے اس پار بھی محسوس کر سکتی تھی۔

"ہاں آ گیا ہے، تھوڑی دیر میں بس گھر لا رہے ہیں ہم ژالے کو۔"

"شکر ہے اس رب کا۔" اس کی تو جیسے جان میں جان آ گئی تھی، رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئی تھیں۔

"میں آ رہا ہوں۔"

"نہیں آپ مت آیئے گا، ابھی ارشد کو لگتا ہے وہ آپ کو دیکھ کر ڈر کے سیڑھیوں سے گری ہے۔"

"پاگل ہو گیا ہے کیا وہ؟" اس کا تو صحیح معنوں میں دماغ ہی گھوم گیا، ارشد کی اس فضول سوچ پر۔

"میں کچھ نہیں جانتا، میں آ رہا ہوں ژالے کو دیکھنا چاہتا ہوں، ملنا چاہتا ہوں اس سے۔" انداز سو فیصد ضدی تھا۔

"پلیز زرمیل بھائی! اور مشکلیں مت کھڑی کریں، میں آپ سے کہہ رہی ہوں ناں وہ ٹھیک ہے، بس کچھ فارملٹیز پوری ہو جائیں، ہم آ رہے ہیں۔" ثمرن نے عاجزی سے التجا کی۔

"کس سے بات کر رہی ہو کون ہے فون پر؟" ارشد وہاں چلا آیا تھا اسے شک ہو گیا تھا کہ ثمرن زرمیل سے بات کر رہی ہے، ثمرن کو تو ویسے بھی جھوٹ بولنا نہیں آتا تھا، وہ بھی ارشد جیسے شخص کے سامنے۔

"وہ زرمیل بھائی ژالے کا پوچھ رہے ہیں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے کسی کو ژالے کی فکر کرنے کی، آج وہ اس حالت میں ہے تو تمہارے زرمیل بھائی کی وجہ سے ہے، بول دو اس کو میری بہن سے دور رہے ورنہ انجام کا ذمے دار وہ خود ہوگا۔" ارشد بھی بولی ثمرن کو گھورتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا، زرمیل نے فون کے اس پار سب کچھ سن لیا تھا۔

"سن لیا آپ نے؟ اب میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں، مت آیئے گا یہاں۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے میں ارشد کی فضول بکواس سے ڈر کر پیچھے ہٹ جاؤں گا، اگر میں خاموش ہوں، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں کمزور ہوں، ارشد کو سیدھے راستے پر لانے کے لیے مجھے زیادہ ٹائم نہیں لگے گا، صرف تمہاری وجہ سے چپ ہوں ورنہ سیدھا کر دوں اس کو تو میں۔"

"ثمرن! چلو بیٹا! جا رہے ہیں ہم سب۔" رابعہ کی آواز آئی تو اس نے بغیر کچھ اور کہے سے موبائل آف کر دیا اور آگے بڑھ گئی۔

زرمیل بے چین بے قرار سا اپنے بیڈ روم میں ٹہل رہا تھا، بے صبری سے انتظار کر رہا تھا، مگر ابھی تک وہ سب لوگ ژالے کو لے کر نہیں آئے تھے، وہ ژالے کو جی بھر کر دیکھنا چاہتا تھا، اس سے مل کر باتیں کرنا چاہتا تھا، آخر کار اس کا انتظار ختم ہوا وہ لوگ آ گئے تھے۔ وہ گلاس وال کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا، ارشد، ژالے کو نہایت آہستگی سے گاڑی سے نکال رہا تھا، عارفین نے وہیل چیئر کھولی اس پر ارشد نے اسے آرام سے بٹھا دیا اور وہیل چیئر پکڑے اندر آ رہا تھا، اس نے بغور ژالے کا چہرہ دیکھا ان چند گھنٹوں میں وہ بالکل سرسوں کے پھول کی مانند ہو گئی تھی، ماتھے پر وائٹ پٹی اور پیر میں پلاسٹر بندھا ہوا تھا۔ ارشد اور عارفین دونوں نے مل کر وہیل چیئر اٹھائی اور اوپر کی جانب قدم بڑھا دیئے تھے، آسیہ کی اتنی ہمت نہیں ہو سکی تھی کہ وہ بول دیں ژالے کو نیچے ٹھا دو، انہوں نے دھیرے سے اشارے میں فہیم احمر سے اظہار بھی کیا، تو وہ صرف دیکھ کر رہ گئے، صرف ارشد کی وجہ سے خاموش رہے اور شاید ژالے کی وجہ سے بھی، ورنہ جتنی تکلیفیں اس معصوم سی بچی نے اٹھائی تھیں وہ نہیں چاہتے تھے کہ مزید ژالے کو کوئی دکھ پہنچے۔

"اس بات کے لیے نہ تو ارشد راضی ہوگا اور نہ ہی شاید ژالے بھی، آپ کے لاڈلے سپوت نے ماشاء اللہ سے اس معصوم بچی کو جو دکھ دیے ہیں، میں نہیں چاہتا کہ وہ مزید کسی تکلیف کا سامنا کرے۔" وہ ان پر ایک تیز نگاہ ڈالتے اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئے تھے، آسیہ نے اپنی آنکھوں کی نمی صاف کی تو خیال زرمیل کی طرف گیا، وہ اس کے بیڈ روم میں آ گئی تھیں، انہیں دیکھ کر بے قرار سا زرمیل کسی معصوم بچے کی طرح ان کی طرف دوڑا تھا۔

"ممی! ژالے کیسی ہے؟" آسیہ نے بغور اپنے لاڈلے بیٹے کا چہرہ دیکھا تھا، وہ جو تھوڑی دیر پہلے فہیم احمد سے بات کرتے وقت اس کے چہرے پر رونق دیکھ رہی تھیں، وہ بالکل مفقود تھی وہاں اب عجیب سا کرب، دکھ و غم کے سائے منڈلا رہے تھے، ٹھیک بولتے ہیں بچے کو سب سے پہلے خود ماں باپ کی ہی نظر لگتی ہے، انہوں نے اس کا چہرہ اپنے کمزور ہاتھوں میں لیا اور اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ ان کا بیٹا سزا کاٹ رہا تھا ژالے کی جدائی کے غم میں گھل رہا تھا اور یہ سب آسیہ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا، وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو اس طرح بکھرا ہوا نہیں دیکھنا چاہتی تھیں، مگر کرتیں بھی تو کیا کرتیں؟ کچھ سمجھ بھی تو نہیں آ رہا تھا۔

"وہ اب ٹھیک ہے، اوپر لے گئے ہیں، ارشد اور عارفین ژالے کو۔"

"ممی! میں اوپر جا رہا ہوں۔" وہ جانے لگا کہ آسیہ نے اس کی چوڑی کلائی پکڑی تھی۔

"نہیں، تم اوپر نہیں جاؤ گے۔"

"مگر کیوں ممی! میں ژالے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس کے ہر ہر عضو میں بے قراری، بے چینی عیاں تھی۔

"اوپر ارشد بھی موجود ہے، وہ تمہیں دیکھے گا تو غصہ کرے گا۔"

"تو کرنے دیں، وہ تو ہے ہی صدا کا بے وقوف۔"

"میری جان! گھر میں ہنگامہ ہوگا، آپ کے ڈیڈی بھی ہیں گھر پر اور تم جانتے ہو کہ وہ ژالے کے معاملے میں ارشد کی فیور میں ہیں۔" وہ کسی انہونی کے ہو جانے سے ڈر رہی تھیں۔

"میں کسی سے نہیں ڈرتا، میں جا رہا ہوں، جو کل ہوگا وہ آج ہی ہو جائے۔"

"خدا کے لیے زرمیل امت کرو اس طرح، ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا، میں مر جاؤں گی، اگر اب تم مجھ سے دور گئے تو۔" وہ روتی ہوئی اس کے بیڈ پر بیٹھ گئیں، زرمیل بھی تڑپ کر ان کی طرف بڑھا انہیں اس طرح روتا دیکھ کر اس کا دل خون خون ہو گیا۔

"ممی! اس طرح کیوں بول رہی ہیں آپ؟ آپ ہیں تو میں ہوں، ورنہ میری اوقات ہی کیا ہے، لیکن ممی سمجھنے کی کوشش کریں، میں ژالے کو بہت چاہنے لگا ہوں، اس کے بغیر رہنے کا تصور بھی سوہان روح ہے ممی!" وہ ان کے گھٹنوں کو پکڑے کارپٹ پر بیٹھ گیا تھا۔

"میں جانتی ہوں میری جان! تم ژالے کو بہت چاہتے ہو، مگر حالات جس نہج پر ہیں، تھوڑا سا صبر کر لو، ان شاء اللہ فیصلہ تمہارے حق میں ہی ہوگا، ژالے تم سے ناراض ہے، مگر میرا ایمان ہے وہ جلد مان جائے گی، وہ تمہیں کہیں چھوڑ کے نہیں جائے گی۔" انہوں نے اس کے گال پر ہاتھ رکھا، پھر وہ کچھ نہیں بولا خاموشی سے آسیہ کو دیکھ کر ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

☆..........☆..........☆

وہ سب اس وقت ژالے کے بیڈ روم میں موجود تھے، ثمران اس کے لیے چکن سوپ بنا کر لائی تھی، اور

اپنے ہاتھوں سے پلا رہی تھی جبکہ نجمہ اس کے سرہانے بیٹھی اس پر کوئی نہ کوئی آیت پڑھ کے پھونک رہی تھیں۔

"چلو اچھا ہے، ہم ژالے کے بغیر ہی پکنک منانے چلے جائیں گے، ویسے بھی میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ یہ ہمیں وہاں کس قدر تنگ کرے گی، خاص کر شاپنگ پر جانے پر۔" عارفین نے ہنستے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"عارفین بھائی! اچھا نہیں ہوگا اگر آپ لوگ میرے بغیر گئے تو، میں کسی کو نہیں بخشوں گی، آہ...!" اتنا بولتے ہی اس کے سر پر زور سے درد کی ٹیس اٹھی تھی کہ وہ سر تھام کے رہ گئی تھی۔

"اتنی چوٹ لگی ہے مگر لڑنے سے باز مت آنا، خود بھی تکلیف میں رہنا اور مجھے بھی تکلیف میں رکھنا۔" نجمہ نے بری طرح اسے ڈانٹتے ہوئے اس کا سر تھاما اور آرام سے اسے لٹا دیا تاکہ وہ سکون سے سو جائے، مگر شاید تکلیف سے ہی نیند نہیں آ رہی تھی اسے۔

"ماما! نیند نہیں آ رہی ہے۔" اس نے نجمہ کے ہاتھ تھام لیے۔

"تو میری جان! سونے کی کوشش کرو۔"

"نہیں آئے گی، اگر یہ لوگ میرے بغیر پکنک پر چلے گئے تو۔"

"اف... میرے خدا!" نجمہ نے اپنا سر تھام لیا۔

"اپنی حالت دیکھی ہے، اس حالت میں پکنک منانے جاؤ گی؟" انہوں نے اس کے پلاسٹر شدہ پاؤں اور سر پر بندھی پٹی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"اور کیا میں تمہارے بغیر ان لوگوں کو جانے دوں گی؟" رابعہ نے کہا۔

"ژالے! پوری پاگل ہو تم۔" ثمران نے بھی مسکراتے ہوئے اس کے بالوں میں انگلیاں سہلائی تھیں، کس قدر پیار سے، دیکھا تھا اس نے ژالے کو چاہتی بھی تو بہت تھی اس کو۔

"ثمران بھابی! میں ٹھیک تو ہو جاؤں گی ناں ایک ہفتے میں؟"

"اگر مکمل ریسٹ کرو گی تو۔"

"اور زبان کو بھی مکمل ریسٹ دو گی تو اور جلدی ٹھیک ہو جاؤ گی۔" عارفین نے پھر سے چھیڑا تھا۔

"عارفین بھائی! آپ کو تو میں ٹھیک ہو جانے کے بعد دیکھوں گی، چھوڑوں گی نہیں۔" اس نے گھور کے عارفین کو دیکھا جو مسلسل مسکرا رہا تھا۔

"اچھا بس، اب اور زیادہ مت بولو اور عارفین! اٹھو یہاں سے جب تک تم یہاں بیٹھے رہو گے، ژالے سے یوں ہی نوک جھونک ہوتی رہے گی، ژالے کو جتنی اچھی نیند آئے گی، اتنا ہی سکون ملے گا، ہمیں چلنا چاہیے اب، معصوم! چلیں بیٹا!" وہ کھڑی ہو گئی تھیں۔

"جی...!" معصوم نے ایک نظر ژالے پر ڈالی پھر کھڑی ہو گئی۔

"دیکھا ہماری مما کتنی سعادت مند، فرمانبردار بہو لائی ہیں، جو ساس کے ایک حکم پر عمل کرتی ہے، بھئی! بہو ہو تو معصوم جیسی۔" عارفین نے آہستگی سے ژالے کے پلاسٹر پر انگلی بجا دی تھی۔

"ہمیں معلوم ہے معصوم بہت اچھی ہے، تمہیں خواہ مخواہ تعریفیں بونے کی ضرورت نہیں ہے۔" ثمران نے مسکرا کے معصوم کو دیکھا پھر عارفین کی انگلی پر دھیرے سے ہاتھ مارا تھا۔

"یہ شادی کے بعد کچھ زیادہ ہی چھیل گئے ہیں، لیکن میں بھی ایک ایک بدلہ لوں گی، چھوڑنے والی تو نہیں ہوں، وہاں پکنک پر آپ ہی مجھے شاپنگ پر نہ صرف لے کر جائیں گے، بلکہ اپنے پیسوں سے شاپنگ

کروائیں گے"۔ ژالے نے عارفین کو دھمکی دی۔

"چلو بھئی! اب بہت ہوگئی، ہمیں چلنا چاہیے، یہاں فرمائشی پروگرام شروع ہوگیا ہے"۔ عارفین کھڑا ہوگیا اور معصوم کی نازک مرمریں سرخ وسفید کلائی بے ساختہ تھام لی، معصوم کا دل بری طرح اس حرکت پر دھڑکا تھا۔

"چلیں مجھے اوپر جا کر کچن بھی دیکھنا ہے، معصوم بیٹا! تم یوں کرو کہ ابھی ژالے کے پاس رک جاؤ، نجمہ بھابی بھی آرام کرلیں گی"۔

"یہ ٹھیک ہے پھپھو! بلکہ معصوم بھابی! آج رات آپ میرے پاس ہی رکیں گی، رضا ثمرن بھابی کے پاس رہے گا"۔ ژالے کو موقع مل گیا تھا، جس کا اس نے بھرپور فائدہ اٹھالیا تھا اور معصوم کو بھی اور کیا چاہیے تھا وہ تو ویسے ہی عارفین کے بیڈ روم سے نکلنے کا بہانہ ڈھونڈتی تھی، فوراً اپنی کلائی عارفین کی ہتھیلی سے چھڑائی اور نجمہ کے پاس آ ٹھہری، عارفین تو دیکھتا کا دیکھتا ہی رہ گیا تھا، کتنی ہی دیر تک اس کی زبان گنگ رہی تھی۔

"ممما! بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں، ممانی جان! آپ جائیں اپنے روم میں آرام کریں، ممما یہاں ژالے کے پاس ہوں"۔

"جیتی رہو، سدا سہاگن اور خوش رہو"۔ اس دعا پر وہ بری طرح جھینپ کر رہ گئی، بلا ارادہ نگاہ عارفین پر اٹھی تھی جو اسے ہی دیکھ رہا تھا، اس نے گڑبڑا کے نگاہ جھکالی، دل عجیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا، عارفین کو اس کی کیفیت نے بہت حظ دیا تھا وہ مسکرا کے رہ گیا۔

"اب آپ اتنی مسکینی صورت مت بنایئے، میں پھر بھی معصوم بھابی کو آج رات اپنے پاس روک لوں گی"۔ ژالے نے اپنا بدلہ چکا لیا تھا۔

"اب تم خاموش ہو کر سو جاؤ، حد ہوگئی ہے، اس لڑکی سے تو.....!"

"اگر اب ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو ایک ہاتھ پڑ جائے گا"۔ نجمہ نے ایک بار پھر ڈانٹا اور وہاں سے کھڑی ہوگئیں۔

اس حالت میں بھی باز نہیں آئی، ہق دق چہرہ لیے عارفین کو زبان چڑا کے آنکھیں موند گئی تھی، معصوم جلدی سے ژالے کے سرہانے بیٹھ گئی تھی، کہ کہیں عارفین ہاتھ پکڑ کے لے ہی نہ جائے، سب چلے گئے تھے، سوائے کمرے میں معصوم کے وہ ژالے کے پاس بیٹھی اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی، جس سے اسے بہت سکون مل رہا تھا اور وہ گہری نیند بھی سوگئی تھی، رات کا ایک پہر گزر گیا تھا، اس دوران ارشد اور ثمرن بھی دیکھ کر جاچکے تھے، بلکہ ثمرن نے تو بول بھی دیا تھا کہ وہ چلی جائے میں ہوں یہاں، مگر وہ نہیں مانی بلکہ رات یہیں رکنے کا فیصلہ بھی کرچکی تھی، معصوم کوئی میگزین ہاتھ میں لیے دیکھ ہی رہی تھی کہ اس کے سیل پر میسج ٹون بجی، اس نے موبائل اٹھایا تو وہاں اسکرین پر عارفین میسج جگمگا رہا تھا، اس نے اوپن کردیا، وہاں لکھا تھا۔

"بہت سکون محسوس کر رہی ہوگی مجھے یہاں اکیلا کرکے"۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی، مگر کوئی Reply نہیں کیا، پھر میسج ٹون بجی۔

"اگر تھک گئی ہیں تو میں آجاؤں آپ کے پاس؟" اس نے جواب دیا۔

"نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں پلیز آپ سوجایئے!" جواب آیا عارفین کا۔

"آپ کے بغیر عادت نہیں ہے سونے کی"۔ مگر معصوم نے کچھ نہیں لکھا اس کی ذومعنی بات پر اس کا چہرہ

بھی سرخ ہونے لگا تھا، تھوڑی دیر بعد پھر میسج آیا۔

"آئی مس یو!" معصوم کے گالوں کے ڈمپل گہرے ہوگئے، سرخ وسفید رنگت میں مزید سرخی گھلنے لگی تھی، حالانکہ ان کے ایسے مراسم بھی نہیں تھے وہ کمرے میں ساتھ ضرور ہوتے، مگر وہ بہت کم بولتی تھی، عارفین نے کچھ پوچھ لیا تو ہوں، ہاں میں جواب دے دیا، وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اپنی بیسٹ فرینڈ سوی کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے، وہ خود کو بہت سینت سینت کر رکھنے والی لڑکی تھی، اپنے جذبات واحساسات ہمیشہ اپنے اندر چھپا کر رکھتی، خود کو بھی کسی پر عیاں کرنا اپنے مزاج کے خلاف سمجھتی، بہت سخت اصول تھے اس کے دل کے جس کی وہ پابند تھی، مگر عارفین پھر بھی کوئی ایسی بات ضرور کر جاتا کہ اس کا دل پسلیوں میں اتنی زور سے دھڑکتا جیسے باہر ہی آجائے گا، اسی لیے وہ ہر وقت رابعہ کے ساتھ ہی لگی رہتی اور اب تو ژالے کا بھی بہانہ مل گیا تھا، عارفین سے دور رہنے کا اور پھر سوی کی ممی کے وہ الفاظ، وہ توہین آمیز لب ولہجہ، وہ حقارت سے بھرے لفظوں کی بوچھاڑ، وہ تضحیک بھری آنکھیں اس کے کانوں میں جیسے آج بھی کوئی سیسہ پگھلاتے ہوں، آج بھی وہ یہ سب سوچتی تھی تو دل چھلنی ہوجاتا، روح زخم زخم ہوجاتی، پیروں کے نیچے سے زمین نکل جاتی، تو سر سے آسمان ہٹ جاتا، اس کو بس صرف سوی کا انتظار تھا، وہ کسی بھی طرح یہاں آجائے یا پھر اس سے فون پر رابطہ کرلے تو یہاں سے جانے میں وہ ایک پل نہیں لگائے گی۔ میسج ٹون ایک بار پھر بجی جسے اس نے پڑھے بغیر ہی ڈیلیٹ کردیا بلکہ موبائل کا سوئچ ہی آف کردیا کہ مزید وہ خود کو الجھن میں نہیں ڈال سکتی تھی۔

"نہیں عارفین! میں کسی بھی خوش فہمی کو اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتی، کیونکہ مجھے معلوم ہے آج نہیں تو کل مجھے آپ کی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جانا ہے"۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں نمی سی بھرنے لگی۔

وہ اپنے بیڈ پر نیم دراز ہاتھ میں موبائل لیے معصوم کی تصویر دیکھ رہا تھا، جو اس نے معصوم سے چھپ کر کھینچی تھی، آج بیڈ روم ہی نہیں اس کا دل بھی خالی خالی ہو رہا تھا، مسائل چاہے جو بھی رہے ہوں، مگر یہ سچ تھا کہ وہ معصوم کا عادی ہوچکا تھا، دل اس کو دیکھنے کا پابند ہوچکا تھا، رات کے دو بج گئے تھے مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی، اس نے دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر معصوم کو میسج بھیجا، وہ جانتا تھا کہ وہ کیا سوچتی، کیا چاہتی ہے، اس کی سوچوں کے دھاگے معصوم کے ہی اردگرد گھومتے تھے، اس کی ہر سوچ تک رسائی رکھتا تھا وہ، مگر جو وہ چاہتی تھی ایسا وہ ہونے نہیں دے گا، چاہے زندگی بھر انتظار کیوں نہ کرنا پڑے، خود سے معصوم کو جدا کرنا یہ سوچنا ہی سوہان روح تھا۔ وہ بہت مس کر رہا تھا اسے، وہ کمرے میں ہوتی تھی یہی موجودگی اس کے لیے کافی تھی، حالانکہ خاموش رہتی تھی اس نے کچھ پوچھ لیا تو بمشکل جواب دے دیا، ورنہ چپ رہتی تھی، اس نے پھر میسج بھیجا کہ وہ آجائے اس کے پاس، جواب میں جو اس نے لکھا وہ مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

"معصوم بیگم! آپ تو اپنے ساتھ میری نیند، میرا چین وقرار سب لے گئی ہیں"۔ وہ اس کی تصویر سے ہم کلام ہوا، اس نے فون کرنا چاہا تو پاور آف کا میسج ملا تھا۔

"جناب! ایسے آپ ہم سے پیچھا نہیں چھڑا سکتی ہیں"۔ اس نے ایک فیصلہ کیا اور کھڑا ہوگیا تھا۔ وہ ژالے کے بیڈ روم کی سمت بڑھ رہا تھا کہ سامنے سے زرمیل آتا دکھائی دیا۔

"ارے زرمیل! تم ابھی تک جاگ رہے ہو؟"

"تمہیں نہیں لگتا بہت بے وقوفوں والا سوال کیا ہے تم نے؟" زرمیل نے سنجیدگی سے اسے دیکھا تو عارفین بہت کچھ سمجھنے والا ہونے سے مسکرا دیا تھا۔

"اوآئی سی، تو یوں کہیے ناں کہ ابھی تک دیدار یار کا شرف حاصل نہیں ہوا ہے جناب زرمیل اختر کو۔" وہ شاید چھیڑنے کے موڈ میں تھا۔

"اب اگر کواس بند ہو گئی ہو تو اندر چلیں؟" وہ جلد از جلد ژالے کو دیکھنا چاہتا تھا، اس کی بے قراری اس کے ہر ہر عضو سے عیاں ہو رہی تھی، عارفین نے بغور اس کو دیکھا تھا اس کی بے قراری و بے چینی کا عالم تو جتنا اس سے بھی زیادہ تھا، پھر اس کو چھیڑنے کا ارادہ ترک کیے دروازے پر آہستگی سے دستک دی، اس ہلکی سی دستک پر ژالے کی آنکھ کھلی تھی یا پھر شاید نیند پوری ہو گئی تھی، ژالے نے پاس بیٹھی معصوم کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"میں دیکھتی ہوں"۔ وہ کہتی ہوئی بیڈ سے نیچے اتری دروازے کی سمت بڑھی، دروازہ کھولا، جہاں دو چہرے سامنے موجود تھے، اس نے ایک نظر باری باری دونوں کو دیکھا پھر پیچھے پلٹ کر ژالے کو دیکھا۔

"محترمہ! سائیڈ میں ہو جائیے تاکہ ہم اندر آ سکیں"۔ عارفین کی آنکھیں اسے سامنے پاتے ہی روشن ہو گئی تھیں کہ وہ شپٹا کے پیچھے ہو گئی، زرمیل تیزی سے اندر آیا تھا اور ژالے کے پاس بیٹھ گیا۔

"ژالے! کیسی ہو؟" اس کی گمبیر و بے قراری آواز پر ژالے نے دیکھا تو ایسا محسوس ہوا جیسے سر میں زبردست سی ٹیس اٹھی ہو، اس نے عارفین کو بھی آتے دیکھ لیا تھا وہ بھی سامنے ہی کھڑا تھا۔

"عارفین بھائی! ان سے کہیے یہ یہاں سے چلے جائیں"۔

"زرمیل! تمہیں دیکھنے آیا ہے ژالے! وہ بہت پریشان ہے تمہارے لیے"۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے کسی کو میرے لیے پریشان ہونے کی، میرے لیے پریشان ہونے کے لیے میرے ماں، باپ، میرے بھائی بہت ہیں"۔ اس نے عارفین کو تنک کر جواب دیا تھا۔

"ژالے! بس کرو، مت ستاؤ مجھے اتنا"۔ زرمیل نے ہارے ہوئے لب و لہجے میں بولتے ہوئے اس کا سینے پر رکھا ہوا سفید مرمریں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

"مت بات کریں مجھ سے، نہیں دیکھنا چاہتی میں آپ کو"۔ اس نے نہایت بری طرح زرمیل کے ہاتھ جھٹکے تھے کہ اس جھٹکے کے سبب اس کے سر میں درد کی بہت زبردست ٹیس اٹھی تھی، اس نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"کیا ہوا ژالے! درد ہو رہا ہے؟" زرمیل نے بالکل بھی برا نہیں مانا تھا، ژالے کا یوں اس طرح ہاتھ جھٹکنا بلکہ وہ اور فکر مند ہو گیا تھا، اس طرح ژالے کو تکلیف میں دیکھ کر۔

"ہاں ہوتا ہے درد، تکلیف ہوتی ہے مجھے، جب آپ کو دیکھتی ہوں تو میرے جسم سے ہی نہیں روح سے بھی خون رستا ہے، ذہنی اذیت ہوتی ہے مجھے آپ کو دیکھ کر، خدا کا واسطہ ہے آپ کو مت آیا کریں میرے سامنے"۔ بالآخر اس کے سبز کانچ سے گرم سیال بہتے بہتے تکیے میں جذب ہونے لگے، اس کے آنسو دیکھ کر زرمیل کا دل کتنے ہی ٹکڑوں میں بکھرا تھا، صرف وہ یا اس کا رب جانتا تھا۔

"اوکے میں چلا جاتا ہوں، مگر پلیز تم روؤ تو مت"۔ وہ اس کے پاس سے کھڑا ہو گیا، ژالے نے اس کی طرف سے رخ ہی پھیر لیا تھا، عارفین کو بہت صدمہ ہوا تھا، بلکہ کس قدر حیرانگی سے بھی زرمیل کو دیکھا تھا، یہ زرمیل تو نہیں تھا وہ تو سراپا بدل گیا تھا، پور پور ژالے کی محبت میں گرفتار تھا، صرف ایک غلطی کی اتنی بڑی سزا کیوں دے رہی تھی ژالے؟ مگر وہ ژالے کو بھی کیا بول سکتا تھا، اس نے بھی تو دو سال تک جس دکھ و کرب سے

گزارے تھے وہ سب اس کے سامنے تھے، یہاں تک کہ خودکشی جیسا برا فعل بھی کرنے کی کوشش کی تھی، کتنی مشکلوں سے محنت سے سب گھر والوں نے اسے سنبھالا تھا، یہاں تک کہ خود اس نے بھی کتنا سمجھایا تھا، اسے زندگی کی طرف لانا دوبارہ یہ سب اتنا آسان تو نہیں تھا، یہ سب معصوم بغور دیکھ رہی تھی اسے کچھ کچھ تو اندازہ ہو گیا تھا کہ ژالے اپنے شوہر سے ناراض ہے، مگر کیوں؟ اتنی تفصیل میں جانے کی اس نے بھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی، اس کے دل و دماغ میں تو صرف یہی تھا کہ اسے یہاں نہیں رہنا، ایک نہ ایک دن چلے ہی جانا ہے، پھر وہ کیوں کر اس کے گھر کے لوگوں کے پرسنل میٹر میں انٹرفیئر کرتی، اس نے ایک نظر عارفین کو دیکھا پھر ژالے کو دیکھنے کے بعد زرمیل کو دیکھنے لگی تھی، جو بہت بے بسی سے ژالے کو دیکھتا ہوا جا رہا تھا، پلٹ کر پھر عارفین کی طرف آیا تھا۔

"اس کا بہت خیال رکھنا، اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہو گئی ہے یہ مجھے"۔ اور پھر وہ رکا نہیں، کمرے سے چلا گیا تھا، عارفین نے بند دروازے کو دیکھا، پھر ژالے کو جو رخ پھیرے بے آواز آنسو بہا رہی تھی، اس نے سچے دل سے اس کے لیے دعا کی تھی اور پھر دکھ سے اسے دیکھتا ہوا معصوم کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اس کے پاس چلی جائے اور خود مزید کچھ اور بولے وہاں سے نکل گیا تھا، معصوم ژالے کے پاس بیٹھ گئی اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"زیادہ تکلیف ہو رہی ہے تو تحریم بھابی کو بلا دوں، وہ ڈاکٹر کو فون کر کے بلوا لیں گی؟"

"یہ تکلیف اس تکلیف کے آگے کچھ بھی نہیں ہے جو مجھے زرمیل نے دی ہے، جس کا کوئی مداوا نہیں ہے، جس کا علاج کوئی ڈاکٹر نہیں کر سکتا، یہ زخم شاید میرے اندر ناسور بن کر زندگی بھر رہے گا"۔

آج پہلی بار اس نے ژالے کو یوں ٹوٹا پھوٹا بکھرا ہوا دیکھا تھا، وہ اندر سے کس قدر دکھی تھی، ایک پہاڑ جیسا دکھ لیے پھر رہی تھی، ورنہ اسے ہمیشہ دیکھ کر وہ یہی سوچتی تھی کہ ژالے ایک زندہ دل نٹ کھٹ سی چنچل سی لڑکی ہے مگر اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا اس نے خود پر ماسک سجایا ہوا تھا، دوسروں کو خوش کرنے کے لیے وہ ہنستی بھی بولتی بھی، مگر اکیلے میں کسی گیلی لکڑی کی طرح سلگتی رہتی تھی، معصوم نے بہت دکھ سے اسے دیکھا اور اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگی، مگر کانوں میں زرمیل کے الفاظ بھی گونج رہے تھے۔

"اس کا بہت خیال رکھنا، اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو گئی ہے یہ مجھے"۔

☆............☆............☆
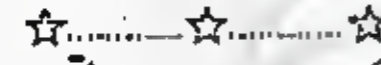
"رضا! کھا لو بیٹا! جلدی سے"۔ ثمرن کی آواز نیچے تک آ رہی تھی وہ شاید رضا کو کچھ کھلانے کی کوشش کر رہی تھی، جو وہ کھانے کے بالکل موڈ میں نہیں تھا نخرے دکھا رہا تھا۔

"رضا! میں ناراض ہو جاؤں گی اور پھر چاکلیٹ بھی نہیں ملے گی"۔ زرمیل آفس جانے کے لیے نکل رہا تھا، ثمرن کی آواز پر رک گیا تھا، بریف کیس صوفے پر رکھ کے اوپر جانے لگا تھا کہ آسیہ نے اس کا بازو تھام لیا تھا، زرمیل نے پیچھے پلٹ کر دیکھا اور ان کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ دھر دیا تھا۔

"بیٹے فکر مت کریں! اوپر ارشد نہیں ہے، میں صبح جوگنگ پر جا رہا تھا تو وہ صبح ہی آفس کے لیے نکل رہا تھا"۔ آسیہ نے سکون کا سانس لیا اور اس کے بازو پر سے ہاتھ ہٹا دیا۔

"تمہیں بھی تو آفس سے دیر ہو رہی ہے"۔

"جی مگر میں پہلے ذرا اپنے بیٹے سے مل لوں پھر چلا جاؤں گا"۔ پھر وہ رکا نہیں سیدھا اوپر کی طرف قدم

بڑھا دیتے تھے۔

"کیا بات ہے جناب! کیوں تنگ کر رہے ہو، کھا کیوں نہیں رہے؟" بھاگتے ہوئے رضا کو زرمیل نے اپنی گود میں اٹھا لیا، ثمرن وہیں کھڑی رہ گئی، وہ یوں بھی پرسکون تھی کہ ارشد آج صبح سویرے ہی آفس جانے کے لیے نکل گیا تھا اور رات کو دیر سے آنے کے لیے بھی کہہ گیا تھا۔

"پورا سیریلیک ایسا ہی پڑا ہے، ایک چمچہ بھی نہیں کھایا ہے"۔ وہ قریب آئی اور زرمیل کو پیالہ دکھایا، جس میں پورا سیریلیک ایسے ہی تھا۔

"او کے ہو سکتا ہے یہ آج اپنے پاجانی کے ہاتھ سے کھانا چاہتا ہو، کیوں رضا جانی؟" اس نے رضا کے پھولے پھولے سرخ و سفید گال پر پیار کیا تھا، اس کی رنگت پوری ڑالے پر تھی، حد درجہ سفید رنگ جس میں ابھی بھاگنے کی وجہ سے لالی سی آئی تھی، مگر نقوش سارے زرمیل کے چرائے تھے، وہی گداز عنابی ہونٹ، بڑی بڑی سرمئی آنکھیں، کھڑی ناک، جس کو دیکھ کر بے اختیار پیار آتا تھا، گھر کے ہر فرد کا لاڈلا تھا، سب نے ہاتھوں کا چھالا بنایا ہوا تھا، نانا اور دادا کی تو اس میں جان تھی، جیسے ہی شام کو دونوں آتے تو رضا کو سنبھال لیتے، اتنا بڑا سانحہ ہو گیا تھا مگر پھر بھی ان بھائیوں میں محبت برقرار تھی، کوئی ایک دوسرے کو قصوروار نہیں ٹھہراتا تھا، ہاں دل ضرور اندر سے اداس تھے، شرمندہ تھے، مگر ننھے رضا کے آنے نے سب کا دل بہل گیا تھا، حتیٰ کہ ڑالے کا بھی، مگر ایک فرد تھا اس گھر میں جو کچھ بھی نہ تو بھولنے کو تیار تھا اور نہ ہی معاف کرنے کو تیار تھا، وہ ارشد۔ ڑالے کے ساتھ کی گئی ناانصافی کو وہ کسی طرح نہ تو بھولنے کو تیار تھا، نہ ہی بھلانے کو، اس کے دل و دماغ میں ایک بات بیٹھ گئی تو بس اسی پر عمل ہوگا، کوئی بیچ میں نہیں بولے گا، یہ اس کا اپنا فیصلہ تھا، جس میں ڑالے برابر کی شریک تھی اور زرمیل بس بے بسی سے ہار گیا تھا کہ ڑالے اس کا ساتھ کسی صورت نہیں دے گی وہ اپنے بھائی ارشد کے ساتھ تھی، مگر وہ بھی زرمیل تھا، جان تو دے سکتا تھا مگر ڑالے کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑے گا، وہ ان ہی گہری سوچوں میں کھڑی تھی کہ رضا کی قلقاریوں نے اس کا دھیان اس سمت سے ہٹایا، کتنا خوش نظر آ رہا تھا وہ اپنے باپ کی گود میں، ایسا محسوس ہو رہا تھا وہ مکمل ہو گیا ہو، وہ دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

"زرمیل بھائی! ایک کام کریں، آج اپنے بیٹے کو آپ سیریلیک کھلائیں، جب تک میں ڑالے کے لیے سوپ چڑھا کے آتی ہوں"۔ اس نے پیالہ زرمیل کے آگے بڑھایا تھا، جسے زرمیل نے مسکراتے ہوئے تھام لیا، مگر ڑالے کے ذکر پر اس کے گداز عنابی لبوں کی مسکراہٹ سمٹ کر رہ گئی۔

"ڑالے کیسی ہے ثمرن؟" رات کا منظر ایک بار پھر اس کے سرمئی کانچ میں کسی فلم کی طرح چلنے لگا تھا، جی چاہتا تو اندر چلا جاتا، کوئی نہیں روک سکتا تھا، مگر اس وقت وہ ویسے اتنی تکلیف میں تھی، پھر سے جا کر اس کے سامنے اس کو تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا، ثمرن نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا جہاں دکھ و کرب کے رنگ واضح تھے۔

"بہتر ہے، کچھ گھنٹے پہلے ہی میں اور ارشد اس کے پاس تھے، دوائی اور انجکشن کا اثر ختم ہوا تو اسے بہت تکلیف ہو رہی تھی، ارشد نے اپنے ہاتھوں سے کارن فلیکس کھلایا اس کے بعد دوائی دی تو ابھی تکلیف میں کمی ہے"۔

"ابھی کون ہے اس کے پاس؟"

"ماہیں، معصوم رات بھر تھی، صبح گئی ہے اوپر، میں سوپ تیار کر دوں گی وہ پلا کے پھر ایک اور ڈوز دے

"ڈاکٹر کے پاس چلے گی، پوچھ لیں یا پھر ڈاکٹر کو یہیں بلوا لوں میں؟" کس قدر فکر مندانہ لب و لہجہ تھا ڑالے کے لیے۔

"نہیں فی الحال تو اس کی ضرورت نہیں ہے، اگر زیادہ تکلیف بڑھے گی تو پاپا گھر میں ہیں وہ دیکھ لیں گے"۔

"میں یہاں رک جاتا ہوں"۔ کس قدر بے بسی ہی بے بسی تھی اس کے ہر انداز میں کہ اپنی بیوی کی دیکھ بھال کے لیے اجازت درکار تھی، ثمرن نے بغور اس کی بے بسی کو دیکھا تھا، اس کی ایسی حالت دیکھ کر اس کا خود کا بھی دل کتنا دکھا تھا، مگر مجبور تھی اپنے شوہر کے آگے، کچھ نہیں کر سکتی تھی اس لیے چپ تھی۔

"نہیں زرمیل بھائی! پلیز آپ پریشان مت ہوں"۔

"اگر ایسا ممکن ہوتا تو میں ضرور تمہاری بات پر عمل کرتا"۔ بالآخر اسے ترس آ گیا وہ بول پڑی۔

"او کے اگر کوئی بات خدانخواستہ ہوئی تو میں سب سے پہلے آپ کو فون کروں گی"۔ زرمیل نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا وہ بالکل اسے اپنی سگی بہن ہی تو مانتا تھا، اس کی ارشد سے شادی بھی تو اسی نے کروائی تھی، گھر کا ہر فرد جانتا تھا کہ زرمیل، حرا اور ثمرن میں کوئی فرق نہیں کرتا تھا، ثمرن کو کزن سے زیادہ بہن ہی سمجھتا تھا، اگر ارشد بھی اسے اس کے سامنے ڈانٹ دیتا تو بہت برا بھی لگتا تھا، ان دونوں کی شادی کے شروع شروع میں اگر کبھی ارشد ثمرن کو کچھ بول دیتا غصے میں تو زرمیل خود کو روک نہیں پاتا تھا ارشد اتنا تو جان گیا تھا کہ ثمرن اس کی کمزوری ہے۔

زرمیل، رضا کو لیے صوفے پر بیٹھ چکا تھا اور آرام آرام سے سیریلیک کھلا رہا تھا اور کتنی حیرت کی بات تھی کہ رضا نے ذرا بھی اسے تنگ نہیں کیا تھا، مزے سے ہنستے ہنستے کھا رہا تھا وہ پھر کچھ نہیں رضا کی طرف سے پرسکون ہو کر کچن میں چلی گئی تاکہ ڑالے کے لیے سوپ بنا سکے۔

جب ڑالے کے بیڈروم سے باہر آئی تھیں سامنے کے منظر نے ان کے قدموں کو روک لیا تھا، رضا، زرمیل کی گود میں خوب قلقاریاں بھر رہا تھا، انہوں نے نوٹ کیا تھا کہ جب سے وہ واپس آیا ہے اس کے چہرے پہ الگ ہی خوشی، ایک الگ ہی چمک دکھ رہی تھیں، شادی سے پہلے سوبر سا، سنجیدہ سا زرمیل جس کے چہرے پر کبھی مسکراہٹ بھی بمشکل ہی آتی تھی آج دو سال بعد بہت بدلا دکھائی دیا تھا، وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ ان کی اکلوتی چہیتی بیٹی ڑالے جس اذیت دکھ و کرب سے گزری تھی کہ اس نے جینے کی امید بھی چھوڑ دی تھی، جو اپنی زندگی سے کترانے لگی تھی، جس نے خودکشی جیسا بیہودہ ناجائز فعل تک کرنے کی کوشش کی، ان سب کا ذمہ دار کون تھا، صرف سامنے بیٹھا یہ شخص زرمیل احمر... آج ان کی بیٹی جس تکلیف میں تھی جس درد سے گزر رہی تھی، ان سب کی وجہ زرمیل احمر تھا، مگر وہ بھی کیا کرتیں اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی وہ زرمیل احمر سے نفرت نہیں کر سکیں، اسے بددعا نہیں دے سکیں، بلکہ ہمیشہ نیکی کی دعا ہی مانگی اور آج اگر ان کی دعائیں مستجاب ہوئی تھیں تو ڑالے ناراض تھی، زرمیل ڑالے کو ہر حد تک منانے کی کوشش کر رہا تھا، مگر وہ مسلسل ناراض تھی، وہ نہیں جانتی کہ اگر خدانخواستہ کوئی سنگین فیصلہ ہو گیا تو سب سے زیادہ نقصان خود اس کا اپنا ہی ہوگا، جو کہ وہ نہیں چاہتی تھیں وہ ایک ماں تھیں، ماں کی نظریں اپنی اولاد کے لیے نہایت زیرک ہوتی ہیں، ڑالے کا مستقبل زرمیل کے ساتھ بہت روشن تھا، جو کہ اپنی
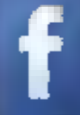
ناراضی و بے وقوفی میں وہ دیکھ نہیں پا رہی تھی، زرمیل بہت شاندار، بہترین شوہر ثابت ہوتا اس کے لیے مگر وہ اسے ایک موقع تو دیتی، مگر کوئی کچھ بھی کر لے انہیں اس بات کا از حد یقین تھا کہ زرمیل، ژالے کو منا لے گا اسے کسی قیمت پر چھوڑے گا نہیں۔

رضا سے چپٹتے ہوئے اس کی نگاہیں اس سمت اچانک اٹھیں، جہاں نجمہ کو گہری سوچ میں غلطاں اپنی سمت بغور دیکھتا ہوا پایا، وہ رضا کو لیے کھڑا ہو گیا اور چلتا ہوا ان کے پاس آ ٹھہرا تھا۔

"السلام علیکم چچی جان!"

"وعلیکم السلام! جیتے رہو"۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیں۔

"ناشتہ کرو گے؟"

"نہیں، نیچے سے ناشتہ کر کے آیا ہوں، میں آفس کے لیے نکل رہا تھا، رضا کی آواز آئی تو اوپر چلا آیا"۔ اس نے گود میں چڑھے رضا کو پیار سے دیکھا تھا۔

"ژالے سے ملے تھے؟" انہوں نے اس کی سرمئی کانچ میں اس کا عکس دیکھا تھا۔

"جی!"

"وہ بہت ناراض ہے تم سے اسے مناؤ گے نہیں؟"

"وہ بہت سخت ناراض ہے مجھ سے، آپ اسے سمجھائیں"۔

"بہت سمجھایا ابھی بھی سمجھایا تو جانتے ہو کیا جواب دیا؟" وہ ایک لمحے کے لیے چپ سی ہو گئیں، زرمیل نے ان کی چپ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"کیا...؟"

"وہ کہتی ہے میں مر جاؤں گی مگر زرمیل کے پاس واپس نہیں جاؤں گی"۔ بولتے وقت چند موتی ٹوٹ کر اپنا اصل کھوتے چلے گئے تھے، ان کی آنکھوں نے جانے کیوں اپنا دکھ اسی شخص کے آگے عیاں کر دیا جو کہ ان کی بیٹی کی ایسی حالت کا ذمہ دار تھا، اس کے ارمانوں کا قاتل اس کے جذبات کو مسخ کرنے کا قصوروار یہی تھا اگر اپنا دکھ اسی شخص کے آگے عیاں کر دیا تو کیوں....؟

"مجھ میں اب حوصلہ نہیں ہے ژالے کو کچھ ہوتا دیکھتے ہوئے میرا صبر، میری برداشت ختم ہو گئی ہے، ژالے بہت بکھر گئی ہے، میں جانتی ہوں وہ گھر بولتی ہے، ہنستی ہے، مسکراتی ہے تو بھی خوشی اس کے چہرے سے ہے، ایسا لگتا ہے اس کا دل مردہ ہو چکا ہے، اس کی آنکھیں پتھرا گئی ہیں، جسے وہ سب سے تو چھپا سکتی ہے مجھ سے اپنی ماں سے نہیں"۔

"میرا ابھی ایمان ہے چچی جان! ژالے چاہے کتنا ہی ناراض و بدگمان سہی، مگر میں اسے اپنی جان دے کر بھی منا لوں گا"۔

"نہیں بیٹا! ایسے نہیں بولتے، تم دونوں خوش و خرم رہو، ایک ساتھ رہو، اس کے علاوہ اس ماں کی کوئی خواہش نہیں ہے، مگر آج میں اپنی اولاد کے آگے بے بس و مجبور ہوں لاچار ہو گئی ہوں"۔ کس قدر ہاری ہوئی ماں لگ رہی تھیں وہ، جس طرح ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے بہت دکھ ہوا تھا زرمیل کو، دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ جائے اور ژالے کے منہ پر دو تھپڑ رکھ کے دے جس کی وجہ سے اس کی اپنی ماں دکھی تھی، رو رہی تھی، مگر نہیں.... کیونکہ نہ تو اب وہ پہلے جیسا والا زرمیل تھا اور نہ ہی وہ پہلے والی ژالے تھی۔

"پلیز چچی جان! مت روئیے، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ اس نے اپنی کوٹ کی جیب سے رومال نکال کر ان کے بہتے آنسو صاف کیے تھے اسی دوران پیچھے سے آسیہ بھی چلی آئیں۔

"تم پھر رو رہی ہو، سمجھایا تھا ناں کہ اب رونا مت"۔ وہ قریب آئیں اور ان کا شانہ تھام لیا، وہ تو پہلے ہی دل برداشتہ ہو رہی تھیں، مزید آسیہ سے لگ کے بکھرتی چلی گئیں۔

"کیا کروں بھابی! ژالے کی ایسی حالت نہیں دیکھی جاتی مجھ سے"۔

"ٹھیک ہو جائے گا سب، تم فکر مت کرو"۔ انہوں نے نجمہ کی پشت سہلائی تھی اور انہیں لیے صوفے پر آ کر بیٹھ گئیں۔

زرمیل نے رضا کو گود سے نیچے اتارا وہ بھاگتا ہوا اپنے کھلونوں کی طرف بڑھا، جو قالین پر بکھرے پڑے تھے، آسیہ، نجمہ کو چپ کروا رہی تھیں، زرمیل کا دل مزید شرمندگیوں کی گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا تھا، وہ اب وہاں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔

"او کے ممی! اب میں آفس کے لیے نکلتا ہوں"۔

"ٹھیک ہے جاؤ! فی امان اللہ!" انہوں نے دعا دی، زرمیل ایک دکھ بھری نگاہ نجمہ پر ڈالتا نیچے کی سمت بڑھا تھا۔ اتنے میں ثمرن بھی کچن سے باہر آگئی ان دونوں کو ایک ساتھ صوفے پر بیٹھا دیکھا وہیں چلی آئی۔

"السلام علیکم خالہ جان!"

"وعلیکم السلام! جیتی رہو، سدا سہاگن رہو"۔ ان کی عادت ایسی ہی تھی، سلام کے ساتھ دعا ضرور دیتی تھیں۔

"ماما! ژالے کے پاس کون ہے؟"

"حرا بیٹھی ہے، مگر ژالے سو رہی ہے"۔

"میں نے سوپ تیار کر لیا ہے، چلیں وہ اٹھے گی تو سوپ پلا کے دوائی دوں گی، چلو رضا! پہلے جب تک آپ کو نہلا دوں، چینج کر دوں"۔ وہ رضا کی طرف بڑھ گئی، جو کھلونوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، اسے گود میں لیا اور اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی۔

"اللہ اس کی سونی گود بھی بھر دے، بہت محبت کرتی ہے رضا سے"۔ نجمہ نے جاتی ہوئی ثمرن کو دیکھا۔

"آمین... اللہ کبھی اپنے بندوں کو مایوس نہیں کرتا، چلو ژالے کے پاس چلتے ہیں"۔ دونوں کھڑی ہو گئیں۔

"اور خبردار جو اب روئیں تو"۔ انہوں نے ہلکا سا ڈانٹا، حالانکہ خود ان کا دل بھی ژالے کے لیے رو رہا تھا۔

"مجھے تو ڈانٹ رہی ہیں خود کو بھی سمجھا لیں"۔ نجمہ نے آسیہ کی بھیگی آنکھیں دیکھیں۔

"ٹھیک ہے ہمیں ژالے کے سامنے نہیں رونا ہے"۔ دونوں بھیگی آنکھوں سمیت مسکرا دیں، اور ژالے کے بیڈ روم کی طرف بڑھیں۔

☆..........☆..........☆

"وانیہ بی بی! آپ کے کپڑے نکال دوں؟" نوری نے وانیہ سے کہا جو بیڈ پر بلینکٹ اوڑھے کروٹ کے بل لیٹی تھی، نوری کی آواز پر رخ بدلا وہ دیکھ چکی تھی کہ وانیہ جاگ رہی ہے۔

"کیوں...؟"

"آج آپ اپنی سہیلی کی منگنی میں جائیں گی ناں؟" نوری نے یاد دہانی کروائی تھی۔
"نہیں، میں نہیں جا رہی ہوں، میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا ہے"۔ اس نے دوبارہ سے کروٹ لے لی تھی۔
"مگر آپ تو کہہ رہی تھیں کہ وہ آپ کی پکی سہیلی ہے"۔
"ہاں، مگر میں پھر بھی نہیں جا رہی ہوں"۔ اس نے بیزاری سے جواب دیا۔
"وانیہ بی بی! آپ کی سہیلی کو برا لگے گا، میں آپ کے ساتھ رہوں گی، کہیں بھی چھوڑ کے نہیں جاؤں گی چاہے کچھ بھی ہو جائے"۔
"اوف ہو.... کتنا بولتی ہو، کیوں بحث کر رہی ہو میرے سے؟ کہا ناں کہ نہیں جانا تو بار بار سوال دہرانے کا مقصد؟" اس نے غصے سے نوری کو بری طرح ڈانٹ دیا تو وہ بے چاری سہم کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔
"کیا بات ہے بھئی! ہمارا بیٹا کیوں خفا ہو رہا ہے؟" ریحان شیخ اس دوران اندر آ چکے تھے، وانیہ ان کی آواز سن کر مڑی اور سہارے کے بل آرام سے بیک کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔
"بابا! یہ نوری ہے جسے آپ نے بلاوجہ میرے سر پر مسلط کیا ہوا ہے"۔ اس نے نوری کو گھورا، جو سر جھکائے مجرموں کی طرح کھڑی تھی، ریحان شیخ نے نوری کو دیکھا پھر وانیہ کو۔
"تو بابا کی جان! اچھا ہے ناں، آپ کو بوریت نہیں ہوگی، خود کو اکیلا محسوس نہیں کرو گی، اچھا خیر! یہ بتاؤ بات کیا ہے، موڈ کیوں آف ہے؟"
"آج سحر کی Engagment ہے"۔
"یہ تو بہت اچھی بات ہے، پھر تو آپ کو ضرور جانا چاہیے، کیونکہ سحر آپ کی بیسٹ فرینڈ ہے"۔
"مگر بابا! میرا ذرا سا بھی دل نہیں چاہ رہا اور اب تو باہر نکلتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے"۔ شاپنگ مال کا قصہ وہ بھولی نہیں تھی۔
"اگر اسی طرح ڈرتی رہو گی تو اس کو اور اس ڈر کو اپنے اوپر حاوی کر لو گی"۔ ان کا اشارہ وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔
"مگر بابا! اس کا جارحانہ سلوک مجھ سے برداشت نہیں ہوتا، وہ شخص ایک نمبر کا جاہل جنگلی انسان ہے"۔
"فکر مت کرو، میں نے اوپر بات کی ہے، وہ سمجھتا ہے کہ یوں ہی آزاد دندناتا پھرے گا، جو دل چاہے کرتا پھرے گا اور کوئی اسے کچھ کہنے والا نہیں، تو پھر تو بہت بڑی خوش فہمی ہے اس کی، ڈی ایس پی ضیاء پتہ کروا رہے ہیں کہ آخر یہ شخص ہے کون، کہاں سے آیا ہے اور کیا چاہتا ہے؟ بہت نقصان کیا ہے اس نے میرا، ایسے تو نہیں بخشوں گا مگر آپ یہ بھی دیکھو کہ کس قدر بزدل ہے کہ میرے سامنے نہیں آ رہا، کب تک.... آخر کب تک نہیں آئے گا؟ جس دن میرے سامنے آ گیا، وہ حشر کروں گا کہ ہزار بار بھی سوچے گا تو کم پڑے گا، صرف ایک بار میرے سامنے آ جائے۔ مجھے اس دن کا شدت سے انتظار ہے"۔ کتنی نفرت تھی ان کے لب و لہجے میں، آنکھیں جیسے شعلے اگل رہی ہوں، وانیہ نے بہت غور سے ریحان شیخ کو دیکھا تھا۔
"بابا! مجھے بھی اس دن کا انتظار ہے، میں بھی چاہتی ہوں کہ اسے سخت سے سخت سزا ملے، آپ ڈی ایس پی انکل سے کہیں کہ وہ جلد از جلد اسے پکڑیں، بابا! مجھے بہت ڈر لگنے لگا ہے وہ بہت تیز ہے، بہت چالاک...!" اس کے نین کٹورے بھیگنے لگے وہ ایسے جال میں پھنس گئی تھی، جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں آ رہا تھا، بس اپنے بابا کی ہی ایک آس سی امید تھی۔
"وہ چاہے کتنا ہی چالاک و شاطر کیوں نہ ہو، مگر میں نے بھی اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا ہے، وہ بچ نہیں پائے گا آپ کے ایک ایک آنسو، ایک ایک تکلیف کا اسے حساب دینا پڑے گا، لیکن اس سے پہلے مجھے فکر آپ کی زیادہ ہے، اس طرح سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے یوں کمرہ بند کیے اندھیرے میں پڑی رہو گی تو بیمار پڑ جاؤ گی"۔
"مگر بابا! میں یہاں خود کو محفوظ سمجھتی ہوں، ایسا لگتا ہے میں باہر نکلی اور وہ جانے کہاں سے آ جائے اور مجھے ہراساں کر دے گا، اپنی الٹی سیدھی بکواس کر کے، مجھے بہت غصہ آتا ہے جب وہ آپ کو بھی کچھ بولتا ہے تو دل چاہتا ہے اس کو شوٹ کر دوں، ٹکڑے ٹکڑے کر دوں"۔
"آپ کی یہ خواہش ضرور پوری ہوگی، لیکن ابھی کوئی فضول ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے، اب سے آپ جہاں بھی جائیں گی، میں خود آپ کے ساتھ چلوں گا، تم ایسا کرو نوری! کہ وانیہ کا کوئی اچھا سا ڈریس نکال کے پریس کر دو، میں بھی تیار ہو کر آتا ہوں"۔ وہ پاس کھڑی نوری کو حکم دیتے ہوئے کھڑے ہو گئے تھے۔
"مگر بابا...!"
"بس اب ایک لفظ اور نہیں، اگر ہمت ہوگی تو میرے سامنے آئے، میں بھی دیکھتا ہوں ایسی کون سی توپ چیز ہے، کچھ نہیں ہوگا میں ہوں آپ کے ساتھ، چلیں کھڑی ہو جائیں، تیار ہو جائیں"۔
"بابا! ایک بات کہوں؟" اس نے اتنی آس سے پوچھا تھا کہ وہ صرف دیکھ کر رہ گئے۔
"ہاں بابا کی جان! کہیں آپ کو اجازت کی کب سے ضرورت پڑ گئی؟"
"ہم یہاں سے بہت دور چلتے ہیں، پاکستان سے باہر کینیڈا شفٹ کر لیتے ہیں"۔ ریحان شیخ سمجھ گئے تھے کہ وہ کس سے بھاگ رہی ہے۔
"ضرور چلیں گے، مگر اس کا انجام دیکھنے کے بعد، میں خود بھی آپ کو یہاں سے لے جانا چاہتا ہوں، وہاں جا کر آپ کا آپریشن کروانا ہے، مگر پہلے اس مسئلے سے نبٹ لوں اوکے؟" انہوں نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا تھا۔
"اوکے...!" وہ تو مسکرا بھی نہ سکی تھی، پھر وہ ورکے نہیں کمرے سے نکلتے چلے گئے تھے، نوری وارڈروب کی سمت بڑھ گئی۔
"یہ والا نکال دوں سوٹ وانیہ بی بی!" نوری نے وہی والا جھمکتا آتشی سوٹ نکالا تھا، جو آفریدی نے زبردستی اس کی گاڑی میں رکھوا دیا تھا۔
"نہیں، یہ واپس رکھ دو، دوسرا نکال دو"۔ اس نے نفرت بھری نگاہ اس سوٹ پر ڈالی اور بیساکھی سائیڈ سے پکڑے اس کے سہارے بیڈ سے نیچے اتری تھی۔
"جی بہتر...!" نوری نے وہ سوٹ واپس ہینگر میں لٹکا کے وارڈروب میں رکھ دیا اور دوسرا نکال کے آئرن اسٹینڈ کی جانب بڑھ گئی۔

(جاری ہے......)

☆..........☆..........☆

مکمل ناول

وہ نہا کر نکلی تھی، دھانی جارجٹ کے لمبر ایمبرائیڈری سوٹ میں اس کی شہابی رنگت بہت کھل رہی تھی، بڑی مشکل سے جلدی جلدی سیاہ ریشمی بال سلجھائے تھے، گیلے ہونے کی وجہ سے پشت پر ہی چھوڑ دیئے تھے، کہ اس کو

جانے کی زیادہ جلدی تھی وہ عارفین کے آنے سے پہلے پہلے نیچے بھاگ جانا چاہتی تھی ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا اس کے آنے میں، آج کل اس کی بے باک نگاہوں سے ذومعنی باتوں سے وہ ڈرنے لگی تھی، جلدی سے اس نے ایک کلائی میں گولڈ کی چھ چوڑیاں پہنیں اور دوسری کلائی میں سرخ و گرین کامدانی چوڑیاں بھرلیں اس کی دونوں مرمریں کلائیاں سج گئی تھیں، یہ سب فی الحال ضروری تھا کیونکہ گھر میں کوئی نہیں جانتا تھا کہ ان دونوں کے مابین کیا چل رہا ہے، گلے میں چین لاکٹ ڈالا کانوں میں گولڈ کی جھمکیاں دونوں ہاتھوں کی ایک ایک انگلی میں گولڈ کی رنگ پہنی، کل رابعہ نے سختی سے تنبیہ کردی تھی کہ یہ سب تمہیں پہننا ہے، نئی دلہن ہو اور ہمارے یہاں نئی دلہن اس طرح نہیں رہتی برا سمجھا جاتا ہے، شوہر کو برا بولا جاتا ہے، اس نے مجبوراً یہ سب نہ چاہتے ہوئے بھی پہنا تھا، جب وہ مکمل تیار ہوگئی تو خود کو قد آور آئینے میں دیکھا، مگر یہ کیا آئینے میں اس کے بالکل پیچھے ایک عکس اور نمودار ہوگیا تھا، اس کی تو جیسے جان ہی نکل گئی تھی، سب سے پہلے اسے اپنے دوپٹے کا خیال آیا تھا، جو کہ وہیں پاس پڑا تھا، وہ مڑی نہیں تھی، ایسے ہی ساکت و جامد کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی، عارفین آہستہ آہستہ

تیزی سے اپنا دوپٹہ اٹھایا اچھی طرح سر پر اوڑھے باہر نکل گئی تھی۔

وہ کمرہ سمیٹ رہی تھی، وہ کچھ دیر پہلے ثرالے کے پاس سے آئی تھی، آج تو اپنا کمرہ بھی صاف کرنے کی مہلت نہیں ملی تھی، اس قدر مصروفیت رہی تھی، رضا کے میلے کپڑے واش روم میں ٹب میں ڈالے اس کے بکھرے کھلونے اس کے باکس میں ڈالے بیڈ شیٹ چینج کی صفائی ستھرائی کرنے کے بعد اب نہانے کے لیے وارڈ روب سے اپنے لیے اچھا سا کاٹن کا سوٹ نکالا، آج صبح سے حالت خراب ہوگئی تھی خود کو آئینے میں دیکھنے تک کی فرصت نہیں ملی تھی، کپڑے ملگجے، بال بھی ایسے ہو رہے تھے جیسے دو دن سے نہیں باندھے ہوں، صبح سے منہ بھی ایک ہی بار دھویا تھا، ارشد کو تو سخت ناپسند تھی اس کی ایسی حالت، ایک دفعہ ایسی ہی حالت ہو رہی تھی اس کی تو اسے اچھی طرح یاد ہے کہ ارشد نے اتنی بری طرح ڈانٹا تھا کہ وہ بھی اسے ایسی حالت میں آئندہ نہ نظر آئے، وہ دن تھا اس کے بعد سے ہمیشہ اس نے احتیاط کر لی تھی ارشد نہایت صفائی پسند تھے ذرا سی گرد ان کے مزاج پر گراں گزرتی تھی، گندہ کمرہ، میلی بیوی سے اسے سخت چڑ تھی، اپنا کمرہ ہی کیا ثمرن نے تو اپنا پورا پورشن شیشے کی طرح چمکایا ہوا تھا، جو آتا اس کے سگھڑاپے کی تعریف کیے بنا نہیں رہتا تھا، ہر کام میں وہ طاق تھی، گھر کا کون سا ایسا کام تھا جو اسے نہیں آتا تھا، کچن میں ہوتی تو ایک سے ایک ذائقے دار ڈشز بنا کے کھلاتی کہ پیٹ بھر جائے مگر نیت نہیں بھرتی تھی، کیونکہ وہ ایک مکمل ہاؤس وائف تھی کسی شے کی کمی نہیں تھی، اسے ساس کا پیار، نند کی محبت شوہر کی چاہ ان سب سے مالا مال تھی بس ذرا ارشد غصے کے تیز تھے، جس سے وہ ذرا خائف سی رہتی ورنہ کوئی کمی نہیں تھی ایک کمی ضرور اس میں رہ گئی تھی، گیارہ سال ہوگئے تھے ان کی شادی کو مگر اس کی گود سونی تھی مگر اس گھر کے کسی بھی فرد نے اسے اولاد کا طعنہ تو دور کی بات کبھی احساس تک ہونے نہیں دیا تھا، اس کی بے اولادی کا ثمرن نے خود بھی صبر کرلیا تھا اپنے دل کو بہلا لیا تھا کہ یقیناً اللہ کی کوئی بہتری ہوگی کوئی مصلحت ہوگی، جو اب تک اولاد کی نعمت سے محروم تھی، مگر اس نے اپنی یہ محرومی رضا سے پوری کرلی تھی، اس کا ہر کام وہ اپنے ہاتھوں سے کرتی تھی، صبح سے رات گئے تک وہ اس سے ہی لگا رہتا تھا، صرف سونے ثرالے کے پاس جاتا تھا، مگر آج کل وہ بھی نہیں جا رہا تھا، ثمرن اپنے پاس ہی سلا رہی تھی۔ ان ہی سوچوں میں غلطاں بیڈ سے اپنے کپڑے اٹھائے ہی تھے کہ ارشد آ گیا اس نے مڑ کے پیچھے دیکھا تھا۔

"آپ جلدی آ گئے؟" اس نے گھڑی دیکھی آٹھ بج رہے تھے ورنہ ارشد نے کہا تھا کہ گیارہ بج سکتے ہیں۔

"ہاں میٹنگ سے اور آفس ورک سے جلدی فارغ ہوگیا تھا، مگر ابھی دس بجے کی فلائٹ سے نیو دہلی کے لیے نکلنا ہے، تم یوں کرو میرا سامان پیک کردو۔" ارشد نے اس کو اپنا بریف کیس تھما کر کوٹ اتار کر دیا، پھر نائی کی ناٹ ڈھیلی کی تھی کہ اسی پل ثمرن پر اس کی نظر ٹھہر کر رہ گئی۔

"یہ تم نے اپنی حالت کیا بنائی ہوئی ہے۔" اس نے اوپر سے نیچے تک اس کا بگڑا سراپا دیکھا۔

"جی..... اصل آج کام میں اس قدر مصروف رہی کہ خیال ہی نہیں رہا خود کا۔" وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

"کام کا بہانہ چاہے تم پر کتنا ہی کیوں نہ ہو، مگر یہ میری لاسٹ وارننگ ہے کہ آئندہ اس حلیے میں مجھے نظر نہ آنا اور اب جاؤ پہلے اپنا حلیہ درست کرو پھر میرا بیگ پیک کرنا، میں جب تک ثرالے کے پاس جا رہا ہوں۔"

ایک تیز نگاہ اس کے بگڑے حلیے پر ڈالتا کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا تھا۔

وہ ثرالے کے بیڈ روم میں داخل ہوا جہاں نجمہ، سلیم احمد بیٹھے تھے انہیں سلام کرتا وہ ثرالے کے بیڈ کے پاس [illegible] آ بیٹھا تھا۔

چلتا ہوا بالکل اس کے پیچھے نزدیک آ کر ٹھہر گیا تھا، اس کا معصوم دلکش چہرہ آئینے میں سے دیکھ رہا تھا، جس کی پلکوں کی گھنیری باڑ سجدہ ریز تھی ہونٹوں کو دانتوں سے بار بار کچل رہی تھی اور انگلیاں آپس میں پیوست کیے تھی اس کی گھبراہٹ بہت واضح تھی، دل کی تیز دھڑکتی دھڑکنوں کا شور وہ با آسانی سن رہا تھا، وہ مسکرا دیا اور چہرہ ذرا سا اس کے کانوں پر جھکا دیا۔

"اگر اتنا حسین استقبال میرے لیے ہے تو شکریہ۔" دھیمی سی سرگوشی کوئی افسانہ سنا رہی تھی اس کی پلکیں پھر بھی نہیں اٹھی تھیں، بلکہ اس کی دھیمی سرگوشی پر لرز کر رہ گئی تھیں عارفین نے ہاتھ بڑھا کے اس کی ٹھوڑی اپنی انگشت شہادت سے اوپر کو اٹھائی اس نے سیاہ آنکھیں اوپر کو اٹھائیں، وہ عکس بہت نزدیک تھا اتنا کہ ایک انچ بھر کا فاصلہ بھی ختم ہوگیا تھا عارفین نے اس کے دونوں شانوں کو پکڑ کے اس کا رخ اپنی سمت کیا تھا، وہ اس پل بہت حسین لگ رہی تھی، ہونٹوں کو دانتوں سے دبانے سے اس کے گالوں کے ڈمپل گہرے ہونے لگے تھے، اس کی گھنیری پلکیں اندر کی ادھم پھیل کی کہانی سنا رہی تھیں اور جو سب سے خوبصورت منظر اس کا دل لوٹ کر لے گیا تھا، اس کے لمبے گھنے سلکی نم بال جس کی کچھ چھوٹی چھوٹی لٹیں اس کے سرخ و سفید رخسار کو چھو رہی تھیں، عارفین نے یہ منظر بہت دلچسپی سے دیکھا تھا، بے اختیار اس کا ہاتھ بڑھا تھا اس کی چھیڑتی لٹوں پر بڑا ارادہ ہی اپنی مضبوط ہتھیلیوں کے پیالے میں اس کا سندر مکھڑا بھر لیا تھا، معصوم کی تو جیسے جان مزید مشکل میں پڑ گئی تھی، اس نے کسی بھی پل سوہی کی یاد سے خود کو نہیں چھڑایا تھا اور یہی امید اس نے عارفین سے لگائی تھی، وہ امانت میں خیانت کا تصور کیسے کرلیتی سوہی سے بے ایمانی اس کی ذات کے لیے گناہ تھی، اور دل و دماغ کی بات زبان پر آ ہی گئی۔

"آ.....آپ..... اس طرح مت کریں یہ سوہی کے ساتھ ناانصافی ہے۔" بمشکل وہ بول پائی، عارفین جس کی آنکھوں میں سرور کا نشہ ہلکورے لے رہا تھا، معصوم پر اپنا حق سمجھ کر اس کی سمت بڑھا تھا، دل بے اختیار ہی اسے پیار کرنے کو بہکنے لگا تھا سب کچھ بھول کر، سارے بندھن توڑ کے اس کی طرف بڑھا تھا، وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی دیوانگی اس کا جنون معصوم کے لیے بڑھتا جا رہا ہے، وہ جتنا اس سے دور بھاگنے کی کوشش کرتی دل مزید اس کی سمت کھنچتا چلا جاتا تھا، اس کی قربت و فرقت کی چاہ روز بروز دو چند ہوتی جا رہی تھی، مگر وہ تو اس کی بے قراریوں اس کے جنون اس کی دیوانگی سے انجان بھاگتی جا رہی تھی، صرف اس کا یہ ایک جملہ اس کے سارے جذبات و احساسات پر اس کی بے قراریوں پر بند باندھ گیا تھا، اس نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا تھا، جہاں بے بسی تھی اپنی بے قراریوں میں وہ دیکھ ہی نہیں پایا کہ خود کو چھڑانے کی وہ مزاحمت کر رہی تھی، اس کی سیاہ کٹورا آنکھیں نمی سے بھرنے لگی تھیں، ضبط کی آخری منزل پر تھی وہ۔ عارفین جتنا خود کو برا بھلا بولتا کم تھا کہ اس نازک جان کو جو اس کی رگ جان بن گئی تھی کتنی مشکل میں ڈال دیا تھا۔

"سوری..... اپنا وعدہ بھول گیا تھا اپنے دل کو تمہاری طرف بڑھنے سے روک نہیں پایا، لیکن نیکسٹ ٹائم احتیاط ہوگی۔" اس نے اپنے ہاتھوں کو اس کے چہرے سے پیچھے کیا اور دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔

"مگر ایک بات کیوں کہ آپ شکریہ ادا کریں میرا، اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو محترمہ آپ بچ نہیں سکتی تھیں، یہ دل بہت کمزور ہوتا ہے اسے صرف چاہ چاہیے ہوتی ہے اور آپ جیسی حسین ترین بیوی سے کون کافر اپنی نظریں چرائے گا مگر یہ گناہ بھی ہم نے اپنے سر لے لیا ہے۔" ذو معنی بات کہہ کر اس نے ایک بھرپور نگاہ اس پر ڈالی اور پلٹ کر بغیر کچھ اور کہے واش روم میں گھس گیا۔ اس کے جانے کے بعد بغیر اس کی بات کو سمجھے معصوم نے

''کیسی ہے میری گڑیا؟'' اس نے نرم لہجے میں بولتے ہوئے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تھا۔

''جی پہلے سے بہتر ہوں''۔ وہ مسکرادی تھی۔

''درد وغیرہ تو نہیں ہے اب؟''

''نہیں...!''

''اوکے... کچھ کھاؤ گی اگر بازار سے کھانا ہے تو ابھی منگوا دیتا ہوں، اور اگر کوئی اور فرمائش ہے تو گھر میں ہی بنوا دیتا ہوں''۔

''نہیں ارشد بھائی! ثمرن بھابی نے ابھی مجھے سوپ پلایا ہے۔ کسی چیز کا کھانے کا دل نہیں چاہ رہا ہے''۔ اس نے جان نثار ہوتی نظروں سے اپنے بھائی کو دیکھا تھا۔

''چلو جیسی تمہاری مرضی ویسے آج میری ڈاکٹرز سے بات ہوئی ہے، ساری رپورٹس اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہیں یہ پلاسٹر بھی کل تک اتر جائے گا''۔

''جی ارشد بھائی! پلیز یہ پلاسٹر سب سے پہلے اتروا دیجیے ایسا لگتا ہے اپاہج ہوگئی ہوں میں''۔

''خدا نہ کرے ژالے! کیا اول فول بول رہی ہو''۔ نجمہ نے جھٹ سے اسے ڈانٹ دیا تھا۔

''بالکل ٹھیک ڈانٹ پڑی ہے، ایسے نہیں بولتے گڑیا! ایک دو دن میں یہ پلاسٹر اتر جائے گا''۔ ارشد نے نرمی سے دیکھتے ہوئے مسکرا کے کہا۔

''ارشد بھائی! اس بیڈ پر لیٹے لیٹے بیزار آگئی ہوں''۔

''کچھ دن کی تو بات ہے ٹھیک ہو جاؤ گی''۔

''اور بیٹا! آپ کی بہتری کے لیے تو ڈاکٹر نے پلاسٹر باندھا ہے''۔ سلیم احمد نے کہا انہیں بھی احساس تھا کہ ژالے بیزار ہوگئی تھی ورنہ وہ ٹکنے والی کہاں تھی۔

''اور کیا بس تھوڑا اور صبر کرلو اور ویسے بھی میری گڑیا تو بہت بہادر ہے''۔ اس نے پیار سے سمجھایا، نجمہ اور سلیم احمد ان دونوں بہن بھائی کی محبت دیکھ کر مسکرا دیے۔

''اچھا ارشد! کب تک نکلو گے؟'' سلیم احمد کو اچانک یاد آیا تھا، ورنہ ژالے کے چکر میں بھول گئے تھے۔

''دس بجے کی فلائٹ ہے پاپا! بس فریش ہو کر کھانا کھا کے نکلتا ہوں''۔

''کہیں جا رہے ہو ارشد؟'' نجمہ نے پوچھا۔

''جی ماما! نیروبی جانا ہے، فیکٹری کے لیے کچھ مشینری دیکھنی تھی اسی سلسلے میں جانا ہے''۔

''پھر واپسی کب تک ہوگی؟''

''ایک ہفتہ بھی لگ سکتا ہے اور پندرہ دن بھی''۔

''بھائی صاحب نے بتایا کب تک جوائن کریں گے تمہیں؟'' سلیم احمد کی آج نعیم احمد سے ملاقات نہیں ہوئی تھی آفس میں۔

''جی تایا جان نے کہا ہے کہ دو ایک دن میں وہاں آجائیں گے، کیونکہ اگر ہم مشین خرید لیتے ہیں تو ان کے دستخط تو لازمی ہونے چاہئیں''۔ اس کی پوری توجہ سلیم احمد پر مرکوز تھی۔

''ارشد! تم ثمرن کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ جانے وہاں کیا کھاؤ گے کیسے خود کی دیکھ بھال کرو گے، مجھے فکر رہے گی تمہاری''۔

''نہیں ماما! ژالے کی ابھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ہاں اگر نیکسٹ ٹائم گیا تو لے جاؤں گا ویسے بھی آپ کی بہو ہر دفعہ میرے ساتھ جاتی ہے، اس بار نہیں جائے گی''۔ ارشد بولتے بولتے مسکرا دیا۔

''ارشد بھائی! آپ میری فکر مت کریں میں اب پہلے سے بہت بہتر ہوں، آپ ثمرن بھابی کو بھی اپنے ساتھ لے کر جائیں، کیونکہ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ آپ کا خود کا بھی دل ان کے بغیر نہیں لگے گا''۔ ژالے نے شرارتی نظروں سے اپنے چہیتے بھائی کو دیکھا۔

''چلو تمہاری بات مان لی تو پھر تمہاری بھابی کو کون منائے گا؟'' ارشد نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور کمرے میں ثمرن کو آتے بھی دیکھ لیا تھا۔

''میں نے آپ کا سامان پیک کروا کے گاڑی میں رکھوا دیا ہے، کپڑے بھی واش روم میں لٹکا دیے ہیں آپ فریش ہو جائیے پھر کھانا گرم کرکے لگاتی ہوں''۔ ثمرن، ژالے کے پاس بیٹھ گئی۔

''ثمرن بیٹا! تم بھی اپنا سامان پیک کرلو ارشد کے ساتھ تم بھی جا رہی ہو''۔ نجمہ نے نرمی سے کہا۔

''نہیں ماما! میں معذرت چاہتی ہوں، آپ کی بات نہیں مان سکتی کیونکہ ژالے کو اس حالت میں چھوڑ کے کہیں نہیں جا سکتی ہوں''۔

''لیکن ہم سب ہیں ناں ژالے کے پاس دیکھ لیں گے''۔

''نہیں ماما! میرا دل بالکل نہیں لگے گا پورا دھیان ژالے میں ہی اٹکا رہے گا''۔ اس نے ژالے کا ہاتھ پکڑ کے اسے مسکرا کے دیکھا تھا۔

''ثمرن بھابی! میں ٹھیک ہوں آپ چلی جائیے''۔

''نہیں جب تک تم بالکل ٹھیک نہیں ہو جاتی ہو، میں کہیں نہیں جا رہی ہوں تمہیں چھوڑ کے''۔

''اب تم خود ہی دیکھ لو تمہاری بھابی کو ہم سے زیادہ تمہارا خیال ہے''۔ ارشد نے پیار سے اس کا نکھرا نکھرا چہرہ دیکھا تھا، یہ وہ چہرہ تھا جو دل کے ایوانوں پر چمکتا تھا، بہت محبت کرتا تھا وہ ثمرن سے مگر یہ پہلا موقع تھا جو وہ اس کے بغیر جا رہا تھا، جہاں بھی گیا ہمیشہ اسے اپنے ساتھ لے کر گیا، اسی لیے تو آج گیارہ سال میں ایک بھی دفعہ اس کی خالہ، خالو کے گھر اسے ایک رات بھی رکنے نہیں دیا تھا۔

''لیکن میں پھر بھی مناؤں گی''۔ ژالے کو بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا، ارشد کا یوں اکیلا جانا دیکھ کر ورنہ جب بھی ارشد ملک سے یا شہر سے باہر گیا ثمرن کو اپنے ساتھ لے کر ہی گیا تھا۔

''رہنے دو ژالے بیٹا! ثمرن بھی نہیں جانا چاہتی ہے تو ضد مت کرو''۔ سلیم احمد نے شفقت سے دونوں کو دیکھا تھا۔

''مگر پاپا! مجھے اچھا نہیں لگ رہا، ارشد بھائی کا اکیلا جانا''۔

''بس اب اگر ایک لفظ اور کہا تو پٹنے والی بات ہوگی''۔ ثمرن نے بالآخر ہلکا سا اسے ڈانٹ دیا۔

''کیوں بھائی ہو میری بھی ڈانٹ پڑے''۔ ارشد نے جس مسکینی کی صورت بنائی تھی ژالے مسکرا دی، جبکہ ثمرن اس کا اشارہ سمجھ کر بری طرح جھینپ کر کھڑی ہوگئی تھی۔

''آپ فریش ہو جائیے میں جب تک کھانا گرم کرکے لگواتی ہوں''۔ ثمرن نے ارشد کو بغور دیکھا جو آج کافی عرصے بعد اچھے موڈ میں لگ رہا تھا، ورنہ جب سے ژالے کی شادی ہوئی تھی زوہیل اسے چھوڑ کے گیا تھا، پھر ژالے کا بکھرنا، رونا، تڑپنا ان سب حالات نے اسے بالکل بدل کر رکھ دیا تھا، کبھی کبھی تو اس کے غصے کی ز

میں آجاتی تھی۔

"چلو بھئی! ہماری ہوم منسٹر نے آرڈر دے دیا ہے، جس کی حکم عدولی ناممکن ہے"۔ ارشد نے دلچسپی سے اسے دیکھا نجمہ نے پیار سے اپنے بیٹے، بہو کو دیکھا تھا اور دل سے دونوں کو دعا دی تھی ارشد کو بھی کافی عرصے بعد وہ اس کے پرانے روپ میں دیکھ رہی تھیں اور خوش ہو رہی تھیں۔

"بیٹا! ذرا کتنے خوش ہیں، دیکھیں ثمرن بھابی! ارشد بھائی گوریوں کے ملک جا رہے ہیں، وہ بھی آپ کے بغیر یقیناً کچھ تو دال میں کالا ہے"۔ ژالے کی پوری کوشش تھی ثمرن کو چھیڑنے کی۔

"ارے... رے بدتمیز لڑاکا بلی ہو میری بیوی کے دل میں شک ڈال رہی ہو"۔ ارشد نے مصنوعی گھورا تھا، جس کا ژالے پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"جی نہیں یقیناً کوئی تو بات ہے، ورنہ آپ کبھی ثمرن بھابی کے بغیر جاتے نہیں تھے"۔

"اچھا ہے ناں تھوڑی سی آزادی ملے گی، بلکہ میں تو سوچ رہا ہوں ایک آدھ افیئر چلا کے آؤں"۔ ارشد آج فل موڈ میں تھا ثمرن نے حیرانی بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا، جس کے ہونٹوں پر جاندار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"آپ اسی طرح حیران ہوتی رہیے گا، اور ارشد بھائی ہواؤں میں اڑتے جا رہے ہیں، مجھے کہہ رہے ہیں کہ شک ڈال رہی ہوں اور خود اپنے دل کی باتیں کر رہے ہیں، وہ تنکے میں لکھا جا رہا ہوگا ناں"۔ نجمہ، سلیم احمد جانتے تھے کہ وہ مذاق کر رہا تھا صرف ژالے اور ثمرن کو چھیڑ رہا تھا، وہ ان کی باتوں سے مسکرانے کے ساتھ ساتھ لطف اندوز بھی ہو رہے تھے۔

"تم لوگ باتیں کرو، میں بھی اب آرام کروں گا"۔ سلیم احمد اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے تھے، پھر ارشد کو مخاطب کیا۔

"ارشد! اگر کہو تو میں ایئرپورٹ تک چھوڑنے چلوں؟"

"ارے نہیں پاپا! میں چلا جاؤں گا، ڈرائیور چھوڑ آئے گا آپ آرام کر لیجیے، تھک بھی گئے ہوں گے"۔ ارشد کو ان کی تھکن کا خیال تھا۔

"چلو جیسا تم بہتر سمجھو، اوکے بیٹا! پھر میری طرف سے گڈ نائٹ"۔ وہ ژالے کے پاس آئے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"اوکے پاپا! گڈ نائٹ!"۔ ژالے دھیرے سے مسکرا دی۔

"میں بھی چلوں آپ کو ایک کپ گرم کافی دوں پھر واپس آتی ہوں"۔ نجمہ بھی کھڑی ہو گئیں اسی اثنا میں مقسوم بھی وہاں چلی آئی، سب کو سلام کیا اور ژالے کے پاس آ بیٹھی۔

"بیٹا! آپ یہاں ژالے کے پاس ہو؟" انہوں نے مقسوم سے پوچھا۔

"جی ممانی جان! آپ بے فکر ہو کر جائیے، میں صبح تک ژالے کے پاس ہوں"۔ اس نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا، نجمہ نے اس کی مسکراہٹ کا جواب دیا اور سلیم احمد کے پیچھے پیچھے چل دیں۔

"تو پھر کیا سوچا ثمرن بھابی! آپ نے، دیکھیں آخری بار سوچ لیں، ارشد بھائی آپ کا پلو چھڑا کے بھاگ رہے ہیں"۔ ژالے نے بات کو وہیں سے پکڑا جہاں سے اسٹاپ کر دیا تھا۔

"سب سمجھ رہی ہوں تمہارا ارادہ بھی اور تمہارے بھائی کا ارادہ بھی، مگر میں پھر بھی کسی صورت نہیں جاؤں گی

ہوں، اور اس سے پہلے کہ ٹائم ضائع کروں میں ہی چلی جاتی ہوں"۔ ان دونوں پر ایک نظر ڈالتی وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔

"سوری ارشد بھائی! آپ کو اکیلے ہی جانا پڑے گا"۔ ژالے نے اتنی معصومیت سے کہا کہ وہ زور سے ہنس دیا تھا اور ہلکے سے اس کے سر پر چپت لگا دی۔

"بے وقوف تم جانتی ہو ناں کہ ثمرن تمہیں کس قدر چاہتی ہے، میں جانتا تھا کہ وہ کبھی بھی تمہیں اس حالت میں چھوڑ کے نہیں جائے گی"۔

"مگر ارشد بھائی! مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا پھر آپ کا خود کا دل بھی تو نہیں لگے گا"۔

"کوئی بات نہیں نیکسٹ ٹائم، مگر ہاں تمہاری دوسری بات پر ضرور غور کیا جا سکتا ہے"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"کون سی بات...؟" وہ ناسمجھی کی کیفیت میں اسے دیکھنے لگی۔

"ارے دل لگانے والی، وہاں ایک آدھ افیئر چلا کر دل لگایا جا سکتا ہے"۔

"ارشد بھائی...!" وہ اپنی سبز آنکھیں پھیلا کر دھیرے سے چیخی۔

"ارے یار! مذاق کر رہا ہوں بھلا تمہاری بھابی سے بھی زیادہ کوئی اچھا ہو سکتا ہے"۔ وہ ہلکے سے ہنس دیا۔

"چلو اب ایسا ہے تم آرام کرو، میں بھی فریش ہو کر نکلوں گا"۔ وہ کھڑا ہو گیا۔

"ٹھیک ہے فی امان اللہ!" اس نے مسکرا کے دعا دی۔

"اللہ حافظ!" ارشد نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور باہر نکل گیا تھا۔

مقسوم جتنی حیران ہوتی کم تھا، وہ پہلی بار ارشد کو یوں ہنستا ہوا دیکھ رہی تھی بلکہ مذاق کرتا ہوا دیکھ رہی تھی، ورنہ ارشد کو جب بھی دیکھا سخت انداز میں ہی دیکھا، چہرے پر معمولی سی مسکراہٹ تک نہیں دیکھی تھی۔

"ارشد بھائی کو مسکرانا بھی آتا ہے"۔ دل کا سوال زبان تک آ ہی گیا حیرانگی بھری آنکھیں ژالے پر تھیں، ژالے نے مقسوم کو دیکھا، ژالے نے ایک سرد سانس کھینچی۔

"پہلے ارشد بھائی ایسے نہیں تھے، بہت ہنس مکھ تھے، ہر وقت مجھے چھیڑتے اور ماما پاپا سے ڈانٹ کھاتے تھے لیکن میری شادی کے بعد سے بہت بدل گئے ہیں، بہت ریزرو ہو گئے ہیں جانتی ہیں ان کا غصہ شروع سے ہی بہت زیادہ ہے، ہمارے گھر دو لوگوں کا ہی تو غصہ بہت تیز اور خطرناک ہے ایک ارشد بھائی کا اور ایک زرمیل کا، مجھے ان دونوں کے غصے سے بہت ڈر لگتا ہے"۔

"تم زرمیل بھائی سے بھی ڈرتی ہو؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا تھا، کیونکہ وہ تین دفعہ کی ملاقات میں خود اس کے سامنے بھی ہو چکی تھی، جس سے کہیں سے بھی نہیں لگتا تھا کہ وہ زرمیل سے ڈرتی ہوگی، کچھ پل تو ژالے چپ رہی مگر پھر جواب بھی دیا تھا۔

"ہاں! پہلے ڈرتی تھی مگر اب نہیں، مجھے ان سے بالکل بھی ڈر نہیں لگتا، میرے دل میں ان کے لیے پہلے جو عزت و احترام تھا، وہ سب نفرت میں بدل چکا ہے، میں ان سے شدید نفرت کرتی ہوں، ان کا چہرہ دیکھنا بھی گناہ سمجھتی ہوں"۔ ان سبز آنکھوں میں ایک دکھ ہلکورے لے رہا تھا، ساتھ نفرت کی دہکتی چنگاری بھی تھی اور یہ سب صرف ایک شخص کی وجہ سے تھا، زرمیل احمر کی وجہ سے۔

مقسوم کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے ژالے کے زخم ادھیڑ دیے ہوں، اس کے چہرے پر دکھ و کرب اور

تکلیف کے سائے گہرے ہونے لگے تھے۔ معصوم کو بہت افسوس ہوا تھا۔

''آئی ایم سوری تزالے! مجھے زرمیل بھائی کا ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا''۔ تزالے نے نمی بھری آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

''نہیں کوئی بات نہیں، اچھا خیر چھوڑیں اس فضول ذکر کو، آپ یہ بتائیے کہ کل پوری رات آپ یہاں کیوں تھیں؟'' اس نے اپنا موڈ اتنی تیزی سے بدلا کہ معصوم دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی، ایسا لگا جیسے آنسوؤں کا ایک گولا اس نے اپنے حلق کے اندر ہی اتار لیا ہو۔

''کیوں مجھے نہیں ہونا چاہیے تھا، میں تو آج رات بھی تمہارے پاس رک رہی ہوں، بلکہ جب تک تم ٹھیک نہیں ہو جاتی ہو میں تمہارے پاس ہی رکنے والی ہوں''۔ معصوم کو تو ویسے بھی کسی کے پرسنل میٹر میں انوالو ہونے کی عادت نہیں تھی، اس نے تزالے سے مزید کچھ نہ کہا بلکہ اس کے اس طرح اتنی جلدی بدلنے پر حیران ضرور ہوئی تھی، مگر خود کو بھی اس کے موڈ کے مطابق ڈھال لیا تھا۔

''کیوں بے چارے عارفین بھائی پر ظلم کر رہی ہیں؟'' معصوم کچھ نہیں بولی، دھیرے سے مسکرا دی، چہرہ نیچے کیے۔ ثمرن کھانا کمرے میں ہی لے آئی تھی، اتنی دیر میں ارشد بھی واش روم سے نکل کر آ گیا تھا، آئینے کے سامنے کھڑا خود پر پرفیوم چھڑکا پھر وہاں صوفے پر آ کر بیٹھ گیا، جہاں ثمرن ان کا انتظار کر رہی تھی۔

''کیا بنا ہے آج؟'' اس نے پلیٹ آگے کھسکائی اپنے۔

''آج اگر پتہ ہوتا کہ آپ گھر پہ ہی کھانا کھائیں گے تو کچھ اسپیشل بنا لیتی، مگر ماما اور میرا دل آج دال، چاول کے ساتھ شامی کباب کھانے کو چاہ رہا تھا''۔

''چلو یہ بھی اچھا ہے، تم تو جانتی ہو کہ مجھے کھانے میں نخرے بالکل پسند نہیں ہیں''۔ اس نے مسکراتے ہوئے پلیٹ میں چاول نکالے تھوڑی سی دال ڈال کر اس پر شامی کباب رکھ لیا، ثمرن نے پانی کا گلاس بھر کے اس کے آگے رکھ دیا۔

''اگر ٹائم ہے تو ایک کپ چائے یا کافی بنا دوں؟''

''ارے نہیں یار رہنے دو''۔ اس نے کھانا ختم کر کے پلیٹ رکھی پانی پی کر کھڑا ہو گیا، ثمرن بھی کھڑی ہو گئی تھی، ارشد نے ثمرن کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''چلو گی تو چلو میں بہت دور جا رہا ہوں، ہفتہ بھی لگ سکتا ہے اور چند دن بھی''۔

''نہیں میں ضرور چلتی اگر تزالے ٹھیک ہوتی تو''۔ ارشد نے بغور اس کا چہرہ دیکھا، ثمرن اس کے اس طرح غور سے دیکھنے پر جھینپ کر رہ گئی، آج کتنے عرصے بعد اس کا وہی پرانا والا روپ تھا وہی ارشد جو جانے کہاں کھو گیا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟''

''سوچ رہا ہوں دن تو کام میں گزر جائے گا مگر رات کا کیا کروں گا؟ وہ کیسے کٹے گی تمہارے بغیر سونے کی عادت نہیں ہے''۔

''آپ تو بس... گیارہ سال ہو گئے ہیں ہماری شادی کو مگر آج بھی ایسے ہی ہیں، جیسے شادی کے پہلے دن تھے''۔ ثمرن نے بنس ہو کر اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر بے کار رہا۔

''اور کیا وہ سوسال بھی ہو جائیں گے جب بھی میں ایسا ہی رہوں گا، یہ لو کیا کر لو گی؟'' اس نے جو ہاتھ کھینچا وہ اپنا توازن برقرار رکھ پائی سیدھا اس کے وسیع و عریض سینے سے آ لگی تھی۔

''ارشد! کیا کر رہے ہیں، آپ کو دیر ہو رہی ہے جاتے جاتے بھی ٹائم لگ جائے گا''۔

''لگتا ہے اپنی بات پر عمل کرنا ہی پڑے گا، کیونکہ ہماری بیگم تو ہمیں کوئی رسپانس ہی نہیں دے رہی ہیں''۔

''کون سی بات؟'' ثمرن نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''وہی انجیکشن والی...!'' اب وہ جان کر اسے چھیڑ رہا تھا جسے وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔

''ٹھیک ہے کر لیں پھر دیکھیے گا میں کیا کرتی ہوں''۔

''اچھا... کیا کرو گی؟''

''جان سے مار دوں گی''۔

''کسے...؟'' ارشد نے اس کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھا۔

''آپ دونوں کو''۔ اس نے جھٹ سے خود کو اس سے چھڑا لیا تھا۔

''اور آج کے لیے اتنی باتیں بنانی کافی ہیں، پھر آ کر کر لیجیے گا''۔ حالانکہ دل اندر سے بہت خوش ہو رہا تھا ارشد کو اپنے پرانے انداز میں دیکھ کر دل تو یہی راگ الاپ رہا تھا کہ وہ یوں ہی باتیں کرتا رہے اسے چھیڑتا رہے، وقت ٹھہر جائے پل تھم جائیں مگر مجبوری تھی اسے جانا تھا، ارشد نے بہت جاندار قہقہہ لگایا تھا۔

''اس کا مطلب ہے ثمرن بیگم! اپنے شوہر نامدار ارشد احمر سے بیزار آ گئی ہیں''۔ وہ ستانے سے باز نہیں آ رہا تھا۔

''اللہ نہ کرے ارشد! آپ ایسا کیوں بول رہے ہیں جس دن یہ سوچ میرے تصور میں بھی آئے وہ دن وہ پل وہ سانس میری آخری سانس ہو، مجھے اگلی سانس نصیب نہ ہو''۔

''ثمرن...!'' ارشد نے بے ساختہ اس کے بجتے لبوں پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''پاگل ہوئی ہو جو مجھے ایسی بددعا دی ہے تم نے''۔

''میں ارشد! میں نے آپ کو نہیں خود کو بددعا دی ہے''۔ اس نے ارشد کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''تو میں اور تم الگ الگ ہیں کیا؟''

''نہیں تو...!'' اس نے نفی میں ادھر ادھر گردن ہلائی تھی۔

''تو پھر اپنا کان پکڑو اور سوری کہو''۔ اس نے مسکراتے ہوئے ارشد کے دونوں کان پکڑ لیے۔

''سوری...!''

''ارے میرے کیوں؟''

''کیوں میں اور آپ الگ الگ ہیں کیا؟'' سمجھداری سے اس کی بات اسی کو لوٹا دی تھی۔

''بہت چالاک ہو''۔ اس کی بات کو سمجھتے ہوئے اس کی ناک زور سے دبا دی۔

''ٹھیک ہے!'' وہ بھی ہولے سے مسکرا دی ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی زندگی مسکرا رہی ہو، ہر سو پھول ہی پھول کھل رہے ہوں، وہ جو کچھ عرصے سے ارشد سے خائف تھی، ناراض تھی وہ اس ایک پل میں مٹی کے ڈھیر ہوئے اس کا دل شیشے کی طرح چمک رہا تھا اور اس شیشے میں ایک ہی عکس جھلملا رہا تھا، ارشد احمر کا۔

''اچھا اب دعا دیں رخصت کریں، آپ کی فلائٹ کا بھی ٹائم ہو رہا ہے''۔ وہ اس کے پاس سے ہٹی اور معمول کی

طرح نیند بڑے سے اس کا موبائل اور والٹ اسے دیا تھا۔
"مس کروگی؟"
"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟"
"یہ تو ہے۔" ارشد نے پھر سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔
"اللہ حافظ! اپنا بہت خیال رکھنا۔ میں ہر روز، ہر رات تمہیں فون کروں گا۔"
"میں انتظار کروں گی۔" وہ دلکشی سے مسکرادی بہت خوشگوار موڈ کے ساتھ وہ اسے چھوڑ گیا تھا، ثمرن نے یہ پل بے ساختہ اپنے دل میں قید کرلیے تھے۔
"اور بھئی! تمہیں ٹھیک ہونا ہے یا نہیں؟" عارفین اس کے کمرے میں آیا تھا اس سے ملنے۔
"صرف تمہاری وجہ سے میں نے تین دن آگے بڑھائے ہیں، مگر اب سوچ رہا ہوں میں اور معصوم اکیلے ہی چلے جائیں۔" معصوم کا تو جیسے دل ہی بند ہونے کو تھا اس نے بات ہی ایسی کر دی تھی۔
"عارفین بھائی! لگتا ہے آپ کو اپنی جان عزیز نہیں ہے۔" ژالے چپ رہنے والوں میں سے نہیں تھی۔
"ہمیں اپنی جان بہت عزیز ہے تمہیں کیا خبر۔" اس کی پرشوق نظر معصوم پر تھی جو کسی سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔
"جو کہ آپ کی جان ژالے کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے۔" حرا نے اس کی نظر کی چوری پکڑتے ہوئے مسکرا کے معصوم کو دیکھنے کے بعد عارفین کو دیکھا تھا، معصوم ان لوگوں کی ذومعنی باتیں اچھی طرح سمجھ رہی تھی، خود کا نشانہ بننا جیسے اس کا دل سہما رہا تھا۔
"اور یہ جان آپ کی پھنسی رہے گی جب تک میں بالکل ٹھیک نہیں ہو جاتی ہوں۔" ژالے نے ماحول کا مزہ لیا تھا عارفین کو چھیڑنا اسے ہمیشہ سے ہی بہت لطف اندوز کرتا تھا۔
"اب بولیے عارفین بھائی! بہت مزے آرہے ہیں ناں آپ کے جو ہم آپ کو ہنی مون اکیلے منانے دیں گے۔" حرا نے ژالے کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔
"تمہیں یہ دنیا کا پہلا ہنی مون ہوگا جو تم ملک الموت ساتھ ہوگی ہمارے۔" عارفین نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے حرا اور ژالے کو باری باری دیکھتے ہوئے معصوم پر نگاہ کی، جبکہ اندر آتی ثمرن ہنس دی، اس کی ہنسی کی آواز سن کر عارفین نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تھا۔
"آپ بھی ہنس لیں مجھے تو بالکل ہی اکیلا کر دیا ہے۔" عارفین نے شکایتی نظروں سے ثمرن کو دیکھا تھا۔
"نہیں آج میری سپورٹ پوری تمہارے ساتھ ہے۔" وہ وہیں آکر بیٹھی تھی جہاں معصوم براجمان تھی۔
"کیا مطلب؟"
"ارشد چلے گئے ہیں آج ژالے کے پاس میں رک رہی ہوں۔"
"کاش پہلے ہی چلے جاتے مجھے یوں ایک ہفتے تک اکیلے تو سونا نہیں پڑتا۔"
"توبہ ہے عارفین بھائی! آپ نے تو بے باکی میں ژالے کا بھی ریکارڈ توڑ دیا ہے۔" حرا بات کرتے ہوئے بری طرح جھینپ کر رہ گئی تھی۔
"اگر میں یوں بستر پر اس طرح نہ لیٹی ہوتی تو تمہیں اچھی طرح بتاتی، ایک تو تمہارے لیے بھلا ہو چاہو تم ہمیں ہی رگید دو۔" ژالے نے حرا کو گھور کے ڈانٹ دیا۔

"اوہ... سوری ژالے ابھی تو مذاق کر رہی تھی۔" حرا منمنائی تھی اس کی منمناہٹ پر عارفین کا زبردست قہقہہ کمرے میں گونجا تھا، جسے حرا نے گھور کے دیکھا اور بولے بغیر بھی نہ رہ سکی۔
"عارفین بھائی! آپ بہت بدتمیز ہیں۔"
"ارے وہ کیوں میں نے کیا کر دیا؟ لڑ تم دونوں رہی ہو اور الزام ہمیں۔"
"اور یہ لڑائی آپ کی وجہ سے ہی ہوئی ہے آپ تو پکے دشمن ہیں ہماری دوستی کے۔" ژالے کو پھر سے باتیں سنانے کا موقع ملا تھا۔
"پھر تم دونوں کو ہمیشہ ہی ایک دوسرے سے چپکا ہی پاتا ہوں، کبھی جو یہ یاجوج ماجوج کی جوڑی الگ الگ نظر آئے، جانے کیا کیا کھچڑی پکاتی رہتی ہیں، اس میں ہماری معصوم سی بیگم کو بھی شامل کرلیا ہے۔"
"دیکھ لے ژالے! کیسے ہمیں معصوم بھابی کے سامنے بے عزت کر رہے ہیں۔" حرا نے ژالے کا ہاتھ تھام لیا تھا۔
"معصوم بھابی بھی کیا سوچ رہی ہوں گی ہمارے بارے میں۔"
"اس بات سے بے فکر رہو، تمہاری معصوم بھابی کی اوپر کی منزل ٹوٹلی خالی ہے، وہ میرے علاوہ کچھ فضول نہیں سوچتی ہے۔" عارفین نے دلچسپی سے اس کا جھینپا جھینپا سا سندر مکھڑا دیکھا تھا۔
"دیکھا کس قدر چالاک ہیں یہ، معصوم بھابی کی تعریف بھی کی تو کس انداز میں کہ انہیں گمان نہ ہو اپنی اس کمزوری کا۔"
"اور ہمیں جو فضول بول گئے تم نے غور نہیں کیا؟" ژالے تو بس لیٹے لیٹے گھورے ہی جا رہی تھی بس چلتا تو کچا چبا جاتی عارفین کو۔
"کوئی بات نہیں ژالے! تو جلدی سے کھڑی ہو جا، پھر مل کر ان کی خبر لیتے ہیں۔"
"ٹھیک بول رہی ہے، وہ کہتے ہیں ناں کہ مینڈکی کو بھی زکام ہو گیا ہے، وہی حساب اس وقت ان کا ہے۔" ژالے اپنا ہر حساب بے باک کرنے والوں میں سے تھی۔
"او ہائی گاڈ! اب بس بھی کرو، کتنا لڑو گی بے چارے عارفین سے، ایک تو اس کی بیگم کو تھیا کے بیٹھی ہو، معصوم شکوہ بھی نہیں کر رہا۔" ثمرن جو مسلسل ان لوگوں کی گفتگو پر مسکرا کے لطف اندوز ہو رہی تھی بول پڑی۔
"جی...!" دونوں نے یک آواز کہتے ہوئے ثمرن کو دیکھا۔
"بے چارہ... معصوم... ثمرن بھابی! کچھ تو رحم کریں۔"
"بس... بس اب لڑائی جھگڑا ختم، ثمرن بھابی نے میری سائیڈ لے لی، قصہ ہی ختم۔" عارفین نے ہاتھ اٹھا کے معاملہ ختم کرنا چاہا، یہ اس کی عادت تھی کوئی بھی ذرا سی اس کی سائیڈ لے لے وہ وہیں اسٹاپ ہو کر وہاں سے بھاگ جاتا تھا یا چپ ہو جاتا تھا کہ اس کی جیت ہو چکی ہے کوئی کچھ بھی بولتا رہے یہ صرف جل کر کڑھ کر رہ جاتی تھی۔
"کوئی بات نہیں ابھی بہت سے موقع آئیں گے ہم اپنی ٹیم میں آپ کی بیگم کو بھی شامل کریں گے۔" ژالے نے اشاروں میں ہی اسے دھمکی دی تھی، جس پر وہ ہولے سے ہنس دیا تھا۔
"دیکھو ذرا مجھے کچھ بتانا تھا اور کچھ پوچھنا تھا مگر ان یاجوج ماجوج کے چکروں میں آکر سب بھول گیا۔" وہ ہنس کر پھر سے ان دونوں پر مصرعہ کستے ہوئے ثمرن کی طرف گھوما تھا۔

''ہاں آ تو گیا ناں''۔ اس نے حرا کے تپتے چہرے کو دیکھا تھا۔ اس کی ادا پر ژالے نے زبردست قہقہہ لگایا تھا وہیں ثمرین بھی ہنس دی تھی۔

☆☆☆

وانیہ دوست کی منگنی سے جلدی واپس آگئی تھی، شکر ادا کر رہی تھی کہ سکون سے واپس آگئی ورنہ جب بھی باہر نکلتی تو کچھ نہ کچھ ضرور ہونے لگا تھا، وہ کسی آسیب کی طرح اس کے سامنے آجاتا تھا مگر آج ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا ریحان شیخ آج مستقل اس کے ساتھ تھے شاید وہ ان سے ڈر گیا تھا۔

''بیٹا! تھوڑی دیر اور بیٹھ جاتیں اتنی جلدی آگئی ہو، میں تھا ناں آپ کے پاس''۔ ریحان شیخ نے نرمی سے کہا مگر اس کے ڈر کو بھی اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔

''نہیں بابا! بس اتنا کافی تھا میں تھک بھی تو گئی تھی، اور پھر آپ تو مجھ سے زیادہ تھکے ہوں گے صبح آفس گئے شام کو واپس آ کر فوراً میرے ساتھ چلے گئے''۔

''تو کیا ہوا اپنی بیٹی کے لیے تو جان بھی حاضر ہے''۔ وہ مسکرا دیے۔

''اچھا ایک کام کرتے ہیں اچھی سی کافی پیتے ہیں کیا خیال ہے آپ کا؟''

''بہت اچھا خیال ہے''۔ وہ تو ویسے بھی اس قدر تھکی ہوئی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے میلوں مسافت طے کر کے آئی ہو، وہ چین سکون تو بالکل جیسے ختم ہی ہو گیا تھا، دل کو عجیب سا دھڑکا لگا رہتا تھا کہ اب کچھ ہونے والا ہے۔

''تو ٹھیک ہے، نوری! جاؤ اور اچھی سی دو کپ گرما گرم کافی لے آؤ''۔ پاس کھڑی نوری کو حکم صادر کیا تھا۔

''جی بہتر صاحب جی!'' وہ حکم ملتے ہی تیزی سے کچن کی طرف بڑھی تھی۔

''ارے ہاں بابا! یاد آیا... عارفین بھائی اپنی مسز کے ساتھ آ رہے تھے یہاں''۔

''ہاں رابعہ بھابی سے میری بات ہوئی تھی وہ بتا رہی تھیں ان کے بھائی کی بیٹی ژالے سیڑھیوں سے گر گئی ہیں، تو سر پر گہری چوٹ آئی ہے اور پیر میں موچ آنے کی وجہ سے پلاستر بھی چڑھا ہے انہیں، جیسے ہی وہ ٹھیک ہو جائیں گی تو آئیں گے سب لوگ''۔

''یہ وہی کزن ہیں ناں ژالے، عارفین بھائی کی جن کی شادی بالکل اچانک ان کے دوسرے کزن زریلن سے ہوئی تھی؟''

''ہاں شاید... آپ کو یاد ہے؟''

''جی اصل میں ہم لوگ اتفاق سے وہیں پر تھے تو شادی بھی اٹینڈ کی تھی، مگر وہ تو صبح ہی ژالے کو چھوڑ کے چلے گئے تھے''۔

''بیٹا! یہ تو مجھے نہیں معلوم اور پھر یہ تو ان کا اپنا پرسنل میٹر ہے ناں''۔

''ہوں...!'' وہ صرف سر ہلا کے رہ گئی تھی اس دوران نوری بھی کافی بنا کر لے آئی تھی۔

''اچھا اب ایک بات اور بتانی ہے آپ کو''۔ ریحان شیخ نے گرم کافی کا ایک سپ لے کر کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''جی کہیے!'' اس نے بھی ایک گرم سپ لیا جیسے ہی گرم گھونٹ حلق میں اترا اسے کتنا سکون سا محسوس ہوا۔

''بابا! ایک منٹ...!'' ریحان شیخ کچھ بولتے کہ وانیہ نے ان کی بات روک دی اور نوری کو دیکھا۔

''نوری! تم یوں کرو جاؤ اور جا کر سو جاؤ تم بھی سویرے سے پہلے ہی صبح سو کر اٹھتی ہو''۔ نوری تو ویسے ہی حکم کی غلام تھی، تیزی سے کمرے میں چلی گئی کہ مبادا کوئی اور کام نہ کہہ دیا جائے، وہ ویسے بھی بہت تھک گئی تھی سونا چاہتی تھی، مگر پہلے آج سارے دن کی رپورٹ بھی تو دینی تھی کسی کو، پہلے اس نے تسلی کر لی کہ وانیہ ابھی بیڈ روم میں نہیں آ رہی پھر اپنا موبائل نکالا اور ایک نمبر ڈائل کیا۔

''وانیہ! میں نے آپ کی بات لندن کے ایک مشہور سرجن سے کی ہے، آپ کی ساری رپورٹس ڈاکٹرز میڈیکل بورڈ کو بھجوائی ہیں، انہوں نے اسے اچھی طرح اسٹڈی کرنے کے بعد ایک ہفتے بعد مجھے فیکس بھیجا ہے آپ کا ایک چھوٹا سا آپریشن ہوگا انشاءاللہ آپ بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی، تو آپ مجھے بتا دیں کب تک کی ٹکٹ کنفرم کروا دوں؟''

''نہیں بابا! میں ایسے ہی ٹھیک ہوں، اتنی تکلیفیں اٹھا چکی ہوں کہ اب ڈر لگتا ہے خدانخواستہ یہ آپریشن ناکام ہو گیا تو جو میرے دل میں معمولی سی امید روشن ہے وہ امید کہیں بجھ نہ جائے، اس لیے بابا! میں اپنی پوری زندگی اسی امید کے ساتھ گزار دوں گی''۔

''مگر وانی بیٹی! چانس تو لینا پڑے گا جہاں آپ نے اتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں، وہاں تھوڑی سی اور سہی... اور پھر ڈاکٹرز نے سو فیصد آپریشن کے کامیاب ہو جانے کی امید دلائی ہے''۔ وہ اسے اچھی طرح سمجھا رہے تھے مگر وہ انکاری تھی۔

''انہوں نے بھی امید دلائی ہے وثوق سے نہیں کہا''۔ وہ استہزائیہ مسکرا دی۔

''نہیں بابا! میں یہ رسک نہیں لے سکتی، میں ایسے ہی ٹھیک ہوں''۔

''اتنی بڑی پہاڑ جیسی زندگی ہے مجھے نہیں معلوم کب میری آنکھ بند ہو جائے، میں آپ کو اپنے پیروں پر کھڑا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں، حالات سے مقابلہ کرنے کی طاقت کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں''۔ وہ بہت دور تک کا اس کے لیے سوچ رہے تھے جہاں اس کا گمان بھی نہ تھا۔

''پلیز بابا! ایسی خوفناک باتیں تو مت کریں، میں آپ کے بغیر کیسے جی سکوں گی؟'' وہ دہل کے رہ گئی۔

''اور وہ جو میں اپنے دل پر پتھر رکھے آپ کو اس حالت میں دیکھ کر جی رہا ہوں''۔ وہ افسردہ ہو کر اس کی بیساکھی کو دیکھتے گئے جو صوفے سے لگی کھڑی تھی۔

''چلیں ٹھیک ہے مگر میں اس بارے میں سوچوں گی آپ نے اس طرح بلیک میل کیا ہے کہ میں اور کچھ آگے بول ہی نہیں سکتی''۔ اس نے ہولے سے مسکراتے ہوئے نیم رضامندی دی تھی۔

''مگر... سوچنا ضرور اپنے لیے نہ سہی میرے لیے ہی سہی''۔ انہیں تھوڑی سی ہی سہی مگر تسلی ہو گئی تھی، پھر دونوں نے کچھ دیر اور ادھر ادھر کی باتیں کیں، ٹائم زیادہ ہونے لگا تو ریحان شیخ کو بھی نیند آنے لگی وہ کھڑے ہو گئے۔

''اچھا بیٹا! ٹائم بہت ہو گیا ہے اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو چھوڑ دوں آپ کے روم میں؟''

''نہیں بابا! میں چلی جاؤں گی آپ بھی اپنے بیڈ روم میں آرام کریں، میں بھی چلوں گی''۔ وہ بیساکھی پکڑ کے کھڑی ہوئی۔

نوری بیڈ کے پاس بچھے کارپٹ پر اپنا بستر ڈالے لحاف کے اندر بے خبر سو رہی تھی، اس نے ایک نظر اسے دیکھا اور بیساکھی کے سہارے چلتی ہوئی واش روم میں آگئی تھی، تھوڑی دیر بعد آ کر بیساکھی کو سائیڈ میں رکھا اور

اپنے نرم و ملائم بستر پر دراز ہو گئی تھی۔ آج بہت سکون کا دن گزرا تھا، وہ جتنا اپنے رب کا شکر ادا کرتی کم تھا۔ کہ آج آفریدی سے سامنا نہیں ہوا تھا، جانے یہ آسیب اور اس کو کہاں تک اور کب تک پیچھا کرے گا کب اس کی جان چھوٹے گی، وہ جو پل پل ڈر و خوف کے زیر اثر زندگی گزارنے لگی تھی کب سکون کا لمحہ نصیب ہوگا، وہ تھک گئی تھی، ایسی زندگی سے جس نے سکون تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا، کوئی بھی کام کرتی مگر اس کے لاشعور سے آفریدی کی یاد ہی نہیں جاتی تھی، وہ ایک بری یاد کی طرح اس کے شعور میں زندہ تھا، ایک بھیانک خواب کی طرح اس کی آنکھوں کی پتلیوں پر ٹھہرا تھا، ابھی بھی وہ اسی آسیب کو سوچتے سوچتے جانے کب نیند کی آغوش میں چلی گئی تھی، ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی اس کی آنکھ لگے کہ اس کے سرہانے موبائل زور سے چیخنے لگا اس کی کچی نیند تھی ہڑبڑا کے رہ گئی، دل کی دھڑکن بری طرح شور کرنے لگی تھی، اس نے دل پر ہاتھ رکھا چند لمحے اپنی بے قابو دھڑکنوں کو تھاما پھر گردن موڑ کے دیکھا نوری کو جو بے خبر سو رہی تھی، پھر اپنا موبائل اٹھایا جس سے وہ بھاگ رہی تھی وہ تو سامنے ہی کھڑا تھا اس نے بمشکل حلق میں تھوک نگلا اور موبائل اوکے کر کے کان سے لگا لیا لائن بھی وہ کب تک کٹ کرتی، وہ لائن کاٹتی وہ پھر کرتا وہ پھر سوچ ہی آف کر دیتی تو آفریدی کا کچھ بھروسہ نہیں کہ وہ گھر ہی آ جاتا، اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی اوکے کرنا پڑا۔

"ہ... ہیلو...!"

"تمہاری آواز کی لڑکھڑاہٹ بتا رہی ہے کہ تم مجھے پہچان گئی ہو، کہ فون اس وقت کس کا ہو سکتا ہے، آہ... وانیہ! بہت سکون ملتا ہے مجھے تمہیں تکلیف میں دیکھ کر، مگر آج کا دن تم نے بہت سکون سے گزارا ہوگا، بہت خوشی خوشی منگنی اٹینڈ کی اپنے باپ کے ساتھ وہ تو بہت خوش فہمی کا شکار ہو گئے ہوں گے، آج وہ تمہارے گارڈ بنے پھر رہے تھے تو ان کی وجہ سے میں تمہارے سامنے نہیں آیا، خیر بہت جلد ان کی خوش فہمی دور کر دوں گا۔" طنزیہ ہنسی اس کے کانوں میں گونجی۔

"تم کیوں پریشان کر رہے ہو، خدا کے لیے چھوڑ دو ناں میرا پیچھا"۔ روہانسی آواز میں عاجزی سے التجا کی تھی۔

"چھوڑ دوں... ہونہہ... اتنی آسانی سے میرا مقصد پورا ہوئے بغیر تمہیں چھوڑ دوں... تمہارے باپ نے جو دکھ دیا ہے اس کے بدلے میں تو میں نے تمہیں ابھی کچھ بھی نہیں لوٹایا، خیر یہ تو بعد کی بات ہے اس پر بحث چلتی رہے گی، میں نے تو یہ سوچ کر فون کیا ہے کہ آج میں تم سے ملا نہیں، تمہیں دیکھا نہیں، تمہارے چہرے پر ڈر و خوف کے سائے منڈلاتے ہیں مجھے دیکھ کر ان سے مجھے بہت سکون ملتا ہے، مگر پتہ نہیں کیوں میرا دل بہت بے چین ہو رہا ہے، نیند نہیں آ رہی ہے پورے کمرے کے کتنے ہی چکر کاٹ چکا ہوں، پھر دل سے آواز آئی وانیہ کو نہیں دیکھا، اس کی آنکھیں جو آج خشک ہوں گی، ان میں سمندر نہیں، دیکھا تمہارے چہرے کی اڑی رنگت نہیں دیکھی اور جب تک تمہیں تکلیف میں نہ دیکھ لوں، پھر میں کیسے سکون سے سو سکتا ہوں، اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے مسز وانیہ آفریدی! میں ابھی اور اسی وقت تم سے ملنے تمہارے گھر تمہارے بیڈ روم میں آ رہا ہوں، تمہارے باپ کے سامنے... آج تمہارے باپ کا بھی تو گھمنڈ توڑنے دو ذرا...!" نہایت پر جوش ہو کر اس نے اونچا قہقہہ لگایا تھا۔

"نن... نہیں... تم... ایسا کچھ نہیں کر سکتے... بابا!" وہ زور زور سے چیخنے چلانے لگی تھی، موبائل بھی ہاتھ سے گر گیا تھا، وہ لیٹے سے بیٹھی تھی اور تیز آواز میں نوری کو بلانے لگی تھی، وہ جو گہری نیند میں سو رہی تھی وانیہ کی دل

دوز چیخ سے بری طرح ڈر کے رہ گئی تھی اور خود پر سے لحاف ہٹا کے وہ اٹھی تھی تیزی سے اور وانیہ کے پاس آئی تھی۔

"کیا... کیا ہوا... وانیہ بی بی! کیوں رو رہی ہیں؟ کوئی برا خواب دیکھ لیا آپ نے؟" وہ تو خود بری طرح سے اس کی بے ترتیب حالت دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔

"تت... تم... جاؤ... جلدی سے بابا کو بلا کے لاؤ... جاؤ دیر مت کرو، جلدی بلا کے لاؤ"۔ وہ ہذیانی ہو گئی تھی نوری کو خود سے بری طرح دھکا دیا تھا کہ وہ لڑکھڑا کے پیچھے واپس اپنے بستر پہ پیچھے گری تھی۔

"جاؤ...!" وانیہ نے اس کو گھور کر بہت زور سے چیخی تھی، وہ تو ڈر کے رہ گئی۔

"جی ابھی جاتی ہوں"۔ وہ تیزی سے بھاگی اور کچھ ہی سیکنڈوں میں ریحان شیخ گھبرائے ہوئے بھاگے چلے آئے تھے۔

"کیا بات ہے وانی بیٹا! کیا ہوا ہے کیوں اس طرح رو رہی ہو؟" اس کی ایسی بکھری حالت اس طرح زار و قطار بلک بلک کر رونا ریحان شیخ کو چند لمحوں میں چکرا کے رکھ دیا تھا۔

"بابا... بابا... وہ آ رہا ہے، اس کا فون آیا ہے، وہ آ جائے گا، اگر اس نے کہا ہے تو وہ ضرور آئے گا بابا! آپ میرے پاس رہیے، وہ بہت جنگلی ہے... جانور ہے، مجھے اس سے بچا لیں... نوری! جاؤ جلدی جاؤ اور گھر کے سارے دروازے کھڑکیاں لاک کر کے آؤ... جاؤ جلدی جاؤ"۔ وہ بری طرح رونے کے ساتھ ساتھ چیخ بھی رہی تھی، ایسی حالت تھی اس کے سارے ہوش و حواس کام نہیں کر رہے تھے، عقل و خرد سے بیگانہ بس اپنی ہی بولے جا رہی تھی۔

"ریلیکس بیٹا! ریلیکس... کون آ رہا ہے، کس کی بات کر رہی ہو؟" انہوں نے اس کو اپنے سینے سے لگایا تھا اور اس کا سر سہلانے لگے تھے وہ بہت ڈری ہوئی لگ رہی تھی، چہرہ بالکل سپید پڑ چکا تھا، آنکھوں سے آنسو بند نہیں ہو رہے تھے۔

"بابا! وہ... وہ آفریدی آ رہا ہے، اس کا فون آیا ہے، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے"۔ وہ ان کی شرٹ پکڑے ان کے سینے میں منہ چھپائے بے اختیار رو رہی تھی۔

"آفریدی...!" یہ نام سن کر ریحان شیخ کا خون جس طرح کھول اٹھا تھا، آنکھوں میں غصے کے شرارے دوڑنے لگے تھے، بس دل و دماغ یہی گواہی دے رہے تھے کہ اس وقت اس لمحے وہ ان کے سامنے ہو تو اس کا ریشہ ریشہ الگ کر دیں اس کے اتنے ٹکڑے کریں کہ خود کا گننا بھی مشکل ہو جائے، بمشکل اپنے غصے پر قابو کیا اور اس کا چہرہ اوپر کرنے کی کوشش کی۔

"میری بات سنو!" مگر وہ تو جیسے سنبھل ہی نہیں رہی تھی، مزید بکھرتی چلی جا رہی تھی، کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کریں، نوری کو ایک نظر دیکھا جو بے بسی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی، شعور میں ماضی کے اوراق پلٹ کے دیکھے تو کوئی ایسی غلطی نظر نہیں آ رہی تھی، جو زندگی کی راہ میں کبھی ان سے سرزد ہوئی ہو تو پھر ان کی بیٹی کو کس غلطی کی سزا مل رہی تھی؟

"وانیہ...!" بالآخر دل پر جبر کر کے انہوں نے اس کو دونوں شانوں سے پکڑ کے بری طرح ڈانٹا کہ اس کی آواز یکدم حلق میں ہی رہ گئی، وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے ریحان شیخ کو دیکھنے لگی تھی۔

"میری بات غور سے سنو! وہ نہیں آئے گا یہاں، اس میں اتنی ہمت نہیں ہے میرا سامنا کرنے کی۔ آپ

سمجھنے کی کوشش کریں، وہ صرف آپ کو مینٹلی ٹارچر کر رہا ہے اور کچھ نہیں"۔ وہ پیار سے شفقت سے اسے سمجھا رہے تھے۔

"آپ سچ بول رہے ہیں ناں وہ یہیں آئے گا؟" یقینی بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔

"نہیں آئے گا میں ہوں یہاں، آپ بس سو جائیے سکون سے"۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور لٹا دیا، نوری کو سامنے رکھی چیئر لانے کو کہا، وہ وہیں بیڈ کے پاس چیئر رکھے براجمان ہو گئے، پوری رات یوں ہی جاگتے ہوئے گزار دی، وانیہ اگر بے خبر سو بھی رہی تھی تو بھی اندر کا ڈر و خوف اس کے چہرے پر واضح تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ خواب میں بھی ہچکیوں سے رو رہی ہے ریحان شیخ اس وقت اتنے بے بس و لاچار کبھی ہو سکتے ہیں، کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا، انہوں نے تو کبھی کسی کا برا نہیں چاہا، کبھی کسی کا برا نہیں کیا، پھر ان کی بیٹی کس غلطی کا خمیازہ بھگت رہی تھی، وہ تو پہلے ہی جسمانی تکلیفوں کا شکار تھی، پھر یہ ذہنی تکلیف اس کا مقدر کیوں بن رہی تھی، کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا، پولیس ہر طرح سے کوشش کر رہی تھی مگر کوئی سراغ ہی نہیں مل رہا تھا، ریحان شیخ نے اپنا سارا اثر و رسوخ استعمال کر لیا تھا مگر ناکامی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آ رہا تھا، صبح کے چھ بج گئے تھے، مسجد والے سے موذن نے اذان کی صدا دینا شروع کر دی تھی، انہیں یاد نہیں کہ انہوں نے آخری بار مسجد کی کب شکل دیکھی ہو گی بس کاروبار دنیا میں اس قدر مگن رہے، وہ اور دو چار کرنے کے چکر میں صرف کمانے کی تگ و دو میں لگے رہے، اتنا کمایا کہ اپنی بیٹی وانیہ کے نام سے جو فیکٹری کھولی وہ ایک جھٹکے میں آگ کا ڈھیر ہو گئی، بزنس میں ان کے بہت سے حریف تھے مگر یہ آفریدی کون ہے یہ نام ان کے دوست دشمنوں کی لسٹ میں نہیں تھا، ایسا کیا نقصان ہو گیا تھا ان سے کہ اس نے بزنس کو ہی نہیں ان کی بیٹی، ان کے لخت جگر ان کی جان، سب سے قیمتی شے ان کی کل کائنات ان کی بیٹی کو نقصان پہنچایا تھا، مگر ریحان شیخ نے بھی قسم کھالی تھی، جب تک وہ اس کو پھانسی کے تختے تک نہیں پہنچا دیں گے یا پھر خود ہی کوئی ایک عبرت ناک سزا نہ دے لیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے، انہوں نے نہایت دکھ سے وانیہ کو دیکھا جس کے چہرے پر اب بھی جگہ جگہ آنسوؤں کے جا بجا نشان باقی تھے، وہ کھڑے ہوئے اور اس کے سر پر دست شفقت رکھا تھا۔

"وانی جان! آپ فکر مت کریں، آپ کے ایک ایک آنسو کا بدلہ میں اس آفریدی رذیل انسان سے لوں گا، میں اسے کسی قیمت پر نہیں بخشوں گا یہ میرا آپ سے وعدہ ہے"۔ دل میں وہ پکا عزم کرتے ہوئے اٹھے اور اس کی تسلی ہو گئی کہ وانیہ سکون کی نیند میں ہے، ورنہ وہ پوری رات وقفے وقفے سے ڈر کر اٹھتی اور زور سے بابا! بابا! چلانے لگتی بڑی مشکل سے سنبھالتے وہ اسے، مگر صبح جا کر وہ بے خبری کی نیند سوئی تھی، وہ کمرے سے باہر نکلے مگر نوری کو آرڈر کرنا نہ بھولے تھے کہ اس کے پاس ہی رہنا اور بے حد خیال رکھنا، اتنا میں ان کا موبائل فون بج اٹھا تھا، انہوں نے موبائل دیکھا اسکرین پر کوئی انجان نمبر چمک رہا تھا، جو یہاں کا نہیں تھا کسی دوسرے ملک کا تھا، پاکستان سے باہر ملک کا، انہوں نے اوکے کا بٹن پریس کر کے موبائل کان سے لگا لیا۔

کس قدر جاندار و فتح مندانہ ہنسی تھی کتنے ہی پل وہ زور و زور سے ہنستا رہا تھا جیسے اپنی جیت کا جشن منا رہا ہو، ریحان شیخ کے کان سن ہو کر رہ گئے تھے۔

"سچ ریحان شیخ! اس وقت تمہاری شکل دیکھنے والی ہو گی، پر صد افسوس میں تمہاری ایسی شکل دیکھنے سے محروم رہا، پوری رات پریشان رہے ہو گے اپنی بیٹی کی ایسی حالت دیکھ کر... چچ... چچ... بے چاری پاگل ہونے لگی ہے، میری بیٹی میرے دل پر بہت سکون کی بارش ہو رہی ہے، اندر ایک ٹھنڈک سی محسوس کر رہا ہوں"۔ اس کی تو ابھی ہنسی نہیں رک رہی تھی صاف لگ رہا تھا اس نے یہ سب جان بوجھ کر کیا ہے۔

"تو صرف ایک بار میرے سامنے آ جا، پھر بتاتا ہوں پریشان ہونا کسے کہتے ہیں، وہ حالت کروں گا کہ خود اپنی شکل بھی بھول جائے گا، بزدلوں کی طرح چھپ کے وار کیوں کر رہا ہے، ہمت ہے تو سامنے آ"۔ وہ اتنی زور سے چیخے تھے کہ ان کی دماغ اور گلے کی رگیں ابھر کے پھڑ پھڑانے لگی تھیں، ان کا غصہ آخری حدوں کو پہنچا ہوا تھا اور یہی تو آفریدی چاہتا تھا۔

"ضرور آتا سامنے تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کرتا، بشرطیکہ اس شہر میں ہوتا۔ ریحان شیخ! تڑپا تڑپا کر کے ماروں گا تمہیں بھی اور تمہاری اپاہج بیٹی کو بھی"۔

"خبردار! جو اپنی ناپاک زبان سے میری معصوم بیٹی کا نام بھی لیا تو"۔ انہیں اس کا اپاہج کہنا سخت برا لگا تھا۔

"اچھا تو تم ابھی تک اسی گمان میں ہو ریحان شیخ! تمہاری بیٹی کا نام تو کیا اس کے نام کے ساتھ میرا نام جڑا ہے، تو کیا بگاڑ لیا تم نے... کچھ نہیں، اور آگے بھی تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے... کیونکہ میں نے تمہاری اپاہج بیٹی سے نکاح کیا ہے"۔

"یہ تو وقت ہی بتائے گا اور رہی تمہارا نام... تو یہ فضول بات ہے میری بیٹی کے نام کے ساتھ فی الحال میرا نام ہی جڑا ہے، میں اس زبردستی کے نکاح کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور نہ ہی میری بیٹی دے گی"۔

"کچھ دن اور ہیں ریحان شیخ! تمہارے پاس اس خوش فہمی سے نکلنے کے لیے، پھر تو جو میں کروں گا وہ تمہیں ہی نہیں تمہاری بیٹی کو بھی قبول کرنا پڑے گا ایسا گھاؤ دوں گا کہ تمہاری آنے والی سات نسلیں یاد رکھیں گی"۔

"دھمکی دے رہے ہو؟"

"دھمکی...!" وہ کتنی ہی دیر تک طنزیہ ہنسی ہنستا رہا تھا۔

"دھمکی تو ریحان شیخ! تم جیسا بزدل انسان ہی دے سکتا ہے، ہم تو عمل کے قائل ہیں"۔

"تمہارا عمل میں رات میں دیکھ چکا ہوں، بزدل انسان! اگر اتنا ہی جگرا تھا تو اپنے کہے پر عمل کرتے یوں منہ چھپا کے کہاں بھاگ گئے؟"

"وہ تو تمہیں اور تمہاری بیٹی کو ذہنی ٹینشن دینے کی معمولی سی ڈوز تھی، جس میں، میں سو فیصد کامیاب بھی رہا ہوں، پوری رات اس نے ڈر ڈر کے رو رو کے گزاری ہو گی اور تم نے اس کا ڈر و خوف ختم کرنے میں اس کو بہلانے میں چپ کروانے میں... سچی مزہ آ گیا، اور تم فکر مت کرو، میں آؤں گا سامنے ضرور آؤں گا، بس کچھ دن اور، اپنا ایک اہم کام کر لوں، بول دینا اپنی بیٹی سے بھی کہ ابھی میں اس سے کوئی رابطہ نہیں کر سکتا، کیونکہ میں ملک سے باہر ہوں، اوکے ریحان شیخ! اب بہت جلد روبرو ملاقات ہو گی"۔ پھر اس نے کوئی اور بات سنے کہے بغیر لائن ہی ڈراپ کر دی، بلکہ موبائل کا سوئچ ہی آف کر دیا، انہوں نے کال بیک کی مگر ناٹ رسپونڈنگ کا میسج دیا جا رہا تھا۔ غصے میں انہوں نے اپنا موبائل اتنی زور سے دیوار پر مارا کہ ہر چیز الگ الگ ہو کر ادھر ادھر بکھر گئی تھی۔

(جاری ہے......)

☆......☆......☆

سلسلے ناول

''ژالے! آج تمہارا پلاسٹر اتر جائے گا، بولو تو یہیں ڈاکٹر بلواؤں یا اسپتال چلو گی؟'' ثمرن اس کے لیے سیب کاٹ رہی تھی اور ایک پھانک کاٹ کر اس کے منہ میں ڈال دی تھی۔

''نہیں ثمرن بھابی! میں اسپتال ہی چلوں گی، بس اس قدر اکتا گئی ہوں بیڈ پر لیٹے لیٹے کمرے میں بالکل قید ہو کر رہ گئی ہوں، باہر نکلنا چاہتی ہوں میں اسپتال ہی چلوں گی۔'' سیب کھاتے ہوئے وہ بولی تھی۔

''چلو ٹھیک ہے پھر تم جلدی سے یہ سیب ختم کرو، میں تمہارے کپڑے چینج کروا دوں گی پھر چلتے ہیں۔'' آہستہ آہستہ اور باتوں باتوں میں ثمرن نے اسے دو بڑے سرخ سیب کھلا دیئے تھے۔ اتنے میں حرا بھی کمرے میں چلی آئی تھی اس نے وارڈ روب سے اس کا کاٹن کا سوٹ نکالا، ثمرن نے اسے چینج کروا دیا تھا، دونوں کے سہارے وہ کمرے سے باہر نکلی تھی۔

''ارے یہ کیا کر رہی ہو؟'' نجمہ اپنے بیڈ روم سے نکل کر ژالے کے پاس ہی آ رہی تھیں، اسے ان دونوں کے سہارے آتے دیکھا تو تیزی سے ان تینوں کے پاس آ گئیں۔

''ماما! میں اسپتال جاؤں گی۔'' ژالے نے پہلے ہی کہہ دیا۔

''مگر بیٹا! ڈاکٹر فرید نے کہا ہے وہ خود شام میں یہاں آ جائیں گے، جہاں اتنا صبر کیا ہے وہاں تھوڑا سا اور
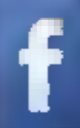
کرلو"۔

"نہیں ماما! اب مجھ سے صبر بالکل نہیں ہوتا، جب ڈاکٹر انکل نے کہا ہے کہ آج کھلے گا تو شام کی دیر کیوں کریں؟"

"مگر چندا! تم نیچے کیسے اترو گی سیڑھیوں سے؟" نجمہ پریشان ہو گئی تھیں، اس کی نرالی ضد سے کیونکہ گھر میں اس وقت کوئی مرد نہ تھا جو اسے نیچے لے کر جاتا۔

"میں ہمت کرلوں گی ماما! آپ پریشان مت ہوں"۔

"ژالے! کبھی کبھی تم پر بہت غصہ آتا ہے، مانتی نہیں ہو، اپنی ہی کرتی ہو اگر خدانخواستہ کوئی اونچ نیچ ہو گئی پھر.... نہیں کوئی نہیں جا رہی ہو تم"۔ وہ تو سوچ کر ہی دل تھام گئیں۔

"ثمرن! تم نے بھی اسے نہیں سمجھایا؟" نجمہ نے ثمرن کو دیکھا تھا۔

"ماما! میں نے اسے یہی کہا تھا کہ یہاں پلاسٹر کھلواؤ گی یا اسپتال چلو گی، مگر اس نے تو ابھی چلنے کی ضد لگالی"۔ ثمرن کو بھی شرمندگی ہونے لگی اپنی غلطی کا احساس بہت جلدی ہو جاتا تھا اسے۔

"حد ہوتی ہے ضدی پن کی بھی، بس میں نے کہہ دیا تم شام میں چلو گی یا پھر ڈاکٹر فرید خود یہاں آجائیں گے"۔ انھوں نے اٹل لہجے میں کہہ دیا۔

"نہیں ماما! مجھے ابھی جانا ہے"۔

"مگر ژالے! تمہارے پاپا، عارفین بھی تو نہیں ہیں ناں"۔ نیچے زرمیل جو آسیہ کو خدا حافظ کہہ کر نکلنے لگا تھا اوپر سے آتی آوازوں پر رک گیا، وہ سمجھ گیا تھا معاملے کی نوعیت کو، ژالے کی ضدی طبیعت سے بھی وہ اچھی طرح واقف تھا، اگر اس نے کہہ دیا تو وہ اپنے کہے پر ضرور عمل کرے گی، وہ اپنا جانا تھوڑی دیر کے لیے ملتوی کیے اوپر چلا آیا تھا، اور اس کے پیچھے آسیہ بھی آ گئی تھیں۔

"کیا بات ہے چچی جان! آپ پریشان کیوں لگ رہی ہیں؟" زرمیل نے سنجیدگی سے نجمہ سے پوچھا تھا، اس کا اوپر آنا ژالے کو اس قدر ناگوار گزرا تھا کہ ثمرن کو چلنے کا کہنے لگی تھی اس نے زرمیل کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی تھی۔

"کچھ نہیں زرمیل بیٹا! ژالے پریشان کر رہی ہے، سن نہیں رہی میری، ڈاکٹر فرید نے کہا ہے کہ وہ شام میں خود آئیں گے پلاسٹر کھلوانے مگر یہ لڑکی اپنی ضد پر اڑی ہے کہ ابھی اسپتال جانا ہے"۔ انھوں نے کچھ غصے سے ژالے کو دیکھا تھا زرمیل کی بھی نگاہیں ژالے کی سمت اٹھیں جو رخ پھیرے ثمرن سے چلنے کا بول رہی تھی۔

"ژالے! کیوں پریشان کر رہی ہو چچی جان کو؟ ٹھیک تو کہہ رہی ہیں، شام تک انتظار کرلو"۔

"ثمرن بھابی! میں نے یہاں کسی سے مشورہ نہیں مانگا ہے، جب بول دیا کہ جاؤں گی تو مطلب جاؤں گی"۔ اس نے تلک کر ضدی لہجے میں کہا تھا زرمیل بھی سمجھ گیا کہ وہ تو اسے دیکھ کر اور بھی ضدی ہو گئی تھی۔

"ژالے...!" نجمہ نے سختی سے اسے ڈانٹ دیا، انھیں ژالے کا لہجہ سخت ناگوار گزرا تھا، وہ مزید بھی کچھ کہتی کہ زرمیل نے روک دیا تھا۔

"یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟"

"ثمرن بھابی! چلیں ناں بھی"۔ اس نے زرمیل کو بری طرح نظر انداز کر دیا، اس کو اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی، زرمیل نے ایک سرد سانس کھینچی تھی اور پھر بنا کچھ اور کہے آگے بڑھا تھا۔

"بہو تم دونوں"۔ وہ اس کے قریب آیا تھا اور ثمرن کو ہٹنے کے لیے کہا وہ دونوں پیچھے ہٹی تھیں کہ زرمیل نے جھک کر ژالے کو اپنے دونوں مضبوط آہنی بازوؤں میں کسی نازک سی گڑیا کی طرح اٹھا لیا تھا۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے؟" وہ تو اس کی اس حرکت پر سرتاپا سلگ کر رہ گئی تھی، مگر اس نے کوئی نوٹس ہی نہیں لیا تو اس نے مزاحمت کی۔

"دوسرے پاؤں میں بھی پلاسٹر چڑھوانے کا ارادہ ہے کیا تو بتاؤ میں ہی تمہیں یہاں سے چھوڑ دیتا ہوں"۔ پہلی سیڑھی پر آ کر اس نے ہلکا سا ڈھیلا چھوڑا تو اس نے ڈر کے زرمیل کا مضبوط شانہ سختی سے پکڑ لیا تھا، جس پر وہ دھیمے سے مسکرا دیا۔

"چھوڑنا تو آپ کا پسندیدہ مشغلہ ہے"۔ وہ طنز سے باز نہیں آئی تھی زرمیل بھی اس کے طنز کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

"میری جان! ایک موقع تو دو، زندگی بھر خود ہی میری بانہوں سے نکلنے کی خواہش نہیں کرو گی"۔ اس کے طنز کا برا منائے بغیر نہایت چاہت سے اسے دیکھتے ہوئے شوخی سے بھرے لب و لہجے میں کہا تھا، اس کی اس بے باک گفتگو پر وہ بری طرح جھینپ کر رہ گئی تھی۔

"آپ مجھے نیچے اتار دیجئے آپ کی کسی بھی چیپ گفتگو سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے"۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ اس کی بے باک گفتگو سے اندر ہی اندر سمٹنے لگی تھی، ان دو سالوں میں زرمیل بہت بدل گیا تھا، جس کا اندازہ اسے ہو چکا تھا کون کہہ سکتا تھا کہ سوبر سا، سنجیدہ رہنے والا، غصے والا زرمیل کا یہ روپ بھی دیکھنے کو ملے گا، اسے یاد تھا شادی سے پہلے وہ حرا کتنا مذاق اڑایا کرتی تھیں زرمیل کا، اس کے پیچھے کبھی کبھی تو حرا ابھی مان جاتی تھی، بس غصے میں یہ بات بول دیتی کہ۔

"اللہ کرے تیری قسمت میں زرمیل بھائی کا ساتھ ہو"۔ جس پر وہ کہتی۔

"زرمیل بھائی کو اپنی طرح کی کوئی سنجیدہ سی میچور لڑکی چاہیے"۔ مگر کسے معلوم تھا کہ دعائیں یوں بھی قبول ہوتی ہیں، شوخ و چنچل، چلبلی سی ہر دم ہنستے مسکرانے والی امیچوری ژالے، زرمیل جیسے اکڑو بندے کے نصیب میں لکھی جا چکی تھی، وہ ان ہی سوچوں میں غلطاں تھی کہ زرمیل کی گمبھیر آواز نے اس کا سکوت توڑا تھا۔

"سوچ لو اگر تم خود نیچے اترنے کا بول ہی رہی ہو تو میں تمہیں سیدھا اپنے اور تمہارے مشترکہ بیڈروم میں اتار دوں گا، پھر چاہے کوئی کچھ بھی کرلے وہاں سے تمہیں کوئی نکال نہیں سکتا تم جانتی تو ہو میری ضد کو"۔ ذومعنی بات کی سرگوشی کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے کہے پر عمل کرے پیچھے سے ثمرن بھابی، ماما کو زور زور سے پکارنے لگی تھیں۔

"چندا! میں بالکل آپ کے پیچھے ہی کھڑی ہوں"۔ بہت قریب سے نجمہ کی آواز آئی تو زرمیل نے ہلکا سا رخ موڑا، وہ چاروں منہ نیچے کیے دھیمی سی مسکراہٹ لیے کھڑی تھیں، زرمیل تھوڑا سا خفیف سا ہو کر رہ گیا تھا، یقیناً ان لوگوں نے ان دونوں کی ساری گفتگو سن لی تھی، وہ ہونٹوں سے مسکراتے ہوئے نیچے اترا اور نہایت آہستگی سے اسے اپنی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بٹھا دیا تھا اور دروازہ بند کر دیا۔

"آپ لوگ یہیں رکیں میں ژالے کو لے کر اکیلے ہی جا رہا ہوں"۔ اس نے ان چاروں کو آنے سے روک دیا اور جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان ہو گیا تھا، ژالے نے ونڈو سے ثمرن کو آواز دی مگر زرمیل نے آگے بولنے کا موقع دیئے بغیر گاڑی زن سے آگے بڑھا دی تھی۔

"ثمرن بھابی کو تو آنے دیں"۔ اس نے زرمیل کو گھورا۔

"کیوں میرے ساتھ اکیلے جانے میں کیا قباحت ہے، شوہر ہوں تمہارا ذمے داری ہو تم میری"۔

"ہونہہ... شوہر... ذمے داری...!" ژالے منہ ہی منہ میں بڑبڑا کے رہ گئی۔

"بہت جلدی آپ کو میری ذمے داری کا خیال آ گیا"۔ وہ پہلو بدل کے رہ گئی۔

"چلو دیر سے ہی سہی آ تو گیا، اب تم بھی اپنی ذمے داری قبول کر لو، ساری ناراضی دور کر لو اور میرے پاس واپس آ جاؤ"۔ زرمیل نے ہلکا سا گردن موڑ کے ژالے کو دیکھا تھا، سرمئی کانچ میں اس کے لیے شوخی کا ایک جہاں آباد تھا، جسے وہ بری طرح نظرانداز کر گئی۔

"قطعی نہیں، یہ آپ کی بھول ہے کہ میں واپس آپ کے پاس آؤں گی"۔ اس نے ذرا سی سختی سے جواب دے کر چہرے کا رخ اس کی طرف سے پھیر کے ونڈو سے باہر کی طرف کر لیا، جس کا مطلب تھا وہ اس سے کوئی بھی بات نہیں کرنا چاہتی ہے۔

"چلو خیر، یہ تو پھر وقت ہی بتائے گا فی الحال تو نیچے اترو اسپتال آ گیا ہے"۔ کوئی ایک گھنٹہ لگا تھا انھیں اسپتال میں ڈاکٹر فرید نے اس کا پلاسٹر کھولا اور سر کا زخم چیک کیا۔

"گڈ گرل! بہت جلدی کور کر لیا ہے آپ نے خود کو"۔ ڈاکٹر فرید نے مسکراتے ہوئے ژالے کو دیکھا تھا۔

"ڈاکٹر انکل! میں اب کہیں بھی آ جا سکتی ہوں ناں؟" وہ خوش ہو گئی تھی۔

"آف کورس مائی چائلڈ! آپ اسلام آباد گھومنے جا سکتی ہیں"۔ انھوں نے بات کو مزاح کا روپ دیا تھا۔

"ارے آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں اسلام آباد جا رہی ہوں؟" ژالے نے حیرانگی سے دیکھا۔

"بیٹا! مجھے سلیم نے سب بتا دیا تھا کہ آپ اسلام آباد جانے کے لیے کس قدر ایکسائیٹڈ تھیں، مگر اپنے اس زخم کی وجہ سے کینسل کرنا پڑا، جب ہی تو پندرہ دن کے زخم کو ایک ہفتے میں کور کر لیا ہے"۔

"یہ تو آپ نے بالکل ٹھیک کہا ڈاکٹر انکل! اصل میں، میں فرسٹ ٹائم جا رہی ہوں، اس لیے بہت خوش ہوں"۔ اس کی سبز آنکھوں سے خوشی کی روشنی سی پھوٹ رہی تھی اس کے چہرے پر اس قدر خوشی تھی کہ ساتھ بیٹھا زرمیل مبہوت سا دیکھنے لگا۔

"اوکے ڈاکٹر انکل، اللہ حافظ!" وہ کھڑی ہو گئی۔

"اوکے مائی چائلڈ! ٹیک کیئر، ویسے تو اب انشاءاللہ کوئی درد وغیرہ نہیں ہوگا، مگر پھر بھی اگر سر کے زخم میں درد اٹھے تو میں یہ ٹیبلٹ لکھ کر دے رہا ہوں اسے کھا لینا اور خاص بات کہ اپنی غذا کا پراپر خیال رکھنا"۔ ڈاکٹر فرید نے اسے ایک وائٹ پیپر پر ٹیبلٹ کا نام لکھ کر دیا۔

"اوکے تھینک یو!" وہ مسکرا کے کمرے سے نکل گئی تھی، وہ بہت خوشی و مسرت محسوس کر رہی تھی اپنے اندر، کتنے دن بعد اپنے پیروں پر چلی تھی اس کی یہ بے انتہا خوشی اس کی سبز آنکھوں سے ہی نہیں اس کے چہرے سے بھی عیاں تھی۔

"بہت خوش ہو؟" زرمیل کو وہ اس پل ہر شے سے زیادہ حسین لگ رہی تھی سب سے منفرد و الگ۔

"کیوں مجھے خوش نہیں ہونا چاہیے؟" نہایت جل کر جواب دیا تھا۔

"بالکل ہونا چاہیے اگر میں کہوں کہ مجھے بھی اپنی خوشی میں شامل کر لو...!" ژالے نے صرف چند پل خاموشی سے اس کی آس بھری سرمئی کانچ میں دیکھا تھا اور نفی میں سر ہلا کر چہرے کا رخ ہی پھیر گئی۔

"ژالے...!"

"مت نام لیں میرا، میری خوشیوں میں میرے دل و دماغ میں میری زندگی میں آپ کی کہیں کوئی گنجائش نہیں ہے"۔ اس نے نفرت سے اسے بری طرح جھٹک دیا تھا۔

"گنجائش نکالنے کی کوشش تو کرو"۔ زرمیل نے اسٹیئرنگ گھمایا تھا۔

"نہیں نکال سکتی چاہوں بھی تو آپ کو اپنی زندگی میں جگہ نہیں دے سکتی، آپ نے مجھے بہت دکھ دیئے ہیں"۔

"میں ان زخموں کا مداوا کرنا چاہتا ہوں"۔ وہ آج پھر جان توڑ کوشش کر رہا تھا، ژالے کو منا لینے کی۔

"نہیں آپ میرے اندر کے زخموں کا مداوا نہیں بن سکتے، آپ میرے جذبوں و احساسات کے قاتل ہیں، خون کیا ہے میرے ارمانوں کا، میرے خوابوں کو ریزہ ریزہ کرنے کے گناہ گار ہیں آپ، میری زندگی میرے جسم و روح کو جس طرح اس ایک رات میں چھلنی چھلنی کیا ہے، اس کا آپ زندگی بھر مداوا نہیں کر سکتے، چاہ کر بھی نہیں کر سکتے، اس لیے میں آپ سے نفرت کرتی ہوں، شدید نفرت۔ مت آیا کریں میرے سامنے آپ کو دیکھ کر میرے زخموں میں پھر سے ٹیسیں اٹھنا شروع ہو جاتی ہیں"۔ بالآخر اس کی سبز آنکھوں سے چند موتی ٹوٹ کر رخسار پر بکھرنے لگے، ان آنسوؤں کو دیکھ کر زرمیل کا دل کٹ کر رہ گیا، کس قدر دکھ ہوا تھا اس کے آنسو دیکھ کر، زرمیل نے بے اختیار گاڑی سائیڈ میں روک دی تھی۔

"ژالے! میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا بالکل نہیں تھا، پلیز اس طرح مت رو، مجھے تکلیف ہو رہی ہے"۔ زرمیل بے ساختہ اس کی طرف جھکا اور اس کا مرمریں سفید ہاتھ تھامنے کی کوشش کرنے لگا، ژالے کو تو جیسے سو والٹ کا کرنٹ چھو گیا ہو۔

"ہاتھ مت لگائیں مجھے اور یہ گاڑی کیوں روک دی آپ نے؟ آپ گاڑی چلائیں ورنہ میں گاڑی سے نیچے اتر جاؤں گی"۔ اس نے زرمیل کا ہاتھ بری طرح جھٹکنے کے بعد ادھر ادھر دیکھا تو گاڑی کو رکا دیکھ کر اس کا پیمانہ لبریز ہو گیا، اس کی آنکھوں سے مزید دریا بہنے لگا تھا۔

"اوکے... تم چپ ہو، میں گاڑی اسٹارٹ کرتا ہوں"۔ وہ گھبرا کے رہ گیا، ژالے کا یوں رونا دیکھا نہیں جا رہا تھا، اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی، ژالے نے خاموشی سے اپنے بہتے آنسوؤں کو بے دردی سے صاف کیا اور دوسری طرف سے چہرہ موڑ لیا، زرمیل نے اس کی خاموشی کو بے بسی سے دیکھا اور نگاہیں ونڈ اسکرین پر جما دیں۔

پھر پورے راستے سفر خاموشی سے گزرا، دونوں میں سے کسی نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کی، گھر آ چکا تھا، مگر اترنے سے پہلے ژالے نے زرمیل کو دیکھا تھا۔

"یہ تو طے ہے کہ مجھے آپ کے ساتھ قطعی نہیں رہنا ہے، چاہے میں اپنی جان سے ہی کیوں نہ گزر جاؤں، آپ کی مجھے حاصل کرنے کی ہر کوشش ناکام ہی رہے گی، اس لیے میرے حصول کا خیال اپنے دل و دماغ سے نکال دیجیے، دو سال جہاں گزارے ہیں وہیں واپس چلے جایئے، کیونکہ جب جب میں آپ کو دیکھتی ہوں مجھے خود اپنے وجود سے کراہیت آتی ہے، دل شدت سے چاہتا ہے کہ اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی ہستی مٹا دوں"۔ اس نے بڑی بہادری سے ان سرمئی کانچ میں دیکھا تھا، آج دل کا سارا غبار ساری نفرت نکال دی تھی، اس کے اتنے سخت الفاظ سن کر زرمیل دنگ رہ گیا تھا۔

"اتنی نفرت کرتی ہو مجھ سے؟" کس قدر ٹوٹا بکھرا لب و لہجہ تھا اس پل اس کا، سرمئی کانچ میں مایوسی و اداسی کے واضح رنگ جھلک رہے تھے، جنھیں ژالے دیکھنا بھی گوارا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"اس سے بھی کہیں زیادہ" بے بسی کی آخری انتہاؤں پر تھی وہ، چند پل لگے تھے دونوں کو یوں ہی خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے وہ کیا بولتا اب تو جیسے کچھ بچا ہی نہیں تھا کچھ بولنے کے لیے، آج لگتا تھا وہ ہار گیا، اس کی امید ٹوٹ گئی تھی، وہ تہی داماں رہ گیا تھا، اس کا کشکول خالی لوٹا دیا گیا تھا، اس کے اطراف ڈرالے کے نفرت بھرے الفاظ گونج گونج کر بس یہی اعلان کر رہے تھے کہ۔

"زرمیل اتم ہار گئے اس جنگ میں، تمہاری جیت ممکن نہیں ہے، واپس لوٹ جاؤ"۔

"آئندہ میرے راستے میں مت آئیے گا"۔ وہ پھر رکی نہیں بلکہ ایک جھٹکے سے گاڑی کا دروازہ کھولا اور آرام سے اتری کہ پلاسٹر ابھی کھلا تھا، دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اندر داخل ہوئی، جہاں ہال میں بیٹھے سب ان ہی دونوں کا انتظار کر رہے تھے، اسے اپنے پیروں پر آتا دیکھ کر سب خوشی سے آگے بڑھے تھے، نجمہ نے تو اپنی لخت جگر کو اپنے گلے سے لگا لیا تھا۔

"ارے یہ زرمیل کہاں ہے؟" آسیہ نے زرمیل کی غیر موجودگی نوٹ کر لی تھی، انھوں نے ڈرالے کو دیکھا مگر وہاں سے جواب ندارد، وہ کوئی نوٹس لیے بغیر شرلن سے اوپر چلنے کا کہہ رہی تھی، وہ سمجھ گئیں کوئی بات ہوئی ہے، وہ باہر آئیں اور جس کا خدشہ تھا وہ سچ ثابت ہوا تھا، وہ مایوس و اداس سا گاڑی میں ہی بیٹھا تھا، کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح سر کو جھکائے ہوئے تھا، وہ آہستہ سے اس کی طرف بڑھیں اور فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اس خالی سیٹ پر براجمان ہو گئیں، جہاں کچھ دیر پہلے ڈرالے بیٹھی تھی۔

"زرمیل...!" انھوں نے ہولے سے پکارا تھا، زرمیل نے چہرہ اوپر اٹھا کے اپنی ماں کو دیکھا۔

"ہمت ہار گئے ناں؟" جس پر وہ ہولے سے مسکرا دیا اور ایک سرد سانس کھینچتے ہوئے ونڈ اسکرین پر اپنی نگاہیں گاڑھ دیں۔

"بندہ بشر ہوں، مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے، درد ہوتا ہے، کبھی کبھی تو سوچتا ہوں ڈرالے کی نفرت کی آگ کہیں اتنی نہ بھڑک اٹھے کہ اس سے نکلتے شعلوں سے وہ خود کو ہی نقصان نہ پہنچا لے، اس نفرت کی چنگاری جانے کتنے لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی، مجھے ہمارے رشتے کی ہی نہیں ہمارے خاندان کی ہمارے بچے کی بھی بہت فکر ہے، میں نے جو غلطی کی ہے اس کا ازالہ بھی کرنے کو بہ خوشی تیار ہوں، لیکن ڈرالے جو غلطی کرنے جا رہی ہے اس کے حصے میں شاید پچھتاوا بھی نہ آئے، اسے اپنے بڑھتے قدموں کو روکنا ہوگا ممی! ورنہ سب کچھ تہس نہس ہو جائے گا، ہمارے گھر کا شیرازہ بکھر جائے گا"۔ شدت غم سے اس کی سرمئی آنکھوں میں سرخ ڈورے ابھرنے لگے تھے۔

آج پہلی بار وہ اپنے مضبوط و توانا بیٹے کو اس طرح ہارا ہوا، ٹوٹا بکھرا دیکھ رہی تھیں، اس کے لب و لہجے میں افسردگی و مایوسی کے ناامیدی کے رنگ جھلک رہے تھے، وہ ایسا تو نہیں تھا، ہارنے والوں میں سے تو نہیں تھا، اتنی جلدی ہمت ہار جائے یہ ممکن ہی نہیں تھا، تو پھر اس کے حوصلے پست کیوں ہو رہے تھے؟ امید کا دامن کیوں چھوڑ رہا تھا وہ؟

"زرمیل! تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ہمت نہیں ہارو گے، یاد رکھنا اگر تم ہمت ہار گئے، اس جنگ میں تمہاری جیت نہ ہوئی تو سب سے پہلے میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے"۔ ان کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

"ممی! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ، اللہ نہ کرے جو آپ کو کچھ ہو، آپ سے پہلے میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا، جو آپ کا وعدہ پورا نہ کیا ہو تو"۔ اس نے آسیہ کے کندھے پر ہاتھ پھیلا کر خود سے لگایا تھا۔

"تو پھر وعدہ کرو کہ تم یہ جنگ جیت کے دکھاؤ گے ناامیدی کی باتیں پھر کبھی سوچو گے بھی نہیں"۔

"او کے میں وعدہ کرتا ہوں کہ آج کے بعد اپنی پیاری سی ممی کا دل نہیں دکھاؤں گا"۔ اس نے آسیہ کے ہاتھ کو نرمی سے تھام کر اس کی پشت پر بوسہ دیا، ان کا چہرہ اٹھا کے اپنی انگلیوں کے پوروں سے ان کے بہتے آنسو صاف کیے۔

"ناراض تو نہیں ہیں ناں؟"

"نہیں"۔ وہ مسکرا دیں۔

"اور اب تمہیں اکیلے جانے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے، ڈرائیور کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ"۔ انھوں نے فکر مندانہ لب و لہجے میں کہا۔

"ممی! آئی ایم آل رائٹ"۔

"نہیں، جب میں نے کہہ دیا کہ تم اکیلے نہیں جاؤ گے تو مطلب نہیں جاؤ گے"۔

"او کے، آپ کا حکم سر آنکھوں پر"۔ وہ اپنا درد چھپائے دھیرے سے مسکرا دیا۔

"جیتے رہو، اللہ تمہیں ہر منزل ہر راہ پر کامیاب کرے"۔ انھوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا، پھر وہ آسیہ کے کہنے پر ہی ڈرائیور کے ہمراہ آفس پوائنٹ کی طرف نکل گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

"ساری پیکنگ ہو گئی"۔ عارفین واش روم سے خالی جینز پر ٹاول ہاتھ میں پکڑے باہر نکلا تھا، معصوم بیگ میں اپنے کپڑے ڈال رہی تھی، ساتھ کچھ ضروری اشیاء بھی تھیں جنھیں وہ چھوٹے بیگ میں ڈالنے لگی عارفین کا بیگ تو وہ بنا ہی چکی تھی، اپنا بیگ بنا رہی تھی، خود وہ تیار ہو چکی تھی، کاٹن کے دھانی اینڈ ریڈ کڑھائی کے سوٹ پر اوپر سے ریڈ کوٹ پر جارجٹ کا دوپٹہ ڈالے لمبے سلکی بالوں کو دو تین بل باندھ کے باقی کے کھلے چھوڑ دیے تھے، سرخ و سفید رنگت پر سیاہ آنکھیں جنھیں کاجل سے سجایا تھا، گال پر پڑتے ڈمپل مسکرانے سے گہرے ہونے لگے تھے۔

"جی تقریباً ساری تیاری مکمل ہو گئی ہے"۔ وہ مسکراتی ہوئی جیسے ہی پلٹی تھی سیاہ گھنیری پلکیں فوراً ہی جھکائی پڑیں، سرخ و سفید رنگت میں مزید سرخی گھل گئی تھی، ہونٹوں کی مسکراہٹ لبوں کے تراش میں ہی سمٹ کر رہ گئی تھی، کیونکہ عارفین اسی حالت میں اس کے قریب چلا آیا تھا، اس کا یوں جھجکنا عارفین کو پہلے تو سمجھ میں نہیں آیا مگر جب نگاہ اپنے بالکل سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے مرر پر پڑی تو سب سمجھ میں آ گیا تھا، وہ ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

"معصوم!" دھیرے سے مزید قریب آ کر کان میں ہلکے سے سرگوشی کی، چہرہ اس کے نازک شانے پر جھکا لیا تھا، معصومی کی تو جیسے جان ہی مشکل میں پڑ گئی تھی، اس کی دھیمی سرگوشی پر بمشکل لرزتی پلکوں کی باڑھ کو اوپر اٹھایا تھا، دل کی دھڑکن کی رفتار بہت تیز سے تیز بڑھنے لگی تھی، گلابی ہونٹ کپکپانے لگے تھے، جنھیں دوبارہ بار دانتوں سے کاٹ رہی تھی، اس کی غیر ہوتی حالت پر عارفین کو رحم آ گیا، وہ مزید اسے اور امتحان میں نہیں ڈال سکتا تھا۔

"ویری انوسینٹ!" صرف اتنا بول کر اس نے گیلا ٹاول اس کے گھبرائے شرمائے چہرے پر ڈال دیا اور وارڈ روب کی جانب بڑھ گیا۔ معصوم نے اپنے چہرے سے گیلا ٹاول ہٹایا اور عارفین کو دیکھا جو وارڈ روب سے اپنی بلیو ٹی شرٹ نکال رہا تھا۔

اسی اثناء میں دروازے پر دستک ہوئی، معصوم نے خود پر قابو کیا اور شکر ادا کرتے ہوئے دروازے کی سمت بڑھی، وہ عارفین کی حرکتوں سے کترانے لگی تھی، آج کل وہ بہت بے باک سا ذومعنی سا ہوتا جا رہا تھا، اگرچہ اس نے وعدہ کیا ہوا مگر تھا تو ایک مرد ہی ناں، بس یہی سوچ کر وہ اس کے ساتھ اکیلے کمرے میں رہنے سے کترانے لگی تھی، اور

پھر یہ کون جھٹلا سکتا تھا کہ وہ اس کا شوہر تھا، کچھ بھی ہو کیسے بھی ہو، نکاح نامے پر تو سائن اس نے کیے تھے اس شرعی جائز رشتہ تھا ان کا۔ مقسوم سب چھوڑ چھاڑ دروازے کی سمت بڑھی، دروازہ کھولا وہاں حرا اور ژالے کھڑی تھیں۔ اس نے دونوں کو اندر بلالیا تھا۔

"ہم لوگ مکمل تیار ہیں، آپ لوگوں کو کتنا وقت لگے گا؟" ژالے نے بیڈ پر بیگ اور کچھ سامان بکھرا دیکھا۔

"جنہیں تو سب سے زیادہ جلدی ہے"۔ عارفین نے اپنی کلائی میں گھڑی باندھی اور والٹ جینز کی جیب میں ڈالا اور مسکراتے ہوئے ژالے کو دیکھ رہا تھا۔

"ظاہری بات ہے ویسے ہی میری وجہ سے ہم لوگ اس قدر لیٹ ہو چکے ہیں، مقسوم بھابی! آپ نے پیکنگ نہیں کی ابھی تک؟" ژالے بیڈ پر آ کر آرام سے بیٹھی تھی اور بیڈ پر بکھرے سامان کو اٹھانے لگی۔

"ہاں بس ذرا تھوڑی سی ہی رہ گئی تھی"۔ مقسوم اپنے بیگ کی زپ بند کرنے لگی۔

"چلیں میں آپ کی ہیلپ کر دیتی ہوں"۔ اس نے دو چھوٹا سا بیگ اٹھایا اور اس میں بیڈ پر بکھرے سامان کو اس بیگ میں رکھنے لگی تھی۔

"ارے ژالے! رضا کے گرم کپڑے رکھے ہیں؟ وہاں دسمبر کے ماہ میں بہت ٹھنڈ ہوتی ہے"۔ عارفین نے شوز پہنتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔

"جی عارفین بھائی! ثمرن بھابی نے رضا کا بیگ تیار کیا ہے"۔

"پھر تو فکر کی بات نہیں ہے، اچھا اور تم لوگوں نے اپنے گرم کپڑے وغیرہ رکھے، یہاں کراچی میں اس قدر ٹھنڈ ہے تو سوچو وہاں اسلام آباد میں کتنی ہوگی"۔ اس نے شوز پہن لیے تھے۔

"اسی میں تو مزہ ہے عارفین بھائی! جی میری تو دلی مراد پوری ہو گئی، میری خواہش تھی کہ دسمبر کے ٹھنڈے موسم میں مری، کاغان، سوات کی سیر کروں وہاں کی سردی، برف باری.... جی بہت مزہ آئے گا"۔ حرا نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی تھی سب سے زیادہ وہ دونوں ایکسائیٹڈ ہو رہی تھیں۔

"یہ تو جب پتہ چلے گا جب وہاں جاؤ گی"۔ عارفین نے ہنستے ہوئے دونوں کو دیکھا تھا۔

"ارے بھئی! سب تیاری مکمل ہو گئی ہے تو چلو نکلیں، رات ہونے سے پہلے ہمیں وہاں پہنچنا ہے"۔ ثمرن رضا کو لیے وہاں چلی آئی۔

"میں تو ریڈی ہوں ثمرن بھابی! یہ خواتین ہی باتوں میں اتنا ٹائم لگا رہی ہیں"۔

"غور فرمایئے گا ثمرن بھابی! میرا خواتین کی لسٹ میں شمار نہیں ہوتا ہے، ابھی فی الحال"۔ حرا نے سب سے پہلے اس الزام سے خود کو بری الذمہ کیا تھا۔

"ہاں تم دو سال کی فیڈر پیتی بے بی ہو جیسے، پالکی سے سوتا ہوا اٹھا کے لائے ہیں"۔ ژالے نے چڑ کر اسے کہا تھا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے، ابھی میں ان میرڈ ہوں، تو اپنے ممی، ڈیڈی کی چھوٹی سی بے بی ہی ہوں"۔ اس نے مزید ژالے کو چڑایا۔

"ارے تو ہم تمہیں اس چھوٹی سی بے بی کو لے جا کر غلطی تو نہیں کر رہے ہیں، کیوں عارفین بھائی؟" اس نے ہنستے ہوئے عارفین کا فیور مانگا۔

"میرا تو خیال ہے میں اور مقسوم تم سب کو لے جا کر غلطی کر رہے ہیں"۔ عارفین نے تو جلتی پر تیل کا کام کیا۔

تھا، اس کی طرف داری کرنے کے بجائے اپنا ہی رنگ الاپ رہا تھا، اپنے مطلب کی بات کہہ کر خود ہی زور سے ہنس دیا تھا کہ ژالے کی شکل دیکھنے والی ہو گئی۔

"عارفین بھائی! یو چیٹر!" اس نے تپ کر ہاتھ میں جو پاؤڈر کا ڈبہ تھا وہ کھینچ کے مارا تھا، جسے اس نے بڑی مہارت سے کیچ کیا تھا۔

"آپ تو اس لائق ہی نہیں ہیں کہ آپ سے بات بھی کی جائے"۔ وہ منہ بناتی پھر سے اپنے کام میں جت گئی۔

"اچھا سوری؟" وہ آگے بڑھا اور گھٹنوں کے بل بیٹھے دونوں کان پکڑے چہرہ جھکا کے ژالے کو دیکھا، ژالے ہلکے سے ہنس دی، جس کا مطلب تھا "اٹس اوکے"۔

"مگر ہاں آگے کی گارنٹی نہیں دے سکتا کہ میں تمہیں دوبارہ تنگ نہیں کروں گا"۔

"آپ ہیں ہی بدتمیز"۔ اس نے اپنی نازک ہتھیلی کا مکا بنا کے زور سے اس کے کسرتی بازو پر جڑ دیا تھا۔

"ژالے! ایک میری طرف سے بھی"۔ حرا نے ہانکا۔

"کیوں مجھے مقسوم بھابی سے پٹوائے گی"۔ ژالے نے حرا کو کہا، پھر مقسوم کو دیکھا۔

"ایسے کیوں بول رہی ہو تم؟" مقسوم نے بے دھڑک بول دیا۔

"اس کا مطلب ہے آپ کو برا نہیں لگے گا"۔

"مجھے تمہاری کسی بات کا برا تو نہیں لگا"۔ وہ شاید سمجھی نہیں تھی۔

"یعنی کہ یہاں آپ کے شوہر نامدار کی پٹائی ہو رہی ہے اور آپ کو بالکل برا نہیں لگ رہا؟" عارفین نے دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔

"جی...!" وہ بری طرح شپٹا کے رہ گئی بلا سوچے سمجھے بول تو گئی، مگر اب آگے کیا بولے سمجھ نہیں آ رہا تھا، کیونکہ وہ اسے گھیر چکے تھے، وہ واقعی میں اس وقت گھبرا کر رہ گئی تھی۔

"او مائی گاڈ...!" ژالے اور حرا کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"عارفین بھائی! آپ کی مسز بہت معصوم ہیں"۔ حرا کی ہنسی نہیں رک رہی تھی، لطف اندوز تو وہ خود بھی بہت ہو رہا تھا۔

"یہ تو ہے کہ محترمہ معصوم بہت ہیں"۔ وہ اٹھا تھا اور اس کے دلکش دھیرائے چہرے کو اپنی آنکھوں میں قید کر لیا تھا۔

"اب بس بھی کرو بے چاری کنفیوژ ہو گئی ہے"۔ ثمرن اس کے پاس چلی آئی تھی۔

"کوئی بات نہیں، ہم میں رہیں گے تو ٹھیک ہو جائیں گے"۔ ژالے نے کہا۔

"خدارا بس اپنی طرف مت بنانا"۔

"عارفین بھائی...!" ژالے بری طرح چیخ پڑی کہ سب ہی پھر سے ہنس دیے تھے۔

☆..........☆..........☆

"دانی جان! کیا کر رہی ہیں آپ؟" ریحان شیخ اس کے بیڈ روم میں چلے آئے تھے۔

"السلام علیکم بابا! آپ کب آئے آفس سے؟"

"بالکل ابھی آیا ہوں اور سیدھا آپ کے کمرے میں آیا ہوں"۔ سائیڈ میں رکھی آرم چیئر گھسیٹی اور اس پر

"آپ نے کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا اور میں نے آپ کے آفس فون کیا تھا آپ کی سیکریٹری بتا رہی تھی آپ نے لنچ بھی نہیں لیا آج کا"۔

"بس بیٹا! مصروفیت ذرا بڑھ گئی ہے"۔

"پھر بھی بابا! آپ نے اپنی صحت کا خیال رکھنا بالکل چھوڑ دیا ہے"۔ ہلکی سی خفگی کے ساتھ دیکھنے لگی۔

"مگر مجھے خود سے زیادہ آپ کا خیال رہتا ہے، میری تو گزر گئی اب آپ کی فکر لاحق رہتی ہے"۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں، اچھا ڈیئر۔ نوری!" اس نے پاس ہی بیٹھی نوری کو پکارا۔

"جاؤ بابا کے لیے کھانا یہیں گرم کر کے لے آؤ"۔

"مگر پہلے میں ذرا فریش ہو جاؤں پھر کھا لوں گا اور ابھی فی الحال مجھے بھوک بھی نہیں ہے"۔ انھوں نے اشارے سے نوری کو جانے سے منع کرنے کے بعد دانیہ کو دیکھا۔

"ارے ایسے کیسے بھوک نہیں ہے، لنچ نہیں کیا اور مجھے معلوم ہے کھانا بھی نہیں کھائیں گے، اس لیے آپ کو میرے سامنے ہی کھانا کھانا پڑے گا"۔ ضدی لہجے میں بولی۔

"لیکن...!"

"نہیں، اب لیکن ویکن کچھ نہیں چلے گی، جاؤ نوری! جلدی سے کھانا گرم کر کے یہیں لے آؤ"۔

"جی بہتر"۔ وہ کمرے سے چلی گئی۔

"آپ بھی اپنی ضد کی ایک ہو"۔ انھوں نے شفقت سے اپنی بیٹی کو دیکھا وہ مسکرا دی۔

"اچھا ایک بات اور...! آج صبح عارفین کا فون آیا تھا، وہ سب لوگ یہاں سیر و تفریح کے لیے آ رہے ہیں"۔

"سچ... یہ تو بہت خوشی کی بات ہے"۔ دانیہ دلی خوشی سے بولی چہرے پر خوشی کے واضح رنگ جھلک رہے تھے۔

"ہاں وہ تو کہہ رہے تھے کہ ہوٹل میں رکیں گے، مگر میں نے منع کر دیا کہ جب یہاں ہمارا گھر ہے تو ہوٹل جانے کی کیا ضرورت ہے"۔

"عارفین بھائی بھی ناں.... کبھی کبھی بہت فارمل ہو جاتے ہیں، یہ بھلا کیا بات ہوئی، ہم کتنے دنوں سے ان کا انتظار کر رہے ہیں، دیکھیے آنے دیں انھیں اچھی طرح کلاس لوں گی"۔

"چلیں ٹھیک ہے اب ایسا ہے کہ دونوں کمرے کھلوا کے صفائی وغیرہ کروا دیں، وہ لوگ شاید اب تو پہنچنے ہی والے ہوں گے"۔

"بابا! آپ مجھے صبح ہی فون کر دیتے"۔

"تو پھر اپنی بیٹی کے چہرے پر یہ اچانک سے پھوٹتی خوشی کیسے دیکھ پاتا؟" انھوں نے دانیہ کا مسکراتا چہرہ دیکھا تھا۔

"یہ تو ہے، مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے، جی بابا! بہت مزہ آئے گا ہمارے گھر میں بھی خوب رونق لگے گی، بابا! میں انھیں ایک ماہ سے پہلے تو بالکل جانے نہیں دوں گی"۔ ریحان شیخ ہنس دیے۔

"یہ تو اب عارفین ہی آ کر بتائیں گے کہ وہ کتنے دن کے لیے یہاں رکیں گے"۔

"وہ چاہے کچھ بھی کہیں مگر میں انھیں ایک ماہ سے پہلے نہیں جانے دوں گی"۔ اسی دوران نوری بھی کھانا گرم کر کے لے آئی تھی، کھانے کی ٹرے اس نے ٹیبل پر رکھ دی، اور اس چھوٹی سی کانچ کی ٹیبل کو ریحان شیخ کے آگے کھسکا دیا۔ دانیہ نے ہاتھ بڑھا کے سائیڈ سے اپنی پیسا ٹی اٹھائی تھی۔

"کہاں جا رہی ہیں آپ؟" دانیہ کو اٹھتے دیکھا تو کہا۔

"بابا! کمروں کی صفائی کرواؤں گی"۔

"تو آپ نوری کو بتا دیجیے، وہ کر دے گی"۔

"نہیں بابا! میں خود اپنی نگرانی میں کرواؤں گی، کسی چیز کی کمی نہیں رہنی چاہیے، عارفین بھائی کی سز اور ان کی کزنز پہلی بار ہمارے گھر آ رہی ہیں، میں چاہتی ہوں انھیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، وہ یہاں سے بہت خوش ہو کر جائیں کہ پھر دوبارہ سے آنے کی خواہش ہو"۔

"او مائی گاڈ!" ریحان شیخ ہولے سے ہنس دیے۔

"آپ تو کام سے گئیں.. اب یقیناً مجھے آپ سے بات کرنے کے لیے اپائنٹمنٹ لینا پڑے گا"۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کیا کر دے اسی پر ریحان شیخ ہنسے تھے۔

"جی نہیں میرے پیارے سے بابا کو مجھ سے اپائنٹمنٹ لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی، کیونکہ آپ بھی آفس سے چھٹی لے رہی ہیں، ہمارے ساتھ فل انجوائے کرنے کے لیے"۔

"ارے نہیں دانی بیٹا! یہ غضب بھی مت کریے گا"۔ انھوں نے ڈرنے کی بھرپور ایکٹنگ کی جس پر وہ مسکراتے ہوئے نوری کو لیے کمرے سے باہر نکلنے لگی۔

"مگر میں پھر یہاں اکیلے کیا کروں گا، نوری! ایک کام کرو، یہ ٹرے وہاں ڈائننگ ٹیبل پر رکھو، میں فریش ہو کر وہیں آ رہا ہوں"۔ انھوں نے نوری کو آواز دی تھی، نوری ان کے حکم کی پاسداری کرتے ہوئے ٹرے اٹھا کے باہر نکل گئی۔

کوئی ایک گھنٹہ لگا کر دانیہ نے اپنی نگرانی میں دونوں کمروں کو شیشے کی طرح چمکا دیا تھا، ضرورت کی ہر شے وہاں رکھوا دی تھی، کہ ان لوگوں کو کسی شے کے لیے پریشان نہ ہونا پڑے۔

اتنے میں ایک بڑی سی گاڑی ان کے دروازے کے باہر آ رکی تھی، ریحان شیخ سمجھ گئے عارفین اپنی فیملی کو لے کر آ گیا تھا، انھوں نے اندر کا دروازہ کھولا، چوکیدار مین گیٹ کھول چکا تھا عارفین اپنی گاڑی اندر لا رہا تھا، پورچ میں گاڑی لا کر روکی سب آرام آرام سے نیچے اتر رہے تھے۔

"السلام علیکم!" ایک بہت ہی پیاری سی چھوٹی سی کم عمر لڑکی ان لوگوں کے پاس آئی تھی، سب نے کورس میں آہستہ سے وعلیکم السلام کا جواب دیا تھا۔

"کیسے ہیں آپ لوگ؟" وہ بہت خوش لگ رہی تھی۔ کتنی پیاری تھی وہ نازک سی شیشے کی طرح کوئی کمی نہیں لگ رہی تھی مگر اس کی بے ساکھی دیکھ کر معصوم کو بہت دکھ ہوا تھا، معصوم سا دلکش سا حسن کندنی رنگت پر نین کٹورے جس میں بے پناہ خوشی اللہ اللہ کے جھلک رہی تھی، شنگرفی لب جس پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی، اس کی سب سے خوبصورت صراحی دار گردن جس پر ایک تل واضح اس کی خوبصورتی کو بڑھا گیا تھا، بلاشبہ وہ بہت پرکشش شخصیت کی مالک تھی، مکمل ترین لڑکی مگر اس کی بے ساکھی نے جیسے چاند میں گرہن سا لگا دیا تھا۔

"بالکل ٹھیک، تم سناؤ کیسی ہو؟" عارفین نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

ملی کی باتیں ٹھیک ہوں۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ ان سے اچھا خوشی کا اظہار کیسے کرے۔

''دانی بیٹا! حال احوال اندر آ کر پوچھ لیجیے گا، وہ لوگ سفر سے تھکے ہوئے آئے ہیں۔'' ریحان شیخ نے ہی اسے احساس دلایا تھا۔

''اوہ آئی ایم سوری، میں اپنی خوشی میں اس قدر ایکسائیٹڈ ہو گئی کہ اندر آنے کا بھی نہیں کہا۔'' وہ دل بھر کے شرمندہ ہوئی تھی۔

''ارے کوئی بات نہیں اور جس قدر تم ایکسائیٹڈ ہو رہی ہو، یہی حال کچھ یہاں بھی ہے۔'' ثمران نے اسے شرمندگی سے بچانے کے لیے ژالے اور حرا کی طرف اشارہ کیا تھا، جس پر وہ دونوں وانیہ کو مسکرا کے دیکھنے لگیں۔

''آج بہت ٹھنڈ ہے، آپ سب لوگ اندر آ جائیں۔'' ریحان شیخ کے ہمراہ وہ سب اندر آئے تھے۔

''آپ لوگ لمبے سفر سے آئے ہیں تھک گئے ہوں گے کچھ دیر آرام کر لیں، میں اتنے میں آپ لوگوں کے لیے مزیدار کھانا بناتی ہوں اور ساتھ سبز قہوہ بھی۔'' وانیہ اس قدر خوش ہو رہی تھی کہ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ لوگ یاران کے گھر آئے ہیں، وہ جو کچھ دنوں سے ذہنی خلفشار کا شکار تھی، ذہنی و جسمانی اذیت میں مبتلا تھی، اس وقت کچھ بھی یاد نہیں تھا وہ سب بھول کر خوش ہونا چاہتی تھی، ان لوگوں کے ساتھ پل پل کو انجوائے کرنا چاہتی تھی، خوشیاں مٹھی میں قید کرنا چاہتی تھی۔

''اصل میں بابا نے بتایا ہی ابھی کچھ گھنٹے پہلے ہے کہ آپ لوگ آ رہے ہیں، اگر صبح سے پتہ چلتا تو میں بہت کچھ اچھا سا مزیدار کھانا بنا کے رکھتی۔''

''ویسے بہت اچھا کیا جو انکل نے نہیں بتایا، ورنہ تمہارے چہرے پر یہ اچانک سے پھوٹتی خوشی کیسے دیکھ سکتے تھے؟'' عارفین نے بھی ریحان شیخ کی بات کی تھی۔

''اور آپ وانیہ! اتنا پریشان بھی مت ہوئیے، کیونکہ ہم کوئی مہمان وغیرہ نہیں ہیں۔'' ژالے نے بھی جھٹ کہا تھا۔

''جی ہاں وانیہ! یہ مہمان نہیں بلکہ وبالِ جان ہیں۔'' عارفین نے ہلکے سے ہنستے ہوئے کہا۔

''اللہ عارفین بھائی! ایسا مت بولیے۔'' وانیہ نے فوراً کہا مبادا وہ برا نہ مان جائے، کیونکہ ژالے بری طرح عارفین کو گھور رہی تھی۔

''آئی سویٹ ژالے! میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔''

''ارے وانیہ! آپ پریشان مت ہوئیے یہ تو عارفین بھائی کی عادت ہی ایسی ہے جب تک مجھے تنگ نہ کر لیں، انھیں پانی بھی ہضم نہیں ہوتا۔'' ژالے نے عارفین کو گھورنے کے بعد پریشان سی وانیہ کو دیکھا تھا۔

''عارفین بھائی! بدتمیزی کی بھی حد ہوتی ہے، وہ بے چاری ویسے ہی پریشان ہو رہی ہے آپ اپنی فضول گفتگو سے مزید پریشان کر رہے ہیں، وانیہ! آپ کو پریشان ہونے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے، اگر کھانے کا مسئلہ ہے تو ہم سب مل کر بنا لیں گے۔'' ژالے اٹھ کر وانیہ کے پاس آ گئی تھی، جس پر عارفین کی نہ ختم ہونے والی کھانسی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

''اب آپ یہ بھی بتا دیں کہ ہم سب میں کون کون شامل ہے، کیونکہ جہاں تک میرے علم میں ہے آپ کو تو انڈہ تک ابالنا نہیں آتا۔'' حرا نے چٹکلا چھوڑا۔

''کیوں نہیں بھئی! ہم سب میں تم ہو ثمران بھائی، مقسوم بھائی اور ابھی وانیہ نے کہا وہ ایک اچھی کک ہیں۔''

''آفرین ہے ڈھٹائی کی۔'' حرا نے تنفر سے گھورا تھا۔

''تھینک یو مائی ڈیئر۔'' وہ اسی ڈھٹائی سے کورنش بجا لائی جیسے اس کی تعریف کی گئی ہو۔

''اینڈ بائے دا وے ہماری ژالے بی بی کیا کام سرانجام دیں گی اس دوران؟'' عارفین نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''میں ظاہری بات ہے اپنے بیٹے رضا کو سنبھالوں گی۔''

''ٹھیک ہے کام نہ کرنا ہو تو بچہ سنبھال لو۔''

''ارے تو آپ یہ جاب مقسوم بھائی کو دیں۔'' ژالے نے منہ پھاڑ کے مشورہ دیا تھا۔ مقسوم تو بری طرح شپٹا کے رہ گئی، عارفین اس کے چہرے کی لالی سے محظوظ ہوا، مسکرا کے رہ گیا، جبکہ حرا اور ثمران نے بری طرح اس کو گھورا تھا۔

''ذرا شرم نہیں ہے اس لڑکی میں، کم از کم دیکھ تو لیا کرے، انکل بھی کیا سوچتے ہوں گے۔'' نہایت دھیمی سرگوشی میں حرا نے ثمران سے کہا تھا، اس کی دھیمی سرگوشی اس ماحول کی خاموشی میں سب نے سنی تھی، ژالے کو احساس ہوا تھا اپنے کہے گئے جملوں کا، وہ بے دھڑک ہر بات کہہ جاتی تھی، زبان دانتوں میں دبائے سر جھکا گئی۔ ریحان شیخ مسکرا دیے بہت خوشی ہوئی تھی انھیں ان لوگوں سے مل کر، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اسی گھر کا حصہ تھا۔

''ویری گڈ! مجھے بہت خوشی ہوئی آپ لوگوں سے مل کر، میں اور وانیہ تو خواہ مخواہ ہی اتنا گھبرا رہے تھے، کہ جانے آپ سب یہاں ایڈجسٹ کر پاؤ گے بھی یا نہیں۔'' اور ژالے کے سر پر دست شفقت سے ہاتھ دھرا تھا۔

''اب ایسا ہے کہ کچن میں پکانے کی ہر شے موجود ہے، فروٹس بھی ہیں، ڈرائی فروٹس بھی ہیں جو دل چاہے کھائیں اور پکائیں اور کھلائیں بھی چونکہ میں کھانا کھا چکا ہوں، مگر ژالے جو بنائیں گی میں صرف وہ کھاؤں گا، حالانکہ بھوک بالکل نہیں ہے، مگر ژالے بیٹا! آپ کچھ بھی پکا کے اپنے انکل کو کھلائیں میں تیار ہوں۔''

''انکل! آپ بھی...!'' ژالے کا چہرہ فق ہو کر رہ گیا تھا۔

''وہ کیا ہے ناں مائی سویٹ چائلڈ! کہ سب ایک طرف تو میں نے سوچا میں اکیلا رہ کر کیا کروں گا، میں بھی ان کا ساتھ دوں، وہ مثال ہے ناں کہ گرتی ہوئی دیوار کو ایک دھکا اور دو۔'' ریحان شیخ بہت عرصے بعد آج اچھے موڈ میں تھے، جبکہ عارفین زور سے ہنسا تھا۔

''بابا! وہ ہماری گیسٹ ہیں اس طرح مت بولیے، وہ مائنڈ کر جائیں گی۔'' وانیہ نے دھیرے سے کہا مگر پھر بھی سب نے سن لیا تھا۔

''ارے نہیں وانیہ! مجھے بالکل برا نہیں لگ رہا، ریحان انکل میرے پاپا کی طرح ہیں مجھے ان کی کوئی بات ناگوار نہیں لگ سکتی۔'' ژالے نے وانیہ کا ہاتھ پکڑا اور یقین دلانے والے انداز میں اسے دیکھا۔

''دیکھا میں نے آپ لوگوں سے کہا تھا ناں کہ ہماری ژالے نے ڈھٹائی کے سارے ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔'' حرا فوراً بول پڑی۔

''جی ہاں، میں نے ڈھٹائی کے ریکارڈ توڑے ہیں تم ڈھیٹوں کی سردار ذرا خود اپنی تعریف بھی کر لو۔'' ژالے کہاں چپ رہنے والوں میں سے تھی، ساری فارمیلٹی ایک طرف کیے میدان میں کود پڑی۔

''تعریف اس خدا کی جس نے مجھ جیسا حسین مجسمہ شاہکار بنایا۔''

"خوش فہمی کی بھی حد ہے"۔ ڈالے نے حرا کے بازو پر ایک چٹکی بھری۔

"اچھا مگر عارفین بھائی نے تو کبھی نہیں بتایا"۔ وہ کرین کا بچ میں حیرانگی سماتے ہوئے بولی۔

"ارے کیا نہیں بتایا میں نے؟" عارفین ایک ٹرے ہاتھ میں لیے چلا آیا جس میں وہ برگر ساتھ فنگر چپس، مایونیز، کیچپ رکھا تھا۔

"یہی کہ معصوم بھابی کی زیادہ تر زندگی لندن میں گزری ہے"۔ اس نے عارفین کے ہاتھ سے ٹرے لی تھی۔

"رئیلی.....مجھے بھی آج اس وقت پتہ چلا ہے کہ معصوم لندن میں رہتی تھیں"۔ عارفین کی آنکھوں میں حیرانگی در آئی تھی۔

"زیادہ بھولے بننے کی ضرورت نہیں ہے، آپ ایک نمبر کے چھپے رستم ہیں، جبھی میں سوچوں اچانک بزنس کے بہانے سے لندن کیوں بھاگے جاتے تھے؟" اس نے ایک برگر اٹھایا اس میں مایونیز و کیچپ ڈال کے فنگر چپس اٹھائی اور ٹرے معصوم کے ہاتھ میں تھما دی، اس نے ایک بائٹ کھایا۔

"مگر میری ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ جس دن آپ لندن گئے تھے اتفاق سے اسی دن رابعہ پھپھو نے بتایا تھا کہ وہ آپ کے لیے ایک خوبصورت سی لڑکی پارٹی میں دیکھ کر آئی ہیں، یار! یہ کیا قصہ ہے بھئی؟" اس نے فنگر چپس منہ میں ڈالی تھی۔

"اف...تمہاری میموری پاور تو کمال کی ہے اب ایک کام کرو، اسے الٹے سیدھے کاموں میں ضائع مت کرو، ثمرن بھابی تمہیں بلا رہی ہیں، رضا رو رہا ہے جا کر اسے دیکھو"۔ عارفین نے جان بوجھ کر اسے وہاں سے ہٹایا تھا، مگر دل ہی دل میں اس کی ذہانت کی داد دیے بغیر بھی نہ رہ سکا تھا، مگر اس وقت اس کی ذہانت کسی کے لیے مسئلہ پیدا کر سکتی تھی، کیونکہ وہ معصوم کا سپید پڑتا چہرہ دیکھ رہا تھا، اس کے چہرے پر گھبراہٹ ہی گھبراہٹ تھی۔

"اوہ ہو عارفین بھائی! اتنی باتیں بنا لیں یہ نہیں بتایا کہ رضا رو رہا ہے"۔ وہ رضا کا سن کر بوکھلا کر رہ گئی، الٹا اسے الزام دھرتی تیزی سے آگے بڑھی تھی، اس کے جانے کے بعد عارفین نے معصوم کا چہرہ بغور دیکھا تھا جہاں اس وقت بھی ایک گمبھیر سا سایہ سا تھا۔

"معصوم! آر یو آل رائٹ؟" عارفین نے بے ساختہ اس کے نازک شانے پر اپنی مضبوط ہتھیلی دھری تھی، بمشکل وہ سیاہ آنکھیں اوپر کو اٹھیں جہاں ایک گہرا سناٹا تھا۔

"معصوم! مجھے لگتا ہے آپ کو کوئی پریشانی ہے کوئی بات ہے جو آپ کو پریشان کر رہی ہے، پلیز اپنے اس دوست کو نہیں بتائیں گی؟" معصوم نے خود کو ریلیکس کیا پھر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"ن.....نہیں.....ایسی تو کوئی بات نہیں ہے"۔ وہ نگاہیں چرانے لگی۔

"شیور.....؟" اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا اس کا نظریں چرانا اسے شک میں ڈال گیا تھا، اس کے لب و لہجے کی لڑکھڑاہٹ سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کچھ چھپا رہی ہے۔

"جی.....!"

"معصوم! اگر کوئی ایسی بات ہے تو مجھ سے شیئر کر لیجیے کیا پتہ میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں"۔

"آ.....آپ.....آپ کو یقین کیوں نہیں آ رہا، ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔ وہ تھوڑا زچ ہو گئی تھی، عارفین نے بغور اس کا چہرہ جانچا تھا۔

"او کے کر لیا میں نے یقین، اب اس مسئلے کو چھوڑیے اور ہمارے شہر اسلام آباد کا برگر کھایئے اور بتایئے کیسا ہے؟" اس نے بات کا رخ ہی بدل دیا تھا، شاید کچھ ایسا تھا جو وہ اس سے شیئر نہ کرنا چاہتی تھی، معصوم نے اس کا چہرہ دیکھا اس کی براؤن آنکھوں سے صاف ظاہر تھا کہ اس نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا ہے۔

"کھایئے...!" عارفین نے مسکرا کے ٹرے کی سمت اشارہ کیا، معصوم نے برگر اٹھایا اور ایک بائٹ لیا۔

"کیسا ہے؟"

"ہوں...لذیذ!" وہ نظروں کا رخ ہی پھیر گئی تھی، دل اندر سے مرجھا کے رہ گیا تھا کسی منظر کسی شے میں اب دل ہی نہیں لگ رہا تھا اور عارفین یہ نوٹ کر چکا تھا، پھر سب اپنے اپنے رومز میں چلے گئے تھے، اگلے دن سب نے شاپنگ کا پروگرام بنایا تھا۔

☆..........☆..........☆
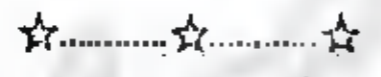
عارفین نے ڈالے، وانیہ اور قوری کو مال کے باہر ہی چھوڑ دیا تھا۔

"او کے تم جاؤ اور جلدی آنے کی کوشش کرنا، بلکہ ڈالے! یوں کرنا مجھے کال کر لینا، میں تم لوگوں کو خود لینے آ جاؤں گا"۔

"نہیں عارفین بھائی! ہم آ جائیں گے اور کون سا دور ہے یہ دو قدم پر ہی تو ہے"۔ وانیہ نے سہولت سے انکار کیا تھا۔

"او کے مگر پلیز جلدی!"

"اور ایک ریکویسٹ اور کہ ٹائم زیادہ مت لگانا مجھے امید تو نہیں ہے کیونکہ شاپنگ کی ایک اور شوقین وانیہ تمہارے ساتھ ہے مگر پھر بھی کہوں گی جلد از جلد شاپنگ کر لینا کیونکہ آج ٹھنڈ بھی بہت ہے گھر جلدی چلیں گے رات کا کھانا گھر پہ ہی کھائیں گے"۔ ثمرن نے دونوں کو باری باری دیکھا تھا۔

"جو حکم سرکار!" ڈالے کورنش بجا لائی تھی۔

"ثمرن بھابی! اس کے حکم سرکار کہنے اور عمل کرنے میں بہت تضاد ہے"۔ معصوم نے بھی ڈالے کو پیار سے دیکھا تھا۔

"بہت خوب...ہماری معصوم بھابی تو بہت سمجھدار ہیں، بلکہ یوں کریے آپ بھی ہمارے ساتھ ہی چلیے"۔

"نہ بابا نا، قطعی نہیں"۔ اس نے تو کان ہی پکڑ لیے۔

"تو یوں کہیے ناں کہ میاں کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتیں کہیں کسی حسین دوشیزہ کے حسن میں نہ الجھ جائیں"۔ انداز سو فیصد ستانے والا تھا۔

"عارفین بھائی! گاڑی اسٹارٹ کریں کیونکہ اگر یہ اسٹارٹ ہو گئی تو چپ کرانا مشکل ہو جائے گا"۔ حرا نے مزید اسے آگے کچھ بولنے سے پہلے ٹوک دیا وہ ایسی ہی ہو گئی تھی، بے باک سی، زبان پر تو جیسے خندق تھا جو منہ میں آتا بول دیتی۔

"او کے بابا! ہم ہی جا رہے ہیں"۔ ڈالے مال کی سمت بڑھ گئی اور عارفین نے اپنی گاڑی بالکل برابر میں لگی پھولوں کی ایگزیبیشن کے قریب روک دی تھی۔ کوئی ایک گھنٹہ گزر گیا ہو گا ان لوگوں کو گھومتے مگر ابھی تک دلہن کو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

"وانیہ یہ کلر دیکھو!" ڈی پر لٹکا شیفون کا رائل گرین اینڈ گولڈن امتزاج کا سوٹ بہت حسین لگ رہا تھا اس

کے گلے اور آستین پر نہایت حسین و نازک کام کیا گیا تھا، جبکہ گولڈن دوپٹے کے چاروں طرف شنیل کی چوڑی پٹی کے ساتھ کڑھائی کی گئی تھی۔

"زبردست یار!" وانیہ کو بھی بہت پسند آیا تھا۔

"ایک کام کرتے ہیں ہم دونوں ایک جیسا ہی سوٹ لے لیتے ہیں چلو آؤ اندر چلیں"۔ وہ تینوں اندر شاپ میں آ گئی تھیں۔

"سوری میم! یہ بوتیک ڈیزائن ہے تو ہم ایک پیس بنواتے ہیں"۔ دوکاندار نے معذرت کی۔

"تو آپ ارینج نہیں کر سکتے کہیں سے؟" ژالے کو اتنی مشکل سے وہ ایک سوٹ پسند آیا تو وہ بھی ایک ہی پیس تھا۔

"نہیں سوری میم! مگر ہاں اگر آپ آرڈر پہ بنوائیں تو پاسیبل ہے"۔

"نہیں ہمیں تو ابھی چاہیے تھا"۔ ژالے کا چہرہ اتر گیا۔

"ژالے! تمھیں پسند آ رہا ہے تم لے لو یہ سوٹ"۔ وانیہ سے اس کی اداسی دیکھی نہیں گئی۔

"کیوں تمھیں پسند نہیں آ رہا کیا؟"

"نہیں مجھے بھی بہت پسند آ رہا ہے"۔

"تو ٹھیک ہے ہو گیا فیصلہ، لیں گے تو دونوں ایک جیسا ورنہ نہیں"۔

"اچھا آپ ایک منٹ رکیے!" دوکاندار ایک شاپر لے کر آیا اور اس میں سے ایک سوٹ نکالا تھا بالکل ان جیسا ہی تھا صرف کلر رائل بلیو اور کڑھائی میں تھوڑا چینج تھا۔

"یہ دیکھیے یہ ایک سیمپل کے طور پر آیا تھا، مگر آپ کو کتنا پسند آیا کہ مجھے آپ کو یہ سوٹ نکال کے دکھانا پڑا"۔ دوکاندار نے وہ سوٹ ان دونوں کی طرف بڑھایا تھا۔

"وانیہ! یہ بھی بہت خوبصورت لگ رہا ہے اب تم مجھے بتاؤ تم ان دونوں میں سے کون سا لوگی؟"

"تمھیں کون سا اچھا لگ رہا ہے؟"

"مجھے تو دونوں پسند آ رہے ہیں؟"

"تو پھر ٹھیک ہے میں بلیو لے لیتی ہوں تم گرین لے لو"۔ وانیہ نے مسکرا کے کہا۔

"او کے ڈن!" وہ بھی دھیرے سے مسکرا دی۔

"آپ ان دونوں سوٹوں کو پیک کر دیں"۔ ژالے نے وہ دونوں سوٹ پیک کروا لیے اور شاپر نوری کے ہاتھ میں تھما دیا تھا اسی طرح گھومتے ہوئے ایک گھنٹہ اور صرف ہو گیا اس دوران دونوں نے کچھ جیولری پرفیومز وغیرہ لیے بلکہ وانیہ نے اپنی طرف سے سب کو دینے کے لیے گفٹ خریدے وہ کچھ شوپیسز وغیرہ دیکھ رہی تھیں کہ وانیہ کا فون بجا جسے اس نے ریسیو کیا تھا۔

"السلام علیکم بابا!"

"جیتی رہو، کہاں ہو آپ لوگ؟" دوسری طرف ریحان شیخ تھے۔

"بابا! میں اور ژالے تو شاپنگ مال میں ہیں جبکہ عارفین بھائی ان لوگوں کو لے کر پاس ہی پھولوں کی ایگزیبیشن میں لے کر گئے ہیں"۔

"او کے میں وہیں مال میں آ رہا ہوں، آج آفس میں کام سے جلدی فارغ ہو گیا تھا تو سوچا آپ لوگوں کے

ساتھ ڈنر باہر کیا جائے"۔

"او کے بابا! آپ یہاں آ جائیے"۔ اس نے خوش دلی سے آفر کی۔

"او کے بیٹا! اللہ حافظ!" انھوں نے موبائل آف کر دیا تھا۔

"کیا ہوا کس کا فون تھا؟" برابر میں کھڑی ژالے شوپیس ہاتھ میں لیے بولی۔

"بابا کا فون تھا، وہ ہمیں جوائن کر رہے ہیں تھوڑی ہی دیر میں"۔

"ارے یہ تو بہت اچھی بات ہے مزہ آئے گا"۔ وہ بھی بہت خوش ہوئی تھی، ریحان شیخ پرسنلی طور پر اسے بہت پسند آئے تھے، بالکل اپنے پاپا اور بڑے پاپا کی طرح۔

آدھا گھنٹہ گزر گیا مگر ریحان شیخ ابھی تک نہیں آئے تھے، وہ دونوں انتظار کر رہی تھیں۔

"وانیہ! تم تھک گئی ہو گی ناں، پتہ ہے ہمیں گھومتے گھومتے تین گھنٹے گزر گئے ہیں، شاپنگ میں اور باتوں میں اب وقت گزرا پتہ ہی نہیں چلا، اب ایک کام کرتے ہیں، چلتے ہیں"۔ ژالے کو بہت شدت سے وانیہ کی تھکن کا احساس ہوا تھا وہ بے چاری بیساکھی کے سہارے کتنا پیدل چلی تھی، کیا پتہ وہ مروت میں کچھ نہ کہہ رہی ہو مگر مجھے تو احساس کرنا چاہیے تھا۔

"ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔ چہرے پر واضح تھکن کے آثار تھے جنھیں وہ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"بس اب ہم چلتے ہیں، ریحان انکل کو فون کر دیتے ہیں کہ وہ پھولوں کے فیسٹیول میں آ جائیں"۔ اتنا کہا ہی تھا کہ نگاہ اچانک اوپر اٹھی۔

"ارے وہ دیکھو ریحان انکل... وہ ہمیں اوپر ڈھونڈ رہے ہیں، وانیہ! تم ایک کام کرو تم نوری کے ساتھ جاؤ میں ریحان انکل کے ساتھ آتی ہوں"۔

"چلو ٹھیک ہے میں واقعی بہت تھک گئی ہوں، سیڑھیاں چڑھنے کی تو بالکل ہمت نہیں ہے"۔ اس نے کہا اور نوری کو لیے مال سے باہر جانے والے راستے کی سمت بڑھ گئی، ژالے اوپر ریحان شیخ کی طرف بڑھی تھی۔

وانیہ، نوری کے ہمراہ مال سے باہر نکل گئی تھی، ژالے نے انھیں ایک نظر دیکھا، اور اوپر کی سمت قدم بڑھا دیئے تھے۔

وہ دونوں پانچ منٹ کے اندر ہی پھولوں کے فیسٹیول تک آ گئی تھیں، عارفین ان لوگوں کو لے کر باہر آ گیا تھا، پہلی نظر وانیہ پر ہی پڑی تھی۔

"اوہ... شکر ہے آج کی تاریخ میں تم لوگوں کی شاپنگ مکمل ہوئی"۔ حرا نے شکرانہ پڑھتے ہوئے متلاشی نگاہ ادھر ادھر دوڑائی تھی۔

"وانیہ! ژالے کہاں ہے؟"

"وہ اصل میں بابا بھی وہیں آ گئے تھے تو وہ ان کے ساتھ آ رہی ہے، ہم واپس آ گئے"۔ اچانک سے اسے زور کا چکر آیا تھا اس نے سہارے کے لیے گاڑی پر ہاتھ رکھا تھا، ثمران تیزی سے آگے بڑھی تھی۔

"وانیہ! تم ٹھیک ہو؟" اس نے رضا کو حرا کو دیا اور وانیہ کو تھاما تھا، عارفین نے بھی فکرمندی سے اسے دیکھا تھا۔

"جی ثمران بھائی! میں ٹھیک ہوں شاید تھک گئی ہوں"۔

"ہاں تو ظاہر ہے 3/4 گھنٹے شاپنگ کے لیے اتنا چلی ہو تو تھکی ہی ہوگی اور اس لڑکی کو دیکھو ابھی تک دل نہیں بھرا اس کا شاپنگ سے، مجھے یقین ہے اب وہ انکل کو بھی خوب گھمائے گی۔" ثمرن نے بے بسی سے کہا۔

اسی دوران اتنی زوردار دھماکے کی آواز گونجی تھی کتنی ہی دیر تک کان جیسے سن ہو کر رہ گئے ہوں، دل تھم سا گیا تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آیا یہ ہوا کیا تھا، سب آس پاس کے لوگ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے، گویا چند ہی سیکنڈ میں ایک ہلچل سی مچ گئی تھی، وہاں ایک کہرام سا برپا ہو گیا تھا، عارفین کے دماغ نے تیزی سے کام کیا تھا۔

"یہاں بم بلاسٹ ہوا ہے جلدی کرو، گاڑی میں بیٹھو۔" عارفین نے ان لوگوں کو جلدی جلدی گاڑی میں بٹھایا تھا اور گاڑی کے دروازے اچھی طرح لاکڈ کر دیے۔

"عارفین! ژالے۔" ثمرن ہی نہیں حرا اور معصوم کو بھی ژالے کی فکر ستانے لگی۔

"وانیہ تو بول رہی ہے وہ ریحان انکل کے ساتھ آرہی ہے، وانیہ! تم نے دیکھا تھا ناں ژالے کو ریحان انکل کے ساتھ؟" عارفین نے پیچھے پلٹ کر جلدی سے وانیہ سے پوچھا۔

"جی عارفین بھائی! وہ میرے سامنے بابا کے پاس گئی تھی۔"

"پھر ٹھیک ہے ریحان انکل بہت ذمے دار ہیں، وہ سمجھ گئے ہوں گے اس نوعیت کو اور شاید وہ تو اب تک نکل بھی چکے ہوں گے۔" عارفین نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"عارفین! مجھے تسلی نہیں ہو رہی تم فون کرو۔" ثمرن کا دل بہت بے چین ہو گیا تھا، دل بیٹھا جا رہا تھا، وہ ژالے کو اپنی نظروں کے سامنے دیکھنا چاہتی تھی۔ عارفین نے گاڑی چلاتے ہوئے اپنا موبائل نکالا مگر بدقسمتی کہ موبائل سروس آف جا رہی تھیں۔

"اوہ شٹ... نیٹ ورک کام نہیں کر رہا۔" اس نے تیزی سے اسٹیئرنگ کو گھمایا۔

"وانیہ! تم نے دیکھا تھا ناں ژالے ریحان انکل کے ساتھ تھی ناں؟" حرا ایک بار پھر اپنی تسلی چاہ رہی تھی۔

"جی حرا! وہ میرے سامنے ہی بابا کے پاس اوپر جا رہی تھی۔" اس کا خود کا دل بھی بری طرح گھبرا رہا تھا وہ خود گلٹی فیل کر رہی تھی وہ خود کو مورد الزام ٹھہرا رہی تھی یا تو وہ ژالے کو زبردستی اپنے ساتھ لے کر آتی یا پھر اسی کے ساتھ ہی رہتی۔

"پتہ نہیں میرا دل کیوں اس قدر گھبرا رہا ہے، ژالے بہت بے وقوف ہے اتنی دیر لگانے کی کیا ضرورت تھی وہ آ جائے یہ میرے سامنے آج، اس کی اچھی طرح کلاس لیتی ہوں۔" لب و لہجے میں فکر و غم کے ساتھ غصے کا عنصر بھی شامل تھا۔

"میں تم لوگوں کو گھر چھوڑ دوں پھر دوبارہ یہاں واپس آ جاؤں گا۔" عارفین کو ان لوگوں کی بھی فکر بہت ہو رہی تھی اور سب سے زیادہ رضا کی جو اس زوردار دھماکے کی آواز سے بری طرح رو رہا تھا۔

"پاگل ہوئے ہو کیا، حالات دیکھ رہے ہو کس قدر خراب ہو گئے ہیں، میں تمہیں واپس نہیں آنے دوں گی اور کیا پتہ وہ ریحان انکل کے ساتھ اب تک گھر بھی پہنچ چکی ہو۔" ثمرن نے اسے گھر کا اور پھر روتے ہوئے رضا کو چپ کرانے کی کوشش کرنے لگی۔

دھماکہ اتنا زوردار تھا کہ شاپنگ مال کی کانچ کی دیواریں ٹوٹ گئی تھیں، شاپس کا سامان ادھر سے ادھر بکھر گیا تھا، وہ اس اچانک بگڑتی افتاد پر بری طرح گھبرا کے رو رہی تھی، لوگ چیخ چلا کے ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے بھاگ رہے تھے، ہر کوئی اپنی جان بچانے کے در پہ تھا کیونکہ بم بلاسٹ یہیں شاپنگ مال کے اندر ہوا تھا، لوگوں کا جم غفیر اوپر سے

آنسو چھلکے جا رہی تھی، وہ تو رونے والی ہو گئی تھی آج اس کا شاپنگ کا شوق اسے بہت مہنگا پڑا تھا، آج اسے اس شوق سے اس حد درجہ نفرت ہوئی تھی، کیا کرے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ بے سمت راستے کی جانب بڑھنے لگی کوئی شناسا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا، ریحان انکل بھی جانے کہاں کھو گئے تھے وہ تو اب باقاعدہ رونے ہی لگی تھی۔

"ژالے...!" جانی پہچانی گمبھیر آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا اور اپنی قسمت پر جتنا ماتم کرتی کم تھا، مگر یہ وقت نہ تو ماتم کرنے کا تھا نہ کچھ سوچنے سمجھنے کا وہ تیزی سے اس شناسا چہرے کی طرف بڑھی اور اس کے سینے سے لگی تھی۔

"زرمیل...!" اور زرمیل کے پاس بھی بالکل وقت نہیں تھا کہ اسے چپ کروائے یا کچھ پوچھے کیونکہ اس وقت حالات کی بگڑتی نوعیت اس بات کی قطعی اجازت نہیں دے رہی تھی۔

"نکلو جلدی یہاں سے۔" وہ تیزی سے اسے لیے دوسرے راستے سے باہر نکلا اور گاڑی میں اسے بٹھا کے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی چند ہی منٹ میں وہ فل اسپیڈ ڈرائیونگ کرتا ہوا اس ایریا سے باہر نکلا اور اسے اپنے ساتھ اس ہوٹل میں لے گیا جہاں وہ خود رہ رہا تھا اس دوران وہ مستقل رونے میں ہی مصروف رہی تھی، وہ جانتا تھا کہ وہ اس وقت ڈر و خوف کے زیر اثر ہے۔

اسے بیڈ پر آرام سے بٹھا کے فریج سے اورنج جوس کا گلاس نکال کے اسے پلایا، آدھے گھنٹے میں وہ تھوڑا سیٹ ہو گئی تھی، مگر گرین کانچ میں ابھی بھی نمی کی زینت بنی ہوئی تھی۔

"کیا کر رہی تھیں تم وہاں اکیلی؟" وہ چیئر اس کے پاس لایا اور اس کے مقابل بیٹھ گیا تھا۔

"شاپنگ کرنے آئی تھی۔"

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ شاپنگ مال میں شاپنگ ہی کی جاتی ہے، مگر تم وہاں اکیلی تھیں اور عارفین وغیرہ سب کہاں تھے؟" وہ ثمرن، حرا کے بارے میں پوچھ رہا تھا تو اس نے آرام آرام سے ساری داستان اس کے گوش گزار کر دی تھی۔

"اف... تم تو ہو ہی بے وقوف، مگر عارفین اور ثمرن سے مجھے اتنی بے وقوفی کی امید ہرگز نہیں تھی۔" اس کے لب و لہجے میں تھوڑی سی سختی در آئی تھی، بہت مشکل سے وہ اپنے بھڑکتے جاہ و جلال والے غصے کو کنٹرول میں کیے ہوئے تھا۔

"مجھے وہاں چھوڑ دیں وہ لوگ پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"ظاہری بات ہے تمہاری اس حد درجہ بے وقوفی پر پریشان ہی ہو رہے ہوں گے نا کہ جشن منا رہے ہوں گے۔" تیز نظروں سے اس کا آنسوؤں سے تر چہرہ دیکھتے ہوئے طنز کیا تھا۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا تو وہ یقیناً اپنی اس توہین پر زرمیل کو ٹھیک ٹھاک سناتی مگر سب سے بڑھ کر وہ غلطی پر تھی اور اپنوں سے دور اس کمرے میں اس کے رحم و کرم پر تھی، وہ اگر غلطی پر بھی ہوتی تو بھی سنا دیتی مگر اکیلی ہونے کی وجہ سے چپ کر گئی اور پھر زرمیل کے غیض و غضب والے غصے سے بھی تو اچھی طرح واقف تھی، جو اس وقت اس کے چہرے پر تھا، جس کا اندازہ وہ اس کے دماغ کی تنی رگوں سے بخوبی لگا سکتی تھی، وہ سب لوگ گھر آ چکے تھے ٹھیک اسی وقت عارفین کی گاڑی کے پیچھے ریحان شیخ کی گاڑی رکی تھی، عارفین نے پیچھے پلٹ کے دیکھا تو جیسے اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، وہ اکیلے تھے، ژالے ان کے ساتھ نہیں تھی، وہ تیزی سے آگے بڑھا تھا۔

(جاری ہے......)

☆..........☆..........☆

سلسلے ناول

''ریحان انکل! ثرالے کہاں ہے؟''

''ثرالے کو آپ کے ساتھ ہونا چاہیے ناں، میرے ساتھ تو نہیں ہے''۔ ایک پل کو تو ان کا خود کا سر بھی چکرا کے رہ گیا تھا، جبکہ ثمرن... اس کے تو ہوش وحواس ہی جیسے گم ہو گئے ہوں، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا، معصوم، بروقت نہیں سنبھال لیتی تو وہ وہیں بے ہوش ہو جاتی۔

''بابا! ثرالے آپ کے پاس ہی تو گئی تھی شاپنگ مال میں، میں نے خود دیکھا تھا''۔ دانیہ کا دل بھی بیٹھا جا رہا تھا۔

''نہیں دانی بیٹا! میں نے ثرالے کو نہیں دیکھا اور پھر اچانک سے جو دھماکہ ہوا شور شرابہ، بھاگ دوڑ تو میں فوراً سمجھ گیا کہ کہیں بم بلاسٹ ہوا ہے، میں فوراً وہاں سے نکلا تھا، بلکہ اس دوران میں مسلسل آپ سب کو باری باری فون کال بھی کر رہا تھا، مگر نیٹ ورک ہی آف ہو گیا تھا''۔

''او مائی گاڈ... مجھے جانا پڑے گا''۔ عارفین اندر سے بری طرح ڈر رہا تھا، وہ صحیح معنوں میں گھبرا کے رہ گیا تھا، کئی اسوے اس کے دل و دماغ میں کنڈلی مار رہے تھے۔

''رکو بیٹا! میں بھی چلتا ہوں، ثرالے بھی ہماری مہمان ہماری ذمے داری ہیں''۔

''نہیں ریحان انکل! آپ یہیں رکیں ان لوگوں کے پاس، میں جاتا ہوں ژالے کو لانے، معصوم! تم ثمرن بھابی کو لے کر اندر جاؤ، ان کا خیال رکھنا، حرا! رضا کو سنبھالو، میں ژالے کو لے کر آتا ہوں''۔ پھر وہ بغیر کسی کی سنے گاڑی میں تیزی سے بیٹھا، گاڑی اسٹارٹ ہی کی تھی کہ اس کا سیل فون بجنے لگا، اس نے موبائل دیکھا جس کی اسکرین پر زرمیل کا نمبر جگمگا رہا تھا، عارفین کے دل کو جیسے ایک سہارا ملا تھا اس مشکل گھڑی میں، اس نے جلدی سے فون ریسیو کیا اور کان سے لگایا۔

''تھینکس زرمیل اتم نے فون کرلیا ژالے...!''

''ژالے میرے پاس ہے''۔

''واٹ... تمہارے پاس... مگر کیسے؟''

''اب یہ وقت بتانے کا نہیں ہے، یہ بتاؤ کہ کہاں رکے ہو، ژالے بہت رو رہی ہے، وہاں آنا چاہتی ہے''

''شکر ہے خدا کا کہ ژالے تمہارے پاس صحیح سلامت ہے، ثمرن بھابی کی طبیعت خراب ہو گئی ہے، میں انھیں بتاؤں''۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے مگر تم ہو کہاں؟''

''یار! حالات بہت خراب ہو گئے ہیں، ژالے کو کچھ دیر وہاں رکھو، جیسے ہی حالات بہتر ہوتے ہیں میں خود اسے لینے آ جاؤں گا''۔

''او کے اور سب تو وہاں ٹھیک ہیں ناں؟''

''ہاں سب ٹھیک ہے، او کے اللہ حافظ!''

''کیا ہوا سب خیریت ہے ناں، کس کا فون تھا؟'' ریحان انکل وہیں کھڑے تھے۔

''زرمیل کا تھا فون، اتفاق سے وہ بھی وہیں اسی شاپنگ مال میں تھا، وہی ژالے کو اپنے ساتھ ہوٹل لے گیا ہے''۔ عارفین نے گاڑی بند کی اور اس میں سے اتر گیا تھا۔

''ژالے تو ٹھیک ہے ناں؟'' لب و لہجے میں فکر مندی واضح تھی۔

''جی وہ بالکل ٹھیک ہے بس یہاں آنے کے لیے رو رہی ہے، میں ذرا ثمرن بھابی کی بات کروا دوں ژالے سے، وہ بہت پریشان ہو گئی ہیں''۔

''ہاں عارفین بیٹا! پہلا کام یہی ضروری ہے''۔ پھر عارفین نے اسے کال کی۔

''مجھے نہیں پتہ، آپ مجھے لینے آ ئیں''۔ وہ ضدی لہجے میں بولی تھی۔

''ژالے گڑیا! ایک تو حالات بہت خراب ہو گئے ہیں اوپر سے دیکھو، ٹھنڈ کس قدر بڑھ گئی ہے اور دھماکے کی وجہ سے سڑک پر برف کا بھاری تودہ گر گیا ہے، سارے راستے بلاک ہیں ورنہ میں ضرور آ جاتا''۔ عارفین مستقل اسے سمجھا رہا تھا، مگر اس کی ایک ہی رٹ تھی، اس نے ثمرن سے بھی کافی دیر تک ضد باندھے ہوئی تھی۔

''بس ثمرن بھابی! میں کچھ نہیں جانتی، مجھے یہاں آنا ہے''۔

یہ سب ٹی وی دیکھتا زرمیل سن رہا تھا، وقتاً فوقتاً اس پر ایک نظر بھی ڈال دیتا، گھنی مونچھوں تلے عنابی لبوں پر ہلکی سی دھیمی مسکراہٹ بھی آ جاتی، وہ جانتا تھا کہ اصل وجہ اس کی یہاں سے جانے کی وہ خود ہے ایک کمرے میں وہ دونوں اکیلے تھے اور وہ اس تنہائی سے بھاگ رہی تھی، اس سے بھاگ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے عارفین بھائی! آپ مجھے پیدل لینے آ جائیں''۔

''خدا کو مانو یار! کیوں اس ٹھنڈ میں میری قلفی جماؤ گی''۔ اس کی چھوٹی سی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہا تھا، بلکہ وہ خود بھی اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ یہاں آنے کی کیوں ضد کر رہی تھی۔

''اگر مجھے یہاں کے راستے معلوم ہوتے ناں، تو میں کبھی آپ سے التجا نہیں کرتی''۔

''اچھا تو بلیک میل کیا جا رہا ہے، اچھا خیر چھوڑو، یہ بتاؤ کھانا کھایا تم نے؟''

''نہیں اور کھاؤں گی بھی نہیں''۔

''وہ تو زرمیل تمہیں کھلا ہی دے گا، میں مطمئن ہوں''۔

''عارفین بھائی! میں آپ کا گلا دبا دوں گی''۔ غصے سے چیخی تھی۔

''شرم تو نہیں آ رہی، میں یہاں اپنا ہنی مون منانے آیا ہوں اور مجھے مارنے کی دھمکی دے رہی ہو''۔

''بھاڑ میں گیا آپ کا ہنی مون''۔ اس کے یوں تنک کر کہنے پر عارفین کا بھرپور قہقہہ کمرے میں گونجا تھا۔

''یار! قسم سے میں تو ابھی آ جاؤں تمہیں لینے مگر یہ معصوم اشاروں میں منع کر رہی ہے، بول رہی ہے میں اپنے اکلوتے شوہر کو اس ٹھنڈ میں باہر جانے نہیں دوں گی اور اگر یقین نہ آئے تو میرے سامنے بیٹھی ہے خود ہی پوچھ لو''۔ معصوم اپنی طرف رخ دیکھ کر بری طرح گڑبڑا کے رہ گئی، وہ جو ان دونوں کی باتوں سے محظوظ ہو رہی تھی، عارفین کے جھوٹ بولنے پر گھور کے دیکھنے لگی فون کے لاؤڈ اسپیکر آن ہونے کی وجہ سے سب ایک دوسرے کی گفتگو با آسانی سن رہے تھے۔

''اگر میں معصوم بھابی کو نہیں جانتی تو یقیناً آپ کو جورو کا غلام کہتی''۔ وہ دانت پیس کر بولی۔

''لیکن میں زرمیل کو ضرور بول سکتا ہوں''۔ وہ چھیڑنے سے باز نہیں آیا۔

''عارفین بھائی! لکھ کر رکھ لیں، آپ میرے ہاتھوں ہی قتل ہوں گے''۔

''کیا اول فول بول رہی ہو ژالے! بغیر سوچے سمجھے جو منہ میں آئے بول دیا کرو، کہا ناں کہ حالات ٹھیک نہیں ہیں، ٹھنڈ کے علاوہ سارے راستے بلاک کر دیئے گئے ہیں، تم زرمیل کے ہی ساتھ ہو ناں، ہم کل صبح تمہیں لینے آ جائیں گے، اب چپ کر کے کھانا کھاؤ اور سو جاؤ اور رضا کی بھی فکر بالکل مت کرو، وہ میرے پاس ہے، کھانا کھلا دیا ہے میں نے اسے''۔ ثمرن نے اچھی خاصی ڈانٹ پلا دی تھی، انھوں نے معصوم کو بھی بغور دیکھا کہ کہیں ژالے کی بات ناگوار تو نہیں لگی، آخر عارفین اب اس کا شوہر بھی تھا، مگر شکر تھا وہ مسکرا رہی تھی۔

''مگر ثمرن بھابی...!'' وہ منمنا کے رہ گئی۔

''کوئی اگر مگر نہیں، بہت اچھا ہوا تمہارے ساتھ، آج کے بعد تمہیں نصیحت ہو گئی ہو گی شاپنگ کا شوق بھی ختم ہو گیا ہوگا تمہارا، آج کے ہولناک واقعے کے بعد''۔

''ثمرن بھا...!'' اس کے باقی لفظ ہونٹوں کے اندر ہی دم توڑ گئے تھے کیونکہ زرمیل نے اس سے سیل فون لے کر سب کو گڈ نائٹ کہہ کر موبائل آف کر دیا تھا، موبائل ٹیبل پر رکھ کے اس کی طرف مڑا تھا۔

''سب سے بات ہو گئی، خوب تنگ کر لیا تم نے سب کو، اب ایسا ہے کہ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے، آ کر کھا لو''۔ گمبھیر لہجے میں بولتا ہوا وہ پرشوق نظروں سے اس کی گرین کانچ میں جھانکنے لگا تھا۔

''مجھے بھوک نہیں لگ رہی ہے، تمہیں کھانا ہے کھانا''۔ اس نے تنک کر کہتے ہوئے نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

''مگر ثمرن تو بتا رہی تھی کہ تم نے آج دوپہر کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا، اور جہاں تک میرے علم میں ہے تم بھوک

کی بہت پکی ہو۔

"پہلے کی ژالے اور آج کی ژالے میں زمین آسمان کا فرق آ گیا ہے"۔ وہ اس سے سیدھے منہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی، قسمت نے بھی کہاں لا کر کس کے رحم و کرم پر مارا تھا۔

"مطلب پہلے تمہارے سر پر سینگ نہیں تھے اور اب تمہارے سر پر سینگ نکل آئے ہیں، ہے نا؟" پُرمزاح انداز میں بولتا وہ اس کے برابر میں ہی بیٹھا تھا، وہ ایک جھٹکے سے اس کے پاس سے اٹھی تھی۔

"دیکھیے مجھ سے زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور... اور آپ مجھ سے دور رہ کر بات کریں، آپ کے لیے یہی بہتر ہوگا کہ مجھ سے مخاطب ہی نہ ہوں"۔ زرمیل نے ایک جاندار زندگی سے بھرپور قہقہہ کمرے میں پھیلی خوشبو سے معطر فضاؤں میں لگایا تھا۔

"او کے کوشش کروں گا مگر فی الحال تو تمہاری لڑائی مجھ سے ہے نا، کھانے سے تو نہیں، اس لیے شاباش کھانا کھا لو، ورنہ دوسری صورت میں مجھے تمہیں اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلانا پڑے گا، جس میں مجھے کوئی عار محسوس نہیں ہوگا، اب تم بتاؤ کھاؤ گی میرے ہاتھ سے کھانا؟" وہ بھی کھڑا ہوا اس کے مقابل آ ٹھہرا تھا۔

ژالے کو اس پہاڑ جیسے وجود کے آگے اپنا آپ بہت ہی چھوٹا لگا تھا، اگر وہ چاہتی بھی تو بھی مزاحمت کر سکتی تھی اس کا مقابلہ کرنا اس کے نازک وجود کے بس کی بات نہیں تھی، اور جب خالی پیٹ ہو تو اور ناممکن تھی اسے گھورتی اپنا پیر پٹختی اس کے سامنے سے ہٹی اور کھانے کی ٹیبل پر آ کر بیٹھ گئی، پلیٹ میں تھوڑے سے چاول نکالے ان پر اسپیشل سالا ڈالی اور چمچے سے دھیرے دھیرے کھانے لگی اس پل وہ خود کو اس قدر بے بس محسوس کر رہی تھی کہ صرف دل سے یہی دعا نکل رہی تھی کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

زرمیل نے بغور اس کا سندر مکھڑا دیکھا تھا اس کی گرین کانچ میں ایک سمندر تھا تھمیں مار رہا تھا، جسے وہ باہر آنے کا راستہ نہیں دے رہی تھی، صاف لگ رہا تھا کہ وہ کھانا بھی زبردستی حلق سے نیچے اتار رہی ہے اس کے ہاتھوں کی لغزش سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس بڑھتی ہوئی ٹھنڈ میں کپکپا رہی تھی، وہ یہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اس کی موجودگی سے بھی گھبرا رہی تھی، وہ اپنے گھر اپنوں سے دور وہ یہاں خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہی تھی، زرمیل تھا تو اس کا شوہر جس کا مقام ہر رشتے سے بڑا تھا، مگر اس کے لیے وہ صرف نام کا شوہر تھا۔

"بس اب مجھ سے اور نہیں کھایا جائے گا"۔ اس نے دو تین لقمے کے علاوہ بالکل نہیں کھایا تھا اور چہرے میں رکھے کمرے میں بنی کھڑکی اس ونڈو کے آگے کھڑی ہو گئی تھی، بس اب برداشت نہیں ہو رہا تھا اس کا دل دہ رہا تھا۔ ایسا محسوس ہوا کہ اب بند ہی ہو جائے گا، وہ رونا نہیں چاہتی تھی اور اس شخص کے سامنے تو بالکل بھی نہیں جو اس کی اس حالت کا ذمے دار تھا، مگر کیا کرتی اس کا حوصلہ پست پڑنے لگا تھا، تا دیر سمندر آنکھوں میں ٹھہر نہ سکا تھا اور اپنے بہنے کا راستہ بناتا چلا گیا تھا، وہ کیوں رو رہی تھی، ان حالات پر اپنی بے بسی پر یا اس بند کمرے اس تنہائی میں زرمیل کی موجودگی سے۔

زرمیل جو بغور اسی کی حرکات و سکنات پر نظر رکھے ہوئے تھا آرام آرام سے چلتا ہوا بالکل اس کے پیچھے کے بے حد قریب آ ٹھہرا تھا اپنے دونوں آہنی مضبوط ہاتھ اس کے نازک شانے پر دھرے اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا۔

"کیوں مجھے تکلیف دے رہی ہو، تمہیں بہت مزہ آتا ہے نا مجھے درد دے کر خوشی ہوتی ہے تمہیں، میری بے بسی پر ایسی حالت پر تمہارے دل کو تسکین ملتی ہے، کیونکہ تم جانتی ہو کہ میں تمہیں کس قدر چاہتا ہوں، مگر تم جا...

کرو مجھ سے نکاح چاہتی ہو، مجھ سے لڑ لڑا کے نکل جانی ہو"۔ زرمیل نے اس کی ٹھوڑی پر اپنی انگشت شہادت رکھی اور اس کا چہرہ اوپر اٹھایا، ژالے نے بہت مشکل سے اپنی بھیگی گرین کانچ اوپر اٹھائے تھے۔

"اور آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے، دو سال سے جو میں پل پل مر رہی ہوں، جتنی اذیت میں نے سہی ہے، اس کا کوئی حساب نہیں ہے؟" وہ بھی بھڑکی تھی اس کے الزام پر، اس کے دونوں ہاتھ اپنے شانوں سے ایک جھٹکے سے ہٹائے اور دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"مگر میں ازالہ کرنے کو تیار ہوں"۔

"کوئی ازالہ نہیں ہے اس کا، اگر ہے تو صرف ہماری جدائی، آپ کو مجھے بھولنا پڑے گا، کیونکہ میں آپ کو بھول چکی ہوں"۔ ژالے نے کہتے ہوئے اپنا رخ اس کی سمت سے پھیر لیا تھا۔

"یہی بات میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہو"۔ زرمیل نے ایک جھٹکے سے اس کا نازک بازو اپنی مضبوط ہتھیلی کی گرفت میں مقید کیا اور ایک جھٹکے سے اسے خود سے قریب تر کیا تھا، ژالے اس افتاد کے لیے قطعی تیار نہیں تھی، اسے توقع نہیں تھی کہ زرمیل یہ حرکت کر جائے گا، مگر وہ بھول گئی تھی کہ زرمیل سے اب ہر بے باکی کی توقع کی جا سکتی تھی، وہ اس کے چوڑے سینے سے لگی اپنی بے ترتیب سانسوں کو بحال کرنے کی کوشش کر رہی تھی، جو اس کی گرم سانسوں سے الجھنے لگی تھیں۔ اسی وقت باہر ایک زوردار دھماکے کی آواز گونجی تھی جانے کیا ہوا تھا بجلی کڑکی تھی، بادل گرجے تھے، دھماکہ ہوا تھا یا پھر کہیں برف کا بھاری تودہ گرا تھا، جس کی وجہ سے نہ صرف بجلی معطل ہوئی بلکہ اس گہرے سناٹے میں دور کہیں سے کسی جانور کی عجیب غرانے کی آواز آ رہی تھی، پورا شہر اندھیرے میں ڈوب گیا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا، ژالے کا دل بہت بری طرح دھڑکا تھا، اس کا سانس اندر ہی اٹک گیا تھا، اپنے بالکل قریب زرمیل کے سینے سے لپٹی اس کی شرٹ کو دونوں ہاتھوں میں زور سے دبوچ لیا تھا۔

"یہ... یہ... کیسی آواز ہے زرمیل! مجھے... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، مجھے میری ماما کے پاس جانا ہے"۔ وہ تو رونے لگی تھی، وہ کسی معصوم بچی کی طرح اس سے لگی اس کے اندر پناہ ڈھونڈ رہی تھی، ہر ڈر سے چھپ جانا چاہتی تھی، زرمیل نے بہت گہرائی سے اس کو محسوس کیا تھا۔

"کس قدر پاگل ہوتی ہیں یہ صنف نازک بھی جن سے زخم ملتا ہے مرہم بھی ان ہی سے لگوانا چاہتی ہیں"۔ زرمیل نے اس کے گرد اپنا مضبوط حصار کھینچ دیا تھا۔ اس کے ہچکیوں کے زد میں وجود کو خود میں چھپا لیا تھا اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے اور دونوں بازوؤں میں اس نازک پیکر کو بھرے وہ بستر تک لے آیا تھا اور بہت احتیاط سے بستر پر لٹا دیا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا، میں ہوں ناں، ڈر و مت... آج میں تمہاری ساری ناراضی خود میں سمولوں گا، تمہارے سب گلے شکوے، ہر تکلیف کا اذیت کا مداوا کر دوں گا، تمہارے سارے زخموں پر اپنے پیار کا مرہم رکھ دوں گا، میں تمہیں مزید تڑپنے نہیں دوں گا ژالے!" وہ اس کے ڈرے سہمے چہرے پر اپنی انگلیوں کے لمس بکھیرنے لگا تھا، اور جب تک ژالے کو ادراک ہوا بہت دیر ہو چکی تھی وہ پوری طرح زرمیل کی مضبوط بانہوں میں قید ہو چکی تھی، زرمیل نے اس کے گرد اپنی گرفت کا دائرہ مزید تنگ سے تنگ کرنا شروع کر دیا تھا، نہ تو اسے غصہ کرنے کا موقع دیا تھا نہ ہی کسی قسم کی مزاحمت یا احتجاج کا، وہ جتنا بکھرتی وہ مزید اسے سمیٹتا چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ قد آور آئینے کے آگے اپنے لمبے بالوں میں برش پھیر رہی تھی، آئینے میں بیڈ پر نیم دراز عارفین کا عکس

صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"آپ کو اس طرح نہیں بولنا چاہیے تھا، جانے ڈرائیور میرے بارے میں کیا سوچے گی"۔ عارفین جو پشت سے ٹیک لگائے کسی میگزین کی ورق گردانی کر رہا تھا سر اٹھا کے معصوم کو دیکھا تھا۔

"کس بارے میں؟" اس نے میگزین بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا، پھر معصوم کو بغور دیکھنے لگا تھا، اس کے دلکش سراپے میں اس کے لمبے گھنے بالوں میں نظریں الجھنے لگی تھیں، بے شک وہ بہت حسین تھی، چاند کی طرح روشن چمکتا چہرہ پہلی نظر میں اس کی توجہ کا مرکز بنا تھا، اس کا دل کب اس کا ہوا کب وہ اس سے محبت کر بیٹھا، سوچتا ہی رہ گیا، وہ کسی خوبصورت دعا کی طرح بن مانگے اس کے رب نے اس کی جھولی میں ڈال دی تھی کہ اس کی محبت ہی نہیں اس کا عشق بن کر اس کی رگوں میں خون بن کر دوڑ رہی تھی، اس کی محبت اس کی آتی جاتی سانسوں میں خوشبو کی طرح مہک رہی تھی، مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ معصوم اس بات سے بے خبر انجان ہے یا پھر جان کر انجان بننے کی کوشش کرتی تھی۔

"یہی کہ میں نے آپ کو منع کیا ہے باہر نکلنے سے"۔ اس کی گہری ہوتی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ چکا تھا۔

"تو تم واقعی چاہتی تھیں کہ اس ٹھنڈ میں ان خراب حالات میں، میں باہر نکلتا"۔

"اب میں نے یہ بھی نہیں کہا"۔ آج کی ٹھنڈ کو محسوس کر کے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔

"تو پھر وہ کہو ناں جو میرے کان سننے کے لیے شدت سے بے تاب ہیں"۔ بالکل قریب سے یہ آواز اس کے پاس گونجی تھی، وہ نہایت چونک کر جیسے ہی پلٹی تھی عارفین اس کے بے حد نزدیک کھڑا تھا، اس کے قدم ڈگمگائے تھے، خود کو بچانے کی سعی میں اس نے بے ساختہ ہی اس کے سینے پہ ہاتھ رکھا تھا، عارفین کی آنکھوں میں اس کے ذرا سے لمس سے خماری سی چھانے لگی تھی، اس پل تو بالکل بھی کنٹرول نہیں ہو رہا تھا، دل بے قابو سا بے قرار سا اس کی قربت پانے کے لیے بھٹکنے لگا تھا، اس نے اپنے دونوں بازوؤں سے اس کی نازک مرمریں کمر کے اردگرد مضبوط سا حصار کھینچ دیا تھا، اس کو اپنے سے اس قدر قریب تر کر لیا تھا کہ معمولی سا انچ بھر فاصلہ بھی مٹ چکا تھا، وہ کچھ جاننا، کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا، صرف اس کو یہ احساس کرانا چاہتا تھا کہ اس کی محبت میں اس کے عشق میں روز بروز کس قدر شدت بڑھتی جا رہی ہے وہ آج اپنے رشتے کی تمام دوریوں کو نزدیکیوں میں بدلنا چاہتا تھا۔

مگر اس کے برعکس معصوم کے جذبات و احساسات بالکل مختلف تھے، اس کا تو جیسے سانس رکنے لگا تھا، دل کی کیفیت عجیب سی ہونے لگی تھی، دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا اپنے وجود پر جس طرح اس کے بازوؤں کے حصار کی گرفت مضبوط تھی ایسا لگ رہا تھا، جیسے کسی جان لیوا اژدھے نے اسے مضبوطی سے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا ہے، اس کی گرم سانسوں کے تھپیڑوں سے اسے اپنا وجود ایک دہکتی ہوئی آگ کی لپیٹ میں جھلستا ہوا محسوس ہو رہا تھا، کہ پل بھر میں ہی جیسے وہ خاک کا ڈھیر بن جائے گی، سیاہ آنکھوں کی پتلیوں پر گھپ اندھیرا سا چھانے لگا اور پھر جھپک سے ان سیاہ آنکھوں کی پتلیوں پر ایک چہرہ واضح نمودار ہونے لگا تھا اور وہ چہرہ تھا اس کی بیسٹ فرینڈ سوئی کا جسے وہ دھوکہ دینے کا سوچ ہی نہیں سکتی تھی، اس سے بے وفائی کا تصور بھی کیسے کر سکتی تھی، وہ امانت میں خیانت کرنے کی گناہ گار نہیں بن سکتی اور پھر جب وہ کچھ نہیں بھولی تو عارفین کیسے اسے فراموش کر سکتا تھا، اسے یہ یقین ہونا چاہیے تھا کہ اس کے تمام عہد و عدے سوئی کے لیے تھے اس کی محبت و چاہت اس کی فرقت صرف اور صرف سوئی تھی اور کوئی نہیں، اور وہ ایسا نہیں ہونے دے گی عارفین کو بھٹکنے نہیں دے گی، اس کی راہ سے اسے بھٹکنے نہیں دے گی، اس کا وعدہ اسے بھولنا نہیں دے گی۔

عارفین اس کے چہرے پر جھکنے لگا تھا کہ معصوم نے اپنی پوری جان لگا کر اس کے چوڑے سینے پر اپنی دونوں ہتھیلیاں جما کر اسے ایک جھٹکے سے اپنے سے الگ کیا تھا، عارفین اس حملے کے لیے قطعی طور پر تیار نہیں تھا اور نہ ہی معصوم سے ایسے ردعمل کی توقع تھی۔

"کیا کر رہے ہیں آپ.....اور کیوں.....آپ کو سمجھ کیوں نہیں آتی؟" وہ آج اتنے عرصے میں پہلی بار معصوم کو اتنے شدید غصے میں دیکھ رہا تھا۔

"آپ سوئی کو دھوکہ دے سکتے ہیں اسے بھول سکتے ہیں مگر میں..... میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی، سوئی سے دغا کرنے کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتی، مجھے اس کا خیال چوبیس گھنٹے رہتا ہے، تو کیا آپ کو ایک لمحے کے لیے بھی نہیں آتا ہوگا، عارفین صاحب! اپنے جذبات کو سنبھال کے رکھیں، یہ صرف اور صرف سوئی کی امانت ہے۔ اس میں خیانت کر کے مجھے گناہ گار مت کریں، آپ کا نفس بے شک کمزور ہو سکتا ہے مگر میرے ارادے نہ صرف مضبوط ہیں بلکہ مجھے اپنے اعصاب پر بھی کنٹرول حاصل ہے، مت آیا کریں میرے قریب نہ ہی مجھے چھونے کی کوشش کیا کریں"۔ اتنی تضحیک وہ توہین کتنی بے دردی سے اس نے اس کی محبت کو اپنے پیروں تلے مسل دیا تھا۔ بلکہ اس کے پاک و صاف شفاف جذبات کو نفس کا نام دے دیا تھا، ایسا محسوس ہوا جیسے سرعام اس نے اس کے منہ پر زوردار طمانچہ مار دیا ہو، جس کی آواز دور دور تک گونجی تھی، ایسی واہیات گالی دی ہو جو عارفین کے دل پر اندر تک ضرب سی لگی تھی، مرد سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر خود کی بے عزتی، نفس کی غلامی کا طعنہ برداشت نہیں کر سکتا۔ اور وہ بھی عارفین جیسا مرد تو کبھی بھی نہیں، جس نے نہ صرف اس سے محبت کی تھی بلکہ اسے عشق بن کر پوجا تھا، اس کی دل ہی دل میں پرستش کی تھی، دل کے سب سے اونچے سنگھاسن پر بٹھا دیا تھا، اور معصوم نے کیا کیا؟ اس کے بڑھتے قدموں کو کوئی اور نام دے دیا، اپنے آپ سے جس طرح بتایا تھا جیسے وہ کسی موذی مرض میں مبتلا ہو، عارفین کے غم و غصے کی شدت سے اعصاب تن گئے تھے، ان براؤن آنکھوں میں شرارے سے دوڑنے لگے تھے خود کا اس طرح بے عزتی و بے دردی سے جھڑکے جانا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

معصوم اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال کر سائیڈ سے جانے لگی تھی کہ عارفین نے نہایت بے دردی سے اس کا بازو اپنے مضبوط شکنجے میں جکڑا تھا اور ایک جھٹکے سے اسے اپنے سے اس قدر نزدیک کیا تھا کہ اس کی گرم سانسوں سے معصوم کو اپنا وجود جھلستا ہوا محسوس ہوا تھا، اس کا دل تھم سا گیا تھا، عارفین کی آنکھوں میں آج وہ اتنے عرصے میں پہلی بار اس قدر غصہ دیکھ رہی تھی، ان آنکھوں میں جو غیظ و غضب، جو جاہ و جلال تھا، وہ اسے آج شاید بھسم کر دے گا، مرد کے غصے کے آگے عورت کا غصہ کچھ نہیں ہوتا ہے یہ اس نے ابھی اس وقت جانا تھا۔

"اتنا کچھ بول گئی ہو وہ بھی سب فضول، تو شکر ادا کرو کہ میری جگہ کوئی اور مرد نہیں تھا، ورنہ تمہاری اس فضول گوئی کا جواب تمہیں ابھی اسی وقت اچھی طرح ملتا"۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ جملہ کہا تھا اور وہ نادان سمجھ تو نہیں تھی کہ اس ایک جملے کا مطلب نہیں سمجھ پائی، لندن پلٹ تھی، اچھی طرح اس کی بات کا مفہوم سمجھ گئی تھی، گھنیری سیاہ پلکیں خود ہی رخسار پر سجدہ ریز ہو گئی تھیں، عارفین کا غصہ کسی طرح کم نہیں ہو رہا تھا، اس نے اپنی گرفت اس کے بازو پر ذرا اور سخت کر دی کہ وہ کراہ کے رہ گئی تھی۔

"اور کس دھوکے کی بات کرتی ہو تم معصوم بی بی! دھوکہ تو تمہاری دوست نے تمہیں دیا ہے، اپنی جگہ تمہیں بٹھا دیا اور خود جانے کہاں فرار ہو گئی، مگر میری جس لڑکی سے شادی ہوئی ہے وہ تم ہو تمہاری دوست نہیں سب کے سامنے نکاح نامے پر دستخط تم نے کیے ہیں تمہاری دوست نے نہیں، ایک ایک رسم میری تمہارے ساتھ ہوئی ہے،

تمہاری دوست کے ساتھ نہیں، تمہارے ہاتھوں پر جو مہندی لگی تھی وہ میرے نام کی تھی، جو سرخ جوڑا تم نے پہنا تھا تمہارا روپ و سروپ اس دن سجایا گیا تھا وہ سب میرے نام کا تھا، پھر بھی تم کہتی ہو کہ تمہاری دوست سوچوں.....کہ اگر تمہارے ساتھ میں کچھ کرتا ہوں تو تمہاری دوست کے ساتھ دھوکہ ہوگا، امانت میں خیانت ہوگی محترمہ! جائز و شرعی رشتے سے تم میری بیوی ہو تمہاری دوست نہیں، آج ہماری شادی کو چار ماہ ہو گئے ہیں مگر تمہاری دوست کا کچھ اتا پتا نہیں، پتا تو دور اس نے تو تمہیں ایک فون کال تک کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی پھر بھی تم کہتی ہو کہ وہ تمہارے ساتھ مخلص ہے۔" عارفین نے غصے سے تیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اسے ایک جھٹکے سے دور کیا تھا کہ وہ واپس ڈریسنگ ٹیبل سے بری طرح ٹکرائی تھی۔

"مجھے اپنے نفس و اعصاب پر بہت کنٹرول حاصل ہے، میری محبت اتنی سستی نہیں کہ تم اسے اپنے پیروں تلے روند دو گی، بلکہ غلطی تو میری ہے جو اپنی محبت تم جیسی بے حس بے درد لڑکی کے نام کرنے چلا تھا، ورنہ تم کیا جانو محبت کیا ہوتی ہے، تم نے کبھی مجھے سمجھنے کی کوشش کی ہو تو احساس بھی ہوتا، اس نرم جذبے کا، تمہیں تو صرف اپنی دوست کی فکر ستاتی رہتی ہے، مگر آج جو تم نے مجھے طعنے دیے ہیں میرے احساسات و جذبات کو گالی دی ہے میری تضحیک آمیز بے عزتی کی ہے میں کبھی نہیں بھولوں گا، ہونہہ.....بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تم نے مجھے میری اوقات بتائی ہے، مجھے آئینہ دکھا دیا ہے، اور اگر میں چاہوں تو.....!" وہ پھر سے اس کے بے حد قریب آیا تھا اور اس کے گالوں کو اپنے ہاتھ سے اس طرح سختی سے دبوچا کہ ان سیاہ آنکھوں میں نمی سی ابھرنے لگی تھی، اس کی انگلیاں اس کے گالوں میں دھنستی جا رہی تھیں، جس سے اسے تکلیف ہو رہی تھی۔

"تمہیں ابھی اسی وقت تمہاری بات کا جواب دے سکتا ہوں، یہ جو اپنی دوست کی داستان سناتی رہتی ہو آخر وہ میرے سامنے اس کا نام تک نہیں لوگی، صرف چند لمحوں کی بات ہے مگر نہیں.....میں ایسا کچھ نہیں کروں گا کیونکہ میں ایک تو زبردستی کا قائل نہیں ہوں دوسرا ایسے رشتے دل کی آمادگی پر استوار کیے جاتے ہیں، جسمانی حاصل کرنا ہی ہوتا تو شادی کی رات تمہارے نام کے ساتھ تمہارا وجود بھی میرے نام سے منسلک ہوتا۔ آج جو تم نے فضول حرکت اور بکواس کی ہے، وہ نہیں کرتیں، معصوم بی بی! تمہارا حصول میرے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔" کڑے تیور، سرد لب و لہجے میں اس نے معصوم کو باتیں سنائی تھیں اور وہ ایک ایک لفظ اس کے دل میں کسی تیر کی طرح پیوست ہو کر اس کا دل ہی نہیں پورا وجود چھلنی چھلنی کر رہا تھا، اس کی برداشت ختم ہو گئی تھی، ضبط کی ساری حدیں ٹوٹ گئی تھیں ان سیاہ آنکھوں سے گرم گرم سیال نکل کر عارفین کی ہتھیلی بھگونے لگے تھے، ان بہتے آنسوؤں کو دیکھ کر عارفین کچھ نرم پڑا تھا مگر اندر جو ایک تلاطم بپھرا ہوا تھا وہ کسی طور تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا اپنے وجود کی نفی کیسے برداشت ہوتی، وہ بھی اس صورت میں جب وہ پوری سچائی و ایمانداری کے ساتھ اپنے صاف و شفاف جذبات و احساسات سمیت اس کی طرف بڑھا تھا، مگر اس کا صلہ اسے یہ ملے گا، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا، اس نے معصوم کے چہرے سے اپنا ہاتھ ہٹایا، اور ایک زوردار مکا بنا کر ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے پر مارا تھا کہ شیشہ ٹوٹ کر نہ صرف اس کے ہاتھ کی پشت پر کٹ کا نشان مار گیا تھا بلکہ خون کا فوارہ سا ابل پڑا تھا، ڈریسنگ ٹیبل پر جو بھی میک اپ وغیرہ رکھا تھا، وہ سب بکھر کے نیچے قالین پر ماتم کدہ تھا۔

معصوم کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں وہ تھرا کے رو دی، بالکل ساکت و جامد ہو کر اس کی ہتھیلی سے نکلتے خون کو دیکھنے لگی تھی، عارفین نے پھر اس پر بھول کر بھی نگاہ غلط نہیں ڈالی تھی اور کمرے سے ہی اٹھ چلا گیا تھا، معصوم اس کے جانے کے بعد کتنی ہی دیر تک یوں ہی کھڑی رہی تھی، کانوں میں ابھی تک اس کے سخت و سرد لفظوں کی

بازگشت تھی، جو اس کے دل و دماغ سے چپک کر رہ گئے تھے، معلوم نہیں کس کے ساتھ ناانصافی ہوئی تھی، اس کے ساتھ یا پھر عارفین کے ساتھ، وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی رکی ہوئی سانس قدرے بہتر ہوئی تھی، چہرہ گھٹنوں میں دیے وہ ہچکیوں کی زد میں تھی، آج اس کی ذات خود اس کے لیے مشکل میں پڑ گئی تھی۔

"سوئی! کہاں ہو خدارا واپس آ جاؤ۔" اگر وہ کچھ دیر اور یہاں ٹھہرتا تو یقیناً اس کا وجود تہس نہس کر دیتا، مگر اس نے غصہ جتنا کنٹرول کیا وہی جانتا تھا، زندگی میں بہت وہ غصہ ہوا تھا، مگر آج تو حد ہی ہو گئی تھی، اور اس سب کی وجہ وہ دشمن جاں معصوم تھی۔

☆———☆———☆

وہ بے خبر آرام سے بلینکٹ میں سو رہی تھی، اس کے چہرے پر زمانے بھر کا اس قدر سکون و اطمینان تھا، جیسے زندگی کی ساری تھکن اتر گئی ہو، دل پر جو ایک بھاری سل تھی، وہ ہٹ گئی ہو، ان سبز آنکھوں میں جو ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا، وہ تھم گیا تھا، دل و دماغ میں جو بھی غبار تھا، وہ سب کل اس بھیگی رات میں دھل گیا تھا، اس معصوم چہرے پر کسی قسم کی کوئی اذیت کوئی تکلیف نہیں تھی، بلکہ شاید وہ بند سبز آنکھیں کوئی خوبصورت حسین خواب دیکھ رہی تھیں، جس کی وجہ سے ان گلابی پنکھڑی لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ کھل رہی تھی، زرمیل یہ سب بغور دیکھتا اس کے پاس ہی بیٹھا تھا وہ اس قدر گہری نیند میں تھی کہ یہ بھی احساس نہیں ہوا کہ وہ اس کے بہت قریب بیک گراؤنڈ سے ٹیک لگائے یک ٹک اسے ہی دیکھ رہا تھا، اس کے خوبصورت چہرے پر بالوں کی کچھ چھوٹی چھوٹی بکھری لٹوں پر وہ اپنی انگلیاں پھیرنے لگا تھا، اور اسی اثناء میں اس کا موبائل بجنے لگا، زرمیل نے چہرہ گھما کر سائیڈ ٹیبل پر پڑے موبائل کو دیکھا، اسکرین پر ثمرن کالنگ لکھا آ رہا تھا، وہ ہونٹوں سے مسکرا دیا اور ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے موبائل اٹھائے یس کا بٹن پریس کیے کان سے لگا لیا تھا۔

"السلام علیکم!" ثمرن نے ادب سے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام!"

"زرمیل! ژالے کہاں ہے مجھے اس سے بات کرنی ہے، کب سے میں اس کا موبائل ٹرائی کر رہی ہوں، مگر مسلسل آف ہی جا رہا ہے، پوری رات میں اس کے لیے پریشان رہی ہوں، جاگتی رہی ہوں اس کے لیے۔" لب و لہجے میں حد درجہ فکرمندی کے آثار واضح جھلک رہے تھے، جس پر وہ مسکرا دیا۔

"پھر تو تمہاری پریشانی اور رات بھر کا جاگنا بے کار گیا۔"

"کیا مطلب میں سمجھی نہیں؟"

"اب اس کا مطلب تو تمہیں تمہاری نند صاحبہ ہی بتائے گی، فی الحال تو وہ اس وقت بہت گہری نیند میں سو رہی ہے۔" ذومعنی لب و لہجے میں بولتے ہوئے اس نے ژالے کو اپنی نظروں کے حصار میں رکھا تھا۔

"زرمیل! تم جانے کیا بول رہے ہو، مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، تم بس میری ژالے سے بات کرا دو، وہ رات کو روئی بھی تھی، اور پھر میں نے بھی تو اسے ڈانٹ دیا تھا، میں ژالے سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"یار! بالکل کروا دیتا، لیکن وہ واقعی بہت گہری نیند سو رہی ہے، لگتا ہے محترمہ دو سال کی نیند پوری کر رہی ہیں۔"

"تم سچ بول رہے ہو ناں، وہ سو رہی ہے؟" ثمرن بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔

"اب یقین کرنے کی دوسری وجہ کیا ہے وہ بتاؤ مجھے تاکہ اسی طرح سمجھا دوں تمہیں؟" وہ جانتا تھا ثمرن کی

پریشانی کو ژالے کر وہ بہت چاہتی تھی، اس کی آنکھوں میں معمولی سا آنسو بھی نہیں دیکھ سکتی تھی، یہی وجہ تھی کہ ژالے رات روئی بھی تھی اس لیے ثمرن کو فکر ہو گئی تھی۔

"چلو پھر ٹھیک ہے اسے سونے دو، میں تھوڑی دیر بعد پھر دوبارہ فون کروں گی۔" کچھ پل خاموش رہنے کے بعد دھیرے سے زرمیل کو پکارا تھا۔

"ہوں...!"

"ژالے چپ ہو گئی تھی ناں، وہ رات کو بہت روئی ہو گی، پتہ نہیں اس نے پیٹ بھر کے کھانا کھایا بھی ہے کہ نہیں۔" اس کی فکر پر زرمیل ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

"ہاں وہ چپ ہو گئی تھی اور میں نے اسے تھوڑا سا کھانا کھلا دیا تھا، ثمرن! ژالے میری بیوی ہے جو کچھ ہمارے بیچ رہا ہے میں اس پر بہت شرمندہ ہوں، مگر ژالے کو منا لینا چاہتا ہوں اسے اپنی زندگی میں واپس لانا چاہتا ہوں۔"

"مگر زرمیل! وہ تم سے بہت ناراض ہے۔"

"جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ دل کی بری نہیں ہے، بس تھوڑی سی بے وقوف ہے، عقل سے پیدل۔"

"تم میری نند کی برائی کر رہے ہو وہ بھی مجھ سے، مگر ایک بات یاد رکھنا ژالے میری نند ہی نہیں میری بہن بھی، دوست میری جان ہے، بہت عزیز ہے مجھے ژالے، بہت چاہتی ہوں میں اس کو، اگر ژالے کو تم نے کچھ کہا تو تمہارے کان کھینچ سکتی ہوں۔" زرمیل کا بلا ارادہ ہی زوردار قہقہہ گونجا تھا، ژالے کی آنکھ اس کے قہقہے پر ہی کھلی تھی نہایت حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"لو جاگ گئی تمہاری نند، اگر رات میں نے اس کے ساتھ کوئی ظلم یا زیادتی کی ہو تو خود اس سے پوچھ لو۔" اس نے موبائل ژالے کو تھما دیا، وہ نا سمجھی کی کیفیت کے زیر اثر زرمیل کو تک رہی تھی۔

"ثمرن کا فون ہے، بات کرنا چاہتی ہے تم سے، تسلی کرنا چاہتی ہے کہ کہیں رات میں نے تمہیں کہیں سے توڑ پھوڑ تو نہیں دیا۔" زرمیل نے اس کی سبز آنکھوں میں جھانکا تھا، ژالے اٹھنا چاہتی تھی مگر زرمیل نے الگ ہونے نہیں دیا، اشارے سے ثمرن سے بات کرنے کا کہا تھا، اس نے موبائل کان سے لگا لیا تھا۔

"ہ... ہیلو!" اس قدر سردی کی ٹھنڈ محسوس کرتے ہوئے اس کی آواز لڑکھڑا کے رہ گئی تھی۔

"ہیلو... ژالے! گڑیا کیسی ہو جانو؟"

"ٹھیک ہوں۔" نہایت دبی دبی آواز نکلی تھی، کیونکہ بالکل پاس بیٹھا زرمیل اس کی الجھی بکھری زلفوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا، اس کی اس جسارت پر ژالے سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا، دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا جیسے پسلیوں کی مضبوط دیواریں توڑ کے ابھی باہر آ جائے گا۔

"ناراض ہو ناں؟"

"ن... نہیں تو۔" وہ پیچھے کھسکنا چاہتی تھی مگر زرمیل نے اس کے گرد حصار کا بند باندھ دیا تھا، راستے مفقود کر دیئے تھے، موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا، پورے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی، اس قدر ٹھنڈ میں بھی اس کی پیشانی پر چند موتی ابھرے تھے۔

"میں جانتی ہوں تم مجھ سے ناراض ہو مگر چندا! میں بھی کیا کرتی مجبور تھی مگر مجھے یہ بھی تسلی تھی کہ تم زرمیل کے

ساتھ ہو محفوظ ہو۔"

"جی... ا" کچھ بھی بولا نہیں جا رہا تھا۔

"اچھا کراچی سے بھی فون آیا تھا یہاں کے حالات کی خبر انہیں مل گئی تھی، وہ سب پریشان ہو گئے تھے مگر میں نے انہیں سمجھا دیا تھا، تمہارا پوچھ رہی تھیں مما، میں نے کہہ دیا کہ وہ سو گئی ہے، اچھا خیر! تم جلدی سے تیار ہو جاؤ، میں تمہیں لینے آ رہی ہوں، اوکے!؟"

"آپ... آپ آ رہی ہیں ناں؟" اس کا دل خوش ہونے لگا تھا۔

"ہاں میں آ رہی ہوں بلکہ ابھی نکل رہی ہوں، ناشتہ ہم سب ایک ساتھ ہی کریں گے۔"

"اوکے میں جلدی سے تیار ہوتی ہوں۔" مزید اس سے کوئی بات نہیں کی جا رہی تھی۔ جبکہ زرمیل جس کی دھڑکنیں بڑھتی جا رہی تھیں، اس نے موبائل آف کر کے وہیں سائیڈ میں رکھا اور اس کے اپنے گرد سے مضبوط آہنی بازو ہٹانے چاہے تھے۔

"زرمیل! انہیں ثمرن بھابی آ رہی ہیں، میں فریش ہو کر آؤں گی۔"

"نہیں ابھی نہیں۔" وہ مزید کچھ اس کی سنے اور اپنی بولے بغیر ایک جھٹکے سے اسے خود سے قریب تر کر کے سینے، چہرے پر جھکتا چلا گیا تھا، اس کے قرار کے سارے راستے مسدود کر دیئے وہ اس کے مضبوط حصار میں بالکل قید ہو کر رہ گئی تھی، اسے تو خود پر حیرت تھی وہ اپنا دفاع کیوں نہیں کر پا رہی، اس کی محبت کے آگے کیوں ہار گئی تھی، کہاں جا سوئی تھی اس کی ساری ناراضی، اس کا غصہ جو اسے زرمیل پر تھا، مگر زرمیل کا یہ نیا انداز دیکھ کر تو وہ دنگ ہی رہ گئی تھی، اس کی جنونی محبت کی ایک جھلک تو وہ رات ہی دیکھ چکی تھی، وہ اپنے بچاؤ کے لیے کتنا احتجاج کرتی، کتنا بچاؤ کرتی، اس کی مزاحمت بے کار گئی تھی، زرمیل نے اسے اپنے اندر سمو کے اسے قید کر لیا تھا، وہ بے بس ہو کر رہ گئی تھی۔

"عارفین!" ثمرن کمرے سے نکلی عارفین، ریحان شیخ کے ساتھ بیٹھا T.V پر نیوز دیکھ رہا تھا وہ وہیں چلی آئی تھی۔

"جی ثمرن بھابی! بولیے۔" اس نے T.V پر سے نظر ہٹا کے ثمرن کو دیکھا تھا۔

"عارفین! ژالے کو ابھی جا کر لے کر آنا ہے۔"

"ثمرن بھابی! ابھی تو مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے، کیونکہ رات بھر برف باری خوب ہوئی ہے جس کی وجہ سے برف کا ایک بھاری تودہ سڑک کے بالکل بیچ گرا ہے، اسی لیے جو راستے کھلے تھے وہ بھی بلاک ہو گئے ہیں، جیسے کہ سب نیوز پر بتا رہے ہیں۔" ثمرن وہاں آ کر سنگل صوفے پر بیٹھ گئی اور نیوز دیکھنے لگی تھی، نیوز پر سب بتا رہے تھے حالات واقعی بہت گمبھیر ہو گئے تھے، ثمرن کو فکر مندی نے گھیر لیا تھا اس نے ژالے سے وعدہ کر لیا تھا وہ اسے لینے آ رہی ہے ساتھ ناشتہ کریں گے۔

"بیٹا! آپ پریشان کیوں ہو رہی ہیں ژالے تو محفوظ ہے ناں اور پھر وہ کسی اور کے ساتھ نہیں اپنے ہسبینڈ کے ساتھ ہیں۔" ریحان شیخ نے اس کے چہرے کی پریشانی بھانپ لی تھی۔

"جی انکل!" وہ پھر کچھ نہیں بولی تھی اور پھر کہتی بھی کیا ان کا کہنا بھی جائز تھا کہ ژالے اپنے شوہر کے ساتھ تھی، مگر ان دونوں کے مابین یہ رشتہ کس نوعیت کا تھا دونوں کے درمیان ایک سرد جنگ چل رہی تھی، ان کے بیچ نفرت کی دیوار جو کھڑی تھی ان سب سے ریحان شیخ ناواقف تھے۔ اس کا پرسوچ چہرہ عارفین نے بغور دیکھا تھا،

وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہی تھی۔

"ثمرن بھابی! پریشان مت ہوں ثرالے بالکل ٹھیک ہے"۔ ریحان شیخ کا فون آ گیا تھا وہ وہاں سے گئے تھے تو عارفین نے آہستگی سے کہا۔

"عارفین! مجھے پتہ ہے وہ پوری رات جاگی ہوگی، صرف روتی رہی ہوگی، تم جانتے تو ہو کہ اس کے اور زرمیل کے درمیان کی جنگ کو"۔

"بھئی! اب ثرالے کا تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا، ہاں زرمیل ضرور پرسکون ہوگا"۔ اس نے بات کو مزاح کا روپ دیا تھا، ثمرن اس کی بات کا مطلب سمجھ گئی تھی۔

"یہ تو تم خود اس سے ہی پوچھنا کہ وہ کتنا پرسکون رہا ہوگا، لیکن مجھے سو فیصد یقین ہے کہ ثرالے نے خود کے ساتھ ساتھ زرمیل کا بھی لمحہ لمحہ عذاب میں کر دیا ہوگا"۔

"چلیں جب وہ روبرو ہوں گے تو دیکھ لیں گے، اور اب ایک بات بتاؤں کہ زرمیل نے نہ صرف ثرالے کو ہینڈل کرلیا ہوگا بلکہ رونے بھی نہیں دیا ہوگا، اس لیے آپ فکر مت کریں"۔

"تم تو اتنے وثوق سے اس طرح بول رہے ہو جیسے زرمیل نے موبائل پر تمہیں بتایا ہوگا"۔

"میری پیاری بھولی بھالی سی بھابی جان! زرمیل کو اپنے درمیان موبائل جیسی بے جان چھوٹی سی شے سے بڑی دشمن لگ رہی ہوگی"۔ اس کے لبوں پر دھیمی سی شرارت بھری مسکراہٹ کھیل رہی تھی، جو ثمرن کو تو بالکل سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"مطلب....؟"

"اوف ہو....اب مطلب وغیرہ چھوڑیں، مجھے بھوک لگ رہی ہے کیا آج ناشتے کا اہتمام نہیں ہے، ثرالے کے چکر میں تو آپ ہمیں بھی بھوکا مار رہی ہیں"۔

"سوری....میں ابھی بناتی ہوں، بلکہ تم یوں کرو کہ ثرالے یا زرمیل کو فون کرو، انہیں بتا دو کہ آج بھی وہ تنگ راستے بلاک ہیں، جیسے ہی راستے کھلتے ہیں ہم فوراً لینے آ جائیں گے، وہ ہمارا انتظار کر رہی ہوگی کیونکہ کل ہم نے آنے کا بول دیا تھا"۔ وہ کہہ کر کھڑی ہوگئی تھی۔

"اوکے بابا! آپ کچن میں جائیں، ناشتہ بنائیں میں فون کرتا ہوں"۔ ثمرن کو جب اطمینان ہوگیا کہ عارفین نے اپنا موبائل اٹھا لیا ہے، تو وہ وہاں سے کچن کی سمت بڑھ گئی، عارفین نے جاتی ہوئی ثمرن کو دیکھا اور موبائل واپس رکھ دیا تھا۔

"ثمرن بھابی بھی ناں پرائیویسی نہیں سمجھتی ہیں"۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کے ہلکے سے مسکرا دیا تھا اور دوبارہ سے T.V کی جانب متوجہ ہوگیا۔

"ہوں....مزہ آ گیا بھئی!" ریحان شیخ نے خوب سیر ہو کر ناشتہ کیا تھا، ان لڑکیوں نے گھر میں ہی کیما پراٹھا، اور میٹھا حلوہ بنا لیا تھا۔

"بہت مزے کے بنائے ہیں آپ نے کباب ثمرن بھابی!"

"جی نہیں اس کا سارا کریڈٹ آپ کی مسز معصوم کو جاتا ہے، اس لیے اس تعریف کی اصل حقدار معصوم ہے"۔ ثمرن نے اپنی پلیٹ آگے کھسکا دی تھی۔

"اچھا تو آپ کو پہلے بتانا چاہیے تھا کہ یہ کمال ہماری زوجہ محترمہ معصوم کا ہے، تو میں ٹھیک طرح تعریف

کرتا"۔ اس نے سر کو جھکاتے معصوم کو دیکھا۔

"تو ابھی بھی کس نے پابندی لگائی ہے، آپ تعریف کر سکتے ہیں"۔ حرا نے مسکراتے ہوئے کباب کا ایک بائٹ لے کر منہ میں ڈالا تھا۔

"بالکل کریں گے، ہماری مسز تو جو بنائیں سب لذیذ ہوتا ہے، بلکہ ہم تو خراج تحسین بخشنے کے موڈ میں تھا"۔

"عارفین بھائی! اگر اس وقت ثرالے یہاں ہوتی تو ضرور آپ پر کمنٹس پاس کرتی"۔

"وہ نہیں ہے تو کیا ہوا اس نے اپنے چیلے تو یہاں چھوڑے ہوئے ہیں، جو اس تک ساری خبر رسائی کر دیں گے"۔ حرا اس کا اشارہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔

"اگر آپ مجھے اکیلا سمجھ کے گھیرنے کے موڈ میں ہیں، تو آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں بھی آپ کے لیے اکیلی کافی ہوں مقابلہ برابر ہوگا"۔

"ہاں یہ تو ظاہری بات ہے ثرالے کی صحبت کا اثر تو آئے گا ناں"۔ وہ ہولے سے ہنس دیا۔

"ضرور آپ خوب اچھی طرح کریں، ابھی فل آزادی ہے، آنے دیں ثرالے کو، ایک ایک بات مرچ مسالہ لگا کر بتاؤں گی میں آپ کی شکایت"۔

"اس کا مطلب ہے اپنی بیگم کو تم دونوں کے خلاف تیار کرنا پڑے گا"۔

"آپ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کر لیں، مگر معصوم بھابی آپ کا ساتھ دینے والی نہیں ہیں، وہ ہماری ہی سائیڈ لیں گی"۔ اس نے مسکراتے ہوئے اس کو چڑایا تھا۔

"یہ بات ہے تو پھر ٹھیک ہے مگر میری بھی سن لو کہ میں بھی ہارنے والوں میں سے نہیں ہوں، جیت انشاءاللہ اپنی مقدر بنے گی"۔ یہ بات عارفین نے معصوم کو بغور دیکھتے ہوئے کہی تھی۔

معصوم نے نہایت چونک کر عارفین کو دیکھا تھا اس کے چہرے پر کل رات کی بات کا معمولی سا بھی شائبہ تک نہ تھا... وہ اسی طرح مستی و مذاق کے موڈ میں تھا، جیسے ہر روز معمول کی طرح رہتا تھا، مگر اس وقت اس کی کہی گئی بات کا وہ کیا مطلب گردانتی، مذاق یا پھر طنز، وہ اس چہرے پر کچھ ڈھونڈنے ہی کی کوشش کر رہی تھی، کہ جلد ہی احساس ہوا کہ مقابل کی آنکھوں میں شوخ سے رنگ جھلملانے لگے تھے، اس نے اپنی سیاہ آنکھیں خود ہی جھکالی تھیں... شاید اس کا موڈ نہیں تھا کہ وہ اس کے چہرے سے اپنی نگاہیں ہٹاتا، ان سب کے برعکس حرا اپنی ہی دھن میں تھی، کہ اچانک سے دانیہ کے کہنے پر معصوم نے اپنی جھکی سیاہ نگاہیں پھر سے اٹھائی تھیں۔

"عارفین بھائی! یہ کپڑا کیسا آپ کے ہاتھ پر باندھا ہے، اور دیکھیے اس میں سے خون بھی نکل رہا ہے"۔

دانیہ کے کہنے پر سب نے ہی عارفین کا ہاتھ دیکھا تھا۔

"ارے ہاں عارفین! یہ کیا ہوا ہے، کہاں سے لگائی تم نے یہ چوٹ، مجھے دکھاؤ ذرا"۔ ثمرن بھابی نے اپنی گود میں بیٹھے رضا کو حرا کو دیا اور اس کے پاس چلی آئی، اس کا ہاتھ تھاما اور ہاتھ پر بندھا کپڑا ہٹا دیا جو خون سے بھیگ گیا تھا۔

"اوہ مائی گاڈ....عارفین بھائی! یہ تو بہت گہرا زخم ہے، کیسے لگی آپ کے؟" حرا بھی وہیں چلی آئی تھی پریشان سی تھی۔

"عارفین بیٹا! بتاؤ ناں کیسے لگی آپ کو یہ چوٹ؟" ریحان شیخ فکرمندی سے بولے۔

"ارے یار! کچھ نہیں ہوا، معمولی سی چوٹ ہے ٹھیک ہو جائے گی۔" عارفین نے سب کی فکر کو دل سے محسوس کیا تھا، کس قدر محبت کرتے تھے وہ سب اس سے، حرا کے تو باقاعدہ آنکھوں میں آنسو ہی آ گئے تھے۔

"آپ اسے معمولی کہتے ہیں کتنا گہرا زخم آیا ہے آپ کو؟" وہ روہانسی سی ہونے لگی تھی، عارفین اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور حرا کو خود سے لگا لیا تھا۔

"گڑیا! زیادہ نہیں لگی ہے۔" یہی بے لوث محبتیں ہی تو تھیں جن کی مضبوط ڈور سے وہ سب کسی لڑی کے طرح ایک دوسرے سے بندھے ہوئے تھے، اور وہ ان بے لوث بے پناہ محبتوں کی قدر کرتا تھا۔ معصوم تو حیرت سے ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی، کس قدر محبت ہے ان سب میں آپس میں، شاید اسی کو پیار کہتے ہیں۔

"تم ادھر بیٹھو!" ثمرن نے عارفین کو واپس چیئر پر بٹھایا تھا۔

"وانی بیٹا! فرسٹ ایڈ باکس کہاں رکھا ہے؟" ریحان شیخ نے وانیہ کو دیکھا۔

"بابا! میں ابھی لے کر آتی ہوں۔" اس نے بے ساختگی سنبھالی اور اپنے بیڈروم سے فرسٹ ایڈ باکس لے کر آ گئی۔

"لاؤ مجھے دو۔" ثمرن نے پہلے ڈیٹول نکالا، نوری ایک چھوٹے باؤل میں پانی لے کر آ گئی، عارفین کا زخم جلدی جلدی صاف کیا، پھر مرہم وغیرہ لگا کر اس کے ہاتھ کی ڈریسنگ کر دی تھی۔

"حد ہوتی ہے لاپروائی کی بھی۔" ثمرن نے عارفین کو گھورا تھا، ساتھ اچھی طرح ڈانٹ بھی پلا دی تھی۔

"معصوم! تمہیں تو پتہ ہوگا، تم نے بھی اس کے ہاتھ پر کچھ ٹیوب پاؤڈر وغیرہ نہیں لگایا۔" اب ان کا رخ معصوم کی سمت تھا۔

"ج... جی... وہ... وہ!" وہ بری طرح گھبرا کے رہ گئی تھی، زبان الگ لڑکھڑا رہی تھی، عارفین نے جلدی سے بات کو سنبھالا۔

"نہیں ثمرن بھابی! معصوم کو نہیں معلوم میرے یہ زخم ابھی کچھ دیر پہلے ہی لگا ہے۔" اس نے معصوم کو صاف بچا لیا تھا۔

"اٹس اوکے... اب تم آرام کرو، اور ہاتھ کو لٹکانا بالکل نہیں ورنہ درد ہوگا۔"

"آپ لوگوں کی محبت ہی ایسی ہے کہ کسی درد کا احساس نہیں ہوتا۔"

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے اس وقت ہونا بھی نہیں چاہیے، کیونکہ اگر ڈالے یہاں موجود ہوتی تو آپ کے سر میں بھی درد کر دیتی۔" حرا نے چڑ کے کہا، جس کو وہ سمجھ کر بے ساختہ ہنس دیا، حرا ٹھیک ہی بول رہی تھی اگر ڈالے یہاں ہوتی تو وہ تو گھر سر پر ہی اٹھا لیتی، کیونکہ جتنی ان لوگوں میں لڑائیاں ہوتی تھیں ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچتے تھے، پھر محبت بھی ایسے ہی کرتے تھے، ارشد اور عارفین میں وہ کوئی فرق محسوس ہی نہیں کرتی تھی، عارفین کی کوئی بہن نہیں تھی مگر ڈالے اور حرا کو بالکل سگی بہنوں کی طرح چاہتا تھا، ان لوگوں کی ہر خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتا تھا اور ڈالے تو ویسے بھی محبتوں کے معاملے میں بہت خوش قسمت تھی، کہ گھر کے ہر فرد کا پیار اسے ملا، گھر کی لاڈلی، وہ اس لیے تو سب نے اسے اس گھر میں ہمیشہ رکھنے کے لیے زرمیل سے زبردستی نکاح کر دیا تھا، وہ زندگی بھر سب کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو، مگر قسمت نے جو اس سے امتحان لیا، جس کٹھن آزمائش میں سب کو خون کے آنسو رلا دیا تھا، مگر زرمیل کی واپسی ایک نئی امید کی کرن بن کر روشن ہوئی تھی، وہ ڈالے جو زندگی جینا بھول گئی تھی، وہ پھر سے جیئے گی، عارفین کی صدق دل سے اس کے لیے دعا تھی، زرمیل اسے [illegible] اس کا ازحد یقین تھا جو کڑواہٹ اس کے دل و دماغ میں گھل گئی تھی وہ سب دور ہو جائے گی۔

☆......☆......☆

شام کے چھ بج رہے تھے وہ کمرے میں اکیلی صوفے پر بیٹھی ٹی وی پر نیوز دیکھ رہی تھی، باہر کے حالات ابھی بھی ٹھیک نہیں ہوئے تھے کوئی شے اپنے معمول کے مطابق نہیں چل رہی تھی، زرمیل کچھ دیر پہلے ہی باہر گیا تھا، شاید حالات کا جائزہ لینے، کل سے اب تک وہ اس کے ساتھ کمرے میں تھی، وہ جو اس کے سائے سے بھی بھاگ رہی تھی، قسمت نے ایسا پلٹا کھایا کہ مشکل گھڑی میں اسی کے رحم و کرم پر پہنچ دیا تھا، وہ جس زرمیل کو جانتی تھی وہ ایک اکھڑ بد دماغ، حد درجہ غصے والا بدذوق انسان تھا، مگر یہ زرمیل جسے وہ کل سے اپنے بے حد قریب دیکھ رہی تھی، وہ بالکل الگ تھا، اپنے پرانے والے زرمیل سے اس میں وہ ایک بھی عادت نہیں تھی، جس سے وہ نالاں رہتی تھی، مگر زرمیل ایسا ہوگا اس قدر بدلا ہوا آئے گا ان دو سالوں میں یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا، اس قدر جنونی محبت و چاہت دینے والا، اتنا رومانٹک کہ وہ اس کی بے پناہ محبت کے آگے ہار گئی تھی، اس کی نفرت بہت پھیکی لگنے لگی تھی، جتنی محبت اس نے کل سے اب تک اسے دی تھی کہ وہ خود جھکنے لگی تھی، مگر ایسا محسوس ہو رہا تھا زرمیل کی محبت میں ہر گزرتے پل میں مزید اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، جانے اس کا طنطنہ، غصہ، جھنجھلاہٹ کہاں غائب تھا کہ وہ اگر غصہ کرنا بھی چاہتی تو زرمیل ایسا کرنے نہیں دیتا تھا۔

"کیا سوچا جا رہا ہے مادام!" وہ اپنی لاانتہا گہری سوچوں میں اس قدر منہمک تھی کہ یہ بھی احساس نہیں ہوا کب زرمیل اس کے برابر اس کے بے حد قریب آ کر بیٹھ گیا تھا، وہ آگے کھسکنا ہی چاہتی تھی کہ زرمیل نے اس کے شانے پر اپنا مضبوط آہنی بازو رکھ کر اس کو اپنی گرفت میں قید کر لیا تھا۔

"کیوں بھاگ رہی ہو مجھ سے، نہیں ڈالے! اب تو بالکل بھی گنجائش نہیں کہ ایک پل کے لیے بھی میں تمہیں خود سے الگ کروں۔" اس نے گھیراؤ تنگ کر دیا تھا۔

"آپ خدارا! میری بات تو سن لیں۔" کمزور لب و لہجے میں ایک التجائی گزارش تھی۔

"ہاں بالکل سنیں گے آپ فرمائیے!" وہ ترنگ میں بولا۔

"اس طرح تو میں کچھ نہیں کہہ پاؤں گی۔" اس کا اشارہ اس کے حصار، اس کے بے حد قریب ہونے پر تھا، وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

"چلو ٹھیک ہے مان لی تمہاری بات اب بولو!" اس نے مسکراتے ہوئے اپنا بازو اس کے گرد سے ہٹایا تھا، ڈالے اس کا سرخ گلنار ہوتا چہرہ دیکھا، حد درجہ گوری رنگت پر سردی کی وجہ سے اس کے گالوں پر سرخی کھل رہی تھی، پلکوں کی گھنی باڑ جیسے نہ اٹھنے کا عہد کر چکی ہو، گلابی ہونٹ بالکل خاموش تھے، دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کیے وہ شاید گھبرا رہی تھی، زرمیل نے اپنی ہتھیلی کے پیالے میں اس کا معصوم سا چہرہ بھرا، اپنی طرف اس کا رخ موڑا تھا، سرمئی کانچ ان سبز جھیل جیسی آنکھوں میں گاڑ دیں۔

"دل میں جو کچھ بھی ہے سب بول دو، میں جانتا ہوں میں نے تمہیں بہت دکھ دیے ہیں، مگر یقین کرو میں دل سے شرمندہ ہوں اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں، تمہیں اتنی محبت و چاہت دوں گا کہ تمہاری زندگی کے تلخ لمحات، تکلیف دہ اذیت بھرے تمام لمحات مٹ جائیں گے، اور پھر اس کا معمولی سا ثبوت تو تم کل سے اب دیکھ بھی چکی ہو۔" حنائی لبوں پر شرارت سے بھری مسکراہٹ تھی، سرمئی کانچ پرشوق ہو کر اس کا سرخ اناری چہرہ دیکھ رہی تھیں، اس کی ذومعنی بات وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی جھجکتے ہوئے نگاہ رخسار پہ سجدہ ریز ہو کر رہ

گئیں، وہ گھنیری پلکیں شرم و حیا سے لرزنے لگی تھیں، زرمیل کے لبوں پر شوق انداز سے دیکھتے پر چہرہ گلنار ہو کر کھلنے سا لگا تھا، اس کے چہرے کی سرخی میں مزید اضافہ سا ہونے لگا تھا، زرمیل تو جیسے اس کی ادا پر فریفتہ ہو گیا، اپنی دیوانگی و بے قراری کی مہر جا بجا اس کے چہرے پر ثبت کرتا چلا گیا تھا۔

دروازے پر دھیرے سے دستک ہونے لگی تھی، زرمیل نے بھرپور نظر اس کے چہرے پر ڈالی اور مسکرا کر کھڑا ہو گیا، ژالے اپنی بے ترتیب بے قابو ہوتی دل کی دھڑکنوں پر ہاتھ رکھے انہیں اعتدال پر لانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

"سر! آپ کا آرڈر"۔ دروازے پر ویٹر تھا جو ٹرالی کھسکاتے ہوئے چلا آیا تھا، شام کی چائے کے ساتھ اس نے پیزا بھی آرڈر کر دیا تھا، وہ جانتا تھا کہ ژالے کو پیزا بہت پسند ہے، اور میٹھے میں لب شیریں۔

"چلو پہلے چائے پیتے ہیں پھر کوئی اور بات ہو گی"۔ زرمیل ٹرالی گھسیٹتا ہوا اس کے پاس لے آیا تھا، ژالے نے چائے کا کپ اٹھایا۔

"ارے یہ کیا؟" زرمیل کا اشارہ اس کے خالی چائے پینے کی طرف تھا۔

"یہ پیزا کون کھائے گا میں نے تو خاص تمہارے لیے آرڈر کیا ہے، ورنہ تم تو جانتی ہو کہ مجھے پیزا پسند"۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا ہے"۔ بھولے سے انکار کیا تھا۔

"تم نہیں تم نے دوپہر میں بھی بہت تھوڑا سا کھایا تھا، چلو ٹھیک ہے صرف تمہاری خاطر میں تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں"۔ اس نے مسکراتے ہوئے ایک پلیٹ اٹھا کر اپنے لیے ایک چھوٹا سا ٹکڑا اس میں ڈالا پھر ژالے کے لیے ایک پلیٹ بنائی، ژالے نے بہت حیرانگی بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا کہ صرف اس کی خاطر وہ کھا رہا تھا، ورنہ وہ جانتی تھی کہ زرمیل کو پیزا سخت ناپسند ہے۔

☆......☆......☆

وہ سب کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں، ریحان شیخ کی فرمائش پر چکن تہاری اور رائس بنا رہی تھیں، اس نے دیکھا تھا کہ یہاں رات کے کھانے پر ٹیبل پر میٹھے کا اہتمام لازمی ہوتا ہے، اس نے سویوں کا زردہ بنا لیا تھا، بلکہ ریحان شیخ نے تو دو تین اور ڈشز کھانے کی اور میٹھے کی بول دی تھیں مگر حرا نے کہا کہ یہی بہت ہے اتنا کھانا بنا کے کیوں ضائع کریں، ثمرین چاہے الگ ہو گا اسے معلوم تھا کہ ریحان شیخ کی بھی زیادہ نہیں تھی وہ صرف ان لوگوں کی وجہ سے بول رہے تھے۔

"معصوم...!" ثمرین چائنیز رائس کے لیے باریک باریک سبزیاں کاٹ رہی تھی کہ سویاں بھونتی معصوم کو پکارا تھا۔

"جی ثمرن بھابی!" اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"تم نے عارفین کے ہاتھ کی ڈریسنگ کر دی تھی"۔

"جی... جی... نہیں"۔ ثمرن کے یوں اچانک پوچھنے پر وہ بوکھلا کے رہ گئی۔

"اف او... معصوم! عارفین کا بہت گہرا زخم آیا ہے، خیر تم یہ سارے کام چھوڑو اور سب سے پہلے جا کر فارفین کے ہاتھ کی ڈریسنگ کرو، جاؤ شاباش!"

"ثمرن بھابی! بس یہ سویاں کر دوں پھر کرتی ہوں"۔ وہ جانتی تھی کہ عارفین اس سے ڈریسنگ نہیں کروائے گا۔

"میں کہہ رہی ہوں ناں، تم چھوڑ دو، یہ نوری دیکھ لے گی، نوری! یہ سویاں تم تیار کر دو"۔

"جی بی بی جی!" نوری فوراً آگے بڑھی تھی۔ معصوم مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی، اب اکیلے میں اس کا سامنا کیسے کرے، سب کے سامنے تو عارفین نے ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اس سے ناراض یا بدگمان ہے، معصوم کے کچن سے نکلنے کے بعد حرا نے رضا کو کاؤنٹر پر بٹھایا اور اس کے ہاتھ میں چاکلیٹ تھمادی، جاتی ہوئی معصوم کو نہایت گہری نظروں سے دیکھا تھا اس نے، اور ثمرن کے پاس بڑھی۔

"ثمرن بھابی! اپنی یہ معصوم بھابی کا مزاج کچھ الگ نہیں ہے نئی نویلی دلہنوں والے انداز تو بالکل نہیں ہیں، نہ ہی کوئی ناز نخرہ ہے، ورنہ نئی نویلی دلہنیں تو اپنے ہسبنڈ کے پاس بیٹھنے کے بہانے ڈھونڈتی ہیں مگر میں نے تو یہ بھی نوٹ کیا ہے کہ عارفین بھائی کے ہاتھ پر لگے گہرے زخم کی فکر جیسے ان کو ہونی چاہیے وہ انہیں بالکل نہیں ہے، ورنہ کیا انہیں سب کام وغیرہ چھوڑ چھاڑ کے ان کے پاس نہیں بیٹھنا چاہیے تھا مگر وہ تو بالکل لاپروائی برت رہی ہیں"۔ حرا کو عجیب سا شک گزرا تھا۔

"نہیں یہ سب میں نے تو نوٹ نہیں کیا ہے"۔ ثمرن نے بغور حرا کو دیکھا تھا۔

"چلیں اب کیجیے گا"۔

"حرا! بری بات... کسی کے پرسنل میں انٹرفیئر نہیں کرتے"۔ ساری سبزیاں تقریباً کٹ چکی تھیں جنہیں وہ اب چھلنی میں ڈال رہی تھی۔

"نہیں ثمرن بھابی! میرا وہ مطلب نہیں تھا"۔ وہ بری طرح جھینپ کر رہ گئی۔

"اٹس اوکے... یہ سب فضول باتیں چھوڑو، یہ ان کا اپنا مسئلہ ہے، تم رضا کو دیکھو وہ کیا کر رہا ہے، اگر بھوکا ہو تو اسے تو ربنا کے کھلا دو، میں اتنے چاول بھگو دیتی ہوں"۔ وہ پتیلی کا ڈھکن رکھ کے چاول لیے سنک کی طرف بڑھی تھی۔

"جی بہتر...!" وہ کاؤنٹر پر بیٹھے رضا کو گود میں لیے کچن سے نکلی تھی، معصوم فرسٹ ایڈ باکس لے کر کمرے میں آئی، عجیب سی جھجک مانع تھی اس کے انداز میں، کس قدر بے حس ہو گئی تھی، کہ اتنی بھی زحمت نہیں کی کہ عارفین کے ہاتھ کا زخم ہی پوچھ لیتی، وہ شرمندہ شرمندہ سی چلتی ہوئی عارفین کے پاس آ ٹھہری، عارفین جو بیڈ پر لیٹا تھا آنکھوں پر بازو دھرے جانے وہ سو رہا تھا یا پھر جاگ رہا تھا، اس نے بغور دیکھا تھا عارفین نے اپنا دایاں بازو آنکھوں پر دھرا تھا، جو زخمی تھا اس نے آہٹ پر بازو چہرے سے ہٹایا تو اپنے قریب ہاتھ میں فرسٹ ایڈ باکس لیے معصوم کو پایا، وہ جو ٹکٹکی باندھے یک ٹک اسے دیکھنے میں مگن تھی، ہڑبڑا کے رہ گئی۔

"وہ میں... آپ کے ہاتھ... کی ڈریسنگ کرنے آئی تھی"۔ نگاہ جھکائے جیسے کوئی مجرم اپنے جرم کا اعتراف کر رہا ہو۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے مجھے جب ضرورت ہو گی تو میں خود کر لوں گا"۔ سرد لب و لہجے میں کہتے ہوئے اس نے پھر سے آنکھوں پر بازو دھر دیا تھا، وہ خاموش ہو کر رہ گئی مگر یہ خاموشی چند پل کی ہی تھی۔

"دیکھیے پلیز! مجھے اور آزمائش میں مت ڈالیے، مجھے ویسے ہی شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے"۔

"اچھا بہت خوب تو تمہارے اندر احساس کا جذبہ ہے، حیرت ہو رہی ہے مجھے یہ سن کے"۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بغور اپنا عکس وہاں تلاشنے لگا تھا، اس کے یوں اچانک کھڑے

ہونے سے معصوم گڑبڑا کے دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

''آپ کیوں کر رہے ہیں میرے ساتھ ایسا؟'' لب و لہجے میں ہلکی سی نمی گھلی ہوئی تھی۔

''تم ایسا ویسا کرنے کی اجازت ہی کب دے رہی ہو؟'' ذومعنی انداز میں بولتا ہوا، ہولے سے مسکرایا۔ معصوم اس کی ذومعنی بات کا مطلب سمجھ کے اگا ہوں کا رخ ہی پھیر گئی، جسے عارفین نے نہایت غور سے دیکھا۔

''اینی وے... مجھے اس ڈریسنگ کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔

''مگر آپ کا زخم بھی تو گہرا ہے، ڈریسنگ ضروری ہے''۔

''تمہیں میرے زخم کی فکر ہے؟'' سینے پر دونوں بازو باندھ کر اس کے چہرے کے نقوش دیکھنے لگا تھا، پھر مشکل سوال۔

''مجھے ہی نہیں سب کو آپ کی فکر ہے اور ثمرن بھابی نے ہی مجھے آپ کی ڈریسنگ کے لیے بھیجا ہے''۔

''اس کا مطلب اگر ثمرن بھابی تمہیں نہ بھیجتیں تو تم نہیں آتیں؟''

''نہیں میرا وہ مطلب نہیں تھا''۔ وہ صحیح معنوں میں مشکل میں پڑ گئی تھی۔

''تم تو خوش فہمی میں بھی نہیں رہنے دیتی ہو''۔ اور پھر ہولے سے مسکرا کر واپس بیڈ پر لیٹ گیا، بازو آنکھوں پر دھر لیا۔ معصوم کو بہت افسوس ہوا، اسے اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا، پھر بھی تھوڑی ہمت کر کے اس کو پکارا تھا۔

''یہ فرسٹ ایڈ باکس یہاں رکھ دو اور پلیز مجھے نیند آ رہی ہے جاتے ہوئے لائٹ آف کرتی جانا''۔ مختصر لفظوں میں اسے اس کمرے سے چلے جانے کے لیے حکم دیا گیا تھا، اس نے نہایت بے بسی سے عارفین کو دیکھا تھا، فرسٹ ایڈ باکس ٹیبل پر رکھا اور کمرے سے نکلتی چلی گئی، لائٹ آف کرنا نہیں بھولی۔

☆............☆............☆

رات کا کھانا وہ دونوں کھا چکے تھے، زرمیل تو بلینکٹ سر تک اوڑھے کب کا سو بھی چکا تھا، آدھے سے زیادہ بیڈ اس نے اپنے پہاڑ جیسے وجود سے گھیرا ہوا تھا، کمرہ بھی اتنا کشادہ نہیں تھا کہ وہ نیچے ہی سو جاتی اور بالفرض سمٹ کر نیچے لیٹ بھی جاتی تو یقینی تھا کہ وہ برف بن جاتی، کمرے میں اس قدر ٹھنڈ تھی کہ اب اس سے صوفے پر بیٹھا بھی نہیں جا رہا تھا، کافی دیر بیٹھے رہنے سے اس کا وجود شل ہونے لگا تھا، سردی کے مارے جسم میں کپکپاہٹ سی شروع ہونے لگی تھی، بالآخر اسی فیصلے پر مہر لگا دی کہ اب بیڈ پر جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، وہ آرام سے چلتی ہوئی بیڈ کے دوسرے کونے پر سکڑ سمٹ کر لیٹ گئی، نیند تو بہت آ رہی تھی، مگر ٹھنڈ جیسے اس کی نس نس میں گھس رہی تھی، بلینکٹ بھی ایک ہی تھا، جو زرمیل نے خود پر لپیٹا ہوا تھا، جانے وہ اور کیا کیا سوچتی رہتی کہ ایک زوردار جھٹکے سے اس کی مرمریں نازک کمر کے گرد زرمیل نے اپنا بازو حمائل کر کے اسے اپنی جانب جو کھینچا تو وہ پوری طرح اس کے وجود کا حصہ بنی تھی، شزا نے اس اچانک افتاد کے لیے قطعی طور پر تیار نہیں تھی، نہایت سہمی نظروں سے اپنی طرف جھکے اس چہرے کو تک رہی تھی، وہ دھیرے دھیرے اس کے سہمے ہوئے چہرے پر انگلیوں کے لمس چھوڑ رہا تھا، ان سبز آنکھوں میں وہ اپنا ابھرتا عکس بغور دیکھ رہا تھا، ان سبز آنکھوں میں وہ اپنے خواب سجانا چاہتا تھا، ایک نیا جہاں آباد کرنا چاہتا تھا، ان گلابی گداز لبوں پر اپنے نام کی مالا پرونا چاہتا تھا، روشن پیشانی پر وہ اپنے پیار کی مہر ثبت کرنا چاہتا تھا، اس کے سینے میں دھڑکتے دل پر براجمان ہو کر وہ راج کرنا چاہتا تھا، اس کے نام کے ساتھ جڑا اپنے نام کو روشن تا قیامت تک قائم و دائم رکھنا چاہتا تھا، وہ زندگی بھر کا ساتھ نبھانے کا وعدہ چاہتا تھا، اور اس پر عمل کی پاسداری چاہتا تھا۔

(جاری ہے---)

قمروش شبک

قسط نمبر 9

سلسلے ناول

''مت دور رہا کرو مجھ سے ژالے! مجھ سے تمہاری دوری ایک پل کے لیے بھی گوارا نہیں ہے''۔ اور پھر وہ کیسے مزاحمت کرتی وہ اس کے احتجاج کو خاطر میں لا ہی کب رہا تھا، اور شاید اس کا اپنا دل بھی یہی گواہی دے رہا

تھا کہ وہ تھک چکی ہے، زرمیل کے پیار کی چھاؤں میں رہنا چاہتی ہے، اس کی چاہت کی خوشبو میں رچ بس جانا چاہتی ہے۔ وہ جو اس کا دل اس کے خلاف تھا، مگر اب زرمیل کی مالا جپنا چاہتا تھا۔ جس میں وہ بندھ جانا چاہتی تھی، زندگی بھر زرمیل کی ہو جانا چاہتی تھی، اس پر اعتبار کرنا چاہتی تھی، سب کچھ بھول کر وہ اس کی زندگی کا حصہ بننا چاہتی تھی، مگر یہ اقرار یہ اظہار وہ چاہ کر بھی کر نہیں پا رہی تھی۔

☆..........☆..........☆

وانی ابھی ابھی نہا کے نکلی تھی، بیساکھی کے سہارے چلتے ہوئے بیڈ پر بیٹھی تھی، نوری ہمہ وقت اس کے ساتھ ہی رہتی تھی، وانیہ کو دیکھ کر بری طرح گڑبڑا کے رہ گئی، وانیہ نے اس کی گھبراہٹ شدت سے نوٹ کی تھی۔

''سب ٹھیک ہے نا نوری! تم مجھے دیکھ کر گھبرا کیوں گئیں، چہرے پر بھی ہوائیاں اڑ رہی ہیں''۔ وانیہ نے شاکی نظروں سے دیکھا تھا۔

''نن... نہیں تو... وہ... وانیہ بی بی! میں تو بس یوں ہی...!'' زبان نہ تو اس کے لفظوں کا ساتھ دے رہی تھی

نہ حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔

"سب خیریت تو ہے ناں، تمہارے گھر میں تو سب ٹھیک ہے؟" وہ اب ٹاول سے اپنے بال خشک کر رہی تھی، نوری اپنی گھبراہٹ کو کنٹرول کرتی ہوئی آگے بڑھی اور اس کے ہاتھ سے ٹاول لے کر خود اس کے بال خشک کرنے لگی تھی۔

"جی وانیہ بی بی! سب خیریت ہے، وہ اصل میں میرا میاں بیمار پڑ گیا ہے جی اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی"۔

"ارے تو تم چلی جاؤ، اسے تو اس وقت تمہاری شدید ضرورت ہوگی"۔

"جی میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ کل کرآ جاؤں"۔

"ویسے بہت ناانصافی ہوگئی ہے تمہارے ساتھ، مگر خیر میں نے بھی فیصلہ کر لیا ہے تمہیں اور زیادہ دن یہاں ٹھہرنا نہیں پڑے گا"۔ پرسوچ نظریں سامنے دیوار پر مرکوز تھیں۔

"کیسا فیصلہ وانیہ بی بی؟" وہ کچھ بتانے ہی والی تھی کہ اندر حرا داخل ہوئی تھی۔

"وانی! ژالے آئی ہے"۔

"سچ... کس کے ساتھ؟" وہ بے ساختہ سنبھالے کھڑی ہوگئی، خوشی اس کے روئیں روئیں سے جھلک رہی تھی۔

"زرمیل بھائی کے ساتھ ہے، چلو آؤ"۔

"ہاں ہاں ضرور"۔ وہ حرا کے ساتھ خوشی خوشی کمرے سے نکلی تھی، پیچھے نوری نے اپنے گریبان سے چھوٹا سا موبائل نکالا اور کوئی نمبر ڈائل کرنے لگی تھی، وہ ڈرائنگ روم میں آئی تو ژالے کو ثمرن سے لگے پایا اور گود میں رضا کو گود میں لیے اس کے بالوں میں آرام آرام سے انگلیاں پھیر رہی تھی۔

☆..........☆..........☆

"السلام علیکم!" اس نے زرمیل کو سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام!" زرمیل کی نگاہ اس کی طرف اٹھی تھی۔

"کیسی ہو آپ؟" اس نے خوش دلی سے اس کی خیریت دریافت کی تھی، غائبانہ جان پہچان تو تھی ان کی، عارفین نے بہت کچھ بتایا ہوا تھا، اس چھوٹی سی پیاری سی لڑکی کے بارے میں۔

"جی اللہ کا شکر ہے"۔ وہ مسکراتی ہوئی ژالے کی سمت بڑھی، ژالے نے رضا کو گود سے اتارا اور کھڑی ہو کر اس کے گلے سے لگی تھی۔ زرمیل نے اپنے دونوں ہاتھ رضا کی طرف بڑھائے وہ قلقاریاں بھرتا ہوا اس کے بازوؤں میں سما گیا تھا، پورا کمرہ خوشگوار ماحول میں تھا۔

"ارے وانیہ بیٹا! آج دوپہر کے کھانے میں کیا پکا رہی ہیں آپ لوگ؟ بھئی! دیکھو کچھ اسپیشل ہونا چاہیے، کیونکہ زرمیل ہمارے گھر پہلی بار آئے ہیں بلکہ آپ یوں کریں مجھے ایک لسٹ بنا کے دے دیں، میں مارکیٹ سے لادوں گا سب کچھ، اگر کچھ ریڈی میڈ بھی منگوانا ہو تو وہ بھی لادوں گا"۔

"نہیں ریحان انکل پلیز! کسی تکلف میں مت پڑیے، بلکہ میں تو ابھی نکلنے بھی لگا ہوں"۔ ژالے کی بے ساختہ نگاہ اس کی سمت اٹھی تھی، زرمیل نے بھی بغور ان سبز آنکھوں میں دیکھا تھا، ژالے ٹپٹا کے رہ گئی اپنی اس بے اختیاری پر، نگاہوں کا یہ تصادم نہایت جاندار تھا جو زرمیل کو مسکرانے پر مجبور کر گیا، نہایت گہری نظروں سے

اس نے ان جھکی لرزتی پلکوں کو دیکھا تھا۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو کچھ عرض کر سکتا ہوں؟" ریحان شیخ نے پرتکلف لب و لہجے میں کہا تھا۔

"ارے اب آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں"۔ اس نے مسکرا کر ریحان شیخ کو دیکھا تھا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ اگر آپ کا کام ختم ہو گیا ہو تو ایک، دو دن یہاں بھی رک جائیے"۔

"بالکل درست کہہ رہے ہیں آپ ریحان انکل! کیوں زرمیل؟" عارفین نے ان کی بات کی تائید کرتے ہوئے زرمیل کو دیکھا، بلکہ حرا اور ثمرن نے بھی ساتھ دیا تھا ان کا۔

"اوکے میں آپ لوگوں کی خواہش رد نہیں کروں گا"۔

"یہ بول کہ اپنے دل کی خواہش رد نہیں کرے گا"۔ عارفین نے ہولے سے جھک کر سرگوشی کی تھی، جس پر زرمیل دھیرے سے مسکرا کے ژالے کو دیکھنے لگا تھا، ان گزرے دو دنوں میں ژالے اس کے دل کے اتنا قریب آ گئی تھی کہ اب ایک پل کی جدائی بھی ناممکن سی لگتی تھی۔

ژالے وہاں سے اٹھ کر روم میں چلی آئی تھی، دو دن سے اس نے وہی کپڑے پہنے ہوئے تھے، بس شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ وہ ان کپڑوں کو اتار پھینکے اپنے جسم سے، اس نے اپنے بیگ سے ایک شوخ سے رنگ کا جارجٹ کا سوٹ نکالا تھا، دل اندر سے جانے کیوں اتنا خوش تھا، الگ ہی انداز میں سُر الاپ رہا تھا، چہرہ خوشی سے کسی ادھ بند کلی کی طرح کھلا ہوا تھا، ان سبز آنکھوں میں اس قدر چمک تھی، چہرہ کسی چودھویں کے چاند کی مانند روشن تھا، کہ کوئی بھی پہچان سکتا تھا کہ وہ آج بے انتہا خوش ہے، گلابی ہونٹوں پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ احاطہ کیے ہوئے تھی، گویا کہ ان گزرے دو دنوں میں اس کی زندگی کا پورا جغرافیہ ہی بدل گیا تھا، وہ نہا کر نکلی ٹاول سے اپنے بال خشک کرنے لگی کہ سامنے نگاہ اٹھی تو دو سرمئی آنکھوں نے اسے مکمل اپنے حصار میں قید کیا ہوا تھا، ژالے کے قدم وہیں تھم سے گئے تھے، دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا تھا اور اس سب کی وجہ سامنے سنگل صوفے پر تانگ پر تانگ دھرے صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے زرمیل تھا، زرمیل نے بھرپور نگاہ اس کے کھلتے سراپے پر ڈالی، شوخ سے گلابی رنگ کے اس سوٹ میں اس کی حد درجہ گوری رنگت اس کے ہوش ربا حسن میں مزید اضافہ کر رہی تھی، وہ جو کچھ دن پہلے اس کے چہرے پر بیزاری، جھنجھلاہٹ، غصہ نظر آتا تھا، وہ آج بالکل مفقود تھا لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ پہلے والی زمانے سے اپنے زندگی سے ناراض ژالے ہے، زرمیل اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے نزدیک آ ٹھہرا تھا۔

"دو دن میں میرے بے انتہا پیار نے تمہارا سراپا نکھار دیا ہے، میری محبت و چاہت نے تمہارے جسم کو ہی نہیں تمہارے دل کو تمہاری روح کو جکڑ لیا ہے اور میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ تمہارے اس دل کو میری عادت ہو چکی ہے"۔ اس نے ژالے کے لمبے گیلے بالوں کی آگے کی ابھی چند لٹوں میں اپنی انگلیاں پھیری تھیں۔

"بولو! میں سچ کہہ رہا ہوں ناں؟" زرمیل اس کی ٹھوڑی پکڑ کے اس کا جھکا چہرہ اپنی انگشت شہادت سے اوپر اٹھائے ان سبز کانچ میں جھانکنے لگا تھا، ژالے کچھ نہیں بولی تھی بلکہ ان گلابی ہونٹوں پر ایک شرمیلی مسکراہٹ آ ٹھہری تھی، زرمیل نے یہ دلکش منظر بغور خاموشی سے دیکھا تھا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ تم بھی چاہتی ہو ناں کہ میں یہاں رک جاؤں؟" ژالے نے اب بھی کچھ نہیں کہا صرف گھنیری پلکوں کی باڑ کو رخسار پر گرا کے اقرار کر دیا، اظہار کا یہ انداز دل لوٹ لینے والا تھا، مگر زرمیل کو اس وقت

اسے تنگ کرنے میں مزہ آرہا تھا۔

"بولو!" وہ ایک قدم اور آگے بڑھا کر انچ بھر کا جو فاصلہ تھا وہ بھی ست چکا تھا، اس کے سندر سے مکھڑے کو اپنی مضبوط ہتھیلیوں کے پیالے میں بھر لیا تھا، ثرالے کا دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا، وہ دن میں اس کی بے باکیوں کے اتنے مناظر دیکھ چکی تھی کہ اب اس سے ہر طرح کی توقع کی امید تھی، دل یوں اور ڈرنے لگا کہ کہیں کوئی آنہ جائے۔

"کیا بولوں؟" بمشکل لبوں سے چند لفظ ہی ادا ہوئے تھے۔

"تم جانتی ہو کہ تمہیں کیا کہنا چاہیے"۔ ذومعنی بات اس کے گرد ایک مضبوط دائرہ کھینچ گئی، زرمیل سب جانتا تھا اس کے دل کی بات، پھر بھی اس کے ہونٹوں سے اقرار چاہتا تھا۔

"اوکے اگر تم نہیں چاہتی ہو کہ میں یہاں رکوں تو میں ابھی چلا جاتا ہوں، اس گھر سے"۔ اس نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کے پیالے سے اس کا چہرہ آزاد کر دیا تھا، ثرالے کا دل یہ سن کر ہی بے چین سا ہو گیا۔

"یہ میں نے کب کہا؟" بلاارادہ بے ساختہ اس کے ہونٹوں سے نکل گیا تھا۔

"تو رک جانے کا بھی تو نہیں کہا ناں"۔

"آپ کیوں ستا رہے ہیں مجھے؟"

"اور جو تم ستا رہی ہو مجھے"۔ الٹا سوال داغا تھا، مگر ان عنابی لبوں پر وہ شرارت سے بھری مسکراہٹ دیکھ چکی تھی، صاف ظاہر تھا کہ وہ صرف ستا رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ، آپ کیا بول رہے ہیں، میں جا رہی ہوں"۔ وہ جھینپ کے مڑنے لگی تھی کہ زرمیل نے اس کی نازک مرمریں کلائی تھامی اور ایک جھٹکے سے اپنے سے قریب تر کر لیا تھا، وہ اس اچانک افتاد کے لیے بالکل تیار نہیں تھی، پوری طرح اس کی مضبوط بانہوں میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔

"اب تمہارے جانے کے تمام راستے مسدود ہو گئے ہیں، تمہارے ہر ایک بڑھتے قدم پر تمہیں میں ہی کھڑا ملوں گا، بولو! مجھ سے چھٹکارا پا سکو گی؟" اس کے شرمائے لجائے چہرے پر اپنی انگلیوں کے گہرے لمس کے نشان ثبت کرنے لگا تھا۔

"نہیں"۔ شرماتے ہوئے اس نے اسی کے چوڑے سینے میں پناہ لے لی تھی، اس کا یہ اظہار محبت زرمیل کی دیوانگی میں مزید اضافہ کر گیا تھا، زرمیل نے اس کی روشن پیشانی پر اپنے دہکتے لب رکھ دیے، ثرالے نے آسودہ ہو کر آنکھیں موند لیں۔

☆..........☆..........☆

سب ہال میں ایک ساتھ بیٹھے خوشگوار ماحول میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے، رات کا کھانا تو کھا ہی چکے تھے حرا، وانیہ نے خواہش ظاہر کی سب باہر ٹہلنے چلتے ہیں جسے ثمران نے سختی سے مسترد کر دیا تھا۔

"حالات دیکھے ہیں اچانک کچھ بھی ہو سکتا ہے اس لیے چپ کر کے گھر میں ہی بیٹھو"۔

"ویسے ثمران بھائی! آئیڈیا برا بھی نہیں ہے"۔ عارفین نے اپنی رائے دی تھی۔

"منع کر دیا ناں کہ کوئی ضرورت نہیں ہے ابھی دیکھا تھا کچھ دن پہلے کس قدر پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا اور ویسے بھی ٹھنڈ بھی بہت ہے"۔

"ہاں ہمارے لیے پریشانی ضرور ہو سکتی ہے، مگر ہم بلا مست کرنے والے کو پھر بھی میں سلام پیش کرتا

ہوں"۔ مناہیا نے زرمیل کو تنکھی نظروں سے دیکھا جو اس کا اشارہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

"عارفین! مجھے لگتا ہے تمہارے ہاتھ کا زخم دماغ پر کچھ زیادہ ہی اثر کر گیا ہے، جو اول فول بولے جا رہے ہو"۔ ثمران کو اس کی فضول بات بالکل سمجھ نہیں آئی بلکہ وانیہ اور حرا نے بھی ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھا تھا اور یہی کچھ حال معصوم کا تھا، اس کی نگاہوں کی اسکرین پر ایک بار پھر وہ روح فرسا منظر گھوم گیا تھا اور اس وقت وہ خود بھی تو کس قدر پریشان ہو گیا تھا۔

"اور شاید کسی کے دل کے زخم بھرے ہوں"۔

"عارفین بھائی! لگتا ہے ٹھنڈ نے آپ کے دل و دماغ پر بہت زبردست اٹیک کیا ہے"۔ حرا کو بھی وہ جان لیوا منظر یاد آ گیا تھا مگر عارفین مسلسل مسکرا رہا تھا، اس سب کے درمیان زرمیل اور ثرالے بالکل خاموش تھے، وہ جانتے تھے عارفین کی ذومعنی باتوں کا مطلب اس کا اشارہ دونوں ہی اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔

"اور فی الحال اس ٹھنڈ کا انتظام میں نے کر دیا ہے"۔ ریحان شیخ کاریڈور کے دروازے سے اندر ہال میں داخل ہوئے تھے ان کے ہاتھ میں کوئی بڑا سا شاپر تھا، جسے انھوں نے بیچ میں رکھی کانچ کی ٹیبل پر رکھ دیا تھا اور نوری کو ایک باؤل اور ٹرے لانے کو کہا تھا، وہ فوراً حکم مانتے ہوئے ایک سیکنڈ میں حکم بجا لائی سب ہی کی نظریں اس شاپر پر تھیں اور تجسس بھی کہ ریحان شیخ باہر سے کیا لے کر آئے ہیں، انھوں نے وہ پورا شاپر اس کانچ کے باؤل میں الٹ دیا تھا، اس میں بہت سارے چلغوزے تھے۔

"واؤ ریحان انکل! زبردست یہ تو میرے اور ثرالے کے فیورٹ ہیں"۔ حرا خوشی سے کھڑی ہوئی اور مٹھی بھر کے چلغوزے لیے ثرالے کے پاس دوبارہ آ کر بیٹھ گئی تھی۔

"ویری گڈ! تو پھر آج مجھے اس باؤل میں ایک بھی چلغوزہ نظر نہیں آنا چاہیے"۔

"بے فکر رہیں ریحان انکل! ایسی چیزیں کھانے کے معاملے میں یہ دونوں ورلڈ ریکارڈ قائم کر چکی ہیں"۔ عارفین چھیڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"ویسے ثرالے! عارفین بھائی نے شادی کے بعد بہت زیادہ ہی پر پرزے نہیں نکال لیے ہیں"۔ حرا نے ایک چلغوزہ چھیل کے منہ میں ڈالا تھا۔

"ہوں... اور اس کا انتظام بھی ہے میرے پاس"۔

"وہ کیا؟"

"کچھ دیر بعد پتہ چل جائے گا ان کو"۔ اس نے گھور کے عارفین کو دیکھا تھا، ثمران اٹھی اس نے مٹھی بھر کے چلغوزے سب کو دیے تھے مگر معصوم نے لینے سے انکار کر دیا تھا۔

"ارے کیوں بیٹا! آپ کو پسند نہیں اگر کچھ اور کھانا ہے تو بتایئے میں وہ ابھی منگوا دیتا ہوں"۔ ریحان شیخ نے شفقت سے معصوم کو دیکھا تھا۔

"ارے نہیں ریحان انکل! اصل میں بات یہ ہے کہ اسے چھیلنے میں مجھے بہت کوفت ہوتی ہے، ایک منٹ تک اس کو چھیلو محنت کرو اور بالکل ذرا سا نکلتا ہے"۔

"مسز! محنت کا پھل میٹھا بھی تو ہوتا ہے"۔ عارفین نے بہت کچھ جتانے والے انداز میں اسے مسکرا کے دیکھا تھا۔

"عارفین کی یہ بات سو فیصد درست ہے کہ محنت کا پھل میٹھا ہوتا ہے"۔ ریحان شیخ نے اس کی بات کی تائید

کی تھی۔ مقسوم نے کچھ نہیں کہا تھا، صرف خاموشی سے چہرہ جھکا گئی تھی، وہ جانتی تھی کہ عارفین اس سے سخت ناراض ہے اور اگر وہ اسے پھیٹر رہا ہے اس سے مسکرا کے بات کر رہا ہے تو یہ سب وہ ان لوگوں کی وجہ سے کر رہا تھا، عارفین کے دھیان کے سارے دھاگے اس وقت صرف اور صرف مقسوم کی سوچوں سے جڑے ہوئے تھے، وہ اچھی طرح جانتا تھا، اس کی سوچ کو اس کے دل و دماغ پر رقم تحریر کو با آسانی پڑھ سکتا تھا۔

''میرا خیال ہے اب ہمیں سونے کی تیاری کرنی چاہیے، رات بھی بہت ہوگئی ہے۔'' ثمرن صوفے پر بے خبر سوتے بلینکٹ میں لپٹے رضا کو گود میں اٹھانے لگی تھی۔

''یار! ابھی تو دو ہی بجے ہیں۔'' زرمیل نے اپنی کلائی میں بندھی قیمتی ہینڈ واچ پر نظر ڈالی۔

''میرے بھائی! ہمارا تعلق انسانوں جیسی مخلوق سے ہوتا ہے، اگر تمہیں اتنا ہی شوق ہے تو تمہارے لیے دانیہ نے اوپر والا بیڈروم صاف کروا دیا ہے، پھر چاہے تم اور ژالے پوری رات جاگ کے گزار دو۔'' اس نے ذومعنی لب ولہجے میں دونوں کو دیکھ کر چھیڑا تھا۔

جاتی ہوئی ثمرن کے قدم تھم گئے تھے، دو دن ژالے کا زرمیل کے ساتھ رہنا مجبوری تھا، مگر وہ اب کیسے اس بات کی اجازت دے سکتی تھی، مانا کہ وہ دونوں قانونی و شرعی حق سے میاں بیوی تھے، مگر جو حالات ان کے درمیان پیدا ہو گئے تھے ان سے چھٹکارا پانا اتنا آسان بھی نہیں تھا، جب تک کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہو جاتا وہ کیسے ژالے کو زرمیل کے ساتھ اکیلا چھوڑ سکتی تھی، اور اگر خدانخواستہ ارشد کو پتہ چل گیا کہ زرمیل ہمارے ساتھ تھا تو وہ ایک قیامت برپا کر دے گا، ثمرن کی تو جان ہی نکال دیتا، اس کے نام سے اس کے اندر ڈر و خوف کی ایک لہر سی دوڑ گئی تھی۔

عارفین کی بات پر ژالے کی سٹی گم ہوگئی تھی اس کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے، اتنی سخت سردی میں بھی اس کی ہتھیلیاں بھیگ گئی تھیں، اس نے مدد طلب نظروں سے رکی ہوئی ثمرن کو دیکھا تھا، وہ تو عارفین کو مزہ چکھانے والی تھی، مقسوم کو اپنے ساتھ اپنے مشترکہ بیڈروم میں لے کر جاتی مگر یہاں تو الٹی آنتیں گلے میں پڑ رہی تھیں۔

''ارے ژالے! تمہیں ایک چیز دکھانی تھی، ہم نے تمہارے لیے فیسٹیول سے ایک پینٹنگ خریدی تھی آؤ! تمہیں دکھاؤں۔''

''جی ثمرن بھابی!'' وہ تو جیسے اسی اشارے کی منتظر تھی فوراً کھڑی ہوئی اور ثمرن کی جانب بڑھی۔

''ثمرن بھابی! یہ رات کے دو بجے پینٹنگ بیچ میں کہاں سے آ گئی؟'' عارفین کو ثمرن کی منطق نرالی ہی لگی مگر وہ بھی سنی ان سنی کرتی ہوئی اندر چلی گئیں، ژالے دو دن تک اس کی جنونی محبت اور بے انتہا پیار کے مناظر دیکھ چکی تھی مگر آج وہ بہت تھکی ہوئی تھی سکون کی نیند سونا چاہتی تھی۔

''میرا خیال ہے رات واقعی بہت گہری ہوگئی ہے اب سونا چاہیے۔''

''تو نے ژالے کو روکا کیوں نہیں؟'' دھیمے سے شکوہ کیا عارفین نے، جس پر زرمیل نے اسے ایک نظر دیکھا اور کھڑا ہو گیا۔

''گڈ نائٹ!'' پھر وہ رکا نہیں اور چلتا ہوا اوپر کی جانب قدم بڑھا گیا، عارفین اور حرا نے نہایت افسردہ ہو کر جاتے ہوئے زرمیل کو دیکھا تھا، حرا مایوس ہو کر کھڑی ہوئی اور اپنے مشترکہ بیڈروم میں چلی آئی، وہ کوئی پانچ منٹ بعد ہی کمرے میں آئی تو ژالے کو بے خبر سوتے پایا، رضا اس کے پہلو میں میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہا تھا

اور برابر میں ثمرن سو رہی تھی، وہ ژالے سے بات کرنا چاہتی تھی مگر جب اسے اس طرح دیکھا تو اس نے بھی اپنا بستر سنبھال لیا تھا۔

دانیہ کو عارفین و مقسوم کے درمیان اپنا وجود آکورڈ سا لگ رہا تھا سائیڈ میں رکھی اپنی بے ساکھی اٹھائی اور اپنے بیڈروم میں آ گئی تھی۔ عارفین نے مقسوم کو دیکھا جس نے چہرہ جھکایا ہوا تھا وہ کھڑا ہوا اور مٹھی میں بھرے چلغوزے سارے چلغوزے اس کی جھولی میں ڈال دیئے، مقسوم نے سر اٹھا کے دیکھا، عارفین اسے نہایت گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا، مقسوم سے تا دیر ان بولتی آنکھوں میں دیکھا نہیں گیا، تو اس نے پلکوں کی باڑ رخسار پر گرالی، عارفین پھر وہاں ٹھہرا نہیں اور اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا، مقسوم اپنی جھولی میں چھلے چلغوزوں کو غور سے دیکھنے لگی۔

وہ ابھی لیٹی ہی تھی کہ اس کے موبائل کی گھنٹی زور سے بجنے لگی، اس نے موبائل اٹھا کر نمبر دیکھا تو جیسے اس کی روح فنا ہونے لگی ہو، کافی دنوں بعد اس کی کال آئی تھی، کتنے سکون و چین میں اس کی زندگی گزر رہی تھی مگر وہ کال ریسیو نہیں کر رہی تھی، بالآخر دل دہلانے والا جو میسج آیا تو وہ اندر تک کانپ کے رہ گئی، نا چاہتے ہوئے بھی فون ریسیو کرنا پڑا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے اتنی آسانی سے مجھ سے پیچھا چھڑا لوگی؟'' لب و لہجے میں ہلکا سا غصہ تھا، جسے وہ اگنور کر گئی اگر وہ کمزور پڑتی تو وہ اس پر حاوی ہو جاتا، اسے مضبوط رہنا تھا۔

''کیوں فون کیا ہے اتنی رات کو؟''

''کیا مطلب اس فضول سی بات کا محترمہ دانیہ آفریدی! میں تمہیں کبھی بھی کسی بھی وقت فون کر سکتا ہوں۔'' دانیہ خاموش ہو گئی وہ اس سے بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔ آفریدی نے اس کی خاموشی کی زبان تھوڑی دیر تک ہی سنی تھی۔

''میں نے سنا ہے تمہارے کزنز وغیرہ آئے ہوئے ہیں، مجھے نہیں ملواؤ گی اپنے گھر آئے مہمانوں سے، آخر کو تمہارا شوہر ہوں اور ویسے بھی بہت دن ہو گئے تم سے ملے اس لیے میں کل تم سے ملنے آ رہا ہوں۔''

''نن... نہیں... خبر... خبردار جو آپ یہاں آئے تو۔'' گھبراہٹ میں زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

''چیلنج کر رہی ہو مجھے اور اگر چیلنج کر رہی ہو تو بھی بہت اچھی بات ہے، مجھے چیلنج بہت پسند ہے اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں تم سے ابھی اور اسی وقت ملنے آ رہا ہوں۔''

''نہیں... میں آپ کو چیلنج نہیں کر رہی ہوں۔'' کس قدر عاجزی بھری التجا تھی۔

''ویری گڈ! تو پھر میں کل ہی تم سے ملنے آؤں گا اوکے؟''

''دیکھئے پلیز! میرے گھر میرے مہمان آئے ہوئے ہیں آپ کیوں میرا تماشا بنانا چاہتے ہیں، آخر یہ سب کر کے آپ کو کیا ملے گا؟'' لب و لہجے میں نمی گھلی ہوئی تھی، وہ روہانسی سی ہوگئی تھی۔

''تمہیں نہیں معلوم مجھے کیا ملے گا، سکون چین دل کو راحت ملے گی میرے اندر ٹھنڈک کے چھینٹے پڑیں گے پورا نہیں تو کچھ تو میرا مقصد پورا ہوگا۔''

''مجھے نہیں معلوم آپ کا مقصد کیا ہے، مگر میں اس وقت صرف اتنا جانتی ہوں کہ میرے کزنز وغیرہ آئے ہوئے ہیں، پلیز میں آپ سے ریکویسٹ کرتی ہوں آپ یہاں مت آئیے۔'' دھیمے لب و لہجے میں ریکویسٹ کرنے لگی اتنا تو وہ جان گئی تھی کہ وہ ایک ازلی کھوڑا ہے، ایک نمبر کا ہٹ دھرم، ضدی اس لیے وہ اس پر غصہ

کر کے اس کی انا کو اس کی ضد کو ہوا دینا نہیں چاہتی تھی۔

"اوکے۔ آپ نے منع کر دیا میں نہیں آرہا۔ اب اتنا بھی بتا دیجیے مسز آفریدی! کہ کب آپ سے ملنے آؤں؟" وہ لطف اندوز ہونے لگا تھا۔ اس کے عاجزی بھرے لب و لہجے سے۔

"فی الحال تو ابھی مت آیئے"۔ دل تو شدت سے چاہ رہا تھا کہ بول دے کہ کسی کھائی میں جا کر مر جاؤ، مگر مجبور ہو گئی تھی۔

"اوکے پھر بات ہو گی۔ ابھی میری اس وقت کوئی ضروری کال آرہی ہے، مگر یہ مت سمجھنا کہ تمہیں یا تمہارے باپ کو بھول گیا ہوں۔ اسی ہفتے ملنے آرہا ہوں تم سے اور تمہارے باپ سے اور یہ بھی ہو سکتا ہے، تمہیں اپنے ساتھ لے بھی جاؤں"۔ اتنا کہہ کر اس نے موبائل آف کر دیا، مگر وانیہ کے لیے سوچوں کے بہت سے در کھول دیے وہ جو اس سے فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا، اس وقت اس پل ان چند لمحوں میں اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ریحان شیخ کو کیا جواب دینا ہے۔ اس نے موبائل کا سوئچ آف کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگی، مگر نیند تو آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ آفریدی کے آخری جملے نے اس کی نیند اڑا دی تھی۔ اس کا ڈر و خوف جو کچھ دن کے لیے کہیں جا سویا تھا، وہ آج پھر سے جاگ گیا تھا۔

☆............☆............☆

"اچھا انکل! اب ہم سب آپ سے اجازت چاہیں گے، جتنے دن یہاں رہے بہت مزہ آیا، زندگی کے یادگار دن رہیں گے یہ ہمارے"۔ عارفین ریحان شیخ سے بغلگیر ہوا تھا۔

"اس کا مطلب ہے میں آپ لوگوں کے آنے کا پھر سے انتظار کروں"۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے خوشدلی سے سب کو دیکھا تھا۔

"جی ریحان انکل! ہم انشاء اللہ دوبارہ یہاں ضرور آئیں گے، مگر اگلے سال"۔ ژالے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو بس ٹھیک ہے آپ سب کے جاتے ہی میرا انتظار شروع ہو جائے گا"۔ جس پر سب دل کھول کر مسکرا دیے۔ وانیہ نے سب کو اپنی طرف سے کچھ گفٹس دیے، بلکہ وہاں کراچی میں بھی سب کے لیے کچھ نہ کچھ گفٹس بھجوائے۔

"اوکے وانیہ! اللہ حافظ!" ژالے، ثمرن، ترا، معصوم سب ہی اس سے باری باری گلے ملی تھیں، جس پر وانیہ کے رُکے آنسو بہنے لگے۔

"ارے رو کیوں رہی ہو؟" ثمرن نے تو اسے پھر سے اپنے گلے لگا کر پیار کیا تھا۔

"پگلی ہو بالکل! ژالے کی آنکھیں بھی بھیگنے لگیں، وہ بھی آگے بڑھی اور وانیہ کو گلے سے لگایا۔ ان تھوڑے سے دنوں میں دونوں کی بہت اچھی فرینڈشپ ہو گئی تھی۔

"آپ سب ہنسی خوشی جاؤ، وانی بیٹا! ہنسی خوشی رخصت کریں سب کو آپ خود تو رونے لگیں، اور ژالے بی بی کو بھی رُلا دیا"۔ ریحان شیخ نے کہا۔

"انکل! آپ جانتے ہیں ان خواتین کے پاس چاہے کسی بھی شے کی کمی کیوں نہ ہو جائے، مگر آنسوؤں کی کمی نہیں ہے ان کے پاس، وہ وافر مقدار میں ہیں ان کے پاس۔ جب دیکھو جہاں دیکھو نہ موقع دیکھیں کی نہ محل، بس رونا شروع کر دیتی ہیں"۔ زرمیل نے مسکراتے ہوئے ژالے کو دیکھا اسے

ہوٹل میں گزرے وہ دو دن یاد آ گئے کس قدر روئی تھی وہ، چپ کراتے کراتے وہ تھک گیا تھا، مگر ژالے رونے سے نہیں تھکی تھی۔

"اگرچہ تو ژالے پر بہت کس رہا ہے تو سو فیصد درست ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خاص کر ژالے کو مٹی سے نہیں آنسوؤں سے بنایا ہے، جب دیکھو کوئی بھی کونہ پکڑ لے گی رونے کے لیے"۔ عارفین نے ژالے کو جان کر چھیڑا تھا، جس پر ژالے بری طرح گھور کر رہ گئی۔ عارفین اس کے یوں گھورنے پر زور سے ہنس دیا اور ہنستے ہوئے آگے بڑھا، وانیہ کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"خوش رہو، اور ہنستی رہا کرو، اور ایک بات اور مجھے تمہارے فیصلے سے بہت خوشی ہوئی کہ تم لندن جاؤ گی، اپنا علاج کروانے، جب صحت یاب ہو جاؤ تو ہمارے شہر کراچی کو بھی رونق بخشنا، ہماری میزبانی میں تم کوئی کمی نہیں پاؤ گی۔ ریحان انکل! وانیہ کو لے کر کراچی ضرور آیئے گا"۔

"جی عارفین بیٹا! ہم انشاء اللہ بہت جلد آئیں گے"۔ انھوں نے ہولے سے کہا۔ اس طرح یہ سب اپنے سفر کے لیے کراچی روانہ ہو گئے۔ وانیہ ریحان شیخ کے ہمراہ اندر آ گئی۔

"وانی بیٹا! مجھے آپ کے فیصلے سے بہت خوشی ہوئی ہے، میں بہت پرسکون ہو گیا ہوں"۔ ریحان شیخ نے شفقت سے اپنی لاڈلی چہیتی بیٹی کو دیکھا تھا۔

"جی بابا! میں خود بھی اپنے فیصلے سے نہایت پرسکون اور مطمئن ہوں، بس جلد از جلد میں اس شہر، اس ملک کو چھوڑ دینا چاہتی ہوں، یہاں سے بہت دور چلی جانا چاہتی ہوں"۔ اس کی سماعت میں آفریدی کی آواز گونجنے لگی جتنی جلدی ممکن تھا، وہ اس آسیب سے پیچھا چھڑا لینا چاہتی تھی۔

"بس میری جان! انشاء اللہ ہم دو، تین دن میں لندن کے لیے روانہ ہو جائیں گے، میں نے تو یہ بھی سوچا ہے کہ تو یہ تھوڑا بہت بچا ہے، وہ سب وائنڈ اپ کر کے ہمیشہ کے لیے لندن شفٹ ہو جائیں"۔

"بابا! یہ تو آپ نے بہت اچھا سوچا ہے، بابا! پھر جلدی یہاں سے مجھے لے کر چلیں، میں یہاں سے اکتا چکی ہوں"۔ اس کا بس چلتا تو ابھی ہی لندن جانے کے لیے روانہ ہو جاتی۔

"وہ میری وانی بیٹی!" وہ وانیہ کی جلد بازی پر مسکرائے۔

"آپ تو اس طرح بول رہی ہو، جیسے لندن یہیں ایک اسٹاپ سے آگے ہے"۔

"سوری بابا! میں کچھ زیادہ ہی ایکسائیٹڈ ہو گئی تھی"۔ وہ بھی کھل کر مسکرا دی تھی۔ اس کے چہرے پر خوشی سے بھری مسکراہٹ تھی۔ ریحان شیخ نے بغور اپنی بیٹی کو دیکھا تھا اکثر ان کے ذہن کی اسکرین پر ایک عکس تیزی سے ابھرتا تھا اور جتنی تیزی سے وہ عکس ابھرتا تھا، اس سے کہیں زیادہ تیزی سے وہ عکس دھندلا بھی جاتا تھا۔ اس چہرے کی جھلک نہایت دھندلی سی تھی جو وہ پہچان ہی نہیں پا رہے تھے، مگر انھیں ایسا لگتا تھا جیسے اس چہرے سے بہت گہرا تعلق ہے ان کا۔

"کیا ہوا بابا! آپ کیا سوچنے لگے؟" وانیہ نے شدت سے ان کی یہ خاموشی لوٹ کی تھی۔

"آں... ہاں... نہیں کچھ نہیں"۔ وہ بری طرح چونک کر وانیہ کو دیکھنے لگے تھے۔

"کہاں کھو گئے؟"

"اگر ابھی سی مل جائے تو"۔ انھوں نے اپنی سوچ کو جھٹک دیا تھا، اکثر وہ الجھ جاتے تھے جھنجلا سے جاتے تھے، مگر اپنی جھنجلاہٹ پر قابو بھی جلدی پا لیتے تھے۔

"او کے... میں بتاتی ہوں... نوری!" وانیہ نے پلٹ کر نوری کو دیکھا تھا۔

"ج... جی... وانیہ بی بی!" پیچھے کھڑی نوری بری طرح گڑبڑا کے رہ گئی تھی، اسی چکر، اسی گھبراہٹ میں اس کے ہاتھ میں سے موبائل ماربل کے فرش پر گرا تھا اور کھل کر ادھر ادھر بکھر گیا تھا، وانیہ کے ساتھ ساتھ ریحان شیخ نے بھی اچنبھے سے دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے تم اس قدر گھبرا کیوں گئی ہو؟" ریحان شیخ نے شک بھری نظروں سے نوری کا گھبرایا سٹپٹایا چہرہ دیکھا تھا۔

"جی نہیں تو بڑے صاحب جی!" بمشکل اپنے ڈر و خوف کو چھپانے کی ناکام کوشش کرنے لگی تھی اور اپنا بکھرا موبائل سمیٹنے لگی اور ادب و احترام سے سر جھکائے کھڑی ہو گئی۔

"تو پھر جاؤ اور دو کپ گرم کافی لے کر آؤ"۔ ان کے لب و لہجے میں ہلکی سی سختی در آئی تھی۔

"جی بہتر!" وہ تیزی سے وہاں سے رفو چکر ہوئی تھی مبادا وہ کوئی سوال ہی نہ کر لیتے، آج اگر وہ پکڑی جاتی تو شاید زندہ ہی نہ بچتی۔

"آفریدی سر! آج تو آپ مجھے مروا ہی دیتے"۔ وہ منہ ہی منہ میں ہلکے سے بڑبڑا کے رہ گئی، پھر جلدی سے چولہے پر پانی چڑھایا۔

"پتہ نہیں کیوں بابا! مجھے نوری پر شک سا ہوتا ہے"۔ وانیہ نے ریحان شیخ سے اپنا اظہار بیان کیا تھا۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، آج تو مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہوا ہے، مگر خیر آج ہی نوری کو فارغ کر دیں گے اور کل انشاء اللہ ارجنٹ ویزے پر لندن کے لیے روانہ ہوتے ہیں، آپ یوں کریں کہ نوری سے اپنے کچھ ضروری سامان کی پیکنگ کروا لیں، پھر آج شام تک اس کا حساب کر کے فارغ کر دیں گے"۔

"جی بابا!" وہ پرسوچ نظروں سے سامنے دیکھنے لگی۔

☆..........☆..........☆

کتنے ہی گھنٹوں کی تھکان دہ مسافت کے بعد وہ لوگ کراچی اپنے گھر پہنچ گئے تھے۔

"السلام علیکم ممی!" حرا تو بھاگ کر آسیہ کے گلے سے لگی تھی۔

"ارے یہ تو سرپرائز ہے"۔ انھوں نے حرا کو خود میں بھینچ کر پیار کیا۔

"جی ممی! ہمارا آپ کو سرپرائز دینے کا ہی ارادہ تھا"۔

"اچھا یہ بتایئے آپ کیسی ہیں؟"

"بالکل ٹھیک اور میرے سب بچے کیسے ہیں؟" انھوں نے باری باری سب کو گلے سے لگا کر پیار کیا تھا۔

"آپ کے سب بچے بھی بالکل ٹھیک ہیں"۔ زرمیل نے مسکرا کے جواب دیا تھا۔

"اچھا ممی! میں ذرا فریش ہونے جا رہا ہوں، آپ پلیز ایک کپ گرم کافی میرے بیڈروم میں بھجوا دیں"۔ وہ ان کے سر پر بوسہ لیتے ہوئے اپنے بیڈروم کی سمت بڑھا تھا۔

"اور ژالے میری جان! تم کیسی ہو؟" زرمیل کو جواب دینے کے بعد انھوں نے پھر سے ژالے کو گلے سے لگایا اور اس کی چمکتی پیشانی پر پیار کیا۔

"بڑی مامی! ژالے ٹھیک نہیں ہے"۔ عارفین نے چھیڑا۔

"اللہ رحم... کیا ہوا میری بچی کو؟" انھوں نے اپنی ہتھیلی اس کے رخسار پر رکھی اور پریشانی سے بولیں جاتا ہوا

زرمیل رک کر پلٹا تھا۔

"آپ کی بچی کے دماغ کے سارے پرزے ٹائٹ ہو گئے ہیں"۔ زرمیل کی ذو معنی بات صرف عارفین اور ژالے ہی سمجھ سکے تھے، بلکہ عارفین نے تو باقاعدہ قہقہہ بھی لگایا تھا، جس پر ژالے نے عارفین کو گھور کے دیکھا تھا۔

"ارے باپ رے... میں تو چلتا ہوں میری والدہ مجھے یاد کر رہی ہوں گی، انھیں بھی تو سرپرائز دینا ہے"۔ وہ ڈرنے کی ناکام ایکٹنگ کرتا ہوا معصوم کو لیے وہاں سے لو دو گیارہ ہو گیا تھا، ثمرین بھی آسیہ سے مل کر رضا کو لیے اوپر چلی گئی تھی، حرا بھی فریش ہونے اپنے بیڈروم میں چلی گئی تھی۔

"زرمیل! تم مجھے سیریس بتاؤ کیا ہوا ہے ژالے کو؟"

"ارے میری بھولی بھالی ممی! کچھ نہیں ہوا ہے آپ کی بہو کو، بالکل صحیح سلامت ہے یہ، بلکہ اس نے ہماری حالت خراب کر دی ہے"۔ وہ واپس آیا اور آسیہ کے کندھے پر اپنی ٹھوڑی ٹکائے نہایت پرشوق نظروں سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"بڑی ممی! میں چلتی ہوں ماما کے پاس"۔

"محترمہ! کب تک میکے میں ڈیرا ڈالے رہنے کا ارادہ ہے، اب بہت ہو گئی سسرال واپس آ جاؤ، اپنے شوہر کے پاس"۔ ژالے دیکھ کر رہ گئی اسے امید نہیں تھی کہ وہ آسیہ کے سامنے بھی اپنی زبان کو قابو میں نہیں رکھے گا۔

"زرمیل! تنگ مت کرو ژالے کو، جب اس کا دل چاہے گا یہ واپس آ جائے گی"۔ آسیہ کی زیرک نگاہیں ژالے کا چہرہ پڑھ چکی تھیں۔

"اور چڑھا لیں اسے سر پر... بھئی! مجھے تو پریشانی ہو رہی ہے نا آخر کب تک آپ میرا خیال رکھیں گی، سو کام ہوتے ہیں میرے، بیڈروم کی صفائی میرے کھانے کی ذمے داری میرے کپڑوں کی دیکھ بھال اب آپ کی ذمے داری نہیں ہے یہ اسے نا، کہ آپ سمجھائیں کہ یہ اپنی ذمے داری آ کر سنبھالے، مگر آپ اسے مزید ڈھیل دے رہی ہیں"۔

"بول لیا؟" آسیہ نے تھوڑا ہنستی ہوئی نظروں سے ژالے کو دیکھا یقیناً وہ بیزار ہو کر زرمیل کو جواب دے گی، بارہا انھوں نے اس کی نظروں میں زرمیل کے لیے نفرت، لہجے میں حقارت دیکھی تھی، مگر زرمیل کے اس طرح بولنے پر بھی نہ تو اس کے چہرے پر کوئی نفرت کے آثار تھے نہ انداز میں ناراضی، تو پھر یقیناً معاملہ کچھ بہتر نظر آ رہا تھا، ژالے کا دل نرم ہونے لگا تھا۔

"ابھی کہاں ممی! ابھی تو کچھ بھی نہیں بولا، ہاں اگر آپ ادھر ادھر ہو جائیں تو ایک داستان ہے سنانے کے لیے"۔ وہ مستقل اسے چھیڑ رہا تھا، ژالے نے گھبرا کے پہلے زرمیل کو پھر آسیہ کو دیکھا مبادا وہ درمیان سے ہٹ ہی نہ جائیں، یا پھر وہ ہی اسے زبردستی ہاتھ پکڑ کے بیڈروم میں نہ لے جائے۔

"میں جا رہی ہوں بڑی ممی! اوپر"۔ اس نے جلدی سے کہا۔

"ہاں بیٹا! ضرور اور آج رات کا ڈنر سب میری طرف کریں گے، تمھیں ضرور آنا ہے"۔

"جی!" اس سے پہلے کہ زرمیل کچھ اور بولتا وہ فوراً سے اوپر کی سمت بڑھی۔

"آ جانا ورنہ مجھے دوسرا طریقہ آزمانا پڑے گا"۔ زرمیل نے پیچھے سے ہانک لگائی تھی، مگر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا بلکہ ہولے سے مسکرا کے آگے بڑھ گئی تھی۔

''میرے بیٹے کی مسکراہٹ اور اطمینان بتا رہا ہے کہ بات بن گئی ہے''۔ آسیہ نے دلار سے اپنے کندھے پر تھوڑی ٹکائے زرمیل کے گال پر ہاتھ رکھا۔

''جی ممی! بات بن گئی ہے، سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے، اور ان شاء اللہ بہت جلد وہ یہاں پہنچ آجائے گی، میں چاہوں تو ابھی زبردستی لے آؤں مگر اب میں اس کی رضامندی کو زیادہ اہمیت دینا چاہتا ہوں''۔

''جیتے رہو میرے چاند! اللہ تم دونوں کو بہت سی خوشیاں دکھائے اور ہمیشہ ایک ساتھ رکھے''۔ انھوں نے دل سے دعا دی تھی۔

''آمین... ثم آمین!'' اس نے مسکرا کے کہا۔

''مگر زرمیل! ارشد کے بارے میں کچھ سوچا ہے، وہ تو بہت غصے میں ہیں، بہن کی محبت میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا انھیں''۔ ان کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گزر رہا تھا۔

''اوہ... ممی! یہ ارشد نام کا کانٹا میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا ہے، نہ ہی میں اس کی کسی فضول بات پر توجہ دیتا ہوں''۔ وہ بےزار سا ہوا اور ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے بیٹا! مگر تم یہ بھی تو جانتے ہو ناں کہ وہ کیا چاہتے ہیں''۔ وہ ''طلاق'' جیسا ناپاک و رذیل لفظ اپنے منہ سے نہیں نکالنا چاہتی تھیں، جسے زرمیل اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

''مجھے اس کے چاہنے نہ چاہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، میں اس کی سوچ و باتوں کو بےوقوفی کے سوا اور کچھ نہیں گردانتا، میں جانتا ہوں تو صرف اتنا کہ ژالے میری بیوی ہے اور میرے ساتھ بھی ہے، وہ اپنے بھائی کا نہیں میرا ساتھ دے گی''۔ پر یقین لہجہ تھا، بھروسہ تھا اسے خود پر بھی اور ژالے پر بھی۔

''اور اب آپ کو مزید پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اب پلیز مجھے گرم کافی بھجوا دیں اور وہ جو آپ نے رات کے ڈنر پر سب کو بلایا ہے تو یقیناً کوئی خاص اہتمام ہو گا، اس لیے ساری پریشانی و فکروں کو ایک طرف رکھیں اور رات کے ڈنر کی تیاری کروا دیجئے چاہیں تو ہیلپ کے لیے اوپر سے اپنی بہو کو بھی بلا لیں''۔

''ارے اپنی بہو کے لیے تو یہ خاص اہتمام ہے، اسے ہی کچن میں لگا دوں؟''

''چلیں کچھ دن کی چھوٹ ہے، کچھ دن اور آزادی منا لے، آپ کی بہو آخر کام تو پھر کچن میں ہی کرنا ہے''۔

''یہ بعد کی بات ہے، مگر میں کوشش کروں گی کہ اپنی بہو کو پھولوں کی طرح رکھوں، کسی کام کو ہاتھ نہ لگانے دوں، شہزادیوں کی طرح رہے گی وہ یہاں''۔

''پھر تو یقیناً میری آپ سے روز لڑائی ہوا کرے گی''۔ اس نے مذاقاً کہتے ہوئے مسکرا کے سینے پر ہاتھ باندھ لیے تھے۔

''مطلب...؟'' آسیہ نے ناسمجھی کے عالم میں زرمیل کو دیکھا۔

''اوہ... میری پیاری ممی! ابھی میں ڈانٹ کھانے کے موڈ میں نہیں ہوں، اس لیے یہ بحث کل کے لیے اٹھا کے رکھتے ہیں''۔

''پتہ نہیں کیا کیا بولتے رہتے ہو، مجھے بھی بالکل الجھا دیا ہے، تم چلو میں کافی بھجواتی ہوں''۔ وہ کچن کی سمت بڑھ گئیں اور زرمیل مسکراتا ہوا اپنے بیڈروم کی جانب چلتا چلا گیا۔

''کیسا رہا میرے بچوں کا ہنی مون ٹرپ؟'' رابعہ نے معصوم کو خود سے لگا کر پیار کیا تھا۔

''میرے خیال میں ہم بھی راہوں میں کھڑے ہیں، سارا پیار اگر اپنی بہو کو دے دیں گی تو بیٹے کے لیے کیا

بچے گا؟'' عارفین نے مذاقاً رابعہ کو چھیڑا تھا۔

''ماں کا پیار کبھی کم نہیں ہوتا بلکہ اپنی اولاد کے لیے بڑھتا ہی رہتا ہے، اور اگر بیٹے کی اولاد ہو جائے تو اور زیادہ پیار جوش مارتا ہے''۔ رابعہ نے عارفین کو ممتا بھری نظروں سے دیکھنے کے بعد معقوم کو پیار سے دیکھا جس پر وہ بری طرح جھینپ کے رہ گئی، عارفین نے بغور اس کا گلابی ہوتا چہرہ دیکھا تھا۔

''اچھا تو آپ کو ہماری اولاد کا انتظار ہے''۔ وہ محظوظ ہوتا ہوا بولا تھا۔

''ہاں بالکل اور تم دونوں سے زیادہ ہے''۔ انھوں نے مسکرا کے عارفین کو جواب دیا۔

''یعنی کہ آپ کی یہ خواہش جلد از جلد پوری کرنی پڑے گی''۔ ذومعنی لب و لہجے میں کہتا ہوا وہ معقوم کی تو جیسے جان ہی نکال گیا تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت اڑنے لگی تھی، جسے عارفین کے ساتھ ساتھ رابعہ نے بھی نوٹ کیا تھا۔

''معقوم میری جان! طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری؟'' انھوں نے فکرمندی سے کہتے ہوئے اس کے گال پر ہاتھ رکھا تھا۔

''جی....جی امی!'' زبان لڑکھڑا کے رہ گئی تھی۔

''نہیں مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے، سفر بھی تو بہت لمبا کر کے آئے ہو تم لوگ ایسا ہے کہ ابھی جا کر آرام کرو، پھر شام کی چائے پر ملاقات ہوتی ہے، اور ہاں آج رات کا ڈنر بڑی بھابی کے ہاں رکھا گیا ہے، انھوں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا ابھی جاؤ کچھ دیر آرام کرو، فریش ہو، میں گرم گرم کافی بھجواتی ہوں''۔ دونوں کو شفقت سے دیکھ کر مسکرا کے کچن میں جانے لگیں، وہ بیڈ پر رکھے سوٹ کیس میں سے اپنے اور عارفین کے کپڑے نکال نکال کر وارڈروب میں سیٹ کر رہی تھی۔

''جب طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو آرام کر لو، بعد میں ہو جائے گا یہ سب''۔ عارفین واش روم سے نکلا تولیے سے اپنے بال خشک کر رہا تھا، معقوم کی نگاہ اوپر اٹھی اور اتنی تیزی سے نگاہ جھکانی پڑ گئی کیونکہ عارفین نے بلیک ٹراؤزر پر کوئی شرٹ یا بنیان نہیں پہنی ہوئی تھی، اس کے کسرتی بازو بہت نمایاں ہو رہے تھے، مری، اسلام آباد وغیرہ کی فضا و ماحول نے اس پر خاصا اچھا اثر ڈالا تھا، یہ تو پتہ تھا کہ وہ بلیک بیلٹ ہے مگر اس کی کسرتی باڈی بلڈر جیسی جسامت دیکھ کر یقین بھی ہو گیا تھا۔

''موی! تم بہت خوش قسمت ہو''۔ جانے ایکدم یہ خیال کیسے ذہن میں آ گیا۔

''کہاں کھو گئی ہو؟'' اسے خیالوں سے چونکا دیا۔

''نہیں کچھ نہیں، بس یہ چند سوٹ رہ گئے ہیں پھر کام ختم کر کے آرام کر لوں گی''۔ وہ سوٹ ہاتھ میں لیے وارڈروب کی سمت بڑھ گئی، اس کی طرف سے تقریباً رُخ پھیر چکی تھی دل جانے کیوں بے اختیار دھڑکنے لگا تھا، یا شاید اداس ہونے لگا تھا۔

''یہ لو یہ کچھ گفٹس ہیں تم انھیں امی، بڑی مامی، چھوٹی مامی وغیرہ کو اپنے ہاتھ سے دے دینا''۔ بالکل قریب سے عارفین کی آتی آواز پر وہ جیسے ہی پلٹی اس کے یوں پلٹنے پر عارفین کے ہاتھ سے وہ شاپرز کارپٹ پر گر گئے، وہ بری طرح گھبرا کے رہ گئی، عارفین کی اس قدر قربت پر اس کے رہے سہے اوسان خطا ہونے لگے تھے۔

''سو...سوری!'' اس کی اڑتی رنگت اس کا تنفس کا تیز چلنا اس کے دل کی دھڑکنوں کا یوں زور زور سے شور

کرنا، کچھ بھی تو عارفین سے چھپا نہیں تھا، بلکہ وہ مزید لطف اندوز ہونے کے لیے ایک قدم اور آگے بڑھا کر معقوم بالکل اس کے حصار میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔

''لگتا ہے امی کی خواہش پوری کرنی پڑے گی، انھیں ہمارے بچے کھلانے کا بہت ارمان ہے تو کیا خیال ہے ساتھ دو گی میرا؟'' ایک تو عارفین کا حلیہ دوسرا اس کی بات دونوں نے معقوم کے جسم سے جان نکالنی شروع کر دی تھی۔

''دیکھیے... آپ.... مجھ سے دور رہیں...اور بھولیں نہیں کہ...!''

''نہیں بھولا میں کہ میں کسی کی امانت ہوں، جس میں تم معمولی سی بھی خیانت کرنے کی روادار نہیں ہو، آئی ایم رائٹ؟'' وہ تھوڑا پیچھے ہوا تھا اس سے، اور وہ اسلام آباد والی بات کیسے بھول گیا، شاید محبت اسی کو کہتے ہیں کہ اپنے چاہنے والوں کی ہر تکلیف دہ بات کو درگزر کر دیتے ہیں اور پھر معقوم اس کے لیے کیا تھی، یہ تو وہ خود بھی نہیں جانتی تھی، بغور اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے گیا تولیہ اس کے چہرے پر ڈالے وہاں سے ہٹ گیا تھا، معقوم نے جلدی سے وہ گیلا تولیہ ہٹایا سامنے دیکھا عارفین بیڈ پر بلینکٹ اوڑھے سونے کی تیاری کر رہا تھا اس کی رکی سانسیں بحال ہوئیں۔

''پلیز لائٹ آف کر دو، مجھے سخت نیند آ رہی ہے''۔ سپاٹ لب و لہجے میں کہتا ہوا وہ کروٹ بدل گیا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ عارفین کا موڈ موی کے ذکر پر خراب ہو گیا ہے، مگر وہ بھی کیا کرتی یہ بھی تو سچ تھا کہ ایک نہ ایک دن اسے عارفین کی زندگی سے چلے جانا تھا، وہ پھر کیوں اپنی آنکھوں میں خواب سجا لے، جس کی تعبیر ہی کوئی نہیں تھی، کتنی ہی دیر وہ وہاں کھڑی رہی تھی، جب ٹانگیں شل ہونے لگیں تو وہ دھیرے سے چلتی ہوئی بیڈ پر سوتے عارفین کے قریب آ ٹھہری، کس قدر معصوم لگ رہا تھا وہ سوتے ہوئے، اس سے پہلے کہ وہ اٹھ جاتا وہ وہاں سے ہٹ گئی اور لائٹ آف کیے کمرے سے ہی نکل گئی، جسمانی تھکن سے زیادہ ذہنی تھکن زیادہ محسوس ہوئی تھی۔

☆..........☆..........☆

''حرا...حرا!'' حرا اپنے روم میں وارڈروب میں اپنے کپڑے سیٹ کر رہی تھی کہ زرمیل چلا آیا، ہاتھ میں کوئی پیکٹ تھا۔

''جی زرمیل بھائی!'' وہ اپنا کام چھوڑے پلٹ کر دیکھنے لگی تھی۔

''یہ لو جلدی سے اوپر ڈرائے لے کو دے کر آؤ، اسے کہنا کہ آج رات وہ اس ڈریس کو پہن کے آئے''۔ اس نے وہ خاکی پیکٹ آگے بڑھایا۔

''تو بھائی! یہ کام آپ بھی کر سکتے ہیں، مجھے کباب میں ہڈی کیوں بنا رہے ہیں؟'' وہ شرارت سے دیکھتے ہوئے چھیڑنے لگی۔

''زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں ہے، جاؤ ورنہ ابھی پٹ جاؤ گی''۔ اس نے شرارت سمجھتے ہوئے ایک چپت اس کے سر پر لگائی اور پیکٹ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے اس کا بازو تھامے باہر نکالا اور رُخ اوپر کی سمت موڑ دیا۔

''زرمیل بھائی! تھوڑا اپنا کمرہ سیٹ تو لوں''۔

''نہیں بعد میں، پہلے میرا کام''۔

"اوف ہو.....آپ بھی پورے دیوانے ہیں۔" وہ مسکراتی ہوئی اوپر بڑھی۔

"آہم ہم.....کیا میں اندر آسکتی ہوں؟" ژالے نہا کر نکلی تھی، اپنے بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔

"ارے حرا! آؤ اجازت کیوں مانگ رہی ہو؟" ژالے نے برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا اور حرا کے پاس آ گئی تھی۔

"بھئی! پہلے تو اپنی امانت پکڑو۔" اس نے جھٹ وہ خاکی لفافہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔

"ارے.....رے.....یہ کیا ہے بھئی؟" وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہ زرمیل بھائی نے تمہارے لیے بھیجا ہے، آج رات کے ڈنر پر اسے پہن کے نیچے آنا، اب میں (جا رہی) ہوں مجھے دیر ہو رہی ہے، اپنا کمرہ سیٹ کر کے رات کی تیاری بھی کرنی ہے۔" وہ پھر رکی نہیں یہ جا وہ جا، کہیں وہ واپس ہی نہ کر دے پہلے کی طرح، مگر اس کی سوچ کے برعکس ژالے کے گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگتی تھی۔ سبز آنکھوں کی اسکرین پر وہ بیتے دو دن گردش کرنے لگے، انگ انگ میں عجیب خوشی کی لہر دوڑی تھی۔ دل سریلی تال میں دھڑکنے لگا تھا اس نے وہ خاکی لفافہ کھولا اس میں سے نہایت قیمتی حسین مہنگا سوٹ نکالا تھا، اس نے پورا سوٹ کھولا، دھانی نیٹ کی خوب گھیر والی فراک جس کے گلے پر ڈارک گرین ویلوٹ کا کپڑا لگا کر کڑھائی کی گئی تھی۔ فراک کے پورے بارڈر پر بھی یہی کام تھا، پوری فراک پر گولڈن و سلور چمن ڈالے گئے تھے، اس نے دوپٹہ کھولا پورے دوپٹے پر گرین ویلوٹ کی ایپلک تھی چوڑی دار پاجامے کے ساتھ یہ سوٹ نہایت خوب صورت لگ رہا تھا، زرمیل کی پسند لاجواب تھی، اس نے وہ سوٹ خود سے لگایا اور قد آور آئینے میں دیکھا تو خود اپنے آپ سے ہی شرما گئی، ایسا لگا جیسے زرمیل سامنے کھڑا اسے دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔ رات کو سب ڈنر کے لیے تیار تھے، باری باری نیچے آ رہے تھے، رابعہ، معصوم عارفین سب سے پہلے نیچے آ گئے تھے۔ نجما اور سلیم احمر بھی رضا کو لیے نیچے آ گئے تھے، نعیم احمر ابھی تک آفس سے نہیں آئے تھے آسیہ نے سارے انتظام کروا لیے تھے۔

"ژالے! جلدی کرو، سب نیچے پہنچ گئے ہیں۔" ثمرن نے ژالے کے بیڈروم کا دروازہ بجایا تھا۔

"ثمرن بھابی! ایک منٹ آ رہی ہوں۔" عجیب سی جھجک و شرم نے اس کو اپنے اردگرد گھیر لیا تھا، پہلے تو وہ اس قدر حسین نہیں لگی تھی جتنی آج اس وقت لگ رہی تھی، چہرے پر سوائے فیئر اینڈ لولی کے اور گلابی ہونٹوں پر ہلکی سی پنک لپ اسٹک، سبز آنکھوں کو کاجل سے سجائے اس کے علاوہ اور کوئی میک اپ نہیں کیا تھا، بالوں کو آدھا باندھے باقی کے پشت پر کھلے چھوڑ دیے تھے، جیولری کے نام پر کان میں چھوٹے چھوٹے میچنگ آویزے اور ناک میں ڈائمنڈ نوز پن جس سے چہرہ خوب لشکارے مارتا تھا، بس یہی دو چیزیں اس کے وجود کی زینت تھیں۔

وہ باہر آئی مگر ثمرن جا چکی تھی، اب نیچے اکیلے کیسے جائے کیونکہ سب سامنے ہی بیٹھے ہوں گے اور یقیناً سامنے زرمیل بیٹھا ہوگا اس کا انتظار شدت سے کر رہا ہوگا، بالآخر گھبراتی ہوئی دل کو مضبوط کرتی اپنی حالت پر قابو پاتی وہ آگے بڑھی تھی، نگاہیں جھکائے وہ آدھی سیڑھی تک ہی پہنچی تھی، جیسے ہی نگاہ اٹھی بالکل سامنے زرمیل اپنی سرمئی کانچ میں محبت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر لیے اسے ہی بغور دیکھ رہا تھا، بس اس کی ساری ہمت ٹوٹ گئی اس کے قدم وہیں تھم گئے دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"ارے میری جان! آ گئی تم.....وہاں کیوں ٹھہر گئی ہو آؤ!" آسیہ اسے دیکھتے ہی خود آگے بڑھیں، سب کی ہی نگاہیں ان کی سمت تھیں، بلکہ عارفین نے تو باقاعدہ سیٹی بھی ماری تھی، زرمیل کے یوں ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے پہ

"تو بھی اس لیے ڈر گئی ہے۔" ژالے کے رک جانے پر اور زرمیل کے یوں چاہت سے بغور دیکھنے پر عارفین نے چوٹ کی تھی، مگر وہ زرمیل ہی کیا جو عارفین کی بات پر کان دھر لے۔

"بڑا ہی بے غیرت ہے، بچی ڈر کے مری جا رہی ہے اور تو گھورنے سے باز نہیں آ رہا۔"

"مسٹر! میں بچی کو گھور رہا ہوں، تجھے کیوں جلن ہو رہی ہے؟" زرمیل نے دوبدو جواب دیا۔

"اب سمجھ میں آئی کہ وہ اب تک تیرے پاس آ کیوں نہیں رہی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مری میں تم دونوں نے دو دن ایک ساتھ ایک ہی بیڈروم میں گزارے تھے ناں، تجھ جیسے جن کے قبضے میں معصوم سی پری کا کیا حال ہوا ہوگا، اس کا نتیجہ سامنے ہے۔" عارفین کے لبوں پر دھیمی سی شریر مسکراہٹ تھی، زرمیل اس کی بات کا مطلب سمجھ کر بری طرح اسے گھورنے لگا تھا۔

"میں بہت سخت جان ہوں، ژالے کی طرح مجھے اپنی ان بڑی بڑی آنکھوں سے ڈرانے کی کوشش مت کرنا۔"

"بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ نہ صرف تو سخت جان ہے، بلکہ اول درجے کا ڈھیٹ بھی ہے۔" زرمیل کے چڑتے ہوئے انداز پر عارفین نے جاندار قہقہہ لگایا تھا، اس کے یوں بلاوجہ قہقہہ لگانے پر سب کی نظر بے اختیار اس پر اٹھی تھی۔

"بیٹا! خیریت تو ہے ناں؟" سلیم احمر نے مسکرا کے اسے دیکھا تھا، جس پر وہ کچھ خفیف سا ہو کر رہ گیا۔

"جی چھوٹے ماموں، بس وہ زرمیل نے جوک ہی کچھ ایسا سنایا تھا۔"

"اچھا یقین نہیں آتا۔" انھوں نے بے یقین نظروں سے سنجیدہ سے زرمیل کو دیکھا تھا۔

"نہایت ہی خبیث انسان ہے تو۔" زرمیل نے آہستہ سے دانت پیس کر عارفین کو گھور کے کہا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ مزید نشانہ بناتا فون کے بہانے سے کھڑا ہو گیا تھا، کب کی رکی ہوئی سانس زرمیل کے جانے سے بحال ہوئی تھی۔

"آج میں نے سارا کھانا ژالے کی پسند کا بنوایا ہے۔" آسیہ نے دلار سے اسے دیکھا تھا۔

"اس بات پر بڑی ماما! یہ تو سراسر ناانصافی ہے۔" عارفین نے کچھ منہ بنا کے کہا تھا۔

"کیسی ناانصافی عارفین بیٹا!" آسیہ نے ناسمجھ نظروں سے عارفین کو دیکھا تھا۔

"یہی کہ آج کا سارا کھانا ژالے کی پسند کا بنا ہے۔"

"ارے نہیں عارفین! آپ کو بھی آج کا کھانا بہت پسند آئے گا۔" وہ تھوڑا گھبرا گئیں، وہ نہیں چاہتی تھیں کہ نادانستگی میں بھی ان کی طرف سے کسی کی دل آزاری ہو۔

"مگر اسپیشل گیسٹ تو ژالے ہوئی ناں؟" عارفین فل مذاق کے موڈ میں تھا، جان بوجھ کر ژالے کو اکسانے کی کوشش کر رہا تھا، جس میں ناکام ہی رہا تھا۔

"نہیں چاند! میرے لیے اس گھر کے سارے ہی بچے اہم اور برابر ہیں بس ذرا ژالے کی بات کچھ الگ ہے۔" انھوں نے مسکرا کے ژالے کو دیکھا تھا۔

"اب تو مجھے ژالے سے اور جیلسی فیل ہو رہی ہے۔" عارفین سو فیصد ژالے کو چڑا رہا تھا، ژالے جو بڑی مشکل سے بڑوں کی موجودگی کا خیال کر رہی تھی اس بار بری طرح عارفین کو گھورنے لگی جیسے ثابت سالم ہی نگل

جائے گی۔

"ارے باپ رے ژالے کو غصے آرہا ہے"۔ عارفین ڈرنے کی ناکام ایکٹنگ کرنے لگا تھا، ژالے کے گھورنے پر۔

"عارفین! اگر ژالے خاموش ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اسے تنگ کرو"۔ رابعہ نے عارفین کو جھڑکا تھی۔

"او کے نہیں تنگ کرتا، ویسے بھی یہ ڈپارٹمنٹ تو کسی اور کا ہے"۔ ژالے اس کی ذو معنی بات سمجھتی تھی۔

"آج عارفین بھائی ضرورت سے زیادہ بے لگام ہو رہے ہیں، اور ژالے! تُو خاموش ہے، کچھ بول کیوں نہیں رہی ہے"۔ حرا کو بھی ژالے کی خاموشی ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"یہ سب تو یوں ہی چلتا رہے گا میں کھانا لگواتی ہوں"۔ آسیہ مسکراتی ہوئی کھڑی ہو گئیں اور کچن کی جانب جانے لگیں۔

"جاؤ ژالے! آپ بھی کچھ ہیلپ کرواؤ"۔ نجمہ نے آسیہ کو جاتے دیکھ کر فوراً ژالے کو حکم دیا، ژالے عارفین کو گھورتی ہوئی اٹھی تھی، چہرے کا تاثر بتا رہا تھا جیسے بول رہی ہو آپ کو تو میں بعد میں دیکھوں گی، اس کے پیچھے معصوم بھی کھڑی ہو گئی تھی ثمرن رضا کو سنبھال رہی تھی۔

حرا نے کانچ کی پلیٹیں وغیرہ ٹیبل پر رکھ دیں، معصوم ڈشز میں سالن نکال کر رکھ رہی تھی، جس کی آسیہ ہیلپ کروا رہی تھیں، اتنا بڑا گھر تھا مگر بقول یہاں مردوں کے ملازم سے ہر کام کروالیں سوائے کچن میں کھانا بنانے کے اس لیے کچن کی کوکنگ اس گھر کی خواتین ہی کرتی تھیں۔

"ارے گلاس تو یہ کم رہیں گے ژالے بیٹا!! اسٹور میں گلاس کا ایک نیا سیٹ رکھا ہوا ہے، تم وہ جا کر لے آؤ"۔ آسیہ نے باقی گلاس جمع کر کے ٹرے میں رکھے تو انہیں کم لگے تھے، اس لیے کچن سے ملحق اسٹور میں ژالے کو بھیجا، وہ وہاں چلی آئی۔

"مامی جان! آپ جا کر وہاں بیٹھیے باقی سب ہم کر لیں گے"۔ معصوم نے آسیہ کے ہاتھ سے ٹرے لی تھی۔

"جیتی رہو"۔ وہ اس کو دعا دیتی حرا کو کچھ ہدایت دیتی ہوئی ان لوگوں میں جا کر بیٹھ گئیں، حرا فریج کی جانب بڑھی تا کہ ساری سلاد اور میٹھا نکالے۔ ژالے نے ادھر ادھر نظریں گھمائیں تو بالکل سامنے ہی گلاس کا سیٹ آ گیا تھا، وہ اسے لینے کے لیے آگے بڑھی کہ کسی نے پیچھے سے اسے ایک جھٹکے سے اپنی طرف کھینچا اور اس کا رخ اپنی سمت موڑا تھا، وہ کہاں اس اچانک افتاد کے لیے تیار تھی، یہی وجہ تھی کہ زرمیل کے پہاڑ جیسے وجود کا سہارا لینا پڑا تھا، وہ خود کو سنبھال ہی نہیں پا رہی تھی، اور زرمیل اسے مزید بکھیرنے لگا تھا، اس کے چہرے اس کی گردن دیوانہ وار اپنے جنون و محبت کی ایک نئی تحریر رقم کرتا چلا گیا تھا زرمیل کی اس بے باکی پر اس کے ہاتھ پیر پھولنے لگے تھے، اس کا سانس تھمنے لگا تھا، دل تو جیسے حلق میں آ کر زور زور سے دھڑکنے لگا تھا، جیسے ابھی باہر آ جائے گا، اس کی نازک جان بہت مشکل میں پڑ گئی تھی۔

"زر..... زرمیل..... زرمیل! چھوڑیں"۔ وہ اپنا بچاؤ کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی، اپنے دونوں ہاتھ اس کے سینے پر رکھے اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر زرمیل پر تو جیسے جنون سا سوار تھا، اسے اپنے حصار میں مضبوطی سے قید کیے اس پر اپنے پیار کی موسلا دھار بارش کر رہا تھا۔

"آئی لو یو ژالے..... رئیلی لو یو سویٹ..... مت دور جایا کرو مجھ سے"۔

"زرمیل! چھوڑیں مجھے، کوئی آ جائے گا پلیز"۔ زبان بری طرح لڑکھڑا کے رہ گئی تھی، چہرے کی رنگت حد درجہ سرخ ہو گئی تھی، جیسے وہاں سے ابھی خون چھلک پڑے گا۔

"پہلے وعدہ کرو مجھے چھوڑ کے نہیں جاؤ گی"۔ اس کے کپکپاتے لبوں پر اپنے پیار کی مہر ثبت کر دی، وہ پوری جان سے گھبرا کے رہ گئی، حیا سے شرم کے مارے نگاہیں نہیں اٹھ رہی تھیں اس کی دونوں ہتھیلیاں زرمیل کے چوڑے سینے پر دھری تھیں وہ جتنا دور ہونے کی کوشش کرتی، زرمیل مزید اسے خود میں سمیٹ لیتا۔

"او کے..... آ..... آپ..... آپ مجھے چھوڑیں..... پلیز..... پلیز..... زرمیل..... میں مر جاؤں گی"۔ اس کی سبز آنکھیں چھلک پڑیں، ڈر بھی تھا کوئی اس طرف آ نہ جائے، زرمیل نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا تھا، پھر اس پر رحم کھاتے ہوئے آہستگی سے اس کی کمر سے اپنے دونوں بازو ہٹائے، مگر اس کے دونوں بازو پکڑ کے اسے اپنے مقابل کیا تھا۔

"بہت خوبصورت لگ رہی ہو، دیکھ لو مجھ سے رہا نہ گیا، مگر یہ تو ابھی میرے پیار کی ایک جھلک تھی، آج رات تم میرے پاس میرے بیڈروم میں آؤ گی تو بتاؤں گا کہ میرے دل میں تمہارے لیے کس قدر محبت ہے، حالانکہ مری کے ہوٹل میں اس کا ثبوت دے چکا ہوں، لیکن یقیناً کچھ تو کمی رہ گئی ہے میری محبت و چاہت میں کہ تم ابھی بھی مجھ سے دور ہو، مگر آج رات وہ کمی بھی پوری کر دوں گا، ساری تشنگی مٹا دوں گا، بولو! نہیں جاؤ گی ناں آج؟"

زرمیل نے اس کا سرخ چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کے اوپر اٹھایا تھا۔

"ژالے! گلاس مل گئے؟" حرا نے وہیں کچن سے ہانک لگائی تھی اور اگر وہ یہاں آ گئی تو وہ تو شرم سے زمین میں گڑ جائے گی۔

"آں..... ہاں..... مل گئے"۔ وہ گلاس اٹھانے کے لیے جانے لگی مگر زرمیل نے اسے نہیں چھوڑا۔

"ہوں..... اوں..... پہلے وعدہ کرو، آج نہیں جاؤ گی"۔

"زرمیل! مجھے جانے دیں ورنہ حرا یہاں آ جائے گی"۔

"پہلے پرومس؟" اس نے پرشوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر انگلیاں پھیریں۔

"ژالے.....!" حرا کی پھر آواز آئی تھی، وہ شاید اندر آ رہی تھی۔

"او کے..... پ..... پرومس، میں نہیں جاؤں گی"۔ ابھی تو جان چھڑانے کو اس کی مانی ہی تھی، زرمیل نے جھک کر اس کے رخسار پر بوسہ لیا اور "تھینکس" کہہ کر چھوڑ دیا۔ ژالے نے تیزی سے گلاس اٹھائے اور بغیر اس کی طرف دیکھے کچن سے نکل گئی تھی کیا کر پیچھے مڑ کے دیکھے گی تو کہیں پتھر کی نہ بن جائے۔

"یہ..... یہ رہے گلاس"۔ پھولی ہوئی سانس میں کہا تھا۔

"ارے یہ تمہیں کیا ہوا، تم اس قدر سرخ کیوں ہو رہی ہو، تمہارا سانس اتنا کیوں پھول رہا ہے؟" حرا کو اس کی غیر حالت پر تشویش ہوئی تو معصوم نے بھی پلٹ کر دیکھا۔

"ارے ہاں ژالے! سب خیریت ہے ناں؟" معصوم نے فکرمندی سے اسے دیکھا اور اس کا شانہ تھام لیا تھا، اسی اثنا میں پیچھے اسٹور روم کے دروازے سے زرمیل برآمد ہوا، آہٹ پر حرا اور معصوم نے اس سمت دیکھا تھا، ژالے تو جانتی تھی کہ پیچھے کون آ کر کھڑا ہوا ہے۔

"ارے زرمیل بھائی! آپ اسٹور روم میں کیا کر رہے تھے؟" حرا نے زرمیل کو ناسمجھی کے عالم میں دیکھا تھا۔
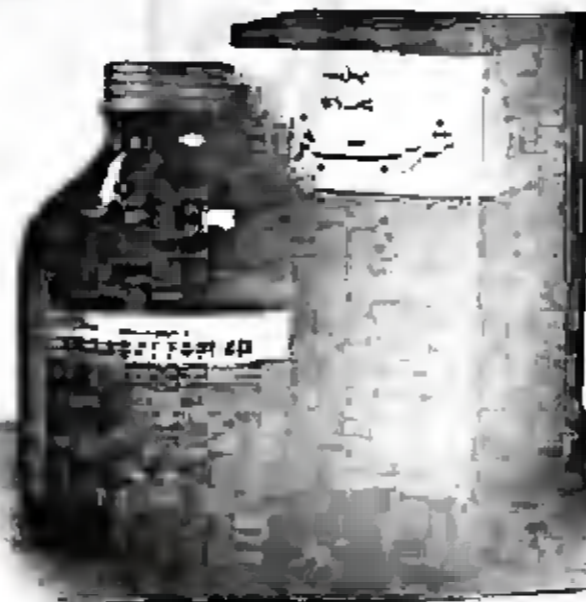
''کچھ نہیں میں اپنی پرانی البم ڈھونڈنے آیا تھا''۔ وہ ژالے کے برابر میں آ ٹھہرا تھا اس کے اس طرح برابر میں بالکل نزدیک آ کر ٹھہرنے پر ژالے کے ہاتھ سے گلاس کا سیٹ چھوٹ گیا، کانچ کے چھ کے چھ گلاس ٹوٹ کے ادھر ادھر بکھرتے چلے گئے تھے۔

''ژالے! آر یو آل رائٹ؟'' حرا اور معصوم دونوں پیچھے ہٹی تھیں، جبکہ ژالے خود بھی بری طرح گھبرا کے رہ گئی تھی، اتنے گلاس ٹوٹنے کی آواز پر گھر کے سب افراد ہی وہیں کچن میں جمع ہو گئے، آسیہ تیزی سے ژالے کے پاس آئی تھیں، وہ معاملہ سمجھ گئی تھیں۔

''ژالے میری جان! تم ٹھیک ہو ناں؟''

''جی.....وہ بڑی بی.....!'' گھبراہٹ کے مارے منہ سے الفاظ ہی نہیں نکل رہے تھے۔

''ژالے نہایت افسوس کی بات ہے کہاں دھیان تھا تمہارا، نئے گلاس سارے ہی توڑ دیئے''۔ نجمہ بیگم کو بہت ناگوار گزری تھی ژالے کی یہ لاپروائی انھوں نے سب کے سامنے جھکے سے ڈانٹ دیا تھا۔

''نہیں نجمہ! تم ژالے کو بالکل نہیں ڈانٹو گی چیزوں کا کیا ہے ٹوٹتی ہیں پھر آ جاتی ہیں، یہی بہت ہے کہ بچی کی جان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا''۔ آسیہ نے سختی سے نجمہ کو ٹوک دیا تھا۔

''تو اور کیا.....آسیہ بھابی! آپ بالکل درست کہہ رہی ہیں اور پھر کانچ ٹوٹنا تو اچھا شگون مانا جاتا ہے، مصیبت مال پر آ جائے جان بچ جانے یہی اچھا ہے''۔ رابعہ بھی شرمندہ شرمندہ سی ژالے کے پاس آ گئی تھی۔

''واہ میرے مولا! ایک نہ شد دو شد''۔ عارفین نے کچن کی چھت کی طرف چہرہ اٹھایا تھا۔

''مطلب.....؟'' ثمرن نے عارفین کو دیکھا۔

''مطلب یہ ثمرن بھابی! کہ ژالے کے اس نقصان پر ٹھیک ٹھاک کلاس لینی چاہیے''۔

''اور پتہ ہے میرا دل کیا چاہ رہا ہے؟''

''کیا.....؟'' اس نے ثمرن کو دیکھا تھا۔

''یہی کہ تمہارے ایک ہاتھ لگا ہی دوں، جب سے ژالے آئی ہے، تم تب سے ہی بے چاری کو تنگ کیے رہے ہو''۔ ثمرن اب کے برداشت نہیں کر سکی اور عارفین کو جھاڑ دیا تھا۔

''اور اس بے چاری کے کام تو دیکھئے''۔ اس نے فرش پر ٹوٹے بکھرے کانچ کے گلاس کی سمت اشارہ کیا تھا اس بار ژالے سے برداشت نہیں ہوا اس کی سبز آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر موتی رخسار پر بکھرتے چلے گئے تھے اب باری سب کی گھبرانے کی تھی، بلکہ عارفین تو صحیح معنوں میں ڈر گیا تھا، کچھ بھی تھا مگر اس کا ارادہ ژالے کو رلانے کا تھا نہ ہی اس کا دل دکھانے کا۔

''آئی ایم سوری.....ژالے! آئی سوئیر.....میرا مقصد تمہارا دل دکھانا نہیں تھا، میں تو صرف مذاق کر رہا تھا''۔

''عارفین! اسٹاپ اٹ بہت ہو گئی، حد ہوتی ہے مذاق کرنے کی بھی، آخر کو رلا ہی دیا ناں ژالے کو تم نے''۔ رابعہ نے بری طرح عارفین کو ڈانٹ دیا تھا۔

''آئی ایم سوری امی!'' وہ واقعی میں بہت شرمندہ ہو گیا تھا اور شرمندہ شرمندہ سا سر کو جھکائے آنسو بہاتی ژالے کے پاس آ ٹھہرا تھا۔

(جاری ہے)

☆......☆......☆

قمروش شہک

"سوری ژالے بہنا!" سر کو جھکائے کان کو اس طرح پکڑے منہ کو لٹکائے وہ اس طرح کھڑا تھا کہ ژالے روتے روتے مسکرا دی تھی۔ سبز آنکھوں میں آنسو لیے گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے یہ لڑکی زرمیل کے دل

میں اترتی چلی گئی تھی، دل شدت سے چاہا کہ اسے اپنے دل میں بٹھائے سب کی نظروں سے چھپائے دور کہیں بہت دور لے جائے۔ دل تو شدت سے یہ بھی چاہا تھا کہ زور سے عارفین کے گال پر ایک ہاتھ جڑ دے، مگر بمشکل خود کو قابو کیے دانتوں کو اتنی زور سے بھینچا کہ دماغ کی ساری رگیں غصے سے ابھری تھیں، عارفین کو ایک غصے کی نظر سے دیکھا وہ رُکا نہیں وہاں سے نکلا ہی چلا گیا تھا۔

"اوہ... شٹ یار! زرمیل ناراض ہو گیا، اب اس کو بھی منانا پڑے گا۔" عارفین نے بڑی بے چارگی سے کہا تھا۔

"مگر وہ کیوں؟" آسیہ نے معصومیت سے عارفین سے سوال کیا تھا۔

"ارے بڑی مای! ژالے کو جو رلایا ہے۔"

"پھر تو وہ اپنی جگہ بالکل رائٹ ہیں، بلکہ میں تو کہتی ہوں زرمیل کو ایک ہاتھ تمہارے جڑنا ہی چاہیے۔" رابعہ نے بھی ناراضی سے کہا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے یہ سزا میں بھگت کے آتا ہوں، ورنہ آپ کے لاڈلے بھتیجے صاحب ڈنر کا سارا مزہ بدمزہ کردیں گے۔" وہ ثرالے کے سر پر ہاتھ رکھتا وہاں سے چلا گیا تھا تاکہ زرمیل کو منا سکے۔

"اب یہ سب کچھ چھوڑ دو یہ ملازم صاف کرلیں گے، تم چلو یہاں سے۔" آسیہ نے اس کا ہاتھ تھاما تھا جو کانچ صاف کرنے جھکتی جا رہی تھی، اور پھر سب ڈائننگ ٹیبل پر آگئے تھے، عارفین نے بڑی مشکل سے زرمیل کو منالیا تھا۔

ماحول پہلے جیسا ہی خوشگوار ہوگیا تھا، فہیم احمر بھی آفس سے آگئے تھے، ڈائننگ ٹیبل پر سب کو اکٹھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے اور ثرالے کی موجودگی پر تو نہایت خوشگوار حیرت بھی ہوئی تھی، ڈنر اچھے ماحول میں کھایا گیا تھا، ساری ڈشز ہی بہت لذیذ و مزیدار بنی تھیں، آسیہ نے آج خاص طور پہ بہت اہتمام کیا تھا، کافی دیر گپ شپ لگانے کے بعد سب اپنے اپنے پورشن میں اپنے بیڈروم میں چلے گئے تھے۔

"آج کھانا بہت مزیدار بنایا ہے آپ نے، اور سب کو اکٹھے دیکھ کر تو اور خوشی ہوئی تھی۔" فہیم احمر بہت کم کھانے کی تعریف کرتے تھے مگر پھر بھی جو مل جاتا چپ چاپ کھالیتے تھے۔

"جی آپ درست کہہ رہے ہیں اور ثرالے آئی مجھے تو اور زیادہ خوشی ہوئی ہے، اس کا مطلب ہے آگے کے حالات بہتر نظر آرہے ہیں۔" آسیہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی اپنی ہلکی پھلکی جیولری اتار رہی تھیں، اور وہ جن حالات کا ذکر کر رہی تھیں فہیم احمر باخوبی سمجھ بھی گئے تھے۔

"انشاءاللہ! اور آپ کے صاحب زادے بھی راہ راست پر آگئے ہیں، مگر ایک بات ذہن میں اور بھی رکھیے گا، حالات جیسے بھی رہیں بہر حال آخری فیصلہ تو ارشد کا ہی ہوگا، کیونکہ ہم نے اسے زبان دے دی ہے۔" فہیم احمر بیک کراؤن سے ٹیک لگائے لیپ ٹاپ پر اپنے آفس کا کوئی کام کر رہے تھے۔

"نہیں فہیم صاحب! یہ تو سراسر ناانصافی بھی ہے اور زرمیل کے ساتھ زیادتی بھی، اور پھر آخری فیصلے کا اختیار تو ثرالے کو ہی ملنا چاہیے ناں آخر کو وہ زرمیل کی بیوی ہے۔" آسیہ وہیں بیڈ پر فہیم احمر کے سامنے آکر بیٹھ گئی تھیں۔

"بیوی وہی بیوی جسے زرمیل خود شادی کے دوسرے دن کی صبح ہی چھوڑ گئے تھے اور یہ بھی مت بھولیے کہ اگر زرمیل ثرالے کا شوہر ہے تو ارشد ثرالے کا بھائی ہے، جو ارشد کہے گا وہ سب کو ماننا پڑے گا، کیونکہ ہم نے ارشد کو زبان دی ہے۔" انھوں نے لیپ ٹاپ پر سے نظریں ہٹا کے سرد لہجے میں آسیہ سے کہا تھا۔

"مگر مجھے لگتا ہے زرمیل اور ثرالے کے درمیان سب کچھ ٹھیک ہوگیا ہے۔" ان کے چہرے پر پریشانی ہویدا تھی۔

"بے شک ٹھیک ہوگیا ہو مگر ارشد آجائے پھر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے، دو سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا ہے آسیہ بیگم! ان دو سالوں میں ثرالے نے جس قدر تکلیف اٹھائی ہے، اس سے سب ہی واقف ہیں ارشد، ثمرن نے کس طرح اس معصوم سی بچی کو سنبھالا ہے سب جانتے ہیں، ثرالے کے دکھ درد اس کی بگڑتی حالت کا ذمے دار صرف اور صرف زرمیل ہے، جسے ارشد نظر انداز نہ کرسکے۔"

"کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم ارشد کو تحمل سے سمجھائیں؟"

"نہیں...!"

"مگر کیوں فہیم صاحب! آخر کو یہ ہمارے اکلوتے بیٹے زرمیل کی زندگی کا سوال ہے۔"

"آسیہ! ارشد اس وقت اس قدر غصے اور جذبات میں ہے کہ اگر انھیں سمجھائیں گے تو وہ مزید بکھرے گا، اس لیے سب کچھ حالات کے دھارے پر چھوڑ دو۔"

"ایک بات پوچھوں؟"

"ہوں...!"

"کیا آپ بھی چاہتے ہیں کہ زرمیل کا بسا بسایا گھر ٹوٹ جائے؟"

"چاہا تو میں نے یہ بھی تھا کہ زرمیل اور ثرالے کی شادی ہوجائے، مگر دیکھ لو اس زبردستی شادی کا رزلٹ آج سب کے سامنے ہے۔"

"مگر جو گزر گیا وہ کل تھا، آج زرمیل اپنے کیے پر شرمندہ ہیں، پچھتا رہے ہیں اپنی غلطی کو سدھارنا چاہتے ہیں، اور آپ نے آج دیکھا نہیں کہ وہ کس قدر خوش تھے ان کی آنکھوں میں ثرالے کے لیے کتنی چمک تھی۔"

"مجھے سب نظر آرہا ہے مگر یہ یکطرفہ بھی تو ہوسکتا ہے، آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ ثرالے مان جائے گی؟"

"میرا دل کہتا ہے وہ بھی زرمیل کو معاف کرچکی ہے۔" انھیں ثرالے کی آنکھوں میں زرمیل کے لیے نرمی نظر آئی تھی۔

"یہ سب مفروضے ہیں قیاس آرائیاں ہیں اور اصل حقیقت یہ ہے کہ ارشد جو فیصلہ کریں گے وہ سب کو ماننا پڑے گا، اب آپ جا کر سو جائیں مجھے کچھ دیر اور کام کرنا ہے۔" فہیم احمر نے ان کی آنکھوں میں آئی نمی کو اگنور کیے اپنی نظریں دوبارہ سے لیپ ٹاپ پر ٹکا دیں۔ آسیہ نے خاموشی سے کچھ لمحے انھیں دیکھا پھر اپنی نمی کو اپنے اندر دفن کرلی ہوئی اپنی جگہ پر آکر لیٹ گئیں۔

"اس کا مطلب ہے ابھی سب سے بڑا امتحان ہونا باقی ہے۔" آنکھوں کو بند کیے آسیہ نے دکھ سے سوچا تھا۔ فہیم احمر نے ایک افسوس بھری نظر اس ماں پر ڈالی، جو صرف اپنے بیٹے کی خوشی چاہتی تھی، مگر وہ بھی کیا کریں، اس بار خود غرضانہ ہوکر نہیں سوچ سکتے تھے۔

☆..........☆..........☆
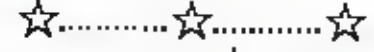
معصوم نے جیسے ہی اپنے بیڈروم میں قدم رکھا، ٹی وی پر چلتے میوزک کی تیز والیوم نے اس کا سواگت کیا تھا، اس نے بے ساختہ ہی نظر ٹی وی پر ڈال کر سامنے بیڈ پر نیم دراز عارفین پر ڈالی پورے کمرے میں نصرت فتح علی خان کی یہ قوالی اس کمرے کی گمبھیر خاموشی کو توڑ رہی تھی۔

میری آنکھوں کو آنکھوں کا کنارہ کون دے گا
سمندر کو سمندر میں سہارا کون دے گا

شاید آج اس کا موڈ سونے کا قطعی نہیں تھا، جب ہی اس قدر فل والیوم میں یہ غزل سن رہا تھا، وہ بھی فی الحال نیند کا ارادہ ترک کیے صوفے پر جا کر ٹک گئی، بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے عارفین نے ایک سرسری سی نگاہ غلط اس پر ڈالی پھر دوبارہ نگاہیں ٹی وی پر مرکوز کردیں، اس وقت جانے کیوں یہ غزل اس کے دل کی عکاسی کر رہی تھی۔

معصوم نے بے ساختہ ہی مڑ کے پیچھے عارفین کو دیکھا تھا، جو جانے کب سے بغور اسے ہی تک رہا تھا، ان نگاہوں میں اس قدر سوالات تھے کہ وہ ایک لمحے کے لیے جھینپ سی گئی، وہ جانتی تھی کہ وہ سوالات کیا ہیں، مگر وہ جان کر ان سوالات سے نگاہ چرا چکی تھی، عارفین اس کی نظریں چرانے پر ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

کچھ ہی ٹائم لگا ہوگا کہ اس کا موبائل بجنے لگا تھا، مقسوم نے اپنا موبائل دیکھا جہاں اسکرین پر "سوی کالنگ" جگمگا رہا تھا مقسوم کا دل خوشگوار حالت میں دھڑکنے لگا، اس نے فوراً سے پیشتر موبائل کا بٹن پریس کر کے کان سے لگا لیا تھا۔

"ہیلو...!" وہ ایک کان پر ہاتھ رکھے دوسرے پر موبائل لگائے چیخ کر بولی تھی۔

"ہیلو... ہیلو سوی... سوی! بولو"۔ عارفین کے تو چونکہ دھیان کے دھاگے اس وقت اسی سے جڑے تھے، اس کے لبوں سے "سوی" کا نام سن کر ٹی وی کا والیوم بند کر چکا تھا۔

"سوی!" صد افسوس کے لائن کٹ چکی تھی، وہ موبائل لیے خوشی خوشی عارفین کے پاس بھاگی چلی آئی اور بے ساختہ ہی کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر اس کے پاس بیڈ پر بیٹھی تھی۔

"عارفین! دیکھیں سوی کا فون آیا ہے۔" مگر عارفین اسے سن کہاں رہا تھا وہ تو اس کے یوں اچانک نزدیک آ کر بیٹھنے پر دلکشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"لیکن کوئی بات ہی نہیں ہوسکی میں ٹرائی کرتی ہوں۔" وہ پھر سے کال بیک کرنے لگی تھی، مگر افسوس کے پاور آف ہونے کا میسج دیا جا رہا تھا، اس کا چہرہ مرجھا کے رہ گیا۔

"اس کا مطلب ہے سوی یہیں کراچی میں ہے۔" وہ مایوسی سے موبائل تکنے لگی تھی کہ کوئی بات نہیں ہوسکی تھی اس نے عارفین کو دیکھا جو اسے ہی بغور تک رہا تھا۔

"کیا ہوا آپ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں، آپ کو بھی افسوس ہے نا کہ سوی سے بات نہیں ہوسکی، مگر آپ فکر مت کریں میں بھی ٹرائی کروں گی، بلکہ بار بار ٹرائی کرتی ہوں۔" اس نے جیسے ہی کال بیک کرنی چاہی عارفین بول پڑا۔

"تمہیں لگتا ہے مجھے تمہاری سوی کی فکر کرنی چاہیے؟" الٹا سوال داغ کر اسے کنفیوژ کر گیا تھا، مگر بہت جلد اس نے خود کو سنبھال بھی لیا تھا۔

"میرا تو خیال ہے آپ کو بالکل کرنی چاہیے۔"

"اچھا... مگر کیوں؟" سوال پھر کیا گیا تھا، اور مقسوم اس سے پہلے مزید کچھ بولتی عارفین پھر ٹوک گیا تھا۔

"لیکن اس "کیوں" کا بہت سوچ سمجھ کر جواب دینا۔" مقسوم اس کے سوال پر الجھ کر اسے دیکھنے لگی اور اس کے سوال پر غور بھی کرنے لگی تھی۔

"کیا ہوا؟" عارفین نے اس کے پرسوچ چہرے کے آگے ہاتھ لہرایا تھا۔

"عارفین! آپ نے تو مجھے بالکل ہی الجھا کے رکھ دیا ہے۔" عارفین دھیرے سے ہنس دیا تھا اور ہاتھ بڑھا کے اس کا رخسار تھپتھپا دیا تھا۔

"گڈ نائٹ!" پھر عارفین نے ریموٹ سے ٹی وی آف کر دیا اور بلینکٹ اوڑھے کروٹ بدل گیا، مقسوم اس کو الجھن بھری نظروں سے دیکھتی ہی رہ گئی تھی اور پھر خاموشی سے اٹھی اور لائٹ آف کر کے بیڈ کے دوسری سائیڈ پر آ کر لیٹ گئی تھی، مگر نیند جانے کیوں ان سیاہ آنکھوں سے روٹھ گئی تھی، اندر اس قدر سناٹا کیوں تھا وہ سمجھنے سے قاصر تھی جانے کس پہر بوجھل پلکیں رخسار پر گریں اور نیند کی وادیوں میں کھوتی چلی گئیں۔

☆..........☆..........☆

اس کی ابھی آنکھ ہی لگی تھی محسوس ہوا جیسے کوئی وزنی شے اس کے اوپر ہو اور دھیرے دھیرے اس کے چہرے

پر کسی کی پرتپش لمس کی حدت اس قدر زور آور تھی کہ اس کی آنکھ کھل گئی تھی، نائٹ بلب کی روشنی میں زرمیل کا چہرہ بہت واضح ہوا تھا، ان خوفزدہ سبز آنکھوں میں زرمیل نے اپنے سرمئی کانچ گاڑھ دیئے تھے۔

"اس دفعہ مجھے بیٹی چاہیے جو بالکل تمہارے جیسی ہو۔" اس فسوں بھری خاموشی میں نہایت دھیرے سے سرگوشی ہوئی تھی، ژالے کی تو جیسے جان مشکل میں پڑ گئی تھی، اس کا ایک ایک عضو کانپ رہا تھا، اس ٹھنڈک سے اس کی بے حد نزدیکی قربت سے اور اس پر اس کی بے باک گفتگو سے، ژالے نے تھوڑی ہمت کر کے اپنی ہتھیلی اس کے چوڑے سینے پر رکھ کر اسے ہٹانا چاہا، مگر زرمیل نے اپنی مضبوط ہتھیلی میں اس کا نازک ہاتھ قید کر لیا تھا۔

"اوں... ہوں... اب یہ ناممکن ہے کہ تم سے ایک لمحے کے لیے بھی دور رہوں، مجھ جیسے ڈاکو سخت جان کو تم نے محبت کی اتنی مضبوط زنجیر میں قید کر لیا ہے کہ نہ تو تم اس محبت سے چھٹکارا پا سکتی ہو اور نہ ہی میں یہ زنجیر توڑنا چاہوں گا۔" اس نے ہولے سے اپنے لب اس کے ہاتھ کی پشت پر رکھ دیئے تھے، ژالے کی تو سٹی گم ہوگئی اس نے تو تصور بھی نہیں کیا تھا کہ زرمیل اس کے بیڈروم میں اس کے بیڈ پر اس کے اتنے بھی قریب آ سکتا ہے، اسی پل دروازے پر دستک دی جانے لگی تھی، وہ جیسے ہوش کی دنیا میں آ گئی تھی زرمیل سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کرنے لگی تھی۔

"دروازے پر کوئی ہے زرمیل! پلیز چھوڑیں مجھے۔" اس نے اس کے پہاڑ جیسے وجود کو ہٹانا چاہا مگر اس میں تو معمولی سی بھی جنبش نہیں ہوئی تھی۔

"اف ہو یار! اس وقت کیوں ڈسٹرب کر دیا۔" زرمیل کے چہرے پر ہلکی سی بےزاری سی آئی تھی، وہ اس کے دوسرے سائیڈ پر لیٹا تھا، ژالے تیزی سے اٹھی مگر زرمیل نے اس کی کلائی تھام لی تھی، ژالے نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

"جو بھی ہے جلدی فارغ کر دو اسے۔" ژالے کچھ نہیں بولی اور اپنی کلائی اس کے ہاتھ سے چھڑائی، کیونکہ اس دوران دستک زور زور سے دی جانے لگی تھی، وہ آگے بڑھی دروازہ کھولا تو وہاں ثمرن تھی۔

"جی... ثمرن... بھابی! کہیے؟" وہ اس قدر ٹھنڈ میں بھی پسینے پسینے ہوگئی تھی، بیڈروم میں زرمیل کی موجودگی نے اسے اندر تک سہما دیا تھا۔

"ارے ژالے! تم اس قدر کانپ کیوں رہی ہو، سب خیریت تو ہے ناں؟" ثمرن اس کی حالت پر گھبرا گئی تھی، اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا جو بالکل سرد ہو رہا تھا۔

"ژالے! کیا ہوا تمہیں، تم ٹھیک ہو ناں، مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔"

"ارے... نہیں ثمرن بھابی! اصل میں ٹھنڈ بھی تو بہت ہے ناں۔" وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی، یہ ڈر بھی تھا کہ زرمیل کی موجودگی کا پتہ نہ چل جائے۔

"آر یو شیور کہ تم ٹھیک ہو؟" ثمرن کو تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

"جی... میں بالکل ٹھیک ہوں، مگر آپ اس وقت کیوں... خیریت ہے ناں سب؟" وہ جلد از جلد ثمرن کو فارغ کر کے زرمیل کو یہاں سے نکالنا چاہتی تھی، خدانخواستہ ارشد کو پتہ چل جاتا تو جانے کون سا طوفان آ جاتا۔

"ہاں دیکھو ذرا میرے ذہن سے بالکل ہی نکل گیا، میں یہاں رضا کی فیڈر لینے آئی تھی، وہ فیڈر کے لیے رو رہا ہے۔"

"وہ تو میں نے ماما کے بیڈروم میں رکھ دی تھی۔"

"اوکے میں لے لیتی ہوں، اب تم سو جاؤ۔" وہ مسکراتی ہوئی اس کا گال تھپتھپا کے چلی گئیں، ژالے نے جلدی سے دروازہ بند کر کے لاکڈ کیا اور دروازے سے ٹیک لگائے اپنے تیز دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھے آنکھوں کو سختی سے میچے اپنی غیر ہوتی حالت پر قابو پانے کی سعی کرنے لگی تھی، تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولیں تو سانسوں کی رفتار تھم سی گئی، زرمیل جو اسے ہی بغور تک رہا تھا بیڈ سے نیچے اترا اور آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا بالکل اس کے نزدیک آ کر ٹھہر گیا تھا، دونوں ہاتھ اس کے دائیں بائیں ٹکا کر اس کے چہرے پر جھکتا چلا گیا تھا، ژالے کی ٹانگیں بری طرح کپکپانے لگی تھیں، سبز آنکھوں میں نمی سی آ ٹھہری تھی، حد درجہ گوری رنگت میں سرخی سی گھلنے لگی تھی، گلابی ہونٹ الگ اس کے لمس سے تھرتھرا رہے تھے، سیاہ پلکوں کی جھالر لرزنے لگی تھی، زرمیل نے دل لوٹ لینے والا یہ منظر نہایت دلکشی سے دیکھا تھا اور پھر اس کی صاف شفاف گردن پر جھک کر اپنے دہکتے لب رکھ دیے، ژالے ریڑھ کی ہڈی تک سنسنا اٹھی تھی، زرمیل نے جھک کر اس کے نازک وجود کو کسی کانچ کی گڑیا کی طرح اپنے بازوؤں میں بھر لیا تھا، اور چلتا ہوا اسے بیڈ تک لا کر آرام سے لٹا دیا، وہ جو بیڈ روم میں معمولی سی بھی لیمپ کی روشنی تھی، وہ بھی ہاتھ بڑھا کے گل کر دی تھی، ژالے کی ہر مزاحمت اس کی مضبوط پناہوں میں دم توڑتی چلی گئی تھی۔

☆..........☆..........☆

نجمہ فجر کی نماز پڑھنے اٹھی تھیں، ان کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا، سوچا پہلے چائے کا پانی رکھ دیں، نماز میں ابھی ٹائم باقی ہے جب تک وہ فجر کی نماز ادا کریں گی، اتنی دیر میں چائے بھی تیار ہو جائے گی، وہ اپنے بیڈ روم سے باہر نکلیں، سامنے نظر اٹھی، زرمیل نیچے جا رہا تھا، وہ اپنے وائٹ ململ کے کرتے کے بٹن لگائے تیزی سے سیڑھیاں عبور کر گیا تھا، انھیں ژالے کا خیال آیا تھا وہ یقیناً انہی کے بیڈ روم سے نکلا تھا، وہ تیزی سے ژالے کے بیڈ روم کی سمت بڑھی تھیں، دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا تھا، نظر سیدھی بیڈ پر پڑی تھی بلینکٹ آدھا اوپر اور آدھا نیچے کارپٹ پر پڑا تھا، بیڈ کی چادر پر لاتعداد شکنیں پڑی ہوئی تھیں، انھوں نے ادھر ادھر دیکھا ژالے کہیں نہیں تھی، واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی، وہ واش روم میں تھی، نجمہ کے بہت سے سوچوں کے در کھل گئے تھے، وہ سمجھ گئی تھیں، ژالے کی بدلتی رنگت تو انھوں نے اسلام آباد سے آنے کے بعد ہی نوٹ کر لی تھی، مگر وجہ یہ ہوگی ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا، مگر بہر حال جو بھی تھا حالات سدھرنے کی نوید تھی، ان کے اندر ایک سکون سا تھا، ایک خوشگوار سا احساس پیدا ہوا تھا، وہ ہولے سے مسکراتی ہوئیں دروازہ بند کیے کچن میں چلی آئی تھیں۔

☆..........☆..........☆

گاڑی ایئر پورٹ کے لیے نکل گئی تھی، ریحان شیخ گاڑی ڈرائیو کرنے کے ساتھ ساتھ دانیہ سے باتیں بھی کر رہے تھے۔

"بابا! میں اب کبھی بھی پاکستان نہیں آؤں گی۔" وہ ابھی تک خوفزدہ اور سہمی ہوئی تھی۔

"ہاں بیٹا دانی! میرا بھی یہی خیال اور ارادہ ہے۔" انھوں نے نرمی سے مسکراتے ہوئے کہا تھا، راستے میں ہی بیکری پڑی تھی، ریحان شیخ نے گاڑی روک دی تھی۔

"میں ذرا کچھ اسنیکس اور کولڈ ڈرنک لے کر آتا ہوں آپ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا اور اپنے چکر میں مجھے بھی بھوکا رکھا ہوا ہے، فلائٹ میں ابھی دو گھنٹے باقی ہیں جب تک ہم کچھ کھا پی لیتے ہیں۔"

"اوکے بابا! اب تو واقعی مجھے بھی بھوک ستا رہی ہے آپ لے کر آ جائیے۔" اس نے چہرے پر صرف اپنے

عزیز از جان بابا کی خاطر زبردستی کی مسکراہٹ سجائی تھی، ورنہ دل اندر سے بہت گھبرا رہا تھا، عجیب عجیب سے واہمات اسے ڈرا رہے تھے جنھیں وہ ظاہر کر کے مزید ریحان شیخ کو اور پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی، ریحان شیخ گاڑی سے اتر کر اندر بیکری میں جا چکے تھے۔

"کم آن ہری اپ....!" اس کی طرف کا دروازہ کسی نے زوردار جھٹکے سے کھولا تھا، وہ بری طرح ڈر کے سامنے دیکھنے لگی تھی اور پھر جس آسیب سے وہ چھٹکارا پا کر بہت دور جا رہی تھی، وہی آسیب اس کے سامنے اپنے شکنجے کھولے کھڑا تھا، کہ لمحہ بھر بھی نہ لگے اور وہ اپنے مضبوط شکنجے میں جکڑ لے گا۔ سامنے آفریدی کھڑا نہایت غصے سے اسے دیکھ رہا تھا، دانیہ نے کچھ دیر یقینی بے یقینی نظروں سے اسے دیکھا تھا، زبان تو ویسے ہی تالو سے جا چپکی تھی، اس نے رخ موڑ کے بیکری کی طرف دیکھا تھا کہ ریحان شیخ آ جائیں اور اسے اس آسیب سے بچا لیں۔

"جلدی کرو....!" آہستہ سے دھاڑا تھا۔ لمبے چوڑے آفریدی کے آگے بھلا اس کا نازک وجود کیا معنی رکھتا تھا، وہ اپنا بچاؤ کیسے کر سکتی تھی۔

"اوپس....سوری میں تو بھول ہی گیا کہ تم ایک....!" آفریدی نے جو اشارہ کیا تھا وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی، آفریدی نے جس طرح اس کی کمزوری کا مذاق اڑایا تھا، اس سے شدید ترین نفرت محسوس ہوئی تھی اور اس سے پہلے کہ دانیہ کوئی کارروائی کرتی آفریدی نے ہاتھ بڑھا کر اسے ایک جھٹکے سے کھینچا اور کسی موم کی گڑیا کی طرح وہ اس کے بازوؤں میں سما گئی تھی۔

"چھوڑو مجھے.... جنگلی وحشی جانور....چھوڑو مجھے!" وہ خوب اس کو مکوں سے مار مار کے اس کو گالیوں سے نواز رہی تھی، آفریدی جس کے چہرے پر چٹانوں جیسی سختی تھی، وہاں معمولی سی مسکراہٹ در آئی تھی۔

"آج تمہیں اس جنگلی، وحشی جانور کا ثبوت بھی ملے گا۔" اسے اپنی گاڑی میں پٹخ کے اس کی طرف کا دروازہ لاکڈ کیے تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان ہوا اور زن سے گاڑی بھگا لے گیا تھا۔ ریحان شیخ کچھ شاپر ہاتھ میں لیے واپس آئے دیکھا گاڑی خالی تھی، پچھلی سیٹ پر دانیہ کی بیساکھی رکھی ہوئی تھی، مگر دانیہ گاڑی میں نہیں تھی شاپر ان کے ہاتھ سے گر گئے تھے، وہ صحیح معنوں میں پریشان ہو گئے تھے۔

"دانی....دانی بیٹی!" وہ ادھر ادھر دیکھنے لگے، کئی آتے جاتے لوگوں سے پوچھا بھی مگر سب نے لاعلمی کا اظہار کر دیا تھا، بالآخر ایک شخص نے بتایا۔

"کوئی آدمی آیا تھا لمبا چوڑا، گورا چٹا سا وہ آپ کی بیٹی کو زبردستی گاڑی سے اٹھا کر لے گیا ہے۔" ریحان شیخ سیکنڈ میں سمجھ گئے کہ ہو نہ ہو وہ آفریدی ہی ہوگا، ان کے جسم میں لہو لاوا بن کر دوڑنے لگا تھا، بس نہیں چل رہا تھا کہ اس وقت آفریدی سامنے ہو اور وہ اس کا ریشہ ریشہ الگ کر دیں، اس کے جسم کے اتنے ٹکڑے کریں کے کئی جنم لگ جائیں مگر وہ اپنے جسم کے ٹکڑے ہی نہ گن سکے، وہ بہت کچھ سوچتے ہوئے تیزی سے گاڑی میں بیٹھے گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے وہاں سے نکلے تھے۔

دانیہ کی آنکھ کھلی تو خود کو کسی نرم گرم بستر میں پایا تھا، ملائم سا بلینکٹ اس کے اوپر تھا، اس نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا تو کمرے میں اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا، گزرا لمحہ اس کی کٹورا آنکھوں میں کسی فلم کی طرح چلنے لگا تھا، آخری منظر یاد آیا جب آفریدی نے اسے گاڑی میں ڈالا تھا تو وہ لاکڈ کو توڑنے کی کوشش کر رہی تھی آفریدی نے اسے اپنی جانب کھینچا تو اس کا سر اس کے چٹان جیسے مضبوط شانے سے لگا تھا، وہ تو پہلے ہی بھوکی تھی اوپر سے آفریدی نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ وہ خود کو سنبھال ہی نہیں سکی تھی، اور عقل و خرد کھوتی چلی گئی تھی، بہت جلد

یہ احساس بھی ہوگیا کہ آفریدی نے اسے اغواء کرلیا ہے۔ اس نے تیزی سے بلینکٹ کو خود سے دور پھینکا جیسے وہ کوئی اچھوت ہو بڑی مشکل سے وہ بیڈ سے نیچے اتری تھی۔ آج اس کے پاس اس کی بے ساکھی نہیں تھی، جس کا اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا، بیڈ کے سہارے سے کھڑی ہوئی اور ایک پیر کے سہارے سے گرتی پڑتی وہ کمرے سے باہر تو نکل ہی گئی تھی سامنے ہی ٹی وی لاونج تھا فل اسکرین کا ٹی وی آف تھا وہاں بھی کوئی نہیں تھا، اس نے ادھر ادھر گردن گھما کر نظریں دوڑائی تھیں، برابر میں ایک کمرہ تھا جس کا دروازہ آدھا کھلا تھا۔

''کیا آفریدی وہاں ہوگا؟'' سب سے پہلا خیال یہی ذہن میں کوندا تھا اور اس خیال سے اس کے خون اس کی رگوں میں نفرت کی شدید لہر دوڑی تھی، دل نے شدت سے گواہی دی کہ آج اسے اس جہاں سے ختم ہی کردے، وہ آہستگی سے چلتی ہوئی دیوار کا سہارا لیے ڈر و خوف کے زیر اثر اس کمرے تک پہنچی، ایک جستجو بھی تھی کہ آخر وہ اس کمرے میں کر کیا رہا ہے، اس کی نظر سائیڈ میں رکھے آئرن مرر پر پڑی جہاں ایک بھاری سا شوپیس رکھا ہوا تھا، وہ اس نے اٹھالیا تھا تا کہ اپنے بچاؤ کے لیے کچھ تو کر سکے وہ سہارے سے چلتی ہوئی کمرے کے اندر آگئی تھی، کمرے میں ہلکی سی روشنی تھی کمرہ خالی تھا مگر نہیں وہاں کوئی تھا، اور شاید نہیں یقیناً بیڈ پر کوئی تھا، وہ دیوار پکڑتی بیڈ تک آہی گئی تھی، بیڈ پر کوئی بلینکٹ ڈالے سو رہا تھا، وانیہ نے بغور وہ چہرہ تکا تھا۔ چھوٹا سا نازک سا چہرہ تھا اور کسی زمانے میں یقیناً یہ چہرہ ہوش ربا حسن رکھتا ہوگا جسے آج وقت کی گرد و غبار نے کملا دیا تھا، وانیہ بہت غور سے یہ چہرہ تک رہی تھی، ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اپنا کل دیکھ رہی ہو، وہ چہرہ اس کے چہرے سے بہت مشابہت رکھتا تھا، اور سب سے حیرت انگیز بات کہ اس کی صراحی دار گردن اور اس پر ایک کالا تل بالکل اسی جگہ تھا جہاں اس کے تھا وہ اور آگے بڑھی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ بیڈ پر بیٹھتی کسی نے اس کے منہ پر سختی سے اپنی ہتھیلی رکھ دی تھی، کہ اس کا سانس گھٹنے لگا تھا اس کے ہاتھ سے شوپیس گر گیا تھا، جس کی آواز کارپٹ کی وجہ سے دب گئی تھی، آفریدی، وانیہ کو گھسیٹتا ہوا اس کمرے سے نکال کر واپس اسی کمرے میں لے آیا تھا اور نہایت جارحانہ انداز میں اسے فرش پر بچھے قالین پر پھینک دیا تھا۔ اسے غصے سے ایک نظر دیکھنے کے بعد اس نے دروازہ بند کیا تھا، آج ان بلوریں آنکھوں میں اس نے پہلی بار انتقام کی ہوس دیکھی تھی، ورنہ جتنی بار بھی وہ اس سے ملا تھا اپنے لیے نفرت و حقارت کے سوا کچھ نہیں دیکھا تھا، مگر آج اس کا انداز بالکل ہی الگ تھا وانیہ کا دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا، وہ پل بھر میں سمجھ گئی تھی کہ آفریدی کے کیا ارادے ہیں اس کے نین کٹوروں سے آبشار کی طرح آنسو بہنے لگے تھے، اسے آج اپنی عزت محفوظ نہیں لگ رہی تھی۔

''نہیں خدا کے لیے مجھے جانے دو، میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں، تمہیں اللہ رسول کا واسطہ دیتی ہوں مجھے جانے دو۔'' وہ گڑگڑا کر فریاد کر رہی تھی، اپنی عزت و نسوانیت کی بھیک مانگ رہی تھی، خود کو بچانے کے لیے وہ ہتھیلیوں کے بل سے پیچھے سرکتی جا رہی تھی، مگر آفریدی پر آج بدلہ لینے کا جنون سوار تھا، جس دہکتی آگ میں وہ برسوں سے جل رہا تھا، آج اس کی چنگاریوں سے اس کا وجود بھی خاکستر کر دینے کے در پر تھا، ہونٹوں پر خباثت سے بھرپور مسکراہٹ چہرے پر پراسراری چمک لیے وہ اس کے قریب بڑھ رہا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے تم مجھے اتنے واسطے دوگی اور میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔'' کتنی طنزیہ ہنسی تھی اس کی، کہ وہ اندر تک خوفزدہ ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کا پیر پکڑ کر اپنے نزدیک کھینچا تھا، وہ ٹھہری کمزور اپاہج بھلا کہاں اس دیو ہیکل مرد کا مقابلہ کر سکتی تھی، کھنچتی چلی آئی اور اس کے چٹان جیسے وجود سے بری طرح ٹکرائی تھی، محسوس تو یوں ہوا جیسے اس پہاڑ سے ٹکرا کر وہ خود پاش پاش ہوگئی ہو۔

''بھاگ رہی تھی..... مجھ سے بھاگ رہی تھی وہ بھی لندن.... تمہیں کیا لگتا ہے یہ سب اتنا آسان ہے، مجھ سے چھٹکارا پانا بہت آسان ہے؟'' آفریدی نے سختی سے اس کے بال اپنی مٹھی میں دبوچے تھے کہ وہ کراہ کے رہ گئی۔

''تمہارا باپ ریحان شیخ.... اونہہ.... وہ بزدل انسان جب میرا سامنا نہ کر سکا تو تمہیں لے کر لندن فرار ہو رہا تھا، وہ سمجھتا ہے آفریدی کوئی کمزور انسان ہے جو اس کی طرح گیدڑ بھبکیاں ہی دیتا ہے، مگر آج میں اسے سبق سکھاؤں گا کہ بدلے کی اس آگ میں جھلستا آفریدی کیا کر سکتا ہے۔'' آفریدی نے موم کی گڑیا کی طرح اسے اپنے بازوؤں میں اٹھایا تھا اور اپنے جہازی سائز بیڈ پر نہایت ہی بری طرح پٹخ دیا تھا، وانیہ تکلیف سے بلبلا کے رہ گئی وہ اپنے بچاؤ کے لیے دوسری سائیڈ سے اترنے کے لیے آگے بڑھی، مگر اس سے پہلے ہی آفریدی نے اس کا بازو پکڑ کے بھیڑیے سے پنجا تھا، اور اس کے سینے پر پڑے دوپٹے کو کھینچ کر پیچھے قالین پر پھینک دیا تھا، وانیہ کی تو جیسے جان ہی نکل گئی تھی، اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیے تھے۔

''نہیں خدا کے لیے نہیں، یہ گناہ مت کرو۔'' وہ بلک بلک کر عاجزی سے بولی تھی۔

''گناہ.....!'' وہ ہنسا تو ہنستا ہی چلا گیا تھا۔

''شکر ادا کرو مسز آفریدی کہ یہ گناہ نہیں ہے۔'' اور پھر مزید اس کی کچھ سنے زور سے اسے جو دھکا دیا تو وہ پیچھے کی سائیڈ پر گری تھی، سائیڈ ٹیبل پر رکھی تمام چیزیں اس کے ہاتھ مارنے سے نیچے گرتی چلی گئی تھیں، آفریدی اس پر جھکتا چلا گیا تھا، کتنی مزاحمت کرتی کہاں تک مقابلہ کرتی وہ چھوٹی سی موم کی گڑیا کانچ سے بنا نازک سا دل اس کے احساسات و جذبات سب اس کی ہوس و انتقام کا نشانہ بن گئے تھے اور پھر چند ہی گھنٹوں میں سب کچھ ختم ہوگیا تھا، اس کا غرور و انا اس کا اعتماد اس کی عزت و آبرو اس کی نسوانیت سب کچھ یہاں تک کہ اس کا وجود ہی نہیں اس کی روح کو بھی آفریدی نے اپنے پیروں تلے بری طرح کچل ڈالا تھا، اس کی ذات مجروح ہو کر رہ گئی تھی، وہ ٹوٹتی چلی گئی اس کا ایک ایک ریشہ بکھرتا چلا گیا تھا، وہ اب زمانے کے سامنے نظر اٹھا کر چلنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

''اے کاش.....! اسی پل زمین پھٹتی اور وہ اس میں زندہ دفن ہو جاتی۔'' آفریدی کا آج انتقام پورا ہوگیا تھا، اس کا مقصد انجام کو پہنچ گیا تھا، اس نے وانیہ کو بیڈ سے نیچے کسی کچرے کی طرح پھینک دیا تھا، جیسے اب اس کی کوئی حیثیت کوئی وقعت نہیں رہی تھی۔

''جاؤ جا کر اپنے باپ سے کہہ دینا کہ جس طرح بیس سال پہلے اس نے شہلا آفریدی کو توڑ پھوڑ کے پھینک دیا تھا، آج اس کی گڑیا بھی اسی طرح ٹوٹ کر بکھر گئی ہے۔'' نفرت سے بھری ایک نظر اس پر ڈالتا وہ واش روم میں گھس گیا تھا، مگر وہ سن کہاں رہی تھی وہ اپنے حواسوں میں ہوتی تو سنتی، عقل و خرد سب گنوائی چلی گئی تھی، کمرے کی ہر شے دھندلی سی لگنے لگی تھی، سب کچھ جیسے گول گول گھوم رہا ہو، اور گھپ اندھیرے میں کھوتا چلا جا رہا ہو، ذہن کی اسکرین بالکل بلینک ہو چکی تھی، آنکھوں سے بھی سارے آنسو خشک ہو گئے تھے، گلا تو پہلے ہی چیخ چیخ کر دکھ گیا تھا، بلکہ شاید زخم بھی پڑ گئے تھے، دھیرے دھیرے آنکھیں بھی بند ہونے لگی تھیں، ہر شے سے بیگانہ وہ اپنے سارے ہوش و حواس کھوتی چلی گئی تھی، جسم سے لگتا تھا روح بھی پرواز کر گئی تھی، اس کی آتی جاتی تھم تھم کر چلتی سانسیں بھی رک گئی تھیں، دل دھڑکنا بند ہو گیا تھا، آنکھوں کی پتلیوں پر اگر کوئی عکس نمودار ہوا تھا تو وہ تھا اس کے چہیتے باپ ریحان شیخ کا۔ پھر وہ نہیں جانتی کہ آگے کیا ہوا اس کے ساتھ۔

☆..........☆..........☆

وہ صبح اٹھی برابر میں دیکھا عارفین کروٹ لیے بلینکٹ سر تک اوڑھے بے خبر نیند کے مزے لوٹ رہا تھا، وہ اٹھی تھی واش روم میں گئی منہ ہاتھ دھو کر وہ باہر نکلی عارفین ابھی تک اسی پوزیشن میں سو رہا تھا، ایک مسکراتی نظر اس پر ڈالتی وہ باہر نکل آئی تھی، رابعہ کچن میں تھیں وہ وہیں چلی آئی، آج چونکہ سنڈے تھا وہ حلوہ پوری کا ناشتہ بنا رہی تھیں، آہٹ پر رابعہ نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

''السلام علیکم!'' مقسوم آگے بڑھی اور ادب و احترام سے سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام! جیتی رہو صدا سہاگن رہو۔'' انھوں نے مسکرا کے جواب کے ساتھ دعا دی تو مقسوم ان کی دعا پر جھینپ کے رہ گئی تھی۔

''کیا ہوا اچھی نہیں لگی میری دعا؟'' رابعہ نے اس کا جھینپا جھینپا سا چہرہ دیکھا تھا۔

''ارے نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ گڑبڑا کے رہ گئی، اب ظاہری بات تھی، عارفین اور اس کے درمیان کیا چل رہا تھا وہ تو نہیں جانتی تھیں۔

''اچھا یہ بتایئے آپ کیا کر رہی ہیں؟'' اس نے میدے سے بنے پیڑوں کو دیکھا جو رابعہ نے بنا کے رکھے تھے، چولہے پر آلو کی سبزی اور دوسرے پر حلوہ چڑھایا ہوا تھا۔

''آج چونکہ سنڈے ہے اس لیے عارفین کا پسندیدہ ناشتہ بنا رہی ہوں، قیمے کی کچوری، سوجی کا حلوہ، چھولے آلو کا سالن اور میدے کی پوریاں۔''

''اف اللہ... اس قدر آئلی ناشتہ۔'' مقسوم نے حیرت سے ملی جلی کیفیت سے انھیں دیکھا تھا، اس کے انداز پر رابعہ ہولے سے مسکرا دیں۔

''تمہیں یہ سب نہیں پسند؟''

''سچ بولوں مائنڈ تو نہیں کریں گی؟'' ڈر بھی تھا کہ رابعہ برا نہ مان جائیں۔

''ماں اپنے بچوں کی کسی بات کا برا نہیں مناتی، تم بولو!'' انھوں نے شفقت سے اسے دیکھا تھا۔

''ایکچوئلی میں اتنا ہیوی اور آئلی فوڈ نہیں کھاتی ہوں۔'' ڈرتے ڈرتے کہا۔

''بس اتنی سی بات؟''

''جی...!'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی تھی۔

''کوئی بات نہیں پہلے نہیں کھاتی تھیں، مگر اب کھانا پڑے گا، کیونکہ تمہیں اب ایک نسل کو پروان چڑھانا پڑے گا۔'' انھوں نے پیار سے اس کا گال تھپتھپایا تھا۔

''میں سمجھی نہیں۔''

''آ جائے گی سمجھ فی الحال تو یہ سب پلیٹ میں نکال کے ٹیبل پر رکھو اور عارفین کو بھی بلا لو۔''

''جی بہتر۔'' مقسوم نے جلدی جلدی سارا ناشتہ قرینے سے ٹیبل پر چن دیا تھا اور رابعہ کے کہنے پر دوبارہ بیڈ روم میں آئی تھی، عارفین اٹھ چکا تھا واش روم میں تھا پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی وہ نہا رہا تھا، وہ جب تک بیڈ پر پڑا بلینکٹ تہہ کرنے لگی تھی، اسی اثناء میں اس کا موبائل بجنے لگا تھا، مقسوم نے بلینکٹ کو چھوڑا اور موبائل اٹھایا جہاں اسکرین پر ''سومی کالنگ'' جگمگا رہا تھا، اس نے بے صبری سے موبائل آن کر کے کان سے لگایا تھا۔

''ہیلو... سومی!'' اس نے بے تابی سے پکارا تھا۔

''ہاں مقسوم! میں بات کر رہی ہوں سومی، کیسی ہو تم؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں، تم سناؤ تم کیسی ہو اور کہاں ہو؟'' اس دوران عارفین بھی واش روم سے نکل کر آ گیا تھا، مقسوم پر نظر پڑی وہ موبائل پر کسی سے بات کر رہی تھی، بہت ایکسائیٹڈ لگ رہی تھی، وہ سمجھ گیا تھا فون کے اس پار کون بات کر رہا ہوگا، وہ بے زاری شکل بنائے ٹاول سے بال رگڑتا ڈریسنگ ٹیبل کے پاس آ ٹھہرا تھا۔

''میں بھی بہت خوش ہوں اور ٹھیک ہوں، یہیں پاکستان میں ہوں اور تم سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''ہاں سومی! مجھے بھی تم سے ملنا ہے بلکہ ایک کام کرو، تم میرے پاس آ جاؤ، مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔''

''آل رائٹ کہاں رکی ہو تم، مجھے ایڈریس بتاؤ میں آ ؤں گی۔''

''ایڈریس....!'' مقسوم نے ادھر ادھر دیکھا ڈریسنگ ٹیبل کے آگے عارفین کھڑا تھا۔

''جسٹ اے ون منٹ۔'' وہ تیزی سے عارفین کے پاس آئی تھی، موبائل کے اسپیکر پر ہاتھ رکھا۔

''پلیز عارفین! اس گھر کا ایڈریس بتا دیں۔'' عارفین نے پہلے بغور اس کے چہرے سے چھلکتی خوشی کو دیکھا پھر ایک سانس بھرتا ہوا دراز سے پین اور ڈائری نکالی تھی اور اس کے ایک سادے کاغذ پر اس گھر کا ایڈریس گھسیٹا۔

''تھینک یو!'' مقسوم اس کا سپاٹ چہرہ دیکھے بغیر سومی کو ایڈریس سمجھانے لگی تھی۔

''ٹھیک ہے مقسوم! میں بہت جلد تم سے ملنے آؤں گی، میرا انتظار کرنا۔''

''او کے آئی ویٹ فار یو! اینڈ یہ گڈ نیوز میں عارفین کو بھی سناتی ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے موبائل آف کر دیا تھا، اس کے چہرے پر بے انتہا خوشی کے رنگ تھے، گالوں پر پڑتا ڈمپل اس کی مسکراہٹ سے مزید گہرا ہو گیا تھا، عارفین کی نگاہیں تو ویسے بھی اس کے سندر مکھڑے پر ٹھہری ہوئی تھیں، مزید اس کا دل اس کے رخسار پر پڑتے ڈمپل میں کھو سا گیا تھا، دل نے شدت سے گواہی دی کہ کوئی ہلکی سی شرارت کی جائے، مگر اپنے نفس پر قابو پانا اسے آتا تھا۔

''عارفین! آپ کے لیے ایک خوشخبری ہے۔''

''ریئلی... تم مجھے خوشخبری سناؤ گی؟'' عارفین دونوں ہاتھ سینے پر باندھے پرشوخ نظروں سے اسے تکنے لگا تھا، کیونکہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ سومی کا ذکر فی الحال اس وقت سن کر اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مقسوم پہلے تو نہیں سمجھی جب عارفین کی بات کا مطلب سمجھ میں آیا تو بری طرح جھینپ کر رہ گئی تھی۔

''عارفین! میرا وہ مطلب نہیں تھا۔''

''تو پھر کیا مطلب تھا جان عارفین!'' وہ ایک قدم اور آگے بڑھا تھا، اسے دیکھ کر اس پر شوخیاں سی سوار ہونے لگی تھیں۔

''دیکھیے آپ... مجھ سے اس طرح کی گفتگو مت کریں۔'' وہ اس کے اس جملے سے حیا سے سرخ پڑ گئی تھی، شرم کے مارے گھنیری پلکیں بھی لرزنے لگی تھیں، رخسار پر پڑتا ڈمپل مدہم پڑنے لگا تھا۔

''تو پھر کیسی گفتگو کروں تم ہی بتا دو۔'' وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

''میں آپ کو یہ بتانے والی ہوں کہ سومی آ رہی ہے۔'' اس نے خائف نظروں سے عارفین کو دیکھا جو آنکھوں میں شوخیوں کا ایک جہاں آباد کیے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اچھا...!'' عارفین نے ''اچھا'' کو ایک سانس بھر کر ذرا لمبا کھینچا تھا۔

''تو بالآخر ان چار ماہ کے عرصے میں محترمہ سوی صاحبہ کو آپ سے ملنے کا خیال آ ہی گیا۔'' ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ لیے وہ دلکشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ہوسکتا ہے وہ کسی مجبوری میں پھنس گئی ہوگی۔'' دبے دبے لفظوں میں اس کی وکالت کر رہی تھی۔

''اور ویسے بھی ہمارے بیچ یہ طے ہوگیا تھا کہ سوی آ جائے گی تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی کہ بہرحال آپ سوی کی امانت ہیں۔'' اس نے نگاہوں کا رخ ہی پھیر لیا تھا، جانے کیوں دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔

''یہ تو اب سوی صاحبہ کے سامنے آنے پر ہی پتہ چلے گا کہ ایسی کون سی مجبوری تھی کہ نہ صرف اپنی شادی چھوڑ کے بھاگ گئی تھیں، بلکہ اپنے والدین کی عزت پر بھی بٹہ لگا گئی تھیں۔''

''پلیز آپ میری دوست کے لیے ایسے بے ہودہ الفاظ استعمال مت کریں۔'' وہ برا مان گئی تھی۔

''آفرین ہے ایک تم پر اور ایک تمہاری دوست پر۔'' وہ مذاق اڑانے لگا تھا۔

''دیکھیے اب آپ زیادتی کر رہے ہیں۔'' وہ غصے میں آ گئی تھی، اور اپنی انگشت شہادت اس کی طرف اٹھائی تھی، عارفین نے ان سیاہ آنکھوں میں جھانکا جہاں غصہ جھلک رہا تھا۔

''تم زیادتی کرنے دے کب رہی ہو؟'' اس نے اس کی اٹھی انگلی پکڑ لی تھی۔

''اُف...!'' وہ کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی تھی۔

''آپ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔'' اس نے ایک جھٹکے سے اپنی انگلی کھینچی اور پیر پٹخ کر جانے لگی کہ عارفین نے اس کی مرمریں کلائی کھینچی تو وہ کسی ٹوٹی ڈال کی طرح اس کے کسرتی بازو سے لگی تھی۔

''لگتا نہیں ہے کہ تم لندن جیسے آزاد ماحول میں بڑھی پلی ہو۔'' نہایت ہولے سے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے اس کی جھکی جھکی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

''کیا مطلب؟'' بمشکل پلکیں اوپر اٹھائی تھیں۔

''مطلب یہ کہ تمہاری کوئی بھی ناز و ادا لندن کے شہری جیسی نہیں ہیں۔'' عارفین کی گہری بات کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی اور بمشکل خود کو سنبھالتے ہوئے اپنے آپ کو اس کی گرفت کے حصار سے چھڑایا تھا۔

''میں آپ سے سوی کی بات کر رہی ہوں اور آپ بات کا رخ کہاں سے کہاں لے جا رہے ہیں۔''

''یعنی کہ تم نے تہیہ کرلیا ہے کہ تمہیں میرا خوشگوار موڈ خراب کرنا ہے۔'' عارفین نے اس سے دو قدم پیچھے ہٹ کر سینے پر دونوں ہاتھ باندھے بغور اسے دیکھا تھا، مقسوم کچھ نہیں بولی تھی صرف خاموشی سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی، عارفین نے اس کی خاموشی پر ایک لمبی سانس کھینچی تھی۔

''اچھا چلو تم مجھے خود ہی بتا دو کہ جو لڑکی اپنی شادی کے عین ٹائم پر بھاگ جاتی ہے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے جسے نہ مہمانوں کا خیال تھا نہ ہی اپنے والدین کی عزت کا اور اس پر مہا کمال کہیں یا دیدہ دلیری کہ اپنی جگہ اپنی فرینڈ کو بٹھا دیتی ہے اور پھر زبردست بات یہ کہ وہ چار ماہ بعد واپس بھی آ رہی ہے تو تم مجھے بس اتنا سمجھا دو کہ اس میں خوشخبری کیا ہے؟''

''یہ کیا آپ بار بار ''بھاگ گئی بھاگ گئی'' کا لفظ استعمال کر رہے ہیں آپ کو اس طرح میری دوست کی انسلٹ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔'' وہ خاصا برا مان گئی تھی بلکہ منہ بنا کر اس کی سمت سے رخ ہی پھیر گئی تھی، جس پر عارفین دھیرے سے ہنس دیا تھا۔ اتنے بڑے لیکچر میں اس نے صرف ''بھاگ گئی'' کے لفظ پر ہی غور کیا تھا۔

''بہت حیرت ہوتی ہے مجھے تم پر، بقول تمہارے ہی کہ تمہاری فرینڈ تمہیں یہاں پھنسا گئی ہے، پھر بھی تم اس کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتی ہو۔''

''ہاں! تو اس میں غلط کیا ہے اور آپ اسے اتفاق کہہ لیں یا پھر میری بدقسمتی کہ میں یہاں اس کی جگہ پر ہوں، مگر یہ بھی سچ ہے کہ اسے یقیناً کوئی بڑی مجبوری رہی ہوگی ورنہ کوئی بھی لڑکی اپنی شادی کے عین ٹائم پر نہیں جاتی ہے۔''

''خیر بدقسمتی تو نہیں مگر ہاں اتفاق ضرور کہہ سکتی ہو، وہ بھی حسین اتفاق خاص کر میرے لیے۔'' اس نے جھک کر اس کے کان کے پاس آ کر کہا تھا، مقسوم بڑی طرح گھور کر دیکھنے لگی تھی۔

''او کے بابا سوری! اس طرح گھورو تو مت، نہایت کمزور دل واقع ہوا ہوں، ہارٹ اٹیک ہی نہ ہو جائے۔'' صاف لگ رہا تھا وہ مکمل مذاق کے موڈ میں ہے سیریس بالکل نہیں ہے، مقسوم نے بھی کچھ کہنا بے وقوفی ہی سمجھا تھا اور گردن ادھر ادھر نفی میں کرتی وہاں سے ہٹ جانا ہی بہتر سمجھا تھا۔

''اچھا یار! سوری بول رہا ہوں ناں۔'' عارفین اس کا ارادہ بھانپ کر تیزی سے اس کی راہ میں حائل ہوگیا تھا۔

''چلو سیریس ہوتے ہیں، آئی سوئیر اب کچھ اول فول نہیں بولوں گا۔'' اس نے باقاعدہ اپنے دونوں کان پکڑ لیے تھے۔

''میں تو سیریس ہی ہوں آپ کو ہی بلاوجہ کا مذاق سوجھ رہا ہے۔''

''او کے بابا! کہا ناں اب میں بالکل سیریس ہوں، چلو بولو! کیا بول رہی تھیں تم؟'' مقسوم اس کی اداکاری پر خائف نظروں سے دیکھنے لگی، جو عارفین نے فوراً نوٹ کرلیا تھا۔

''اوہ.... شاید میں پھر کچھ غلط بول گیا یقیناً مجھے کورنش بجا کر عزت و احترام سے پوچھنا چاہیے تو....!'' عارفین نے اپنا ایک ہاتھ پشت پر ایک ہاتھ سینے پر رکھا اور آنکھیں جھکائے، ادب سے اس کے آگے جھکا تھا۔

''مسز عارفین! آپ کی بیسٹ فرینڈ مقسوم اظہر عرف سوی جو کہ چار ماہ پہلے اپنی شادی کے عین ٹائم پر کسی بہت بڑی مجبوری کے تحت کہیں تشریف لے گئی تھیں، وہ اب چار ماہ بعد ہمارے گھر میں آج یا کل قدم رنجہ فرمائیں گی، تو آپ مجھے حکم دیجیے کہ میں سوی صاحبہ کی کیا خاطر داری کرسکتا ہوں۔'' اس کے طرز انداز پر اس کے اتنے گاڑھے جملوں پر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ منہ پر ہاتھ رکھے ہنسنے لگی تھی۔

''عارفین! آپ نہایت ہی برے ہیں آپ سے بات کرنا بہت فضول ہے۔'' عارفین اس کی ہنسی پر سیدھا کھڑا ہوگیا تھا، اس کا مطلب تھا وہ ناراض نہیں تھی۔

''ارے مقسوم بیٹا! کہاں رہ گئے تم لوگ، ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' اتنے میں رابعہ کی آواز آ گئی تھی۔

''بس ابھی آ رہے ہیں۔'' مقسوم نے دروازہ کھول کے آہستہ سے انھیں جواب دیا پھر پیچھے پلٹ کر عارفین کو دیکھا جو دلکشی سے بغور اسے مسکرا کے دیکھ رہا تھا۔

''ناشتے کے لیے بلانے آئی تھی جانے آپ نے مجھے کہاں الجھا دیا اب چلیے ناشتہ سارا ٹھنڈا ہوگیا ہوگا، میں پھر سے گرم کر دیتی ہوں۔'' الٹا اسے موردِ الزام ٹھہرا کے فوراً کمرے سے باہر نکلی تھی، عارفین بھی اس کے پیچھے مسکراتا ہوا کوئی انگریزی دھن گنگناتا آ رہا تھا۔

''اتنی دیر کردی تم دونوں نے، میں نے ناشتہ دوبارہ گرم کر کے رکھ دیا ہے، اب جلدی سے آ جاؤ!'' رابعہ اپنی چیئر سنبھال چکی تھیں۔

”امی! میں کر دیتی آپ کو تکلیف اٹھانی پڑی۔“ مقسوم کو شرمندگی نے گھیر لیا۔

”کوئی بات نہیں اور تکلیف کیسی اپنی اولاد کا کام کرنا تکلیف تھوڑی ہوتی ہے۔“ انھوں نے محبت سے اسے دیکھا تھا، مقسوم ہولے سے مسکرا دی تھی کبھی کبھی تو سوی کی قسمت پر رشک کرتی تھی کہ وہ اتنی ساری پرخلوص محبتوں کی مالک ہے، پھر اداس بھی ہو جاتی کہ بہر حال اسے ایک نہ ایک دن یہاں سے چلے ہی جانا تھا، مگر وہ ان بہت ساری محبتوں کے سہارے اپنی زندگی گزار دے گی۔

”اب کیا سوچنے لگیں؟“ رابعہ نے اس کے پرسوچ چہرے کے آگے ہاتھ لہرایا تھا، عارفین نے بھی بغور دیکھا تھا اس کو، اور وہ جانتا تھا کہ مقسوم اس وقت کیا سوچ رہی ہے۔

اس جیسی بے وقوف اور معصوم لڑکی عارفین نے دنیا میں کہیں نہیں دیکھی تھی، جو اپنا شوہر اپنی بیسٹ فرینڈ کی جھولی میں ڈالنے کے درپے ہے۔

”نہیں کچھ بھی تو نہیں۔“ وہ چونک کر رہ گئی۔

”تو پھر ناشتہ کرو۔“

”جی....!“ اس نے ٹیبل پر سے صرف ایک کپ چائے اور ڈبل روٹی کا ایک پیس اٹھا لیا تھا۔

”مقسوم بیٹا! یہ جو اتنا سارا ناشتہ میں نے بنایا ہے، کس کے لیے بنایا ہے؟“ رابعہ نے اس کو ڈبل روٹی پر مکھن کی ہلکی سی تہہ لگاتے دیکھا۔

”امی! اصل میں، میں واقعی اتنا ہیوی اور آ ئلی بریک فاسٹ نہیں کر سکتی۔“ وہ منمنائی تھی۔

”ایک بات تو بتاؤ! وہاں لندن میں تمہاری کیا خوراک تھی؟“ عارفین نے پوری کا ایک نوالہ توڑ کر حلوے سے لگا کر منہ میں رکھتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

”وہاں میں صبح گرم کافی کے ساتھ ایک یا دو بسکٹ کھا لیا کرتی تھی، پھر دوپہر میں نوڈلز یا برگر کھا لیا اور رات کا کھانا ویسے تو اکثر گول کر جاتی تھی، مگر جینی مم دودھ کا ایک گلاس زبردستی پلا دیتی تھیں۔“ اس نے تفصیل سے اپنی روٹین بتائی تھی۔

”حیرت ہو رہی ہے کہ تم اب تک زندہ کیسے ہو؟“ عارفین نے مسکراتے ہوئے دیکھا۔

”مطلب...؟“

”مطلب یہ کہ ایسی غذا لیتی تھیں اسی لیے تمہارا یہ حال ہے۔“ عارفین نے اس کے دھان پان سے وجود پر بھرپور نظر ڈالی تھی، مقسوم اس کے یوں دیکھنے پر پزل سی ہو گئی تھی۔

”اف....اوہ عارفین! کنفیوژ کر دیا تم نے مقسوم کو۔“ رابعہ نے عارفین کو مزید بولنے سے پہلے ٹوکا اور ایک پلیٹ میں سالن نکال کر مقسوم کے آگے کیا، جبکہ عارفین اس کے آگے سے ڈبل روٹی اور چائے ہٹا کر سالن کی پلیٹ مزید آگے کر چکا تھا۔

”پہلے جو کھاتی تھیں وہ کھاتی تھیں مگر اب تمہیں ان سب کھانوں کی عادت نہ صرف ڈالنی ہے بلکہ بہت اچھی کوکنگ بھی سیکھنی چاہیے۔“ رابعہ نے ایک اور پلیٹ میں حلوہ نکال کر اسے تھمایا۔

”چلو اب شاباش اسے کھاؤ، آخر کو تم میرے عارفین کی نسل آگے بڑھاؤ گی، اور مجھے اپنے پوتے، پوتی صحت مند، گول مٹول سے چاہئیں، اس لیے جب ماں کی صحت اچھی ہوگی تو اولاد بھی اچھی ہوگی۔“ رابعہ تو اپنی دھن میں بس بولے جا رہی تھیں، مگر مقابل کی حالت کیا تھی، اس کی کوئی خبر نہیں تھی، ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے جسم کا

سارا لہو اس کے چہرے پر آ کر جم گیا ہو۔

”امی! آپ بالکل درست کہہ رہی ہیں، میں آپ کی بات سے سو فیصد متفق ہوں۔“ عارفین شوخی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

”تم تو چپ ہی کرو، اگر اتنے متفق ہوتے تو مجھ سے پہلے تمہیں مقسوم کا خیال رکھنا چاہیے تھا، حد ہو گئی خود نے تو اپنا آدھا ناشتہ کر لیا ہے، اور مقسوم نے ابھی تک ایک لقمہ بھی نہیں توڑا ہے۔“ رابعہ نے اسے بھی گھر کا، وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

”او کے اگر آپ کا حکم ہو تو آپ کی بہو صاحبہ کو اپنے ہاتھ سے کھلا دوں؟“ عارفین نے اپنا ناشتہ مکمل کیے نیپکن سے ہاتھ صاف کیے اور رابعہ سے پوچھنے کے بعد مقسوم کو دیکھا جس نے ابھی تک ایک نوالہ بھی نہیں توڑا تھا۔

”دیکھو ذرا مقسوم نے ابھی تک ایک نوالہ بھی نہیں توڑا، مقسوم بیٹا! اگر عارفین کے ہاتھ سے کھانے کی خواہش ہے تو میں نہیں دیکھوں گی، تم اس کے ہاتھ سے کھا لو۔“ رابعہ نے مسکرا کے مقسوم کو دیکھ کر چھیڑا تھا، مقسوم تو صحیح معنوں میں سٹپٹا کر رہ گئی۔

”ارے نہیں امی! میں خود کھا لوں گی۔“ مقسوم نے جلدی سے پوری کا ایک نوالہ توڑا اور سالن سے لگا کر منہ میں رکھا، مبادا عارفین اپنے کہے پر عمل ہی نہ کر لے، اس کے یوں منہ میں جلدی سے نوالہ رکھنے پر عارفین دھیرے سے ہنس دیا اور رابعہ مسکرا دیں انھیں اپنی یہ معصوم سی شرمیلی سی بہو بہت عزیز ہو گئی تھی۔

☆..........☆..........☆

تین دن بعد اسے ہوش آ گیا تھا، مگر اس وقت وہ دوائیوں کے زیر اثر بے خبر سو رہی تھی، یہ تین دن تین راتیں ریحان شیخ نے کیسے پل پل مرتے جیتے گزاری تھیں، یہ صرف وہی جانتے تھے یا ان کا رب، معمولی سی آنکھ تک نہیں جھپکی تھی انھوں نے۔

آخر کس گناہ کی سزا مل رہی ہے انھیں ان کی اکلوتی معصوم بیٹی وانیہ کو، کیا بگاڑا ہے انھوں نے کسی کا، انھیں نہیں یاد پڑتا تھا کہ نادانستگی یا جان انجان کر بھی انھوں نے یا ان کی بیٹی وانیہ نے کسی کو زک بھی پہنچائی ہو گی، مگر آج وانیہ ایسی حالت میں کیوں ہے، وہ یہ دن بھی دیکھنے کے لیے زندہ تھے، انھیں موت کیوں نہیں آ گئی اپنی وانیہ کو ایسی حالت میں دیکھنے سے پہلے کیسا بے غیرت باپ ہوں میں کہ اپنی چہیتی اکلوتی جان سے عزیز بیٹی کی ایسی اذیت ناک حالت دیکھ کر بھی میں زندہ کیوں ہوں؟ مگر ہاں شاید مجھے زندہ رہنا ہے کیونکہ جس طرح اذیت میں میری وانیہ ہے اس سے زیادہ آفریدی کو ایسی اذیت ناک موت ماروں گا کہ عبرت کا نشان بن کر رہ جائے گا، وانیہ کا بدلہ لیے بغیر میں آفریدی کو چھوڑوں گا نہیں، مسخ کر دوں گا اس کی ہستی اس کی کائنات، کہ اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہے گا، اس کی اگلی پچھلی ساری نسل خاک میں ملا دوں گا اس نے میری بیٹی کو اس حال تک پہنچایا ہے ناں، میں اس کو کہیں کا نہیں رہنے دوں گا۔“ اپنی بیٹی وانیہ کے پاس وہ کھڑے اس کا مرجھایا چہرہ دیکھ کر اذیت سے سوچ رہے تھے، انھوں نے بغور وانیہ کا چہرہ دیکھا تھا، ان گزرے تین دن میں وہ سوکھ کر کانٹا ہو گئی تھی، جسم سے جیسے سارا خون نچوڑ لیا ہو، زندہ لاش بن کر رہ گئی تھی وہ۔

دروازے پر کسی نے دستک دی بلکہ وہ اندر بھی آ گیا تھا۔ ریحان شیخ نے پیچھے پلٹ کر دیکھا بلیک جینز پر لائٹ پرپل شرٹ پہنے کالر میں فینسی ٹائی لگائے ہاتھ میں موبائل اور گاڑی کی چابی لیے وہ قریب آ رہا تھا، اپنی لمبی

چوڑی جسامت اور سرخ وسفید رنگت سے وہ کوئی پٹھان یا ڈیرہ لگ رہا تھا، مگر وہ تھا کون آج سے پہلے تو اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

”ہیلو مسٹر ریحان! کیسے ہو تم؟“ وہ ریحان شیخ کے مقابل آ ٹھہرا تھا۔

”آفریدی....!“ یہ آواز تو وہ لاکھوں میں بھی پہچان سکتے تھے، یہ وہی شخص تھا جس نے ان کی بیٹی کو اس حال تک پہنچایا تھا۔

”تم....!“ آواز میں سانپ سے زیادہ زہریلی کاٹ تھی۔

”خاکسار کو آفریدی کہتے ہیں، جو بدقسمتی سے تمہارا داماد، تمہاری بیٹی کا شوہر ہوتا ہے بلکہ....!“ آفریدی نے گردن کو ہلکے سے خم کر کے بیڈ پر بے خبر سوتی وانیہ کو دیکھا تھا۔

”تمہاری بیٹی کو اس حال تک پہنچانے والا بھی میں ہی ہوں۔“ اس قدر دیدہ دلیری اور بہادری سے وہ اپنا اقرار جرم قبول کر رہا تھا، بلا کسی ڈر وخوف کے اس کے انداز پر ہی نہیں اس کو دیکھ کر بھی ریحان شیخ کے اندر بہتا لاوا ابل پڑا تھا، انھوں نے غم وغصے کی شدت میں آفریدی کا کالر اپنی دونوں ہتھیلیوں میں زور سے دبوچ لیا تھا۔

”کمینے....رذیل انسان! میں تجھے چھوڑوں گا نہیں، تیرا وہ حشر کروں گا کہ تُو ہی نہیں تیری اگلی پچھلی ساری نسلیں پناہ مانگیں گی، تُو ان کے لیے عبرت کا نشان بن جائے گا، وہ حال کر دوں گا تیرا کہ دوبارہ زندگی نہ ملنے کی بھیک مانگے، موت کو بدتر بنا دوں گا تیرے لیے۔“ وہ ہذیانی ہو کر دبی دبی آواز میں اس پر چیخ رہے تھے۔

”فی الحال تو اپنی بیٹی کو دیکھو جو خود اپنے لیے موت کی دعا مانگ رہی ہوگی۔“ آفریدی نے ریحان شیخ کے دونوں ہاتھ اپنے کالر سے جھٹکے سے ہٹائے تھے۔

”شٹ اپ...!“ ریحان شیخ نے اس کو مارنے کے لیے اس پر ہاتھ اٹھایا مگر وہ ہوا میں ہی معلق ہو کر رہ گیا تھا، کیونکہ آفریدی نے ریحان شیخ کا اٹھا ہاتھ پکڑ کے بری طرح جھٹک دیا تھا۔

”چہ....چہ....چہ....بہت افسوس ہو رہا ہے، مگر کیا کریں یہ سب کرنا بھی ضروری تھا۔“ ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ لیے وہ ریحان شیخ کو طنزیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا، جیسے ان کے جاہ وجلال غیظ وغضب پر ہنس رہا ہو، مذاق اڑا رہا ہو۔

”کیوں کیا تُو نے میری بیٹی کے ساتھ اس طرح، خود کو دیکھا ہے، بہت چھوٹی ہے میری بیٹی تجھ سے، معصوم اور بے قصور تھی وہ۔“

”جیسے شہلا آفریدی تھی۔“ آفریدی غصے سے دھاڑا تھا کہ وانیہ جو بے خبر سو رہی تھی، آفریدی کی چنگھاڑتی آواز پر اس کی نیند ٹوٹی تھی۔ ریحان شیخ نے نہایت چونک کر خاموشی سے اسے دیکھا تھا ”شہلا آفریدی“ انھوں نے دھیرے سے یہ نام پکارا تھا۔ جبکہ ریحان شیخ کے برعکس وانیہ نہایت ڈری سہمی کسی خوفزدہ چڑیا کی طرح آفریدی کو بغیر پلکیں جھپکائے دیکھ رہی تھی، وہ روح فسوں منظر اس کی آنکھوں کی پتلیوں پر کسی فلم کی طرح چلنے لگا تھا، اس کے دل کی حالت زیر وبم ہونے لگی تھی اندر ایک تلاطم ایک آندھی طوفان سا برپا تھا، جس میں وہ بہتی چلی جا رہی تھی کسی شیشے کی گڑیا کی طرح ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئی تھی، اس کی انا، خودداری، نسوانیت سب کچھ آفریدی نے اپنے نفس تلے روند ڈالا تھا، بدلے کی انتقام کی آگ میں اس کا پور پور جھلسا دیا تھا، اسے کسی قابل نہیں چھوڑا تھا وہ تو پہلے ہی اپنی ٹانگ سے لاچار کمزور تھی، رہا سہا اعتماد بھی آفریدی نے اپنے پیروں تلے کچل کر رکھ دیا تھا۔

”بابا....بابا....بابا!“ وہ ہذیانی ہو کر چیخنے چلانے لگی تھی، آفریدی کی طرف ڈر کے مارے دیکھ نہیں رہی تھی، بس ریحان شیخ کو زور زور سے پکار رہی تھی، اس کی چیخ وپکار پر ریحان شیخ کا سکتہ ٹوٹا تھا، وہ آفریدی کو دیکھنے کے بعد وانیہ کی طرف تیزی سے بڑھے تھے، وانیہ نے جلدی سے ریحان شیخ کا بازو پکڑ لیا تھا اور تھوڑی سی ہمت کر کے ان کے اندر چھپنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی، تکلیف کی شدت سے آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

”بابا....! مجھے بچا لیں۔“ زبان الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہی تھی، وہ بالکل سامنے ہی تو کھڑا تھا، آنکھوں میں خوف لیے اس نے ریحان شیخ کا بازو اپنے چہرے پر رکھ لیا تھا۔ آفریدی فتح مندی کی چال چلتا ہوا، ہونٹوں پر جیت کے نشے کی مسکراہٹ بلوریں آنکھوں میں انتقام کے پورے ہو جانے والا مقصد لیے وہ وانیہ کی طرف بڑھا تھا، اور چند قدموں کے فاصلے پر آ ٹھہرا تھا، بغور اس کا خوفزدہ چہرہ دیکھا تھا، جو ریحان شیخ کے بازو میں چھپا رہی تھی، بھرپور نظر اس کے سراپے پر ڈالی جو سفید چادر سے ڈھانپ رکھا تھا، وہ کسی خوفزدہ ہرنی کی طرح شکاری سے بچنے کے لیے ریحان شیخ کی پناہ گاہ میں چھپنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی، اس دوران ریحان شیخ بالکل چپ چاپ کسی بت کی طرح کھڑے تھے۔

”ریحان شیخ! آج اپنی بیٹی کو دیکھ کر اپنا گزرا وقت یاد کرنا، بہت تڑپ رہے ہو ناں اپنی پھولوں جیسی بیٹی کو اس حالت میں دیکھ کر، اب یہ تمہاری زندگی بھر کے لیے سزا ہے کہ جب جب سانس لینا ”شہلا آفریدی“ کو ضرور یاد کرنا، اور اب اپنی بیٹی کے لیے موت کی دعا مانگنا، جس کا خسارہ تمہاری بیٹی کے حصے میں آیا ہے۔“ آفریدی استہزائیہ ہنسی ہنستا ہوا وہاں سے پلٹا تھا، مگر ایک دو قدم جا کر پھر رکا اور اپنی جیب سے ایک پیپر نکال کر وانیہ کے اوپر پھینکا تھا۔

”اور یہ لو یہ ہے نکاح نامہ جس کی ایک کاپی تمہارے پاس اور ایک کاپی میرے پاس رہے گی ریحان شیخ! تمہارے نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ نکاح ہوا ہے یا نہیں، شکر ادا کرو ریحان شیخ! کہ تمہاری طرح اتنا پستی میں نہیں گرا کہ ناجائز طریقے سے تمہاری بیٹی کو حاصل کرتا اپنی مری ماں کی روح کو بے سکون کر دیتا، یہ بھی گوارا نہیں ہے، یہ نکاح صرف تمہاری بیٹی کو اپاہج دیکھ کر بھی کیا تھا میں نے، اور یہ نکاح نامہ کی کاپی دینے کا مقصد بھی یہی ہے کہ تم اور تمہاری بیٹی کے لیے یہ سزا بہت ہے کہ یہ زندگی بھر میرے نام پر بیٹھی رہے گی، پھر چاہے اسلام آباد میں رہے یا لندن جیسے آزاد شہر میں۔“ پھر وہ رکا نہیں اس کو ایک بھرپور نظر سے دیکھتا ہوا کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔ وانیہ تو اس کو دیکھنے سے پھر سے اپنے سارے ہوش وحواس کھوتی چلی گئی تھی، ریحان شیخ وانیہ کی حالت دیکھ کر گھبرا گئے اور اس کا سر نرمی سے تکیے پر رکھا، پھر تیزی سے ڈاکٹر کو بلانے بھاگے تھے، تھوڑی دیر کی ٹریٹمنٹ کے بعد اس کی سانسیں پھر سے بحال ہونے لگی تھیں، مگر دل کی دھڑکن ہلکی ہلکی چل رہی تھی، ڈاکٹر نے اسے نیند کا انجکشن لگا دیا تھا، جس کے سبب وہ پھر سے پرسکون نیند کی وادیوں میں کھوتی چلی گئی تھی، ریحان شیخ نے بغور اس کا معصوم کملایا چہرہ دیکھا تھا، وہ چہرہ جس میں انھیں کسی کی شبیہ لگتی تھی، جسے وہ پہچان ہی نہیں پائے تھے، اپنے دل ودماغ کو جھٹک دیا کرتے تھے، مگر آج وہ چہرہ پورے طمطراق کے ساتھ جلوہ گر ہوا تھا۔

زندگی کے پیریڈ میں سے وہ یہ تکلیف دہ حصہ کیسے بھول گئے، وہ کوئی معمولی حادثہ تو نہیں تھا کہ بھلا دیا جاتا کسی کی پوری زندگی کا سوال تھا، اس کا مستقبل تھا جو ان کی بدولت تاریکی کی اتھاہ گہرائیوں کی نظر ہو گیا، جسے برباد کر کے دوسرے دن اپنے دوستوں کے ساتھ جشن منایا تھا ریحان شیخ نے، اور پھر کتنی جلدی ذہن کے پردے سے وہ سارا قصہ وہ حادثہ فراموش بھی کر دیا جیسے اس کے لیے کوئی بات ہی نہیں، مگر انھوں نے جو کل کیا آج اس کا

خمیازہ کوئی اور نہیں ان کی اپنی سگی اکلوتی چہیتی بیٹی وانیہ بھگت رہی تھی، جوان کی جان تھی ان کی زندگی ان کا کل سرمایہ وہ جسے یہ تک معلوم نہیں کہ پرشفقت باپ کے پیچھے ان کا کس قدر بھیانک ماضی چھپا ہوا تھا، کہ اگر وہ جان جائے تو شاید نفرت کرنے لگے اپنے باپ سے کراہیت آئے ان کے گزرے کل سے۔

☆..........☆..........☆

''وہ دیکھ ریحان! وہ آ رہی شہلا آفریدی۔'' معید کے کہنے پر ببل چباتے ریحان نے اپنے سن گلاسز کے اوپر سے دیکھا تھا، وہ حقیقت میں حسن و جمال کا پیکر تھی، اس کے بارے میں جتنا سنا تھا وہ اس سے کہیں زیادہ حسین اور خوبصورت تھی، وہ یک ٹک اس کو دیکھتا ہی چلا گیا تھا۔

''کیوں میں نے کہا تھا ناں کہ اس جامعہ کی سب لڑکیوں کو ایک طرف اور شہلا آفریدی کو ایک طرف رکھ لے۔'' معید نے ہنستے ہوئے ریحان کو ٹوکا تھا۔

''واقعی یار! تُو سچ بول رہا تھا، یہ میری سوچ سے زیادہ خوبصورت ہے۔'' ریحان نے ببل تھوکی اور ہاتھ جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا تھا، وہ وقت ضائع کرنے کا قائل نہیں تھا جو بھی خوبصورت حسین لڑکی دیکھی فوراً دوستی کا ہاتھ بڑھانے پہنچ جاتا تھا، اور اس کی شخصیت ہی کچھ ایسی سحرانگیز تھی کہ لڑکیاں اس کے ایک اشارے پر مرنے لگتی تھیں اور ان ہی لڑکیوں نے اسے اتنا اوپر چڑھا دیا تھا کہ وہ سمجھتا تھا کہ دنیا کی جس لڑکی پر نظر ڈال لے اس کو ایک اشارہ کردے وہ اپنا سب کچھ اس پر لٹا دے گی، مگر یہ بھی ریحان کی اپنی نیچر تھی کہ ہر لڑکی سے دوستی ضرور کرتا، مہنگے مہنگے گفٹس ضرور دیتا مگر کبھی نہ تو اپنے گھر کا نہ ہی اپنے بیڈروم کا راستہ دکھاتا تھا، جب دل بھر جاتا تو بے دردی سے اس لڑکی اس حسینہ کے جذبات اس کی محبت کو کچلتا آگے بڑھ جاتا۔

کافی دن بھی ہو گئے تھے کوئی پری چہرہ نظر نہیں آیا تھا، اس لیے اپنی بوریت مٹانے کے لیے لندن چلا گیا تھا ایک ہفتے بعد جامعہ آیا تو معید اس کے دوست نے شہلا آفریدی کے حسن کے قصیدے پڑھنے شروع کردیے تھے۔ اب اس کا مشن تھا کہ شہلا آفریدی سے دوستی کرے جو کسی طرح ہاتھ نہیں آ رہی تھی۔

''ہائے ڈیئر! کیسی ہو؟'' ریحان نے جھک کر لوفرانہ انداز میں پوچھا تھا۔ شہلا آفریدی بری طرح گھبرا گئی تھی، اسے جامعہ میں آئے ابھی پندرہ بیس دن ہی ہوئے تھے، اب تک اپنی طبیعت کے مزاج سے اس نے کسی سے بھی دوستی نہیں کی تھی، یہاں کا ماحول بہت الگ تھا، مگر وہ یہاں پڑھنے آئی تھی، وہ تو اس ماحول کو دیکھ کر دوسرے دن ہی بھاگ جاتی، مگر اپنے بے انتہا شوق کے آگے مجبور تھی۔

اس کے مغرورانہ مزاج کو دیکھتے ہوئے کسی نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا بھی نہیں جس کے لیے وہ صد شکر ادا کر رہی تھی، مگر جامعہ میں ان دو لڑکوں ریحان اور معید نے اس کا جینا حرام کر دیا تھا۔

شہلا آفریدی کا تعلق ایک پٹھان گھرانے سے تھا، جہاں عزت کی حفاظت اپنی جان سے بڑھ کر کی جاتی ہے۔ وہ یہی سوچ کر صبر کر جاتی کہ ان کی کسی بھی بات کا جواب نہیں دے گی، تو وہ خود ہی تھک ہار کے پیچھے ہٹ جائیں گے۔ اس وقت بھی ان دونوں کا کسی بھی بے ہودہ بات کا جواب دیئے بغیر وہ وہاں سے چپ چاپ سر جھکائے نکلتی چلی گئی تھی۔ کتنے ہی دن ہو گئے تھے ان دونوں کو شہلا آفریدی کا پیچھا کرتے ہوئے وہ پریشان ہونے کے ساتھ ساتھ تنگ بھی آ گئی تھی ان دونوں کی فضول حرکتوں سے، تعلیم کی جگہ کو بھی ایسے لوفر اور چیپ لڑکوں نے تفریحی مقام بنا لیا تھا، کبھی کبھی تو سوچتی کہ وہ چھوڑ دے تعلیم، واپس کوئٹہ چلی جائے، کیونکہ یہاں ان جیسی ڈرپوک دبو اور خوفزدہ لڑکیوں کی کوئی جگہ نہیں تھی، ایسی لڑکیوں کو ایسے انا پرست مرد اپنی انا کا مسئلہ یا چیلنج بنا لیتے تھے اور شہلا آفریدی اس کہانی کا حصہ نہیں بننا چاہتی تھی، اس نے اپنے فیصلے پر مہر ثبت کردی کہ وہ آگے نہیں پڑھے گی، چھ ماہ کے اس عرصے میں ریحان اور معید نے اسے اتنا زچ اور عاجز کر دیا تھا کہ وہ تہیہ کر چکی تھی کہ آگے تعلیم کو خیرباد کہہ دے، جس میں اس کی اس کے گھر کی عزت تھی، ورنہ وہ جانتی تھی اگر اس کے بھائی کو ذرا بھی ریحان اور معید کی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ ان دونوں کو جان سے مار دیں گے۔

''یار ریحان! کافی ٹائم نہیں لے لیا شہلا آفریدی نے، نہ تو وہ تجھے گھاس ڈال رہی ہے اور نہ ہی میری باتوں میں آ رہی ہے۔'' معید نے برگر کا ایک بائٹ لیتے ہوئے کہا تھا اس کی آنکھوں میں ایک پراسراری چمک تھی۔

''ٹھیک بول رہا ہے میرے خیال میں ہمیں اس کا پیچھا کرنا چھوڑ دینا چاہیے، جامعہ کی تیز طرار ناز و ادا دکھانے والی لڑکیوں سے منفرد اور بالکل الگ ہے شہلا آفریدی۔'' ریحان نے کولڈ ڈرنک کا ایک سپ لیتے ہوئے کہا تھا۔

''اور تُو نے دیکھا نہیں کہ وہ کس قدر بڑی سی چادر میں خود کو ڈھانپ کے رکھتی ہے، سچ مجھے تو اس قدر وحشت ہوتی ہے اس کی 10 گز کی چادر سے، اور تُو تو جانتا ہے کہ لڑکیاں میرے ایک اشارے پر جان چھڑکتی ہیں، کچھ لڑکیاں ایسی بھی آئیں جو کچھ نخروں کے بعد راہ پر آ گئیں، مگر میں نے تو یہی سوچا ہے کہ شہلا آفریدی ان سب لڑکیوں سے بہت الگ ہے، ہمیں مزید اس پر ٹائم نہیں ضائع کرنا چاہیے۔'' اس نے اپنی کولڈ ڈرنک ختم کرکے خالی بوتل ٹیبل پر رکھ دی تھی۔

''حیرت ہو رہی ہے تیری باتیں سن کر۔'' معید نے حیران نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟'' ریحان نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''کیوں حیرت کی بات نہیں ہے کہ ریحان شیخ جس کے ایک اشارے ایک مسکراہٹ پر حسین سے حسین مغرور سے مغرور لڑکی اپنا سب کچھ لٹانے کو تیار ہو، وہ ایک دبوسی ڈرپوک خوفزدہ سی لڑکی سے ہار مان گیا ہے؟''

''دیکھ معید! یہ تو تُو بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں، مگر میرے بھی کچھ اصول ہیں، شہلا آفریدی ان لڑکیوں میں سے نہیں ہے جو کسی بھی پکے پھل کی طرح ہر ایک کی جھولی میں گرنے کو تیار رہتی ہیں۔'' ریحان کے چہرے پر معمولی سی ناگواریت ابھری تھی۔

''آل رائٹ.... یہ تمہارا اوپینین تھا مگر میری تھنکنگ بہت مختلف ہے تم سے، بے شک تُو سحرانگیز پرسنالٹی کا مالک ہے، مگر کم میں بھی نہیں ہوں، شہلا آفریدی اب میری ضد میری انا کا مسئلہ بن گئی ہے، اسے جھکانا اب میری ضد ہے۔'' معید کے چہرے پر عجیب سی چمک تھی، جو ریحان سمجھ نہیں سکا تھا۔

''مطلب کیا کرے گا تُو؟''

''میں نہیں ہم کریں گے، شہلا آفریدی جس نے خود پر بے چارگی کا خول چڑھایا ہوا ہے، وہ توڑنا ہے اس کے غرور کو اپنے قدموں تلے کچلنا ہے، اور یہ میں کرکے رہوں گا۔'' اس کے ارادے آخری حد تک خطرناک تھے جو ریحان اب سمجھا تھا۔

''معید! تُو پاگل تو نہیں ہو گیا، اگر پرنسپل کو پتہ چل گیا تو وہ ہمیں جامعہ سے نہ صرف نکال دیں گے بلکہ پانچ سال تک ہمیں کہیں ایڈمیشن بھی نہیں ملے گا۔'' ریحان نے اسے اس کے خطرناک ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔

(جاری ہے......)

☆..........☆..........☆

قمروش شہک

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر ۱۱

تیرے پیار کی خوشبو

"تجھے کیا لگتا ہے یہ میں ہونے دوں گا؟" معید نے کمینگی سے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔
"پھر ـــ کیا کرے گا تو؟"

"تو میرا ساتھ دے گا۔
بہتی گنگا میں ہر کوئی ہاتھ دھونا چاہے گا۔" ریحان کی آنکھوں میں شہلا آفریدی کا خوب صورت عکس جھلملانے لگا تھا۔ وہ تا دیر خود کے نفس پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ وہ شہلا آفریدی کو بھی زندگی کا تھرل سمجھ رہا تھا۔ جسے انجوائے کرو اور آگے بڑھ جاؤ پھر پلٹ کر بھی نہ دیکھو۔"
"ٹھیک ہے جیسے جیسے میں کہوں تجھے وہی کرنا ہے۔"
"او کے۔" بالآخر معید نے ریحان کو راضی کر ہی لیا تھا۔
"شہلا آفریدی! آپ کو سر جاوید لائبریری میں بلا رہے ہیں۔" کسی اسٹوڈنٹ نے آکر کہا۔
"جی بہتر۔"
وہ اپنا بیگ کندھے پر لٹکائے سینے پر فائل رکھے کھڑی ہو گئی تھی۔ آج اس نے فیصلہ کر ہی لیا تھا کہ وہ

یونیورسٹی چھوڑ کر چلی جائے کیونکہ یہاں اس جیسی خوفزدہ ڈرپوک لڑکیوں کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ اپنی عزت آبرو کو ان چار ماہ کے عرصے میں سینت سینت کر رکھتی چلی آئی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے صاف شفاف کردار پر معمولی سی گندگی کی چھینٹ بھی آئے اس لیے اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ یہاں سے چلی ہی جائے۔ اسی میں اس کی بہتری تھی اور عمر بھر کی بھلائی بھی۔ مگر تقدیر جو اس کے لیے سوچ بیٹھی تھی وہ اس کے لیے کسی قیامت سے کم بھی نہیں تھا اس کی صاف ستھری زندگی یوں اس سے مذاق کر جائے گی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

وہ سب سامان سمیٹ کر جا رہی تھی۔ ڈرائیور بھی اس کا آنے والا ہی تھا۔ سر جاوید کے بلاوے پر الجھن کوفت سی ہونے لگی تھی۔ ارادہ تو یہی تھا کہ مت جائے دماغ کی خطرے کی گھنٹیاں بھی بجی اعلان کر رہی تھیں مگر دل نے کہا کہ آخری بار ان کی بات سن لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

شہلا آفریدی بے زاری شکل بنائے لائبریری تک آئی تھی مگر یہ کیا وہاں تو بہت سناٹا تھا سر جاوید تو کہیں بھی نہیں تھے۔

''سر جاوید......!'' اس نے دھیرے سے پکارا تھا مگر آواز ندارد...... اس کے اندر سے کسی نے چیخ چیخ کے کہا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ اس نے یہاں آ کر غلطی کر دی ہے۔ شہلا آفریدی تیزی سے جانے کے لیے مڑی تھی مگر اس سے پہلے ہی کسی نے ایک جھٹکے سے اس کا نازک بازو کھینچا تھا کہ اس کی چادر سر سے سرک کر نیچے لڑھک گئی اور فائل بیگ زمین پر گر گئے تھے اسے سیکنڈ نہیں لگا تھا یہ سمجھنے میں کہ اس کے ساتھ جھوٹ بولا گیا تھا۔

''چھوڑو مجھے۔'' کوئی زبردستی اسے گھسیٹتا ہوا اندر لے کر جا رہا تھا۔ وہ چیخ..... تھی مگر وہاں کوئی ہوتا تو سنتا نا۔

ریحان اس کو جلدی سے اس روم میں لے آیا تھا جہاں بے شمار پرانی کتابیں، چیئر ٹیبل جانے اور کاٹھ کباڑ پڑا ہوا تھا۔ ریحان نے اسے کمرے کے اندر بری طرح دھکا دیا تھا کہ سائیڈ میں دیوار سے لگی کیل میں اس کی چادر اٹکی ہی رہ گئی تھی۔

''ریحان تو پہلے اندر جا، میں یہاں کھڑا ہوتا ہوں کہ کوئی آ نہ جائے۔'' معید نے ریحان کو اندر کیا اور خود پہرہ داری کے لیے کھڑا ہو گیا تھا۔ ریحان نے اندر سے دروازے کی کنڈی چڑھائی اور پیچھے پلٹ کر دیکھنے لگا تو آنکھیں جیسے اس کے اوپر ٹھہری گئی ہوں۔

اس قدر حسن...... جیسے کائنات کا سارا حسن اس کے اندر ہی سمٹ کر رہ گیا ہو۔ بڑی سی چادر ہمہ وقت خود کو ڈھانپ کر رکھنے والی شہلا آفریدی اس قدر خوب صورت اور حسین ہو گی اس کا اندازہ نہیں تھا اس کو۔

حسن تو ریحان نے بہت دیکھا تھا بستی بستی قریہ قریہ ہر ملک کی سیر کی تھی اس نے، ڈھکا حسن اور بے پردہ حسن بھی دیکھا تھا مگر جو حسن شہلا آفریدی کے اندر چھپا ہوا تھا وہ آج بے پردہ ہو گیا تھا۔ ریحان مبہوت سا ہو کر رہ گیا تھا۔ اسے بے شک خود کے نفس پر بہت کنٹرول تھا۔ معید کے چیلنج پر اس نے اگلا قدم بھی اٹھا لیا تھا اور ہلکی سی پشیمانی بھی ہوئی کہ اپنے قدم پیچھے کر لے گا مگر شہلا آفریدی کے ہوشربا حسن کو دیکھ کر اس کا دل ڈانواڈول ہو گیا تھا اس کی نظر اس کے اپسرا جیسے پیکر سے ہوتی ہوئی اس کی صاف شفاف

بے داغ صراحی دار لمبی گردن پر پڑے کالے تل پر رکی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد اس کے خوب صورت چہرے پر پڑی ہرنی جیسی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جس میں خوف ہی خوف ہلکورے لے رہا تھا۔ اپنی عزت و آبرو بچانے کے لیے اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھے ہوئے تھے۔ وہ بے تحاشا رو رہی تھی۔

''خدا کے لیے مجھے جانے دو تمہیں تمہارے ماں باپ کا واسطہ ہے مجھے جانے دو۔'' شہلا آفریدی گڑگڑا رہی تھی، رو رہی تھی خود کو بچانے کے لیے ریحان کے سامنے عاجزی سے فریاد کر رہی تھی۔

مگر ریحان شیخ اپنے ہوش و حواس میں تھا کب جو اس کی کسی التجا اس کی فریاد سنتا۔ وہ تو اس کا یوں کھلا حسن دیکھ کر ہی دنگ رہ گیا تھا جو اس نے سوچ میں بھی تصور نہیں کیا تھا۔ ریحان شیخ سے گناہ سرزد ہو گیا تھا۔ وہ آگے بڑھا تھا اور شہلا آفریدی کو ایک ہی جست میں پکڑ کر اپنے نزدیک کھینچا تھا۔

شہلا آفریدی چیختی رہی، چلاتی رہی مگر کوئی اس کی پکار سننے والا نہیں تھا۔ ریحان شیخ نے اتنی بے دردی سے اس کی نسوانیت کی دھجیاں بکھیری تھیں کہ موت بھی شہلا آفریدی کی زندگی سے پناہ مانگے۔ ریحان شیخ نے اس کا وجود ہی نہیں اس کی روح بھی زخمی زخمی کر دی تھی۔ وہ ریزہ ریزہ ہو گئی تھی۔ نازک کانچ کی طرح ٹوٹ پھوٹ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی۔

''ریحان......!''

معید نے زور زور سے دروازہ بجایا تھا۔ ریحان اپنے کپڑے جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے زمین پر لٹی بے سدھ شہلا آفریدی کو دیکھا تھا۔

''ریحان! جلدی کر سر شہباز آ رہے ہیں یہاں شاید۔'' معید ہلکے سے چیخا تھا۔ ریحان کے چہرے پر خوف کا سایہ لہرایا تھا۔ کیونکہ سر شہباز اس جامعہ کے سب سے سخت ٹیچر تھے جن کے غصے سے ہر اسٹوڈنٹ کانپتا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور کیل پر اٹکی چادر شہلا آفریدی پر پھینکتا ہوا باہر نکلا تھا۔

''چل جلدی کر۔'' معید نے ریحان کا ہاتھ پکڑا اور وہاں سے تیزی سے نکلے تھے۔

''شکر بچ گئے۔'' معید نے شکر ادا کیا۔

''کیا یار! کہاں تو حامی ہی نہیں بھر رہا تھا اور آدھا گھنٹہ لگا دیا۔'' معید نے کمینگی سے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

ریحان کے اندر ندامت اور شرمندگی نے جگہ لے لی تھی۔

''کیا ہوا کیا! ابھی تک شہلا آفریدی کے حسن میں کھویا ہوا ہے؟'' معید نے اس کی گہری و جامد خاموشی نوٹ کر لی تھی۔

''نہیں یار! ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' اسی وقت ریحان شیخ کا فون بجنے لگا تھا۔

''اوکے۔''

''کیا ہوا سب خیریت تو ہے نا۔'' معید نے ریحان کو غور سے دیکھا تھا اس کے چہرے پر ہلکی سی پریشانی کے آثار تھے۔

''نہیں خیریت نہیں ہے مجھے آج رات کی فلائٹ سے لندن جانا ہے۔ وہاں ڈیڈی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔'' اس نے فون جیب میں رکھا تھا۔

''یعنی کے زندگی کے مزے لے کر جا رہا ہے۔ چل کوئی بات نہیں تو جا شہلا آفریدی کو میں اکیلا ہی

دیکھ لوں گا۔" خباثت سے ہنستے ہوئے آنکھ ماری تھی۔
ریحان شیخ نے جانے کیوں پیچھے پلٹ کر دیکھا تھا اور پھر رکا نہیں تھا۔ یونیورسٹی کی حدود سے باہر نکلتا چلا گیا تھا۔
شہلا آفریدی کو آدھے گھنٹے بعد ہوش آ گیا تھا۔ اس نے آنکھ کھولی تو وہ وہیں تھی ابھی بھی اسی کاٹ کباڑ سے بھرے اسٹور روم میں جہاں اس کی زندگی اس پر ماتم کر رہی تھی۔
وہ زندہ ہے.... مگر کیوں..... کیوں زندہ ہے اسی اسٹور روم میں اس کی قبر کیوں نہیں بن گئی۔ وہ مر کیوں نہیں گئی۔ زندہ لاش بنا دیا تھا اسے ریحان شیخ نے۔ اس کا اعتماد اس کا غرور سب چھین لیا تھا اس سے۔
وہ بری طرح ہچکیوں سے زار و قطار رو رہی تھی مگر یہاں کوئی اس کی صدا اس کا بین سننے والا نہیں تھا۔
وہ بمشکل اپنی چادر سنبھالتی کھڑی ہوئی تھی۔ درد سے اس کی جان نکلی جا رہی تھی۔ جسم کے زخم تو جانے کب بھریں مگر اس کی روح پر جو زخم آئے تھے وہ موت کے بعد بھی نہیں بھر سکتے تھے۔ اس کا کردار داغ دار کر دیا گیا تھا اس کی چادر پر بدنما چھینٹوں کے نشان آ گئے تھے جو تاعمر رہیں گے۔ سنبھلتی سنبھلتی وہ یونیورسٹی سے باہر نکلی تھی۔ اس کی زندگی اب کسی کام کی نہیں تھی وہ خود سے دنیا سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہی تھی اور پھر اسے جینے کا کوئی حق بھی تو نہیں تھا۔ جب اس کے باپ بھائیوں کو پتہ چلتا تو وہ خود ہی اسے زمین میں زندہ دفن کر دیتے۔ ان کے خاندان پر کوئی انگلی اٹھائے وہ یہ بھی گوارا نہیں کرتے۔ پہلے اسے مارتے پھر ریحان شیخ کی اگلی پچھلی نسل مٹا دیتے۔ اس سرزمین سے اس کے خاندان کا نام و نشان مٹا دیتے۔
شہلا آفریدی نے سوچ لیا تھا کہ وہ اب زندہ نہیں رہے گی خود کو مار لے گی۔
سامنے سے آتے ٹرالر کے سامنے جا کر خود کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا وہ اس سے پہلے آگے بڑھتی پیچھے سے اسے نبیلہ نے کھینچ لیا تھا۔
"شہلا.....!"
نبیلہ نے اس کی بکھری اجڑی حالت دیکھی تو دنگ رہ گئیں، انہیں گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔
"شہلا کیا ہوا تمہیں.... یہ..... یہ سب..... یہ سب کیا ہے شہلا؟" نبیلہ حد درجہ پریشان ہو گئی تھی۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔
"بھابی!"
شہلا آفریدی نے نبیلہ کو دیکھا تو جو رہے سہے اوسان تھے وہ بھی جانے لگے عقل و خرد سب گنوا بیٹھی تھی۔ ان کے کندھے پر سر ٹکائے ہر شے سے بیگانہ ہوتی چلی گئی تھی۔ نبیلہ نے جلدی سے شہلا آفریدی کو سنبھالا تھا اور گاڑی تک لے آئی۔ اسپتال جانے کے بجائے وہ اسے گھر لے آئی تھی۔ وہ تو خود بھی ڈاکٹر تھی اسے اس کے بیڈ روم میں لائی جلدی سے اس کا چیک اپ کیا جس بات کا ڈر تھا وہی ہوا۔
نبیلہ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیے تھے۔ اگر وہ اس خاندان کو نہیں جانتی ہوتی تو کب کا حویلی فون کر دیتی۔ اس لیے اس نے عقلمندی یہی سمجھی کہ کسی کو کچھ پتہ نہ چلے، وہ بے ہوش شہلا آفریدی کے پاس ہی بیٹھی رہی تھی۔
جانے کتنے گھنٹوں کی تیمارداشت کے بعد اسے ہوش آیا تھا۔ نبیلہ تو ویسے بھی ان کے ہوش میں آنے کا شدت سے انتظار کر رہی تھی۔ شہلا آفریدی کے ہوش میں آنے پر وہ تیزی سے اس کے پاس آئی تھی۔

"شہلا! یہ سب کیا ہے؟" ان کے چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔
"بھابی! اس نے مجھے برباد کر دیا۔ میرا غرور، میری عزت و آبرو، میری نسوانیت سب مجھ سے چھین لیا۔ مجھے بے مول کر دیا بھابی اس نے۔ میں مر گئی، مٹ گئی بھابی۔ فنا ہو گئی۔ میری موت کے آنے سے پہلے ہی زندگی نے مجھے موت کا سب سے بھیانک روپ بدترین موت کی جھلک دکھا دی۔" وہ نبیلہ کو دیکھ کر اپنے دل کا حال سنانے لگی تھی۔ اس کا پورا وجود ہچکیوں کی زد میں تھا کہ نبیلہ سے اس کو سنبھالنا ہی مشکل ہو رہا تھا۔
"اس نے مجھے زندہ درگور کر دیا بھابی! مجھے خود سے کراہیت آ رہی ہے۔ آپ مجھے مار دیں۔ مجھے کہیں سے زہر لا دیں میں جینا نہیں چاہتی۔" شہلا آفریدی، نبیلہ کے گلے سے لگی بے تحاشا رو رہی تھی۔
"بری بات مت بولو اس طرح کچھ نہیں ہوا تمہیں۔" وہ اس کے بال سہلا رہی تھی۔ اس وقت وہ خود سے پاگل ہو رہی تھی۔
"نہیں بھابی! یہ جھوٹی تسلی مت دیں مجھے۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ ریحان شیخ نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا ہے میرا جینا مرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔" یہ سوچ کر وہ ایک بار پھر بری طرح رو دی تھی۔
"بس خاموش ہو جاؤ۔" نبیلہ نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر اس کے بالوں پر اپنے لب رکھ دیئے تھے۔
"یہ مسئلہ بہت گھمبیر ہے خاندان میں اگر بات آ گئی تو جو حشر وہ شہلا آفریدی کا کریں گے سو کریں گے مگر اس سے زیادہ عبرت ناک اور اذیت ناک موت ریحان شیخ اور اس کے گھر والوں کو ملے گی۔ اس مسئلے کا اب ایک ہی حل نکلتا ہے کہ کسی بھی طرح شہلا آفریدی کی جلد از جلد شادی کر دی جائے۔"
وہ اگر شہلا آفریدی کو انتہا سے زیادہ نہ چاہتی تو پہلی فرصت میں اس کے بھائی ولید آفریدی کو فون کر دیتی مگر اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اسے بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنا تھا۔ صرف شہلا آفریدی کی زندگی کے لیے۔
"نبیلہ! شہلا کہاں ہے؟" ولید آفریدی، شہلا آفریدی کا بڑا بھائی جو اسے بہت زیادہ چاہتا تھا۔ وہی اس کے شوق کو دیکھتے ہوئے یہاں حویلی سے لایا تھا تاکہ وہ اپنی تعلیم مکمل کر لے۔ اپنا شوق پورا کر لے۔
"نبیلہ!" ولید نے ایک بار پھر پکارا۔
"جج..... جی..... کچھ کہا آپ نے؟" وہ بری طرح چونکی تھی۔
"کیا بات ہے کہاں کھوئی ہوئی ہیں آپ۔ سب خیریت تو ہے نا؟" انہوں نے فکر مندی سے نبیلہ کو دیکھا تھا۔ وہ اپنے سے جڑے رشتوں کے لیے نہایت کیئرنگ تھے۔ کسی کو معمولی سی بھی تکلیف ہوتی تو وہ سب سے زیادہ پریشان ہوتے تھے۔
"جی سب خیریت ہے آپ کو ایسا کیوں محسوس ہوا؟" وہ فریش ہونے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کے اندر کس قدر جھکڑ چل رہے تھے صرف وہی جانتی تھی۔
"آپ کے چہرے سے جو کہ مجھے بالکل ٹھیک نہیں لگ رہا۔ کیا کوئی کیس مشکل آ گیا تھا۔"
"نن..... نہیں تو بس ویسے ہی شاید میرے سر میں شدید درد ہے۔"
"ارے تو پہلے بتانا چاہیے تھا۔ میں ٹی وی آف کر دیتا۔" ولید آفریدی نے ٹی وی ہی آف کر دیا۔

جسے نبیلہ نے صرف خاموشی سے دیکھا تھا۔

اسی وقت ان کا پندرہ سالہ بیٹا وہاں آیا تھا اور نبیلہ کو کچھ دیر دیکھنے کے بعد ولید آفریدی کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

"ہائے جونیئر آفریدی ہاؤ آر یو؟" انہوں نے اس کے گلے میں ہاتھ ڈالا تھا۔

"یا فائن ڈیڈ!" اس کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں تھی۔

جب سے اس نے شہلا آفریدی کی یہ حالت دیکھی تھی تو اداس ہو گیا تھا۔ وہ اپنی پھپھو کو انتہا سے زیادہ چاہتا تھا۔ جب شہلا آفریدی خود پر بیتی ظلم کی داستان سنا رہی تھی۔ وہ وہیں ان کے واش روم میں تھا اور یہ بات وہ دونوں ہی نہیں جانتی تھیں۔ نبیلہ نے شہلا آفریدی کو پرسکون ہونے کے لیے نیند کی گولی دے کر سلا دیا تھا۔ ان کے بیڈ روم میں جانے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تک شہلا آفریدی کے پاس بیٹھا رہا تھا۔ بغور ان کے خوبصورت سے چہرے کو تکتا رہا تھا۔ ان کی بند آنکھوں سے ابھی بھی آنسو نکل رہے تھے جن سے اس کو بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ اندر ہی اندر ایک لاوا سا پکنے لگا تھا۔ غصے کا ایک جولہ سا پھوٹنے لگا تھا اور سب ریحان شیخ کے لیے تھا۔ صبح ناشتے کی ٹیبل پر صرف وہ تینوں تھے شہلا آفریدی نہیں تھی۔

نبیلہ تو صرف برائے نام ہی ناشتہ کر رہی تھی۔ ولید آفریدی نے چائے پیتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے نبیلہ! میں کل سے آپ کو نوٹ کر رہا ہوں کوئی پریشانی ہے اگر کوئی بات ہے تو مجھ سے شیئر کریں۔"

"نہیں تو بس یونہی۔" نبیلہ نے جھوٹی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر سجائی تھی۔

"نہیں نبیلہ! میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یقیناً کوئی مسئلہ ہے جس نے آپ کو الجھا دیا ہے۔"

ولید آفریدی نے چائے کا کپ صرف ایک سیپ لے کر ہی رکھ دیا تھا۔

نبیلہ نے کچھ نہیں کہا صرف خاموشی سے سر جھکا لیا تھا۔

"نبیلہ!" ولید آفریدی نے ہولے سے پکارا تھا۔

"جی!" نبیلہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

اس دوران ناشتہ کرتے ان کے بیٹے ہنی نے بھی ناشتہ چھوڑ دیا تھا۔ نبیلہ نے ہنی کو دیکھا پھر اس کا ناشتہ جو یونہی کا یونہی پڑا ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

"ہنی! آپ ناشتہ کیوں نہیں کر رہے ہیں؟" نبیلہ اس کے سامنے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"ظاہری بات ہے وہ بھی اپنی ماما کو یوں افسردہ اداس دیکھے گا تو کچھ نہیں کھایا جائے گا۔" ولید آفریدی نے مذاق میں چھیڑا تھا۔

"اور ایک بات تو بتائیے شہلا کہاں ہے؟ کیا آج جلدی یونیورسٹی چلی گئی ہے؟" ولید آفریدی کو اس کی کمی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔

"نہیں آج وہ نہیں گئی سو رہی ہے۔"

"سو رہی ہے۔ مگر کیوں رات کھانے کی ٹیبل پر بھی نہیں تھی اور ابھی بھی ہمارے ساتھ ناشتہ پر نہیں ہے۔" ولید آفریدی کو ہلکی سی تشویش ہوئی تھی۔

"مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔" ان کے سوال کو نظر انداز کیے وہ بات شروع کرنا چاہ رہی تھی مگر ہنی کو

دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

"ہنی! آپ کالج کیوں نہیں جا رہے ہو بیٹا؟"

"میرا آج موڈ نہیں ہے۔ آج میں گھر پر ہی رہوں گا۔" وہ ناشتے کی ٹیبل سے کھڑا ہو گیا اور ٹی وی لاؤنج میں جا کر ریموٹ ہاتھ میں لیے وہیں صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ ولید آفریدی نے خاموشی سے اس کو جاتے دیکھا تھا۔ اب تو واقعی لگ رہا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے اس نے نبیلہ کو دیکھا تھا۔

"ولید! اسی ہفتے یا اگلے ہفتے میں میرا کزن امریکہ سے آ رہا ہے۔"

"ارے یہ تو خوش خبری والی بات ہے۔ اس میں اتنی اداس ہونے والی کیا بات ہے۔"

"اصل موقف یہ نہیں میرا۔"

"تو پھر کیا ہے؟" اس نے اپنے گال پر ہاتھ رکھ کر میز سے ٹکائی تھی۔

ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ہنی نے ٹی وی کا والیوم قدرے کم کر دیا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا نبیلہ آگے کیا کریں گی۔

"ولید! جو بات میں کہنے جا رہی ہوں آپ کو تسلی اور ٹھنڈے دل سے سوچنا پڑے گا۔ نا صرف بلکہ اس پر غور بھی کرنا ہوگا۔"

"آپ اتنی تمہید باندھ رہی ہیں؟ پوائنٹ کی بات کیجئے کیونکہ مجھے اندازہ ہو رہا ہے کوئی مسئلہ ضرور ہے۔" نبیلہ نے کچھ پل ولید آفریدی کے چہرے کو دیکھا پھر ایک لمبی سرد سانس کھینچی تھی۔

"ولید! میں چاہتی ہوں شہلا کی شادی ہو جائے۔"

"اف...... ! میں سمجھا جانے کون سا اہم مسئلہ ڈسکس کرنے جا رہی ہیں۔ اتنی سی بات تھی جناب کو اب اپنی نند کھٹکنے لگی ہے۔" وہ مکمل مذاق کے موڈ میں تھا اور اس کا یہی مذاق نبیلہ کو گراں گزرا تھا۔

"ولید! کیا آپ سیریس ہو سکتے ہیں؟" اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"آل رائٹ! مگر آپ ہی بتائیے کہ آپ کے باہر سے آنے والے کزن اور شہلا کی شادی یہ دونوں الگ الگ مسئلے ہیں تو اس میں پریشانی والی بات کیا ہے اور پھر شہلا کی شادی اس کی پڑھائی مکمل ہونے کے بعد ہو جائے گی۔" اب اچھنے کی باری ولید آفریدی کی تھی وہ سیدھا ہو کر بیٹھا تھا۔

"ولید! میں چاہتی ہوں شہلا کی شادی میرے کزن سے ہو۔"

"واٹ...... آپ کو کچھ علم ہے آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"تو اس میں غلط کیا ہے؟"

"تو پھر آپ ہی بتا دیں کہ اس میں صحیح بات کیا ہے؟"

"ولید پلیز! آپ سمجھنے کی کوشش کیجئے۔"

"اس میں نا سمجھ آنے والی کون سی بات ہے۔"

"اگر شہلا کی شادی میرے کزن سے ہوتی ہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔"

"اس میں مضائقہ ہے نبیلہ! ہم اپنے خاندان کی روایات ان رسم و رواج کے خلاف نہیں جا سکتے۔ جنہیں فالو کرنا نا صرف ہماری ذمہ داری ہے بلکہ ہم پر یہ پابندی بھی عائد ہے کہ ہم اپنی حدود میں رہیں اور آپ جانتی ہیں کہ شہلا ہماری پھپھو کے بیٹے کی منگیتر ہے۔"

''چاہے وہ خوش نہ رہے اس شادی سے؟'' نبیلہ ناراضی سے بولی تھی۔
''خوش نہیں رہے گی؟ وہ کیوں خوش نہیں رہے گی الٹے اس شادی سے خوش رہنا پڑے گا چاہے زبردستی ہی کیوں نہیں۔''
''ولید!'' وہ خاموش ہوگئی، الجھ کر رہ گئی کہ اپنی بات آخر کیسے منوائے۔
''ولید! ہماری بھی تو خاندان سے باہر شادی ہوئی ہے نا۔''
''ہماری بات الگ ہے نبیلہ! ہم غیر خاندان سے لڑکی لا تو سکتے ہیں مگر اپنے خاندان کی لڑکی باہر دینا ہمارے خاندان کی روایات کے سخت خلاف ہے اور پھر آپ یہ بھی اچھی طرح جانتی ہیں کہ ہماری شادی کے بھی کتنے لوگ خلاف تھے۔''
''مگر سب مان بھی گئے تھے۔''
''ہاں وہ اس لیے کہ میں نے اپنی منگیتر سے شادی کی تھی جو آج بھی حویلی میں میرے بغیر زندگی گزار رہی ہے۔''
''ولید! زمانہ بہت آگے نکل گیا ہے۔''
''ہاں زمانہ بہت آگے نکل گیا ہے مگر آج بھی اپنے خاندان کی روایات و رواج کی پاسداری ہم پر فرض ہے یہ بات نہ تو میں بھولا ہوں اور آپ سے بھی التجا ہے کہ اسے یاد رکھیے گا۔''
''ہم اسے بیک ورڈ سے زیادہ کوئی نام نہیں دے سکتے۔'' وہ چڑ کر بولی تھی جس پر ولید آفریدی دھیرے سے ہنس دیا تھا۔
نبیلہ ان کی یونیورسٹی فیلو تھی، پسند کب محبت میں بدلی وہ نہیں جانتے تھے مگر کچھ لوگوں کی مخالفت کے بعد پھر بھی یہ شادی ہو ہی گئی تھی۔
''او کے! آپ کا جو دل چاہے آپ کہہ سکتی ہیں۔ مجھے قطعی برا نہیں لگے گا۔'' ولید آفریدی نے پیار سے اپنی بیوی کو دیکھا تھا۔
''ایک بات تو بتائیے جو سوال مجھے سب سے پہلے کرنا چاہیے وہ میں اب کر رہا ہوں، آپ کو شہلا کی شادی کی وہ بھی اپنے کزن سے اتنی جلدی اور اتنی اچانک کیونکر خیال آیا ہے۔'' نہایت عام سا لب و لہجہ تھا مگر نبیلہ بری طرح ٹھٹھا کر رہ گئی تھی۔
''ن..... نہیں تو..... میں تو کب سے یہ سوچ بیٹھی تھی؟ مجھے تو شہلا پہلے دن سے ہی بہت پسند آئی تھی۔''
''یہی بات ہے ناں یا کچھ اور؟'' ولید آفریدی نے بغور اس کا گھبرایا چہرہ دیکھا تھا۔
''آپ اس طرح کیوں کہہ رہے ہیں؟''
''چلیں چھوڑیں، شہلا کی شادی پر پھر کسی دن بحث کر لیجیے گا، ابھی مجھے آفس سے بہت دیر ہوگئی ہے اور ڈاکٹر صاحبہ آپ کو بھی اسپتال جانا ہے یا نہیں۔''
''نہیں آج میرا بالکل موڈ نہیں ہے اسپتال جانے کا۔''
''او کے..... پھر مجھے چلنا چاہیے ایک اہم میٹنگ بھی کرنی ہے۔'' ولید آفریدی کھڑے ہو کے اپنا موبائل دیکھا جہاں فون آ رہا تھا۔

''یہ لو فون بھی آ گیا آفس سے؟ ایک بات رات میں جلدی آؤں گا ڈنر ہم سب مل کر باہر کریں گے۔''
''جی بہتر۔'' ولید آفریدی او کے کا بٹن پریس کرکے کان سے لگاتے ہوئے باہر نکلتے چلے گئے تھے۔
''رشیدہ.....!'' نبیلہ نے کھڑے ہو کر رشیدہ کو آواز دی تھی رشیدہ فوراً حکم بجا لائی تھی۔
''جی بیگم صاحبہ!''
''یہ سب اٹھا لو۔'' نبیلہ کا اشارہ ناشتے کی ٹیبل کی طرف تھا۔
''جی بہتر بیگم صاحبہ!'' اس نے برتن سمیٹنے شروع کر دیے تھے۔
نبیلہ نے ایک نظر صوفے پر بیٹھے ہنی کو دیکھا اور شہلا کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ شہلا بیڈ پر لیٹی تھی بے سدھ، جیسے دنیا مافیہا سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ خود میں کھوئی ہوئی تھی۔ نبیلہ کا دل خون کے آنسو رو دیا۔ وہ اپنی آنکھوں کے آنسو خشک کرتی شہلا کے بالکل پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔
''شہلا!'' اس نے شہلا کے بکھرے اجڑے بال سنوارے، جن کی مانند وہ خود بھی بکھری ہوئی تھی۔
''ماما!''
ہنی، نبیلہ کے بالکل پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا اور ان کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ نبیلہ چونک کر گردن موڑ کر ہنی کو دیکھنے لگی تھی۔
''ہنی بیٹا! آپ یہاں کیا کر رہے ہو؟'' نبیلہ نے ہنی کا اپنے شانے پر رکھا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔
''ماما! شہلا پھپھو کو کیا ہوا ہے؟'' ہنی نے نہایت دکھ بھری نظروں سے شہلا کی اجڑی بکھری حالت دیکھی تھی۔
''کچھ نہیں بیٹا! بس کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ کی شہلا پھپھو کی۔'' نبیلہ کے جھوٹ میں بھی لڑکھڑاہٹ تھی جو ہنی نے نوٹ کر لی تھی۔
''کیا ہوا ہے شہلا پھپھو کی طبیعت کو؟''
''بس بیٹا کچھ بخار سا ہو گیا ہے، میں نے دوائی دے دی ہے ٹھیک ہو جائے گی جلد۔'' وہ ہنی سے نظریں چرا گئی تھی۔
''مگر ہنی کی نگاہیں ہنوز شہلا پر ہی پڑی ہوئی تھیں۔
''ایک بات پوچھوں آپ سے، سچ بتائیں گی؟''
نبیلہ نے اپنے بیٹے ہنی کی سنجیدگی کو کچھ شک بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ نبیلہ خاموش رہی تھی مگر ہنی کو یہ خاموشی بہت کھلی تھی، اس نے شہلا پر سے نظر ہٹا کر نبیلہ کو دیکھا تھا۔
''بولیے ماما! میں اگر آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے سچ بتائیں گی، مجھ سے جھوٹ تو نہیں بولیں گی؟'' نبیلہ نے بغور اپنے بیٹے ہنی کے چہرے کو دیکھا تھا۔ پندرہ سال کا تھا مگر اٹھان سے اور رنگ و کاٹھ سے وہ 25 سال کا سمجھ دار لڑکا لگتا تھا۔ وہ ایک پٹھان باپ کا پٹھان بیٹا تھا جو اتنا دیکھ کر اندر کی تحریر معلوم کر لیتے ہیں۔ اس وقت اس کے چہرے پر وہی جاہ و جلال، وہی غیض و غضب کا سایہ دکھائی دے رہا تھا جو نبیلہ نے اکثر ولید آفریدی کے چہرے پر دیکھا تھا۔
''ماما میں آپ سے کچھ پوچھ رہا ہوں، مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے۔'' نبیلہ اس کے سرد انداز

سے اندر سے ذرا سا سہم سی گئی تھی۔ آخر کونسل کے رتبے تو آئیں گے۔

"ہاں بیٹا! پوچھو۔"

"یہ ریحان شیخ کون ہے؟"

"ہنی۔" نبیلہ بھونچکا سی ہو کر رہ گئی تھی۔

"کوئی سوال نہیں ماما! مجھے بس اتنا بتائیے یہ ریحان شیخ کون ہے؟" ہنی نے نبیلہ کے آگے بولنے سے پہلے ہی ٹوک دیا تھا۔

"خاموش ہو جاؤ آگے ایک لفظ مت بولنا۔" نبیلہ تیزی سے اٹھی اور کمرے کا دروازہ لاکڈ کر دیا مگر لاکڈ کرنے سے پہلے باہر جھانک کر ضرور دیکھا تھا۔

"کیوں خاموش ہو جاؤں۔ ایک بات آپ سن لیں، میں نے آپ کی اور شہلا پھپھو کی ساری باتیں کل سن لی تھیں۔" ہنی کے لب و لہجے میں غصے کے رنگ تھے۔

"ٹھیک ہے اگر سن لی تھیں تو اپنے منہ پر پٹی باندھ لو۔" وہ ہنی کے قریب آئی تھیں۔

"بلکہ یوں سمجھو کہ نہ تو تم نے کچھ دیکھا ہے اور نہ ہی کچھ سنا ہے۔"

"نہیں ماما! ایسا ممکن نہیں ہے۔ میں نے سب کچھ سنا ہے۔" ہنی کے انداز میں بغاوت کی بو آ رہی تھی۔

"ہنی!" نبیلہ ہولے سے چیخی تھی۔

"آپ کے چیخنے چلانے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی ماما!"

نبیلہ نے حیرت سے ہنی کو دیکھا تھا۔ آج وہ اصل میں پٹھان لگ رہا تھا جو عزت کی خاطر جان لے بھی سکتے ہیں اور جان دے بھی سکتے ہیں۔ گورا سرخ و سفید اپنی عمر سے بڑا لگ رہا تھا وہ اس وقت۔

"بتائیں ماما! یہ ریحان شیخ کون ہے؟" وہ نبیلہ کے پاس آیا اور ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیے تھے۔ ان ہاتھوں کے دباؤ کو نبیلہ نے شدت سے محسوس کیا تھا جس میں مردانہ طاقت کا احساس ہوا تھا۔

"میں نہیں جانتی اور آپ سے بھی ریکوئسٹ کرتی ہوں کہ خدارا اس بات کو یہیں دفن کر دو۔" کس قدر کمزور لہجہ تھا نبیلہ کا ہنی نے نبیلہ کے دونوں ہاتھ چھوڑ دیے۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ ریحان شیخ کو کیوں بچا رہی ہیں؟"

"میں ریحان شیخ کو نہیں تمہاری شہلا پھپھو کو بچا رہی ہوں۔" اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔ اسی نمی بھری آنکھوں سے اس نے بے سود ہر شے سے بے خبر بیڈ پر سوئی جاگی شہلا کو دیکھا تھا۔

"میں سمجھا نہیں ماما! کیا مطلب ہے آپ کی اس بات کا۔" ہنی نے ناسمجھی کی کیفیت کے عالم میں نبیلہ کو دیکھا تھا۔ نبیلہ نے شہلا پر سے نظر ہٹا کر پاس ہی کھڑے ہنی کو دیکھا تھا۔

اب اس کو وہ کیا جواب دیتیں۔ شہلا کے ساتھ ریحان شیخ نے جو کیا تھا وہ کیسے اپنے پندرہ سالہ بیٹے کے سامنے بیان کرتیں۔ انہیں جھجک سی آنے لگی تھی۔

"ہنی! آپ بچے ہو چھوٹے ہو ناسمجھ ہو اس لیے ان سب چکر میں پڑنے سے بہتر ہے اپنی تعلیم پر توجہ دو۔ آپ کے ڈیڈ آپ کو کچھ ہی دنوں میں انگلینڈ بھیج دیں گے پڑھائی کے لیے۔" وہ اس کو ٹالنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھیں۔

"ماما نہ تو میں بچہ ہوں نہ چھوٹا اور نہ ہی ناسمجھ، میں سب جانتا ہوں۔"

"اچھا کیا جانتے ہیں آپ ہنی میاں؟" اس کی اس طرح کی بحث پر نبیلہ کو غصہ آ گیا تھا۔ مگر ہنی کو اس کے غصہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

"یہی کہ ریحان شیخ نے شہلا پھپھو کا ریپ کیا ہے۔"

"چٹاخ.....!" نبیلہ نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا تھا۔

"ہنی! کچھ اندازہ ہے کیا کہا ہے آپ نے میرے سامنے۔"

"مار لیں... جتنا چاہے مار لیں مگر سچ تو یہی ہے ناں۔" ہنی نے اپنے گال پر ہاتھ رکھ کے بتایا تھا۔

"اور سچ یہ بھی ہے کہ میں ریحان شیخ کو چھوڑوں گا نہیں۔ آپ مجھے نہ بتائیں ریحان شیخ کے بارے میں مگر میں اپنے طریقے سے ضرور پتہ کروں گا۔" ہنی کی بلوریں آنکھوں میں غصے کے شرارے دوڑ رہے تھے، جن سے نبیلہ اپنے آنے والے وقت کے لیے پریشان ہو گئی تھی۔

"ہنی! میرے چاند کیوں میرے لیے مزید پریشانیوں کا سامان پیدا کر رہے ہیں آپ، میں شہلا کے لیے ویسے ہی بہت پریشان ہوں۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا کیا کروں۔" اس کے غصے کو تخفیف و غضب کو دیکھ کر وہ نرم پڑنے لگی تھی۔

"ماما! میں آپ کا بیٹا ہوں۔ آپ مجھ سے شیئر کر سکتی ہیں اپنی پریشانی مگر ہاں میں اتنا ضرور کہوں گا کہ آپ ڈیڈ سے چھپا رہی ہیں انہیں بھی بتا دیجیے۔"

"نہیں۔" نبیلہ نے ہنی کے منہ پر ہاتھ رکھ دیے تھے۔

"خدا کا واسطہ ہے ہنی! آپ ولید سے کچھ نہیں کہیں گے۔"

"مگر کیوں ماما! آپ انہیں بتائیں تو چلیں آپ مجھے بچہ سمجھتی ہیں مگر ڈیڈ تو آپ کے شوہر ہیں شہلا پھپھو کے بڑے بھائی ہیں۔" اپنی ماں کی آنکھوں کی نمی نے اس کے غصے کو کچھ ٹھنڈا کر دیا تھا۔

"آپ کے ڈیڈ ایک ہسبنڈ اور ایک بڑے بھائی سے پہلے وڈیرے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"اگر میں نے شہلا کے بارے میں انہیں بتا دیا یا انہیں شہلا پر گزری زیادتی کا پتہ چل گیا تو وہ سب سے پہلے شہلا کو زمین میں زندہ اتاریں گے۔ اس کے بعد ریحان شیخ کے پورے خاندان کو وہ سزا دیں گے کہ اس سمیت آنے والی نسلیں سو بار بھی اس خاندان پر نظر اٹھانے کے لیے سوچیں گی۔" نبیلہ کی یہ سوچ کر ہی ریڑھ کی ہڈی سنسنا اٹھی تھی۔ اس کا رواں رواں کانپ اٹھا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں ماما! آپ ڈیڈ ایسا کیسے کر سکتے ہیں، وہ ایسے نہیں ہیں۔" ہنی کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ وہ بے یقین نظروں سے نبیلہ کو تک رہا تھا۔

"وہ ایسے ہی ہیں ولید آفریدی اپنے خاندان پر انگلی اٹھتا کبھی نہیں دیکھیں گے اور آپ ابھی چھوٹے ہو اپنی پھپھو کی محبت میں جذباتی ہو رہے ہو مگر کل آپ بھی اپنے باپ دادا کی طرح ہی سوچو گے نا صرف بلکہ وہی کرو گے جو اس خاندان کی روایات ہے کیونکہ آپ کے اندر انہی لوگوں کا خون دوڑتا ہے۔"

"تو ماما! میں ایسا کچھ نہیں کروں گا، رہی شہلا پھپھو تو ڈیڈ سے زیادہ ان کی حفاظت میں کروں گا اور آپ کو دکھا دوں گا کہ میں ایسا کر سکتا ہوں۔"

"خوش رہیں آپ میری ڈھیروں دعائیں آپ کے لیے ہیں۔" نبیلہ نے اپنے بیٹے کے ماتھے پر

شفقت سے بوسہ لیا تھا۔

"آپ فکر مت کریں ماما! اگر یہ خاندان عزتوں کے معاملے میں اتنا ظالم اور جابر ہے تو میں بھی اسی خاندان کا وارث ہوں۔" اس نے نبیلہ کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

"بے شک میں پندرہ سال کا ہوں مگر شہلا پھپھو کی حفاظت کرنا جانتا ہوں۔" انہوں نے نبیلہ کے دونوں ہاتھ چھوڑ دیے تھے اور آ کر شہلا کے پاس بیٹھ کر ان کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے تھے۔

نبیلہ نے فخر سے ہنی کو دیکھا تھا اور آ کر پیچھے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ رات کو ولید آفریدی نو بجے ہی آ گئے تھے آج انہوں نے پروگرام بنایا تھا سب مل کر ڈنر باہر کریں گے۔

"نبیلہ ! ریڈی ہیں آپ سب لوگ؟"

ولید آفریدی نے بریف کیس صوفے پر رکھا۔ جسے ملازم اٹھا کر ان کے بیڈ روم میں رکھ کے آ گیا تھا۔ ولید آفریدی صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ کوئی پانچ منٹ ہو گئے تھے مگر نبیلہ نہیں آئی تھی۔ پانچ سے دس منٹ اس طرح کوئی آدھا گھنٹہ گزر گیا مگر نبیلہ اور ہنی کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ اس دوران ولید آفریدی ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ ٹائم گزرنے کا احساس ہوا تو انہوں نے اپنی کلائی پر بندھی قیمتی گھڑی میں ٹائم دیکھا تھا۔ پھر ریموٹ رکھا اور اپنے بیڈ روم میں آ گئے وہاں بھی نبیلہ نہیں تھیں۔

"نبیلہ کہاں ہیں؟"

وہ خود سے سوال کرتے ہوئے دروازہ بند کیے ہنی کے بیڈ روم میں آئے وہاں بھی نہیں تھیں اور ہنی بھی نہیں تھا۔ انہوں نے کندھے اچکائے پھر ذہن میں شہلا آفریدی کا خیال آیا تھا۔ وہ ہنی کے کمرے سے نکل کر اور پھر شہلا کے بیڈ روم کی سمت بڑھے تھے۔ دروازہ بغیر دستک دیے اندر آئے تھے۔ سامنے کے منظر نے انہیں شش و پنج میں ڈال دیا تھا۔ شہلا بیڈ پر کمبل اوڑھے سو رہی تھی۔ ہنی شہلا کے پاس بیٹھا تھا اور نبیلہ ہنی کے پیچھے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑی تھیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" ولید آفریدی آگے بڑھے تھے۔

نبیلہ اور ہنی نے نہایت چونک کر پیچھے پلٹ کر دیکھا تھا۔ ولید آفریدی نے ناسمجھی کی کیفیت میں دونوں کو دیکھا اور پھر شہلا کو ایسی حالت میں دیکھ کر بھونچکا سے رہ گئے تھے۔

ابھی کل صبح ہی تو ان کی شہلا سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ اس کو یونیورسٹی چھوڑنے گئے تھے لیکن کل سے آج تک ایسی کیا افتاد اس پر ٹوٹ گئی ایسی کون سی قیامت آئی جس کی زد میں اس کا ناتواں وجود آ گیا تھا جو وہ اس قدر بدلی بدلی ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے وہ زندہ لاش بن گئی ہو۔ سرخ و سفید رنگت سپید پڑ چکی تھی۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے۔ ہونٹوں پر پپڑی سی جم کر سوکھے ہو گئے تھے وہ۔

"یہ کیا ہو گیا ہے نبیلہ! شہلا کو وہ ایسی کیا بات ہوگئی ہے جو یہ مردہ سے بدتر حالت میں یوں بستر پر پڑی ہے۔" ولید آفریدی کی زبان ہی تھیں وہ خود بھی لڑکھڑا کے رہ گئے تھے۔

"ولید.....!" نبیلہ تیزی سے ولید آفریدی کے قریب آئی تھی۔

"نبیلہ! مجھ سے کچھ جھوٹ مت بولنا۔ سچ بتاؤ ماجرا کیا ہے؟" بمشکل انہوں نے اپنے مضبوط اعصاب پر کنٹرول کیا تھا۔

نبیلہ کو نہیں لگتا تھا کہ وہ اب مزید کچھ چھپا پائے گی۔ وہ خاموش ہو گئی تھی اس کی آنکھوں سے نمی بہنے لگی تھی۔

"نبیلہ! خاموش مت رہیے بتائیے مجھے۔" انہوں نے نبیلہ کو دونوں شانوں سے تھام کر جھنجوڑ کے رکھ دیا تھا۔

ہنی نے بغور اپنے ڈیڈ کو دیکھا تھا اور نبیلہ کی بات سچ لگ رہی تھی کہ وہ ایک شوہر اور باپ بھائی ہونے سے پہلے ایک پٹھان وڈیرے ہیں جن کے خون میں لاوا بہتا ہے۔

"ریحان شیخ.....!"

اور پھر وہ آہستہ آہستہ رک رک کے سب ان کے گوش گزار کرتی چلی گئیں جو آپ بیتی شہلا پر گزری جو ظلم اس نے قصور نہ ہوتے ہوئے بھی سہا سب ولید آفریدی کو یہ ظلم کی داستان سناتی چلی گئی تھی

ولید آفریدی کا رنگ ایک لمحے میں بدلا تھا۔ وہ اس وقت ایک تعلیم یافتہ تہذیب یافتہ ولید آفریدی نہیں بلکہ ایک روایتی اپنی عزت و آبرو پر مرمٹنے والے پٹھان وڈیرے ہی لگ رہے تھے۔

"اور آپ مجھے یہ بات اب بتا رہی ہیں؟"

"ولید..... ولید..... میری بات کو سمجھئے۔"

"جسٹ شٹ اپ۔" ولید آفریدی نے نہایت بری طرح نبیلہ کے دونوں ہاتھ جھٹکے تھے کہ وہ پیچھے بستر پر گری تھیں۔

"ایک لفظ اور آگے کہا تو زبان کھینچ لوں گا تمہاری۔" وہ بری طرح مشتعل ہو گئے تھے۔ غصہ ان کے انگ انگ سے پھوٹ رہا تھا۔ آنکھوں سے شعلوں کی چنگاریاں نکل رہی تھیں اور منہ سے بہت سارے اژدھوں کی پھنکار تھی۔

یہ روپ وہ ولید آفریدی کا پہلی بار دیکھ رہی تھیں۔ اب تک سنا تو بہت تھا مگر آج دیکھ بھی لیا وہ اندر تک کانپ کر رہ گئی تھیں۔ بلکہ پاس کھڑا ہنی بھی اندر سے سہم گیا تھا۔ اس نے بھی کہاں اپنے اس قدر پیار کرنے والے نرم و ملائم سا لہجہ رکھنے والے ڈیڈ کا غصہ دیکھا تھا۔

"ولید اس میں شہلا کا کوئی قصور نہیں ہے آپ.....!!"

"نہیں نبیلہ! شہلا کا فیصلہ تو حویلی جا کر ہی ہوگا اور تم جانتی ہو کہ اس کے ساتھ کیا ہوگا مگر اس سے پہلے ریحان شیخ کا حساب چکانا ہے۔" ولید آفریدی مشتعل سے آگے بڑھے اور اس کمرے سے نکل کر اپنے بیڈ روم میں تیزی سے آ گئے تھے۔ ان کے پیچھے نبیلہ آئی تھیں تیزی سے۔

"ولید..... ولید یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" ولید آفریدی نے اپنی پستول نکالی تھی اور اس کو چیک کر کے اس کو لوڈ کر کے اپنی کوٹ کی جیب میں ڈال لی تھی۔

نبیلہ بری طرح تھرتھرا کے رہ گئی تھیں وہ جانتی تھیں کہ ولید آفریدی کیا کرنے جا رہے ہیں۔

"ولید! ریحان شیخ قصور وار ہے اس نے ہماری بچی کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ اسے سزا ملنی چاہیے مگر اسے سزا قانون دے گا آپ اس کے خون سے اپنے ہاتھ مت رنگیں۔"

"نہیں۔" ولید آفریدی نے اس کو دھکا دے دیا۔

(جاری ہے)

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 12

تیرے پیار کی خوشبو

"اس کو سزا قانون نہیں میں دوں گا۔ میری پسٹل میں جتنی بھی گولیاں ہیں اس کا پورا وجود چھلنی چھلنی کر دوں گا۔ اس کے جسم کے اتنے ٹکڑے کروں گا کہ آنے والی نسلیں اس کی عبرت سے پناہ مانگیں گی۔" ولید آفریدی

اس پر دھاڑے تھے۔

"میں صرف پندرہ منٹ میں واپس آ رہا ہوں تیاری کرو شہلا کو نواب حویلی لے کر چلنا ہے۔" اور پھر دور کے نہیں سیدھے نکلتے چلے گئے تھے۔

"جی.... جی...." نبیلہ تیزی سے اوپر آئی تھیں۔ ڈر و خوف ان کے وجود کے ایک ایک حصے سے ٹپک رہا تھا۔

"ماما.... اونیلز کہاں ہیں؟" خوفزدہ تو وہ بھی تھی۔ ایسا ماحول وہ پہلی بار جو دیکھ رہا تھا۔

"وہ ریحان شیخ کو ختم کر دیں گے میں نے آپ سے کہا تھا نا؟ میں جانتی تھی وہ اپنی روایات کی پاسداری کریں گے۔ وہ چاہے کتنا ہی پڑھے لکھے کیوں نہ ہوں مگر عزت کے معاملے میں کوئی تعلیم کوئی تہذیب آڑے نہیں آتی۔"

"ماما! اب کیا ہوگا؟"

"وہ واپس آ رہے ہیں وہ کہہ کے گئے ہیں کہ شہلا کو لے کر حویلی چلنا ہے۔"

"مگر شہلا پھپھو کی تو ویسے بھی بہت بری حالت ہے۔"

"میں جانتی ہوں وہ لوگ شہلا کو زمین میں زندہ اتار دیں گے۔"

"شہلا پھپھو کا کیا قصور ماما؟"

"آپ نہیں جانتے شہلا کا لڑکی ہونا ہی سب سے بڑا قصور ہے۔"

"یہ سراسر ناانصافی ہے ماما!" ہنی کو بہت برا لگ رہا تھا یہ سب۔

"وہاں انصاف نہیں چلتا ہنی! وہاں انصاف کی زبان نہیں گولیوں کی قتل کی مار دو یا مر جاؤ کی زبان چلتی ہے۔" نبیلہ کا سوچ کر ہی رواں رواں کانپ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ جتنی بھی کوشش کر لیں مگر ہر کوشش ناکام ٹھہرے گی ولید آفریدی قطعی نہیں مانیں گے۔ آج شہلا آفریدی کی آخری رات ہے اس کے بعد وہ زندہ قبر میں دفنا دی جائے گی۔ اس کو تو یہ بھی نہیں معلوم کہ آگے اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ وہ معصوم تو ان سب سے بے خبر اندھیری دنیا کی باسی بنی ہوئی تھی اور اسی اندھیر نگری میں ان کو چند گھنٹوں بعد لے جانا تھا۔ یہ ہے ان بے چاری کا مقدر۔

وہ انہی دردناک سوچوں میں گھری تھیں کہ ان کا سیل فون بجنے لگا تھا۔ اجنبی نمبر تھا دل تو نہیں چاہ رہا تھا فون ریسیو کرنے کا مگر ہنی کے بولنے پر ریسیو کر لیا تھا۔

"ہیلو!"

"جی آپ کون؟" بے دلی سے کہا تھا۔

"جی میں ڈاکٹر رضا بات کر رہا ہوں ایک مریض ایمرجنسی میں آئے ہیں۔ جن کے N.I.C سے نام ولید آفریدی اور موبائل سے آپ کا نام ملا ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے آپ اسپتال آ جائیے۔"

"واٹ..... کیا ہوا ہے میرے ہسبینڈ کو؟" نبیلہ بری طرح گھبرا گئی تھی۔

"آپ کے ہسبینڈ کا بہت بری طرح ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ ہائی وے پر کھائی میں آپ کے ہسبینڈ کی گاڑی گر گئی مگر ولید آفریدی وہیں جھاڑیوں میں گر گئے تھے۔ انہیں بہت بری حالت میں اسپتال لایا گیا ہے۔"

"مگر..... ڈاکٹر ولید ٹھیک تو ہیں ناں؟"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا پلیز آپ جلدی یہاں آ جائیے۔"

"کیا ہوا ماما! ڈیڈ ٹھیک ہیں؟" ہنی وہیں پاس کھڑا تھا۔

"پتا نہیں ہمیں جلدی چلنا چاہیے۔" وہ دونوں پانچ منٹ کی ڈرائیو سے اسپتال پہنچے تھے۔

ولید آفریدی I.C.U میں تھے مگر اتنی دیر تک تھے گھنٹے آپریشن ہونے کے بعد بھی ڈاکٹرز ناکام رہے تھے۔ ولید آفریدی، نبیلہ کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

"ڈیڈ....." ہنی کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو چھلک پڑے تھے، وہ ہمت کرنا چاہتا تھا کہ نہ روئے صرف اپنی ماں کو سنبھالنے کے لیے مگر صد افسوس وہ ہار گیا تھا۔

"ماما! حویلی فون کروں؟"

"ہاں بیٹا! وہاں فون کرنا ضروری ہے؟ مگر ایک منٹ۔" ہنی فون ملا رہا تھا۔

نبیلہ نے اس کے فون پر ہاتھ رکھ دیا تھا ہنی نے سوالیہ نظروں سے نبیلہ کو دیکھا تھا۔

"ہنی! شاید قدرت نے ہمیں نیا اشارہ بھی دیا ہے۔"

"کیسا اشارہ ماما؟"

"شہلا کو بچانے کا۔"

"لیکن ماما! ڈیڈ.....!"

"ولید کی موت میرے لیے ایک بہت بڑا سانحہ ایک روگ ہے ہنی مگر اس وقت شہلا کو بچانا بھی بہت ضروری ہے۔ ولید کی موت قدرت کی طرف سے ہے مگر شہلا وہ بے موت ماری جائے گی۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے ماما! مگر اب ہم کریں گے کیا؟"

"سب سے پہلے شہلا کو محفوظ مقام پر پہنچاؤ یہ ضروری کام ہے۔"

"اس کے بعد؟"

"اس کے بعد ہم حویلی فون کریں گے، ولید کے بارے میں بتائیں گے۔"

"پھر....."

"پھر ہم لوگ ولید کی باڈی لے کر حویلی جائیں گے اور سب کو یہ بتائیں گے کہ ولید، شہلا کو لے کر حویلی آ رہے تھے کہ ایک کار ایکسیڈنٹ میں ولید کی موت ہو گئی، جب کہ شہلا ایک گہری کھائی میں گر گئی ہے۔"

"مگر ماما! ان سب کا کیا فائدہ۔ شہلا پھپھو کے بارے میں میرے آپ کے اور ڈیڈ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔ اب ڈیڈ تو نہیں ہیں پھر شہلا پھپھو کو چھپانے کا کیا جواز بنتا ہے؟" وہ ابھی بھی کچھ نہیں سمجھ پا رہا تھا۔

"اُف! او ہنی! ایک تو آپ سوالات بہت کرتے ہو۔ اب جو میں کہہ رہی ہوں وہ کرو بعد میں سمجھا دوں گی۔"

اب نبیلہ اسے کیسے سمجھا سکتی تھیں کہ اگر شہلا کو وہ لوگ بیمار دیکھیں گے تو سب سے پہلے اس کا پورا چیک اپ کرائیں گے اور چیک اپ سے اس کے ٹیسٹ کی رپورٹ سے شہلا کی حالت کے بارے میں سب کچھ پتہ چل جائے گا اور پھر آگے کیا ہوگا وہ سوچ کر ہی اس کی روح تک کانپ گئی تھی۔

نبیلہ اور ہنی نے مل کر شہلا آفریدی کو اس گھر سے ہٹا دیا تھا۔ رہے ملازم تو انہیں بھی یہی بتا دیا تھا کہ ولید آفریدی شہلا کو لے کر حویلی جا رہے تھے، راستے میں جان لیوا ایکسیڈنٹ ہو گیا، حویلی فون کر دیا گیا تھا۔ نبیلہ نے جو خواب تک سجایا تھا پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھیں۔ اس کا شریک سفر اس کی محبت اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ اس تنہا دنیا میں ہر حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ بالکل اکیلی ہو گئی تھیں۔ صرف اس کا ایک ہی سہارا بچا تھا اس کا بیٹا ہنی۔

ولید آفریدی کی تدفین کر دی گئی تھی۔ سوئم بھی گزر گیا۔ چالیسواں بھی گزر گیا۔ بیوگی کی سفید چادر اوڑھے نبیلہ ایک کونے میں گم صم بیٹھی تھیں۔ سب نے ہی اس کو منایا تھا۔ اب وہ کیا کرے گی تن تنہا یہاں سب کے ساتھ حویلی چلے مگر وہ نہیں مانی تھی۔ وہ سب مایوس ہو کر اور نبیلہ کو ڈھیروں تسلیاں دے کر حویلی رخصت ہو گئے تھے۔ یہاں نبیلہ نے بھی اپنا، ہنی اور شہلا آفریدی کا سامان باندھنا شروع کر دیا تھا۔

وہ لوگ یہاں انگلینڈ آ کر بس گئے تھے۔ کون سا ایسا اسپتال نہیں جہاں شہلا آفریدی کا علاج نہ کرایا گیا مگر آج بھی شہلا آفریدی کی وہی حالت تھی جو آج سے پندرہ سال پہلے تھی۔ نبیلہ تھک چکی تھیں۔ اس نے ہر ممکن

کوشش کی تھی۔ شہلا کو کومے سے باہر لانے کی مگر اس کی ہر کوشش ہی ناکام رہی تھی۔ بلکہ وہ خود بھی اندر سے گھل گھل کر ختم ہو چکی تھی۔ شاید زندگی آگے وفا نہ کر سکے وہ جو شہلا آفریدی کے لیے اتنا سب ہو چکا تھا سب بے کار رہا تھا۔ وہ زندہ لاش بن چکی تھی، ہر شے سے بیگانہ اس کی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ ہنی اور نبیلہ نے مگر اب اس کی ہمت بھی ٹوٹ گئی شوہر کے بغیر اس کی یاد نے اس کو اندر سے بالکل ختم کر دیا تھا توڑ دیا تھا۔

"ہنی! میرے چاند مجھ سے ایک وعدہ کریں۔" نبیلہ نے پاس بیٹھے ہنی کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"میرے بعد آپ شہلا کا بہت خیال رکھنا یوں نہیں کہ وہ آپ کی پھپھو ہیں اس لیے بھی کہ وہ آپ کے ڈیڈی کی چہیتی اکلوتی بہن بھی ہے۔"

"ماما پلیز! آپ ایسی باتیں مت کریں۔" ہنی کا دل خون خون ہو رہا تھا۔

نبیلہ نے ایک سرد گہری سانس لی تھی۔

"نہیں ہنی! جانا تو سب کو ہی ہوتا ہے دیر سے یا جلدی، آپ کے ڈیڈی کے بعد میں نے خود کو صرف شہلا اور آپ کے لیے سنبھالا ہوا تھا مگر اب میری ہمتیں ٹوٹ گئی ہیں۔ زندگی کا باقی سفر آپ کو میرے بغیر ہی کاٹنا پڑے گا۔"

"ماما پلیز! میرا دل پھٹ جائے گا۔" وہ لمبا چوڑا سرخ و سفید سا ہنی اپنی ماں کے ہاتھوں پر چہرہ رکھے سسک پڑا تھا۔ اس کی بلوریں آنکھیں چھلک پڑیں۔

مگر کاتب تقدیر میں جو لکھا ہے اسے کوئی نہیں ٹال سکتا۔ نبیلہ اتنی بیماری کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملی تھیں۔ اس بھری دنیا میں ہنی بالکل اکیلا رہ گیا تھا۔ شہلا آفریدی کو وہ اکیلا ہی سنبھال رہا تھا اور سنبھالنا بھی کیا تھا وہ بے چاری تو بستر پر مردہ لاش بن کر پڑی تھی۔ کتنی ہی بہاریں گزر اور کتنی خزاؤں کے موسم گزر گئے اچھے برے موڑ سب آئے جن سے وہ بے خبر ہی رہی۔ شہلا آفریدی نے ان گزرے سالوں میں صرف کھویا ہی کھویا ہے مگر......!

آج جو حالت شہلا آفریدی کی تھی ان سب کی وجہ صرف ایک ہی شخص تھا، "ریحان شیخ"۔

"میں اپنی مری ماں کی قسم کھاتا ہوں، ریحان شیخ کہ جو حالت تم نے شہلا آفریدی کی ہے اس سے بدتر تمہاری زندگی کر دوں گا۔ یہ میری زندگی کا مقصد ہے۔"

ہنی نے بستر پر کومے میں سوتی شہلا آفریدی کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔

☆—☆

اور آج وہ اپنے ارادے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ ریحان شیخ کو وہاں ضرب لگائی کہ دن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا اور تا عمر تڑپتا رہے گا جب تک زندہ ہے تب تک صرف اپنے لیے موت مانگے گا مگر موت بھی اتنی آسانی سے نہیں ملے گی اسے۔

"ہاں شہلا پھپھو! آج میں نے زندگی کا وہ قرض چکا دیا ہے جو آپ پر تھا میں نے آپ کا بدلہ لے لیا ہے۔ آج ریحان شیخ کی حالت دنیا دیکھے گی جیسے میں نے مال ہی سے نہیں عزت سے بھی کنگال کر دیا ہے۔" ہنی شہلا کے پاس بیٹھا ان کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔

"شہلا پھپھو! ریحان شیخ برباد ہو گیا ہے اسے منہ چھپانے کی کہیں جگہ نہیں ملے گی وہ حشر کیا ہے میں نے۔ آج میں پرسکون ہوں، جس طرح ریحان شیخ نے آپ کو اس حال پر پہنچایا ہے، وہی حالت اب اس کی بیٹی کی

کر دی ہے میں نے، اب جب جب وہ اپنی بیٹی کو دیکھے گا اپنا گناہ یاد کر کے تڑپے گا۔"

شہلا آفریدی کی انگلیوں میں معمولی سی جنبش ہوئی تھی۔ آفریدی نے دیکھا پھر اس کے چہرے کو دیکھا جہاں پلکوں پہ بھی ہلکی سی جنبش ہونے لگی تھی۔ وہ بے اختیار آگے بڑھا اور شہلا آفریدی کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالوں میں بھر لیا تھا۔

"شہلا پھپھو!" جذبات کی شدت سے ان بلوریں آنکھوں میں نمی سی بھرنے لگی تھی۔

"شہلا پھپھو! آنکھیں کھولیے میں آپ کا ہنی۔" وہ مستقل چلا رہا تھا۔

اور اتنا اثر ہوا کہ شہلا آفریدی نے اتنے سالوں کے بعد آنکھیں کھولی تھیں۔ زندگی کی اتنی خزاں، بہاریں بے شک اس نے نہیں دیکھی تھیں۔ بے شک وہ نیند کی گہری وادیوں میں تھی مگر اسے اتنے سالوں سے صرف ہنی کی آوازوں سے آشنائی تھی جنہیں وہ نیند میں سنتی تھی۔

"نبیلہ اور اس کا چہیتا بھتیجا ہنی۔"

اور آج جونہی ہنی نے کہا وہ اس نے سنا دل کی مدھم چلتی دھڑکن تیز سے تیز تر ہوتی چلی جا رہی تھیں۔

اس کے ہونٹ کچھ کہنا چاہ رہے تھے مگر بول نہیں پا رہے تھے۔

"ہاں شہلا پھپھو! کچھ تو بولیے۔" آفریدی اتنا خوش ہوا تھا جیسے شاید کہیں اس کا دل ہی نہ پھٹ جائے۔

مگر یہ خوشی صرف چند گھڑی کی تھی۔ شہلا آفریدی کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔ اس کی طبیعت بہت خراب ہونے لگی تھی۔ آفریدی نے ذرا دیر نہیں کی تھی جلدی سے اس کے کمزور لاغر وجود کو اپنے مضبوط بازوؤں میں بھرا اور گاڑی میں آرام سے لٹا کے گاڑی کا رخ اسپتال کی جانب موڑ دیا تھا۔

زندگی کا یہ اس قدر تکلیف دہ لمحہ وہ بھی کیسے فراموش کر سکتے تھے۔ کسی معصوم و بے قصور پاک دامن لڑکی کی عزت و آبرو کو پامال کرنے کے بعد وہ گناہگار ضرور ہوئے تھے۔ سعید کے کہنے میں آ کر ریحان شیخ نے وہ انتہائی قدم اٹھا لیا۔ جس کے بارے میں وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اور اپنے اس اقدام پر وہ پچھتائے بھی بہت تھے مگر ندامت یہ پچھتاوا زیادہ دن تک نہیں رہا تھا۔ یونیورسٹی چھوڑنے کے بعد وہ پاکستان سے باہر چلے گئے تھے۔ وہاں اپنے ڈیڈ کا بزنس خود انہوں نے ہی سنبھال لیا تھا۔ وہاں کی رنگین دنیا، آزاد ماحول نے انہیں پیچھے پلٹ کر دیکھنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ ان کے دل و دماغ سے زندگی کا وہ چند لمحوں کا پیریڈ یکسر فراموش ہو چکا تھا۔ انہیں یاد بھی نہیں رہا کہ ان کے ہاتھوں کسی کی زندگی اجڑ چکی ہے۔ پوری دنیا اس بے چاری کی برباد ہو گئی ہے مگر ریحان شیخ کو کیا پروا وہ تو اپنی نئی زندگی میں خوش و خرم تھے۔ انہیں کمی کیا یاد آ سکتا تھا شادی کے ایک سال بعد پیاری سی بیٹی بھی جھولی میں ڈال دی خدا نے۔ ریحان شیخ اس قدر خوش جیسے کائنات کی ہر خوشی ان کے آنگن میں آ سمائی ہو۔

بہت دل سے دونوں ماں باپ نے اس کا نام وانیہ رکھا تھا۔ جو بہت خوب صورت تھی مگر جیسے جیسے وقت گزرتا چلا گیا تشویش کی بات سامنے آئی کہ وانیہ ایک پاؤں سے معذور ہے۔ یہ بات ریحان شیخ اور ثوبیہ کے لیے شاکڈ ثابت ہوئی تھی۔

وانیہ دو سال کی ہوئی تو چلنے پھرنے سے معذور تھی۔ ثوبیہ اسی غم میں اندر ہی اندر گھلتی چلی گئی تھی۔ ریحان شیخ کی بانسبت وہ بہت چھوٹے دل کی مالک تھی۔ ڈاکٹر کے کہنے پر وانیہ کا ایک آپریشن کر دیا گیا تھا نہ وہ پندرہ

سال کی عمر سے بیساکھی کے سہارے چلتی تھی۔ صوبیہ یہ غم یہ دکھ برداشت نہیں کرسکی تھی اور پھر ایک رات وہ ایسی سوئی کہ پھر صبح آنکھ ہی نہیں کھلی تھی۔ ریحان شیخ بالکل ٹوٹ گئے تھے۔ ان پر جان چھڑکنے والی ان کی شریک حیات اب نہیں رہی تھی مگر انہیں خود کو سنبھالنا تھا۔ دانیہ کے لیے اس کے اچھے مستقبل کے لیے اور پھر انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنا سارا بزنس اسلام آباد شفٹ کرلیں گے۔

وہ اسلام آباد آگئے تھے۔ انہوں نے اتنی محنت کی تھی اتنا پیسہ کمایا تھا کہ اگر وہ نہ بھی رہتے تو ان کے بعد ان کی بیٹی کی زندگی بہت شان سے گزرتی۔ اتنا دولت، نام، شہرت، عزت کما چکے تھے اور بے انتہا دولت بھی مگر یہ سب پل میں مٹی کا ڈھیر ہوجائے گا ان کو تو اندازہ تھا نہ ہی وہم و گمان میں تھا۔ ان باپ بیٹی کی زندگی میں گویا بھونچال سا آگیا تھا۔ ایک قیامت سی برپا ہوگئی تھی۔ اتنے سالوں کی اشد محنت کے بعد جو دولت جو بزنس انہوں نے سیٹ کیا دن رات انتھک محنت کی۔ وہ پل بھر میں آفریدی نے آکر خاک میں ملادیا تھا۔ ان کا پورا بزنس برباد کردیا تھا۔ کچھ نہیں بچا تھا ریحان شیخ کے پاس یہاں تک ان کی اکلوتی پیاری بیٹی کے ساتھ جو کچھ اس نے کیا وہ ناقابل معافی تھا۔

ریحان شیخ نے جو کچھ شہلا آفریدی کے ساتھ کیا سو کیا مگر آفریدی نے اس سے دس نہیں بلکہ سو گنا بڑھ کر وہ بھی سود سمیت اس کا بدلہ لے لیا تھا۔

”نہیں مسٹر آفریدی! میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا جو ذرہ تم نے میری بیٹی کو دیا ہے اسی ذرہ سے تم اپنی موت مانگو گے۔ تمہارے جسم کا ریشہ ریشہ الگ نہ کردیا تو میرا نام بھی ریحان شیخ نہیں۔“ ریحان شیخ کی آنکھوں میں خون کے شرارے دوڑنے لگے تھے۔ انہوں نے اپنی کوٹ کی جیب سے موبائل نکالا اور ایک انجانا نمبر ڈائل کیا۔

”یہ کام جتنی جلدی ہوسکے ہوجانا چاہیے۔“ اور مزید موبائل کے اس پار مقابل کو تفصیل سمجھا کر موبائل آف کردیا تھا۔

”آفریدی! اب تم اپنی گنتی گننا شروع کردو۔“ ریحان شیخ نے خون آلود نظروں سے سامنے دیوار کی طرف دیکھا تھا۔

☆......☆

”صمد! آج آپ جلدی نہیں جارہے؟“ زوباریہ نے بریف کیس ان کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔

”اور آپ نے آج صبح سے ناشتہ بھی نہیں کیا ہے۔“ زوباریہ نے فکرمندانہ لب و لہجے میں کہا تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ صمد آفریدی کو صبح کا ناشتہ پیٹ بھر کر کھانے کی عادت تھی اور آج تو انہوں نے سوائے ایک توس اور ایک گلاس اورنج جوس کے کچھ لیا بھی نہیں تھا۔ حالانکہ وہ بار بار دوران میں ٹوکتی بھی جارہی تھیں اور توس پر مکھن لگا کر ان کی پلیٹ میں رکھتی بھی جارہی تھیں مگر اتنے کم ناشتے سے ان کو فکر لاحق ہوگئی تھی۔

”ہاں دراصل آج سلیم احمد اور فہیم احمد کے ساتھ آفس میں ایک اہم میٹنگ ہے۔ نو بجے تک ڈیلی گیشن بھی آجائے گا۔ کچھ مشینری بھی باہر ممالک سے منگوانی ہے۔“ صمد آفریدی نے اپنی کلائی پر بندھی قیمتی گھڑی دیکھی تھی جو ساڑھے آٹھ بجا رہی تھی۔

”اچھا چلیں ٹھیک ہے مگر شام میں جلدی تو واپسی ہوجائے گی نا؟“

”کچھ کہہ نہیں سکتا۔ آپ کو کوئی کام ہے؟“

فضائل قرآن

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [illegible]

★ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف سیکھے اور سکھائے۔
★ [illegible]
★ [illegible] حق تعالیٰ شانہ [illegible] قرآن شریف کی تلاوت [illegible]
★ حق تعالیٰ شانہ اس کتاب یعنی قرآن پاک کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کا رتبہ بلند کرتا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو پست [illegible]
★ قیامت کے دن صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن شریف پڑھتا جا اور بہشت کے درجوں پر چڑھتا جا [illegible] تیرا مرتبہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے۔
★ جو شخص ایک حرف کتاب اللہ کا پڑھے اس کے لیے اس حرف کے عوض ایک نیکی اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے۔ [illegible] الف ایک حرف، لام ایک حرف، میم ایک حرف ہے۔
★ جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا [illegible]
★ جس شخص نے قرآن پڑھا [illegible] حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت میں داخل فرماویں گے [illegible] شفاعت قبول فرماویں گے [illegible]
★ جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں وہ بمنزل ویران گھر کے ہے۔
★ دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگتا ہے۔ پوچھا گیا کہ حضور ﷺ ان کی صفائی کی کیا صورت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ موت کو اکثر یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔
★ [illegible]
★ [illegible]
★ [illegible]
★ [illegible]
★ [illegible] 100 [illegible]
★ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ [illegible]

"جی، میں آج شام احمر ولا جاتی۔ کافی دن ہوگئے ہیں آسیہ اور ربیعہ سے ملاقات ہوئے۔"

"چلو پھر دیکھتے ہیں اگر جلدی واپسی ہوگئی تو پہلے چلیں گے۔" انہوں نے مسکرا کے جانی مجبوری تھی۔

"او کے۔" زوباریہ نے بھی مسکرا کے انہیں دیکھا تھا۔

"اچھا بی بی جان! اجازت دیں۔" صمد آفریدی چلتے ہوئے بی بی جان کے پاس آئے جو تخت پر بیٹھی کوئی تسبیح پر وظیفہ کر رہی تھیں۔

"فی امان اللہ بیٹا، خیریت سے جاؤ خیر سے آؤ۔" بی بی جان نے صمد آفریدی کے جھکے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ شفقت سے اور کچھ آیتیں پڑھ کر روز کی معمول کی طرح ان پر پھونکی تھیں۔

"اور سلجوق کی کوئی خبر کچھ بتایا وہ کب تک آ رہا ہے؟" صمد آفریدی کو ایک دم ہی سلجوق کی یاد آئی تھی۔ انہوں نے زوباریہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ جس پر زوباریہ ہولے سے مسکرا دیں۔ انہوں نے سرسری بتاؤ کر کیا تھا مگر وہ بھولے نہیں تھے۔

"ایک دو دن میں یہاں کراچی پہنچ جائے گا اور ایک خوش خبری یہ بھی ہے کہ سلجوق کی پوسٹنگ بھی یہیں کراچی میں ہو رہی ہے۔" زوباریہ کے چہرے پر ممتا کے بڑی خوشی کے رنگ تھے۔ وہ اپنے رب کا جتنا شکر ادا کرتیں کم تھا کہ اب سلجوق ان کی نظروں کے سامنے رہے گا۔

"یہ تو بہت بڑی خوش خبری کی بات ہے، کیوں بی بی جان؟" صمد آفریدی کو دل سے خوشی ہوئی تھی اس کی یہاں مستقل آمد کی۔

"ہاں یہ تو واقعی بڑی خوش خبری کی بات ہے کہ اب سلجوق مستقل ہمارے ساتھ ہی رہے گا۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں چھوڑ دے یہ سرکاری نوکری جس کی وجہ سے بندہ کہیں ٹک کر ہی نہیں بیٹھ سکتا۔" بی بی جان نے اپنی رائے بھی پیش کر دی تھی۔

"بی بی جان! ہمارا سلجوق کوئی معمولی عہدے پر تو فائز نہیں۔ کیپٹن ہے اوپر سے جتنے تمغے اپنے ان کی بہادری پر ملے ہیں میں تو سرخرو ہو گیا ہوں۔" صمد آفریدی کا فخر سے سینہ چوڑا ہو گیا تھا۔

"چلو بھئی، جس میں تم خوش اس میں ہمیں بھی خوشی ہے اور سب سے زیادہ تو اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ دوسرا اپنا حنین میرا جگر گوشہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک میرے سامنے رہتا ہے۔" بی بی جان کو حنین بہت عزیز تھا۔ جتنی خامیاں صمد آفریدی کو حنین میں نظر آتی تھیں بی بی جان کو اس میں کوئی بھی نہیں دکھتی تھی وہ اس کو اس کا بچپنا کہہ کر ٹال جاتی تھیں اور کبھی کبھی تو صمد آفریدی کو بھی ڈانٹ دیتی تھیں۔

"بی بی جان! سلجوق نے مجھے جتنا خوش اور پرسکون رکھا ہے، حنین نے اس سے کہیں زیادہ مجھے مایوس کیا ہے کہ اب تو میں اس کی طرف سے کسی اچھا ہونے کی امید بھی کھو چکا ہوں۔" صمد آفریدی نے اپنے چھوٹے بیٹے حنین آفریدی کی بے راہ حرکتوں پر اظہار افسوس کیا تھا۔

"نہیں صمد! حنین ذرا لاابالی لاپرواہ سا ہے۔ ابھی چھوٹا بھی تو ہے جب ذمہ داریاں پڑیں گی تو خود ہی راہ راست پر آ جائے گا مگر ابھی میرے بچے کو کھیلنے کودنے دو ہمیش کرنے دو۔ اس کے بچپنے کو بزنس کی یا بڑی بڑی ذمے داریوں کی نذر مت کرو۔" بی بی جان تو ہمیں ہی سدا کی حنین کی فیور میں، اس کے خلاف انہیں سننا بالکل بھی پسند نہیں تھا۔

"آپ بالکل درست کہہ رہی ہیں بی بی جان! حنین ابھی ناسمجھ ہے اور پھر اس کی عمر ہی کیا ہے۔ 24,23 سال عمر کوئی بزنس ذمہ داری سنبھالنے کی تو نہیں ہوتی؟ مگر صمد صاحب تو ہر وقت میرے بچے کے ہی پیچھے لگے رہتے ہیں۔" زوباریہ نے بی بی جان کا بھرپور ساتھ دیتے ہوئے اپنے بیٹے کی وکالت کی تھی۔

"لاابالی، بچہ، ناسمجھ، دیری گڈ! یہ آپ دونوں خواتین ہی ہیں جنہوں نے حنین کو آسمان پر بٹھایا ہوا ہے۔ آپ دونوں کی شے پر ہی وہ آج اتنا آگے بڑھ گیا ہے۔" صمد آفریدی کو دونوں کی فیور بہت ناگوار لگی تھی۔

"جانتی ہیں بی بی جان! کل رات میرے دیرینہ دوست فیضان کی کال آئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا اس کی بیٹی نمرہ بہت روئی ہے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے ناسمجھ لاابالی اور لاپرواہ بیٹے حنین آفریدی نے فیضان کی بیٹی سے اچھا خاصا لمبا چوڑا عشق فرمایا اور جب دل بھر گیا تو نمرہ سے کہہ کر آ گئے کہ ہم اس دوستی کو مزید آگے نہیں بڑھا سکتے۔ یہ تو کرتوت ہیں آپ کے صاحب زادے کے۔ حد ہوتی ہے کسی بات کی۔" طنزیہ نظروں سے دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ ان کے لب و لہجے میں معمولی سی غصے کی آمیزش دونوں نے نوٹ کر لی تھی مگر بی بی جان صمد آفریدی کے غصے سے کہاں دبنے والی تھیں۔

"اب آپ بتائیے اسے ناسمجھ کہیں گی اپنے لاڈلے کی۔" وہ پوری طرح حنین آفریدی سے ناراض اور بدگمان تھے۔

"تو اور نہیں تو کیا حنین ناسمجھ ہی تو ہے، آج کل کے لڑکیوں کی طرح تیز طرار تھوڑی ہی ہے۔ وہ کون سا لڑکیوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے، یہ تو آج کل کی لڑکیاں ہی ہیں جو میرے خوب صورت حنین کے آگے پیچھے مری جا رہی ہیں اور ظاہری بات ہے حنین خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ دولت مند بھی بہت ہے تو لڑکیاں سب سے پہلے ایسے ہی لڑکوں کو پھانستی ہیں۔ اپنی عقل بے ہودہ ادائیں دکھا کے اور پھر جب آج کل کی ماڈرن لڑکیوں کو خود ہی اپنی عزت و نسوانیت کا خیال نہیں ہے نہ ہی اپنے ماں باپ کی عزت کی پاسداری ہے تو لڑکے کا کیا ہے وہ تو اپنا نام اچھوا کے گا ہی اور رہی تمہارے دوست کی وہ بیٹی خوب جانتی ہوں میں اس لڑکی کو بلکہ میں تو پہلی نظر میں ہی اس لڑکی کو پہچان گئی تھی۔ جب وہ یہاں حنین کو لینے آئی تھی کلب لے جانے کے لیے۔ مجھے تو پہلی نظر میں ہی سخت بری لگی تھی۔ ماں باپ نے اس قدر چھوٹ دے رکھی ہے کہ کیا بتاؤں جسم پر کپڑے نہ ہونے کے برابر ہی پہنے ہوئے تھے۔ جانے اپنا عریاں جسم کی نمائش کر کے کیا دکھانا چاہتی ہیں۔ مجھ سے تو برداشت نہیں ہوا، میں نے تو بول دیا تھا اے بی بی! یہ جو تھوڑا سا بھی جسم چھپانے کو کپڑے پہنے ہوئے ہیں وہ بھی اتار دو۔ بس وہ تو یوں بھناتی ہوئی ہمارے گھر سے نکلی جیسے خدانخواستہ میں نے ان کی شان میں کوئی گستاخی کر دی ہو۔" بی بی جان نے تو اچھا خاصا صمد آفریدی کو لیکچر دے ڈالا تھا۔

"ماشاء اللہ بی بی جان! آپ نے اتنا کچھ نمرہ کو سنا دیا، پھر بھی آپ کہہ رہی ہیں کہ اس نے آپ کی شان میں گستاخی کر دی۔ آفرین ہے آپ پر بی بی جان۔" صمد آفریدی تو سر تا پا سلگ کر رہ گئے تھے۔

"اگر ہو سکے تو ذرا اپنے پوتے کو بھی کچھ سمجھا دیں کہ کچھ تو عقل کے ناخن لے لے جو کہ مزید بگڑتا ہی جا رہا ہے۔"

"کوئی بگڑ نہیں جا رہا تم بھی اپنی سوچ ذرا اس کے لیے ٹھیک کر لو اور آگے سے خبردار جو تم نے میرے حنین کے خلاف کوئی غلط بات کہی یا سوچی ہو تو وہ میرا اچھا پوتا ہے۔ لاکھوں میں نہیں کروڑوں میں ایک ہے۔ بے ساکی بے

دھنگی لڑکیوں سے دوستی گانٹھنے کا کوئی شوق نہیں ہے حسین کو۔ کوئی وجہ ہی ہوتی ہوگی جو ایسی لڑکیوں سے دوستی ختم کر دیتا ہے۔" بی بی جان کہاں چوکنے والی تھیں۔

"لاحول ولاقوة بی بی جان!" بی بی جان کے ایسے الفاظ پر وہ جز بز سے ہو کر رہ گئے تھے۔

"آپ تو بات کا رخ کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں۔ بجائے اس کی غلطیوں کو سدھارنے کے اس کی بے وقوفیوں پر پردہ ڈال رہی ہیں۔ تاکہ حسین کو سرزنش کریں۔ آپ ہمیشہ سے اس کی خاطر مجھ سے ہی الجھتی ہیں۔" وہ خفا ہونے لگے تھے۔

"اچھا بس کرو، ٹھیک ہو جائے گا۔"

ہر روز کی طرح آج بھی پھر ایک نئی جھڑپ اور نہ ختم ہونے والی بحث شروع ہو گئی تھی۔ بات حسین سے شروع ہو کر حسین پر ہی ختم ہو جاتی اور پھر آخری نتیجہ یہ نکلتا کہ بی بی جان کی جیت ہوتی۔ بی بی جان بہت کم بولتی تھیں مگر جہاں بات حسین کی آئے وہ خاموش بھی نہیں رہتی تھیں۔

"کوئی غلطی نہیں کرتا میرا چاند حسین جو اسے سدھارنے چلا ہے پورا زمانہ اگر تمہیں سمجھانا ہی ہے تو جاؤ اپنے دیرینہ دوست فیضان کو سمجھاؤ کہ اتنا بڑا بزنس مین تو بن گیا مگر کم از کم بیٹی کی تربیت بھی اچھی کر دیتا جو عریاں لباس میں ادھر ادھر پھرتی ہے میرے حسین کو لٹکی ہے اور وہ بھی کیوں اسے دوستی نہیں کرلی ہے اور پھر چلو تم سب کو چھوڑو تم ہی ذرا شرم کرلو ہر دم اس معصوم کے پیچھے پڑے رہتے ہو ابھی پڑھائی سے فارغ ہی تو ہوا ہے اور تم چاہتے ہو کہ وہ چھوٹی سی جان بزنس کے داؤ پیچ کے جھمیلوں میں لگ کر اپنی معصومیت اور بچپن کھو دے۔"

"معاف کیجیے گا بی بی جان! آپ کے شہزادے معصوم سے حسین آفریدی کی بڑی جالی ادھوری ہے۔" صمد آفریدی تاسف سے دیکھ کر رہ گئے تھے۔

"ہاں تو کیا ہوا۔ ہمیں کون سا نوکری کرانی ہے۔ اس سے اتنی جائیداد ہے اس کے پرکھوں کی۔ اس کے باپ دادا کی اگر اس کی سات پشتیں بھی بیٹھ کر کھائیں تو کم نہ پڑے۔ میرے حسین کے ابھی عیش کی زندگی گزارنے کے دن ہیں اور جب تک میں زندہ ہوں اس کے چین و آرام میں کوئی کمی و بیشی نہیں ہونی چاہیے صمد۔" بی بی جان نے صمد آفریدی کی اچھی خاصی کلاس لے ڈالی تھی کہ وہ بغلیں جھانکنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ زوہاریہ منہ نیچے کیے صرف مسکرا کے ہی رہ گئی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ حسین کے خلاف وہ کسی سے بھی معمولی سی بات سننے کی روادار نہیں تھیں اور یہ بحث مزید طول پکڑتی کہ انہوں نے ہی صمد آفریدی کو دیکھا تھا۔

"صمد صاحب! آج آپ کی ضروری میٹنگ ہے آپ کو دیر ہو رہی ہوگی۔" صمد آفریدی نے ایک تیکھی نظر زوہاریہ پر ڈالتے ہوئے بی بی جان کو دیکھا تھا اور نفی میں ادھر ادھر گردن ہلاتے ہوئے مڑے تھے۔ مزید جان زوہاریہ کی دبی دبی مسکراہٹ نے جلا دی تھی۔

"اور مسکرائیں جب حسین کی طرف سے بہت بڑا نقصان اٹھائیں گی تب عقل آئے گی آپ لوگوں کو۔"

"اللہ نہ کرے صمد صاحب! کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟"

"ارے نقصان اٹھائیں اس کے دشمن اور تم کیسے باپ ہو میرے ہی سامنے میرے حسین کو کوس رہے ہو۔ اسے بددعائیں دے رہے ہو خدانخواستہ کرے میرے بچے کو کچھ ہو۔" بی بی جان کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ صمد آفریدی تو صحیح معنوں میں گھبرا کے رہ گئے اور اپنے زبان سے ادا ہوئے لفظوں پر پچھتانے لگے۔

تھے۔ ان کی ذات سے ان کی ماں کا دل دکھا تھا۔ ان بوڑھی کمزور آنکھوں میں آنسو آئے تھے۔ زوہاریہ اور صمد آفریدی تیزی سے ان کے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ وہ بری طرح پشیمان ہونے لگے تھے۔

"کیوں بھول گئے کہ حسین بی بی جان کی کمزوری ہے۔"

"مجھے معاف کر دیجیے بی بی جان! میرا وہ مقصد نہیں تھا۔ میں تو حسین کے بھلے کے لیے ہی کہہ رہا تھا۔" صمد آفریدی نے بریف کیس ایک طرف رکھ کے بی بی جان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"کوسنا دینا بددعا دینا اس کے لیے بھلا ہے۔" بی بی جان نے اپنی وائٹ شیشوں سے مزین چادر کے کونے سے اپنی بھیگی آنکھیں خشک کرنی چاہی تھیں۔ آج صمد آفریدی کے لفظوں سے ان کو زور کا دھکا لگا تھا۔ دل دکھا تھا بی بی جان کا۔

"میں اپنے ولید کو شہلا کو کھو چکی ہوں۔ حسین کو اگر کچھ ہوا تو میں جی نہیں پاؤں گی۔ صمد وہ میری شہلا کا پرتو ہے۔ مجھے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہے حسین! اور کتنی کے تین ہی تو پوتے ہیں میرے بکھوق اور حسین تو میری نظروں کے سامنے ہیں مگر نبی اسے تو اس کی ماں جانے کہاں لے گئی ہے ہر جگہ ڈھونڈا مگر ناکامی کے علاوہ ہاتھ کچھ نہیں آیا مگر جو نظروں کے سامنے ہے تم چاہتے ہو وہ بھی مجھ سے دور ہو جائے۔" بی بی جان نے آنسو بھری آنکھوں سے صمد آفریدی کو دیکھا تھا۔

"مجھے معاف کر دیں بی بی جان! میں واقعی میں بہت شرمندہ ہوں آپ سے۔" صمد آفریدی نے ان کے بوڑھے ہاتھ کی پشت پر بوسہ لیا تھا۔

"ٹھیک ہے صمد مگر یاد رکھنا آج کے بعد حسین کے لیے بددعا کا ایک لفظ بھی منہ سے مت نکالنا ورنہ میں تم سے سخت ناراض ہو جاؤں گی۔" بی بی جان نے صمد آفریدی کو ملامتی نظروں سے دیکھا تھا۔

"آج کے بعد ایسی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ مگر بی بی جان حسین میرا بھی بیٹا ہے میں جو اتنا بولتا ہوں اس کے مستقبل کے لیے ڈانٹتا ہوں۔ آپ خود سوچیں اس سال پورے پچیس کا ہو جائے گا۔ بی کام کے علاوہ کوئی ایجوکیشن نہیں ہے اس کی وہ آپ کی بہت سنتا ہے اگر آپ یہ کہتی ہیں کہ میں سختی نہ کروں تو ٹھیک ہے آج کے بعد نہیں کروں گا۔ آپ ان کو سمجھائیں آج کل ان کے قدم صحیح سمت کی طرف نہیں چل رہے۔ سمعیہ نامی کسی لڑکی سے ٹھیک ٹھاک افیئر چل رہا ہے۔ مجھ سے کتنے ہی لوگوں نے اس کی شکایت کی ہے۔ بی بی جان وہ اپنی لائف کے لیے بالکل سیریس نہیں ہے۔"

"تم پھر شروع ہو گئے۔" بی بی جان نے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

"جب وقت آئے گا تو خود ہی سمجھ آ جائے گی تم اس کی فکر مت کرو میں اسے اپنے طریقے سے ہینڈل کر لوں گی مگر تمہاری بے جا سختی ضرور اسے غلط سمت کی طرف لے جائے گی۔"

زوہاریہ نے دھیرے سے صمد آفریدی کا ہاتھ دبایا اور آنکھوں کے اشارے سے خاموش رہنے کے لیے کہا۔ صمد آفریدی خاموش ہو گئے کہ اسی اثنا میں ان کا موبائل بجنے لگا تھا۔ انہوں نے موبائل دیکھا جہاں نعیم احمد کی کال آ رہی تھی۔

"ہیلو نعیم!"

"ہاں صمد! آپ ابھی تک پہنچے نہیں سب خیر ہے تو ہے نا؟"

"جی ہاں نیم سب ٹھیک ہے میں بس نکلنے ہی لگا ہوں۔"

"او کے پھر جلدی آجایئے ڈیلی گیشن بھی آگیا ہے۔"

"او کے میں بس دس منٹ میں پہنچتا ہوں۔" صمد آفریدی نے موبائل آف کر کے جیب میں رکھا اور بی بی جان کو نرم نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"اچھا بی بی جان! دیر ہو رہی ہے میں چلتا ہوں۔" صمد آفریدی نے ان کی پیشانی پر بوسہ لیا تھا۔

"فی امان اللہ۔" بی بی جان نے ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ دھرا تھا۔

"بی بی جان! آپ ٹھیک ہیں؟" زوباریہ نے ان کا پیر دبایا تھا۔

"ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں، تم جاؤ حسنین کو جگاؤ اسے میرے پاس بھیجو میں اسے اپنے کسی کام سے کوئٹہ بھیجوں گی۔ ایک دو دن صمد کی نظروں سے دور رہے گا تو صمد کا غصہ ختم ہو جائے گا۔"

"جی بہتر بی بی جان! ویسے وہ صاحب بہادر صبح پانچ بجے ہی تشریف لائے ہیں۔ کسی پارٹی وغیرہ میں گیا ہوگا۔"

"جی بی بی جان! میری اتنی تفصیل سے بات تو نہیں ہوئی مگر میں اٹھا کے نیچے لے کر آتی ہوں۔" زوباریہ کھڑی ہو گئیں ان کا رخ اوپر حسنین کے بیڈ روم کی سمت تھا۔

زوباریہ نے حسنین کے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر جیسے ہی بیڈ روم میں ایک قدم دھرا، تیز پرفیوم کی خوشبوؤں نے ان کا سواگت کیا تھا جو زوباریہ کے دماغ پر جا لگی تھی۔ اتنی تیز خوشبو، حسنین ایسا ہی تھا خود اپنے ساتھ ساتھ اپنے بیڈ روم کی بھی ہر شے کو خوشبوؤں میں نہلا دیتا تھا۔ بعض اوقات تو وہ بری طرح چڑ جاتی تھیں۔ بیڈ روم میں قدم رکھتے ہی زوباریہ کی نظر اس کے بیڈ روم میں بکھرے اوندھے پڑے سامان پر پڑی تھی۔ کوئی بھی شے اپنے ٹھکانے پر موجود نہیں تھی۔ وارڈ روب کے تینوں پٹ کھلے ہوئے تھے جنہیں بند کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی گئی تھی۔ اس میں سے ہر کپڑا باہر نکلا ہوا تھا کچھ تو وہیں لٹک رہے تھے اور کتنے ہی بیڈ پر اپنی تو ہین پہ ماتم کناں تھے۔ حسنین کو کپڑے خریدنے کا کریز تھا ہفتے میں اتنی مہنگی مہنگی شرٹ، ٹی شرٹس، جینز وغیرہ لاتا تھا اور ایک دفعہ پہن کر یونہی وارڈ روب میں کسی کباڑ کی طرح ڈال دیا کرتا تھا۔ یہی کچھ حال ڈریسنگ ٹیبل کا تھا۔ حسنین کو دو ہی چیزوں سے شدید قسم کا عشق تھا ایک کپڑوں کا اور دوسرا پرفیوم کا۔ دنیا کے ہر ملک سے اس نے پرفیوم لا کر جمع کیے ہوئے تھے جو حال کپڑوں کا تھا وہی حال پرفیومز کا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر بے شمار رکھے پرفیوم کا کوئی بھی کیپ نہیں لگا ہوا تھا کتنے ہی کیپ اور پرفیوم کی شیشیاں نیچے کارپٹ پر پڑی ہوئی تھیں۔ صوفہ سیٹ پر نظر گئی وہاں بھی صاف ستھرے اور میلے کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ گیلا تولیہ بھی صوفے کی بیک پر پھینکا ہوا تھا۔ حسنین کی سب سے بری عادت یہی تھی گیلا تولیہ صوفے پر پھینک دیتا۔ سال میں تین چار صوفے سیٹ چینج کرتا۔ بقول اس کے صوفے کی گدی گیلی ہو جاتی ہے تو اسمیل آتی ہے کیونکہ وہ رات کو صوفے پر رات دیر تک ٹی وی دیکھتا تھا۔ صوفے کے نیچے ادھر ادھر بکھرے جوتے بھی یونہی بے دردی سے پڑے ہوئے تھے۔ کچھ الٹے تھے کچھ کے شوز لیس نکال کے جانے کہاں پھینکے ہوئے تھے۔ شیشے کی ٹیبل پر چپس کے، چاکلیٹ کے، بل کے ریپر پڑے ہوئے تھے۔ یہ اس کی عادت تھی کہ ٹی وی دیکھتے ہوئے لازمی کچھ نہ کچھ اسے کھانے کو چاہیے ہوتا تھا جس سے زوباریہ شدید تنگ تھیں۔ بیٹے اگر ٹی وی دیکھتا تو زوباریہ کے ناک میں دم کر دیا کرتا تھا۔ کبھی نوڈلز چاہیے، میکرونی

چاہیے، کچھ میٹھا چاہیے۔ بہرحال کچھ نہ کچھ تو ضرور چاہیے بالکل گھن چکر بنا دیا کرتا وہ زوباریہ کو یہی وجہ تھی کہ بختاور بی نے اس کے بیڈ روم میں ایک فریج رکھوا دیا تھا جس میں فروزن سنیکس کے کر ڈرائی فروٹس، چپس، چاکلیٹ، جوس، کولڈ ڈرنک، کھانے پینے کی ہر شے رکھی گئی تھی جو اسے مطلوب تھی۔ حتیٰ کہ ہر ہفتے پیزا ڈلیوری الگ آتی اس کے لیے۔ حسنین کو بگاڑنے میں سب سے بڑا ہاتھ بی بی جان اور بختاور بی کا تھا اور جب نظر بیڈ پر پڑی تو اپنا سر پیٹ لینے کی خواہش جاگی تھی۔ بیڈ روم کی ہر شے تو بے ترتیب پڑی سو پڑی ہی تھی وہ خود بھی بے ڈھنگے پن سے بیڈ پر پڑا ہوا تھا۔ پورا بلینکٹ نیچے پڑا ہوا تھا۔ کارپٹ پر ہوا ہے ایک ذرا سے کونے کے جو اس کے اپنے ہاتھ کے نیچے دبا ہوا تھا۔ ایک تکیہ چہرے کے اوپر اور دوسرا ٹانگوں میں پھنسایا ہوا تھا بلکہ اس کے پورے وجود کو اسی کے کپڑوں نے چھپایا ہوا تھا۔ زوباریہ زبردست غصے میں آگئی تھیں۔

"اف میرے خدایا! حسنین ....." زوباریہ نے اپنا سر پیٹ لیا تھا اور غصے سے آگے بڑھیں۔

"حسنین ..... اٹھو حسنین .....!" زوباریہ اس کے اوپر سے سارے کپڑے ہٹانے لگی تھیں اور اس کا کندھا پوری جان سے جھنجوڑ کے رکھ دیا تھا۔

"حسنین اٹھو میں کہتی ہوں اٹھو۔"

"کیا ہوا ماما! سونے دیں نا۔" وہ بھی ڈھیٹوں کا سردار تھا دوسری کروٹ لے کر بلینکٹ کھینچ کر خود پہ جیسا تیسا ڈالا اور پھر سو گیا تھا۔ زوباریہ کی تو مزید جان سلگ کے رہ گئی تھی۔

"حسنین شرافت اسی میں ہے کہ اٹھ جاؤ ورنہ بہت مار کھاؤ گے۔" زوباریہ نے پورا بلینکٹ اس کے اوپر سے کھینچا اور ایک ہاتھ بیڈ پر پٹخا تھا۔ حسنین کی گہری نیند میں خلل ہو گیا تھا۔

"کیا ہوا ماما! بہت سخت نیند آرہی ہے بعد میں بات کر لیجیے گا نا۔" حسنین نے موندی موندی آنکھوں سے زوباریہ کو دیکھا تھا جو شدید مشتعل ہو رہی تھیں۔

"ماما صبح پانچ بجے آیا ہوں سونے دیں نا۔" وہ عاجزی سے التجا کر رہا تھا۔

"مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے میں اب جاتی ہوں اور اگر ایک منٹ کے اندر اندر نہیں اٹھے تو میں تمہارے ڈیڈی کو بلا رہی ہوں۔ وہی تمہاری نیند کو خیر باد کہیں گے۔" زوباریہ کی یہ آخری دھمکی ہوتی تھی حسنین کو سیدھا کرنے کے لیے مگر وہ واقعی اس وقت شدید نیند کے زیر اثر تھا جو ٹس سے مس نہ ہوا تھا زوباریہ کو ذرا ترس تو کم ہی آتی تھی کیا ہے نہیں اٹھائے سونے دے مگر بی بی جان نے بلاوا اور صمد آفریدی نے اشتعال نے ایسا کرنے نہ دیا تھا۔

"آل رائٹ مت اٹھو۔ میں جا رہی ہوں اور تمہارے ڈیڈی کو بلا کے بھیج لاتی ہوں۔ بہت ستا لیا تم نے مجھے اب وہی تمہیں آکر سیدھا کریں گے۔" زوباریہ اس سے دو قدم پیچھے ہٹی تھیں اور زوباریہ کی یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی تھی۔

"او نو..... ماما! پلیز پلیز سوری۔" حسنین نے تیزی سے اٹھ کر زوباریہ کا ہاتھ تھاما اور انہیں بیڈ پر بٹھا کے نہایت لاڈ سے ان کے کندھے پر بازو کا گھیرا کر کے وہیں اپنا سر دھر دیا تھا۔

"چلو ہٹو، یہاں سے مجھ سے بٹر پالش کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔" زوباریہ نے آرے سے ہٹا کے حسنین کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹانا چاہا مگر وہ بھی ڈھیٹ بنا رہا تھا۔

"ہوں......سوری......" اس نے زوباریہ کے بالوں پر بوسہ لیا اور پھر سے پہلی والی پوزیشن میں آ گیا تھا۔ زوباریہ اس کی حرکت سے نرم پڑنے لگیں۔

"تم باز نہیں آؤ گے نا اپنی حرکتوں سے۔" زوباریہ نے ہلکے سے اس کے ہاتھ پر چپت لگائی تھی۔

"میں نے کیا کیا؟" اس نے معصومیت سے اس طرح کہا جیسے واقعی اس نے کچھ نہ کیا ہو۔ زوباریہ صحیح معنوں میں غصہ ہو گئیں اور ایک جھٹکے سے اسے خود سے پیچھے کیا اور اس کا کان پکڑ لیا تھا۔

"یہ سب کیا کیا ہے تم نے اوپر سے مجھے معصومیت دکھا رہے ہو۔" زوباریہ کا اشارہ اس کے حد درجہ پھیلے بیڈ روم کی سمت تھا۔ حسنین مسکرا دیا تو زوباریہ نے اس کی مسکراہٹ پر ناراضی سے اس کا کان چھوڑ دیا تھا۔

"وہ ماما! پچھلی رات میرے فرینڈز نے مجھے پارٹی پر انوائیٹ کیا تھا تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا پہنوں۔" وہ سر کھجاتا سادگی سے بولا تھا۔

"اس کا مطلب ہے پورا کمرہ الٹ پلٹ کر دیا جائے۔" زوباریہ کی جان جل کے رہ گئی۔

"اف میرے خدایا! حسنین تمہارا کیا بنے گا تمہارے بیڈ روم کی کوئی ایک بھی شے اپنی جگہ پر نہیں ہے۔ پریشان کر کے رکھ دیا ہے تم نے مجھے صرف اور صرف تمہارے اس پھیلے بکھرے بیڈ روم کی وجہ سے ملازم یہاں ٹکتے نہیں اور اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کہاں سے سمیٹنا شروع کروں۔"

"سوری ماما۔" وہ اٹھ کر ان کے قدموں میں جا کر بیٹھ گیا اور پیار سے ان کی گود میں سر رکھ دیا تھا۔ وہ ایسا ہی تھا۔ زوباریہ کو خود سے ناراض نہیں ہونے دیتا تھا اور پھر زوباریہ بھی کہاں اس سے ناراض رہ سکتی تھیں۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا بس یہ روٹھنا منانا تو چلتا ہی رہتا تھا۔ دن میں کوئی دس بار وہ زوباریہ کو مناتا تھا اور زوباریہ مصنوعی ناراض ہو کر یہ سمجھتی تھیں کہ وہ اب سدھر جائے گا مگر اس نے تو جیسے نہ سدھرنے کی قسم کھائی ہوئی تھی۔

زوباریہ کے دو ہی تو بیٹے تھے ان کی کل کائنات ان کے جگر گوشے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک زوباریہ کی پوری دنیا ہی اپنے دونوں بیٹوں کے گرد گھومتی تھی مگر دونوں بیٹوں کے مزاج میں حرکتوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ سلجوق جتنا ٹھنڈا مزاج، سلجھا ہوا، فرمانبردار، سعادت مند بیٹا تھا، حسنین اتنا ہی گرم مزاج، شوخ چنچل، عاشق مزاج لڑکا تھا۔ ہر روز نئی لڑکی سے دوستی کرتا اور پھر بریک اپ کر دینا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ لڑکیوں کو مہنگے مہنگے قیمتی گفٹس دینا انہیں کلب لے جانا بھی اس کا شوق تھا جس سے صمد آفریدی کو شدید چڑ تھی۔ اس لیے حسنین کم ہی صمد آفریدی کے سامنے آتا تھا۔ سلجوق سے پورے سات سال چھوٹے ہونے کی وجہ سے خوب لاڈ بھی اٹھاتا اور فائدہ بھی۔ تعلیم الگ ادھوری چھوڑ کے بیٹھا تھا۔ بقول اس کے بی کام کر لیا دنیا فتح کر لی۔ صمد آفریدی تو اسے باہر بھجوانے کے چکر میں تھے کہ وہاں تعلیم حاصل کر لے مگر مورل سپورٹ کا کام بی بی جان جو کرتیں، وہ ان کی پناہوں میں چھپ کر صرف اپنی منواتا تھا۔ سلجوق بھی کم نہیں تھا۔ حسنین اس کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلاتا تھا اور جو حسنین کہہ دے وہ وہی کہتا تھا۔ صمد آفریدی کے آگے سلجوق آفریدی اس کی ڈھال بن کر کھڑا ہو جاتا تھا۔

"ڈیڈی! حسنین ابھی چھوٹا ہے جب ذمہ داری پڑے گی تو خود ہی عقل آ جائے گی۔"

"خوب فرمایا صاحب زادے سلجوق آفریدی تم نے۔ بلکہ یوں کہیے کہ جب ہاتھ میں لاٹھی آ جائے گی، تب جو عقل آنی بھی ہو گی وہ بھی رخصت ہو جائے گی۔" صمد آفریدی نہایت تپ کر سلجوق آفریدی کو جواب دیتے تھے۔

اور جس کے لیے یہ بحث ہوتی وہ پیچھے کھڑا اپنی جیت کی خوشی میں جشن مناتے باہر نکل جاتا۔

"ماما......ماما......" اس نے جب دیکھا کہ زوباریہ کی طرف سے کوئی بھی رسپانس نہیں مل رہا وہ بالکل خاموش ہو گئی ہیں تو اس نے ہاتھ بڑھا کے ان کا رخ اپنی سمت موڑا تھا۔

"ناراض ہو گئی ہیں؟ اچھا ٹھیک ہے آج کے بعد آپ کو میرا بیڈ روم ایسا پھیلا ہوا نہیں ملے گا۔"

"حسنین! یہ بات تم مجھ سے ایک ہزار بار بول چکے ہو۔" وہ بے زاری سے بولی تھیں۔

"اچھا......چلیں اس میں ایک نمبر اور کاؤنٹ کر لیں۔" وہ منہ نیچے کیے شریر انداز لیے مسکرانے لگا تھا۔

"بہت ہی زیادہ بدتمیز ہو سدھرنا نہیں کبھی بھی۔" ایک ہلکی سی چپت اس کے سر پر ماری تھی۔

"اوکے ماما! آپ کی خواہش کا احترام کروں گا۔" اس نے ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے زوباریہ کا ہاتھ تھام لیا تھا اور اس کی پشت پر عقیدت سے بوسہ لیا تھا۔

"ٹھیک ہے آ لینے دو سلجوق کو۔ ویسے بھی وہ ایک دو دن میں آ رہے ہیں تمہارا بس ایک ہی حل نکلتا ہے کہ سلجوق کے ہمراہ تمہیں صمد صاحب کے ساتھ زبردستی آفس بھیجا جائے۔"

"سچ سلجوق بھیا آ رہے ہیں مگر کب؟ اتنے تیز ہیں میری رات ہی ان سے بات ہوئی ہے۔ انہوں نے مجھے نہیں بتایا اپنی آمد کا مگر خیر میں بھی بخشنے والا نہیں ہوں۔" زوباریہ کی آفس والی بات گول کیے اس نے سلجوق آفریدی کی آمد پر غور کیا تھا اور یہ خوشی ہی ایسی تھی جو اس کے چہرے پر خوشی کے واضح رنگ کھلے تھے۔

"حسنین! بہت چالاک ہو میں سب جانتی ہوں۔ سلجوق کی آنے کی خوشی سے زیادہ تمہیں اس سے جو آزادی کی نوید ملی ہے اس کی زیادہ خوشی ہے۔" زوباریہ نے بغور اس کے چہرے کے کھلتے رنگوں کو دیکھا تھا۔

"اوہ ماما! آپ بھی سمجھدار ہیں نا مگر یہ واقعی سچ ہے کہ سلجوق بھیو کی آنے کی خوشی بہت ہے اور آج اسی خوشی میں مابدولت اپنا پھیلا بکھرا بیڈ روم خود ہی صاف کریں گے۔" وہ تیزی سے کھڑا ہوا اور اپنے بیڈ سے سب قیمتی سوٹ اٹھا کے اس کا گولا بناتے وارڈ روب کی طرف آیا اور وہ بڑا سا گولا الماری کے ایک خانے میں ٹھونس دیا اور جو باقی کپڑے بیچے لٹک رہے تھے وہ بھی سب اٹھا کے زبردستی دوسرے خانے میں ٹھونس دیے تھے اب باری تھی دروازہ بند کرنے کی جو کہ اسی کی طرح ڈھیٹ بنا ہوا تھا۔ نہ بند ہونے کی قسم کھا کے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی یہ ساری کارروائی زوباریہ پلٹ کر دیکھ رہی تھیں۔ اور گردن گھما کر ادھر ادھر ہاتھ کمر پر رکھے کھڑی ہو گئی تھیں۔ حسنین کی زبردستی والی حرکت جو وہ اپنے کپڑوں پر کر رہا تھا ہولے سے مسکرا دیں۔

"چھوڑو جان سے میں خود کر لوں گی۔" اسے تو چاہیے ہی اشارہ تھا فوراً ایک سائیڈ پر ہو گیا۔

"کبھی کبھی تو سوچتی ہوں اللہ مجھے تمہاری جگہ ایک بیٹی ہی دے دیتا۔ کم از کم وہ تمہاری طرح پھوہڑ اور بدسلیقہ تو نہیں ہوتی۔"

"ماما! آپ کی یہ خواہش پوری ہو سکتی ہے اگر آپ چاہیں تو۔" پراسرار مسکراہٹ انداز میں کہا تھا۔

"وہ کیسے؟"

"سلجوق بھیو کی شادی کر دیتے ہیں۔"

"آئیڈیا برا نہیں ہے اس بارے میں سوچا جا سکتا ہے اور پھر میرا سلجوق نہایت فرمانبردار سعادت مند بیٹا ہے۔ انہیں تو ہر ماں باپ اپنی بیٹیاں دینے کو تیار ہوں گے۔" نہایت فخر سے زوباریہ نے سلجوق آفریدی کی

تعریف کی تھی۔

"پھر اپنے خیال پر عمل پیرا کب ہو رہی ہیں آپ؟"

"ان شاء اللہ بہت جلد۔"

"ماما! اگر آپ کہیں تو میری نظر میں بہت ساری لڑکیاں ہیں کہیں تو دکھاؤں؟"

"یہ دیکھو!" زوباریہ نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے آگے جوڑ دیے تھے۔

"کوئی یوں جوڑتا ہے میں پوری کہنیوں تک جوڑتی ہوں۔ خدایا تم مجھے کوئی لڑکی مت دکھانا، مجھے اپنے سلجوق کے لیے ایک سیدھی سادی پیاری سی لڑکی چاہیے جو اس گھر میں آ کر ہر طرف چاندنی ہی چاندنی بکھیر دے جو ایک بیٹی کی کمی پوری کر دے۔ یہ نہ کہ چلتا پھرتا اشتہار یا ماڈل...... اور اب خبردار جو تم نے مجھے سلجوق کے لیے کوئی لڑکی دکھائی ہو تو۔ میں سلجوق کے لیے لڑکی پسند کر چکی ہوں اور بہت جلد اسے اپنے سلجوق کی دلہن بنا کر یہاں اس گھر میں لے آؤں گی۔"

"سچ ماما! آپ نے لڑکی دیکھ لی ہے۔ مجھے بھی دیکھنا ہے اپنی ہونے والی بھابھی جان کو۔" اس نے آ کر زوباریہ کے گلے میں دونوں ہاتھ ڈال دیے۔

"ارے وہ ہے نا تمہارے ڈیڈی کے بزنس پارٹنر نعیم احمد، ان کی بیٹی حرا۔ مجھے وہ زرسل کی شادی میں بہت پسند آئی تھی۔" ان کی آنکھوں کے گرد حرا کا پیارا سا چہرہ گھوم گیا تھا۔

"کیا......؟" حسین نے اپنے بازو زوباریہ کے گلے سے الگ کیے تھے۔

"وہ نک چڑی۔" حسین کو بھی حرا یاد آ گئی۔ زرسل کی شادی پر ایک سرسری سی ملاقات ہوئی تھی اور بات کچھ بھی نہیں تھی وہ موبائل پر اپنی گرل فرینڈ سے بات کر رہا تھا کہ چلتے چلتے حرا سے ٹکر ہو گئی۔ حرا نے خاصا برا منایا تھا۔ بلکہ اسے اچھی طرح جھاڑ بھی پلائی تھی۔ حالانکہ اس نے سوری بھی کیا تھا مگر حرا نے اس کے سوری کو اہمیت ہی نہیں دی تھی اور اچھی خاصی سنا کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ پھر اس نے تہیہ کر لیا کہ آج کے بعد اس گھر میں قدم بھی نہیں رکھے گا۔

"حسین احمد کی بات ہے۔" زوباریہ کو جیسے جھٹکا لگا تھا۔

"زوباریہ......!" باہر سے بی بی جان کی آواز آئی وہ دروازہ کھول کے اندر ہی آ گئی تھیں اور حسین کے بیڈ روم کی یہ بگڑی ابتر حالت دیکھ کر انگشت بدنداں ہو کر رہ گئیں۔

"خدانخواستہ یہاں کون سا طوفان آندھی آ کر گزرا ہے جو سب کچھ الٹا کے چلا گیا۔"

"گڈ مارننگ دادو۔" حسین زوباریہ کو چھوڑ کر بی بی جان کے گلے کا ہار بنا تھا۔

"میرا بچہ، میرا چاند جیتا رہے خوش رہے۔" بی بی جان نے پچکارتے ہوئے اس کے لاڈ اٹھائے تھے۔ زوباریہ نے مسکراتے ہوئے دادی پوتے کا پیار دیکھا تھا اور سارے کپڑے جو حسین نے زبردستی گھسیڑے تھے وارڈروب میں سب نکالے اور بیڈ پر رکھ کے تہہ بنانے لگیں۔

حسین! بی بی جان کو سنبھالے اپنے بیڈ تک لایا اور جو کپڑے وغیرہ پڑے تھے سب کو سائیڈ پر کیے ان کے لیے جگہ بنائی ان کو بٹھا کے خود ان کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔

"یہ بتاؤ رات کی پارٹی کیسی رہی۔ حمزہ آیا میرے جگر گوشے کو؟" بی بی جان نے اس کے الجھے بکھرے
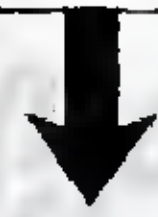
بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔

"سچ دادو! اتنا مزہ آیا تھا کیا بتاؤں ہمارے سب فرینڈز آ گئے تھے اور اس نائٹ پارٹی کو یادگار بنا دیا۔"

اور پھر وہ جو نان اسٹاپ شروع ہوا پھر جب تک پوری رام کہانی ختم نہ ہو گئی چپ نہ ہوا تھا۔ وہ ایک ایک بات تفصیل سے بتاتا تھا اور حیرت کی بات یہ ہوتی کہ اس کی ان بے تکی باتوں سے بی بی جان قطعی بور نہیں ہوتی تھیں۔

وہ تھا ہی ایسا اپنی دن بھر کی روٹین پارٹی، فنکشن وغیرہ گو کہ ہر بات بی بی جان سے ہی ڈسکس کرتا تھا۔ جسے وہ ذوق و شوق سے سنتی تھیں۔ اپنا ہر ضروری کام چھوڑ کے خواہ وہ کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو، حتین سے زیادہ اہم نہیں ہوتا تھا۔ بی بی جان بہت خوش ہوتی تھیں اس سے، اس میں انہیں اپنی بیٹی شہلا آفریدی کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ اس کے پاس سے انہیں شہلا کی خوشبو آتی تھی۔ وہ بھی تو ایسے ہی تھی صد درجہ باتونی اور شرارتی، گھنٹوں بی بی جان سے اِدھر اُدھر کی باتوں میں ٹائم پاس کر دیتی تھی۔ بعض اوقات تو وہ خود بھی چڑ جاتی تھیں۔

"ارے لڑکی کتنا بولتی ہو میں تو یہ سوچتی ہوں کہ نیند میں کیسے چپ رہ لیتی ہو۔" اور پھر قلقاریاں بھرتے، کھلکھلاتی خوب ہنستی خوش رہتی، نہایت چنچل تھی شہلا آفریدی۔ مگر اس کے جانے کے بعد اس کی موجودگی کا احساس ہوا وہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی۔ دو بیٹوں کے پیدا ہونے کے بہت سال بعد پیدا ہوئی تھی۔ ان کی تو زندگی ہی اجڑ گئی تھی۔ اندر جیسے سب خالی ہو گیا تھا۔ ان کے اندر جو کمی جو خلا آ گیا تھا وہ تو جیسے شاید زندگی بھر نہیں بھر سکتا مگر حتین جو شہلا کا ہی پرتو تھا اس نے آ کر ان کی زندگی کے خلاء کو تھوڑا سہارا ضرور دیا تھا۔ اسی لیے تو وہ حتین کی ہر جائز ناجائز بات پر لبیک کہتی تھیں۔

"بی بی جان! اب ذرا حتین کی خواہش بھی سن لیں جس کا اظہار اس نے ابھی مجھ سے کیا ہے۔ وہ یہ کہ سلجوق کے لیے یہ ہمیں لڑکیاں دکھائے گا۔" زوباریہ کپڑے تہہ کرتے ہوئے بڑی چاہت سے اپنے لاڈلے بیٹے کو تکنے لگی تھیں۔

بی بی جان نے مصنوعی انداز میں حتین کو اپنے چشمے کے پیچھے سے گھورا تھا، حتین نے فخریہ انداز میں اس طرح بی بی جان کو دیکھا جیسے نہایت اچھا مشورہ دیا ہو۔

"کیوں دادو! میں نے اچھی بات کہی ہے نا!"

"بہت اچھی بات کہی ہے بیٹا جی! سلجوق کی تو پھر ہی بچت ہو گی پیسوں کی۔"

"ارے وہ کیسے دادو؟"

"ظاہری بات ہے تمہاری دکھائی گئی لڑکیاں جسم پر کپڑا اتنا ہی پہنتی ہیں کمبخت ماری جتنا ضرورت سمجھتی ہیں۔" انہوں نے گہرا طنز کرتے ہوئے حتین کی بلوریں آنکھوں میں دیکھا تھا۔ زوباریہ تو سر جھکائے ہولے سے مسکرا دی تھیں جب کہ حتین بری طرح جھینپ کے رہ گیا تھا۔

"بی بی جان آپ بھی نا۔"

وہ سمجھ گیا تھا کچھ دن پہلے اس کی نئی گرل فرینڈ سمیعہ زیدی آئی تھی اس کے گھر اسے کلب لے جانے کے لیے بدقسمتی سے اس کی ملاقات بی بی جان سے سب سے پہلے ہی ہو گئی تھی۔ سمیعہ زیدی کا لباس اس قدر عریاں اور کھلا تھا کہ بی بی جان نے تو استغفار پڑھ کر کان ہی پکڑ لیے تھے۔ بلکہ انہوں نے تو اپنی تخت پر رکھی بڑی سی سندھی

چادر اٹھائی اور آگے بڑھ کر اس کے اوپر اوڑھا دی تھی۔

"بیٹا! تم ماشاءاللہ سے مسلمان لڑکی ہو، مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئی ہو مگر یہ تم آج کل کی نئی نسل نے خوب لیا ہے مغربی گوروں کا کپڑا ایمن کے سمجھتی ہو بہت اچھی لگ رہی ہو، مگر اصل میں مسلمان ہونے پہ شرم لگا رہی ہو۔"

"اف پھر تو مت پوچھیے سمیعہ زیدی کے سر سے لگی پیر پر بجھی تھی اس کے دماغ کا پارا سوا نیزے پر چلا گیا تھا۔ بڑی مشکل سے انہیں کچھ کہنے سے روک پائی تھی۔ وہ بھی صرف حتین آفریدی کی وجہ سے۔

"مائی فٹ۔۔۔" سمیعہ زیدی پیر پٹختی بھناتی ہوئی چادر وہیں جھٹکے سے پھینکتی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔ اس کے بعد حتین آفریدی نے جتنی مشکلوں سے اسے منایا تھا اس کا ہی دل جانتا تھا۔

"اب بتاؤ ذرا مجھے کیا کیا جب تم نے اتنا بے ہودہ لباس پہنا وہ بھی میرے گھر میرے سامنے آؤ گی بھی مجھ سے تو برداشت نہیں ہوگا۔"

"بی بی جان! جانتی ہیں وہ جو سمیعہ زیدی نے ٹائٹس اور ٹاپ پہنا تھا وہ کتنے کا تھا؟" بی بی جان کو سمیعہ زیدی کا بے ہودہ لباس کچھ ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

"ارے میں کیا جانوں، اتنا چھوٹا سا تین سال کی بچی کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ ہوگا کوئی ایک ہزار تک کا۔" انہوں نے ناگواری سے کہا تھا۔

"واٹ۔۔۔؟" حتین کی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"بی بی جان! کیا کہہ رہی ہیں آپ۔ ایک تو وہ تین سال کی بچی کا سوٹ نہیں ہے اور اوپر سے ایک ہزار کا بھی نہیں ہے۔" وہ برا مانتے ہوئے بولا تھا۔ اس کے یوں برا منائے جانے پر زوباریہ نے ٹوک کیا پھر کہا تھا۔

"اچھا تو پھر تم ہی بتا دو وہ چھوٹا سا سوٹ کتنے کا ہے میرے لال؟"

"بی بی جان! وہ جو سمیعہ زیدی نے ٹائٹس پہنا تھا صرف وہی 3000 ہزار کا اور اس کا ٹاپ 5000 ہزار کا تھا۔"

"ایں۔۔۔" بی بی جان نے حیرانگی سمیت منہ پر انگلی رکھی تھی۔

"اے لڑکے، تو پاگل تو نہیں ہو گیا ہے۔ کیا وہ جو قمیض پہنی تھی اس باولی نے، وہ چھوٹی سی قمیض پانچ ہزار کی بھلا کیسے ہو سکتی ہے؟"

"ٹاپ بی بی جان اسے ٹاپ کہتے ہیں۔"

"ارے ٹاپ ہو یا شاپ مجھے تو لگا کہ اپنی کسی بھتیجی، بھانجی کی قمیض مانگ لی ہو غلطی سے۔"

"توبہ ہے بی بی جان! آپ نے تو ریڑھ لگا دی اس کے سوٹ کی آپ جانتی بھی ہیں کچھ ہائی سوسائٹی میں کتنا اِن ہے یہ فیشن۔"

بی بی جان کے سمیعہ زیدی کے ڈریس پر اس طرح کا تبصرہ کرنا حتین کو جز بز کر گیا تھا۔

"ارے آگ لگا ایسے فیشن کو جو اپنے جسم کی اس طرح کھلے عام نمائش کرائے۔"

"حتین۔۔۔!" زوباریہ نے اپنا کام چھوڑ کر حتین کو دیکھا تھا۔

"جی ماما جانی۔"

"ایک بات تو بتاؤ، تم جو اتنی حمایت کر رہے ہو سمیعہ زیدی کے سوٹ کی تمہیں کیسے پتا کہ وہ سوٹ اتنا مہنگا ہے۔" بیڈ کے سارے کپڑے وہ تہہ کر چکی تھیں اب انہیں اس کے وارڈ روب میں رکھنے لگی تھیں۔

"وہ اس لیے ماما جانی! کیونکہ سمیعہ زیدی کو وہ ٹائٹس اور ٹاپ میں نے ہی گفٹ کیا تھا۔" بالکل بے دھڑک ہی حسین آفریدی کی زبان سے سچ پھسل گیا تھا۔ ذوباریہ نے وارڈ روب بند کر دیا اور اس کو گھور کے رہ گئیں۔

"دیکھ لیں بی بی جان! اس کے کرتوت..... حد ہوتی ہے بے شرمی کی بھی۔" بی بی جان نے بھی اسے حیران ہو کر دیکھا تھا۔ حسین نے نیچے کیے سر کھجانا شروع کر دیا تھا۔

"وہ بی بی جان! اچھی لگی..." اس نے بی بی جان کی خاموشی کو نوٹ کیا تو جلدی سے ان کے دونوں گھٹنے پکڑ لیے تھے۔

"ارے پرے ہٹو۔ لاحول ولا قوۃ۔ کوئی اور گفٹ ہی نہیں ملا اسے دینے کو۔" بی بی جان نے اس کی طرف سے رخ ہی پھیر لیا، جب کہ ذوباریہ پھر سے اپنے کام میں لگ گئی تھیں۔ حسین نے پہلے ذوباریہ کو دیکھا پھر بی بی جان کو۔

"بی بی جان! اس کی برتھ ڈے تھی نا۔" اس نے بی بی جان کا رخ اپنی سمت موڑا تھا۔

"ارے تو برتھ ڈے پر تم نے اسے تین سال کی بچی کا سوٹ گفٹ کر دیا۔ یہ بات اگر صمد صاحب کو پتہ چل جائے نا تو اب کے وہ تمہیں بخشیں گے نہیں اور میں سوچ رہی ہوں تمہاری یہ حرکت تو ان کے کانوں تک پہنچنی ہی چاہیے حد ہے ہر ہفتے ایک نئی لڑکی سے دوستی چلو ٹھیک ہے، اب اتنے آگے بڑھ گئے کہ اتنا بے ہودہ لباس بھی گفٹ کرنے لگے ہو۔" وہ سخت ناراض ہونے لگی تھیں اور ناراضی میں ہی سارے بے جا کپڑے اٹھانے لگی تھیں۔

"سوری ماما جانی اینڈ بی بی جان۔" وہ سادگی سے بولا تھا دونوں سمجھیں وہ آج کے بعد ایسی حرکت نہیں کرے گا مگر اگلا جملہ بی بی جان کو تو مسکرانے پر مجبور کر گیا۔ جب کہ ذوباریہ کی پوری طرح جان جل کے رہ گئی تھی۔

"چاہے کچھ بھی ہو جائے مگر کسی بھی لڑکی کو اگر ٹاپ یا ٹائٹس گفٹ کی تو آپ لوگوں سے پوشیدہ ہی رکھوں گا۔" وہ شرارتی انداز میں نیچے چہرہ جھکائے مسکرا دیا تھا۔

"زندگی بھر سدھرنا نہیں۔" ذوباریہ نے ملامتی نظروں سے اسے مسکراتے دیکھا اور پھر وہاں رکی نہیں تھیں کمرے سے ہی نکلتی چلی گئی تھیں۔

"اوہو..... ماما جانی تو ناراض ہو گئی ہیں۔" لمحوں میں حسین آفریدی کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔ چاہے کچھ بھی ہو وہ ماما جانی کو خود سے ناراض بھی تو ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"میری جان! تمہارے کام بھی تو ایسے ہی اوٹ پٹانگ ہیں۔" بی بی جان نے جانثار نظروں سے اس کو دیکھا تھا۔ وہ اپنی بی بی جان کا چہیتا تھا اسے دیکھ کر اگر شہلا آفریدی کی کمی پوری ہوتی تھی ان سے شہلا آفریدی کی خوشبو آتی تھی تو انہیں اپنا پوتا بھی یاد آتا تھا۔ ان کے ولید کا اکلوتا بیٹا تھا، جس کی آنکھیں اور حسین کی آنکھیں بالکل ایک جیسی بلوریں تھیں۔ حسین نے بغور بی بی جان کو دیکھا جو کچھ سوچ رہی تھیں۔

"بی بی جان! کہاں کھو گئیں آپ؟" اس نے بی بی جان کے آگے ہاتھ لہرایا تھا۔

"کہیں نہیں۔" انہوں نے ایک سرد سانس کھینچی تھی اور شفقت و محبت سے حسین آفریدی کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ حسین پر وہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا اور ان کا وہی ہاتھ تھام کر اپنے لبوں سے لگا لیا تھا۔

آتی اور یو کریڈٹ ماں! بی بی جان ہولے سے مسکرا دیں۔

"اچھا یہ بتائیے کیا آپ میرے بیڈ روم میں کیوں، کوئی کام تھا تو مجھے حکم دے دیا ہوتا؟"

وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ بی بی جان کبھی اس کے بیڈ روم میں نہیں آتیں وجہ اس کا اس قدر پھیلا ہوا بیڈ روم مگر جب بہت ضروری کام ہوتا تو وہ چل کر اس کے بیڈ روم میں آ جاتیں۔ حالانکہ وہ اتنی بار منع کر چکا تھا کہ آپ مت آیا کریں مجھے بلا لیا کریں مگر وہ کہتی تھیں۔ "میرا ذاتی کام ہے اس لیے خود کر چل کر آتی ہوں۔"

"بی بی جان! آپ یہ کہہ کر سچ مجھے بہت ہرٹ کرتی ہیں۔"

مگر بی بی جان اس کی روشن پیشانی پر بوسہ لے کر اسے اپنا کام بتا دیتیں اور پھر چاہے حسین آفریدی کو کتنا ہی ضروری کام کیوں نہ ہو، کسی سے ملنا ہو سب کینسل کر کے بی بی جان کا کام پہلے کرتا تھا۔ جو کہ اس وقت بھی انہیں کوئی ضروری کام تھا۔

"جی کہیے کیا کام ہے آپ کو۔" وہ سنجیدہ ہوتا ہوا بی بی جان کے قدموں سے اٹھ کر ان کے برابر میں آ بیٹھا تھا۔

"تمہیں میرے کام سے کوئٹہ جانا ہے۔"

"کوئٹہ..... مگر کیوں بی بی جان؟" حسین آفریدی نے اپنی بلوریں آنکھوں میں حیرانگی سمو لی تھی۔

"وہاں میری خالہ زاد بہن رہتی ہے۔ اس کا فون آیا تھا وہ بہت پریشان لگ رہی تھی۔ تم جا کر اسے یہاں کراچی لے کر آ جاؤ۔" بی بی جان کے چہرے پر پریشانی کے واضح آثار تھے۔

"بی بی جان! انہوں نے بتایا نہیں کہ انہیں کیا پریشانی ہے؟" حسین آفریدی نے بغور نوٹ کی تھی ان کی پریشانی۔

"نہیں بیٹا! اس نے بتایا نہیں مگر میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں، وہ میرے سامنے ہو گی تو اپنا دل کھول کے میرے سامنے رکھ دے گی مگر فون پر کوئی بات نہیں بتائے گی۔ تم بس اسے میرے پاس لے آؤ مجھے اور اسے دونوں کو سکون مل جائے گا۔" بی بی جان کے چہرے پر اپنی فرینڈ کے لیے کرب کی لکیریں ابھرنے لگی تھیں۔ ان کا رحسین آفریدی کا دکھاں کی خوشی اس کی خوشی دونا جانے کی حامی بھر لی تھی۔

"بی بی جان! آپ بے فکر رہیں آپ کا کام ہو جائے گا۔"

"جیتا رہے بچی اور صحت یاب عمر پاؤ۔" انہوں نے اس کا شانہ چھوا۔

"آپ جلدی سے تیار ہو جاؤ ابھی نکلنا ہے۔"

"ابھی.....!" بی بی جان کے ابھی پر اس نے ابرو اچکائی تھی۔

"ہاں چندا! ابھی لوڈ کا وقت لگنا ہے۔" انہوں نے اس کے گال کو سہلایا تھا۔

"بی بی جان! کل چلے گا نا! آج تو میں نے سمیعہ زیدی کے ساتھ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اتنی مشکل سے مانی تھی وہ اگر آج نہ پر نہ ملا تو پھر ناراض ہو جائے گی۔"

"تمہیں جانا تو آج ہی ہے اور کل وہ اچھی ہو گی تمہاری۔"

"اچھا.....!" وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ سمیعہ زیدی سے کی گئی کمٹمنٹ کے بارے میں، وہ پتہ لگا کہ آخر کیا بہانہ بنایا جائے کہ وہ مقابلہ.....

(جاری ہے)

سلسلہ وار ناول

تیرے پیار کی خوشبو

"حسین!" بی بی جان نے جانچتی نظروں سے اس کا پُرسوچ چہرہ دیکھا تھا۔

"جی بی بی جان!" حسین آفریدی نے نہایت چونک کر بی بی جان کو دیکھا تھا۔

"جان بی بی جان آج کس کو لنچ یا ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے؟"

"سمیعہ زیدی کو۔"

"ہوں..... تو ایک کام کرو تم فریش ہو کر نیچے آؤ۔ ناشتہ کرو اور کوئٹہ کے لیے نکلو آج سمیعہ زیدی کے ساتھ لنچ میں کروں گی۔"

"نو بی بی جان!" اس نے تو اپنے کان پکڑ لیے۔

"کیوں آپ میرے افیئر کے پیچھے لگ گئی ہیں۔ بچ اتنی مشکل سے پٹایا ہے کچھ دن تو سکون سے انجوائے کرنے دیں۔" ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے گل افشانی کرنے لگا تھا۔

"ڈھٹائی اور بے شرمی کی ساری حدیں توڑ دی ہیں بے حیائی کی طرح میرے ہی سامنے جو منہ میں آ رہا ہے بکے چلے جا رہے ہو۔" بی بی جان نے دو ہتڑ زور سے لگائے تھے حسین آفریدی کو۔

"کیا بی بی جان!" حسین آفریدی اٹھ کر ان کے قدموں میں پھر سے بیٹھ گیا تھا اور ان کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا تھا۔

"آپ تو میری گرل فرینڈ ہیں آپ سے کیسی شرم و حیا۔"

"ارے ہٹو، نہ جانے کیا اول فول بولتے چلے جا رہے ہو۔" انہوں نے بھی اس کو خود سے دور کرنا چاہا تھا مگر اس نے پھر بھی بی بی جان کے گھٹنے نہیں چھوڑے تھے۔

"ایک بات تو بتایئے بی بی جان! آپ کو کبھی دادا جان نے آئی لو یو بولا ہو گا تو آپ کا ری ایکشن کیا ہو گا؟" وہ بی بی جان کو چھیڑنے لگا تھا۔

"تمہارے دادا جان نہایت ہی سخت گیر اور اصول پرست انسان تھے۔ انہیں پیار کی زبان نہیں آتی تھی۔"

"اس کا مطلب......!"

"اس کا مطلب کچھ نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔" بی بی جان نے اس کی بات ہی کاٹ دی تھی۔

"بہت باتیں بگھار لیں اب اٹھو اور فوراً نیچے تیار ہو کر آ جاؤ۔" بی بی جان کھڑی ہو گئی تھیں۔

"اب میں نیچے جا رہی ہوں زوباریہ تم سے سخت ناراض ہو گئی ہے اسے منا لینا اور حسین تھوڑے سے تو سگھڑ پن کا مظاہرہ کر لیا کرو، اب تو تم بڑے ہو گئے ہو اتنا کیوں پھیلاتے ہو اپنا کمرہ۔" بی بی جان نے ایک طائرانہ نظر اس کے پورے کمرے پر ڈالی تھی۔

"بی بی جان! میں کہاں پھیلاتا ہوں، خود ہی پھیل جاتا ہے۔" حسین آفریدی بھی پکا ڈھیٹ تھا۔

"بہت خوب، زوباریہ کی ہی ہمت ہے جو تمہارا کمرہ سمیٹتی ہے۔ خیر جلدی سے نیچے آؤ میں تمہارا نیچے انتظار کر رہی ہوں۔" بی بی جان پھر رکی نہیں کمرے سے نکلتی چلی گئی تھیں۔

حسین آفریدی نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور سب سے پہلے اپنا موبائل ڈھونڈا جو بڑی مشکل سے مل ہی گیا تھا۔ پھر سمیعہ زیدی کا نمبر ڈائل کرنے لگا تھا۔ اس سے آج کا کوئی بہانہ بھی تو بنانا تھا۔ مان تو جانے گی مگر بڑی مشکلوں کے بعد۔

ارشد اپنے بیڈ روم سے آفس جانے کے لیے نکلا تھا۔ ہاتھ میں ہینڈ واچ باندھتے ہوئے اس کی نظر سامنے بیٹھے زرمیل پر پڑی جو رضا کو گود میں بھرے اس سے باتیں کر رہا تھا۔ اسے سامنے دیکھ کر ارشد کی آنکھوں میں بجلیاں سی بجلیاں کوندنے لگی تھیں۔ آنکھوں میں واضح وحشت و بربریت اتر آئی تھی۔ چہرے پر ایک دم سرد مہری سی چھانے لگی تھی۔ اس کے غصے کا پیمانہ بھر گیا تھا۔ وہ کل رات ہی نیروبی سے واپس آیا تھا۔ اس کی بزنس ڈیلنگ کامیاب رہی تھی۔ وہ اپنی کامیابی پر بہت خوش تھا مگر صبح صبح زرمیل کا چہرہ دیکھ کر اس کے منہ میں کڑواہٹ گھلنے لگی تھی۔ اس کا خون جوش مارنے لگا تھا اندر دبا ہوا لاوا سا ابلنے لگا تھا۔

"تم...... تم یہاں کیوں آئے ہو، تمہاری اتنی جرأت ہوئی بھی کیسے یہاں قدم رکھنے کی؟" زرمیل نے نظر اوپر اٹھائی تو سامنے ارشد کو کافی جاہ و جلال میں دیکھا تھا مگر سامنے بھی زرمیل تھا جس کا غصہ ارشد سے کم بھی نہیں تھا مگر دونوں کے غیض و غضب میں فرق بھی بہت تھا۔ ارشد اگرچہ جذباتی تھا جسے یہ ہوش نہیں رہتا کہ وہ غصہ میں کیا بول رہا ہے۔ کیا کر رہا ہے مگر اس کی بانسبت زرمیل اپنے غصے پر اپنے اعصاب پر اپنے ہوش و حواس پر کنٹرول کرنا جانتا تھا۔ سامنے والے کو زیر کرنے کا ہنر جانتا تھا۔

"تمہاری عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے۔ جو ابھی تک میری جرأت پر ہی حیران ہو۔" زرمیل نے

رضا کو سائیڈ پر بٹھایا اور خود اس کے مقابل کھڑا ہو گیا تھا۔ نجمہ جو کہ وہیں بیٹھی تھیں ارشد کو دیکھ کر کھڑی ہو گئیں۔

آج ان دونوں کا ٹکراؤ ہو ہی گیا تھا۔ جانے یہ ٹکراؤ کیا رنگ لائے، دونوں ہی غصہ آور شخصیت کے مالک تھے۔ ایک دوسرے سے پیچھے ہٹنے کو قطعی راضی نہیں تھے۔ نجمہ تو باقاعدہ دل پر ہاتھ رکھے کتنی سورتیں پڑھنے لگی تھیں۔ ان کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ اسی دوران وہاں ثمرین بھی چلی آئی تھی۔ ارشد اور زرمیل کو ایک دوسرے کے مقابل دیکھ کر اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ وہ سہم کر نجمہ کے پاس آ گئی تھی اور ان کا کانپتے ہاتھ سے شانہ پکڑ لیا تھا۔

"بہرحال تم سے بحث کرنے کے بالکل موڈ میں نہیں ہوں۔ نہ ہی میرا ایسا کوئی ارادہ ہے۔ میں آج ژالے اور رضا کو لینے آیا ہوں۔"

"خبردار! جو اپنی زبان سے میری بہن کا نام بھی لیا تو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" ارشد تیز آواز میں زور سے دہاڑا کہ در و دیوار تک ہل کر رہ گئی تھیں مگر اس کے دہاڑنے کا زرمیل نے کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔

"تمہارا نہیں خیال کہ یہ بات تم بھول رہے ہو تمہاری بہن میری بیوی بھی ہے۔" طنزیہ نظروں سے اس کے انداز کو دیکھا تھا زرمیل نے۔

"اونہہ......" وہ استہزائیہ ہنسا تھا۔

"بیوی، بہت جلدی خیال آ گیا اپنی بیوی کا۔"

"ہاں آ گیا جلدی خیال تو اب آگے کیا......؟" زرمیل کے لب و لہجے میں نہایت سکون و اطمینان تھا اور یہی سکون اور اطمینان ارشد کی مزید جان جلا رہا تھا۔

"آگے یہ کہ اب اس قصے کو آج ہی ختم کر دیا جائے۔" وہ آر یا پار کرنے کے در پر تھا۔

"ارشد! تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟" نجمہ اپنا دل سنبھالتی آگے بڑھیں۔

"ماما پلیز! آپ کچھ نہیں بولیں گی۔" ارشد نے نجمہ کو مزید کچھ بولنے سے پہلے ٹوک دیا تھا۔

زرمیل نے نجمہ کو ایک نظر دیکھا جن کا چہرہ اتر گیا تھا۔ پھر سرمئی کانچ میں چنگاریاں بھرے ارشد کو گھورا تھا۔ دل تو بہت چاہا کہ آگے بڑھ کر اس بے وقوف کے منہ پر ایک چانٹا رسید کر دے مگر بمشکل اپنی غصہ آور حالت پر قابو پایا تھا۔

"بہت شوق ہے قصہ ختم کرنے کا ذرا اپنی بہن صاحبہ کو بھی منظر عام پر لے کر آؤ اور اس سے پوچھو وہ کیا چاہتی ہے۔" زرمیل کی نظر اچانک ہی پیچھے دروازے کی اوٹ میں چھپے ژالے کے آنچل پر پڑی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ژالے سب سن چکی ہے مگر اسے ژالے پر خود سے زیادہ از حد یقین و اعتبار تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ژالے اس کا اعتماد اس کا بھرم ٹوٹنے نہیں دے گی۔ اس کا ساتھ دے گی اور رضا کو گود میں بٹھائے اس کے ہمراہ چلے گی۔

ثمرین نے بغور دونوں کو دیکھا تھا وہ سمجھ گئی تھی کہ لڑائی بہت آگے بڑھے گی اگر دونوں میں سے کوئی ایک یہاں سے نہیں گیا تو وہ ارشد کے جذباتی غصے کو بھی اچھی طرح جانتی تھی اور زرمیل کی سمجھداری سے بھی واقف تھی۔ اس لیے زرمیل کو سمجھانا زیادہ بہتر سمجھا تھا۔ وہ زرمیل کی طرف بڑھی تھی۔

"زرمیل پلیز! تم اس وقت یہاں سے چلے جاؤ، ارشد بہت غصے میں ہیں۔ بعد میں پاپا اور ڈیڈی کے سامنے آرام اور تسلی سے بات ہو جائے گی۔"

"نہیں ثمرن! بات آج اور اسی وقت ہو گی ارشد کی اس حرکت کو میں بے وقوفی کے سوا اور کچھ نہیں گردانتا۔"

"آل رائٹ۔ تمہیں بہت خوش فہمی ہے نا کہ ژالے تمہارے ساتھ جائے گی تم جیسے خود غرض، مفاد پرست کا ساتھ دے گی جو اسے شادی کے دوسرے دن ہی چھوڑ کے بھاگ گیا تھا۔ یہ بھی نہ سوچا کہ تمہارے پیچھے اس کا کیا حال ہوا ہو گا۔ اب دو سال بعد تم واپس آتے ہو سوری کرتے ہو اور چاہتے ہو امید کرتے ہو کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ نائی فٹ۔ ایسا تو نہ میں چاہتا ہوں اور نہ ہی ژالے پھر بھی تمہاری خوش فہمی دور کرنے کے لیے ضرور اسے بلواتا ہوں۔" ارشد نہایت غصے میں آ گیا تھا۔ آج تو ارشد کی حالت ایسی لگ رہی تھی مار دو یا مر جاؤ، وہ آج دہکتا انگارہ بنا ہوا تھا۔ گھر میں نعیم احمد اور سلیم احمد بھی نہیں تھے جو اس بھڑکتے دہکتے آتش فشاں کو پھٹنے سے روک سکیں۔ وہ دونوں آج صبح جلدی ہی آفس کے لیے نکل گئے تھے۔ کیوں کہ صمد آفریدی، نعیم احمد اور سلیم احمد تینوں کی کسی سے آج میٹنگ بھی تھی ورنہ ارشد ضرور اپنی حدوں میں رہتا ورنہ آج تو ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ سب کچھ جلا کر بھسم کرنے کے در پہ ہے۔

"ژالے... ژالے..."

ارشد نے غصے سے چیخنا شروع کر دیا تھا۔ کچھ دیر بعد ڈری سہمی خوف زدہ چڑیا کی طرح وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ارشد کے پاس آ کر ٹھہر گئی تھی۔ نگاہیں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔ وہ ارشد کے غصے سے اچھی طرح واقف تھی اس کے فیصلے ہمیشہ جذباتی ہوتے تھے۔ غصے میں کسی کا یا اپنا کیا نقصان کر رہا ہے وہ نہیں جانتا تھا مگر جب غصہ ختم ہو جاتا تو اپنے کیے پر پشیمان اور شرمندہ بھی ہوتا۔ اپنے جذباتی غصے کی وجہ سے جو کھو چکا اس پر پچھتاتا بھی بہت تھا مگر وہ زرمیل کے غیض و غضب و جاہ و جلال سے بھی خوب آشنا تھی وہ وہی کرتا جو اس نے سوچ لیا یا کہہ دیا۔ پھر اسے کوئی اس کے قدم سے ایک انچ بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ اس خاندان کے دو ہی لوگ سب سے زیادہ غصہ آور، ضدی اور ہٹ دھرم واقع ہوئے تھے۔ اس شور شرابے اور ہنگامے کا سن کر نیچے سے آسیہ دہلتی ہوئی اپنا دل تھامے اوپر آئی تھیں۔ عارفین جو کہ آفس جانے کے لیے نیچے اتر رہا تھا وہ بھی اس شور کا سن کر فوراً وہاں آیا تھا۔ زرمیل، ارشد اور ژالے کو دیکھ کر سارا معاملہ سمجھ آ گیا تھا۔ تو آج یہ دن آ ہی گیا جس سے سب کے دلوں میں ایک خوف سا بیٹھ گیا تھا۔

"جی... ارشد بھائی..." زبان بری طرح لڑکھڑا کے رہ گئی تھی۔ ارشد نے ژالے کو دیکھا اور اس کا بازو پکڑ کے سامنے کیا تھا۔

"ژالے! بولو تم کیا چاہتی ہو بتا دو سب کو کہ تمہیں اس خود غرض مفاد پرست انسان کے ساتھ زندگی نہیں گزارنی جو تمہیں شادی کے دو دن بعد ہی چھوڑ کے چلا گیا تھا۔ بتا دو سب کو اور خاص کر زرمیل کے منہ پر اپنی ناپسندیدگی کا تماچا مار دو تا کہ موصوف کی خوش فہمی دور ہو سکے۔"

"ارشد! کیا کہہ رہے ہیں آپ کچھ اندازہ بھی ہے آپ کو غلط کر رہے ہیں آپ خدارا مت کیجیے اس طرح یہ صحیح نہیں ہے۔" ثمرن تیزی سے ارشد کے پاس آئی تھی ارشد کا زرمیل کے ساتھ اس طرح انداز تخاطب

اچھا نہیں لگا تھا۔

"شٹ اپ! جسٹ شٹ اپ۔ خبردار! جو تم نے اس معاملے میں ایک لفظ بھی منہ سے نکالا ہو تو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ بہتری اسی میں ہے کہ تم اس سارے قصے سے دور ہی رہو۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں تم میرے گھر سے ہی نکلو تمہیں اپنا یہ بھائی بہت عزیز ہے نا جاؤ چلی جاؤ اس کے پاس آرام سے اس کی فیور میں رہنا مجھے اور میرے گھر کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔" ارشد نے بری طرح اس کو بے عزت کر دیا تھا۔

ثمرن دنگ، ذلت اور احساس توہین سے لمحہ بھر کو ساکن کھڑی رہ گئی تھی۔ ارشد نے اسے پتھر کھینچ مارے تھے۔ اس درجے سرد مہری، بے گانگی، اجنبیت اور سنگ دلی کا مظاہرہ کیا گیا تھا کہ وہ خون کے گھونٹ بھر کے رہ گئی تھی۔

ارشد اچھی طرح سے جانتا تھا کہ ثمرن زرمیل کی کمزوری ہے وہ اسے سگی بہنوں سے بڑھ کر چاہتا ہے۔ ژالے اور ثمرن میں اس نے کبھی کوئی فرق نہیں کیا تھا۔ اس لیے تو اور بھی اس کے سامنے ثمرن کو لتاڑا تھا۔ ارشد انتقام کی آگ میں اس قدر اندھا ہو گیا تھا کہ ژالے کی محبت میں کوئی رشتہ نہیں دیکھ رہا تھا۔

"ارشد بھائی! آپ پلیز ثمرن بھابی کو اس طرح مت کہیے۔" ژالے کو بھی ارشد کا ثمرن کو یوں کہنا پسند نہیں تھا۔ ثمرن کا چہرہ اتر گیا تھا۔ اپنے یوں بے وقعت ہونے پر اس کا دل شدت سے مر جانے کو چاہا تھا۔ بمشکل اپنے بہتے آنسوؤں کو وہ روک پائی تھی۔ زرمیل نے ثمرن کو نہایت دکھ سے دیکھا تھا درحقیقت اسے تکلیف پہنچی تھی۔

"تم جذباتی نہیں حد درجے کے بے وقوف اور کم عقل انسان ہو۔" زرمیل کی غصے سے رگیں تن گئی تھیں۔

"بہت تکلیف ہوئی نا تمہیں مجھے بھی بہت درد ہوا تھا۔ جب تم نے ژالے کے ساتھ برا کیا تھا۔ میری معصوم بہن کو تکلیف پہنچائی تھی مگر آج اسی وقت ژالے کے سارے دکھوں کا تکلیفوں اس کے غصے اور زخموں کا مداوا ہو جائے گا۔ کیوں کہ تم آج ابھی اور اسی وقت ژالے کو سب کے سامنے طلاق دو گے۔"

"ارشد..." عارفین آگے بڑھا۔ ارشد اس وقت دماغی مریض سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ اس وقت وہ بالکل اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ ورنہ اتنی بڑی بات اتنا مکروہ لفظ منہ سے نہیں نکالتا۔

"اسٹاپ اٹ... کہا نا میں نے کہ اس سارے معاملے میں کوئی نہیں بولے گا۔" ارشد نے عارفین کو بھی بری طرح جھڑک دیا تھا۔

زرمیل کو غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کر گیا۔ اس نے کاٹ دار زہریلی نظروں سے ارشد کو دیکھا تھا۔ اس کی نظر ارشد سے ہوتی ہوئی ژالے کے چہرے پر ٹک گئی تھیں۔ یہ سارا فتنہ فساد اسی کی بدولت تو ہو رہا تھا۔ وہ چاہتی تو ایک منٹ میں یہ ساری لڑائی جھگڑا فتنہ فساد ختم کر سکتی تھی مگر وہ تو مجسمہ پیکر بنی ہوئی تھی جیسے شاید عمر بھر نہ بولنے کی قسم کھا کے بیٹھی ہو۔ وہ چپ کیوں تھی کچھ بولتی کیوں نہیں تھی۔

"بولو ژالے بیٹا! آپ کیا چاہتی ہو آپ خاموش کیوں ہو کچھ تو بولو کیوں کہ یہ جھگڑا بڑھ رہا ہے۔ رشتے ناتے خاندان ٹوٹ رہے ہیں اور انہیں صرف تم ہی بچا سکتی ہو۔" آسیہ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے

تھے ان کا لب ولہجہ روہانسا سا ہوگیا تھا وہ زرمیل کا بازو پکڑے ژالے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"بولو ژالے! جو ارشد بول رہا ہے ایسا ہے کیا تم کیا چاہتی ہو؟" نجمہ کو ژالے کی چپ نے غصہ دلا دیا تھا۔ وہ کوئی فیصلہ کیوں نہیں کرتی اسی کے سامنے گزرتے جیسے بھائی لڑ جھگڑ رہے تھے ایک دوسرے کو مارنے کے درپے تھے اور وہ خاموش تماشائی بنی کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی جیسے یہ سارے رشتے اس کے لیے کوئی معنی ہی نہیں رکھتے۔

"جی میں بھی یہی چاہتی ہوں جو ارشد بھائی چاہتے ہیں۔" سر کو جھکائے نظریں نیچے کیے وہ اعتراف کر گئی تھی ارشد کا ساتھ دے گئی تھی۔

"یو نانسینس۔" زرمیل کے تھمنے کی حد جواب دے گئی تھی۔ وہ جو خود پر کنٹرول کیے بیٹھا تھا اس امید پر اس یقین پر کہ ارشد چاہے کچھ بھی کیے یا کرے مگر ژالے اس کے ساتھ ہے وہ اس کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑے گی مگر اس کا بھرم اس کا مان، یقین سب اس کے ایک جملے کی وجہ سے کسی مٹی کے ڈھیر کی طرح ٹوٹتا چلا گیا تھا۔ اسے ارشد سے زیادہ ژالے پر غصہ آیا تھا۔ وہ ژالے کی طرف غیض وغضب کی کیفیت میں آگے بڑھا تھا کہ عارفین نے بڑی مشکل سے اسے پکڑا تھا۔

جب کہ ژالے اس کے حد درجہ غصے جاہ وجلال کو دیکھ کر اندر تک کانپ کر رہ گئی اور کسی خوف زدہ چڑیا کی طرح ڈر کے ارشد کی پشت کے پیچھے چھپی تھی۔

"زرمیل....." عارفین زور سے چیخا تھا اور اسے مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا جو شاید مضبوط دیوار توڑ کے سب کچھ تہس نہس کرنے کے درپے تھا۔

"زرمیل! ہوش میں آؤ۔" عارفین اور آسیہ نے اسے سنبھالا ہوا تھا۔

"چھوڑو مجھے۔" زرمیل نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑایا تھا اور عارفین کو گھورنے کے بعد ارشد کو بری نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے وہ تمہاری بے وقوفی میں تمہارا ساتھ دے گی تو جو تم دونوں چاہو گے وہ ہوگا۔ نہیں ارشد! ایسا قطعی ممکن نہیں ہے۔ ابھی تک میں جتنی نرمی سے پیش آرہا تھا تم نے اتنی ہی مجھے ضد دلائی ہے۔ ژالے اب میری ضد اور انا کا مسئلہ بن گئی ہے۔ میں اسے کبھی نہیں چھوڑوں گا بھلے ہی اب وہ میرے ساتھ نہ رہے اور اب تو مجھے اس کو اپنے ساتھ رکھنے کی کوئی خواہش بھی نہیں ہے۔ وہ زندگی بھر میرے نام پر بیٹھی رہے گی اگر کبھی اس کو مجھ سے کوئی جدا کرسکتا ہے تو وہ صرف میری موت ہوگی۔ اپنی زندگی میں تو میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ ہاں میری موت اسے ضرور الگ کرسکتی ہے مجھ سے۔" زرمیل نے نہایت غصے سے اونچی آواز میں کہا تھا کہ کچھ لوگوں کے دل بری طرح کانپ کے رہ گئے تھے۔

"تو زرمیل احمر! ژالے کو یہ بھی منظور ہے۔" ارشد نے بے حسی کی ساری حدیں پار کردی تھیں۔ دل اس قدر پتھر ہوجائے گا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"ارشد.....!" نجمہ کانپتی ہوئی آگے بڑھیں اور ایک زوردار طمانچہ اس کے منہ پر جڑ دیا تھا۔

"بس کرو بہت بول لیا اب اور نہیں مجھے یقین نہیں آرہا تم میرے بیٹے ہو کر اس قدر گر جاؤ گے۔ جانے میری تربیت میں میری پرورش میں کہاں کون سی کوتاہی سرزد ہوگئی جو تم اس طرح نکلے ہو۔" نجمہ کا لب ولہجہ

نہایت کمزور ہوگیا تھا۔

"مگر ماما!" ارشد نے گال پر ہاتھ رکھے کچھ کہنا چاہا۔

"کہا نا خاموش ہو جاؤ اگر تمہارے پاپا نے اور فہیم بھائی نے تمہارے ہاتھ میں فیصلے کا اختیار دے دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو منہ میں آئے بولتے چلے جاؤ۔"

"زرمیل! میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں خدا کے لیے چلو یہاں سے۔" آسیہ کا لہجہ بھی بہت کمزور اور ہارا ہوا تھا۔ آج جیسے سب کچھ ختم ہوگیا تھا۔ زرمیل نے نہایت شدت سے آسیہ کا لب ولہجہ نوٹ کیا تھا۔ پھر ارشد کی پشت سے جھانکتی ان دو سبز آنکھوں میں دیکھا تھا پھر رکا نہیں تھا نکلتا چلا گیا تھا۔

کیا کچھ نہ تھا ان سرمئی کانچ میں اس درجہ ہتک آمیز کاٹ دار نظریں تھیں کہ ژالے احساس توہین کی شدید لپیٹ میں آکر خود کے لیے دعا کرنے لگی کہ زمین پھٹے یا آسمان وہ اس میں سما جائے۔

"زرمیل! میری بات سنو بیٹا۔" آسیہ تیزی سے اس کے پیچھے بھاگی تھیں وہ اس کے خطرناک ارادوں سے خوف زدہ ہوگئی تھیں۔ وہ جذبات اور غصے میں آکر کچھ کر نہ بیٹھے۔

عارفین نے جاتے جاتے ایک بھرپور شاکی نظر ژالے کے چہرے پر ڈالی تھی پھر وہ رکا نہیں تھا۔ عارفین کی نظروں سے وہ احساس شرمندگی کے مارے زمین میں گڑ کے رہ گئی تھی۔ اس دوران ثمرن اپنے بیڈروم سے اپنے سامان کا بیگ لیے چلی آئی تھی۔

"ثمرن! تم کہاں جارہی ہو بیٹا؟" نجمہ کی نظریں ثمرن پر بیگ سمیت پڑی تھیں تو وہ ہق دق سی ہوکر رہ گئی تھیں۔

"جہاں سے آئی تھی ماما!" اس کی آنکھوں میں ابھی بھی اپنی بے بسی کے آنسو تھے۔

"ارشد نے میری پندرہ سالہ خدمت ورفاقت کا صلہ مجھے دے دیا ہے۔" بھیگا اور ہارا ہوا لب ولہجہ اسے حرید حقیر بنا رہا تھا۔ وہ خود کو فقیر کی طرح لگ رہی تھی جو مزار پر کئی سالوں سے بیٹھا تھا مگر پھر بھی اس کا کشکول خالی تھا۔

ژالے خود بھی ثمرن کی طرف بڑھی تھی وہ اس کو چاہتی بھی بہت تھی کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی اسے ان کی ذات سے۔ اور ان گزرے دو سالوں میں وہ جس طرح اس کے نزدیک رہی تھیں بھلا کیسے وہ انہیں ایسی حالت میں تنہا چھوڑ سکتی تھی۔

"ثمرن بھابھی! پلیز رک جائیے مت جائیے، ارشد بھائی بہت غصے میں تھے مگر آپ اپنا نقصان مت کریں۔ میں معافی مانگتی ہوں آپ سے ارشد بھائی کے سخت رویے کی۔" ژالے نے ثمرن کے دونوں شانے تھام لیے تھے۔

"تم کیوں معافی مانگتی ہو اس میں تمہارا بھلا کیا قصور اور رہا نقصان..... ہونہہ....." اس نے مسکرا کے خود اپنا ہی تمسخر اڑایا تھا۔

"وہ تو ہوگیا ہے ارشد کو جو کہنا تھا کہہ دیا آج انہوں نے واضح کردیا کہ ان کے دل میں اور اس گھر میں میری کیا حیثیت ہے۔"

"نہیں ثمرن! تم مجھ سے پوچھو تمہاری کیا حیثیت اور مقام ہے میرے گھر میں میرے دل میں اللہ

جانتا ہے تم میں اور ژالے میں، میں نے کبھی کوئی فرق نہیں کیا۔

"میں جانتی ہوں ماما! مگر اس وقت میرا یہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔"

"ثمرن! میری خاطر رک جاؤ بیٹا۔" انہوں نے آس سے اسے دیکھا تھا۔

"پلیز ماما! مجھے مت روکیے، ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا۔ پلیز میں کچھ دن یہاں سے دور جانا چاہتی ہوں۔" ارشد نے جو بے عزتی کی جتنی اس کی تضحیک و تحقیر کی اس نے اسے اندر سے توڑ دیا تھا وہ ٹوٹ کر بکھر گئی تھی۔ وہ اگر یہاں اور مزید رکتی تو اس کا دل پھٹ جاتا اس کی دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ اس کا فیصلہ حتمی تھا جس سے وہ ایک انچ ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔ نجمہ تیزی سے ارشد کے پاس آئی تھیں۔

"ارشد! روکو ثمرن کو وہ جا رہی ہے۔"

"جانے دیں اسے یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے جیسے جا رہی ہے واپس بھی خود ہی آئے گی۔ نہ تو میں اسے جانے سے روکوں گا اور نہ ہی اسے لینے جاؤں گا۔" ارشد نے سرد مہری سے اس پر ایک نظر ڈالی تھی۔

"ارشد! پاگل ہوئے ہو کیا پچھتاؤ گے اگر ثمرن چلی گئی تو۔" نجمہ نے گھبرا کے اسے دیکھا تھا۔

"میں پچھتانے والوں میں سے نہیں ہوں ماما اور نہ ہی مجھے بیویوں کے فضول نخرے اٹھانے کا کوئی شوق ہے۔ جیسے اپنی مرضی سے جا رہی ہے واپس بھی اپنی مرضی سے ہی آئے گی اس سے آگے میں کچھ نہیں کہوں گا۔" اس نے ثمرن کو بری طرح نظر انداز کیا اور کھڑا ہو گیا اپنے بیڈ روم میں چلتا چلا گیا تھا۔

ثمرن نے دکھ سے جاتے ہوئے ارشد کو دیکھا تھا کیسے لمحوں میں وہ لہجہ بے توقیر، بے مائع کر گیا تھا۔

"ثمرن بھابھی! آپ میرے روم میں چلیے۔" ژالے کو بھی بہت تکلیف پہنچی تھی ارشد کے رویے سے مگر وہ اس کا گھر بچانا چاہتی تھی۔ اپنا تو شاید بچا نہیں پائی مگر اپنے عزیز از جان بھائی کے گھر پر معمولی سی آنچ بھی نہیں آنا دینا چاہتی تھی۔

"مت روکو مجھے ژالے، اب نہیں۔" پھر وہ رکی نہیں۔

کسی کی بھی محبت کی منت کی معافی کی زنجیر نے اس کے قدم نہیں جکڑے تھے۔ ژالے روتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں چلی گئی تھی۔ نجمہ اپنا دل تھام کر وہیں صوفے پر ڈھیتی چلی گئی تھیں۔ اپنی اولاد کی قسمت پر رو دی تھیں۔ ان کے گھر کا شیرازہ بکھر رہا تھا ان کی آنکھوں کے سامنے اور وہ کچھ بھی نہیں کر پا رہی تھیں۔

ارشد اپنے بیڈ روم میں ہی تھا آفس جانے کا ارادہ کینسل کر دیا تھا۔ کتنے ہی گھنٹے گزر گئے تھے۔ ایک ہی رخ پر بیٹھے ہوئے آج اپنا بیڈ روم بہت خالی خالی لگ رہا تھا۔ اپنے دل کی طرح۔ جانے جذبات اور غصے میں وہ کیا کچھ کہہ گیا تھا۔ انتقام کی آگ میں اتنا آگے نکل گیا کہ کچھ پتہ ہی نہ چلا کیا کھویا کیا اس آگ کی نذر ہو گیا شاید جو کچھ تھا وہ اس ان دیکھی بھڑکتی دہکتی آگ نے نگل لیا تھا۔

مگر نہیں۔

"وہ حق پر ہے اس نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا ہے اسے اسی دن کا تو انتظار تھا۔ زرمیل کو ژالے کو بہرحال میں چھوڑنا ہی ہوگا۔ اس نے جو کچھ ژالے کے ساتھ کیا وہ بھی تو ٹھیک نہیں تھا پھر ماما اور ثمرن کیوں نہیں سمجھتی ہیں۔ ثمرن اپنی مرضی سے گئی ہے اور خود ہی واپس آ جائے گی۔" وہ خود کو مکمل سو بری الزام نہیں ٹھہرا رہا تھا خود کو حق بجانب سمجھ رہا تھا۔ وہ ان ساری زہریلی سوچوں کو جانے کتنے اور گھنٹے تک سوچتا حالانکہ سوچ سوچ کر

اس کی کنپٹیاں دکھ گئی تھیں۔ مگر پھر بھی سوچ اس کی فکر میں تھی۔ اسی اثناء میں اس کا ایک جھٹکے سے دروازہ کھلا تھا۔

"ارشد......" ہانپتی کانپتی نجمہ ارشد کے بیڈ روم میں داخل ہوئی تھیں۔ ان کے چہرے کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ ارشد نجمہ کو ایسی حالت میں دیکھ کر صحیح معنوں میں پریشان ہو گیا تھا۔ وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور ان کے دونوں شانے تھام لیے تھے۔

"ماما! کیا ہوا سب خیریت تو ہے آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟" بلکہ ارشد نے ان کو جلدی سے بیڈ پر ہی بٹھا دیا تھا کیوں کہ ان کی حالت ایسی ہی لگ رہی تھی جیسے وہ ابھی گر ہی نہ جائیں۔ اس نے ٹیبل پر رکھے پانی سے بھرے جگ میں سے گلاس میں پانی نکالا اور نجمہ کو پلانے لگا تھا۔

"ماما! پہلے آپ پانی پئیں۔"

"نہیں......ارشد! مجھے پانی نہیں پینا۔" نجمہ نے بری طرح گلاس جھڑک دیا کہ چند چھینٹیں چھلک کر اس کے اوپر آ گئی تھیں۔

"تم اس کو دیکھو وہ زندہ تو ہے نا۔" وہ تقریباً پسینے میں شرابور ہو گئی تھیں۔

"کون زندہ ہے ماما! آپ کس کی بات کر رہی ہیں؟"

"زر......میل......زرمیل کی......ار......ارشد اس کا بہت بڑا ایکسیڈنٹ ہوا ہے......اس کی گاڑی......کو......ٹرالر نے کچل ڈالا ہے۔ تم دیکھو......وہ مر تو......نہیں گیا......؟" بمشکل ان کے منہ سے الفاظ ادا ہو پا رہے تھے۔ خوف سے ان کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔

"واٹ؟" ارشد کے بھی یہ سن کر اوسان خطا ہو گئے تھے۔

"او مائی گاڈ! ماما زرمیل کہاں ہے کیسا ہے؟"

جو کچھ چند گھنٹوں پہلے ہوا تھا وہ سب اس کے ذہن کی اسکرین سے محو ہو چکا تھا۔ اس کا سارا غصہ جاہ و جلال پانی کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا اگر یاد تھا تو صرف اتنا کہ اس وقت زرمیل اسپتال میں ہے۔ زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے۔

"مجھے نہیں پتہ وہ کیسا ہے مجھے اس کے پاس لے کر چلو۔ ارشد وہ بچ جائے گا نا۔ زرمیل کو کچھ ہوگا تو نہیں۔ خدا کے لیے مجھے اس کے پاس لے کر چلو۔" نجمہ زار و قطار رو رہی تھیں۔ ان کے ہاتھ پیر پھولنے لگے تھے بلکہ وہ تو خوف زدگی سے برف کی طرح ٹھنڈی پڑ گئی تھیں۔ ارشد کو ان کی فکر لگ گئی خدانخواستہ انہیں کچھ نہ ہو جائے۔

"اوکے ماما! مگر پلیز ریلیکس اگر آپ اس طرح پریشان ہوں گی تو میں آپ کو لے کر نہیں جاؤں گا۔ بلکہ پہلے آپ یہ پانی پئیں۔" ارشد نے زبردستی نجمہ کو پانی پلایا اور پھر جیب سے موبائل نکال کر عارفین کو کال کیا تھا۔ عارفین نے اسے سب بتا دیا تھا۔

"چلیں ماما!" وہ انہیں لے کر باہر نکلا تو اسے ژالے کا خیال آیا تھا۔

"ماما! ژالے کہاں ہے؟" ارشد کے دماغ میں خطرے کا الارم بجنا شروع ہو گیا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ۔"

"اوہ نو۔" وہ تیزی سے ژالے کے روم میں آیا تھا۔ ژالے سامنے ہی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں موبائل تھا وہ سمجھ گیا کہ ژالے کو بھی پتہ چل گیا ہے۔

"ژالے۔"

"ا....ر....شد....بھا....ئی....زر....سیل....." ژالے کی آتی جاتی سانسیں رک گئی تھیں اس کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔ عقل و خرد سے بیگانہ وہ اپنے سارے ہوش و حواس کھوتی چلی گئی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اب اگر اس کی آنکھ کھلے گی تو گہری اندھیری قبر میں کھلے گی کیوں کہ جسم سے روح نکلتے ہوئے محسوس کی تھی۔

☆......☆

اتنے گھنٹوں کی مسافت کے بعد حسین آفریدی، بی بی جان کے بتائے گئے ایڈریس پر کوئٹہ پہنچ ہی گیا تھا۔ لال اینٹوں سے بنا یہ شاندار اور عالیشان بنگلہ واقعی توجہ کا مرکز تھا۔ باہر سے بہت زبردست اور خوب صورت ترین کاریگری کی گئی تھی۔ یقیناً اندر سے اس سے زیادہ حسین ڈیکوریٹ کیا گیا ہوگا۔ حسین آفریدی نے گاڑی یہیں گھر کے باہر سائیڈ میں پارک کر دی تھی۔ گاڑی سے باہر نکل کر گاڑی لاکڈ کی اور اب دروازے کے باہر کھڑا ہو کر بیل بجانے لگا تھا۔ چوکیدار نے دروازے میں بنی چھوٹی سی کھڑکی کھول کر جھانکا تھا۔

"جی کہیے، کس سے ملنا ہے آپ کو؟" چوکیدار نے اپنے پٹھانوں والے لہجے میں سوال کیا تھا۔

"مجھے جہاں آراء بیگم سے ملنا ہے آپ ان سے کہیے حسین آفریدی کراچی سے آیا ہے۔"

"اچھا جی تم رکو ہم بولتا ہے جا کر۔" چوکیدار کھڑکی بند کر کے وہاں سے چلا گیا تھا۔

حسین آفریدی کو شدید کوفت ہونے لگی تھی۔ اتنی دیر ہو گئی تھی مگر ابھی تک کوئی اندر سے نہیں آیا تھا۔ شام کا وقت ہو چلا تھا سورج ڈھلنے لگا تھا۔ رات کے سائے اپنے پر پھیلانا شروع کر رہے تھے۔ اس نے سوچا ایک بار پھر بیل بجانے کرا تنے میں پورا دروازہ کھل گیا تھا۔ حسین آفریدی نے دیکھا تھا بی بی جان کی عمر کی ہی کوئی خاتون تھیں اس نے جھک کر سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام! جیتے رہو آؤ اندر آؤ۔" جہاں آراء بیگم نے بزرگانہ شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا وہ حسین آفریدی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔ اسے دیکھ کر انہیں اپنا مسئلہ حل ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اپنی مشکل آسان ہوتی نظر آرہی تھی۔ حسین آفریدی، جہاں آراء بیگم کے ہمراہ اندر داخل ہوا تھا۔ اندر جا کر بہت بڑا سا لان تھا جسے دیکھ کر لگتا تھا کہ اس پر بہت محنت کی گئی ہے۔ پھر اس کی نظر اس سبزے سے بھرے لان کے بیچ بنے خوب صورت سے وائٹ ہاؤس پر پڑی حسین آفریدی نے ستائشی نظروں سے اس خوب صورت سے گھر کو دیکھا تھا اور داد دیے بنا رہ بھی نہیں سکا تھا۔

"آپ کا گھر بہت خوب صورت ہے۔" حسین آفریدی میں سب سے اچھی بات یہی تھی وہ ہر خوب صورت شے کی دل سے تعریف کرتا تھا۔

"ٹھیک کہا بیٹا! تم نے گھر واقعی بہت خوب صورت ہے مگر گھر کے اندر کے لوگوں کے دل اتنے ہی بدصورت اور چھوٹے ہیں۔" جانے کیوں ان کی زبان سے بے ساختہ یہ بات پھسلی تھی۔

مگر حسین آفریدی کے بالکل سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ کندھے اچکاتا کوریڈور سے اندر داخل ہوتا ہوا اس بڑے سے ہال نما کمرے میں آیا تھا جسے ٹی وی لاؤنج اور ڈرائنگ روم کی شکل دی گئی تھی۔ جسے بہت ہی خوب صورتی سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ ہر شے چمک رہی تھی سفید ماربل کے فرش پر معمولی سی بھی گرد کا نام تک نہیں تھا۔ دل لگا کر صفائی کی گئی تھی۔

"آپ کا گھر اندر سے بھی بہت صاف ستھرا ہے۔ بہت خوب صورت ڈیکوریٹ کیا گیا ہے یہ ہال۔ اچھی سیلری ملتی ہو گی آپ کے ملازموں کو۔"

"نہیں وہ سیلری نہیں لیتی بلکہ یہاں رہنے کی قیمت چکاتی ہے اور یہ گھر ملازموں کے سہارے نہیں بلکہ اس اکیلی جان کے سہارے سے چلتا ہے، وہی اس گھر کی صفائی ستھرائی سے لے کر کچن تک کو سنبھالتی ہے یہ اسی کی ذمہ داری ہے۔"

"کس کی.....آپ کس کی بات کر رہی ہیں؟" وہ ان کی باتوں سے الجھ سا گیا تھا۔

"لاروش اعوان میری اکلوتی مری ہوئی بیٹی کی اکلوتی بیٹی جسے اس کی ماں پیدا کرتے ہی اس دنیا سے چلی گئی تھی۔" لاروش اعوان کے ذکر پر جہاں آراء کی ضعیف آنکھوں میں نمی سی بھرنے لگی تھی جسے حسین آفریدی نے بغور دیکھا تھا۔ تھوڑا وہ کچھ بھی ہوا تھا مگر اس کا اثر تا دیر تک یوں نہیں رہا کہ اس کے موبائل پر سمیہ زیدی کی کال آرہی تھی۔ حسین آفریدی کے چہرے پر خوشی کے رنگ چھلکنے لگے تھے۔ اس نے فوراً جہاں آراء بیگم کو ایکسکیوزمی کہہ کر کال ریسیو کی تھی۔

"ہائے!"

"ہیلو نی جانو کہاں ہو؟"

"یار! بتایا تو تھا بی بی جان کے کام سے کوئٹہ آیا ہوا ہوں۔"

"ہاں یاد ہے اب یہ بتاؤ واپسی کب تک ہو گی۔ سچی میں تو بور ہو گئی ہوں۔"

"اوہ رئیلی۔"

"آف کورس ڈارلنگ!"

"اوکے میں جلد از جلد آنے کی کوشش کروں گا۔" وہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

"میں ویٹ کروں گی تمہارا اور مجھے یقین ہے تم بھی میرے بنا بور ہو رہے ہوں گے۔" حسین آفریدی کی نظر سامنے اٹھی تھی جہاں اوپر سیڑھیوں سے ایک نازک اندام سی خوب صورت سرخ و سفید رنگت والی لڑکی نیچے اتر رہی تھی۔ وائٹ جینز پر فٹنگ کی چھوٹی سی بے بی پنک ٹی شرٹ پہنے شولڈر کٹ بھورے بالوں والی وہ نیچے اتر رہی تھی۔

"حسین آفریدی نے سوچا شاید یہ لاروش اعوان ہے۔ جس کا ذکر ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ سن چکا ہے۔ جو گھر کے ساتھ ساتھ خود اپنے اوپر بھی خاص توجہ دیتی ہیں۔ بہت فرصت سے اپنا خیال رکھتی ہیں۔"

"بولو نی! ایسا ہی ہے نا؟" وہاں سے سمیہ زیدی نے وثوق سے کہا تھا۔ حسین آفریدی بری طرح چونک گیا تھا۔

"کیا.....کیا ایسا ہی ہے ڈیئر؟"

''حنین.....'' ممعیہ زیدی بری طرح چلائی تھی کہ حنین آفریدی کو اپنا سیل فون اپنے کان سے دور کرنا پڑا تھا۔ وہ ایسے ہی تھی پورا پورا حق جتاتی تھی۔ حنین آفریدی پر اپنا معمولی سی بھی اگنورنس برداشت نہیں کر سکتی تھی اس کی۔

''آئی ایم سوسوری یار! کیا کہا ہے تم نے پلیز پھر سے کہہ دو نا پلیز ڈولی۔'' حنین آفریدی اسے منانے کے لیے اسی طرح سے جانو، ڈیئر، ڈولی وغیرہ کے پیار بھرے نک نیم سے پکارتا تو وہ خوش ہو جایا کرتی تھی۔

''یہی کہ میری کمپنی بہت محسوس کرو گے۔''

''کمپنی تو یہاں بھی اچھی مل جائے گی۔'' وہ اس لڑکی کے کھلے ہوشربا حسن کو دیکھ کر منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تھا۔ مگر اس کی یہ بڑبڑاہٹ ممعیہ زیدی کو بالکل سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ورنہ ابھی کتنے ہی گھنٹے تک اس کی کلاس ہو جاتی۔

''حنین! مجھے لگتا ہے تمہیں لمبے سفر کی تھکن ہو گئی ہے جاؤ پہلے فریش ہو کر ریسٹ کرو۔ پھر مجھے کال بیک کرنا مگر اس سے پہلے مجھے یہ تو بتا دو کہ آؤ گے کب تک؟'' ممعیہ زیدی نے پھر پوچھا گیا سوال دہرایا تھا۔

''ارے یار! کل لنچ ہم ساتھ کریں گے رائٹ۔''

''اوکے ڈن..... اینڈ ٹیک کیئر۔'' پھر کچھ اور تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں کر کے فون آف کر دیا تھا۔

''دادو! یہ کون ہیں؟'' اسی خوب صورت لڑکی نے جہاں آراء کے پاس آ کر حنین آفریدی کی بلوریں آنکھیں بغور دیکھی تھیں۔

''یہ حنین آفریدی ہے میری کزن کا پوتا۔ کراچی سے مجھے اور لاروش کو لینے آیا ہے۔''

''واٹ..... مگر یہ کیسے ممکن ہے۔'' وہ حنین آفریدی کی موجودگی کی پرواہ کیے بغیر تنجر کے بولی تھی۔

''کیوں..... کیوں ممکن نہیں ہے۔'' جہاں آراء بیگم نے نہایت ناگوار نظروں سے اپنی پوتی کو دیکھا تھا۔

''دادو! آپ جانتی ہیں کہ کیوں ممکن نہیں ہے اور ویسے بھی آپ کا جانا تو بنتا ہے مگر لاروش..... آئی تھنک آپ کو ماں جان سے پرمیشن لینی پڑے گی۔'' اس نے نہایت سکون سے کہا تھا اور ایک ادا سے اپنے شولڈر کٹ بالوں کو ہاتھ سے جھٹکا دیا تھا۔ ''خیر یہ تو بعد کی بات ہے مگر میرا خیال ہے تم شاید کہیں جا رہی ہو؟'' انہوں نے اس کی تیاری کو دیکھا تھا۔ جہاں آراء کو ماہ رخ کی ڈریسنگ ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی وہ اس کو اگر ٹوکتی روکتی تو سب سے پہلے اس کی ماں ان کی بہو لا۔ گنگ جاہل عورتوں کی طرح لڑنا شروع کر دیتی تھی اس لیے انہوں نے اسے کچھ کہنا بولنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

''جی دادو ارادہ تو تھا مگر گھر میں بھی تو مہمان آئے ہوئے ہیں انہیں بھی تو کمپنی کی ضرورت ہو گی۔'' ماہ رخ نے مسکراتی نظروں سے خوب صورت سے حنین آفریدی کا چہرہ دیکھا تھا۔ اس کی ڈریسنگ سے ماہ رخ نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ کسی اچھی فیملی کا ہو گا اور شاید امیر بھی اور وہ تو ویسے بھی خوب صورت و ڈشنگ لڑکوں کی کمپنی خوب انجوائے کرتی تھی۔ اس لیے اس کے سرکل میں لڑکیوں سے زیادہ لڑکوں سے اچھی فرینڈشپ تھی۔

''اس کی فکر کرنے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے حنین ابھی آیا ہے لمبے سفر کی وجہ سے تھک بھی بہت گیا ہو گا۔ وہ اس وقت آرام کرے گا۔

(جاری ہے)

قمروش شہک

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر ۱۹

نیر بہار کی خوشبو

انہوں نے ماہ رخ کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا اور حسین آفریدی کو اندر کی جانب لے کر بڑھ گئیں۔
حسین آفریدی، ماہ رخ شاہ کو ایک گہری نظر سے اوپر سے نیچے تک دیکھتا ہوا جہاں آراء بیگم کے ساتھ ہو
گیا تھا۔

ماہ رخ کو جہاں آراء بیگم کا خود کے ساتھ ایسا ہی بیوخت نا گوار گزرا تھا۔ اسے اپنی حسین آفریدی کے سامنے انسلٹ فیل ہوئی تھی ایسا لگا جیسے جہاں آراء بیگم نے جان بوجھ کر اس کی حسین آفریدی کے سامنے بے عزتی کی ہو۔ وہ نخوت سے پیر پٹختی اپنی ماجان کے بیڈ روم کی سمت بڑھی تا کہ جہاں آراء بیگم کی شکایت کر سکے۔

”ماجان..... ماجان.....“ ماہ رخ زور سے دروازہ کھولتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔

لالا گل کسی سے فون پر محو گفتگو تھیں۔ ماہ رخ کو اس طرح غصے میں تن فن اندر آتے دیکھا تو بات کو سمیٹا اور فون بند کر کے اس کے پاس آ گئی تھیں۔

”کیا بات ہے سویٹی! کیوں اتنے غصے میں ہو؟“ لالا گل نے اس کے شولڈر کٹ بھورے بالوں کو

سنوارا تھا۔

"ماجان! آپ دادو کو سمجھالیں جانتی ہیں انہوں نے میری کس قدر انسلٹ کی ہے۔" تنکی سے نہایت ہی بدتمیزی سے اس نے جہاں آرا بیگم کی شکایت کی تھی غصے کی لالی اس کے خوب صورت چہرے سے چھلک رہی تھی۔

"مگر کیوں..... انہوں نے پھر تمہاری ڈریسنگ کو کچھ کہا ہے اور تم تو اپنے فرینڈز کی پارٹی میں جارہی تھیں۔ تو بیٹے سے کیسے ٹکراؤ ہو گیا۔" لالا گل کو بھی بہت برا لگا تھا۔ ایک ہی تو بیٹی تھی ان کی ہاتھ دھو کے پیچھے پڑی رہتی تھیں۔ لالا گل کو بالکل اچھا نہیں لگتا تھا کہ ماہ رخ کو کوئی کچھ کہہ بھی دے۔ پھولوں کی طرح رکھتی تھیں وہ ماہ رخ کو۔

"جی ماجان! میں وہیں کے لیے نکل رہی تھی کہ بیچ میں دادو اور ان کی کزن کا پوتا آ گیا بس میری قسمت ہی خراب کہ میں نے صرف ان سے یہ کہہ دیا کہ آج میں کہیں نہیں جاؤں گی آپ کے مہمان کو کمپنی دوں گی۔ بس میرا یہی کہنا تھا کہ دادو کو تو اتنا برا لگا کہ انہوں نے گھر آئے مہمان کی بھی پرواہ نہیں کی اور اچھی خاصی توہین اور بے عزتی کر دی اور اپنے کزن کے پوتے کو اس طرح اندر لے کر چلی گئیں کہ خدانخواستہ میں ان کو اپنے ساتھ باہر ہی نہ لے جاؤں۔ ڈسگسٹنگ اور آپ کو ایک بات اور بتاؤں انہوں نے پلان بھی بنالیا ہے وہ لاروش اغولان کو لے کر کراچی جانے کی تیاری کر رہی ہیں۔" ماہ رخ نے لالا گل کو ایک ایک بات بتادی تھی۔ جس سے لالا گل کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا۔

"ایسا وہ سوچ بھی کیسے سکتی ہیں کہ لاروش اغولان کو لے کر کراچی چلی جائیں گے۔ اس گھر سے اگر لاروش اغولان جائے گی تو اس کا جنازہ ہی باہر جائے گا۔ خود تو بڑی بی قبر میں لٹکی پڑی ہیں جانے کب اور کس وقت سانس رک جائے اتنا لمبا سفر کریں گی وہ۔" لالا گل نے جہاں آرا بیگم کے لیے نہایت ہی نازیبا گفتگو کی تھی۔

"یہ تو آپ کو وہی بتائیں گی ظاہری سی بات ہے جب کراچی سے اپنی کزن کے پوتے کو بلوایا ہے تو جانے کا ہی پلان ہوگا۔"

"میں بھی دیکھتی ہوں وہ اور لاروش اغولان اس گھر سے قدم بھی کیسے باہر نکالتی ہیں مگر کراچی میں ان کی کون سی کزن رہتی ہے جس کا پوتا یہاں انہیں لینے آیا ہے۔"

"آئی ڈونٹ نو مگر حسین آفریدی نام لے رہی تھیں دادو اس کا۔"

"حسین آفریدی....." انہوں نے دھیرے سے نام دہرایا تھا۔ بہت زیادہ دماغ پر زور ڈالنے کے بعد ان کو یاد آ گیا تھا کہ یہ حسین آفریدی کون ہے۔

لالا رخ نے لالا گل کے سوچتے چہرے کو بغور تکا تھا۔

"اب یہ آپ کن سوچوں میں پڑ گئی ہیں، ہجی ماجان! مجھے اس وقت شدید قسم کا غصہ آ رہا ہے اور آپ یوں آرام اور فرصت سے بیٹھی ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔" ماہ رخ نے منہ پھلا کر لالا گل کو دیکھا تھا۔

"ارے بے وقوف لڑکی، جانتی بھی ہو کہ یہ حسین آفریدی کون ہے؟" خوشی سے وہ نہال ہو گئیں۔

"مجھے کیا پتا..... اور آپ تو یوں خوش ہو رہی ہیں جیسے کسی ملک کے کوئی صدر کا بیٹا آیا ہو ہمارے گھر۔"

لالا گل کی خوشی اسے پسند نہیں آئی تھی۔

"ہاں تم نہیں جانتی ہو اس لیے بے زاریت سی دکھا رہی ہو چلو میں بتاتی ہوں حسین آفریدی، صمد آفریدی کا چھوٹا بیٹا ہے۔"

"ماجان! اب یہ صمد آفریدی کون ہیں؟" وہ شدید کوفت کا شکار ہوئی تھی۔

"صمد آفریدی ایک مشہور بزنس ٹائیکون بلکہ یہ ہی نہیں وہ ایک بہت بڑے زمیندار بھی ہیں۔ دولت تو جیسے ان کے گھر کی باندی ہے۔ امیروں کے جانے کون سے نمبر میں صمد آفریدی کا شمار ہوتا ہے۔ ان کے پاس اتنا پیسہ ہے کہ اگر سات پشتیں بھی بیٹھ کر کھائیں تو کم نہ پڑے اور ان کا بیٹا ہمارے چھوٹے سے گھر میں آیا ہے۔ پگلی ہمارے تو بھاگ ہی جاگ گئے ہیں۔ قسمت نے ہمارے گھر کے دروازے پر دستک دی ہے۔ جاؤ اسے ویلکم کرو اگر آفریدی خاندان سے ہمارا رشتہ جڑ جائے تو ہمارے تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔ سوچو اس سے کتنے فائدے ہوں گے ہمیں تمہیں اور سب سے بڑھ کر تمہارے ڈیڈ کے بزنس کو آفریدی خاندان سے رشتہ جڑنے پر تمہارے ڈیڈ کا بزنس چاند تاروں کو چھونے لگے گا۔ ماہ رخ تم خوب صورت ہو عقلمند ہو، حسین آفریدی کو اپنا اسیر بنانے میں تمہیں زیادہ ٹائم نہیں لگے گا۔ بس تمہاری ایک بار حسین آفریدی سے شادی ہو جائے۔" لالا گل نے ماہ رخ کو سنہرے سنہرے اونچے خواب دکھانے شروع کر دیے تھے اور وہ ٹھہری بچپن سے ہی شوخ مزاج رنگین طبیعت کی مالک حسن پرست دولت پرست جو اپنے سے نیچے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ اس لیے اس کی جتنی بھی لڑکے لڑکیوں سے فرینڈشپ تھی سب کے سب ہائی سوسائٹی میں موو کرتے تھے مگر پھر بھی سب لڑکوں کو ایک پلڑے میں اور حسین آفریدی کو ایک پلڑے میں رکھا جائے تو سب سے بھاری پلڑا حسین آفریدی کا ہی ہوتا۔

اور ماہ رخ کو مزید سے مزید حاصل کرنے کی خواہش تھی اس لیے وہ پوری کوشش کرے گی کہ حسین آفریدی کو حاصل کرلے۔ حسین آفریدی سے اسے نا صرف بے شمار دولت ملے گی بلکہ شہرت بھی حاصل ہو گی۔

"ماجان آپ کا ارادہ اور خیال بروقت ہے۔ حسین آفریدی سے مجھے لگژری دولت اور شہرت ملے گی۔ میرے ڈیڈ کا بزنس اونچائی کی اس بلندی پر پہنچے گا جس کی خواہش آپ کو مجھے ہے تو میں حسین آفریدی کو ضرور اپنے حسن کا اسیر کروں گی۔" ماہ رخ شاہ کی آنکھوں میں حسین آفریدی کو پانے کا جذبہ جوش مارتا دکھائی دیا تھا۔

"ویری گڈ مائی سویٹ ہارٹ! مجھے تم سے یہی امید ہے۔" لالا گل نے ماہ رخ شاہ کا رخسار تھپتھپایا اسے شاباشی دی تھی۔

"اب چلو ہم بھی حسین آفریدی سے ملیں۔" وہ دونوں کھڑی ہو کر باہر جانے لگی تھیں کہ لالا گل نے ماہ رخ شاہ کا شانہ تھام لیا تھا۔

"اور ایک بات اور کہ حسین آفریدی جب تک یہاں ہے تمہیں اپنی دادو کی کڑوی کسیلی باتیں کو صبر و تحمل سے کڑوے زہر کی طرح گھونٹ گھونٹ حلق میں اتارنی ہوں گی۔ ان سے اپنا رویہ درست رکھنا ہوگا۔ ان

سے پیار سے پیش آنا ہوگا تاکہ حسین آفریدی پر اچھا اثر پڑے کیوں کہ سنا میں نے بھی ہے کہ بلوچ آفریدی اور حسین آفریدی اپنے والدین کی عزت اپنی جان سے بڑھ کر کرتے ہیں۔"

"ڈونٹ وری ماجان آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" اس نے اٹھلا کے بالوں کو جھٹکا دیا تھا۔

"گڈ مائی چائلڈ۔"

"بٹ ماجان! ایک پرابلم ہو سکتی ہے۔" اس کی مسکراہٹ یکدم ہی لبوں سے غائب ہوئی تھی۔

"وہ کیا؟"

"لاروش اغوالان۔"

"لاروش...... مگر کیسے؟"

"ماجان! آپ نے کبھی اس کو غور سے دیکھا ہے۔ اس کے سادے حسن اور بے انتہا خوب صورتی پر اگر حسین آفریدی مر مٹا تو......"

"شش......" لالاگل نے اس کے ہونٹوں پر اپنی انگشتِ شہادت رکھ دی تھی۔

"پاگل لڑکی! لاروش اغوالان میرے ببرک شاہ کی ہونے والی بیوی ہے۔ یہ بات ہم اسے پہلے ہی یاور کرا دیں گے اور پھر باور کرانے کی ضرورت ہے بھی کیا لاروش اغوالان جیسی بے وقوف لڑکی کو پسند کرے گا بھی کون۔ یہ تو ہم لوگ ہیں جو اس جیسی لڑکی کو اپنے گھر کی بہو بنائیں گے ورنہ اس کی اوقات ہی کیا ہے۔" لالاگل نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کی پوری ذات کی دھجیاں بکھیر دیں۔

"یو رائٹ ماجان! لاروش اغوالان کو تو ببرک بھائی ہی رکھ سکتے ہیں۔"

"وہ بھی صرف مجبوری ہے اگر وہ ہمارے گھر سے چلی گئی تو ہمارے گھر کی صفائی ستھرائی کون کرے گا۔ ہمیں اچھے اچھے مزیدار ذائقہ دار کھانے کون بنا کے کھلائے گا اور بھی میرے بہت سے کام ہیں جو وہ کرتی ہے جس سے میں مطمئن رہتی ہوں۔"

"یہ بات تو آپ سو فیصد درست کہہ رہی ہیں ماجان! میرے بھی کتنے کام ہیں جو وہ کرتی ہے اور آپ تو جانتی ہیں کہ مجھے اسی کے ہاتھ کے کام پسند ہیں، بٹ ماجان میری ایک بات سمجھ میں نہیں آئی ببرک بھائی، کشمالہ اور لاروش سے ایک ساتھ شادی کیسے کر سکتے ہیں؟"

"ببرک، کشمالہ اور لاروش سے شادی بھلے ہی ایک ساتھ کرلے گا مگر سہاگ رات وہ صرف کشمالہ کے ساتھ ہی منائے گا۔ رہ گئی لاروش اغوالان وہ تو جس کمرے میں پڑی ہے ساری زندگی وہیں پڑی رہے گی۔"

"اور آپ کو لگتا ہے دادو ایسا آپ کو کرنے دیں گی۔" ماہ رخ نے ابرو اچکائی تھی۔

"تمہاری دادو کی زندگی ہی کتنی رہ گئی ہے، میری جان! آج نہیں کل نہیں ان کی لاعلاج بیماری ان کو زیادہ دن تک زندہ نہیں رہنے دے گی۔" دونوں کے طنزیہ اور بے ہنگم قہقہے روم میں گونجے تھے۔

"اچھا اب بہت دیر ہو گئی ہے چلو چلیں حسین آفریدی سے ملنے۔"

"اوہ یس ماجان!" وہ دونوں چلتی ہوئی نیچے آئی تھیں جہاں آرا کے بیڈروم میں۔

"السلام علیکم بیٹا!" لالاگل چہکتی ہوئی جہاں آرا کے بیڈروم میں داخل ہوئی تھیں اور نہایت مصنوعی شفقت سے حسین آفریدی کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

جہاں آرا اچھی طرح لالاگل کی ایکٹنگ سمجھتی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ ماہ رخ سے ہونے والی گفتگو وہ لالاگل کو جا کے بتائے گی ضرور جس کا نتیجہ وہ اپنے سامنے دیکھ رہی تھیں۔ ان دونوں ماں بیٹی کی یہاں موجودگی کا مقصد وہ جانتی تھیں مگر خود انہوں نے کیا سوچا تھا وہ تو ان ماں بیٹی کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا اور اس سے پہلے کہ لالاگل اور ماہ رخ اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب ہوتیں وہ اس ناپاک ارادے کے خاتمے کا سوچ چکی تھیں۔

لالاگل تو حسین آفریدی پر یوں پیار نچھاور کر رہی تھی جیسے حسین آفریدی کراچی سے دور یہاں کوئٹہ میں اس پیار کے لیے تو ہی آیا ہے۔ وہ تو صحیح معنوں میں ان کے ایسے مصنوعی پیار اور ان کی اداکاری سے گھبرا کے رہ گیا تھا۔

"ایکسکیوز می پلیز!" وہ تیزی سے لالاگل سے الگ ہوا تھا اور ذرا فاصلے پر جا کھڑا ہوا تھا مگر لالاگل کو اپنے عمل کے حسین آفریدی کے ردعمل پر ذرا بھر برا نہیں لگا تھا۔ بلکہ ان کو تو حسین آفریدی کی شکل میں اپنی اکلوتی چہیتی بیٹی ماہ رخ کا مستقبل اپنے جان سے عزیز اپنے دل کے ٹکڑے ببرک شاہ کی مزید بڑھتی کامیابی اپنے شوہر کے بزنس میں چار چاند یہ سب وہ حسین آفریدی میں دیکھ رہی تھیں۔ حسین آفریدی کو جانے کیوں ان کا انداز لب و لہجہ سب بناوٹی سا لگ رہا تھا۔ اس قدر ہیوی میک اپ، جیولری میں نہائی ہوئی وہ حسین آفریدی کو کسی نمونے سے کم نہیں لگ رہی تھیں۔ جب اس عمر میں یہ حال ہے تو جوانی میں جانے کیا ہوگا۔ اسے لالاگل سے عجیب سی کراہیت سی محسوس ہوئی تھی اس نے اپنی نظروں کا زاویہ ہی بدل لیا تھا۔

"ارے بے بے آپ بھی کہاں حسین بیٹا کو اپنے اس چھوٹے سے گھٹے ہوئے بیڈروم میں لے آئی ہیں، میں نے تو حسین بیٹے کا سنتے ہی فوراً ہی لاروش سے کہہ کر ماہ رخ کے برابر والا بیڈروم کھلوا دیا ہے جو نہایت ہی کشادہ ہوا دار روشن ہے، وہاں حسین کو ذرا سی بھی تکلیف نہیں ہوگی۔" لالاگل نے اتنی نرمی سے کہا جیسے یہ نرماہٹ اس کے لب و لہجے کا خاص جوہر ہے مگر جہاں آرا سے بہتر کون سمجھ سکتا تھا۔ لالاگل کو انہوں نے نہایت طنزیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"نہیں پلیز! اس تکلف کی زحمت مت کیجیے۔ کیوں کہ میں کوئی آدھے گھنٹے میں ہی جہاں آرا آنٹی کو لے کر کراچی کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔" حسین آفریدی کو پہلے تو نہیں مگر لالاگل کی موجودگی سے ضرور گھٹن ہونے لگی تھی اور سب سے زیادہ ان کے نان اسٹاپ بولنے والی عادت سے بے زار سا ہو گیا تھا۔

"ارے اتنی جلدی آپ نہیں جا سکتے۔" لالاگل کے بولنے سے پہلے ہی ماہ رخ زور سے بولی تھی۔

حسین آفریدی نے رخ کو ترچھا کر کے ماہ رخ کے کھلے حسن کو مسکرا کے دیکھا تھا۔

"میرے کہنے کا مطلب ہے کہ آپ ہمارے گھر پہلی بار بطور مہمان آئے ہیں۔ اس لیے کچھ دن تو آپ کا یہاں ہمارے غریب خانے میں رہنا بنتا ہے۔" ماہ رخ ٹھہری کانفیڈنٹ نہایت ہی بولڈ اس کے خیال میں زیادہ دیر کرنا شاید خسارہ ہے، اس لیے بڑے ہی دھڑلے سے ماہ رخ نے حسین آفریدی کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

حسین آفریدی نے پہلے اس کے ہاتھوں میں دبا اپنا ہاتھ دیکھا، پھر اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا جس پر نہایت لائٹ سا میک اپ کیا ہوا تھا۔ حسین آفریدی کو خوب صورتی اٹریکٹ کرتی تھی مگر ان لڑکیوں میں اسے کوئی چارم نہیں لگتا تھا جو خود ہاتھ بڑھائیں اور حسین آفریدی کو ایسی لڑکیوں سے سخت چڑ تھی۔ جیسے کہ ابھی اور اسی وقت ماہ رخ سے ہوگئی تھی، ایسا لگا جیسے وہ صرف اس کے ایک اشارے کے انتظار میں ہے اور اپنے پورے وجود سمیت اس کی جھولی میں گرنے کو تیار ہے۔ لیکن ماہ رخ سے اسے کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

''سوری مس!'' اسے اس لڑکی کا نام نہیں معلوم تھا اس لیے کچھ بھی بولے بغیر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑایا تھا۔

''ماہ رخ۔'' ماہ رخ نے خود بھی اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھا تھا۔

''جی تو مس ماہ رخ! آئی ایم ویری سوری کیوں کہ مجھے صبح ہونے سے پہلے اپنے گھر میں ہونا ہے۔''

''یہ تو سراسر ناانصافی ہے حسین بیٹا ہمارے ساتھ، اب یہاں آئے ہو تو یہاں رکو۔ کچھ دن ماہ رخ تمہیں یہ شہر گھمائے گی، سیر کرائے گی۔ بیٹا آپ دونوں مل کر خوب انجوائے کرنا یہ چند دن۔'' لالا گل اس خزانے کی چابی کو اپنے ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتی تھیں، وہ کسی بھی طرح حسین آفریدی کو یہاں روک کر ماہ رخ کو اس کے قریب کرنا چاہتی تھیں۔

''تم لوگوں نے کیا بچے کو اپنی فضول باتوں میں الجھا دیا۔ حسین ابھی اتنے لمبے سفر سے تھک کر آیا ہے۔ کچھ احساس کرنا چاہیے اس بات کا۔ اس لیے ان سب باتوں کو چھوڑو حسین کو آرام کرنے دو وہ پھر فریش ہو کر کھانا کھائے گا۔'' حسین آفریدی کے بولنے سے پہلے ہی جہاں آرا نے بول دیا تھا تو وہیں لالا گل جہاں آرا کی فضول باتوں پر سرتاپا سلگ کر بھی رہ گئی تھیں۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں بے بے! حسین بیٹا چلو آؤ آپ کا بیڈ روم آپ کو دکھا دوں، وہاں آرام کر لو پھر رات کا ڈنر ہم سب ساتھ مل کر کھاتے ہیں۔ اتنے میں فواد اور ببرک بھی آجائیں گے۔'' لالا گل، جہاں آرا کی کلاس کو بعد پر رکھتے ہوئے حسین آفریدی کو جاں نثار نظروں سے تکنے لگی تھیں۔

''نہیں پلیز! میں یہیں کچھ دیر بیٹھ جاؤں گا آپ میرے لیے کوئی تردد یا تکلیف نہ کریں۔'' حسین آفریدی وہیں پہ پاس رکھی چیئر پر براجمان ہوگیا تھا مبادا وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر لے ہی نہ جائیں۔

''مگر......'' ابھی لالا گل بولتیں کہ جہاں آرا نے ان کی بات ہی کاٹ دی تھی۔

''جہاں آرا بہو! جاؤ اور کچن میں کچھ مزید ارسی ڈشز بنوالو حسین کے لیے وہ کچھ دیر میں آرہا ہے۔''

''جی بہتر بے بے!'' لالا گل دانت چباتی خونخوار نظروں سے جہاں آرا کو دیکھتی ماہ رخ کو لیے وہاں کمرے سے نکلتی چلی گئی تھیں کیوں کہ ان کی برداشت ختم نہ ہو جائے اور حسین آفریدی کے سامنے کوئی الٹی بات منہ سے نہ نکل جائے کہ ان کا امپریشن غلط پڑے مگر لالا گل کی یہ حرکت حسین آفریدی کی نظروں سے چھپی بھی نہیں رہ سکی تھی۔

''ماجان! یہ کیا آپ نے دادو کو سنائی کیوں نہیں، وہ اتنا کچھ بول رہی تھیں اور آپ نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔'' ماہ رخ بری طرح بھڑک گئی تھی۔

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو ماہ رخ! بے بے سے بات بگاڑنے کا مطلب ہے حسین آفریدی کو کھو دینا تم یوں کرو کوئی دوسرے کپڑے پہن کے آؤ کوئی اچھا سا شلوار قمیض پہن لو۔ میں ذرا اس لاروش کی بچی کو دیکھتی ہوں اس نے آج کھانے میں کیا بنایا ہے۔ میں مینو میں اور مزید ڈشز بنواتی ہوں جب تک تمہارے ڈیڈی اور ببرک بھی آجائیں گے۔''

''او کے۔'' اس نے سوٹ چینج کرنے پر کڑوا سا منہ بنایا تھا۔

''میری جان! میں جو کر رہی ہوں تمہارے بھلے کے لیے ہی کر رہی ہوں ساری زندگی راج کرو گی اور اپنی ماجان کو دعائیں دو گی۔'' ماہ رخ اپنی ماجان کی باتوں کو بغور سنتی ہوئی مسکرا دی تھی کیوں کہ وہ جو بھی کہہ رہی تھیں اور کرنے جا رہی تھیں وہ بالکل درست تھا۔

''آل رائٹ ماجان! پھر تو دادو کی کچھ کڑوی کسیلی باتیں کو دل پہ پتھر رکھ سننا ہی پڑیں گی اینڈ آف کورس برداشت بھی کرنا پڑیں گی۔''

''یس مائی چائلڈ!'' دونوں نے شاطرانہ اونچا قہقہہ لگایا تھا۔

''آنٹی پلیز! مجھے واقعی کسی شے کی طلب نہیں ہے۔ آپ جلدی سے تیار ہو جائیے ہمیں ابھی نکلنا ہے۔'' لالا گل اور ماہ رخ کی فضول حرکتوں سے وہ سخت بے زار ہوگیا تھا۔

''بیٹا! پہلے کھانا کھالو پھر میں تم سے تفصیل سے بات کرتی ہوں اور امید کرتی ہوں تم میری مدد ضرور کرو گے اور بیٹا پھر ابھی تم لاروش سے بھی تو نہیں ملے ہو۔''

''اف......'' حسین آفریدی کا دل اپنا سر پیٹ لینے کو چاہا تھا۔

''یقیناً وہ بھی ان دونوں سے کم نمونہ نہیں ہوگی۔'' وہ صرف سوچ کر رہ گیا تھا۔ لاروش اغولان نے منٹوں میں دو تین ڈشز مزید بنالی تھیں۔ لالا گل کے حکم پر سارا کھانا ٹیبل پر چن دیا تھا اور یہ سارا کام وہ آج معمول کے مطابق اکیلے ہی کر رہی تھی۔ آج چونکہ کام تھوڑا زیادہ ہوگیا تھا اس لیے اس کے جسم کا ایک ایک حصہ پہلے سے زیادہ دکھ رہا تھا۔ ہلکا سا بخار بھی ہوگیا تھا۔

''ہاں تو لاروش! ٹیبل پر سارا کھانا چن دیا۔'' ماہ رخ اندر داخل ہوتی ہوئی بولی تھی۔ اسے دیکھتے ہی لاروش اغولان پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

پرپل اینڈ پنک امتزاج کے کرتے پاجامے میں جڑے سے دوپٹے کو سنبھالتی وہ ہر دن سے الگ اور خوب صورت الگ رہی تھی۔ بے شک ماہ رخ بہت خوب صورت تھی مگر آج تو اس کا حسن سراہے جانے کے قابل تھا۔

''یہ بناؤ سنگھار یہ ناز و ادا یہ اہتمام ایسے ہی تو نہیں یقیناً آج کوئی خاص مہمان آیا ہے جس کی بدولت آج ماہ رخ نے یہ اہتمام یہ بناؤ سنگھار کیا ہے۔''

''مہارانی صاحبہ! اگر سوچوں کے دریا سے باہر نکلو گی تو کچھ عرض کر سکتی ہوں۔'' لالا گل نے لاروش اغولان کو طنزیہ اور کاٹ دار نظروں سے گھورا تھا۔

وہ بری طرح چونک کر رہ گئی تھی وہ جانتی تھی اگر بھابی جان اس کے ساتھ تھوڑی بہت رعایت برتتی ہیں تو وہ صرف اور صرف جہاں آرا بیگم کی وجہ سے وہ اس کی ڈھال بن کر ان دونوں کے بیچ حائل ہیں۔

جہاں آرا بیگم صرف لاروش اغولان کی وجہ سے لالاگل کو اتنا سناتی تھیں مگر لالاگل بھی کہاں چپ رہنے والوں میں سے تھیں کھری کھری زبان درازی کرتی تھیں حالانکہ وہ اتنا سمجھاتی کہ مت بولا کریں۔

''نانو! کیوں الجھتی ہیں آپ ممانی جان سے آپ جانتی تو ہیں ان کی عادت کو اور پھر مجھے بالکل برا نہیں لگتا۔ وہ جو کچھ کہتی ہیں میں خاموشی سے سن کر درگزر کر دیتی ہوں اور پھر جب نصیب میں ہی یہ سب لکھا ہے تو قسمت کو کیا دوش دینا۔'' لاروش اغولان مایوسی کی چادر اوڑھے جہاں آرا کا دل خون خون کر دیتی تھی۔

''ارے ایسے کیسے نہیں الجھوں وہ ہوتی کون ہے تمہارے ساتھ ایسا سلوک کرنے والی، صرف تمہاری وجہ سے میں مزید اسے ناانصافی کرنے سے روک نہیں پاتی اس پورے اتنے بڑے گھر کی صفائی تم کرتی ہو، کچن کی ذمہ داری تمہارے سپرد کر دی، چلو میں نے یہ بھی برداشت کر لیا مگر جب وہ تمہارے ساتھ برا سلوک برا برتاؤ کرتی ہے، مجھے بہت برا لگتا ہے اوپر سے غصہ تمہارے اوپر آتا ہے کہ تم خاموش کیوں رہتی ہو کچھ بولتی کیوں نہیں ہو۔''

''نانو! آپ نے شاید غور سے سنا نہیں ممانی جان نے کیا کہا ہے۔''

''ہاں، ہاں سب سنا ہے مگر یاد رکھنا میں ایسا کچھ ہونے نہیں دوں گی اگر وہ سمجھتی ہے کہ ببرک جیسے لوفر آوارہ لڑکے سے تمہاری شادی کر لے گی تو میں ایسا ہونے نہیں دوں گی، تمہارا مستقبل برباد نہیں ہونے دوں گی۔ تمہاری شادی اس کے ساتھ کرا کے مزید دکھوں غموں کے سمندر میں تمہیں دھکیلوں گی۔'' جہاں آراء کی باتوں سے وہ ایک پل کو سہم کر رہ گئی۔

''نانو! یقین کریں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، ایک یہی تو میرا ٹھکانا میرا آخری آسرا ہے۔ اس گھر کا سارا کام کرتی ہوں ممانی جان کی کڑوی کسیلی باتیں سنتی ہوں ان کے ظلم سہتی ہوں تو یقین مانیے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا اگر وہ ببرک سے میری شادی کر کے عمر بھر کے لیے مجھے اپنا غلام بنانا چاہتی ہیں تو کوئی بات نہیں میں اپنے نصیب سے مقدر سے نہیں لڑ سکتی اور پھر میں تو ہوں ہی بدنصیب ایک سال کی تھی۔ جب اپنے ماں باپ کو ایک جان لیوا ایکسیڈنٹ میں کھو دیا۔ ددھیال والوں نے اچھوت سمجھ کر ناتا توڑ لیا، ایسے میں آپ نے ہی تو مجھے پالا میری پرورش کی ممانی جان نے اپنے گھر میں جگہ دی، میں ان کا احسان کیسے بھول سکتی ہوں۔'' سرد لب و لہجے میں کہتے ہوئے اس کی ہرنی آنکھوں میں ایک سمندر سا ٹھہر گیا تھا۔ جسے اس نے جہاں آرا سے چھپانے کے لیے رخ ہی موڑ لیا تھا مگر جہاں آرا کی ضعیف اور زیرک نگاہوں سے ان ہرنی آنکھوں میں تیرتا درد چھپا نہیں رہ سکا تھا، جہاں آرا کا دل جیسے کٹ کٹ کر گرنے لگا ہو۔ وہ لاروش اغولان کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی تھیں اور اس کا خوب صورت چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھر لیا اور اس کی روشن پیشانی پر پیار کی مہر ثبت کر دی تھی۔

''میری جان تو نے اس احسان کا بدلہ سود سمیت چکا دیا ہے اور تو فکر مت کر میں اپنی لاروش شہزادی کو اس جہنم سے نجات دلاؤں گی۔ تیرے خوب صورت اور پیارے چہرے کی طرح تیرا نصیب بھی بہت خوب صورت اور تابناک ہے۔ دیکھنا بہت جلد میری اس شہزادی کو ایک خوبرو شہزادہ آئے گا اور اس قید خانے سے آزاد کرا کے لے جائے گا۔''

''نانو! آپ بھی نا.....'' وہ نم آنکھوں سے جھینپ کے رہ گئی تھی۔

''تو اور نہیں تو کیا۔ میں تیری شادی اس بدمعاش ببرک سے کبھی نہیں ہونے دوں گی۔''

''نانو! ببرک آپ کے اکلوتے پوتے بھی ہیں۔''

''بس یہی تو غم ہے مگر مجھے اپنے اکلوتے پوتے سے بڑھ کر اپنی پھولوں سی نازک نواسی لاروش عزیز پیاری ہے۔'' لاروش اغولان جہاں آراء کے گلے سے لگ گئی تھی۔ اپنی سوچوں کو سوچتی وہ کچن کا باقی ادھورا کام سمیٹنے لگی تھی۔

ڈائننگ ٹیبل پر سب اکٹھے ہو گئے تھے سوائے لاروش اغولان کے۔

''یہ لاروش کہاں ہے؟'' جہاں آراء کو چیئر پر بیٹھتے ہی سب سے پہلا خیال لاروش اغولان کا ہی آیا تھا۔

''بے بے! میں نے اسے کمرے میں بھیجا ہے تیار ہونے کے لیے۔'' لالاگل نے اپنے چالاکی اور ہوشیاری کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیے تھے۔

''میں تو وہیں کمرے سے آ رہی ہوں مجھے تو لاروش نظر نہیں آئی۔'' جہاں آرا کو لالاگل کی ساری شاطرانہ سوچوں کا علم تھا یقیناً کسی کام میں لگا دیا ہوگا ایک ٹائم کا کھانا وہ بچی سکون سے نہیں کھاتی تھی۔

''ارے بے بے! آپ بھی کن چکروں میں پڑ گئی ہیں، اچھا ایسا ہے ببرک تم جاؤ اور لاروش کو لے کر آؤ۔'' فواد شاہ نے پاس بیٹھے ببرک شاہ کو حکم دیا تھا۔ ببرک شاہ کی تو جیسے باچھیں ہی کھل گئی تھیں۔ وہ ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے اپنی چیئر سے کھڑا ہوا تھا۔

فواد شاہ کو لالاگل فون پر حسین آفریدی کے بارے میں سب کچھ بتا چکی تھیں۔ وہ بہت خوش ہوئے تھے۔ انہیں ابھی سے اپنا بزنس ستاروں کو چھوتا نظر آ رہا تھا۔ وہ حسین آفریدی سے خوش کن گفتگو میں مصروف ہو گئے تھے۔ ادھر ببرک شاہ جھومتا ہوا لاروش اور جہاں آراء کے مشترکہ بیڈروم میں داخل ہوا تھا۔ لاروش اغولان فریش ہو کر واش روم سے نکلی تھی۔

ببرک شاہ کی بے باک نظریں اس کے سراپے میں جیسے سوراخ کر رہی ہوں۔ لاروش اغولان کی نظر اس پر ابھی تو دل شدت سے چاہا کہ اس کی یہ غلیظ آنکھیں ان کا یہ مکروہ چہرہ اپنے ناخنوں سے بری طرح نوچ ڈالے وہ جو ہر وقت خود کو بڑی سی چادر میں چھپائے رکھتی تھی۔ اس وقت منہ ہاتھ دھونے کی وجہ سے چادر وہیں بیڈ پر رکھ دی تھی۔ اس کا خیال یہی تھا کہ ٹیبل پر کھانا لگا دیا ہے تو سب گھر کے افراد کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے ہیں مگر وہ بھول گئی تھی کہ ببرک شاہ جیسے شیطان صفت انسان سے ہر شے کی توقع ہے، اس وقت ببرک شاہ کو اپنے بیڈروم میں دیکھ کر اس کا خون بری طرح کھول اٹھا تھا۔

لاروش اغولان نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر بیڈ پر پڑی چادر اٹھائی اور خود کو اس چادر میں چھپا گئی سوائے چہرے کے کوئی جسم کا حصہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

''کم از کم اگر کسی کے روم میں آتے ہیں تو دروازہ ناک کر کے آتے ہیں، اتنے تو مینرز ہونے چاہئیں۔'' لاروش اغولان کے چہرے پر حد درجہ بےزاریت اور ناگواریت کے سائے منڈلانے تھے اور یہ کوئی اب سے ہی نہیں بچپن سے لے کر شعور کی منزل پر قدم رکھنے تک وہ ہمیشہ سے اس سے چڑتی آئی

تھی۔ ایسا لگتا اس کی شکل دیکھتے ہی کوئی کڑوا بادام اس کے منہ میں آ گیا ہو۔

"میری جان! تم کسی کی کہاں ہو، اپنی ہی تو ہو میری ہونے والی بیوی اور یہ جو تم ہر وقت بڑی سی چادر میں خود کو چھپائے رکھتی ہو نا شادی کے بعد میں تمہیں یہ بڑی سی چادر اوڑھنے نہیں دوں گا۔ بیڈ روم کی چار دیواری میں تو بالکل بھی نہیں۔" ببرک شاہ بغیر اس کی بے زاریت و ناگواریت کو خاطر میں لائے اس کے خوب صورت چہرے پر اپنی نظریں گاڑھے کھڑا تھا۔ لاروش افغولان اس کو بری طرح گھور کے رہ گئی۔ وہ اس کے چہرے سے اس کی فضول باتوں سے سخت نفرت کرتی تھی۔ بس چلتا تو صفحہ ہستی سے اس کا ناپاک وجود ہی مٹا دیتی۔

"اتنی ظالم نظروں سے مت دیکھو ورنہ میں اپنی حدود بھول بیٹھوں گا۔" چہرے پر مکروہ مسکراہٹ لیے وہ اس کی جان ہی تو جلا گیا تھا۔

"آپ کام کی بات کیجیے، یہاں تشریف لانے کی زحمت کیوں کی؟" لاروش افغولان نے اس کی سمت سے رخ ہی موڑ لیا تھا ببرک شاہ چلتا ہوا اس کے ایک قدم کے فاصلے پر آ ٹھہرا تھا۔

"آہ!" اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری تھی۔ "بچی تمہیں دیکھنے کا دل چاہ رہا تھا۔ لاروش افغولان نے چہرہ گھما کرا سے دیکھا اس کی نزدیکی پر اس کو سخت کوفت ہوئی تھی۔ ببرک شاہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا تھا۔

"اب شاباش اس وقت اپنی یہ چادر اتار دو، میں تمہیں دل بھر کے دیکھنا چاہتا ہوں۔" ببرک شاہ نادر اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔ اس نے لاروش افغولان کی چادر تھام کر ہٹانا چاہی۔

"ببرک شاہ۔" لاروش افغولان نے اس کے گال پر بیساختہ ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے ببرک شاہ! آپ کو شرم آنی چاہیے۔ مجھ سے نا صرف ایسی گھٹیا اور فضول بات کرتے ہوئے بلکہ ایسی نازیبا حرکت کرتے ہوئے بھی آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجھے یہ سب حرکتیں سخت ناپسند ہیں۔" غصے اور غم کی شدت سے اس کا سانس پھولنے لگا تھا۔ اس کا رواں رواں اس کو کوس رہا تھا۔

"تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی۔" آنکھوں میں چنگاریاں بھرے وہ لاروش افغولان کو گھور رہا تھا۔ جیسے آنکھوں سے نکلتے شعلوں سے ہی بھسم کر ڈالے گا۔

"بہت غرور ہے نا تمہیں خود پر اپنی اس خوب صورتی اس گوری چمڑی پر، یاد رکھنا لاروش افغولان جس دن یہ فاصلے ختم ہوئے، جس دن تم میرے نکاح میں آئیں اس دن میں تمہیں تمہاری اوقات بتاؤں گا۔ تمہارے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دوں گا۔ تمہارے جسم پر اتنے زخم لگاؤں گا کہ مرہم بھی لگانا چاہو تو بھی تکلیف ہو گی وہ اذیت ناک زندگی دوں گا کہ خود سے پناہ مانگو گی۔ مس لاروش افغولان! تمہیں میری بے عزتی کی سزا اپنی زندگی دے کر چکانی ہو گی۔"

ببرک شاہ، لاروش افغولان کے ایک تھپڑ سے بپھرا ہوا شیر بن چکا تھا۔ اس کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی اور اسی وقت لاروش افغولان سے اپنے تھپڑ کا جواب لے لے اور لاروش افغولان وہ تو جیسے سناٹے میں ہی آ گئی تھی اندر ہی اندر سہم سی گئی تھی۔ ببرک شاہ کی ایسی باتوں سے اس کا رواں رواں کانپ اٹھا تھا وہ

سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ببرک شاہ بدلے کی آگ میں اس قدر جل رہا ہے اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ببرک شاہ اس سے اپنی بے عزتی اپنی تضحیک و تذلیل کا بدلہ ضرور لے گا۔ ببرک شاہ ایک بدقماش، ایک آوارہ بھنورا قسم کا انسان تھا جو کبھی کسی ایک شاخ پر بسیرا کرنا نہیں جانتے اسے لاروش افغولان جیسی دبو سکڑی سمٹی ڈرپوک لڑکیاں پسند نہیں تھیں مگر جانے کب اور کیسے اس پر نظر آ ٹھہری کہ اسے بھی وہ اپنی ہوس کا نشانہ بنا کر چھوڑ دیتا مگر جہاں آراء اس کے آگے مضبوط چٹان بن کر کھڑی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ابھی تک اپنے ناپاک اور غلیظ ارادوں میں ناکام ہی رہا تھا مگر اس کا حل اس نے نکال لیا تھا اپنی ماجان لالاگل کو بڑی مشکل سے منا لیا تھا کہ وہ لاروش افغولان سے نکاح کرے گا اور لالاگل کو بھی اپنے گھر کے لیے ایک مفت کی ملازمہ چاہیے تھی وہ بھلا اپنا کیسے نقصان کرتی اپنے مفاد کے لیے لاروش افغولان کو اپنی بہو تسلیم کر لیا تھا۔

"فکر مت کرو زیادہ دن نہیں ہیں تمہیں میرے بیڈ روم میں آنے میں۔" کاٹ دار لب و لہجے میں کہتے ہوئے وہ جیسے اس کی جان ہی تو نکال گیا تھا۔

"لاروش......" جہاں آراء نے پیچھے سے پکارا تھا۔

جہاں آراء کی آواز سن کر لاروش افغولان کی روح جیسے زندہ ہو گئی تھی۔ جہاں آراء آگے بڑھیں اور نہایت بری طرح سے ببرک شاہ کو گھورا تھا۔ جس کا ببرک شاہ پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"تم ابھی تک یہیں ہو چلو کھانا کھا لو۔" انہوں نے ببرک شاہ کو نظر انداز کیا اور لاروش افغولان کا ہاتھ پکڑ کے وہاں سے نکلی تھیں۔

"اس کی بکواس پر زیادہ دھیان مت دینا وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" جہاں آرا کو لاروش افغولان نے سہمی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا۔ اس کا مطلب وہ ببرک شاہ کی ساری گفتگو سن چکی تھیں۔ جہاں آراء نے لاروش افغولان کی سہمی ہوئی ہرنی آنکھوں میں بغور جھانکا۔ ببرک شاہ کی باتوں سے وہ کسی خوف زدہ چڑیا کی طرح ہو گئی تھی مگر جو وہ سوچ چکی تھیں جہاں پر اور جس جگہ پر وہ لاروش افغولان کو دیکھ رہی تھیں وہاں ببرک شاہ پر بھی نہیں مار سکتا تھا۔ وہ دونوں ڈائننگ ہال میں داخل ہوئی تھیں۔

"السلام علیکم!" نظریں جھکائے لاروش افغولان نے دھیمے سے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام!" حسین آفریدی نے بلوریں آنکھیں اوپر اٹھائیں مگر یہ نظر بہت جامد سی تھی بلکہ لاروش افغولان کو دیکھ کر اندر ایک عجیب سی گھٹن محسوس ہوئی تھی۔ اس قدر خود کو اتنی بڑی سی چادر میں ڈھانپا ہوا تھا سوائے چہرے کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"اس گھر میں بھی ایک سے ایک نمونہ ہے، ایک ہے تو جس کا سرے سے دوپٹہ ہی غائب تھا اور دوسری نے کپڑے کا پورا تھان خود پر لپیٹا ہوا تھا۔" حسین آفریدی صرف سوچ کر ہی رہ گیا تھا۔

"بیٹھو بیٹا! میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔" لالاگل نے لاروش افغولان کو نرم و ملائم نظروں سے دیکھا تھا اور اتنی شیریں انداز میں بات کی کہ کچھ پل کے لیے تو وہ حیران ہی رہ گئی مگر حسین آفریدی پر نظر اٹھی تو لالاگل کا جانثارانہ انداز سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

حسین آفریدی تو ویسے بھی کھانے کا بہت شوقین تھا۔ ہر ڈش بلا تردد اور بلا تکلف کے کھا رہا تھا۔ وہ کسی

کو زحمت دینے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا کہ ماہ رخ یا لالا گل کوئی ڈش خود سے اس کے آگے پیش کرتیں۔

"لگتا ہے حسین کو کھانا بہت پسند آیا ہے۔" فواد شاہ نے بزرگانہ شفقت سے پوچھا۔

"آف کورس کھانا واقعی بہت لذیذ اور مزیدار بنا ہے اور چونکہ میں مزیدار کھانا کھانے کا ہی شوقین ہوں۔ میری ماما کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے، اس لیے وہ بھی مجھے ایسے ہی بہت مزے مزے کے کھانے بنا کے کھلاتی ہیں۔" ماں کے ذکر پر حسین آفریدی کے چہرے پر نرم سا جذبہ تھا۔ لگتا تھا وہ اپنی ماں سے بہت پیار کرتا تھا اور پھر ماں تو ہوتی ہی ایسی چیز ہے مگر لاروش اغولان کے نصیب میں بھلا ماں کا پیار کہاں تھا۔

"تمہیں کھانا پسند آیا تو سمجھو لاروش کی محنت وصول ہوگئی۔" جہاں آراء نے سچ بتانا ضروری سمجھا تھا۔

جہاں آرا کی بات پر حسین آفریدی نے لاروش اغولان کا جھکا سر دیکھا جو شاید کسی گہری سوچوں میں غلطاں تھی۔

"کھانا انہوں نے بنایا ہے۔" حسین آفریدی کی آواز پر لاروش نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

"ہاں آج کی ساری ڈشز لاروش نے ہی بنائی ہیں۔" جہاں آراء نے فخریہ نظروں سے لاروش اغولان کو دیکھا تھا۔ اپنا یوں ڈسکس کیے جانا لاروش اغولان کو کنفیوز کر گیا تھا۔ اس نے خوف زدہ نظروں سے ڈرتے ڈرتے لالا گل کو دیکھا جو نہایت غصے اور کھا جانے والی نظروں سے جہاں آراء کو دیکھ رہی تھیں۔

"ویری گڈ! آپ تو واقعی تعریف کیے جانے کی مستحق ہیں۔" حسین آفریدی نے مسکراتے ہوئے لاروش اغولان کو دیکھا تھا۔ حسین آفریدی تو ویسے بھی دل میں کچھ نہیں رکھتا تھا جو دل میں ہوتا وہی زبان پر ہوتا مگر اس کی یہ بچی تعریف ماہ رخ کا دل ضرور جلا گئی تھی۔ لاروش اغولان کا تو وہ حال تھا کاٹو تو خون نہیں، وہ تو ویسے بھی ذرا سا کھانا پلیٹ میں نکال کے چکھ رہی تھی وہ بھی حسین آفریدی کی بات پر چھوڑ دیا تھا۔

"ارے بیٹا! آپ نے بالکل ٹھیک کہا ہے، لاروش واقعی میں بہت مزے دار کھانا بناتی ہے مگر میری ماہ رخ تو اس سے بھی زیادہ ذائقہ دار کھانے بناتی ہے۔" لالا گل کو لاروش اغولان کا یوں سراہے جانا سخت زہر لگ رہا تھا۔

"ویری نائس۔" حسین آفریدی نے ماہ رخ کی تیاری کو ہی دیکھا تھا پر سمجھ نہیں آیا کہ کچھ دیر پہلے کی ڈریسنگ اور اب کی ڈریسنگ کیا معنی رکھتی ہے۔

"اور نہیں تو کیا۔ اچھا ایک کام کرو ماہ رخ جاؤ اور حسین کے لیے اچھا سا قہوہ بنا کے لاؤ۔" لالا گل نے ماہ رخ کو حکم دیا تو ماہ رخ کا چہرہ دیکھنے لائق تھا اور یہ فق چہرہ حسین آفریدی کی نظروں سے چھپا نہیں رہ سکا تھا۔ وہ اتنے مزے دار کھانا کھانے کے بعد اپنے منہ کا ذائقہ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"نہیں نہیں پلیز آپ یہ زحمت مت کیجیے گا۔ کیوں کہ میں سبز قہوہ بالکل نہیں پیتا۔" حسین آفریدی نے سہولت سے انکار کر دیا تھا۔

"مگر بیٹا! ماہ رخ بہت مزے کا سبز قہوہ بناتی ہے۔ آپ پی کر دیکھو زندگی بھر ذائقہ منہ سے نہیں جائے گا۔"

"ہوسکتا ہے ایسا ہی ہو۔" اس نے بھرپور طنزیہ نظروں سے بنی سنوری ماہ رخ کو دیکھا تھا اور یہ طنزیہ نظریں جہاں آراء سے چھپی نہیں رہ سکی تھیں، وہ نیچے چہرہ کیے ہلکے سے مسکرا دیں۔

"مگر پلیز مائنڈ مت کیجیے میں واقعی یہ سبز قہوہ نہیں پی سکتا۔ اس وقت صرف تھوڑا آرام کروں گا پھر واپسی کے لیے بھی نکلنا ہے۔" حسین آفریدی کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ واقعی میں بہت تھکن محسوس کر رہا تھا۔ ایک تو لمبے سفر کی تھکن اوپر سے لالا گل اور ماہ رخ کی باتوں اور حرکتوں نے ذہنی طور پر بھی تھکا دیا تھا۔ اسے شدید طلب ہوئی تھی کہ کچھ نہیں تو ایک گھنٹہ آرام ہی کر لے۔

"ہاں حسین! تم مجھے واقعی اب بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو، چلو آؤ میرے بیڈ پر ہی کچھ دیر کے لیے آرام کر لو۔" جہاں آراء اس کو اپنے ساتھ اپنے بیڈ روم میں لے گئیں جب کہ پیچھے لالا گل اور ماہ رخ تو بس دیکھتے ہی رہ گئیں۔ اس دوران فواد شاہ بھی آرام کی غرض سے اپنے بیڈ روم میں چلے گئے تھے۔

"اب تم کیا منہ لے کر بیٹھی ہو، بس کرو بہت کھا لیا اٹھو اور ان سب برتنوں کو سمیٹو۔" جہاں آراء کا سارا غصہ فی الحال لالا گل نے لاروش اغولان پر ہی نکالا تھا۔ وہ تو ویسے بھی کھانا نہیں کھا رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ مزید بے عزتی ہوتی وہ فوراً سے پیشتر کھڑی ہو گئی تھی۔ اسی وقت ببرک شاہ بھی اپنے کمرے سے نکلا تھا۔

"اوکے ماجان! میں جا رہا ہوں ایک فرینڈ کا فون آیا ہے۔"

"تم ڈائننگ ٹیبل پر کیوں نہیں آئے کھانا بھی نہیں کھایا۔" لالا گل کا سارا غصہ ببرک شاہ کو دیکھتے ہی اڑن چھو ہو گیا تھا۔

"آج رات دوستوں کے ساتھ ڈنر پارٹی ہے۔ وہیں کھا لوں گا۔"

"ٹھیک ہے جاؤ۔" ببرک شاہ جان کر لاروش اغولان سے ٹکراتا ہوا آگے بڑھا تھا۔ لاروش اغولان کی جان سے جل کر ہی تو رہ گئی تھی۔ اس نے ہرنی آنکھوں میں غصہ لیے اسے دیکھا تو ببرک شاہ نہایت ہی بے ہودگی سے مسکراتا اور فلائنگ کس پھینکتا ایک آنکھ دباتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

"جنگلی، جاہل، وحشی۔" لاروش اغولان اندر ہی اندر اسے کوستی گالیاں دیتی برتنوں کا انبار سمیٹتی رہی۔

"ماجان! مجھے سخت بوریت ہو رہی ہے اور اس ڈریس میں تو ایسا لگ رہا ہے میرے جسم پر الرجی ہو گئی ہو میں جلد از جلد چینج کروں گی۔"

"نہیں جب تک حسین آفریدی گھر میں موجود ہے تم ڈریس چینج نہیں کرو گی۔"

"ماجان! آئی سوئیر میں اب زیادہ دیر اپنے جسم پر اس سوٹ کو مزید برداشت نہیں کر سکتی اور ویسے بھی دادو حسین آفریدی کو لے کر اپنے روم میں جا چکی ہیں تو میں بھی اپنے فرینڈ کے گھر جا رہی ہوں۔"

"ماہ رخ! میں تمہیں منع کر رہی ہوں، جب تک حسین آفریدی گھر میں موجود ہے نا تو تم یہ سوٹ اتارو گی اور نہ ہی گھر سے باہر جاؤ گی۔" لالا گل نے ہلکے سے ڈپٹا تھا۔

"ماجان!" وہ بری طرح زچ ہو گئی تھی۔

"میری جان! میری زندگی اس میں تمہارا اور ہم سب کا ہی فائدہ ہے۔ تم بھی کوشش کرنا کہ حسین آفریدی کو کچھ دن یہاں روک لیں اس کے آگے پیچھے پھر واپس کر اپنے حسن و ادا کا دیوانہ بناؤ کہ وہ تمہارا دامن چھوڑ کر بھاگ ہی نہ سکے کہیں۔" لالا گل نے پیار سے اس کے گال پچکارے تھے۔

"آل رائٹ، پھر میں اپنے بیڈ روم میں کوئی انگلش مووی ہی دیکھ لوں تاکہ کچھ بوریت تو دور ہو۔"

اس نے لالاگل کی بات مان لی تھی اور اپنے بیڈروم میں جانے کے لیے کھڑی ہو گئی تھی۔

"میری اچھی اور پیاری بیٹی۔" لالاگل نے کھڑے ہو کر اس کی پیشانی پر بوسا لیا تھا۔

"اب ایسا ہے لاروش تم یوں کرو اوپر میرے لیے ایک کپ گرم کافی لے آؤ۔" ماہ رخ نے ساتھ ہی برتن سمیٹتی لاروش اخولان کو حکم صادر کیا تھا۔

"لاروش! چھوڑو یہ سب اور جاؤ ماہ رخ کو جو کچھ چاہیے اسے دو بعد میں یہ سب آ کر سمیٹ لینا۔" لالاگل نے لاروش اخولان کو سختی سے حکم دیا تھا۔

"جی بہتر۔" لاروش اخولان برتن وہیں رکھتی کچن میں آ گئی تاکہ ماہ رخ کے لیے کافی بنا کے اوپر پہنچائے۔

☆......☆

رات کے تین بج رہے تھے۔ گھر کا ہر فرد گہری نیند میں خواب وخروش کے مزے لوٹ رہا تھا، سوائے دو لوگوں کے ایک جہاں آراء اور دوسری لاروش اخولان۔ حسین آفریدی کا سونے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، اس نے تو بس اتنا سوچا تھا کہ وہ ایک گھنٹہ لیٹے گا اور پھر جہاں آراء کو لے کر چلا جائے گا مگر اس کی تھکن چہرے سے ہوتی ہوئی آنکھوں پر آ ٹھہری تھی۔ جانے وہ اور کب تک سوتا جیسے اسے محسوس ہوا کہ دھیرے دھیرے کوئی پکار رہا ہے۔ وہ کوئی خواب سمجھ کر جھٹلا دیتا مگر اب کسی نے نرمی سے اس کا شانہ تھام کر پکارنا شروع کر دیا۔ کسی کی عاجزانہ پکار اور کسی کی دبی دبی سسکیاں، یہ کوئی خواب نہیں ہے شاید۔ حسین آفریدی نے ہولے سے آنکھیں کھولی تھیں۔ جہاں آراء اس کے چہرے پر جھکی اس کو نرمی سے پکار رہی تھیں۔ جہاں آراء کے اس طرح پکارنے پر ان بلوریں آنکھوں میں جتنی حیرت ہو کم تھی اور اوپر سے سائیڈ میں بڑی کالی چادر میں ڈھکی چھپی لاروش اخولان اس وقت یہاں کیا کر رہی تھی اور وہ اس طرح سسک کیوں رہی تھی۔ حسین آفریدی تیزی سے اٹھا تھا۔

"آنٹی! خیریت تو ہے نا سب کوئی مسئلہ ہو گیا ہے کیا؟" جہاں آراء کی بوڑھی آنکھوں میں تھما تھم حسین آفریدی کے سمجھ سے باہر تھا مگر ہاں ان کی آنکھوں میں ٹھہری نمی سے اس کا ماتھا ضرور ٹھنکا تھا۔

"بیٹا! میں تمہارے پاس بہت آس سے آئی ہوں، تم سے کچھ مانگنے آئی ہوں۔ تمہیں اپنے چاہنے والوں کا واسطہ ہے مجھے خالی ہاتھ مت لوٹانا۔" ان کے لب ولہجہ میں نہایت عاجزی تھی، التجا تھی کہ وہ بکی نیند سمیت لمحہ بھر کے لیے چکرا کے رہ گیا تھا۔

"نانو پلیز! ایسا مت کریں یہ غلط ہے زیادتی ہے ان کے ساتھ۔" لاروش اخولان جہاں آراء کا کمزور شانہ تھامے منت کر رہی تھی مگر جہاں آراء اس کی ایک بھی سننے کی روادار نہیں تھیں اور حسین آفریدی لاروش اخولان کو اس طرح روتے اور جہاں آراء سے یوں منت کرتے دیکھ کر مزید الجھن کا شکار ہو گیا تھا مگر فی الحال یہ الجھنے کا وقت نہیں تھا۔ رات کے اس پہر جہاں آراء جو اس کی دادو کی طرح تھیں یوں اس کی منت کیے جانا اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ اس لیے وہ بیڈ سے نیچے اترا اور ایک سرسری سی نظر کالی چادر میں چھپے چہرے پر ڈالی اور جہاں آراء کا بھیگا چہرہ دیکھا تھا۔ آنٹی! آپ پلیز مجھے بتایئے آخر کیا بات ہے۔ آپ اس طرح کیوں رو رہی ہیں۔ مجھے بہت پریشانی ہو رہی ہے۔"

"تم پہلے مجھ سے وعدہ کرو جو میں تم سے مانگوں گی مجھے دو گے۔" انہوں نے باقاعدہ آگے بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

"آل رائٹ مگر آپ بتائیں تو سہی۔"

"بیٹا! لاروش میری نواسی سے نکاح کر لو اسے اس جہنم سے آزاد کرا لو۔"

"واٹ؟" یہ شاک حسین آفریدی کے لیے بہت شدید تھا اور جھٹکا بھی اتنا زبردست تھا کہ ایسا لگا جیسے اس کی دماغ کی رگ پھٹ جائے گی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" اس نے اپنے دونوں ہاتھ جہاں آراء کے ہاتھوں سے نکال لیے تھے۔

"بیٹا! تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔" جہاں آراء کی بوڑھی آنکھوں میں اس قدر بے بسی تھی کہ وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"نانو پلیز! مجھے بے مائع مت کریں۔ میں جیسی بھی زندگی جی رہی ہوں اس میں خوش اور مطمئن ہوں۔" لاروش اخولان کو اپنا یوں بے مائع ہونا رلا رہا تھا۔

"حسین بیٹا! میری زندگی زیادہ دن کی نہیں رہی ہے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے مجھے برین ٹیومر ہے۔ وہ بھی آخری اسٹیج پر مگر شاید اب تک یہ چند سانسیں میرے رب نے اس لیے مجھے عطا کی ہیں کہ میں لاروش کو کسی مضبوط اور محفوظ ہاتھوں میں سونپ سکوں اور اللہ نے میری سن لی۔ تم میرے سامنے آئے تو مجھے لاروش کا مستقبل اس کی زندگی محفوظ لگی تھی۔ میں جانتی ہوں اگر لاروش کے نام کے ساتھ تمہارا تمہارے خاندان کا نام جڑ جائے گا تو اس پر معمولی سی بھی آنچ نہیں آئے گی لیکن اگر یہ یہاں رہے گی تو یہ سب گھر والے مل کر میری معصوم سی بچی کو زندہ ہی در گور کر دیں گے۔ قطرہ قطرہ کر کے مار دیں گے۔ میری معصوم بن ماں باپ کی بچی گھٹ گھٹ کے مر جائے گی، میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں تم لاروش کو اپنا نام دے دو، اس کے سر پر اپنے نام کی تحفظ کی ردا اوڑھا دو، لے جاؤ اسے اس جہنم سے نکال دو دور لے جاؤ ان سب کی نظروں سے بہت دور..." جہاں آراء نے حسین آفریدی کے آگے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

"پلیز آنٹی! مجھے شرمندہ مت کریں۔ اس طرح میرے آگے ہاتھ جوڑ کے آپ میری بڑی ہیں مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے۔" حسین آفریدی نے جہاں آراء کے دونوں جوڑے ہوئے ہاتھ تھام لیے تھے۔

"تو بیٹا! میری جھولی بھر دو۔"

"آنٹی! آپ جو کہہ رہی ہیں مجھے نہیں پتہ کیا درست ہے کیا غلط کیوں کہ کل آپ کی بہو نے آپ کی نواسی کو اپنی بہو اور اپنے بیٹے کی منگیتر کہہ کر مجھ سے متعارف کروایا تھا۔"

"بکواس کرتی ہے وہ، ببرک ایک عیاش اور اوباش قسم کا لڑکا ہے، وہ لاروش سے نکاح ضرور کرے گا مگر اسے ببرک کی جوتی کا بھی درجہ نہیں دے گا۔ لالاگل لاروش کو اس گھر کی نوکرانی بنا کے رکھنا چاہتی ہے۔ نوکری عمر کے لیے ورنہ کیا میں جانتی نہیں ہوں کہ وہ ببرک کی شادی اپنے خاندان میں ہی کرے گی۔ مجھے تم اس سارے مسئلے کا حل لگتے ہو۔ میں اپنی خالی جھولی تمہارے پاس لائی ہوں بیٹا! اس میں میری لاروش کی خوشحال زندگی کی بھیک ڈال دو۔" جہاں آراء نے اپنا سفید دوپٹہ اس کے آگے پھیلا دیا تھا۔ حسین

آفریدی صرف دیکھ کر ہی رہ گیا تھا۔ اس کی بلوری آنکھوں میں الجھن ہی الجھن تھی۔ اس کی ایک سوچ یہ بھی تھی کہ وہ پھنس نہ جائے۔

''آنٹی! مگر صبح سب کو سب کچھ پتہ بھی تو چل جائے گا تب کیا ہوگا؟''

''جب تک تم دونوں اس شہر کی حدود سے بہت دور نکل چکے ہوگے۔''

''کیا مطلب، میں سمجھا نہیں؟''

''ابھی تم دونوں کا نکاح ہو جائے گا اور ٹھیک پندرہ منٹ بعد تم دونوں یہاں سے نکل جاؤ گے، تمہاری گاڑی باہر ہی کھڑی ہے۔ یہاں سے تم دونوں کو باہر میں نکال دوں گی۔''

''آنٹی! ایک بار پھر سوچ لیں، آپ بہت مشکل میں آجائیں گی یہ سب کر کے۔'' جہاں آراء، لاروش اغولان کو بچانے کے لیے اپنی زندگی مشکل میں ڈال رہی تھیں اس کا بھی اسے احساس ہوا تھا۔

''بیٹا! مجھ بڑھیا کی زندگی اب بچی ہی کتنی ہے جو مشکل میں آئے گی ہاں لاروش کے اس جہنم سے آزاد ہونے کے بعد میں سکون سے مر ضرور سکوں گی۔''

''نانو!'' لاروش اغولان بلکتے ہوئے جہاں آراء سے لپٹ گئی تھی۔

حسین آفریدی نے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو اب بغور دیکھا تھا مگر اسے دیکھ کر سوائے کوفت کے علاوہ کچھ نہیں ہوا تھا اور اس نے ایک سرد سانس بھرتے ہوئے اس کی جانب سے رخ ہی پھیر لیا تھا۔

کوئی دس منٹ میں ان دونوں کا نکاح بھی ہو گیا تھا۔ لاروش اغولان سے لاروش حسین کا سفر اس نے چند لمحوں میں طے کیا تھا۔ تقدیر کے بھی عجیب نرالے کھیل ہیں۔ جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا وہ ہو چکا تھا اس کے ساتھ۔ لاروش اغولان، جہاں آراء سے لپٹ کے بے تحاشا رو دی تھی۔ حسین آفریدی اس کے رونے سے مزید کوفت کا شکار ہو گیا تھا مگر اس کی کوفت پر سمعیہ زیدی حاوی ہو گئی تھی اور جب سمعیہ زیدی کا تصور ذہن میں آیا تو پتہ چلا کہ اس نے بنا سوچے سمجھے کتنا بڑا قدم اٹھا لیا ہے۔

''اب جتنی جلدی ہو سکے تم لوگ یہاں سے نکلو اور حسین یہ لو اس نکاح نامے کی کاپی۔'' جہاں آراء نے نکاح نامہ اس کی طرف بڑھایا جو اس نے تھام لیا تھا۔ جہاں آراء کو اپنی کزن اپنی جان عزیز سہیلی کے پوتے پر بے انتہا پیار آیا تھا۔ بہت نیک سعادت مند اور فرمانبردار بچہ تھا۔ یقیناً ان کا فیصلہ غلط نہیں تھا۔ وہ جوان کی جان لاروش اغولان کے لیے مسیحا بن کے آیا تھا، انہوں نے بے ساختہ ہی آگے بڑھ کر اس کا چہرہ تھام کر اس کی روشن پیشانی پر پیار بھرا بوسہ لیا تھا۔ حسین آفریدی ان کے یوں پیار کرنے پر ہولے سے جھینپ کے رہ گیا تھا۔

''نانو! مجھے خود سے دور مت کریں۔'' وہ ایک بار پھر ان سے لگی رونے لگی تھی۔

''بچوں جیسی باتیں مت کرو اب تمہارا سب کچھ حسین ہی ہے۔ بیٹھو جلدی سے گاڑی میں کوئی بچا ہوا آ گیا تو بہت بڑی قیامت آ جائے گی۔'' جہاں آراء نے اسے زبردستی خود سے الگ کر کے فرنٹ سیٹ پر بٹھایا۔ ڈرائیونگ سیٹ تو حسین آفریدی سنبھال چکا تھا۔

(جاری ہے)

قمروش شہک

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 15

"اب اجازت دیجیے۔" حسین آفریدی نے جھک کر جہاں آراء کو دیکھا تھا۔
"ہاں بیٹا! خیر سے جاؤ مگر تم سے ایک ریکوسٹ اور بھی کرنی تھی۔"

"جی کہیے۔"
"میری لاروش سے اگر نادانستگی میں کوئی غلطی ہو جائے تو نادانی سمجھ کے معاف کر دینا، اس نے بیس سال تکلیفوں میں گزارے ہیں۔ دنیا کی سمجھ نہیں ہے صرف گھر کی چار دیواری میں اس نے اپنی زندگی گزاری ہے تم بہت خیال رکھنا میری لاروش کا۔"
"جی بہتر۔ اللہ حافظ۔"

حسین آفریدی نے گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے آگے بڑھالی تھی لاروش نے پیچھے مڑ کے دیکھا تھا جہاں آراء مولوی صاحب کو پیسے دے کر چوکیدار کے ساتھ رخصت کر رہی تھیں اور اب ان کی جاتی ہوئی گاڑی کو دیکھنے لگی تھیں۔ وہ لاروش اغولان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھیں۔ لاروش اغولان نے چادر منہ پر رکھے بنا آواز کے ایک بار پھر سسک سسک کر رونا شروع کر دیا تھا۔

☆......☆

''آسیہ بھابھی!'' نجمہ نے ہولے سے پکارا تھا۔

''نجمہ!'' آسیہ بلکتی نجمہ کے گلے سے لگی تھیں۔

''نجمہ! میرا بچہ میرا زرمیل اندر آئی سی یو میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا ہے۔ سارے ڈاکٹرز ناامید ہو چکے ہیں۔ نجمہ اگر زرمیل کو کچھ ہو گیا تو میں بھی مر جاؤں گی زندہ نہیں رہوں گی۔'' ان کا پورا وجود ہچکیوں کی زد میں تھا۔ ان کا رواں رواں تڑپ رہا تھا۔ بلک رہا تھا۔

''اللہ نہ کرے آسیہ بھابی!'' نجمہ بھی تڑپ کے رہ گئی تھیں۔

''انشاء اللہ ہمارے زرمیل کو کچھ نہیں ہوگا۔ بہت سارے ہاتھ اللہ کی بارگاہ میں زرمیل کی زندگی مانگنے کے لیے اٹھے ہیں۔'' نجمہ تو خود بے اختیار رو رہی تھیں کہ ٹھیک سے تسلی بھی نہیں دی جا رہی تھی۔

اور زرمیل کو اس حال پر پہنچانے والا ارشد دیوار سے ٹیک لگائے سر کو شرمندگی سے جھکائے زمین میں ہی گڑا جا رہا تھا۔ زرمیل کی اس حالت کا ذمہ دار وہی تو تھا مگر اب تک کسی نے بھی اسے قصوروار نہیں ٹھہرایا تھا۔ ہجوم کے کٹہرے میں نہیں کھڑا کیا تھا جو اس کے لیے مزید شرمندگی کا باعث تھا۔ اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ وہ نظریں اٹھا کے اس تڑپتی بلکتی روتی فریاد کرتی ماں کو دیکھ لیتا۔ ان سے اپنے کیے کی معافی ہی مانگ لیتا۔

''بس کریں آسیہ بھابھی ورنہ آپ کی اپنی طبیعت خراب ہو جائے گی۔''

رابعہ تو خود بے بسی کے مارے رو دی تھیں مگر آسیہ کی حالت خود ان سے بھی نہیں دیکھی جا رہی تھی تو انہوں نے آسیہ کو خود سے لگا لیا تھا۔

''نہیں رابعہ مجھ سے صبر نہیں ہو رہا میرا بچہ اندر تکلیف میں ہے۔ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔'' ان کا رونا بند ہی نہیں ہو رہا تھا۔ کسی پل سکون نہیں آ رہا تھا۔ دل عجیب وسوسوں کا شکار تھا۔ ڈر و خوف اندر کنڈلی مار رہے تھے کچھ انہونی نہ ہو جائے زرمیل کو کچھ ہو نہ جائے۔

''ممی پلیز! سنبھالیں خود کو، زرمیل بھائی کو کچھ نہیں ہوگا وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔'' حرا نے ڈری ڈری تسلی دی تھی۔ ورنہ اندر سے وہ بھی تو بہت خوفزدہ تھی۔ دل رو رہا تھا۔ اپنے بھائی کی زندگی کی دعا مانگ رہا تھا۔

بارہ گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد آپریشن تھیٹر سے ڈاکٹرز نکلے تھے۔ سلیم احمر، فہیم احمر اور عارفین تیزی سے آگے بڑھے تھے۔

''کیسی طبیعت ہے ڈاکٹر زرمیل کی۔'' کس قدر بے صبری تھی ان کے لب و لہجے میں۔

''شکر ہے اس رب العزت کا جس نے آپ کے بیٹے کو نئی زندگی دی ہے۔'' ڈاکٹرز اپنے کامیاب آپریشن سے بہت خوش تھے۔

''شکر ہے پروردگار کا۔'' تینوں نے اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ادا کیا تھا۔ سلیم احمر اور فہیم احمر تو فوراً ہی مسجد چلے آئے تھے۔ نفل شکرانے کی نماز ادا کرنے صدقات و خیرات ادا کرنے، وہ اپنے رب کا جتنا شکر ادا کرتے کم تھا۔ غریبوں و مسکینوں کو خیرات تقسیم کی تھی۔ ایدھی میں کتنی ہی دیگیں پہنچائی تھیں گو کہ اپنی تجوریوں کے دل کھول کر منہ کھول دیے تھے۔

سب نے اپنے اپنے طریقے سے اللہ کے حضور شکرانہ ادا کیا تھا۔ آسیہ تو سجدے میں گر کے ہچکیوں

سے رو دی تھیں۔ ان کا بیٹا زندگی کی جنگ جیت چکا تھا۔ رابعہ اور نجمہ نے بھی جائے نماز بچھائے شکرانے کے نفل ادا کیے تھے۔

اس سب کے دوران کسی کو بھی ژالے کا کوئی خیال نہیں آیا تھا۔ جب معاملہ کچھ بہتر ہوا تو حرا نے غور کیا ژالے یہاں موجود کیوں نہیں ہے۔ اس کا تو اس وقت یہاں موجود ہونا ضروری تھا۔ حرا چونکہ کالج گئی تھی اس لیے گھر میں ارشد اور زرمیل کے درمیان ہونے والی تکرار سے بے خبر تھی۔

''ممی! ژالے کہاں ہے وہ اسپتال آئی نہیں ہے کیا؟'' حرا کو ژالے کی غیر موجودگی پر بہت افسوس ہوا تھا۔ دکھ تو ثمرن پر بھی ہوا تھا۔ کیوں کہ زرمیل ثمرن کو بہت چاہتا تھا۔ حرا اور ثمرن میں کوئی فرق نہیں رکھتا تھا پھر ان دونوں کی غیر موجودگی......!

اس کے دماغ میں کسی گڑبڑ کے ہونے کی گھنٹیاں سی بجنے لگی تھیں۔

''ہاں نجمہ بھابھی! ژالے کو کیوں لے کر نہیں آئیں۔ حالات چاہے جو بھی رہے ہوں زرمیل ژالے کا شوہر ہے۔ اس حقیقت کو ہم نہیں جھٹلا سکتے۔ ژالے کا یہاں ہونا بہت ضروری ہے۔'' رابعہ کو بھی ژالے کی کمی شدت سے محسوس ہوئی تھی۔

نجمہ نے شرمندگی سے آسیہ کو دیکھا تھا پھر رابعہ کو۔

''ژالے کو جب زرمیل کے بارے میں پتہ چلا تو وہ اسی وقت بے ہوش ہو گئی تھی۔ ارشد نے فوراً ڈاکٹر سعدیہ کو بلوایا تو ژالے کو شاک کی کیفیت میں بتایا اس کے دل و دماغ کو زبردست دھچکا لگا ہے اور دوسری بات کہ......'' وہ خاموش ہو گئی تھی۔

''دوسری بات کیا نجمہ بھابھی؟'' رابعہ نے بغور ان کا چہرہ دیکھا تھا۔

''دوسری بات یہ کہ ژالے پھر سے امید سے ہے۔''

''کیا......! مگر نجمہ......!'' آسیہ اور رابعہ پر تو جیسے حیرانگی کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ وہ ٹھیک سے سمجھ نہیں پا رہی تھیں کہ یہ سب کیسے ہوا اور ان کی سوچ کو نجمہ نے پڑھ بھی لیا تھا۔

''اسلام آباد میں ژالے اور زرمیل ایک ساتھ ایک ہوٹل اور ایک ہی کمرے میں دو دن ساتھ رہے تھے۔'' پھر نجمہ سے آگے کچھ نہیں کہا گیا تھا۔ آسیہ نے نجمہ کو دیکھا ضرور تھا مگر سوچوں کے تانے بانے صرف اور صرف ایک ہی نقطے سے الجھے ہوئے تھے کہ اگر ایسی بات تھی کہ بات یہاں تک پہنچی تو پھر ژالے نے زرمیل کو چھوڑ کے ارشد کا ساتھ کیوں دیا؟

''پھر تو نجمہ بھابھی آپ اس وقت گھر جائیں ژالے کے پاس یہاں میں ہوں آسیہ بھابھی ہیں اور پھر اللہ کا بہت بہت کرم ہے کہ زرمیل بھی خطرے سے باہر ہیں۔'' رابعہ نے سنجیدگی سے نجمہ کو دیکھا تھا۔

''ہاں ژالے کے پاس معصوم ہے وہ خیال رکھے گی اب فجر کی اذان بھی ہونے والی ہے میں فجر کی نماز ادا کر کے پھر زرمیل کو دیکھ کر چلی جاؤں گی۔''

''چلیں ٹھیک ہے۔'' رابعہ اور نجمہ دونوں ایک ساتھ وضو کرنے اندر بڑھیں۔

☆......☆

وہ صبح فجر کی نماز کے بعد کراچی کی حدود میں داخل ہو گئے تھے۔ اس وقت حسنین آفریدی کی اتنی بری

حالت تھی کہ اسے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی اس حال سے بھی گزرا ہوگا وہ۔

ایک تو نیند اوپر سے شدید بھوک نے اسے بالکل جیسے توڑ کے رکھ دیا تھا۔ وہ تو ویسے بھی بھوک کا بہت کچا تھا اور جو مزید وہ کوفت اور بے زاری کا شکار تھا اس کی سب سے بڑی وجہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی بڑی سی چادر میں لپٹی یہ لڑکی جسے وہ اب تک صرف روتے ہوئے ہی دیکھ اور سن رہا تھا، جسے چپ کرانے کی اس نے زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی۔

''پلیز خدا کے لیے آپ خاموش ہوں گی۔'' آخر کار وہ لاروش اغولان کے رونے سے بری طرح تھک چکا تھا۔ بیزار ہو چکا تھا۔ مگر لاروش اغولان نے تو جیسے نہ چپ ہونے کی قسم کھائی ہوئی تھی۔ حنین آفریدی کی بھی برداشت اب ختم ہوگئی تھی اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

''فار گاڈ سک! چپ ہو جائیے ورنہ یقین جانیے میں آپ کو ابھی اور اسی وقت اس گاڑی سے نیچے اتار دوں گا۔'' بے حسی اور سختی کی ساری حدیں توڑ دیں تھیں اس وقت حنین آفریدی نے، لاروش اغولان اس کے یوں دھاڑنے پر بری طرح سہم کر اس کی بلوریں آنکھوں میں تکنے لگی جہاں زمانے بھر کی بے زاری تھی۔

''آئی سویئر اگر اب آپ کی مجھے اتنی سی بھی آواز آئی تو میں کوئی لحاظ نہ کروں گا اور نہ ہی کوئی رعایت۔'' حنین آفریدی نے غصے سے کہتے ہوئے لاروش اغولان کی سہمی سہمی خوف زدہ ہرنی آنکھوں میں بغور دیکھا تھا اور پھر نگاہوں کا رخ پھیر کر نظریں ونڈ اسکرین پر جما دی تھیں۔

اس کا ذہن بری طرح تھک چکا تھا بلکہ اس کا ایک ایک اعضاء دکھ رہا تھا اور پیٹ میں الگ بھوک سے آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ اس سے اتنی بڑی غلطی ہوگئی تھی کہ اپنے کھانے پینے سے بھرا بیگ گھر ہی بھول گیا تھا۔ جو اتنی جلد بازی کے نکاح کے چکر میں جہاں آراء کے بیڈ روم سے اٹھانا ہی بھول گیا تھا۔ وہ سوچ بھی رہا تھا کہ کسی ہوٹل میں رک کے اچھا سا حلوہ پوری کا ناشتہ کرلے مگر دل شدت سے یہی چاہ رہا تھا کہ جلدی سے گھر آ جائے اور وہ اپنے آرام دہ بڑے سے روم میں سکون سے بھرپور نیند کے مزے لے۔

لاروش اغولان، حنین آفریدی کے سختی سے ڈانٹنے پر چپ تو ہوگئی تھی مگر دل اندر سے پھر بھی خون کے آنسو رو رہا تھا۔ دل و دماغ صرف وہیں جہاں آراء کی طرف اٹکا ہوا تھا۔ گھر میں سب کو جب پتہ چلے گا وہ جانے ماموں ممانی کا برتاؤ کیسا ہوگا لالا گل تو ان کو چھوڑے گی نہیں۔'' انہی دردناک سوچوں میں گھری رہی تھی وہ کہ پتہ بھی نہیں چلا گھر بھی آ گیا تھا۔ حنین آفریدی کی گاڑی گھر کے دروازے پر آ رکی تھی۔ آٹو میٹک دروازہ کھلا تھا۔ گاڑی اندر داخل ہوگئی تھی۔

لاروش اغولان نے نظر اٹھا کے دیکھا تھا۔ اس کی تو آنکھیں کھلی کی کھلی ہی رہ گئی تھیں وہ گھر نہیں کوئی شاندار سا محل تھا۔ اتنا بڑا ہرا بھرا سا لان جہاں ہر قسم کے پھولوں کے چھوٹے بڑے گملے قرینے سے رکھے گئے تھے۔ پتہ نہیں کتنے قسم کے تو درخت بھی کھڑے تھے جس میں بہت سے قسم کے پھل بھی لگے ہوئے تھے۔ صبح صادق کے وقت کا یہ ہرا بھرا سا منظر آنکھوں کو تراوٹ بخش رہا تھا۔ ایک سکون سا اندر تک اتر رہا تھا۔ رنگ برنگے ہر قسم کے پھولوں اور پھلوں کا یہ بڑا سا باغ اس قدر حسین اور دلکش لگ رہا تھا کہ وہ اس سرسبز و ہریالی میں کھوسی گئی تھی اور اس قدر بڑے سے سرسبز لان کے بیچ وہ کانچ، اینٹوں اور ماربل سے

بنا حسین ترین عالی شان محل اس سرسبز و شاداب ہریالی کی شان اس کی قدر بڑھا رہا تھا۔ اس محل کا پورچ ہی اتنا بڑا تھا کہ ہر ماڈل کی گاڑیاں وہاں لائن سے کھڑی تھیں۔ جہاں آراء نے بتایا تھا کہ یہ لوگ جدی پشتی رئیس ہیں۔ یوں سمجھو دولت شہرت عزت یہ لوگ اوپر سے ہی لکھوا کے لائے ہیں مگر اتنے امیر ہوں گے وہ تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ خود اس کو اپنی ذات برابر میں بیٹھے حنین آفریدی کے سامنے بہت چھوٹی لگ رہی تھی۔ کوئی دو منٹ تو لگے ہی ہوں گے انہیں مین گیٹ سے پورچ تک آنے میں۔

''یہ سب بعد میں تسلی اور سکون سے دیکھ لیجیے گا۔ کیوں کہ آپ کو اب یہیں زندگی بھر رہنا ہے۔ یہ سب آپ کا بھی ہے مگر فی الحال پلیز ابھی اندر چلیں کیوں کہ میرا اسٹیمنا بالکل ختم ہو گیا ہے۔'' حنین آفریدی کی آواز پر اور اس کے لفظوں پر وہ جی بھر کے شرمندہ ہوئی تھی اور خود اپنے آپ کو ہی دل ہی دل میں برا بھلا بولنے لگی تھی۔

حنین آفریدی گاڑی سے نیچے اترا تو لاروش اغولان بھی اپنی بڑی سی چادر سنبھالتی نیچے اتری تھی۔ کاریڈور پار کرتے ہوئے وہ اس محل میں داخل ہوئے تھے۔ حنین آفریدی نے تو ایک سکون سے بھرا سانس لیا تھا کہ جانے کتنی کٹھن سے بھری مسافت طے کرکے آیا ہو۔ کچھ یاد آنے پر اس نے ایک نظر پلٹ کر اپنے سے کچھ فاصلے پر کھڑی کالی چادر میں لپٹے وجود پر ڈالی تھی۔

''ایک بات اور کہنی ہے ہمارا نکاح ہوا ہے فی الحال اس کا ذکر کسی سے بھی نہیں کریں گی آپ جب وقت آئے گا تو میں خود بات کرلوں گا۔''

اور پھر وہ رکا نہیں تھا۔ تیزی سے چلتا ہوا اوپر کی سمت بڑھا تھا۔ لاروش اغولان تو صرف دیکھتی کی دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔ اتنے بڑے سے خوب صورت ترین لاؤنج کے سینٹر میں وہ اسے اکیلا چھوڑ کے اوپر جانے کون سے کمرے میں غائب ہو گیا تھا۔ حنین آفریدی کی اس قدر بے حسی و بے مروتی پر اس کا دل بری طرح پھوٹ پھوٹ کے رونے کو کر رہا تھا۔ اب وہ کہاں جائے یہاں اس گھر میں کون اس کو پہچانے گا اور نہ ہی تو وہ کسی کو جانتی تھی۔ عجیب شش و پنج کا شکار وہ بے وقوفوں کی طرح ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ وہ تو یہاں اندر آنے والا راستہ بھی نہیں جانتی تھی۔ جب کھڑے کھڑے پیر شل ہوگئے جسم کا ہر عضو تو پہلے ہی دکھ رہا تھا جب برداشت سے باہر ہو گیا تو وہ وہیں ایک صوفے پر ٹک گئی تھی۔

''نانو! آپ نے مجھے کس امتحان میں ڈال دیا ہے۔ کہیں میری زندگی میں ایک نئی آزمائش تو نہیں آ رہی ہے۔ اف میرے خدا میں کیا کروں تو ہی میری مدد فرما۔ مجھے یہاں لانے والا میری زندگی کا ساتھی شریک حیات میرا مجازی خدا تو بے خبر اپنی نیند کے مزے لوٹ رہا ہوگا۔ جسے یہ بھی احساس نہیں کہ میں یہاں نہ کسی کو جانتی ہوں نہ پہچانتی ہوں نہ ہی کوئی مجھے جانتا پہچانتا ہے۔ اگر مجھے کسی نے اس گھر سے نکال دیا تو؟'' اس سے آگے کی سوچ ہی نہایت تکلیف وہ اذیت ناک تھی۔ وہ تو بس اب رونے ہی والی تھی کہ کسی کی آہٹ پر اس نے سر اٹھا کے دیکھا تھا۔

آنے والی خاتون اس کی نانو کی عمر کی ہی خاتون تھیں۔ جو دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے نزدیک آ ٹھہری تھیں۔ لاروش اغولان ان کو دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی تھی۔ اس کی دونوں ٹانگیں کپکپانے لگی تھیں اب وہ اس سے سخت لہجے میں پوچھیں گی۔

''کون ہو تم، یہاں کیا کر رہی ہو کس کی اجازت سے اندر آئیں۔ نکل جاؤ یہاں سے۔'' بہت سے ایسے سوالات اس کے دل و دماغ میں گردش کر رہے تھے۔

''کون ہو بیٹی تم؟'' اس قدر نرم و ملائم لب و لہجہ اتنا شیریں انداز کہ اسے اپنی فضول سوچوں پر شرمندگی سی محسوس ہوئی تھی۔

''جج...... جی......'' زبان لڑکھڑا کے رہ گئی تھی۔

بی جان کی زیرک نگاہوں سے اس کی گھبراہٹ چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ اس کی غیر ہوتی حالت سے لگا جیسے وہ ابھی یہیں بے ہوش ہو جائے گی۔ بی جان ہولے سے مسکرا دیں۔

''ایسا کرو پہلے آرام سے سکون سے بیٹھ جاؤ۔ شاباش۔'' بی جان صوفے پر بیٹھی تھیں تو لاروش اغولان بھی واپس اپنی جگہ پر ٹک گئی تھی نگاہیں بدستور جھکی ہوئی ہی تھیں۔

''اب یہ بتاؤ کون ہو تم اور کیا نام ہے تمہارا؟''

''لاروش...... لاروش اغولان۔'' لاروش اغولان نے ہچکچاتے ہوئے بی جان کو دیکھا تھا۔

''لاروش اغولان......؟'' بی جان نے اس کا نام دہرایا تھا اور پھر بغور اس کا خوف زدہ چہرہ اس کی ڈری ڈری ہرنی آنکھیں دیکھیں۔

''تم جہاں آراء کی نواسی ہو؟'' بی جان فوراً ہی پہچان گئی تھیں۔

''جی۔'' لاروش اغولان نے دھیرے سے گردن اثبات میں ہلا دی تھی۔

''جہاں آراء کیسی ہے وہ نہیں آئی تمہارے ساتھ اور تم یہاں کیسے آئی ہو؟'' ایک ساتھ اتنے سارے سوالات وہ تو صحیح معنوں میں گھبرا کے رہ گئی تھی۔

''جی وہ......'' لاروش اغولان کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آیا کہ آیا حنین آفریدی کا نام لینا بھی چاہیے یا نہیں مگر اس کی یہ مشکل بھی بی جان نے آسان کر دی تھی۔

''حنین آفریدی تمہیں یہاں لایا ہے؟''

''جی۔'' اس نے اس طرح کہا جیسے اپنے کسی گناہ کا اعتراف کر رہی ہو۔

''اور جہاں آراء وہ تم لوگوں کے ساتھ نہیں آئی؟''

''جی نہیں۔''

''کیوں جہاں آراء کیوں نہیں آئی؟ اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' بی جان کے لہجے میں واضح فکرمندی محسوس کی جا سکتی تھی۔

''نہیں نانو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' ان کے ذکر پر لاروش اغولان کی ہرنی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے تھے۔

''پریشان مت ہو، اللہ بہتر کرے گا۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں اس سے فون پر بات کر لوں گی۔ تم بہت لمبے سفر سے آئی ہو۔ کچھ دیر آرام کر لو پھر مل کر ناشتہ کریں گے اور یہ کہ اب سے تم اسے ہی اپنا گھر سمجھنا۔ بہت آرام اور سکون سے رہنا تمہیں یہاں نہ تو کوئی تکلیف ہو گی اور نہ ہی تمہیں یہاں کوئی پریشان کرنے والا ہے۔ جہاں آراء تمہارے لیے بہت پریشان تھی فکرمند تھی اندر ہی اندر گھلتی رہتی تھی۔ میں ابھی

اسے فون کر کے کہہ دیتی ہوں کہ اب اسے تمہاری فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب سے تم میری ذمہ داری ہو تمہیں یہاں سب کچھ ملے گا۔ پیار، مان، محبت، چاہت، عزت سب کچھ اور تم بھی خود کو اکیلا اور تنہا مت سمجھنا جیسے جہاں آراء ہے ویسے ہی تمہارے لیے میں ہوں اب سے تم مجھے بی جان ہی پکارنا۔'' انہوں نے لاروش اغولان کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا تھا۔ لاروش اغولان کا دل بھر آیا تھا اس کے دل کو جیسے سکون سا ملا تھا۔ جیسے تپتی کڑکتی ہوئی دھوپ سے وہ ٹھنڈی میٹھی چھاؤں میں آ بیٹھی ہو۔ ہرنی آنکھیں اس جاں نثار ہوتی محبت پر بھرنے لگی تھیں۔ تو بی جان نے اس کو بڑھ کر خود سے لگا لیا تھا۔

''بس اب رونا مت۔ اب تمہارے رونے کے دن ختم ہو گئے ہیں۔ آج سے میں تمہاری ان پیاری پیاری سی آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں، ہمیشہ خوشی دیکھوں ہنستا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھوں ٹھیک ہے؟'' لاروش اغولان نے ہولے سے سر ہلا دیا تھا۔ بی جان نے اس کی چمکتی پیشانی پر بوسہ لیا تھا اور اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' وہ اسے ایک کمرے میں لے گئیں۔ جو بہت بڑا کشادہ اور خوبصورت تھا۔

''اب سے یہ کمرا تمہارا ہے تم یہاں سکون سے رہنا۔ کسی بھی شے کی ضرورت ہو بلا جھجک کہہ دینا۔ بالکل بھی نہ شرمانا نہ ہی گھبرانا۔''

''جی بی جان!''

''اب تم کچھ دیر سو جاؤ آرام کرو۔ باتیں پھر کریں گے۔ ابھی تم زوباریہ سے ملو گی تو اور خوش ہو جاؤ گی۔ اب جاؤ آرام کرو میں جب تک ناشتہ بنواتی ہوں پھر سب مل کر کریں گے۔'' انہوں نے ایک بار پھر بزرگانہ شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور چلی گئیں۔

جانے کتنا وقت گزر گیا تھا اسے نیند کی پرسکون وادی میں کھوئے ہوئے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے ملکی ریشم جیسے نرم و ملائم بالوں میں کوئی دھیرے دھیرے انگلیاں پھیر رہا ہے اور ہولے ہولے سے شیریں آواز میں اسے پکار رہا ہے۔

''لاروش...... جان اٹھ جاؤ دیکھو دوپہر کے دو بج گئے ہیں اٹھو شاباش، کچھ کھا لو۔ بھوک لگی ہو گی تمہیں لاروش بیٹا۔''

ممتا سے بھری پرنور آواز میں جیسے وہ کھوسی گئی تھی۔ اس نے کبھی اپنی سگی ماں کو دیکھا تو نہیں تھا مگر ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ جنت میں ہے اور اس کی ماں بالکل اس کے قریب بیٹھی اسے پیار سے سہلا رہی ہے۔ اسے پکار رہی ہے وہی خوشبو وہی سکون وہی راحت جو کبھی دنیا میں اسے میسر نہیں تھی۔ وہ اس پل خود کو بہت پرسکون محفوظ سمجھ رہی تھی۔ زمانے کی تکلیفوں، اذیتوں سے آزاد سمجھ رہی تھی اس کے ہونٹوں پر اطمینان بھری خوشنما سی مسکراہٹ تھی اگر یہ خواب ہے تو یہ خواب کبھی نہ ٹوٹے وہ تمام عمر اس خوشبو بھرے حصار میں رہنا چاہتی تھی۔ اس ایک لمحے نے اس کے سارے دکھوں، ساری تکلیفوں کا مداوا کر دیا تھا۔ اس کی روح پر جسم پر لگے زخموں سے رستے لہو کو بھلا دیا تھا۔ زوباریہ آہستگی سے مسکرا دیں وہ سمجھ گئی تھیں ممتا سے محروم یہ پیاری سی معصوم بھولی بھالی لڑکی خوابوں و خیالوں کی وادیوں میں اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ کے ٹہل رہی ہے۔ خوش ہو رہی ہے وہ چاہتی نہیں تھیں کہ لاروش اغولان کا خواب توڑیں مگر وہ صبح سات

بجے سے بھوکی پیاسی سو رہی تھی۔ انہیں لاروش اغولان کی بھوک کی بھی فکر لاحق تھی۔ انہیں بے ساختہ اس کی معصومیت پر پیار آیا تھا۔

زوباریہ جھکیں اور دھیرے سے اس کی روشن پیشانی پر پیار بھرا شفقت سے بھرا بوسہ لیا تھا۔ ان کے پیار بھرے لمس پر لاروش اغولان کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس کی نیند ٹوٹی تھی۔ اس کا خواب ٹوٹا تھا خود پر جھکے اس چہرے سے وہ خوف زدہ ہو گئی تھی اور ایک جھٹکے سے اٹھ کے بیٹھی تھی۔ ان ہرنی آنکھوں میں خوف و ہراس واضح طور پر زوباریہ دیکھ رہی تھیں۔ ابھی بھی لاروش اغولان کا ہاتھ زوباریہ کے ہاتھوں میں دبا ہوا تھا۔ لاروش اغولان نے اپنا ہاتھ ان ہاتھوں میں مقید دیکھا تو ہرنی آنکھوں کا خوف مزید دوچند بڑھا تھا۔

''ڈرو نہیں بیٹا!'' زوباریہ نے نرم مسکراہٹ سے اس کو دیکھا تھا۔

''ا...... آ...... آپ...... کون؟'' لاروش اغولان کی گھبراہٹ کسی طور بھی کم نہیں ہو رہی تھی۔

''میں حنین کی ماما ہوں اور اب سے تم بھی مجھے نا صرف اپنی ماما سمجھ سکتی ہو بلکہ کہہ بھی سکتی ہو۔ میرے صرف دو ہی بیٹے ہیں ایک پیاری سی چاند سی بیٹی کی کمی تھی وہ تم نے آ کر پوری کر دی ہے میرے رب نے میرے آنگن میں بھی چاندنی بکھیر دی ہے۔'' زوباریہ نے اس کے پھولے پھولے سرخ و سفید گالوں پر ہاتھ پھیرا تھا۔ لاروش اغولان ان کو ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔

''کچھ بولو گی نہیں، کیا میں بہت بری ہوں؟'' زوباریہ نے اس کی ہرنی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

''نن...... نہیں...... تو۔'' وہ زوباریہ کے اس قدر پیار پر شرمندگی سے سر جھکا گئی تھی۔ زوباریہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

''بی جان کہہ رہی تھیں کہ تم بہت معصوم سی بھولی بھالی ہو مگر میں کہتی ہوں تم بہت زیادہ پیاری اور خوب صورت ہو۔'' لاروش اغولان اپنی اس تعریف پر بری طرح جھینپ کر رہ گئی تھی۔ زوباریہ دھیرے سے مسکرا دیں۔

''اچھا یہ بتاؤ تمہیں بھوک نہیں لگ رہی ہے؟''

''جی۔'' اس نے حیران ہو کر زوباریہ کو دیکھا تھا۔

''جانتی ہو کیا ٹائم ہو رہا ہے، دوپہر کے ڈھائی بج رہے ہیں۔''

''ڈھائی بج گئے۔ میں اتنی دیر تک سوتی رہی۔'' وہ شرمندگی سے آہستہ آواز میں خود سے بولی تھی مگر اس کی آہستہ آواز زوباریہ نے سن لی تھی۔

''تم بہت عرصے بعد شاید سکون کی گہری نیند سوئی ہو۔ میں کوئی تین بار تمہیں دیکھنے آ چکی ہوں مگر تم اتنی بے خبر اور پرسکون میٹھی نیند سو رہی تھیں کہ دل ہی نہیں چاہا تمہیں اٹھا دوں۔ مگر مجھے تمہاری بھوک کی بھی فکر ہو رہی تھی۔ اس لیے تمہیں اٹھا دیا بی جان کو بھی تمہاری بہت فکر ہو رہی ہے۔'' زوباریہ نے نرمی سے دیکھتے ہوئے اس کے رخسار پر ہاتھ رکھا تھا۔

انہوں نے تو پیار و چاہت سے جیسے اس کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ ماں تو اس نے کبھی دیکھی نہیں تھی مگر شاید اگر آج اس کی اپنی سگی ماں زندہ ہوتی تو یقیناً وہ بھی ایسے ہی اس کی فکر کر رہی ہوتی۔

''کیا سوچنے لگی ہو بیٹی؟''

''جی......!'' وہ چونک کر زوباریہ کو دیکھنے لگی تھی۔

''چلو خیر سب باتوں کو چھوڑو ہم باتیں بعد میں ڈھیر ساری کریں گے۔ پہلے تم اٹھو جلدی سے فریش ہو جاؤ۔ پھر مل کر ایک ساتھ کھانا کھاتے ہیں ابھی تک میں نے بھی کھانا نہیں کھایا ہے۔ کیوں کہ آج کا دوپہر کا کھانا میں اپنی پیاری سی بیٹی کے ساتھ کھاؤں گی۔'' لاروش اغولان کو مزید شرمندگیوں نے اپنے حصار میں لے لیا کہ وہ اس کی وجہ سے بھوکی بیٹھی ہیں۔

''اٹھو شاباش!'' زوباریہ نے لاروش اغولان کا ہاتھ پکڑ کے بیڈ سے نیچے اتارا تھا۔ لاروش اغولان آدھے گھنٹے بعد زوباریہ کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی تھی۔ ٹیبل پر تین چار ڈشز رکھی ہوئی تھیں۔ بریانی، شامی کباب، سالن میں اچار گوشت اور حلیم بھی تھا۔ میٹھے میں کھیر اور سویاں تھیں۔ اس کے علاوہ ہاٹ پاٹ میں تندور کی اور گھر کی بنی روٹیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ اب پتا نہیں یہ اس کے لیے اتنا اہتمام تھا یا روز کا معمول تھا۔

''چلو بیٹا! لاروش بسم اللہ کرو۔'' لاروش اغولان تو جیسے شرم و جھجک سے زمین میں ہی گڑی جا رہی تھی۔ وہ تو پہلے بھی اتنی کھانے کی شوقین نہیں تھی مگر زوباریہ کی زیرک نگاہوں نے اس کی شرم و حیا پڑھ لی تھی اس لیے انہوں نے خود اس کی پلیٹ میں مٹن بریانی اور کباب رکھ دیا تھا۔

''آنٹی! یہ بہت زیادہ ہے۔'' زوباریہ نے تقریباً اس کی پلیٹ بریانی سے بھر ہی دی تھی۔

''پہلی بات تو یہ کہ تم مجھے آنٹی نہیں کہو گی اور دوسرا کہ تم صبح کی بھوکی ہو اور میں جانتی ہوں تم شرما رہی ہو۔ اس لیے تم یوں سمجھ لو آج سے کہ بیٹی اپنی ماں کے پاس آ گئی ہے اور اس کے ساتھ کھانا کھا رہی ہے۔ اس لیے ہر شرم و حیا ایک طرف رکھو اور بلا جھجک کھانا پیٹ بھر کے کھاؤ۔'' زوباریہ کی اتنی محبت بھری ممتا پر وہ جیسے نہال ہو گئی ہو اس کا دل بھر آیا تھا۔ ہرنی آنکھوں میں نمی سی آ ٹھہری تھی جس میں سے چند موتی ٹوٹ کر رخسار پر بکھرتے چلے گئے تھے۔

''بری بات ہے روتے نہیں ہیں۔ کسی بھی ماں کو اپنی بیٹی کی آنکھوں میں آنسو اچھے نہیں لگتے ہیں۔'' زوباریہ نے اس کے آنسو صاف کیے تو لاروش اغولان کا دل بھر آیا بے ساختہ ہی اس نے زوباریہ کا ہاتھ تھام لیا اور عقیدت سے ہونٹوں سے چوم لیا تھا۔

''میں اتنی محبت کے قابل نہیں ہوں۔''

''یہ تو تم میرے دل سے پوچھو کہ تم کس قابل ہو اور تمہاری میرے دل میں کتنی قدر ہے۔ میں تو اپنے رب کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے کہ بیٹی کے لیے ترسی ہوئی ماں کو ایک پلی پلائی بیٹی مل گئی ہے۔'' زوباریہ نے اس کا مان بڑھا دیا تھا۔ ممتا کے پیار کی خوشبو کو ترسی لاروش اغولان کو ایک ماں اس کی ممتا بھری خوشبو مل گئی تھی۔

''اب شاباش رونا بند کرو۔ یوں رو کر تم میرا بہت دل دکھا رہی ہو۔''

''سوری۔'' لاروش اغولان روتے روتے مسکرا دی تھی۔

زوباریہ نے اسے ٹیبل پر رکھی ہر ڈش کھلائی تھی۔ لاروش اغولان نے اب تک کی اپنی زندگی میں یوں پہلی بار کھل کر بلا خوف بلا جھجک پیٹ بھر کے کھانا کھایا ہوگا۔ ورنہ وہاں ممانی تو اس کے سر پر کسی تلوار

کی طرح لٹکی رہتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ نانو اور ممانی کی کبھی بھی نہیں بنی تھی اور جیت ہمیشہ نانو کی ہی ہوتی تھی۔ مگر ممانی کے عتاب کا نشانہ لاروش اغولان ہی بنتی تھی۔ اتنا کچھ نانو سے سننے کے بعد بھی وہ لاروش اغولان کو ستانے سے باز نہیں آتی تھی۔ وہ ظلم ڈھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں گنواتی تھیں اور لاروش اغولان وہ بے چاری تو بس ان کی کڑوی کسیلی باتیں خاموشی سے ہی سنتی تھی۔ ان کی زہریلی نگاہیں حتیٰ کہ کبھی کبھی کی ان کی مار بھی برداشت کرتی تھی۔ مگر نانو تو کبھی کچھ نہیں بتاتی تھی کہ لڑائی جھگڑا مزید بڑھے گا۔ اس لیے چپ چاپ رات کو جہاں آراء کے برابر میں آکر لیٹ جاتی تھی۔ مگر جہاں آراء بھی ایک جہاندیدہ زیرک نظریں رکھنے والی خاتون تھیں۔ فوراً پہچان جاتی تھیں۔

لاروش اغولان کو یہاں آئے تین دن ہو گئے تھے اور تین دن میں جتنی محبت اسے زوباریہ اور بی جان سے ملی تھی اس کا اس نے تصور بھی نہیں تھا مگر ہاں اسے یہاں لانے والا حنین آفریدی جس کی شکل بھی اس نے ابھی تک نہیں دیکھی تھی اور ان کے مابین جو رشتہ زبردستی مجبوری کے تحت جوڑا گیا تھا وہ رشتہ بھی شاید حنین آفریدی بھول چکا تھا۔ اس لیے بی جان یا زوباریہ نے اب تک اس سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں پوچھا تھا۔ وہ انہی سب سوچوں میں گھری صوفے پر اکیلی بیٹھی تھی۔ سامنے فل سائز کا ٹی وی ضرور چل رہا تھا مگر اس کی نگاہیں اسکرین پر نہیں تھیں۔ اس کے دھیان کے سارے الجھے دھاگے حنین آفریدی میں ہی الجھے ہوئے تھے جانے آگے کا مقدر اس کا کیسا تھا کیا نصیب میں لکھا تھا اس کی اس مجبوری کے رشتے کی زندگی کتنی تھی۔

''ماں...... ماما...... مما...... موم......'' ایسے بہت سے ناموں سے پکارتا ہوا حنین آفریدی اوپر ریلنگ سے پھسلتا ہوا نیچے آرہا تھا۔ آواز اتنی اونچی اور بلند تھی کہ خود لاروش اغولان بھی اپنی سوچوں کو سوچتی بری طرح چونکی تھی اور اس سمت دیکھنے لگی۔

''ہنی۔'' پیچھے سے زوباریہ نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''یہ کیا حرکت ہے ہنی! اگر کہیں چوٹ لگ جائے پر بچپنا بالکل نہیں جائے گا تمہارا۔'' حنین آفریدی کی زوردار پکار سے ہی زوباریہ کچن سے باہر نکل کر آئی تھیں۔

''موم! مائی سویٹ اینڈ کیوٹ بے بی آپ کا بیٹا بہت اسٹرونگ اور ڈھیٹ ہے۔'' وہ فوراً ہی مسکراتا ہوا زوباریہ کے گلے کا ہار بنا تھا۔ ایسا ہی تھا وہ سب سے یونہی اپنے لاڈ اٹھواتا تھا۔

''فضول کی باتیں بنوالو تم سے صرف۔'' انہوں نے حنین آفریدی کو خود سے الگ کیا تھا۔

''یہ بتاؤ کیوں اتنی زور زور سے چیخ رہے تھے؟''

''پہلے آپ یہ بتایئے میرے روم میں کب آئی تھیں؟''

''میرا خیال ہے تین دن پہلے، کیوں؟''

''جبھی یہ حال ہے میرے روم کا۔'' زوباریہ اس کا اشارہ اچھی طرح سے سمجھ گئی تھیں۔

''اس گھر میں اتنے ملازم رکھے ہیں مگر کسی کو زحمت نہیں کہ میرے روم کی صفائی ستھرائی کر دے خوب سر پر چڑھایا ہوا ہے آپ نے ان لوگوں کو۔'' حنین آفریدی باقاعدہ ناراض ہو رہا تھا۔

''ملازموں کو چھوڑو سب سے زیادہ تو میں نے تمہیں سر پر چڑھایا ہوا ہے۔ تمہارے کمرے کی صفائی

کرنے کی ہمت نہ تو مجھ میں ہے اور نہ ہی گھر کے ملازموں میں بقول ان کے جتنی محنت اور جتنا ٹائم وہ اس گھر کی صفائی ستھرائی میں لگا دیتے ہیں اس سے زیادہ ڈبل وقت حنین صاحب کے کمرے کی صفائی میں لگتا ہے اب میں اتنی ظالم اور بے رحم نہیں ہوں کہ ان بے چاروں کو جان کر ستاؤں۔ اس لیے میں نے خود ہی ان لوگوں کو منع کر دیا ہے کہ آج سے وہ صرف یہاں کی صفائی ستھرائی کریں گے کوئی بھی حنین کے کمرے میں نہیں جائے گا۔''

''موم! از ناٹ فیئر۔''

''نو مائی سویٹ چائلڈ اٹ از فیئر۔ اب سزا یہ ہے تمہاری کہ خود ہی اپنا پھیلا بکھرا کمرہ سمیٹو اسے صاف کرو۔ جب خود کرو گے صفائی تو پتا چلے گا کہ کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔'' زوباریہ نے پچکارتے ہوئے اس کے سجے سنورے بال بگاڑ دیے تھے۔

''موم!'' وہ زچ ہوتے ہوئے چیخا تھا۔

اور یونہی اس کی نظر سامنے اٹھی تھی۔ جہاں لاروش اغولان بیٹھی انہی دونوں کی گفتگو سن رہی تھی اور دیکھ رہی تھی۔

حنین آفریدی نے چند لمحے بغور اسے دیکھا تھا اور پھر جیسے جھونکے سے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا تھا۔

''آل رائٹ موم! آپ نے تو مجھے ہری جھنڈی دکھا دی مگر میں بھی بہت چالاک ہوں۔'' اس نے زوباریہ کے گال پر انگلی بجائی تھی۔

''کیا مطلب؟'' زوباریہ نے ناسمجھی کی کیفیت میں حنین آفریدی کو تکا تھا جو ایک سرد سانس کھینچتا ہوا چلتا ہوا لاروش اغولان سے چند قدم کے فاصلے پر آٹھہرا تھا۔ لاروش اغولان جو حنین آفریدی کو بغور تک رہی تھی، بری طرح جھینپ کے رہ گئی اور اپنی ہرنی آنکھیں نیچے ماربل کے بنے فرش پر ٹکا دیں۔

''موم! ہمارے گھر میں چونکہ ملازموں کی کمی تو نہیں ہے۔ اس لیے یقیناً لاروش گھر کا کوئی کام نہیں کرتی ہو گی اور نہ ہی آپ اس سے کوئی کام کرواتی ہوں گی۔'' حنین آفریدی پرسوچ انداز میں اس کی جھکی نگاہوں کو تکنے لگا تھا۔

''بالکل درست کہا تم نے اور میں لاروش سے اس گھر کا کوئی کام کراؤں گی بھی نہیں۔'' زوباریہ، حنین آفریدی کی سوچ پڑھ چکی تھیں وہ تیزی سے چلتی ہوئی ان دونوں کے پاس آکر رکی تھیں۔

''تو ٹھیک ہے آج سے لاروش ہی میرے بیڈروم کی ساری صفائی کرے گی۔'' بلا جھجک بنا شرم کے حنین آفریدی نے اس سے پوچھا نہیں تھا بلکہ اپنا حق سمجھ کر حکم صادر کیا تھا۔

''نہیں ہنی! یہ بہت غلط بات ہے لاروش اس گھر کا کوئی کام نہیں کرے گی۔ لاروش میری بیٹی ہے اور میں اپنی بیٹی سے کوئی کام نہیں کرواؤں گی۔'' زوباریہ نے سختی سے حنین آفریدی کو کہا تھا۔

''اور جو تمہارے کمرے کی حالت ہوتی ہے اس سے تو مجھے وحشت ہوتی ہے۔ لاروش ٹھہری دھان پان کی چھوٹی سی ننھی جان تمہارے کمرے کی صفائی کروا کے مجھے اپنی بیٹی کو بیمار نہیں کرنا ہے۔'' زوباریہ کو حنین آفریدی کی بات بالکل پسند نہیں آئی تھی۔ وہ بھرپور اس وقت لاروش اغولان کی ہی وکالت کر رہی تھیں۔

''موم! آپ کی یہ چھوٹی سی ننھی سی جان نے وہاں کوئٹہ میں اپنے بہت بڑے گھر کو خوب اچھی طرح چمکایا ہوا تھا۔ وہ بھی کچن سمیت مگر یہاں لاروش صرف میرے کمرے کی صفائی کرلے گی آج سے یہ اس کی ذمہ داری ہے۔''

''نہیں ہنی! میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ ٹھیک ہے میں ایک ملازمہ صرف تمہارے کمرے کے لیے رکھوا دوں گی۔''

''تو موم! میں کسی پر بھی بھروسہ نہیں کروں گا۔ میرے کمرے کی صفائی اگر کرے گی تو صرف اور صرف لاروش ہی کرے گی۔ بس! اب یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ اگر مسئلہ لاروش کی سیلری کا ہی ہے تو میں اسے اپنی پاکٹ منی سے دوں گا۔''

'ہنی۔'' زوباریہ کو حنین آفریدی کا یوں کہنا سخت ناگوار گزرا تھا۔

اور یہاں لاروش اغولان جو حنین آفریدی کے یہاں آنے پر اس سے بات کرنے پر خوش فہمیوں کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔ آسمانوں پر اڑنے لگی تھی کہ حنین آفریدی نے اسے یاد رکھا ہوا ہے اس کا نام یاد ہے مگر حنین آفریدی کی آخری بات نے اسے عرش سے فرش پر لا پٹخا تھا اس کے منہ پر زوردار طمانچہ مارا ہو۔

''آپ مجھے سیلری مت دیجیے گا۔ میں آپ کے کمرے کی صفائی کر دیا کروں گی۔'' لاروش اغولان نے نہایت افسردگی سے کہا تھا۔ زوباریہ نے لاروش اغولان کی افسردگی کو گہرائی سے نوٹ کیا تھا۔

''بس ڈن تو پھر ابھی جایئے اور میرے کمرے کی صفائی کر دیں جو بہت زیادہ پھیلا اور بکھرا ہوا ہے۔''

''حنین......!'' زوباریہ نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

''موم پلیز! لاروش کو کوئی اعتراض نہیں ہے آپ بھی کچھ نہیں کہیں گی اور اب مجھے دیر ہو رہی ہے سمیعہ زیدی میرا ویٹ کر رہی ہوگی۔ ہم آج ساتھ لنچ کرنے والے ہیں۔''

اس کا کام ہوگیا تھا اب اس کا یہاں ٹھہرنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ اس لیے یہ جا وہ جا مگر پیچھے سے زوباریہ آوازہی دیتی رہ گئی تھیں۔

''موم! بعد میں بات کریں گے۔'' حنین آفریدی تیزی سے باہر نکلا تھا۔

''لاروش! حنین نے جو کچھ کہا ہے اس کی ایک نہیں سننا اور نہ ماننا تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے حنین کے کمرے کی صفائی کرنے کی۔'' زوباریہ نے لاروش اغولان کو تنبیہہ کی تھی۔

''ماما! کوئی بات نہیں اور پھر میں سارا وقت فارغ ہی تو بیٹھی رہتی ہوں۔ اچھا ہے کچھ ٹائم ہی کٹ جائے گا۔'' لاروش اغولان نے نرمی سے زوباریہ کے ہاتھ تھامے تھے۔

''میری جان! اگر تم اس کا کمرہ دیکھو گی تو پریشان ہو جاؤ گی۔ حنین بہت پھیلاتا ہے اپنا کمرہ۔ وحشت ہوتی ہے دیکھنے سے ہی۔'' زوباریہ ہر طرح سے اسے منع کرنا چاہ رہی تھیں۔

''ماما! مجھے عادت ہے کام کرنے کی میں کرلوں گی آپ فکر مت کریں۔'' زبردستی کی مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجائی تھی ورنہ دل تو حنین آفریدی کی باتوں پر بہت دکھا تھا۔

''زوباریہ......!'' اسی اثناء میں وہاں اپنے کمرے سے بی جان نکل کر آئی تھیں۔

''جی بی جان! کہیے۔'' زوباریہ نے پلٹ کر دیکھا بی جان وہیں آرہی تھیں۔

''بیٹا! وہ بچہ ہے نا کیا نام ہے اس کا۔ جس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے جو اسپتال میں ایڈمٹ ہے۔''

''بی جان! میرا خیال ہے آپ زرمیل کی بات کر رہی ہیں۔''

''ہاں وہی بچہ صمد بتا رہے تھے اس بچے کو بہت چوٹیں آئی ہیں۔ میں سوچ رہی تھی تم اسپتال چلی جاؤ ابھی ڈرائیور کے ساتھ۔ پھر جب وہ گھر آجائے گا تو میں گھر چلی جاؤں گی اس بچے کو دیکھنے۔''

''جی بہتر بی جان جیسے آپ کا حکم۔''

''ہاں بیٹا! ہمارے نبی کا فرمان ہے کہ مریض کی عیادت کرنے ضرور جانا چاہیے۔''

''جی درست کہا آپ نے بی جان! میں یوں کرتی ہوں ابھی کچھ ہی دیر میں نکلتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے مگر ساتھ فروٹس اور جوس وغیرہ ضرور لیتی جانا۔ یوں خالی ہاتھ جانا کچھ مناسب نہیں لگے گا۔''

''بی جان! آپ نہ بھی کہتیں تو میں یہ سب لازی لے کر جاتی۔''

''مجھے تم پر یقین ہے زوباریہ۔'' بی جان ہولے سے مسکرادیں۔

''اچھا ایک ضروری کام اور بھی کرتی جانا راستے میں ایدھی پڑتا ہے۔ وہاں دینے کے لیے میں نے کچھ کپڑے وغیرہ نکالے ہیں اور ایک دس ہزار کا چیک بھی ہے۔ یہ سب وہاں دیتی ہوئی چلی جانا یہ ہمارا فرض ہے اللہ رب العزت نے ہمیں اتنا نوازا ہے تو ہمیں غریبوں، بے سہارا، یتیموں کا خیال رکھنا چاہیے اللہ بھی خوش اس کا نبی بھی خوش۔''

''ٹھیک ہے بی جان! آپ دے دیجیے میں یہ کام کرتی ہوئی چلی جاؤں گی۔'' زوباریہ نے عقیدت سے بی جان کو دیکھا تھا۔

جب سے وہ شادی ہو کر آئی تھیں انہیں نہیں یاد پڑتا تھا کہ بی جان ہر ماہ ایک خطیر رقم اور بہت سے کپڑے وغیرہ دینا بھولی ہوں گی۔ وہ ہر ضرورت مند کی مدد کیا کرتی تھیں۔ ان سے جو ہوسکتا وہ کرتی تھیں۔ کسی غریب یتیم لڑکی کی شادی کا سن لیتی تھیں تو پوری شادی کا انتظام یہاں تک کہ اس کا جہیز بھی خود ہی دیا کرتی تھیں اور یہی عادت خود زوباریہ نے بھی اپنائی تھی۔ وہ بھی چپکے سے ایسے بہت سے نیک کام کرتی رہتی تھیں۔ جس سے انہیں خوشی ملتی۔ راحت وسکون ملتا تھا اور یہی نہیں اللہ رب العزت نے ان پر ان کے گھر پر ان کی اولاد پر بھی بہت کرم کیا تھا۔ بہت کچھ نوازا تھا انہیں اللہ نے جس کا وہ جتنا شکر ادا کرتیں کم تھا۔

زوباریہ بی جان کے کہنے پر ڈرائیور کے ہمراہ زرمیل کو دیکھنے اسپتال کے لیے نکل گئی تھیں۔

ادھر لاروش اغولان اٹھی تھی۔ حنین آفریدی کے حکم پر آج سے اس کے بیڈروم کی صفائی ستھرائی اس کی ذمہ داری تھی۔ جیسے وہ باخوشی قبول کر چکی تھی۔ لاروش اغولان، حنین آفریدی کے کمرے میں داخل ہوئی وہاں کے منظر نے ایک لمحے کے لیے اسے چکرا کے رکھ دیا تھا۔

اف میرے خدا اس قدر گندا کمرہ اس کا، اس قدر پھیلے ہوئے کمرے میں یقیناً اس کا دم گھٹتا ہوگا جب ہی تو اس نے جلدی سے لاروش اغولان کو اپنے کمرے کی صفائی کا حکم دیا اور یہ جا وہ جا۔

(جاری ہے)

قمروش شہک

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 16

تیرے پیار کی خوشبو

لاروش اغولان نے اس کے بیڈ روم میں قدم رکھا اور پورا کمرہ بغور دیکھنے لگی تھی۔
"یا اللہ! صفائی کی شروعات کہاں سے کروں' اتنا پھیلا ہوا ہو رہا ہے یہ کمرہ تو۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی

پھر نظر تھری ڈور الماری کی سمت جا ٹھہری تھی' جس کے تینوں دروازے کھلے ہوئے تھے اور کوئی ایسا سوٹ نہیں تھا جو اس کے اندر طریقے سے رکھا ہوا ہو۔ الماری سے سارے ہینگر نیچے کارپٹ پر بے دردی سے پڑے ہوئے تھے اور اس کی بے شمار ٹی شرٹ بھی اپنی بے دردی پر ماتم کدہ تھیں۔ یہی حال حسنین آفریدی کی جینز کا تھا ساری کی ساری الماری سے باہر کچھ صوفے پر لٹکی پڑی تھیں اور کچھ کانچ کی ٹیبل پر' گو کہ کمرہ بہت بڑا اور کشادہ تھا مگر کوئی بھی شے اپنی جگہ پر نہیں تھی اور سب سے بڑھ کر پورے کمرے میں کلون اور پرفیوم کی ملی جلی مہک نے اس کے دماغ پر اثر کیا تھا' یہ خوشبو نتھنوں سے گزرتی اس کے دماغ پر لگ رہی تھی' جس سے اس کے سر میں ہلکا ہلکا سا درد بھی اٹھنا شروع ہو گیا تھا' اس لئے اس نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ باہر کی جانب کھلتی گلاس ڈور کو کھولا تاکہ یہ خوشبو ہوا کے ذریعے باہر جائے اس کے علاوہ پنکھے کی اسپیڈ بھی تیز کر دی تھی۔ کمرے کی حالت تو یہی بتا رہی تھی کہ سالوں سے صفائی ستھرائی نہیں ہوئی ہے۔

اب صفائی کی ذمہ داری تو اس کے سر ہو ہی گئی تھی' اس لیے اس نے کمر کس لی' سب سے پہلے اپنا بڑا سا دوپٹہ اتار کے ایک سائیڈ پر رکھا اور الماری کی سمت بڑھی تھی' جو کپڑے تہہ کرنے والے تھے وہ سب تہہ کر کے طریقے اور سلیقے سے الماری میں رکھتی چلی گئی اور جو استری کرنے کے لئے تھے وہ سب آئرن اسٹینڈ پر رکھے تھے۔

کوئی دو گھنٹے میں الماری کے کپڑوں کی سیٹنگ تو ہو گئی تھی' اب باری تھی کمرے کی صفائی کی۔

''لگتا ہے کھانے پینے کا حد درجہ شوقین ہے۔''

لاروش اخولان نے ڈھیر سارے چپس' چاکلیٹ کے ریپرز اٹھا کے ایک بڑی سی شاپر میں ڈالے پھر جو بے ترتیب حالت ہو رہی تھی' چیزوں کی وہ صحیح کرنے لگی۔

''جانے یہ کمرے کو استعمال کرتا ہے یا کمرے کی ان چیزوں سے فائٹنگ کرتا ہے۔''

کتنے ہی گھنٹوں کے بعد کمرے کی اچھی خاصی شکل نکل آئی تھی' اس نے ایک شکرانے کا سانس بھرا اور منہ ہاتھ دھونے کے لیے واش روم کی سمت بڑھی تھی' اس نے دروازہ کھولا اور اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

''اوہ نو......''

خوبصورت سا ٹائل اور ماربل سے مزین واش روم تک پھیلا کے رکھا ہوا تھا۔

☆......☆

زوباریہ ایدھی سینٹر سے ہوتی ہوئی اسپتال آئی تھیں' زرمیل کی عیادت کو ان کا ڈرائیور ہاتھ میں بے شمار الگ الگ قسم کے فروٹس اور مختلف قسم کے جوس کے فلیور کا شاپر لئے ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

ریسپشن سے پتہ کرتی وہ وہاں اسپیشل روم میں پہنچی تھیں' دروازے کو ناک کیا تو حرا نے ہی دروازہ کھولا تھا۔

''السلام علیکم!'' حرا نے سلام کیا تھا مگر وہ انہیں پہچانی نہیں تھی۔

''وعلیکم السلام!'' زوباریہ نے نرمی سے جواب دیا تھا۔

وہ اندر آ گئی تھیں سامنے ہی چیئر پر آسیہ بیٹھی تھیں' وہ زوباریہ کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام' کیسی ہیں آپ؟''

''میں اپنے اکلوتے بیٹے کو ایسی حالت میں دیکھ دیکھ کے جی رہی ہوں۔''

وہ ممتا سے چور آنکھیں ابھی تک خشک نہیں ہوئی تھیں' سب کے اتنا سمجھانے پر دل پر سل تو رکھ لی تھی' مگر وہ ایک ماں تھیں جس کا اکلوتا لخت جگر زخموں سے چور پلاسٹر پٹیوں میں جکڑا بے سود پلنگ پر لیٹا تھا۔

''صبر کیجئے انشاء اللہ' اللہ بہتر کرے گا' بہت جلد زرمیل پھر سے اپنے پیروں پر کھڑے ہوں گے بالکل صحت وتندرست ہو کر اٹھیں گے۔''

زوباریہ نے آسیہ کو خود سے لگا لیا تھا اور زوباریہ کا سہارا پا کر آسیہ پھر سے بکھر گئی تھیں' بلک بلک کر رونے لگی تھیں۔ آسیہ کی بکھرتی حالت دیکھ کر حرا قریب آ گئی تھی۔

''ممی پلیز! مت روئیے ورنہ پھر سے آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔''

حرا نے آسیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا اور بڑی مضبوطی سے خود کو سنبھالا ہوا تھا' ورنہ اپنے چہیتے بھائی

زرمیل کو اس حالت میں دیکھ کر تو دل اس کا بھی خون خون ہوتا تھا' بہت دل کرتا کہ پھوٹ پھوٹ کے روئے مگر آسیہ کے خیال سے خود پر پتھر باندھ لیتی تھی۔

''آسیہ بری بات اس طرح نہیں روتے آپ تو بہت بہادر اور ہمت والی ہیں۔ اگر آپ ہی ہمت ہار دیں گی تو زرمیل کو کیسے سنبھالیں گی۔'' زوباریہ نے ہولے ہولے سے ان کی پشت کو سہلایا تھا جو سنبھل ہی نہیں رہی تھیں۔

''اچھا ادھر دیکھیے میری طرف۔'' زوباریہ نے آسیہ کو دونوں شانوں سے تھام کر آہستگی سے خود سے الگ کر کے اپنے مقابل کیا تھا۔ آسیہ نے روتی ہوئی آنکھوں سے ان کو دیکھا تھا۔

''آپ کمزور تو نہیں ہیں نا' میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اکلوتا لخت جگر' نور نظر جوان جہان بیٹا جب اسپتال کے بیڈ پر پٹیوں میں جکڑا پڑا ہو تو ماں کے دل پر کیا گزرتی ہے' اس کا دل کیسے ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے' آنکھیں خون کے آنسو روتی ہیں' مگر آسیہ اس وقت آپ کو خود کو بہادر اور مضبوط ہونا ہوگا۔ اپنے بیٹے کے لیے دعا کریں کہ وہ جلد از جلد صحت یاب ہو کر گھر جائیں' اس طرح رونے سے تو نہ صرف آپ کی اپنی طبیعت خراب ہو گی بلکہ آپ کے اپنے اردگرد آپ کو چاہنے والے بھی پریشان ہو جائیں گے۔'' بڑی نرم وملائم لب ولہجے میں وہ آسیہ کو سمجھا رہی تھیں کہ سامنے کھڑی حرا ان کو دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی تھی۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔'' انہوں نے آسیہ کے مرجھائے چہرے کو دیکھا تھا۔

''ہوں!'' آسیہ صرف سر ہی ہلا کر رہ گئی تھیں۔

''چلیں شاباش۔ اب رونا بالکل بھی نہیں ہے۔'' زوباریہ نے اپنے رومال سے آسیہ کی بھیگی آنکھیں اور بھیگا چہرہ خشک کیا تھا۔

''آپ پلیز بیٹھیے نا۔'' آسیہ کو جب احساس ہوا کہ وہ اب تک کھڑی ہیں اور ان کی وجہ سے پریشان بھی ہیں' تو شرمندگی چہرے سے جھلکنے لگی تھی۔

''بیٹھ جاؤں گی اور آپ بھی بیٹھیے۔'' زوباریہ نے آسیہ کے چہرے کی شرمندگی بھانپ لی تھی' مگر وہ انہیں شرمندہ نہیں دیکھنا چاہتی تھیں' اس لیے انہیں لئے وہیں چیئرز پر براجمان ہو گئی تھیں دونوں۔

''ارے.....'' زوباریہ کی نظر سائیڈ میں کھڑے فروٹس اور جوس کے شاپر ہاتھ میں لئے اپنے ڈرائیور پر پڑی تھی۔

''حرا بیٹا ان سے یہ سارے فروٹس اور جوس کے شاپرز لے لیں۔''

حرا جو ابھی تک ان کے لب ولہجے کے سحر میں کھوئی ہوئی تھی یکدم سے چونک کر ان کو دیکھنے لگی تھی۔

''جی!'' حرا نے ڈرائیور سے وہ سارے شاپرز لئے اور بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیے تھے۔

''ان سب کی کیا ضرورت تھی زوباریہ؟'' آسیہ ویسے ہی شرمندگی کا شکار تھیں مزید اتنے فروٹس اور جوس کے شاپرز دیکھ کر بولنے لگی تھیں۔

''ہمارے بیٹے زرمیل کو ضرورت ہے۔'' زوباریہ ہولے سے مسکرا کے بیڈ پر بے خبر سوتے زرمیل کو دیکھنے لگی تھیں اور اس کی سلامتی اور صحت یابی کی دل سے دعا گو تھیں۔

☆......☆

زرمیل اسپتال سے گھر آ چکا تھا۔ ژالے نے اوپر ریلنگ کے پیچھے سے اس طرح جھانک کے دیکھا کہ

وہ کسی کو نظر ہی نہ آ سکے۔ زرمیل کی حالت دیکھ کر اس نے اپنا دل تھام لیا تھا' سبز آنکھیں سمندر سے بھرنے لگی تھیں' ایسا تو اس نے کبھی نہیں چاہا تھا یا سوچا تھا کہ وہ زرمیل کو کبھی ایسی حالت میں بھی دیکھے گی۔

زرمیل وہیل چیئر پر بیٹھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں پیروں میں پلاسٹر چڑھا ہوا تھا' سر پر سفید پٹی بندھی ہوئی تھی حرا نے بتایا تھا کہ زرمیل کے سینے پر کانچ کے باریک باریک ٹکڑے گھسنے کی وجہ سے وہاں کافی زخم آئے ہیں یہاں تک کہ اتنا جان لیوا ایکسیڈنٹ تھا کہ ریڑھ کی ہڈی بری طرح متاثر ہوئی ہے' جانے کب تک اسے بیڈ ریسٹ کرنا پڑے گا اسٹک استعمال کرنی پڑے گی فی الحال تو وہ ابھی چلنے پھرنے سے ہی معذور رہے گا۔ ژالے نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا' ان چند ہفتوں میں ہی اس کی رنگت بالکل سفید پڑ گئی تھی' جیسے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ ہو۔ سرمئی کانچ میں ایک جہاں کی جو اس نے چمک دیکھی تھی وہ بالکل ماند پڑ چکی تھی' ژالے سے تا دیر زرمیل کی یہ حالت دیکھی ہی نہیں گئی وہ اپنی سسکیاں دباتی اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھتی تیزی سے اپنے بیڈ روم میں بھاگی تھی اور دروازہ اندر سے لاکڈ کر کے زار و قطار بلک بلک کر رونے لگی تھی۔

عارفین اس کی وہیل چیئر گھسیٹتا ہوا اس کے بیڈ روم تک لایا تھا اور نہایت ہی آرام سے زرمیل کو چیئر سے اٹھا کے اس کے بستر پر لٹا دیا تھا اور بلنکٹ اس کے سینے تک ڈال دیا تھا۔

"میری جان! کچھ دن اور اسپتال میں رک جاتے تو بہتر ٹریٹمنٹ ہو جاتی۔" آسیہ نے بڑی مشکل سے اپنے دل کو سنبھالا ہوا تھا۔

"نہیں ممی! میں زیادہ ایزی فیل گھر میں کروں گا۔"

"ویسے زرمیل! بڑی مامی کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہی ہیں مگر تم اپنی ضد کے آگے کسی کی بھی نہیں چلنے دیتے ہو۔" عارفین نے آسیہ کی بات کی تائید کی تھی۔ زرمیل نے کچھ نہیں کہا بلکہ خاموشی سے آنکھیں موند لیں۔ ہونٹوں کو آپس میں سختی سے بھینچ لیا تھا' شاید اسے تکلیف زیادہ ہو رہی تھی جو عارفین نے فوراً نوٹ کر لیا تھا۔

"زرمیل زیادہ درد ہو رہا ہے تو ڈاکٹر کو یہیں بلوا لوں؟" عارفین نے جھک کر پوچھا۔

"نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔" زرمیل نے اپنی تکلیف کو دبا دیا تھا۔

"ایسا ہے زرمیل کچھ پہلے سوپ پی لو پھر یہ دوائی میں خود کھلا دوں گا۔" ارشد' زرمیل کے پاس ہی جگہ بنا کے بیٹھ گیا تھا۔

"نہیں اس وقت میرا کسی چیز کو کھانے پینے کا دل نہیں چاہ رہا ہے۔" زرمیل نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"مگر یار! یہ دوائی کھانی بھی تو ضروری ہے۔" ارشد نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔

"تائی ممی! آپ سوپ لے کر آئیں میں خود زرمیل کو پلاتا ہوں' ورنہ یہ تو یونہی انکار کرتا رہے گا۔" ارشد نے پاس کھڑی آسیہ سے کہا جو فوراً باہر نکلی تھیں کیونکہ وہ بھی چاہ رہی تھیں کہ زرمیل کچھ کھا لے تو دوائی لے کر سکون کی نیند سوئے۔

عارفین نے بغور ارشد کو دیکھا تھا' وہ ایسا ہی تھا غصہ کا جتنا تیز اور جذباتی صحیح مگر دل کا بہت صاف و شفاف تھا اپنی غلطی فوراً تسلیم کر لیا کرتا تھا اور سب سے اچھی بات کہ غلطی مان کر معافی بھی مانگ لیا کرتا تھا۔ سب ہی اس کی جذباتی عادت سے واقف تھے زرمیل سے اب تک وہ ہزار بار تو معافی مانگ ہی چکا ہو گا۔

"یار زرمیل! تم نے مجھے ابھی تک معاف نہیں کیا نا؟"

"کیوں مجھے شرمندہ کرتے ہو بار بار جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا اور ہمیں وہی ملتا ہے جو ہماری قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔ میرے نصیب میں یہ تکلیفیں لکھی تھیں' سو مجھے مل گئی ہیں۔" اس نے زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی تھی۔ تکلیف کی شدت اس قدر تھی کہ نہ تو بولا جا رہا تھا نہ ہی مسکرانے کی سکت تھی۔

اور اسے شکایت کسی سے تھی بھی نہیں سوائے ژالے کے وہ اس سے سخت ناراض تھا کہ اس کی شکل بھی دیکھنے کا روادار نہیں تھا' بے شک اگر وہ سامنے آ بھی جاتی تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا اس لئے اس کی بہتری اسی میں تھی کہ وہ اس کے سامنے ہی نہ آئے۔

اسی دوران آسیہ سوپ لے آئی تھیں عارفین اور ارشد نے زبردستی اسے سارا سوپ پلا دیا تھا اور دوائی کھلا کے چہرہ صاف کر کے آرام سے لٹا دیا تھا کچھ ہی دیر میں زرمیل سکون کی گہری نیند میں سو چکا تھا' وہ تینوں اٹھے اور کمرے کی لائٹ آف کر کے باہر نکل گئے تھے۔

☆......☆

"السلام علیکم!" رابعہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی T.V دیکھ رہی تھیں کہ اچانک کسی کے سلام کرنے پر انہوں نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ وہاں کوئی لڑکی کھڑی تھی رابعہ نے بغور اس لڑکی کا چہرہ دیکھا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے پہلے بھی اسے کہیں دیکھا ہے مگر کہاں...... کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔

"وعلیکم السلام!" رابعہ نے T.V کا والیم آف کر دیا تھا۔

"آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں' میں سومی ہوں مقسوم کی بیسٹ فرینڈ۔"

"سومی......!"

رابعہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھیں۔

"تم وہی ہو نا جسے میں نے......" انہوں نے جان کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"جی ہاں' میں وہی سومی ہوں' جسے آپ نے اپنے بیٹے کے لئے پسند کیا تھا' مگر سوری آنٹی میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ میں کسی اور کو پسند کرتی تھی' اس لئے اپنی جگہ مقسوم کو بٹھا کے خود گھر چھوڑ کے چلی گئی تھی۔" شرمندگی سے اس کی نگاہیں جھک گئی تھیں۔

"تو اب یہاں کیا لینے آئی ہو؟" انہیں سومی کا یہاں آنا کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا جو سومی نے نوٹ بھی کر لیا تھا۔

"میں آپ سب سے معافی مانگنے آئی ہوں۔"

"معافی تو تمہیں مقسوم سے مانگنی چاہیے' جسے تم نے نہ صرف دھوکا دیا ہے بلکہ تمہاری والدہ نے بھی یہاں آ کر نہ صرف اس پر الزام تراشیاں کی ہیں' بلکہ مارنے اور بے عزتی کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔ ایسے ایسے رکیک الفاظ اس کے کردار کے لئے استعمال کئے تھے جو ہم جیسے پڑھے لکھے تہذیب یافتہ لوگوں پر سوٹ نہیں کرتے۔" نرم و ملائم لب و لہجے میں انہوں نے اپنے دل کی بھڑاس نکال دی تھی۔

"آئی نو آنٹی! اور اسی لئے میری ممی آپ لوگوں سے ملنے آنا چاہ رہی ہیں۔"

"ملنے آنا چاہ رہی ہیں مگر وہ کس لئے؟"

"کیونکہ انہوں نے جو کیا وہ میری وجہ سے ہی کیا تھا' میں اس شادی کے لئے قطعی طور پر راضی نہیں تھی مگر

ممی میری ایک سننے کو تیار نہیں تھیں، وہ میری شادی زبردستی عارفین سے کرنا چاہتی تھیں، اور میں جانتی تھی کہ اس شادی سے نہ تو میں خوش رہتی اور نہ ہی عارفین کو خوش رکھ سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے یہ انتہائی قدم اٹھانا پڑا تھا۔"

"اور تمہارے اس انتہائی قدم کی وجہ سے کسی کی خودداری اس کی انا کا کتنا بڑا نقصان ہوا ہے کچھ علم ہے تمہیں؟"

"جی۔" سوی نے شرمندگی کے مارے سر جھکالیا تھا۔ رابعہ نے اس کی شرمندگی کو خاموشی سے دیکھا تھا۔

"بہر حال جو ہوا سو ہوا مقسوم کو میں نے اسی دن اپنی بہو تسلیم کر لیا تھا، جس دن اس نے میرے گھر میں میرے عارفین کے حوالے سے قدم رکھا تھا، وہ میری بہو ہی نہیں بیٹی بھی ہے اور اپنے عارفین کے حوالے سے بہت عزیز بھی ہے۔"

"اس کی مجھے بہت خوشی ہے آنٹی کہ مقسوم یہاں خوش ہے سکون و مطمئن ہے۔"

سوی خوشی سے مسکرا دی تھی اس کا دل پرسکون ہو گیا تھا، مقسوم کی طرف سے اور رابعہ آنٹی سے مل کر تو اور خوشی ہوئی تھی اور بے فکر بھی کہ مقسوم کا مستقبل مضبوط ہے۔ اب وہ جلد از جلد مقسوم سے ملنا چاہتی تھی۔

"ہاں! مقسوم بہت پیاری اور معصوم بچی ہے ان چند ہی ماہ میں اس نے ہم سب کا دل جیت لیا ہے۔ عارفین بہت خوش ہے میں بہت خوش ہوں اور اللہ نے ان دونوں کا جوڑ یونہی لکھا تھا اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں ہوتا، وہ جو چاہتا ہے ہمارے بھلے اور بہتری کے لئے ہی کرتا ہے۔"

"تم مقسوم کی بیسٹ فرینڈ ہو اور پہلی بار آئی ہو تو ایسے مت جانا۔"

رابعہ کو سوی سے کوئی شکایت نہیں تھی وہ بھی یہی سوچنے لگی تھیں اگر خدانخواستہ سوی کی شادی زبردستی ہی عارفین سے ہو جاتی تو شاید آج جو حالات ہیں وہ سوی کے یہاں آنے سے نہیں ہوتے۔

"اور یہ......" رابعہ کی نظر پیچھے سائیڈ میں کھڑے چپ چاپ اس شخص پر پڑی جو سوی کے ساتھ ہی آیا تھا۔

"یہ میرے ہسبینڈ ہیں اعظم۔" سوی کی نظر اپنے پیچھے کھڑے اعظم پر پڑی، مگر وہ نظر جیسے پتھرا کے رہ گئی تھی کیونکہ اعظم کے پیچھے ہی مقسوم کھڑی تھی اور اس کے سرخ چہرے اور بھیگی آنکھوں سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ ان کی ساری باتیں سن چکی ہے۔ رابعہ کی بھی سوی کے ساتھ ہی مقسوم پر نظر آپڑی تھی۔

"مقسوم!" سوی نے دھیرے سے پکارا تھا۔

مقسوم کی آنکھیں نمی سے بھری ہوئی تھیں، اسے بہت بڑا دھچکا پہنچا تھا دل ٹوٹ کے چکنا چور ہوا تھا اس کا اعتماد، مان، بھروسہ سب کانچ کے ٹکڑوں کی طرح ریزہ ریزہ ہو کر چاروں طرف بکھرتا چلا گیا تھا، وہ لڑکھڑاتے قدموں سے چلتی ہوئی آئی اور سوی کے مقابل آ ٹھہری تھی، اس نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا اور پھر اس کا ہاتھ اٹھا سوی کے رخسار پر۔

مگر سوی نے یا رابعہ اور پیچھے کھڑے اعظم نے ایک لفظ نہیں کہا تھا، کیونکہ مقسوم کا غصہ بجا تھا وہ بھی اپنی جگہ بالکل ٹھیک تھی، وہ جانتے تھے کہ اگر مقسوم کو حقیقت معلوم ہو گی تو وہ بہت ہرٹ ہو گی، اس لئے مقسوم کے ہر رویے کے لئے وہ خود کو پہلے ہی تیار کر چکی تھی۔

"اتنا بڑا دھوکا اتنا بڑا فریب یہ تو سراسر ناانصافی ہے نا، بیسٹ فرینڈ ایسی تو نہیں ہوتی ہیں۔" وہ بری طرح رو دی تھی سیاہ آنکھوں سے پانی کسی جھرنے کی طرح بہہ رہے تھے، سوی نے جو کیا بہت غلط کیا یہ وہ

نہیں جانتی تھی مگر وہ عارفین سے اس کی کتنی وکالت کرتی اس کے خاطر لڑتی جھگڑتی کتنی باتیں سنا دیتی اس کا بعض اوقات دل بھی دکھا دیتی اور جس کے لئے وہ یہ سب کرتی اس دوست نے تو خود اسے اندھیرے میں رکھا تھا۔ اسے دھوکا دیا تھا اب کس منہ سے وہ عارفین کا سامنا کرے گی۔

"عارفین تو یہی کہے گا نا کہ بہت مان تھا بھروسہ تھا اپنی دوست پر جو تمہیں ہی دھوکا دے گئی کیسے وہ عارفین کی کڑوی کسیلی باتیں اس کی چبھتی نظروں کا سامنا کرے گی اس سے نظر ملائے گی، اس سے یہ سب کیسے برداشت ہو گا۔" یہی سب سے بڑا سچ سوچ کر اس کا دل ہولا جا رہا تھا اور خوب رونا بھی آ رہا تھا۔

"مقسوم میری بات تو سنو!" سوی سے مقسوم کا یوں رونا دیکھا نہیں جا رہا تھا اس کا تھپڑ مارنا ذرا بھی برا نہیں لگا تھا، اس نے مقسوم کو پکڑنا چاہا تھا۔

"نہیں سننی مجھے تمہاری کوئی بھی بات۔" مقسوم نے بری طرح سوی کا بڑھتا ہوا ہاتھ جھٹکا تھا۔

"تم بہت بری دوست ہو تم نے میرا بھروسہ توڑا ہے، میرا اعتماد میری خودداری کو چوٹ پہنچائی ہے، میرا بھرم ٹوٹ گیا ہے۔" عارفین جو بہت دیر سے دروازے کے پیچھے کھڑا سب سن رہا تھا مگر مقسوم کا یوں ہچکیوں سے بلک بلک کر رونا تکلیف دے رہا تھا وہ کہاں دیکھ سکتا تھا اس کی آنکھوں میں آنسو، جہاں وہ ایک جہاں آباد کرنا چاہتا تھا خوشیاں بکھیرنا چاہتا تھا۔ اپنے پیار کی لو جلانا چاہتا تھا وہاں غم یا آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ دروازے کے پیچھے سے نکلا اور اندر آیا تھا۔

"مقسوم!" عارفین نے ہولے سے پکارا تھا۔

عارفین کی پکار پر مقسوم نے پلٹ کر دیکھا عارفین آرام آرام سے چلتا ہوا اس کے پاس آ ٹھہرا تھا، عارفین نے ایک نظر سوی کو دیکھا، جس کی آنکھیں بھی شدت غم سے آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اس نے ایک سرد سانس لی اور پھر مقسوم کی سمندر سے بھری آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"سوی نے جو کیا وہ طریقہ غلط تھا اس نے بے شک صرف اپنا مفاد سوچا اپنے بارے میں سوچا، یہ سوچ اور جانے بغیر کے اس کے چلے جانے کے بعد کیا حالات پیدا ہو سکتے ہیں، مگر یہ بات بھی کچھ غلط نہیں کہ اللہ کو بھی یہ ہی منظور تھا کہ ہمارا ساتھ اسی طرح لکھا ہمارا جوڑ اس نے وہاں آسمان پر پہلے بنا دیا تھا، ہاں زمین پر اس طرح ملیں گے یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

"مقسوم بہن! عارفین ٹھیک بول رہے ہیں بے شک ہمارا طریقہ غلط تھا مگر آپ یہ بھی تو سوچیے سوی کی ممی جو کرنے جا رہی تھیں وہ سراسر غلط تھا اگر یہ ہو جاتا تو تین زندگی برباد ہوتیں۔ عارفین کی سوی اور میری، سوی عارفین کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہتی اور نہ ہی عارفین کو کوئی خوشی دے سکتی تھی اور میں اور سوی ایک دوسرے کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ میں تو شاید خود کو ختم ہی کر لیتا۔" بہت دیر بعد چپ چاپ سنتا اعظم بھی آگے بڑھا اور نرمی سے مقسوم کو سمجھایا تھا۔

"آپ نے اپنے بارے میں تو سب کہہ دیا اور میں...... میری کوئی وقعت نہیں کوئی حیثیت نہیں۔" بھیگی آنکھوں سمیت اس نے شکوہ کیا تھا۔

"اب یہ تو تم میرے دل سے پوچھو کہ تمہاری میرے دل میں کتنی وقعت ہے اور کیا حیثیت ہے، جسے تم نے اول روز سے ہی نظر انداز کیا ہے۔" عارفین نے ماحول کی کثافت کو دور کرنے کے لئے اپنے دل کی حکایت سنائی تھی۔

اور مقسوم...... اسے تو عارفین سے ایسے کسی جملے کی قطعی امید نہیں تھی کم از کم وہ ان لوگوں کا تو ہی لحاظ کر لیتا مگر نہیں وہ بھی عارفین تھا۔

وہ بری طرح جھینپ کر رہ گئی تھی، بھیگی پلکوں کی گھنیری باڑ سجدہ ریز ہو گئی تھیں۔

سوی بھی چہرہ نیچے کیے بھیگی آنکھوں سمیت مسکرانے لگی۔ اعظم نے بھی اپنا رخ موڑ لیا تھا' جبکہ عارفین وہ مقسوم کا بلش ہوتا چہرہ والہانہ نظروں سے تکنے لگا تھا۔

رابعہ نے عارفین کے دمکتے چہرے کو دیکھا تھا اور جاں نثار نظروں سے مقسوم کے معصوم چہرے کو دیکھا تھا' وہ چلتی ہوئی آئیں اور مسکرا کے مقسوم کو اپنے سینے میں چھپا لیا تھا۔

''ماما آپ کو نہیں لگتا یہ فرض مجھے ادا کرنا تھا۔'' عارفین نے بے باک نظروں سے رابعہ کے سینے میں چھپے مقسوم کے چہرے کو تکا تھا۔

مقسوم کا تو دل بری طرح دھڑک گیا تھا' عارفین کی زبان لگ رہا تھا اس وقت بالکل کنٹرول میں نہیں تھی۔

رابعہ نے پیار سے عارفین کو گھورا تھا۔

''خبردار! جو میری بہو کو ذرا بھی تنگ کیا ہو تو اور ویسے بھی مقسوم میری بہو ہی نہیں میری بیٹی ہے۔ میری نظر میں اس گھر میں اس گھر کے رہنے والوں کے سبھی افراد کے دلوں میں مقسوم کی بہت جگہ ہے عزت و قدر ہے۔'' رابعہ نے محبت و چاہ سے مقسوم کے ماتھے پر بوسہ لیا تھا۔

''اور سوی بے شک میں نے تمہیں عارفین کے لئے پسند کیا تھا' مگر مقسوم نے میرے گھر میں آ کر میرے گھر کو روشن کر دیا ہے۔ ایک بیٹی کی کمی پوری کر دی ہے' مقسوم مجھے عارفین سے بڑھ کر عزیز ہو گئی ہے۔''

مقسوم رابعہ کی اتنی محبت و چاہت دیکھ کر نہال ہو گئی تھی اس کے دل میں رابعہ کے لئے مزید عزت بڑھ گئی تھی آنسو بے اختیار ہی چھلک پڑے تھے' اس نے رابعہ کو نہایت عزت و قدر کی نظروں سے دیکھا تھا' سوی اور اعظم نے بھی بہت احترام سے رابعہ کو دیکھا تھا بلکہ دل ہی دل میں ان کے مٹھاس بھرے لب و لہجے کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ مقسوم کی قسمت پر رشک آ رہا تھا کہ بہت چاہنے والے اس کی قسمت میں آئے ہیں' عارفین جیسا پیار و محبت چاہت لٹانے والا شخص اس کی زندگی کا حصہ تھا۔

''نہیں خبردار! اب رونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ غموں کے جتنے بادل تھے سب چھٹ گئے غلط فہمیوں کی جتنی دیواریں تھیں سب گر چکی ہیں' تم اپنا دل وسیع کر دو اور کھلے دل سے اپنی بیسٹ فرینڈ کو ویلکم کہو پہلی بار سوی اپنے ہسبینڈ کے ساتھ ہمارے گھر تم سے ملنے آئی ہے۔ خوب خاطر مدارت کر دو اور میں جانتی ہوں کہ میری بیٹی کا دل بہت بڑا ہے' وہ نہایت اعلیٰ ظرف کی مالک ہے اس لئے سب شکوے و شکایت دور کرو اور سوی کو گلے لگا کر معاف کرو... بلکہ میں تو سوی کا یوں بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ آج اسی کی بدولت تم میرے پاس ہو۔'' رابعہ نے دونوں شانوں سے مقسوم کو تھام کر خود کے سامنے کیا تھا۔

مقسوم کیا کہتی جب آنکھوں سے دھند صاف ہوئی تو سارا منظر صاف و شفاف دکھائی دینے لگا تھا۔

سوی آگے بڑھی اور مقسوم کو اپنے گلے سے لگا لیا تھا' کیونکہ سارے شکوے و گلے دلوں کی کدورتیں غلط فہمیاں مٹ چکی تھیں۔

''تھینکس مقسوم!''

''محترمہ سب کے ہی گلے سے لگ رہی ہیں اس معصوم و بیچارے کا نمبر بھی آئے گا۔'' سرگوشی نہایت

دھیمی اور جان لیوا تھی جو سوی اور مقسوم کی سماعت سے محفوظ نہیں رہ سکی تھی' سوی مسکرا کے مقسوم سے الگ ہوئی اور عارفین کو دیکھنے لگی تھی۔

''عارفین! مقسوم میری بہ نسبت نہایت ہی شرمیلی اور مکمل حیا کا پیکر ہے بلکہ میں تو بعض اوقات اس قدر حیران ہو جاتی ہوں کہ لندن جیسے آزاد شہر میں یہ رہ کیسے لی اس نے وہاں زندگی کیسے گزار لی؟''

''سچ پوچھو سوی! تو میں بھی اتنا ہی حیران رہ جاتا ہوں۔''

مگر اس بار مقسوم کے چہرے پر کوئی لالی کوئی شرمیلی مسکراہٹ نہیں تھی ایک ڈر و خوف کا سایہ لہرایا تھا' ایک کرب و درد کا رنگ ابھرا تھا اذیت کی ایک تحریر رقم ہوئی تھی جو عارفین جیسے زیرک نظر رکھنے والے شخص سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی اور یہ کوئی پہلی بار نہیں ہوا تھا اکثر وہ جب بھی اس سے لندن کا ذکر چھیڑتا تھا اس کی رنگت بدل جاتی تھی' اس کی آنکھوں سے دہشت و وحشت ٹپکنے لگتی تھی اور کبھی اس کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا بھی تو کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے رہ جاتی جان چھڑا کے بھاگ جاتی تھی' جسے پہلے تو وہ وہم سمجھ کر جھٹلا جاتا تھا' مگر اب شک کے بیچ میں یقین کی دراڑ پڑنے لگی تھی۔

کچھ تو غلط ہے جو وہ عارفین سے چھپا رہی ہے کچھ ایسا ہے جو اسے ہمہ وقت پریشان کرتا ہے' کسی آنے والے وقت سے اس کی نظریں سہمی اور ڈری ہیں' اتنا تو وہ جان ہی گیا تھا کہ وہ آنے والا وقت کچھ صحیح نہیں ہے اس کے لئے بغور خود پر گھورتی دو نظروں نے مقسوم کو مزید ہراساں کر دیا تھا' وہ ان دو نظروں سے اپنی نظر چرانے لگی تھی۔ اپنی سوچوں پر بندھ باندھنے لگی تھی' کیونکہ وہ جانتی تھی کہ عارفین مقسوم کی سوچوں کو پڑھنے کا فن جانتا تھا۔

''تو مقسوم بہن! میں یقین کر لوں کہ آپ نے ہمیں دل سے معاف کر دیا ہے؟''

اچانک ہی اعظم نے بے یقین نظروں سے مقسوم کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''جی!'' مقسوم اپنی گہری سوچوں سے بری طرح چونک کر رہ گئی تھی۔

''جی ہاں اعظم صاحب! ہماری مقسوم نے آپ لوگوں کو معاف کر دیا ہے' بلکہ آج کا ڈنر آپ ہمارے ساتھ کر رہے ہیں۔''

عارفین نے مقسوم کو مشکل سے نکالا تھا۔ مقسوم نے نظر اٹھا کے عارفین کو دیکھا جو ابھی بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا' مقسوم نے گڑبڑا کے نگاہیں جھکا لی تھیں کہ مبادا وہ آنکھوں سے کچھ پڑھ ہی نہ لے مگر عارفین نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ ہر صورت میں مقسوم سے اس کی پریشانی اس سے اگلوا کے ہی رہے گا۔

کتنی ہی دیر تک سوی اور اعظم وہاں رکے رہے اچھے ماحول میں کھانا کھایا گیا' بے شک مقسوم سب کے ساتھ ہی باتیں کر رہی تھی کھانا کھا رہی تھی ہنس رہی تھی مگر اس کے دھیان کے دھاگے کسی ایک بات سے ضرور جڑے ہوئے تھے' کبھی کبھی اس کے چہرے پر پریشانی کے گھبراہٹ کے واضح رنگ نمایاں ہو جاتے تھے' جو صرف اور صرف عارفین ہی دیکھ سکتا تھا اور اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ضرور اس سے پوچھ کے رہے گا۔

☆......☆

لاروش اغولان صوفے پر بیٹھی کوئی میگزین دیکھ رہی تھی' باہر سے آتی آوازوں پر اس نے سر اس جانب اٹھایا تھا' حسین آفریدی اور اس کے پہلو سے لگی اس کے بازو میں اپنا عریاں بازو ڈالے خوب ہنس ہنس کے

باتیں کرتی کوئی حسین دوشیزہ ساتھ چلی آ رہی تھی' ٹائٹ وائٹ کلری جینز پر ریڈ چھوٹی سی بغیر آستین کی ٹی شرٹ پہنے تھی' بلاشبہ وہ واقعی بہت حسین و جمیل تھی مگر کیا اپنے جسم کی یوں نمائش کرنا اور کسی غیر محرم کے ساتھ اس طرح کھلے عام ہنس ہنس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالنا کسی مشرقی لڑکے یا لڑکی کو زیب دیتا ہے' ہمارا اسلام اس چیز کو پسند نہیں کرتا' مگر سب سے بڑی بات سوچنے کی یہ بھی تھی کہ آخر وہ حسینہ کون ہے؟ حنین آفریدی کے ساتھ کیوں ہے؟ وہ بھی اس حالت میں حنین آفریدی کا اس لڑکی سے کیا رشتہ ہے؟ ان سارے سوالوں میں لاروش اغولان الجھ گئی تھی اور جانے کیوں ایک حاسدانہ معمولی سی تپش میں جھلس بھی گئی تھی۔

''اوہ ڈارلنگ! تم بہت جوک کرتے ہو اب ساری باتوں کو چھوڑو اور جلدی سے فریش اپ ہو کر آؤ میں جب تک تمہارا یہیں ویٹ کر رہی ہوں۔'' سمعیہ زیدی نے اس کے بازو سے اپنا عریاں بازو نکالا تھا۔

''تو ایک کام کرو یہاں کیوں بیٹھ کے بور ہو گی چلو میرے ساتھ میرے بیڈ روم میں وہیں بیٹھ جانا۔'' حنین آفریدی سے اس کے شولڈر کٹ گولڈن بالوں کی ایک لٹ کو ہلکے سے کھینچا تھا۔

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے' مگر اگر تمہاری بی جان نے دیکھ لیا تو اسلام پر ایک لمبا لیکچر سننے کو مل جائے گا اور میں اپنا موڈ قطعی خراب کرنا نہیں چاہتی۔'' کس قدر ڈھٹائی سے اس نے قہقہہ لگایا تھا' جیسے بی جان کا مذاق اڑا رہی ہو' جس کا حنین آفریدی کا تو معلوم نہیں مگر لاروش اغولان کو بہت ہی برا لگا تھا اس نے نہایت گھور کے اس چلتے پھرتے ہنستے بولتے شوپیس کو دیکھا تھا۔

''ارے یار! تم ان کی باتوں کا برا مت منایا کرو' ایکچولی وہ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ بہت جلد وہ تم کو بھی پیار کرنے لگیں گی۔''

''امید تو نہیں لگتی مگر خیر یہ تو بعد کی بات ہے اور ویسے بھی مجھے اس سے کوئی فرق بھی نہیں پڑنے والا کہ تمہاری بی جان مجھے پسند کریں یا نہ کریں۔ لیکن تمہاری موم بہت سویٹ ہیں اور اب ہمیں بہت دیر ہو رہی ہے تانیہ اور ارسل ہمارا ویٹ کر رہے ہوں گے مجھے لگتا ہے کہ اب ان کا فون آنے ہی والا ہے۔''

''یو رائٹ! بس تم پانچ منٹ ویٹ کرو میں ابھی ریڈی ہو کر آتا ہوں۔'' حنین آفریدی تیزی سے اوپر کی سمت بڑھ گیا تھا جبکہ سمعیہ زیدی اپنے شولڈر کٹ بالوں کو جھٹکتی ہوئی صوفے کی جانب بڑھی تھی۔

لاروش اغولان کو حنین آفریدی کا یہ نیا روپ دیکھ کر کس قدر حیرت ہوئی تھی' وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ ایسا بھی ہو سکتا ہے' وہ سامنے ہی تو بیٹھی تھی جس پر ایک نگاہ غلط ڈالنا بھی شاید اس نے اپنی شان کے خلاف سمجھا تھا۔ اپنا یوں نظر انداز کیے جانا اور اس لڑکی کو یوں اہمیت دینا جہاں اس کو دکھ پہنچا گیا تھا' وہیں سمعیہ زیدی کے لیے جلن کا ایک احساس بھی جاگا تھا۔

سمعیہ زیدی تفاخر سے غرور کی چال چلتی ہوئی صوفے سیٹ کی سمت بڑھی تھی' اتنے عرصے میں سمعیہ زیدی کی نظر اب لاروش اغولان پر پڑی تھی اور جب وہ حنین آفریدی کے ساتھ ہوتی تھی تو کسی تیسرے کی گنجائش ہوتی ہی کب تھی جو لاروش اغولان پر نظر ٹھہرتی۔

مگر لاروش اغولان کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اس نے بغور اس کو ایک نظر دیکھا بھی ضرور تھا۔

بڑے سے بلیو اینڈ فیروزی امتزاج کے دوپٹے میں خود کو اچھی طرح ڈھانپے اس کا چھپا ہوشربا حسن اپنے ہونے کا چیخ چیخ کے اعلان کر رہا تھا' زندگی میں پہلی بار سمعیہ زیدی کسی سے یوں متاثر ہوئی تھی' مگر یہ متاثر ہونے کی مدت چند سیکنڈ کی ہی تھی' کیونکہ وہ ٹھہری غرور کی چادر میں لپٹی ایک مغرور حسینہ اپنے سامنے وہ بھلا

کسی کو خاطر میں لاتی ہی کب تھی' پوزیٹو پہلو تو بہت ہی کم زیادہ تر نیگیٹو پہلو ہی کسی نہ کسی طرح وہ ڈھونڈ نکالتی تھی۔

اس لڑکی کے ڈھیلے ڈھالے کپڑے اوپر سے بڑے سے دوپٹے میں خود کو لپیٹے سمعیہ زیدی کو کوفت کا شدید احساس ہوا تھا' بلکہ اندر باہر ایک گھٹن سی بھی ہوئی تھی' اس نے لاروش اغولان کو بری طرح نظر انداز کیا اور ٹیبل پر پڑے ریموٹ کو اٹھا کے T.V آن کر لیا تھا' جتانے کا انداز یہی تھا کہ وہ اس گھر کی مالکہ ہے اس کے اس گھر پر اس کی چیزوں پر پورا پورا حق ہے' لاروش اغولان سمجھ گئی تھی کہ سامنے بیٹھی یہ مغرور حسینہ اپنے سامنے ہر کسی کو حقیر سمجھتی ہے' سوائے حنین آفریدی کے' لاروش اغولان نے بھی کوئی رسپانس نہیں دیا' اسے تو وہ ویسے بھی پسند نہیں کرتی تھی' اس لئے اپنا میگزین دوبارہ سے پڑھنے لگی تھی' جیسے اس کے یہاں ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔

کوئی آدھے گھنٹے بعد خوشبوؤں میں بسا نک سک سا تیار ہوا حنین آفریدی نیچے اتر رہا تھا۔

''چلیں!'' حنین آفریدی چلتا ہوا سمعیہ زیدی کے چند قدم کے فاصلے پر آ ٹھہرا تھا۔

''اوہ یو گڈ لوکنگ سویٹی!''

سمعیہ زیدی نے ریموٹ میز پر رکھا اور کھڑی ہوئی کھلے لفظوں میں حنین آفریدی کی تیاری کو خراج تحسین بخشا تھا اور یہ خراج تحسین سامنے بیٹھی لاروش اغولان کو جیسے انگاروں پر لے گیا تھا' کتنی بے حیائی اور بے شرمی سے سمعیہ زیدی اٹھی اور حنین آفریدی کے گال سے اپنا رخسار ٹچ کیا تھا۔

''تھینکس۔'' حنین آفریدی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا اور اسی وقت اس کی نظر لاروش اغولان پر پڑی تھی' جو اپنا میگزین چھوڑے سرخ آنکھوں سے حنین آفریدی کو دیکھ رہی تھی۔

''ارے تم بھی یہاں بیٹھی ہو۔'' حنین آفریدی کا یہ جملہ لاروش اغولان کو مزید سلگا گیا تھا۔

''سمعیہ ان سے ملو یہ ہیں لاروش اغولان کوئٹہ سے آئی ہیں۔''

سمعیہ زیدی نے حنین آفریدی کے کہنے پر اب دوسری نظر لاروش اغولان پر ڈالی تھی' حنین آفریدی کا بس اتنا ہی تعارف کرانا کافی تھا۔

''اور لاروش! یہ ہے سمعیہ زیدی مائی گرل فرینڈ!'' حنین آفریدی کے انداز میں اس قدر فخر بول رہا تھا' جیسے سمعیہ زیدی پر ہی اس کی دنیا ختم ہو گئی ہو' حنین آفریدی کے گرل فرینڈ کہنے پر لاروش اغولان کے اندر بہت کچھ چھناکے سے ٹوٹا تھا شاید اس کا دل اس کا بھرم۔

''اچھا تو یہ کوئٹہ سے آئی ہیں مگر یہ ہیں کون؟''

پتہ نہیں سمعیہ زیدی نے کیوں یہ سوال کیا تھا۔

''یار! مہمان ہیں ہماری۔'' سمعیہ زیدی نے عجیب سی نظروں سے لاروش اغولان کو دیکھا تھا جیسے کہہ رہی ہو کہ تمہاری یہی اہمیت ہے۔

''اینی ویز ان ساری فضول باتوں کو چھوڑو ہمیں ویسے ہی بہت دیر ہو گئی ہے اب نکلنا چاہیے۔''

سمعیہ زیدی نے زیادہ بات کرنا گوارا ہی نہیں سمجھا تھا۔

''اوکے اوکے جانو! چلتے ہیں پہلے تم یہ بتاؤ تم نے کچھ کھایا پیا۔''

''بھئی تمہاری مہمان صاحبہ کو مینرز نہیں ہیں کہ گھر آئے مہمانوں سے کیسے بی ہیو کرتے ہیں۔'' سمعیہ

زیدی نے ڈائریکٹ اس کی ذات پر چوٹ کی تھی۔

"لاروش! تم نے سمعیہ سے ٹھنڈا گرم کا کچھ نہیں پوچھا؟" حنین آفریدی نے نہایت ناگوار نظروں سے لاروش اغولان کو دیکھا تھا' جیسے خدانخواستہ اس نے سمعیہ زیدی کی شان میں کوئی گستاخی کر دی ہو۔

"مجھے تم سے اس قدر بے پروائی کی امید نہیں تھی۔"

"ارے ڈیئر! جانے دو نا شاید کوئٹہ کے لوگوں کو مہمان نوازی کے آداب نہیں آتے اور ویسے بھی ہم باہر ہی تو چل رہے ہیں' اس لئے تم مجھے آئسکریم کھلا دینا پھر ارسل کے گھر چلتے ہیں آج ساری پارٹی اس کے گھر جمع ہے۔"

"آل رائٹ۔" حنین آفریدی نے مسکرا کے سمعیہ زیدی کو دیکھا اور پھر لاروش اغولان کو۔

"لاروش! آئندہ سے ایسا نہیں ہونا چاہیے مجھے تمہاری آج کی یہ حرکت قطعی پسند نہیں آئی۔" حنین آفریدی نے سختی سے تنبیہہ کی تھی اسے اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ مہمان نوازی کا برا سلوک مارے دے رہا تھا۔ جبکہ اپنی اتنی عقل بھی استعمال نہیں کر رہا تھا کہ خود تو اپنی گرل فرینڈ سے اس کا مہمان کی حیثیت سے تعارف کرا رہا تھا اور خود ہی میزبان کے فرائض انجام نہ دینے پر خفا بھی ہو رہا تھا۔

اور پھر جس طرح وہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے آئے تھے اسی طرح ہاتھ میں ہاتھ ڈالے نکلتے بھی چلے گئے تھے' مگر جس طرح لاروش اغولان کو سمعیہ زیدی کے ساتھ مل کر بے عزت کر کے گیا تھا اس سے اس کا چھوٹا سا نازک دل بہت دکھا تھا اور یہ دکھن یہ جلن اس کی ہرنی آنکھوں سے بہہ کر اپنی اس گھر میں اوقات اس کی حیثیت جتا گیا تھا۔

"لاروش۔"

اسی اثناء میں وہاں زوباریہ چلی آئی تھیں۔

لاروش اغولان نے بری طرح چونک کر زوباریہ کو دیکھا تھا۔

"لاروش!" زوباریہ نے اس کی ہرنی آنکھوں میں تیرتے آنسو دیکھ لئے تھے وہ تیزی سے اس کے پاس آئی تھیں۔

"کیا ہوا جان کیوں رو رہی ہو؟" وہ بڑی بے صبری سے اس کے قریب بیٹھ کے پوچھنے لگی تھیں۔

"نہیں تو ماما!" لاروش اغولان نے تیزی سے اپنے ڈوپٹے کے پلو سے اپنا چہرہ خشک کیا تھا اور چہرہ جھکا گئی تھی۔

"ادھر دیکھو میری طرف۔" زوباریہ نے اس کی جھکی ٹھوڑی پکڑ کے اس کا پژمردہ چہرہ اوپر اٹھایا تھا۔

"میں نے ابھی اپنے کمرے کی کھڑکی سے حنین کی گاڑی جاتی ہوئی دیکھی ہے اس کے ساتھ سمعیہ زیدی بھی تھی کہیں حنین نے تو تم کو کچھ نہیں کہا؟" زوباریہ نے شک بھری نظروں سے اس کا چہرہ جانچا تھا۔

"ارے نہیں تو ماما!" وہ صاف جھوٹ بول گئی تھی۔

"سچ بول رہی ہو؟" زوباریہ نے بے یقین نظروں سے اسے دیکھا۔

"بالکل سچ۔" مسکرانے کی ناکام ایکٹنگ تھی جو زوباریہ جیسی سیدھی سادھی ماں سمجھ نہیں سکی تھیں۔

"اوکے مان لیا مگر پھر یہ ان پیاری سی آنکھوں میں آنسو کیسے ہیں؟" زوباریہ نے اس کے سرخ و سفید رخسار پر ٹھہرا آنسو اپنی انگلی میں جذب کیا تھا۔ جو جانے کیسے آنکھ سے نکل کر رخسار پر آ ٹھہرا تھا۔

"بس یونہی دادو کی یاد آ گئی تھی۔" یہ تو اس نے سچ ہی کہا تھا۔ حنین آفریدی کی بے حسی پر دادو ہی یاد آئی تھیں۔

"ہم سے کوئی شکایت ہے؟"

"یہ آپ نے کیوں سوچا؟" لاروش اغولان کو ان کی اس طرح فکر کرنے پر جہاں شرمندگی ہوئی تھی' وہیں خود پر غصہ بھی آیا تھا بھلا یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ حنین آفریدی کی بے حسی اور اپنے درد میں ان کی بے لوث شفقت سے بھری محبت کو نظر انداز کر رہی ہے۔

"تمہاری ان آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں نے مجھے بہت تکلیف دی ہے اور یہ سوچنے پر مجبور بھی کیا ہے کہ شاید ہمارے پیار میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔"

"ایسا بالکل بھی نہیں ہے آپ کی محبت و چاہت میں مجھے کوئی کمی نہیں لگی ہے۔" اس نے نہایت ہی عقیدت و احترام سے زوباریہ کا ہاتھ پکڑ کے چوما تھا' زوباریہ لاروش اغولان کے اس پیار پر مسکرا دیں' لاروش اغولان نے ان کی زندگی میں ایک بیٹی کی کمی پوری کر دی تھی۔

"تو پھر آج سے میری ایک بات مانو گی۔"

"آپ حکم کیجئے۔"

"آج کے بعد میں تمہاری ان خوبصورت آنکھوں میں نہ تو کوئی آنسو دیکھوں اور نہ ہی اداسی۔"

"اوکے ڈن آپ کا حکم سر آنکھوں پر جس کی خلاف ورزی نہیں ہو گی۔"

"گڈ گرل!" زوباریہ نے لاروش اغولان کا چہرہ اپنے ہاتھ کے پیالے میں بھر کے اس کی چمکتی پیشانی پر بوسہ لیا تھا۔

☆......☆

"ہنی!" سمعیہ زیدی ونڈ اسکرین کو پرسوچ نظروں سے گھورتی ہوئی بولی تھی۔

"ہوں!" حنین آفریدی نے اسٹیئرنگ گھمایا۔

"تمہارے گھر میں جو یہ لڑکی ہے کون ہے یہ؟"

"کون؟" حنین آفریدی تو یکسر بھول ہی چکا تھا' اسے تو یہ تک یاد نہیں تھا کہ لاروش اغولان سے نکاح کر کے وہ خود اسے اپنے گھر لایا ہے۔ "ارے بھئی وہ جو تمہارے گھر میں صوفے پر بیٹھی تھی۔"

سمعیہ زیدی زچ ہو گئی تھی' وہ ایسی ہی تھی اپنی بات کا جواب نہ ملنے پر فوراً جھنجلا جاتی تھی' اس کی یہ جھنجلاہٹ حنین آفریدی نے نوٹ تو کی مگر کچھ کہا نہیں۔

"اچھا وہ...... تم شاید لاروش اغولان کی بات کر رہی ہو' مگر تمہیں بتایا تو تھا کہ وہ ہمارے گھر مہمان ہے۔"

"اور یہ تمہاری مہمان یہاں کب تک کے لیے ہے؟"

جانے کیوں سمعیہ زیدی کا دل کھٹکا تھا' حالانکہ وہ ایسی تھی نہیں کسی کو خاطر میں لانے والی نہیں تھی' مگر لاروش اغولان کو دیکھ کر اس کا دل انجانے انداز میں دھڑکا ضرور تھا۔

"ارے یار! تمہیں کیا ہوا ہے جو ایسے فضول سوالات کر رہی ہو۔"

"ہنی! میرے سوال کا جواب مجھے ابھی تک نہیں ملا ہے۔" سمعیہ زیدی نے ہلکا سا حنین آفریدی کو گھورا تھا۔

"اوکے غصہ کیوں کرتی ہو؟ لاروش اغولان یہاں مہمان ہے اور چلی جائے گی جب اس کی مرضی ہو گی تو۔ ویسے ایک بات تو بتاؤ یہ تمہیں لاروش اغولان کی اتنی فکر کیوں کر لگ گئی' کہیں اس کی خوبصورتی سے متاثر

تو نہیں ہوگئی ہو۔'' حسین آفریدی نے صرف مذاق کیا تھا' جو سمعیہ زیدی کو خاص پسند نہیں آیا تھا۔

''اس کا مطلب ہے تم نے لاروش اغولان کو بہت غور سے دیکھا ہے۔'' اس کے دل میں شک کا معمولی سا بیج پھوٹا تھا۔

''ارے یار! میں تو ہر خوبصورت چیز کو بہت غور سے دیکھتا ہوں۔' سمعیہ زیدی کے برعکس وہ مکمل مذاق کے موڈ میں تھا۔

''مگر سمعیہ زیدی سے زیادہ کوئی خوبصورت چیز نہیں ہوسکتی یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا۔''

سمعیہ زیدی نے نہایت غرور سے گردن اکڑا کے حسین آفریدی کو دیکھا تھا۔

''جانو! اس بات سے انکار بھی کون کافر کرتا ہے؟'' حسین آفریدی نے اس کا خوبصورت چہرہ بغور دیکھا تھا' بلاشبہ اس نے ایک سے بڑھ کے ایک حسین و خوبصورت لڑکی سے دوستی کی' مگر سمعیہ زیدی کا چہرہ ہر خوبصورت چہرے سے بڑھ کر تھا' اس میں ایک ایسی کشش تھی کہ حسین آفریدی جھکتا چلا گیا تھا' اور اب اس کی سوچ یہی تھی کہ سمعیہ زیدی کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔

''ایک بات بتاؤ۔'' بہت دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولی تھی۔

''ہاں پوچھو۔'' حسین آفریدی نے کہا۔

''تم کیا لاروش اغولان سے بات کرتے ہو؟'' سمعیہ زیدی کی آنکھوں کی پتلیوں پر پھر سے لاروش اغولان کا خوبصورت چہرہ جھلملایا تھا۔

''ارے یار! تمہاری سوئی ابھی بھی لاروش اغولان میں اٹکی ہوئی ہے۔''

''بتاؤ نا کیا تم لاروش اغولان سے بات کرتے ہو؟'' حسین آفریدی نے اسنوپی بار کے آگے گاڑی روک دی تھی اور رخ موڑ کے اس کے چہرے کو دیکھنے لگا تھا۔

''تم سے فرصت ملے تو کسی اور چہرے کی طرف دیکھوں بھی۔'' شاعرانہ انداز میں کہتے ہوئے حسین آفریدی نے سمعیہ زیدی کے شولڈر کٹ بالوں میں انگلیاں پھیری تھیں۔ جب سے سمعیہ زیدی نے حسین آفریدی سے دوستی کی تھی وہ اسے چاہنے لگی تھی اور یہ چاہت اس کی اس قدر جنون میں بدل گئی تھی کہ حسین آفریدی پر صرف اپنا حق سمجھتی تھی وہ کسی تیسرے وجود کی طرف دیکھے کسی کو امپورٹنس بھی دے یہ سمعیہ زیدی سے قطعی گوارا نہیں تھا مگر آج جانے کیوں لاروش اغولان کو دیکھ کر اس کا دل انجانی لے پر دھڑکا تھا' حالانکہ وہ ایک نظر سرسری سی تھی مگر وہ ایک لمحے کے لیے لاروش اغولان سے متاثر ضرور ہوئی تھی اور تشویش کی بات یہ بھی تھی کہ وہ حسین آفریدی کے گھر میں تھی اور ایسا تو ممکن ہی نہیں کہ ان دونوں کا آمنا سامنا نہ ہو بات چیت نہ ہو۔

''کہاں چلی گئی ہو کن سوچوں میں کھوگئی ہو؟'' حسین آفریدی نے اس کے پرسوچ چہرے کے آگے ہاتھ لہرایا تھا سمعیہ زیدی نے حسین آفریدی کو دیکھا۔

''اگر تم لاروش اغولان کے بارے میں سوچ رہی ہو تو میں کہوں گا یہ بے وقوفی ہے کیونکہ میرے دل میں صرف تمہارا قبضہ ہے۔ اس دل پر صرف تم راج کرتی ہو اور اب تو یہ ناممکن ہے کہ کسی کی گنجائش بھی نکلے۔'' حسین آفریدی نے سمعیہ زیدی کا خوبصورت ہاتھ تھام کر اپنے دل پر رکھا تھا۔

''تم کہتے ہو تو میں مان لیتی ہوں' مگر یاد رکھنا اگر کبھی تم نے مجھے دھوکا دیا تو میں تمہیں جان سے ماردوں

گی اور تم جانتے ہو میں جو کہتی ہوں وہ کر کے رہتی ہوں۔' سمعیہ زیدی نے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا تھا۔ اور یہ تمہارا مجرم پیچھے نہیں ہٹے گا۔'' حسین آفریدی دلکشی سے مسکرایا تھا۔

''اب اگر مادام کی اجازت ہو تو آئسکریم کا آرڈر دیں۔''

''آف کورس کیونکہ اب مجھے سخت طلب ہو رہی ہے ٹھنڈا کھانے کی۔' سمعیہ زیدی نے اس کا دلکش چہرہ دیکھتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سینے سے ہٹائے اور اپنا بیگ کھول کے لپ اسٹک نکال کے مرر پر دیکھ کر اپنے ہونٹوں پر ہلکا سا ٹچ دیا۔

دس منٹ میں دونوں نے آئسکریم کھائی اور ارسل کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے' جہاں ساری ینگ پارٹی انہی دونوں کا انتظار کر رہی تھی۔

☆......☆

آج پندرہ دن سے زیادہ ہوگئے تھے مگر وہ ابھی تک شرمندگی کے باعث نیچے نہیں آئی تھی' سب نے ہی تقریباً ژالے کو فورس کیا تھا کہ اسے زرمیل سے ملنے جانا چاہیے' نجیہ نے عارفین نے رابعہ نے یہاں تک کہ حرا نے تو اس کی اتنی منتیں کی تھیں مگر وہ بھی ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی' ابھی بھی وہ اپنے کمرے میں گم صم بیٹھی سوچوں میں منہمک تھی کہ نجمہ اس کے کمرے میں آئی تھیں ان کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی۔

''ژالے!'' نجمہ نے ہولے سے اسے آواز دی تھی۔

''آں......ہاں......!'' ژالے بری طرح چونکی تھی اور سامنے دیکھا جہاں نجمہ کھڑی تھیں۔

''جی ماما!'' کھڑی ہو اور یہ سوپ نیچے زرمیل کو دے کر آؤ۔ انہوں نے ذرا نرمی نہیں دکھائی تھی۔

''ماما میں......!'' ژالے نے ان کے ہاتھ میں ٹرے دیکھی جس میں شیشے کے باؤل میں سوپ تھا۔

''ہاں تم اور میں کوئی بات نہیں سنوں گی آگے سے اس لئے جلدی سے کھڑی ہو اور یہ سوپ زرمیل کے لیے لے جاؤ' جانتی ہو اس وقت زرمیل کس قدر تکلیف میں ہے' اذیت میں ہے زرمیل کو اس وقت تمہاری کتنی ضرورت ہے' مگر تمہیں اس بات کا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔'' انہوں نے ژالے کی اچھی خاصی کلاس لے لی تھی اور ژالے کو آگے سے کچھ بھی بولنے سنے بغیر اس کے ہاتھ میں ٹرے تھمائی اور کمرے سے باہر نکالا تھا۔ وہ جانتی تھیں اگر انہوں نے ذرا سی بھی نرمی دکھائی' ژالے کبھی نہیں مانے گی اور ویسے بھی پندرہ دن سے اس کی حرکتیں دیکھ رہی تھیں' برداشت کر رہی تھیں سوچ رہی تھیں' وہ خود جائے گی مگر اس کی ڈھٹائی نے انہیں غصہ دلا دیا تھا۔

ژالے' نجمہ کے ڈانٹنے پر نیچے آتو گئی تھی مگر اندر ہی اندر یہ احساس بھی مارے دے رہا تھا کہ وہ کیسے زرمیل کا سامنا کرے' اس کی طبیعت پوچھے اس لئے ارادہ کیا کہ یہ چکن سوپ آسیہ کو دے کر فوراً اوپر بھاگ جائے گی مگر دل نے ایک صدا یہ بھی دی کہ اس دشمن جان کی ایک ہلکی سی جھلک تو دیکھ لے۔ اسی شش و پنج میں کھڑی سوچ رہی تھی کہ اندر سے حرا نکلی۔

''ماشاء اللہ! آج تو ہمارے نصیب ہی جاگ گئے ہیں۔'' حرا کو ژالے کی آنے کی بہت خوشی ہوئی تھی۔

''حرا! میں یہ چکن سوپ ان کے لئے لائی تھی تم پلیز ان کو دے آؤ۔'' ژالے نے حرا کی خوشی کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا تھا۔

(جاری ہے)

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر ۱۷

آسیہ نے عارفین اور حرا کو زرنیل کے دروازے پر کھڑے دیکھا تو حیران ہوئے بنا نہ رہ سکی تھیں۔

''خیریت تم دونوں یہاں اس طرح کیوں کھڑے ہوئے ہو؟''

''پہلے آپ بتائیں آپ کہاں جارہی ہیں؟'' حرا نے آسیہ کے ہاتھ میں سوپ دیکھا تھا۔

''میں زرنیل کو سوپ پلانے جارہی ہوں اس کے بعد دوائی بھی دینی ہے۔''

''تو پھر تو بڑی امی آپ یہ زحمت مت کریں۔'' عارفین کے چہرے پر بڑی شریر مسکراہٹ تھی جو آسیہ سمجھیں نہیں تھیں۔

''وہ کیوں؟''

''وہ اس لیے کہ اندر یہ کام آپ کی بہو صاحبہ انجام دے رہی ہیں۔''

''کون ثرالے؟'' ان کی کیفیت حیرت اور خوشی سے ملی جلی تھی۔

''جی ہاں ثرالے۔''

''ارے یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔'' ان کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی ایک سکون سا ان کے چہرے پر

تھا۔

"تم......!" زرمیل نے آہٹ پر آنکھوں سے بازو ہٹایا تھا وہاں ژالے کو کھڑے دیکھا تو اندر باہر ایک لاوا سا بہنے لگا تھا۔

"تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی میرے بیڈروم میں آنے کی وہ بھی میرے سامنے نکل جاؤ یہاں سے دور ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔" زرمیل پوری طاقت سے دہاڑا تھا اور اس کی دہاڑ اور غصے پر ژالے پوری جان سے کپکپا کے رہ گئی تھی دل اندر سے پوری طرح سہم کر رہ گیا تھا ہاتھوں کی کپکپاہٹ کی وجہ سے ہاتھ سے ٹرے کارپیٹ پر گر گئی سوپ کارپٹ پر پھیل گیا تھا۔

سبز آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگی تھیں ڈر و خوف میں پوری طرح گھری ڈبڈبائی آنکھوں سے زرمیل کو دیکھ رہی تھی مگر اسے اس وقت ہمت سے کام لینا تھا زرمیل کو کسی بھی صورت منانا تھا۔

"وہ......وہ......میں......میں......آ......آپ کے......"

"شٹ اپ جسٹ شٹ اپ۔ ایک لفظ بھی مزید کہا تو تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔ نہ تو مجھے تمہاری آواز سننے کا شوق ہے اور نہ ہی تمہاری شکل دیکھنے کی آرزو ہے اور اس سے پہلے کہ میں غصے میں کچھ کر دوں فوراً میرے کمرے سے دفع ہو جاؤ۔" وہ پھر زور سے چیخا تھا۔

باہر کھڑی آسیہ سب سُن رہی تھیں ان سے مزید رہا نہیں گیا تھا اس لیے وہ اندر جانے لگی تھیں کہ عارفین راستے میں حائل ہو گیا آسیہ نے سوالیہ نظروں سے عارفین کو دیکھا تھا۔

"مت جائیں آپ زرمیل بہت غصے میں ہے اسے ژالے پر غصہ ہے اور اچھی بات ہے کہ وہ اپنا سارا غصہ نکال دے دل کی جتنی بھی بھڑاس ہے وہ نکل جائے یہی ٹھیک ہے۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے عارفین! اگر ژالے ناراض ہو جائے گی پھر نہیں آئے گی وہ یہاں زرمیل کو سمجھنا ہو گا۔" انہیں ژالے کی فکر ہو گئی تھی۔

"نہیں بڑی مامی اس بار ژالے ناراض نہیں ہو گی' کیونکہ اس بار وہ غلطی پر ہے اس کو زرمیل کے جارحانہ غصے کا سامنا کرنا پڑے گا وہ سب سننا پڑے گا جو زرمیل کہے گا۔" عارفین نے آسیہ کو سمجھایا تھا جس سے حرا بھی راضی تھی۔

"زر......میل......آ......پ......پلیز......میری بات تو سن لیں میں......"

"کوئی بات نہیں سننی مجھے تمہاری جو کہنا سننا تھا وہ ہو گیا اب سب کچھ ختم ہو گیا ہمارے بیچ یہ نام نہاد رشتہ ہے یہ تو میں کبھی نہیں توڑوں گا مگر اب زندگی بھر تمہاری شکل بھی نہیں دیکھوں گا چلی جاؤ یہاں سے مجھے تمہاری شکل تمہارے وجود سے نفرت ہو رہی ہے اور اس سے پہلے کہ میں تمہیں دھکے دے کر یہاں سے نکال دوں تم خود چلی جاؤ یہاں سے۔" زرمیل بمشکل ہلا تو سینے میں جھٹکے کی وجہ سے بہت زور کا درد اٹھا تھا کہ دوبارہ اسے لیٹنا پڑا تھا۔

"ژالے چلی جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔" کس قدر نفرت تھی اس کے لب و لہجے میں وہ اندر سے ٹوٹتی چلی گئی تھی۔

یہ تو طے تھا کہ وہ اسے معاف نہیں کرے گا اس کی تکلیف اس کی ہی وجہ سے بڑھنے لگی تھی زرمیل کی سرمئی آنکھوں سے نکلتے ہوئے شعلوں نے اسے جھلسا کے رکھ دیا تھا وہ ریزہ ریزہ ہو گئی تھی منہ پر ہاتھ رکھے وہ اپنی سسکیوں کو دباتی تیزی سے کمرے میں بھاگی تھی۔

"ژالے......!" حرا نے دکھ سے اسے پکارا تھا۔

ژالے نے اوپر نظر اٹھا کے دیکھا ان نظروں میں جانے کیا تھا کہ حرا کو اپنی نظریں جھکانی پڑیں تھیں وہ پھر رکی نہیں تھی تیزی سے بغیر کسی کو دیکھے اوپر کی سمت بھاگتی چلی گئی تھی۔

"بس ہو گئی تم دونوں کی تسلی اگر میں اندر چلی جاتی تو اس وقت یہ نوعیت نہ ہوتی۔" آسیہ نے غصے سے عارفین اور حرا کو دیکھا تھا وہ دونوں اپنی جگہ شرمندہ ہو گئے تھے شاید آسیہ ٹھیک بول رہی تھیں انہیں ژالے کی حالت پر ترس آنے لگا تھا۔

"کتنی مشکل سے وہ مانی ہو گی یہاں آنے کو تیار ہوئی ہے ژالے نے بھی تو دو سال اتنی تکلیفیں اتنی اذیتیں برداشت کی ہیں وہ ہم بھلا کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں بہت افسوس کی بات ہے زرمیل کو اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا میں اب چپ نہیں رہوں گی۔" آسیہ نے حرا کو کڑے تھائی اور زرمیل کے کمرے کے اندر داخل ہوئی تھیں۔

"زرمیل......!" انہوں نے غصے میں پکارا تھا۔

"جی ممی!" زرمیل نے آسیہ کو غصے میں دیکھا تو سمجھ نہیں سکا وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ باہر کھڑی اس کی ساری باتیں سن چکی ہیں۔

"زرمیل تم نے اچھا نہیں کیا اس طرح کرتے ہیں اپنی بیوی کے ساتھ سچ زرمیل تم نے مجھے بہت شرمندہ کیا ہے۔" زرمیل نے ایک سرد سانس کھینچی تھی۔

"ممی! مجھے معاف کر دیجیے گا مگر میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"کیوں......کیوں نہیں کرنا چاہتے۔ ہم کسی غیر کی نہیں ژالے کی تمہاری بیوی کے بارے میں بات کر رہے ہیں زرمیل۔"

"اونہہ بیوی......" کس قدر نفرت اور حقارت تھی اس کے انداز میں اس کے لب و لہجے میں کہ آسیہ دنگ رہ گئی تھیں زرمیل کی سوچ ژالے کے لیے اتنی کڑوی اور زہریلی ہو سکتی ہے ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا مگر یہ غلط تھا۔

"ہاں وہی بیوی جو پھر سے تخلیق کے عمل سے گزر رہی ہے۔" آسیہ نے اس پر گہرا طنز کیا تھا جیسے کسی اونچی جگہ سے پستیوں پر پٹخا ہو۔

ژالے ماں بننے والی ہے اس خبر پر خوش ہوں یا اپنی بے بسی پر سوگ مناؤں قدرت نے یہ تحفہ دیا بھی تو کب جب اسے اس شے کی آرزو تھی نہ تمنا حالات نے جو رخ بدلا تھا وہ ابھی تک اس میں ہی الجھا ہوا تھا پھر یہ نئی خبر۔

"زرمیل! ژالے دوسری بار ماں بننے والی ہے پہلی بار تو تم نہیں تھے اور دوسری بار ہو بھی تو اس بے چاری کے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو۔" آسیہ کی سختی نرمی میں نہیں بدلی تھی انہیں زرمیل کی حرکت بالکل بھی پسند نہیں آئی تھی۔

"بے چاری......" وہ استہزائیہ ہنسی ہنسا تھا۔

"ممی! آپ کی اس بے چاری کی بدولت آج آپ کا بیٹا یہاں بستر پر پٹیوں میں جکڑا پڑا ہے اماں بابا آپ کو کوئی احساس نہیں ہے۔" کتنے دکھ سے اس نے آسیہ کو دیکھا تھا اور یہی دکھ آسیہ کے ہزار ٹکڑے کر گیا تھا۔

"احساس ہے بیٹا! کیوں نہیں ہے مگر میری جان ژالے سے جو کچھ بھی ہوا وہ انجانے میں ہوا ہے اس نے اس وقت جو سمجھا وہ کیا ہم اسے ژالے کی نادانی بھی گردان سکتے ہیں۔"

"سوری ممی! آپ کو جو ماننا ہے سمجھنا ہے آپ کریں مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں مگر اب میرے دل میں

میرے بیڈروم میں آپ کی بہو کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔" بدگمانی اور بے حسی کی زرمیل آخری سرحدوں پر تھا کہ آسیہ اس کی بے حسی اور بدگمانی شاکڈ ہو کر دیکھتی رہ گئیں تھیں۔

"اتنے بدگمان ہو تم ژالے سے؟"

"پلیز ممی! میرے سینے میں بہت شدید تکلیف ہو رہی ہے میں سونا چاہتا ہوں۔" وہ اس ٹاپک پر کوئی بات ہی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

آسیہ نے بھی فی الحال زیادہ زور دینا بہتر نہیں سمجھا اور کسی اور وقت کے لیے سمجھانے کا سوچ کر واپس مڑ گئیں تھیں۔

"ممی!....." زرمیل نے ہولے سے پکارا تھا آسیہ واپس پلٹی تھیں ان کے دل میں ہلکی سی خوش فہمی نے گھر کر لیا تھا۔

"ہاں بولو زرمیل!"

"پلیز آپ ذرا یہ کارپٹ صاف کرا دیجیے آپ کی بے وقوف بہو سارا یہیں گرا کے چلی گئی ہے۔" زرمیل نے ان کی خوش فہمی پر پانی پھیر دیا تھا۔

"آل رائٹ بلکہ تم یوں کرو دوسرے بیڈروم میں کچھ دنوں کے لیے شفٹ ہو جاؤ میں تمہارے بیڈروم کا فرنیچر، کلر اسکیم، کرٹن، کارپٹ سب چینج کروا دوں گی میں عارفین سے کہہ دیتی ہوں وہ تمہیں اٹھانے میں مدد کر دیں گے۔" لب و لہجہ بالکل روکھا پھیکا سا تھا زرمیل نے نوٹ تو کیا مگر کچھ نہیں کہا صرف خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھا تھا وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں کا دل دکھا ہے مگر وہ مجبور تھا اپنے دل کے ہاتھوں وہ اس بار بالکل پتھر بن گیا تھا۔

"او کے جیسا آپ بہتر سمجھیں۔" بس اتنا کہہ کر وہ آنکھیں موند گیا تھا آسیہ نے دکھ بھری نظروں سے اپنے جگر گوشے کو دیکھا تھا اور پھر وہ رکی نہیں باہر نکل گئی تھیں۔

سرمئی کانچ پر وہ روتا پر مژدہ عکس ابھرا تھا زرمیل نے جھٹ سے آنکھیں وا کی تھیں۔

"نہیں ژالے میں تمہیں معاف نہیں کروں گا شاید کبھی نہیں۔"

خود سے بولتا ہوا وہ ایک بار پھر آنکھیں موند گیا تھا مگر اس چہرے سے پھر بھی پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا۔

ژالے منہ پر ہاتھ رکھے بلکتی سسکتی ہوئی اپنے بیڈروم میں جا بند ہوئی تھی۔

نجمہ جو کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کرنے جا رہی تھیں ژالے کو اس طرح روتے بلکتے بھاگتے ہوئے دیکھا تو اپنا سارا کام چھوڑے اپنے دل پر ہاتھ رکھے اس کے روم میں آئی تھیں۔

ژالے اپنے بیڈ پر بیٹھی چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے بلک بلک کر ہچکیوں سے زار و قطار رو رہی تھی، نجمہ کا دل بیٹی کے اس طرح بلکنے پر پھٹ ہی تو پڑا تھا وہ تیزی سے اس کے پاس بیٹھی تھیں۔

"ژالے! میری بچی میری جان کیا ہوا کیوں اس طرح سے رو رہی ہو؟" انہوں نے ژالے کے دونوں ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹائے تھے۔

"ماما...........!"

ماں کی پرنور شفقت ان کی نرم و گرم آغوش پا کر وہ ان کے سینے سے لگی مزید بکھرتی چلی گئی تھی، اس کی ہچکیوں میں مزید روانی آ گئی تھی۔

"ژالے! کیوں اس طرح رو رہی ہو میری جان کیوں میری جان نکالو گی بتاؤ مجھے کیا ہوا ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے بتاؤ ژالے ورنہ میرا دل تمہارے غم پر پھٹ جائے گا۔"

نجمہ نے زبردستی اسے خود سے الگ کیا تھا اور اس کا بھیگا چہرہ اپنے دوپٹے سے خشک کیا تھا۔

اندر آتے ارشد کے قدم وہیں ٹھٹھک گئے تھے۔

"ماما! زرمیل نے مجھے اپنے بیڈروم سے بے عزت کر کے نکال دیا ہے۔" وہ ایک بار پھر بری طرح رو دی تھی، نجمہ نے کچھ نہیں کہا اپنے ڈوبتے دل کو سنبھالا اور خاموشی سے ژالے کو دیکھا تھا یہ تو ہونا ہی تھا زرمیل کا ردعمل ژالے کے عمل پر ہی تھا۔

"تو جان تم نے بھی تو زرمیل کے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا تھا نا۔" نجمہ نے نرمی سے ژالے کا چہرہ پھر اپنے دوپٹے سے خشک کیا تھا۔

ژالے خاموش رہی ایک لفظ بھی نہیں کہا یا شاید اس کے پاس بولنے کے لئے کوئی لفظ ہی نہیں تھا زرمیل کی حالت کی ذمہ دار وہی تو تھی آج جس تکلیف میں وہ بستر پر پڑا تھا موت کے منہ سے واپس آیا تھا صرف اور صرف اس کی وجہ وہی تو تھا۔

"اچھا ایک بات بتاؤ مجھے تم نے زرمیل کی بات نہ مان کر ارشد کی بات کیوں مانی، جبکہ تم اچھی طرح سے جانتی ہو کہ تم اور زرمیل ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے ہو اور اس پر تم ایک بار پھر زرمیل کے بچے کی ماں بننے والی ہو، اسلام آباد میں ایک ساتھ ہوٹل میں ایک ہی بیڈروم میں رکنا اور پھر یہاں بھی زرمیل کا تمہارے بیڈروم میں رات گزارنا، پھر بھی تم نے کہا کہ تم اس سے طلاق لینا چاہتی ہو۔ یہ سب کیا ہے ژالے مجھے سمجھاؤ کسے دھوکا دے رہی ہو تم؟"

ژالے اپنا رونا بھول کر بڑی حیرانگی بھری نظروں سے نجمہ کو دیکھ رہی تھی، وہ تو اس خوش فہمی یا غلط فہمی میں زندہ تھی کہ اس کی ماں سے سب چھپا ہے مگر وہ غلط تھی نجمہ سے کچھ چھپا نہیں تھا وہ تو اس کی رگ رگ سے واقف تھیں اس کے ہر رنگ کو جانتی اور پہچانتی تھیں۔

اور کچھ یہی حال پیچھے کھڑے ارشد کا بھی تھا وہ بھی حق دق ہی تو رہ گیا تھا، وہ اتنا بے وقوف تھا اتنا ظالم کہ اپنی اکلوتی بہن کی خوشی کو جانے بغیر اس پر زبردستی اپنا فیصلہ مسلط کر رہا تھا، کتنا بڑا نقصان کرنے چلا تھا وہ اور جلد بازی یا جذبات میں زرمیل خدانخواستہ اتنا بڑا قدم اٹھا جاتا اس کے زبردستی کہنے میں آ کے تو کیا بعد میں اس کی بھرپائی ہوتی اس کی بہن زندہ رہتی نہیں...... ارشد کا رواں رواں کانپ اٹھا تھا اپنی ہی سوچ پر نجمہ نے اس کی حیرت بھری سبز آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"تمہارے رویے انداز و اطوار میں بدلاؤ میں نے اسی دن نوٹ کر لیا تھا جب تم اسلام آباد سے واپس آئی تھیں، میں جانتی تھی کہ تم نے زرمیل کو معاف کر دیا ہے اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہو سب کچھ بھلا کے اور یہ بھی جانتی ہوں کہ زرمیل تم سے حد درجہ محبت کرتا ہے بے انتہا چاہتا ہے۔ مگر آج وہ جس حالت میں ہے جتنی اذیت و تکلیف میں ہے اس کی ذمہ دار اس کی وجہ بھی تم ہو؟ کیوں ژالے...... کیوں کیا بیٹا تم نے زرمیل کے ساتھ ایسا؟ تمہیں کچھ علم ہے آسیہ بھابھی پر اپنے اکلوتے لخت جگر کو ایسی حالت میں دیکھ کر کیا گزر رہی ہوگی، ان کا دل کتنے ٹکڑوں میں خون کے آنسو رو رہا ہوگا۔ ژالے یہ تو آسیہ بھابھی کی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت ہے کہ انہوں نے تمہیں کچھ کہنا تو درکنار ترچھی نظروں سے دیکھا بھی نہیں، ورنہ جس ماں کا بیٹا ایسا کسی کے سہارے کا محتاج ہو جائے کیا وہ ماں اس کو چھوڑ دے گی جو اس کا ذمہ دار ہے۔"

آج نجمہ کو اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا تھا مگر ان کے لب و لہجے میں کہیں کوئی سختی کڑواہٹ غصہ نہیں تھا۔ ان کے انداز میں نرماہٹ تھی سمجھانے کا طریقہ تھا جو ژالے بغیر کچھ بولے پلک جھپکے خاموشی سے سن رہی تھی' بلکہ اندر ہی اندر ایک پچھتاوا مارے دے رہا تھا' ایک روگ تھا جو اس کی نس نس کو گھلانے لگا تھا' ان دونوں کے پیچھے کھڑا ارشد وہ بھی تو شرمندہ تھا پچھتاوا تھا جو اسے گہری کھائی کے اندر ہی اندر پھینکتا جا رہا تھا۔

نجمہ نے ژالے کی خاموشی کو بغور دیکھا تھا۔

''کیا ہوا خاموش کیوں ہو گئی ہو تم اگر یہ سوچ رہی ہو کہ ابھی کچھ دیر پہلے زرمیل نے جو تمہارے ساتھ کیا وہ ظلم ہے تمہارے ساتھ زیادتی ہے ناانصافی ہے تو میری جان یہ اسی کا ردعمل ہے جو عمل تمہاری طرف سے ہوا ہے سب کے بیچ تم نے زرمیل کو ٹھکرا دیا' اس کی محبت کو گالی دی ہے' اس کی بے عزتی کی ہے تو میں وجہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم نے ایسا کیوں کیا' کیوں دھوکا دیا؟ کیوں بیچ منجدھار میں تنہا اکیلا چھوڑ دیا؟ کیوں ژالے؟''

نجمہ نے آہستگی سے پوچھتے ہوئے ان کے رخسار پر ہاتھ رکھا تھا' ژالے نے ان کا ہاتھ تھام لیا تھا' وہ آنسو ان سبز آنکھوں سے ٹوٹ کر رخسار پر بکھرتے چلے گئے تھے۔

''ماما! میں ارشد بھائی کا مان نہیں توڑنا چاہتی تھی' میں ارشد بھائی کو بہت چاہتی ہوں انہوں نے مجھے جب سنبھالا جب میں خود کو مارنے لگی تھی' جب میں خود سے ناامید ہو گئی تھی زندگی سے بے زار ہو گئی تھی' جینے کی امنگ ختم ہو گئی تھی خود کو ختم کرنے کی دھن میں اتنی آگے نکل گئی تھی کہ اپنے آنے والے بچے کا بھی نہیں سوچ رہی تھی' کوئی رشتہ یاد نہیں رہا تھا اپنے چاہنے والا کا ان کی پرخلوص محبت کو فراموش کر دیا تھا مگر کس نے مجھے سنبھالا سہارا دیا؟ صرف میرے بھائی نے۔ ارشد بھائی نے...... تو ماما آپ ہی بتایئے میں ان کا کہا کیسے ٹال دیتی' کیسے ان کا ہاتھ چھڑا کے زرمیل کا ہاتھ پکڑ کے چل دیتی؟ کیسے ارشد بھائی کو ہارتا ہوا دیکھ سکتی تھی میری زندگی چاہے آگے کچھ بھی رہے' مگر ارشد بھائی کو زرمیل کے آگے جھکا ہوا نہیں دیکھ سکتی' میں جانتی ہوں میں زرمیل سے اور زرمیل مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں مگر یہ محبت ارشد بھائی کی محبت کے آگے بہت چھوٹی پڑ گئی تھی ماما...... بہت چھوٹی۔''

ژالے کی آنکھوں سے بدستور موتی بہہ رہے تھے' وہ آج لگ رہا تھا اپنا سب کچھ ہار گئی ہے اپنی محبت چاہت سب کچھ گنوا کے بیٹھی ہے۔ وہ ایک زندہ لاش بن کر اپنی زندگی گزارنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

اور نجمہ وہ تو حیران تھیں کہ شاید حیران لفظ بھی ان کے لیے چھوٹا لگ رہا تھا؟ ژالے اتنی گہری ہے ان کی چلبلی نٹ کھٹ سی چنچل سی بیٹی ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک دل کا سکون اندر سے اس قدر گہری ہے' جس کی زندگی خالی کورے کاغذ کی طرح ہے' جو یہ جانتی ہے کہ اس کی زندگی تباہ و برباد ہو رہی ہے' مگر ہر فکر سے آزاد صرف ایک محبت کے بارے میں سوچ رہی ہے' جو ارشد کو دکھ نہیں دینا چاہتی۔

ارشد کی آنکھیں نمی سے بھرنے لگی تھیں' ژالے کی سوچ اس کی باتوں نے اس کا دل پھاڑ دیا تھا' کل جو بچی جسے اس نے اپنی گود میں کھلایا اپنے کندھے پر بٹھا کے گھمایا اس کی چھوٹی چھوٹی شرارتوں پر خوش ہوتا اس کی ہر خواہش و فرمائش پوری کرتا' آج وہ چھوٹی سی پیاری سی بہن اتنی بڑی ہو گئی تھی جو اپنے بھائی سے ہر دکھ سکھ ہر بات شیئر کرتی تھی' آج وہ اتنی بڑی بات اپنے دل میں چھپائے پھر رہی تھی اس تک سے شیئر نہیں کی اپنی زندگی برباد کرنے پر تلی تھی اپنی خوشیاں سب تباہ کر رہی تھی تو صرف اس کی وجہ سے۔ کتنا گر گیا تھا وہ اپنی ہی نظروں میں کہ خود سے نگاہ ملانے کی بھی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

ژالے نے روتی ہوئی سبز آنکھوں کو اوپر دوسری سمت اٹھایا تو آنکھیں جیسے پتھرا کے رہ گئی ہوں' ہونٹ ہل

گئے ہوں انجانے میں وہ زرمیل سے محبت کا انکشاف

''ارشد بھائی......!'' ژالے کے بنا آواز میں ا

ارشد نے ایک خاموش نظر نجمہ پر پھر ژالے پر

ذمہ داری اور شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا

''آج لگ رہا ہے کہ میری چھوٹی سی پیاری سی

وجود نظر ہی نہیں آ رہا ہے۔ میں بہت چھوٹا ہوں میر

جو صرف اپنا مفاد حاصل کرنے کے لیے اپنی بہن

آنکھوں کی قوس و قزح فراموش کر گیا۔ میں اس قدر

ہے اپنی غرض کی خاطر اپنی بہن کی خوشیاں برباد کر۔

''نہیں ارشد بھائی! آپ اس طرح نہیں بولیں

سے گی ہچکیوں سے رو دی تھی۔

''میں آپ کو کوئی دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔''

''اور اپنے لیے زندگی بھر کا جو درد لے رہی تھیں

ہوا کہ میری جذباتی طبیعت میرا غصہ کسی اور کے۔

ژالے کے بال سہلاتے ہوئے نجمہ کو دیکھا جو ان

نظروں کا رخ ہی بدل لیا تھا کہ وہ اس سے ناراض

ارشد نے ایک گہری سانس لی تھی ابھی وقت کی

تھا۔

''جو کچھ غلطی مجھ سے ہوئی اس کا مداوہ تو شاید ممکن

نہیں آئی۔ جو کچھ گزر گیا اسے واپس تو نہیں پلٹ

سدھارا جا سکتا ہے اور میں اپنی معصوم پیاری سی بہن

آنکھوں میں آنسو نہیں خوشی امنگوں کے رنگوں کے

اور ان کے بالوں پر شفقت سے بوسہ لیا تھا۔ نجمہ

ہو گئی تھیں اور پھر بغیر کچھ کہے وہیں سے اٹھتی چلی گئی

انہیں تو یہ سمجھ آ گیا تھا کہ ارشد اپنی جذباتی غلطیوں کا ازالہ ضرور کرے گا۔ ژالے کو اس کی ...

بارے میں نہیں سوچ رہا تھا' ثمرن کو نہیں سوچ رہا

سمجھانے سے بہتر ہے خود اسے آنے والی زندگی۔

ارشد نے ایک دکھ بھری نظر جاتی ہوئی نجمہ پر

ثمرن کے اس کے گھر سے چلے جانے سے وہ اس

نے اپنی جذباتیت میں بہت سوں کے دل دکھا

ٹھیک کر دے گا۔

...تو کر رہی تھی جو یقیناً ارشد نے سن لیا ہوگا۔

کا نام پکارنے پر نجمہ نے پلٹ کر پیچھے دیکھا تھا۔

اور آرام سے چلتا ہوا اس کے پاس آ رکا تھا اور نہایت

...بہت اونچائی پر کھڑی ہے اور میں اتنی پستی میں کہ اپنا

...میری سوچ تمہاری سوچ کے آگے نہایت ہی گھٹیا ہے

خوشی نہیں دیکھ سکا۔ اس کے چہرے کے رنگ اس کی

...ہو گیا کہ یہ بھی نہیں جان سکا کہ میری بہن کیا چاہتی

...لا تھا۔''

...نے کچھ نہیں کیا۔'' وہ سسکتی ہوئی اٹھی اور ارشد کے سینے

...خود کے لیے لے رہی تھیں اس کا کیا آج مجھے اندازہ

...نہیں خود میرے لیے بھی کتنا نقصان دہ ہے۔'' ارشد...

...بھائیوں کو ہی دیکھ رہی تھیں مگر ارشد کے دیکھنے پر

...کے ہاتھ میں تھی جسے اسے تھام کر اب صحیح فیصلہ کرنا

...بھی اللہ کا شکر ہے کہ کوئی پچھتاوہ کوئی محرومی ہاتھ

...کو سدھار سکیں مگر اپنے آنے والے وقت کو ضرور

ضرور دوں گا جس کی وہ حقدار ہے مجھے اپنی گڑیا کی

...لے دیکھنے ہیں۔'' ارشد نے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تھا

...بھری سی نگاہ ان پر ڈالی تھی اور وہاں سے کھڑی

...پشیمان ہے افسوس کر رہا ہے مگر یہ بھی کہ وہ اپنی

...زندگی ضرور دے گا مگر شاید وہ ابھی بھی اپنی زندگی کے

...ایدا اس کے لیے اسے وقت چاہیے...... اچھا ہے کسی کے

...رے میں...... جتنا زیادہ بہتر ہوگا۔

...تھی وہ جانتا تھا کہ اس کی ... سے سخت ناراض تھیں

...بات نہیں کر رہی تھیں اور وہ اپنی جگہ بالکل ... تھا اس

...تھے نقصان کیا تھا مگر وہ کوشش کرے گا پہلے کی طرح سب

☆..........☆

''یار! یہ کیا بات ہوئی اتنے دن تمہارے بغیر میں کیسے رہ سکوں گا۔'' حنین آفریدی سیڑھیوں سے اترتا ہوا آ رہا تھا اس کی تک سک سی تیاری سے لگ رہا تھا کہ وہ کہیں جا رہا تھا مگر چہرے کی بے زاری سے لگ رہا تھا کہ پروگرام کینسل ہو گیا ہے۔

کان سے فون لگائے وہ فون کے اس پار کس سے محو گفتگو تھا وہ اچھی طرح جانتی تھی اس کے چہرے کی بے زاریت کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھ رہی تھی اور اب تو اس کی موجودگی پر اس کا پورا وجود سماعت بن جایا کرتا تھا۔

''ابھی پندرہ دن کی تو بات ہے۔'' سمعیہ زیدی نے چاہت سے کہا تھا۔

''پندرہ دن......'' حنین آفریدی نے سمعیہ زیدی کا لفظ دہرایا تھا جو اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا مگر شاید حنین آفریدی کے لیے زندگی اور موت کے برابر تھا۔

''سمعیہ زیدی تمہارے لیے تو پندرہ دن کوئی معنی نہیں رکھتے ہیں۔''

''رکھتے ہیں جی! مگر کیا کروں کینیڈا سے پھوپھو اگر مجھے یہاں خود لینے پاکستان نہ آتیں تو میں ان کے بیٹے کی شادی میں کبھی شرکت نہیں کرتی مگر ان کی محبت کے آگے مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے۔''

''پھوپھو کی محبت نظر آ رہی ہے اور میں...... میری محبت اس کا کیا تمہیں کچھ احساس ہے۔'' حنین آفریدی کے لب و لہجے میں غصے کی معمولی سی چنگاری جھلکنے لگی تھی۔

''آف کورس ڈارلنگ، یہ احساس، تمہاری محبت تو میرے لیے بہت معنی رکھتی ہے مگر ڈیر میری مجبوری بھی تو سمجھو میں اپنے رشتوں سے بھی تو منہ نہیں موڑ سکتی جو مجھ سے محبت کرتے ہیں چاہتے ہیں اور پھر پاپا کی بھی تو دلی خواہش ہے کہ میں یہ شادی اٹینڈ کروں۔''

''تو تم نے فیصلہ کر لیا ہے تم جا رہی ہو مجھے چھوڑ کر۔''

''او نو کفنفیوز ڈے بنی!''

''سوچ لو اگر ان پندرہ دن میں مجھے کسی اور سے محبت ہو گئی تو پچھتاؤ گی۔''

''تم ایسا نہیں کر سکتے میری محبت اور بے پناہ حسن کا اتنا گہرا اثر ہے تم پر کہ تم کسی اور چہرے کی طرف نظر بھر کے دیکھ بھی نہیں سکتے۔'' سمعیہ زیدی نے نہایت فخر سے کہا تھا اس کے لہجے میں اعتماد بول رہا تھا جو حنین آفریدی کو مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا۔

''اتنا کانفیڈنس۔''

''خود سے بھی زیادہ۔''

''آل رائٹ تو پھر تم اپنے پندرہ دن انجوائے کرو تم بھی کیا یاد کرو گی کہ کس سخی سے واسطہ پڑا ہے۔''

''تھینکس۔'' سمعیہ زیدی نے شکر کا سانس لیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی حنین آفریدی کی ناراضی بہت مشکل سے بہت مشکل سے مانتا تھا وہ۔

''اوکے...... آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔''

''ٹیک کیئر۔'' حنین آفریدی نے کہا۔

''اور کچھ نہیں کہو گے۔'' سمعیہ زیدی کی فرمائش پر وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

''وہ تو تمہیں کہنا چاہیے۔'' حنین آفریدی اس کی نرالی خواہش اچھی طرح جانتا تھا۔

''اوکے تو پھر آئی لو یو۔'' بغیر کسی جھجک اور حیا۔۔۔ اس نے جھٹ کہہ بھی دیا تھا۔

''آئی لو یو ٹو۔'' حنین آفریدی نے بھی مسکرا کے اس کا جواب دیا تھا اور پھر فون آف کر کے وہاں صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ یہ سب وہاں بیٹھی لاروش اغوالان دیکھ رہی تھی اور اب تو ویسے بھی حنین آفریدی کی موجودگی پر اس کا پورا وجود ہی سماعت آنکھیں بن جایا کرتا تھا مگر اس وقت اس کے دل پر کتنے آرے چلے تھے کہ دل کتنے ہی ٹکڑوں میں ہو کر بکھرا تھا یہ صرف وہی جانتی تھی حنین آفریدی کی بے اعتنائی اس کا اگنور کرنا جانے کیوں اس سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔

نکاح کے جس بندھن میں وہ حنین آفریدی کے ساتھ بندھ گئی تھی یہ انہی تین لفظوں کی طاقت تھی کہ وہ حنین آفریدی کو سوچنے لگی تھی، اسے چاہنے لگی تھی دل ہی دل میں اسے سوچنے لگی تھی اس کی پرستش کرنے لگی تھی محبت کرنے لگی تھی وہ حنین آفریدی سے۔ جس کا اسے پورا پورا حق تھا کیونکہ وہ اس کی بیوی تھی اس کی شریک حیات اور حنین آفریدی اس کا شوہر اس کا مجازی خدا تھا تو پھر بھلا ایک مشرقی بیوی اپنے شوہر کا کسی اور لڑکی کے ساتھ افیئر کیسے برداشت کر سکتی تھی مگر لاروش اغوالان کو برداشت کرنا تھا کیونکہ اس کے شوہر نے اس سے کوئی عہد و پیماں نہیں باندھے تھے کوئی وعدے نہیں کیے تھے اس کے پلو سے کوئی میٹھے لفظوں کی ڈور نہیں باندھی تھی بات وعدے عہد و پیماں تو دور کی بات وہ تو اس پر ایک سرسری نظر بھی نہیں ڈالتا تھا۔

حنین آفریدی تو سمعیہ زیدی کے حسن کا اسیر تھا اس کی باتوں کا گرویدہ تھا اس کو سوچتا تھا اسی کو چاہتا تھا حنین آفریدی کے دل و دماغ پر سمعیہ زیدی کا ہی تو راج تھا تو پھر لاروش اغوالان کی جگہ کہاں نکلتی تھی۔

حنین آفریدی جو ابھی تک سمعیہ زیدی کی ہنسی اس کی باتوں میں کھویا ہوا تھا کہ نظر اب لاروش اغوالان پر پڑی تھی جو بنا پلکیں جھپکائے یک ٹک اسے ہی دیکھ رہی تھی حنین آفریدی نے آگے بڑھ کر اس کی سوچتی آنکھوں کے آگے چٹکی بجائی تھی۔

''محترمہ یہ آپ کہاں کھوئی ہوئی ہیں؟''

لاروش اغوالان بری طرح چونک کر رہ گئی تھی بلکہ شرمندہ سی ہو کر نظر چرا گئی تھی جس کا حنین آفریدی نے کوئی نوٹس نہیں لیا تھا بلکہ اس کی نظر اس ٹیبل پر پڑی جہاں سے خوشبو اٹھ رہی تھی ٹیبل پر ٹرے میں زنگر برگر، فرنچ فرائس، کیچپ مایونیز کے ساتھ کولڈ ڈرنک رکھی ہوئی تھی وہ ویسے بھی کھانے پینے کا حد درجہ شوقین تھا اور اس وقت تو بھوک بھی زبردست لگی ہوئی تھی۔ آج رات کا ڈنر کا پروگرام سمعیہ زیدی کے ساتھ تھا جو کہ کینسل ہو گیا تھا۔

حنین آفریدی نے بغیر لاروش اغوالان کی فیلنگ جانے وہ ٹرے اپنے آگے کر لی تھی۔

''تم نے بنایا ہے یا ریڈی میڈ منگوایا ہے؟'' اس نے ٹرے میں سے ایک فرنچ فرائس اٹھا کے منہ میں رکھی اور زنگر برگر اٹھا کے کھانا بھی شروع کر دیا تھا کوئی دس منٹ میں وہ ہر چیز سے انصاف کر چکا تھا۔

''میں نے ہر ریسٹورنٹ میں بیف، زنگر اور بھی مختلف قسم کے برگرز کھائے ہیں مگر اس کا ذائقہ سب سے الگ ہے اور مزیدار بھی تم نے کہاں سے منگوایا ہے یہ؟'' حنین آفریدی اپنی انگلی چاٹنے لگا تھا لاروش اغوالان حیرت سے ٹرے دیکھنے لگی تھی۔

''تم نے بتایا نہیں کہاں سے منگوایا ہے؟'' حنین آفریدی نے اس کی حیرت کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی تھی۔

''جی...... یہ میں نے خود بنایا تھا۔'' لاروش اغوالان نے آہستگی سے کہا تھا۔

"یقیناً بنایا ہوگا۔" حسنین آفریدی نے پریقین لہجے میں کہا تھا۔

وہ تو پہلے بھی کوئٹہ میں اس کے ہاتھ کے کھانوں کا ذائقہ چکھ چکا تھا۔

"ایک کام کرو گی؟"

"جی کہیے۔"

"ایسا ہی ایک اور برگر بنا دو مجھے بہت بھوک لگی ہے اور ایک برگر سے تو ویسے بھی میرا گزارا نہیں ہوتا ہے۔" حسنین آفریدی نے بنا جھجک کے فرمائش کی تھی' لاروش اخولان نے خاموشی سے اس کی فرمائش سنی تھی۔ حسنین آفریدی نے بھی اس کی خاموشی کو نوٹ کیا تھا۔

"کیا ہوا میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟"

"جی..... نہیں تو۔"

"تو پھر جاؤ اور جلدی سے ایک اور برگر بنا کے لاؤ اور ساتھ کیچپ ضرور لانا' اس کے بغیر فرنچ فرائس کھانے کا مزہ نہیں آتا۔" حسنین آفریدی نے ریموٹ اٹھا لیا تھا۔

"میں بنا کے لاتی ہوں۔" وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی تھی۔

دل بھی کتنا خوش فہم ہو جاتا ہے ان چند لمحوں کی قربت میں وہ سمیعہ زیدی کو بھول ہی گئی تھی اور حسنین آفریدی کا خود سے مخاطب ہونا خوش فہمیوں کے نئے در وا کرتا چلا گیا تھا۔

☆.....☆

کچن سمیٹ کر وہ اپنے بیڈروم میں آئی تو عارفین کو بیڈ پر میگزین پڑھتے ہوئے پایا وہ تو سمجھی تھی کہ وہ بے خبر سو گیا ہوگا' اس لئے وہ جان کر اتنی لیٹ کمرے میں آئی تھی وہ فی الحال اس کا سامنا ہی نہیں کرنا چاہتی تھی' جانے انجانے میں اس نے عارفین کو بہت ہرٹ بھی تو کیا تھا۔ تکیہ سائیڈ لیتی ہی وہ سوئی کی۔ ہر وقت یہی کہتی کہ وہ سوئی کی امانت ہیں۔ حالانکہ دل کے کسی کونے میں اس کے بچھڑنے کا روگ بھی تھا مگر اس نے خود کو سمجھا لیا تھا اور اپنے دل پر پتھر رکھ لیا تھا۔ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے واپس لندن چلی جائے گی' عارفین زندگی بھر کے لئے اس کے دل میں زندہ رہے گا۔ ایک درد بن کر وہ اس کو پوجتی رہے گی' سوچتی رہے گی مگر اب جو ہوا اس کا دل قبول نہیں کر پا رہا تھا اس حقیقت کو وہ تسلیم نہیں کر پا رہی تھی کہ عارفین کوئی خواب نہیں ہے اس کا ہے' ایک زندہ حقیقت عمر بھر کے لیے اس کا ساتھ اس کا نام اس کے ساتھ جڑا رہے گا۔

مگر اسے تھوڑا وقت چاہیے عارفین کو ماننے کے لئے۔ وہ انہی گہری لامتناہی سوچوں میں گھری تھی کہ خبر ہی نہیں ہوئی کب عارفین چلتا ہوا اس کے نزدیک آ ٹھہرا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو جان عارفین؟" عارفین نے مقسوم کے چہرے پر آتی ایک کرلی لٹ کو ہلکے سے پھونک ماری تھی کہ وہ ہوش کی دنیا میں آ کر بغور اس کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنے لگی تھی' ان آنکھوں میں کیا کچھ نہیں تھا محبت تھی' اپنائیت' تحفظ تھا' مان تھا' چاہت کا امڈتا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔

ایک احساس

ایک جذبہ

ہمدردی تھی

ایک حقیقت تھی

ایک وعدہ تھا عہد تھا

کہ وہ زندگی بھر اس کے دل کے ایوانوں [illegible] راج کرے گی۔ اس کی ہر سانس پر حکمرانی کرے گی۔

مقسوم نادیر ان جذبے لٹاتی نگاہوں میں [illegible] دیکھ سکی تھی اور جھینپ کر نگاہ ہی جھکا لی تھی' بلکہ جھجک کر وہاں سے ہٹنے ہی لگی تھی کہ عارفین نے اس کی کلائی تھا [illegible] لی تھی' وہ واپس پلٹی تھی اور نظر اپنی نازک کلائی پر پڑی جو عارفین کی مضبوط ہتھیلی میں قید تھی' عارفین نے ایک جھٹکے سے اس کی نازک کلائی کھینچی تھی' وہ اس افتاد کے لیے قطعی طور پر تیار نہیں تھی اور کھنچی ہوئی اس کسرتی مضبوط [illegible] کا حصہ بنی تھی۔

"اور کتنا ستاؤ گی' کتنا میرے صبر کا اور [illegible] لو گی برداشت کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا ہے مگر تم تو صرف دور سے دیکھ رہی ہو؟ اتنا ظلم بھی اچھا نہیں ہوتا کچھ تو [illegible] کرو اپنے دیوانے پر۔" آنکھوں میں خمار لئے وہ اس کے کانوں میں سرگوشی کر رہا تھا۔ اس کے کرلی گھنے سیا [illegible] وں میں چہرہ چھپائے اظہار محبت کر رہا تھا۔ اپنے جنون کی ایک داستان سنا رہا تھا۔

یہ بھی نہیں دیکھ اور سوچ رہا تھا کہ مقابل [illegible] حالت کیسی ہے۔ اس کے برعکس مقسوم کی حالت غیر سے غیر تر ہوتی جا رہی تھی' وہ خود کو چھڑانے کی ہر درجہ [illegible] کر رہی تھی مگر عارفین کی بانہیں اس قدر مضبوط تھیں کہ اس کی ہر مزاحمت ناکام ہی ٹھہری تھی۔

"عا..... ر..... فین..... پلیز..... چھوڑ [illegible] مجھے..... ابھی نہیں عارفین..... ابھی نہیں....." اس قدر ٹھنڈ میں بھی وہ پوری پسینے میں شرابور ہوگئی تھی۔

"نہیں مقسوم! مجھ سے تمہاری اور دوری [illegible] برداشت نہیں ہوتی ہے۔"

مقسوم بڑی مشکل سے خود کو چھڑا پائی [illegible] عارفین نے مقسوم کی مرمریں کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنے سے نہایت قریب تر کر لیا تھا کہ جو انچ بھر کا بھی [illegible] وہ بھی سٹ چکا تھا۔

"عارفین.....!"

ان سیاہ نین کٹوروں سے گرم سیال بہنے لگے [illegible] وہ ابھی خود کو تیار نہیں کر پا رہی تھی سمجھا نہیں پا رہی تھی یا شاید اس کے ہو جانے کا یقین نہیں کر پا رہی تھی۔

عارفین اس کے موتی کی طرح بہتے آنسو [illegible] ر پگھل گیا اور نہایت احتیاط سے خود سے الگ کیا تھا' اس کا دل بری طرح دکھا تھا۔

"مقسوم.....!"

عارفین نے اس کے بھیگے چہرے کو اپنی [illegible] مضبوط ہتھیلیوں کے پیالے میں بھرا تھا۔

"تم ابھی بھی خوش نہیں ہو۔"

"وہ بات نہیں ہے مگر مجھے خوشیاں را [illegible] نہیں ہیں عارفین! بہت جلدی میری خوشیوں کو کسی کی نظر کھا جاتی ہے اور مجھے تو ابھی خود یہ بھی یقین نہیں ہو پار [illegible] آپ ایک حقیقت ہیں یا خواب؟ آپ میری زندگی کا حصہ بن چکے ہیں اس حقیقت کو یقین میں بدلنے کے [illegible] مجھے وقت چاہیے۔" بھیگی گھنیری باڑ گرائے وہ اشارے [illegible] اقرار محبت کر گئی تھی۔

اور اس کے اس طرح اظہار محبت پر عارفین کو شادی مرگ ہو گیا تھا۔

"تو میری جان' یقین کر لو کہ میں کوئی [illegible] خواب نہیں بلکہ ایک خوب صورت حقیقت ہوں' تمہاری ان خوبصورت

آنکھوں کا سپنا ہوں تمہارے دل و دماغ کا یقین ہوں۔" مقسوم کے چہرے پر آئی کرلی بالوں کی چند لٹوں کو اس نے پرشوق انداز میں چھیڑا تھا۔

"مگر عارفین! اگر یہ حقیقت ہے تو یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ میرے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے' میں کون ہوں؟ لندن سے یہاں کیوں آئی ہوں؟ میرا ماضی میرا گزرا ایک ایک پل کیسا ہے؟ آپ کو یہ سب جاننا چاہیے عارفین۔" مقسوم نے بے اختیار اس کی دونوں ہتھیلیوں کی پشت پر ہاتھ رکھا تھا جو ابھی بھی اس کے چہرے پر تھے۔

"بس اتنی سی پریشانی ہے۔" عارفین نے چاہت سے اس کی سیاہ آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"تو میری جان! تم کون ہو؟ تمہارا گزرا پل' تمہارا ماضی کیا تھا؟ مجھے ان سب سے کوئی سروکار نہیں ہے' میں بس اتنا جانتا ہوں کہ تم میرا آج ہو' تم میرے لئے بہت قیمتی ہو جو میرے دل کے ایوانوں پر حکومت کرتی ہے' جس کی میں پرستش کرتا ہوں جسے میں پاگلوں کی طرح چاہتا ہوں' دیوانوں کی طرح پیار کرتا ہوں اور بے انتہا محبت کرتا ہوں اور جن سے محبت کی جائے ان کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں کرتے۔" عارفین نے نہایت محبت سے اس کے رخسار پر بہتے آنسو صاف کیے تھے۔

"لیکن عارفین......!"

"شش......" عارفین نے اس کے پنک کپکپاتے لبوں پر اپنی انگشت شہادت رکھ دی تھی۔

"کچھ مت بولو بس ان لمحوں کو محسوس کرو' ان ساعتوں کو سنو کہ یہ کیا کہانی سنا رہے ہیں یہ کہہ رہے ہیں کہ تمہارا ساتھ میری زندگی کو بہت خوبصورت بنا گیا ہے مجھے مکمل کر دیا ہے تمہارے وجود نے۔" وہ پھر سے کہنے لگا آنکھوں میں خمار تھا لب و لہجے میں اس کو پانے کا نشہ تھا خوشی کی چہرے پر الوہی چمک لیے وہ اس پر جھکا تھا کہ مقسوم ایک جھٹکے سے اس سے پیچھے ہوئی تھی اور پیچھے کھڑی مضبوط دیوار سے لگی تھی۔

عارفین نے پرشوق نگاہوں سے اسے دیکھا تھا' ڈری سہمی وہ کوئی خوفزدہ چڑیا لگ رہی تھی' گھبرائی ہوئی ہرنی جسے شکاری اپنے جال میں جکڑ کے سفید گھوڑے پر اٹھا کے لے جائے گا مگر مقابل بھی عارفین تھا جسے اپنے نفس پر اپنے اعصاب پر بھرپور کنٹرول حاصل تھا۔ اس کا حصول تو پہلے بھی مشکل نہیں تھا اور اب بھی نہیں رہا مگر وہ مقسوم کے اعتماد پر اس کی انا پر ضرب لگا کر اسے پانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ان سیاہ آنکھوں میں ڈر و خوف' چہرے پر کچھ کھونے کا سایہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا' وہ ان آنکھوں میں اس کے لئے محبت و چاہت کے دیپ جلے دیکھنا چاہتا تھا۔ چہرے پر اسے پانے کی خوشیوں کی چمک دیکھنا چاہتا تھا' پراعتماد دیکھنا چاہتا تھا کمزور نہیں۔

عارفین آگے بڑھا اور دونوں ہاتھ اس کے دائیں بائیں ٹکا کر اس پر تھوڑا جھکے ان سیاہ خوفزدہ آنکھوں میں جھانکنے لگا تھا۔ جہاں اسے اپنا ہی مسکراتا ہوا عکس نظر آ رہا تھا۔

"اٹس او کے' جہاں اتنا صبر' اتنا برداشت کیا تمہاری فرقت و رفاقت کے لئے وہاں تھوڑا اور سہی مگر خدارا انتظار اتنا طویل مت رکھنا' ورنہ تمہارا یہ دیوانہ کہیں اپنی جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے۔"

"خدانہ کرے۔" بے ساختہ ہی مقسوم نے اس کے ہلتے لبوں پر ہاتھ رکھا تھا اس کے اس جملے پر اس کا دل سہم کر سکڑا تھا اور پھر خود ہی اپنی بے ساختگی پر بری طرح جھینپ کر رہ گئی تھی' ہاتھ ہٹا ہی رہی تھی کہ عارفین نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور آہستگی سے اپنے لبوں کے قریب کر کے اس پر اپنے دہکتے لب رکھ دیئے تھے۔

"گڈ نائٹ۔" اس کا گال تھپتھپا کے وہ وہاں سے ہٹتا چلا گیا تھا اور واپس بیڈ پر کمبل اوڑھے سونے کی تیاری

کرنے لگا تھا۔

مقسوم نے سہمی سہمی نظروں سے عارفین کو دیکھا تھا اور اپنی بے پناہ شور مچاتی دھڑکنوں پر قابو پایا تھا' رکی سانسوں کو بحال کیا تھا اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ کی دوسری سائیڈ پر آ کر بالکل کونے پر لیٹ گئی تھی' آنکھوں سے نیند تو کوسوں دور تھی' مگر جب بھی آنکھیں بند کرتی عارفین کا پرشوخ سا مسکراتا چہرہ جھلملانے لگتا تھا' تو پنک ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ رینگنے لگتی۔

☆......☆

ژالے اپنے بیڈ روم میں اداس و افسردہ بیٹھی تھی اجڑے بال بکھری حالت جو جانے کب سے ایسی ہی تھی ملگجے سے شکن آلود کپڑے تھے جو کوئی ایک ہفتے سے اس کے جسم کی زینت بنے ہوئے تھے' خود سے بے خبر بے گانہ وہ سامنے کھیلتے رضا کو کھلونے سے کھیلتا دیکھ رہی تھی' ارشد اس کے روم میں آیا تو اسے ایسی اجڑی بکھری حالت میں دیکھ کر اس کے دل کو زور سے دھکا لگا تھا۔ کس قدر خون خون ہوا تھا اس کا دل کہ اس کا خدا ہی جانتا تھا۔ اس کی چھوٹی سی پیاری اکلوتی بہن نے کتنے غم اٹھائے درد سہے تکلیفوں سے چور چور ہو گئی تھی سب کچھ اندر ہی اندر برداشت کرتی چلی گئی اوپر سے ارشد کی جذباتیت نے اس کا رہا سہا سکون بھی چھین لیا' اسے بہ باور کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی' جیسے وہ جاننے کا دعویٰ بڑے اعتماد سے کرتا تھا' اصل میں وہ اسے بالکل نہیں جانتا تھا' اس کے دل میں جھانک کر یہ نہیں دیکھ سکا کہ وہ صرف اور صرف زرمیل سے پیار کرتی تھی' اسے بے انتہا چاہتی تھی اور وہ اس کا سگا بھائی کتنے آرام سے اس کا گھر بگاڑنے چلا تھا یہ سوچے سمجھے بغیر کہ اگر خدانخواستہ زرمیل نے اسے جذبات کی رو میں بہہ کر طلاق دے بھی دی ہوتی تو شاید وہ اسی وقت مر جاتی' اس کی سانسیں رک جاتیں۔

ارشد اپنے کیے پر جتنا شرمندہ ہوتا' کم تھا وہ پچھتا رہا تھا' اپنی بہن ژالے اور بھائی جیسے دوست زرمیل کے ساتھ ایسا بدترین اور گھٹیا سلوک کر کے مگر ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا تھا وہ حالات کو سنبھال سکتا تھا' اپنی بہن کی زندگی' خوشیوں بھری رعنائیاں اسے دے گا وہ اس کا گھر آباد کرے گا' اپنی غلطی کا مداوا کرے گا۔

"ژالے۔" ارشد نے دھیرے سے آواز دی تھی مگر وہ وہاں ہوتی تو جواب دیتی ناں اس کا پورا وجود اس کا دھیان اس کی سوچ کے تانے بانے تو صرف اور صرف زرمیل کے اردگرد ہی گردش کر رہے تھے' ارشد چلتا ہوا آیا اور اس کے پاس آ ٹھہرا تھا۔

"ژالے بیٹا!" اس نے ژالے کے سر پر دست شفقت کا ہاتھ رکھا تھا۔

ڈرائنگ روم میں آسیہ اور فہیم احمد صوفے پر براجمان شام کی چائے پی رہے تھے۔ دونوں کی نظر ان پر پڑی تھی بلکہ آسیہ تو اپنا چائے کا کپ رکھ کے کھڑی ہو کر جانے بھی لگی تھیں مگر فہیم احمد نے اشارے سے انہیں روک دیا تھا۔

زرمیل پھر نہ نکال دے اپنے کمرے سے ژالے کو اور پھر ارشد بھی ساتھ ہے معاملہ مزید نہ بگڑ جائے۔ ان کے دل کا ڈر چہرے پر بہت واضح تھا۔

"کچھ دیر رک جاؤ پھر دیکھتے ہیں۔" انہوں نے سنجیدہ انداز میں کہا اور چائے کا کپ ٹیبل پر رکھے TV آن کر کے بزنس نیوز سننے لگے تھے۔ آسیہ نے بے بسی سے فہیم احمد کو ایک نظر دیکھا اور واپس صوفے پر بیٹھ گئیں مگر ان کا دل و دماغ ان کی نظریں سب زرمیل کے بیڈ روم میں تھیں۔ زرمیل بیک کراؤن سے ٹیک لگائے میگزین

دیکھ رہا تھا۔

"زرمیل!" ارشد نے ہولے سے پکارا تھا۔

زرمیل نے میگزین سے نظریں ہٹا کر اوپر کی سمت نظریں اٹھائیں' سامنے ارشد کھڑا تھا جس کی گود میں رضا تھا اور برابر میں ژالے کھڑی تھی' جس کی نگاہیں نیچے کارپٹ پر گڑھی ہوئی تھیں' زرمیل نے ژالے کو بری طرح نظر انداز کیا اور ہاتھ ارشد کی گود میں رضا کی طرف بڑھایا تھا وہ قلقاریاں بھرتا ہوا ارشد کی گود سے اچھکتا زرمیل کی طرف آیا تھا' ارشد نے بغور زرمیل کو نوٹ کیا تھا نظر اٹھا کے بھی نہیں دیکھا تھا' ارشد نے بالکل برا نہیں منایا تھا۔

"زرمیل!" رضا کو پیار کرتے زرمیل نے ارشد کو دیکھا تھا۔

"ہاں ارشد بولو۔"

"زرمیل میں ژالے کو یہاں چھوڑنے آیا ہوں۔"

زرمیل نے ایک خاموش نگاہ ارشد پر ڈالی تھی اور پھر برابر میں کھڑی ژالے پر ایک عام سی نظر ڈالنے کے بعد رضا سے بات کرنے میں مصروف ہو گیا' جیسے اس سے زیادہ اہم کام اس کی زندگی کا کوئی ہے ہی نہیں اور یہ زرمیل کی خاموشی اور مصروفیت ارشد کو بہت محسوس ہوئی تھی بلکہ اپنی غلطی پر مزید پشیمانی بھی بہت ہوئی تھی مگر ارشد نے اپنی ساری ہمتیں مجتمع کر کے ایک بار پھر پکارا تھا۔

"زرمیل!" ارشد کے لہجے میں جانے ایسی کیا بات تھی کہ رضا سے بات کرتے زرمیل نے پھر اسے نظر اٹھا کے دیکھا تھا۔

"ہوں!" آہستہ سے پوچھا تھا۔

"زرمیل ابھی بھی مجھ سے ناراض ہو معاف نہیں کرو گے میری بے وقوفیوں کو؟"

ارشد اس کے پاس ہی بیٹھ گیا اور اس کا گھٹنوں میں جکڑا ہاتھ تھام گیا تھا۔

"نہیں یار! ایسی کوئی بات نہیں ہے' اپنے دل میں کوئی برا خیال مت لاؤ جو ہوا سو ہوا جو کچھ گزر گیا اس پر پچھتانا کیا۔ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی ناراضی نہیں ہے۔" زرمیل نے مسکرا کے اسے دیکھا تھا اس کے لب و لہجے کی نرماہٹ سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ارشد سے قطعی ناراض نہیں ہے۔

"اور ژالے یہاں رہ سکتی ہے؟" ارشد خود کو مجرم سمجھ رہا تھا۔ ابھی بھی ایک دکھ بھری نظر اس نے ژالے پر ڈال کر زرمیل کو دیکھا تھا۔

زرمیل نے ژالے پر ایک سرسری سی نظر ڈالی تھی اس ایک سرسری سی نظر میں ژالے کے اُجڑے ہوئے حلیے کا جائزہ لے لیا تھا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" وہ چاہتا تو منع کر دیتا جیسے اس دن اپنے بیڈ روم سے نکالا تھا آج اور ابھی بھی نکل جانے کو کہہ دیتا مگر ارشد جس آس اور امید سے پوچھ رہا تھا بلکہ اس کے انداز میں جو التجا تھی صرف اسی کی خاطر وہ منع نہیں کر سکا تھا۔

"تھینکس زرمیل!" ارشد نے ایک سکون کا سانس لیا تھا اس کے چہرے پر خوشی سے دکنے لگی تھی تھوڑی ہی سہی ژالے کو خوشی دینے میں کامیاب تو ہوا۔ اس نے مسکرا کر زرمیل اور پھر ژالے کو دیکھا تھا کہ اسی اثناء میں اس کا موبائل بجنے لگا تھا اس نے اپنی جیب سے موبائل نکالا کوئی انجان نمبر تھا اس نے او کے کر کے کان سے لگا لیا تھا۔

"واٹ.... کب کہاں؟" وہاں سے کچھ کہا گیا [illegible] ارشد تو گنگ رہ گیا تھا وہ کھڑا ہوا تھا۔

"مگر یہ سب ہوا کیسے؟" اس کے چہرے پر دکھ [illegible] افسوس کے سائے تھے۔

"کہاں ہے وہ اس وقت آپ کون سے اسپتال [illegible] سے بات کر رہے ہیں؟" لب و لہجے میں پریشانی واضح تھی۔

"اوکے میں ابھی ہسپتال پہنچتا ہوں نہیں نہیں [illegible] زیادہ ٹائم نہیں لگے گا میں بس دس پندرہ منٹ میں پہنچتا ہوں۔" ارشد نے موبائل آف کر کے جیب میں [illegible] تھا اس کی پریشانی پر اور پھر ہسپتال کے نام پر زرمیل اور ژالے تو دیکھ ہی اسی کو رہے تھے۔

"ارشد سب خیریت تو ہے کس کا فون تھا کون [illegible] ہسپتال میں؟"

"ہسپتال سے فون تھا وہاں کے ڈاکٹر کا میرے [illegible] فرینڈ حسن کا بری طرح سے ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ کنڈیشن بہت سیریس ہے مجھے وہاں فوری پہنچنا ہے۔" ار[illegible] پریشانی کے عالم میں جانے لگا تھا کہ زرمیل نے پیچھے سے آواز دی تھی ارشد نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

"ڈرائیو کیئر فلی۔" ارشد صرف سر ہلا کے رہ گیا [illegible]

ارشد کے جاتے ہی کے بعد اس نے ایک نگاہ غلط [illegible] اس پر نہیں ڈالی تھی جیسے کوئی بہت بڑا گناہ سرزد ہو جائے گا اور پھر رضا کی معصوم معصوم شرارتوں اور قلقاریوں [illegible] سننے لگا تھا۔ ژالے کو زرمیل کے اس انداز پر اس برتاؤ پر [illegible] تو بہت پہنچی تھی مگر کیا کر سکتے ہیں یہ درد یہ تکلیف تو اس کا اپنا ہی لیا ہوا تھا برداشت کرنا پڑے گا یہ سب [illegible] وہ ایک نظر باپ بیٹے پر ڈال کر وہاں... صوفے پر جا کر بیٹھ گئی تھی مگر پھر بھی زرمیل نے کو[illegible] دی تھی۔

"چلو اتنا ہی بہت ہے۔" فی الحال اس نے اپنے بیڈ رو[illegible] جگہ دے دی۔"

☆...☆

اب یہی ہونے لگا تھا حنین آفریدی کو لاروش انغولا[illegible] کے ہاتھ کا ہر کھانا پسند آیا وہ ہر روز لاروش انغولان سے نئی نئی ڈشیں بنواتا کبھی برگر کبھی زنگر برگر پڑا جاے [illegible] کوئی سا بھی ہو فرنچ فرائس' اٹالین فوڈ' چائنیز فوڈ' شام کی چائے یا کافی اسنیکس' نوڈلز' میکرونی تو اسے [illegible] سے ہوتا تھا۔ کبھی کبھی تو لاروش انغولان چڑ بھی جاتی تھی [illegible] خوشگوار حیرت بھی ہوتی تھی خوش فہمیوں کے ایک نئے جہان نے اس کے دل میں گھر کرنا شروع کر دیا تھا وہ [illegible] شام کی چائے وغیرہ پی کر گھر سے باہر اپنے دوستوں کے ساتھ گپ شپ کرنے نکل جاتا بے شک وہ [illegible] دوستوں کے ساتھ ہوٹلنگ کرتا رات کے کتنے ہی بجے وہ گھر آتا لاروش انغولان کو اٹھا کے ضرور کچھ نہ [illegible] بنوا کے کھاتا تھا کیونکہ ٹی وی یا نیٹ دیکھنے کے ساتھ اسے کھانے کا حد درجہ شوق تھا اور لاروش انغولان [illegible] چور اس کے لیے لازمی بنا کے [illegible] تھی۔ بی بی جان بے خبر سو رہی ہوتی تھیں جب وہ اسے اٹھانے آتا تھا

لاروش انغولان بہت خوش رہنے لگی تھی۔ وہ [illegible] تھی اس کی تکلیفوں اور آزمائشوں کے دن بہت جلد اب ختم ہو جائیں گے مگر کبھی کبھی اسے بہت غصہ آتا تھا اور تکلیف بھی ہوتی تھی جب حنین آفریدی سمعیہ زیدی سے فون پر عشق اور محبت کی باتیں کرتا تھا۔ عہد و پیماں کی [illegible] کیا تا تھا اپنی چاہت اس پر لٹاتا تا بلند ارادوں کی باتیں کرتا۔

سمعیہ زیدی سے ایسی کھلی اور بے باک گفتگو کرتا کہ وہ شرم و حیا سے کٹ کے رہ جاتی تھی۔ اسے یہ بھی احساس نہیں ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ اس کے سامنے اس کی بیوی لاروش اغولان موجود ہے، اس کے دل پر کیا گزرے گی مگر حنین آفریدی نے تو پہلے دن ہی اسے یہ بات باور کرادی تھی کہ وہ اپنی زبان پر ہونٹوں پر قفل ڈال لے۔ کسی کو کچھ نہ بتائے۔ وہ بے چاری خاموش ہی رہی مگر اسے ایسا لگتا کہ ہواؤں کا رخ بدل رہا ہے۔

لاروش اغولان نہیں جانتی تھی کہ وہ بہت بڑی غلطی پر ہے۔ اس کی سوچوں کے دھارے الٹی سمت چلیں گے جو ابھی وہ دیکھ نہیں پا رہی تھی۔

اس وقت شام کے چھ بجے تھے۔ حنین آفریدی اوپر سے خوب نک سک سا تیار ہو کر خود کو پرفیوم کی بارش میں نہلاتا نیچے آرہا تھا۔ لاروش اغولان مغرب کی نماز پڑھ کر بی جان کے کمرے میں جا رہی تھی کہ تیز خوشبو کے جھونکے نے اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس نے نظر اٹھا کے دیکھا تھا۔

بلیک جینز پر ریڈ فیلنگ کی ٹی شرٹ اس کی گوری رنگت پر خوب کھل رہی تھی۔ وہ ڈیشنگ و ہینڈسم بہا خوب صورت سا حنین آفریدی اس کی قسمت تھا، کبھی حنین آفریدی نے اس کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ اس سے پیار کے دو بول نہیں بولے مگر وہ تو اس کو اپنے دل کا دیوتا مانتی تھی اس کی پرستش کرتی تھی۔ حنین آفریدی اس کی آتی جاتی سانسوں میں مہکتا تھا خوشبوؤں کی طرح وہ اس کے گرد حصار بن کے رہتا تھا۔ بے شک وہ حنین آفریدی سے پیار کرتی تھی۔ بے انتہا چاہتی تھی مگر وہ بھی اس نے اپنے کسی رویے سے اس پر ظاہر نہیں کیا تھا لیکن اس کا ایمان تھا یقین تھا کہ حنین آفریدی کو ہمارے رشتے کا ضرور احساس ہوگا اس کا شوہر اس کی جانب پلٹے گا۔ اللہ رب العزت نے نکاح کے دو بول میں اتنی کشش رکھی ہے کہ وہ اپنا ہونے کا احساس ضرور دلاتا ہے اور لاروش اغولان کو اسی دن کا انتظار تھا۔ سمعیہ زیدی جیسی کتنی ہی لڑکیاں صرف وقت کا زیاں ہیں، ایسی لڑکیوں سے پیار نہیں صرف فلرٹ کیا جا سکتا ہے۔

"یہ تم کہاں چلے اتنا بن سنور کے؟" لاروش اغولان اس قدر اس کو دیکھنے میں منہمک تھی کہ یہ بھی احساس نہیں ہوا کب وہاں زوباریہ آگئی ہیں۔

لاروش اغولان بری طرح چونکی تھی بلکہ اپنی نادانی پر شرمندہ بھی ہوئی۔ اب ایسی بھی کیا دیوانگی کہ اردگرد کا ہوش ہی نہیں رہے۔

"مم آج میرے فرینڈ ارسل کی برتھ ڈے ہے۔"

حنین آفریدی بغیر لاروش اغولان پر نظر ڈالے زوباریہ کے گلے کا ہار بنا تھا۔

"ضرور ہوگی اس لیے تمہاری تیاری کو دیکھ کر لگتا ہے کہ کمرے کا کیا حال کیا ہوگا۔" زوباریہ نے اس کی اتنی نک سک تیاری کا اوپر سے نیچے تک کا جائزہ لیا تھا۔

"وہ ایکچوئلی مجھے سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ کیا پہنوں تو......" وہ چہرہ نیچے کیے سر کھجانے لگا تھا۔ ہونٹوں پر بڑی شریر مسکراہٹ تھی۔

"ہنی! لاروش نے کوئی دو گھنٹے لگا کر تمہارا کمرہ سمیٹا تھا۔" زوباریہ نے حنین آفریدی کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا تھا۔ انداز سے ناراضی صاف ظاہر تھی۔

"تو لاروش دوبارہ کر لے گی۔" اس نے بھی ڈھٹائی سے کہا تھا۔

"نہایت ہی ڈھیٹ ہو تمہیں ذرا شرم نہیں آرہی نا یہ کہتے ہوئے۔" زوباریہ نے گھور کے دیکھا تھا۔ وہاں کھڑی

لاروش اغولان نے بھی اس کی ڈھٹائی کو خاموشی سے دیکھا تھا اور پھر زوباریہ کو جو مسلسل اسے ڈانٹ رہی تھیں مگر وہ بھی حنین آفریدی تھا۔ ڈھیٹوں کا سردار۔

"السلام علیکم گائز۔"

زوباریہ نے اور حنین آفریدی دونوں نے ایک ساتھ داخلی دروازے کی سمت دیکھا تھا۔ لاروش اغولان بھی پلٹی تھی اور اس نئے چہرے کو تکنے لگی تھی جس کی طرف حنین آفریدی تیزی سے بھاگا تھا۔

"سلجوق بھیو......"

حنین آفریدی اپنے بڑے بھائی کی سمت بھاگا تو سلجوق آفریدی نے اپنے دونوں ہاتھ اسے گلے لگانے کے لیے پھیلا دیے تھے جس میں وہ سما گیا تھا۔

"آنے کی خبر کیوں نہیں دی آپ نے؟"

"پھر تمہارے چہرے پر یہ خوشی کیسے دیکھ پاتا اس لیے برادر سرپرائز ہی رکھا تھا۔"

سلجوق آفریدی نے مسکراتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھا اور پھر دونوں ایک ساتھ زوباریہ کی سمت بڑھے تھے۔

"کیسی ہیں مما آپ؟"

"ٹھیک ہوں تم سناؤ کیسے ہو؟"

زوباریہ نے محبت سے اپنے بہادر فوجی بیٹے کا دیکھا تھا جس کے مضبوط چوڑے وجود پر فوجی وردی بہت جچ رہی تھی۔ جانے کیوں آنکھیں نمی سے بھرنے لگی تھیں شاید اتنے دن بعد دیکھ رہی تھیں۔

"میں بھی ٹھیک ہوں بس ذرا ہلکا سا فلو ہو گیا تھا جس کی وجہ سے فیور بھی ہو گیا تھا مگر اب بالکل ٹھیک ہوں اور مزید آپ لوگوں کو دیکھ کر ہو جاؤں گا۔" سلجوق آفریدی نے زوباریہ کے دونوں ہاتھ عقیدت سے تھامے تھے۔

"کب ہو گیا تھا بتایا کیوں نہیں۔ میری جان دوائی وغیرہ ڈاکٹر کو دکھایا؟" زوباریہ کے چہرے پر ممتا سے بھری فکر در آئی تھی۔

انہوں نے سلجوق آفریدی کے چہرے پر گلے پر ہاتھ رکھ کے ٹمپریچر چیک کیا تھا جو کہ بالکل ٹھیک تھا۔ سلجوق آفریدی ان کی فکر پر ہولے سے مسکرا دیا تھا اور نہایت نرمی سے ان کے ہاتھ تھام کر اس پر بوسہ لیا تھا۔

"آئی ایم آل رائٹ مما...... میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔"

حنین آفریدی بھی فکر سے اسے دیکھنے لگا تھا مگر جب مطمئن ہو گیا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے تو رگِ ظرافت پھر پھڑکنے لگی تھی۔

"سلجوق بھیو کہیں کسی کے روگ میں تو بیمار نہیں ہو گئے تھے۔"

"ہنی ہر دم کا مذاق مت کیا کرو۔" زوباریہ نے اس کو ڈانٹ دیا تھا جس پر سلجوق آفریدی ہولے سے ہنس دیا تھا۔

"مما مت ڈانٹیے اس کو، اس کا تو مزاج ہی کھلنڈرا سا۔" سلجوق آفریدی نے جاں نثار نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے بے سنورے بال بگاڑے تھے۔

"ٹھیک کہتے ہو ہنی کو کچھ بھی کہہ لو مگر اس پر کچھ اثر نہیں۔ اب دیکھو جانے کس کی برتھ ڈے میں جا رہے ہیں صاحبزادے۔" زوباریہ نے حنین آفریدی کو دیکھا تھا جن کا بچپنا ابھی تک نہیں گیا تھا۔

"مگر برتھ ڈے میں جانا اب کینسل۔ سلجوق بھیو کی آنے کی خوشی میں آج ما بدولت گھر میں ہی رہیں گے۔" نہایت فخر سے اس نے اپنے فرضی کالر جھاڑے تھے۔

"سوچ لو تمہاری گرل فرینڈ ناراض ہو جائیں گی۔" سلجوق آفریدی نے اسے ڈرانے والے انداز میں کہا تھا۔

"سلجوق بھیو میری گرل فرینڈز آپ سے بڑھ کر نہیں ہیں اس لیے جب تک آپ چھٹیوں پر ہیں میں گھر میں ہی ہوں۔"

"پھر تو اپنی ساری گرل فرینڈز کو گڈ بائے کر دو کیوں کہ اب میں مستقل یہیں ہوں۔"

"کیا مطلب.....؟" زوباریہ نے جلدی سے پوچھا تھا۔

"مطلب یہ مما کہ میری پوسٹنگ اب یہیں کراچی میں ہی ہو گئی ہے۔"

"رئیلی سلجوق بھیو۔" سب سے زیادہ خوشی حسنین آفریدی کو ہوئی تھی۔

"یس مائی نوٹی برادر۔" سلجوق آفریدی نے اپنا کیپ اس کے سر پر رکھا تھا اسی اثناء میں مسکراتے ہوئے اس کی نظر اب وہیں کھڑی لاروش اغولان پر پڑی تھی۔ سلجوق آفریدی نے خاموشی سے بغور لاروش اغولان کو دیکھا تھا۔

"اگر میں غلط نہیں ہوں تو یہ لاروش ہیں؟" سلجوق آفریدی کی نظروں میں پسندیدگی کے رنگ ابھرے تھے۔ زوباریہ نے سلجوق آفریدی کے دیکھنے پر لاروش اغولان کو دیکھا تھا اور پھر اپنی بے پروائی پر تھوڑا غصہ بھی آیا تھا۔

"ارے دیکھو ذرا تمہارے آنے کی خوشی میں، میں اپنی پیاری سی بیٹی کو بالکل ہی نظر انداز کر گئی۔" زوباریہ آگے بڑھیں اور لاروش اغولان کو خود سے لگایا۔

"سلجوق آپ نے بالکل ٹھیک پہچانا یہ لاروش ہے۔ میری بہت ہی پیاری سی بیٹی۔" سلجوق آفریدی کے دیکھنے پر لاروش اغولان نے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ خوش رہو مما جیسا آپ نے بتایا ہے یہ اس سے زیادہ انوسینٹ اور پیاری ہیں۔" سلجوق آفریدی نے مسکراتے ہوئے اس کا معصوم چہرہ دیکھا تھا۔

لاروش اغولان، سلجوق آفریدی کے دیکھنے پر اور پھر اس کی تعریف پر جھینپ کر رہ گئی تھی بلکہ جانے کیوں ایک چور سی نظر حسنین آفریدی پر بھی ڈالی تھی جس کی موجودگی میں ہی وہ خود محفوظ سمجھتی تھی۔

"اور آپ کی پیاری سی بیٹی آج ڈنر میں کیا کھلا رہی ہیں؟" حسنین آفریدی نے اپنے جانے کا ارادہ کینسل کر دیا تھا۔

"تمہیں تو بس کھانے کی ہی سوجتی ہے اور آج میری بیٹی کھانا نہیں بنائے گی آج کی ساری ڈشز خانساماں بنائے گا۔" زوباریہ نے قطعی طور پر انکار کر دیا تھا۔ آج لاروش اغولان کو کچن میں کام کرنے سے۔

"تو مم مجھ سے نہیں کھایا جائے گا۔" حسنین آفریدی نے برا سا منہ بنایا تھا جس پر سلجوق آفریدی مسکرا دیا تھا۔

"اینڈ بائے دا وے آپ تو شاید اس قدر بن سنور کر کہیں جا رہے تھے۔" سلجوق آفریدی نے اپنے پیارے چہیتے بھائی کو محبت سے دیکھا تھا۔

"جا تو رہا تھا مگر آپ کے آنے کی خوشی میں کینسل ہو گیا ہے۔"

"سوچ لو تمہاری گرل فرینڈز ناراض ہو جائیں گی۔"

(جاری ہے)

قمروش شہک

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 18

تیرے پیار کی خوشبو

پاس کھڑی ژالے بے آواز آنسوؤں سے رو رہی تھی۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ ہوا کیا ہے اس لیے وہ ژالے کے پاس آئی تھیں۔

"ژالے بیٹا! کیا بات ہے تم رو کیوں رہی ہو اور یہ زرمیل کیوں اس قدر غصہ کر رہے ہیں رضا کو کیا ہوا ہے، وہ کیوں رو رہا ہے؟" آسیہ نے ایک ساتھ ہی اتنے سوالات کرتے ہوئے نہ چپ ہونے والے رضا کو پہلے زرمیل کی گود سے لیا اور خود میں بھینچ لیا تھا۔

"ممی! اپنی بہو صاحبہ سے کہہ دیں اگر اس نے آج کے بعد رضا پہ ہاتھ اٹھایا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" نہایت کڑوے لہجے میں کہتے ہوئے اس نے ژالے کو تلخی سے گھورا تھا۔

اسی اثناء میں اس شور پکار کو سن کر وہاں حرا بھی اندر داخل ہوئی تھی۔ ژالے کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ رو بھی رہی تھی۔ زرمیل اسے نہایت غصے سے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ آسیہ روتے ہوئے رضا کو چپ کرا رہی تھیں۔ وہ سارا ماجرا سمجھ گئی تھی مگر اسے زرمیل کا یہ رویہ ژالے کے ساتھ بہت برا لگا تھا۔ وہ زرمیل کو ناراضی سے دیکھتی ہوئی ژالے کے پاس آئی تھی۔

''زرمیل بھائی! بہت غلط بات ہے آپ اس طرح ژالے سے بات مت کیا کریں۔'' وہ کہے بنا نہیں رہ سکی۔
زرمیل نے حرا کو دیکھا۔

''فی الحال تو میرا ایک کام کرو کہ اس کو میری نظروں کے سامنے سے لے جاؤ ورنہ میں غصے میں کچھ بھی کر جاؤں گا۔'' حرا کو بالکل اچھا نہیں لگا زرمیل کا یوں کہنا۔ اس لیے اس نے صرف خاموشی سے زرمیل کو دیکھا اور ژالے کا ہاتھ پکڑا تھا۔

''چلو ژالے یہاں سے۔''

حرا ژالے کو لمحے بھر میں ہی وہاں سے گھسیٹتی ہوئی اپنے بیڈروم میں لے آئی تھی۔ حرا کے بیڈروم میں آکر وہ اس کے گلے سے لگی ہچکیوں سے رو دی تھی۔ ایک وہی تو اس کی بیسٹ فرینڈ تھی جس سے وہ ہر بات دل کی ہر راز شیئر کرتی تھی، اس کا یوں زار و قطار رونا حرا سے برداشت نہیں ہوا اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''ژالے! اب بس کرو یار، دیکھو تو تم نے تو مجھے بھی رلا دیا ہے۔'' حرا نے ژالے کو خود سے الگ کیا اور اس کے آنسو صاف کیے اور ٹیبل پر رکھے جگ میں سے ایک گلاس پانی نکال کر اس کو پلایا۔

''کیا کروں میں حرا! اب زرمیل کا رویہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ آج ایک ماہ ہونے کو ہو گیا ہے اور ان کا ناروا سلوک پہلے دن سے آج تک روڈلی ہے۔ وہ اتنے سخت دل ہو جائیں گے مجھ سے وہ مجھ سے بات نہیں کرتے۔ ایک ہی کمرے میں رہ کر میری طرف دیکھنا تک گناہ سمجھتے ہیں۔ میرے ہاتھ سے پانی لینا اپنی توہین سمجھتے ہیں ایک بے جان سا شو پیس کے علاوہ کوئی معنی نہیں رکھتی میں ان کے لیے ان کی نظر میں میری کوئی وقعت کوئی حیثیت نہیں ہے، جیسے ان کے بیڈروم میں میری کہیں جگہ ہی نہیں ہے، میرا وجود ہی نہیں ہے بیڈ پر بھی وہ اس طرح رضا کو لے کر سوتے ہیں، جیسے کہہ رہے ہوں کہ میں ان کا بیڈ تک شیئر نہ کروں۔ حرا وہ ایسے تو نہیں تھے اتنے پتھر دل بے رحم، میں نے بھی تو اپنی انا خودداری سب ماردی ان کے خاطر، تو کیا وہ میری ذرا سی غلطی معاف نہیں کر سکتے۔''

حرا نے بغور ژالے کو سنا تھا اچھا تھا کہ وہ دل کی بھڑاس نکال رہی تھی اپنا دل ہلکا کر رہی تھی، حرا نے نہایت چاہ سے اس کا آنسوؤں میں بھیگا چہرہ اوپر اٹھایا تھا۔

''تو میری جان! زرمیل بھائی کے غصے کو بھی تو تم نے ہی ہوا دی ہے، تم جانتی ہو ناں۔ وہ تم سے کس قدر محبت کرتے ہیں پھر بھی تم نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔'' ژالے نے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھا تھا تو کیا وہ اس پر طنز کر رہی تھی حرا نے اس کی سوچ پڑھ لی تھی۔

''ژالے! تم یہ مت سمجھنا کہ میں تم پر کسی قسم کا کوئی طنز کر رہی ہوں یا تمہیں طعنہ مار رہی ہوں۔''

''تو کیا کرتی میں حرا! ارشد بھائی کا کیسے مان توڑ دیتی تم جانتی ہو ناکہ انہوں نے میرے لیے کیا کیا ہے مگر تم نہیں سمجھو گی اور نہ ہی زرمیل سمجھیں گے اگر ان کے دل میں میری کوئی وقعت و حیثیت نہیں ہے، کوئی محبت نہیں ہے تو میں نے بھی فیصلہ کر لیا کہ میں بھی اب نہیں رہوں گی ان کے ساتھ۔'' اس نے خود ہی بے دردی سے اپنے بہتے آنسو صاف کیے تھے۔

''تمہیں نہیں لگتا کہ تم ایک بار پھر غلطی کرنے جا رہی ہو۔''

''تو اور کیا کروں کوئی بھی تو مجھے نہیں سمجھ رہا، یہاں تک کہ تم بھی مجھے نہیں سمجھ رہی ہو۔'' اس نے ناراضی سے رخ ہی موڑ لیا تھا۔

''اچھا نا مجھ سے کیوں ناراض ہوتی ہو۔'' حرا نے ناراض ناراض سی ژالے کا ہاتھ تھام کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا مگر ژالے کی سبز آنکھوں سے نمی پھر بھی صاف نہیں ہوئی تھی۔ حرا کا دل دکھا تھا۔ اس نے شاید نادانستگی میں اس کا دل دکھا دیا تھا۔

''اچھا چلو چھوڑو تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں زرمیل بھائی سے کیا شکایت ہے۔ یہ کہ وہ تم سے بات نہیں کرتے تمہاری طرف نہیں دیکھتے یا یہ کہ وہ تمہارے ساتھ اپنا بیڈ شیئر نہیں کرتے۔'' وہ شرارت سے ژالے کو دیکھ رہی تھی۔ ژالے نے خاموشی سے حرا کو دیکھا تھا۔ تو اپنی بے ساختگی میں کہی گئی بات یاد آ گئی، اس نے حرا کے بازو پر زور سے چٹکی بھری تھی حرا صرف سی کر کے رہ گئی تھی۔

''زیادہ بدتمیزی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ژالے بری طرح جھینپ کر رہ گئی تھی، بلکہ سوچ کر ہی اس کے رخسار پر گلال سا بکھرنے لگا تھا۔ حرا کا بے ساختہ قہقہہ کمرے کی فضاؤں میں گونجا تھا۔

''اب سمجھ میں آیا کہ زرمیل بھائی تم پر ایک دم سے فریفتہ کیوں ہو گئے تھے۔ تمہارے حصول کے لیے اتنے کرائسس سے کیوں گزر گئے، اتنی تکلیفیں کیوں اٹھا لیں۔''

''کیا مطلب......!'' ژالے نے ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھا تھا۔

''ایک منٹ۔'' اس نے اپنے بیڈ سائیڈ دراز سے ایک شیشہ نکالا اور اس کے چہرے کے آگے کر دیا تھا۔

''اب اس آئینے میں اپنا خوب صورت گلابوں سے نکھرتا چہرہ دیکھو تو خود ہی سمجھ جاؤ گی۔'' ژالے نے حرا کو ایک نظر دیکھنے کے بعد آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تھا جو نہایت سرخ ہو رہا تھا۔ ژالے نے حرا کو پھر دیکھا جو مستقل مسکرا رہی تھی۔

''حرا کی بچی دفعہ ہو جاؤ یہاں سے میں جا رہی ہوں۔'' وہ اٹھنے لگی تو حرا نے اس کی کلائی تھام کر واپس اس کی جگہ پر کھینچ دیا تھا۔

''شرافت سے بیٹھی رہو اتنے دنوں بعد تو ہاتھ لگی ہو۔ ورنہ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ زندگی بھر زرمیل بھائی کے بیڈروم سے نہیں نکلنا۔'' حرا کی بات پر اس کا چہرہ پھر سے غمگین و اداس ہو گیا تھا۔ حرا نے اس کا بدلتا رنگ شدت سے محسوس کیا تھا۔

''ژالے!'' حرا نے آہستہ سے پکارا تھا۔

''ہوں۔'' ژالے نے جواب دیا۔

''ژالے! تمہیں بہت صبر اور برداشت سے کام لینا ہوگا۔ زرمیل بھائی کے رویہ کا ان کے غصے کا ہمت سے ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہوگا۔ تمہیں ان کی ساری کڑوی کسیلی باتوں کو سہنا ہوگا۔ بولو کرو گی نا، ژالے میں تمہیں بہت چاہتی ہوں اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ زرمیل بھائی بھی تمہیں بہت چاہتے ہیں وہ تمہارے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بس وہ تم سے تھوڑا ناراض ہیں تھوڑا غصے میں ہیں مگر یہ سب وقتی ہے کچھ دنوں کے لیے ہے مگر مجھے یہ کامل یقین ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ سب پہلے جیسے ہو جائے گا بس تھوڑا انتظار کرنا ہوگا تمہیں۔'' حرا نے نہایت نرمی سے اسے سمجھایا تھا وہ سمجھ گئی کہ ژالے پھر سے ہارنے لگی تھی مگر وہ اسے ہارتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔

''ژالے! مانو گی نا میری بات میں تمہیں ہارتا ہوا نہیں دیکھ سکتی ژالے۔'' حرا کے بہت سمجھانے پر ژالے کے اندر ہمت پیدا ہوئی تھی۔ وہ ہارے گی نہیں۔ جیت جائے گی زرمیل کی ساری بے رخیوں کو مسکرا کے سہہ گی۔

''ٹھیک ہے حرا! میں ہاروں گی نہیں، میں زرمیل کا انتظار کروں گی ہمت سے کام لوں گی۔'' ژالے کی

بات پر حرا ہولے سے مسکرا دی تھی اور آگے بڑھ کر اسے پیار کیا تھا۔

"اچھا اب ساری ٹینشن کو دور کرو اور مجھے سب سے اہم بات یہ بتاؤ کہ تمہیں رونا سب سے زیادہ کس بات پر آرہا ہے۔" حرا نے ماحول کی کثافت کو دور کرنے کے لیے پھر سے ژالے کو چھیڑا تھا۔ ژالے اس کی چھیڑ خانی اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔

"حرا کی بچی۔" ژالے نے بھی نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ اور اپنے پیچھے سے کشن اٹھا کر خوب اس کی تواضع کی تھی۔ پورے کمرے میں دونوں کی ہنسی گونجنے لگی تھی۔

☆......☆

آج رابعہ کے کسی جاننے والوں کے ہاں منگنی کی تقریب تھی۔ ان کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ اس لیے انہوں نے عارفین اور معصوم کو کہہ دیا کہ وہ جائیں گے۔ "معصوم بیٹا تیار ہوگئی ہو۔"

رابعہ کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ معصوم وارڈ روب کے پاس کھڑی کپڑے دیکھ رہی تھی، سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ کیا پہنے آج منگنی کی تقریب میں پہن کے جانے کے لیے۔

"امی! آپ کی بہو صاحبہ سے ابھی تک کپڑوں کا سلیکشن ہی نہیں ہو رہا تو سوچیے کہ تیار ہونے میں کتنا ٹائم لگائے گی۔" ڈریسنگ روم سے نکلتے عارفین نے کہا تھا۔ بلیک جینز پر دھانی ٹی شرٹ جس کی ہاف نیٹنگ کی سلیولیس فٹنگ کی قیمتی ٹی شرٹ میں اس کی باڈی بلڈر شخصیت مزید نمایاں لگ رہی تھی۔ اس کے کسرتی بازوؤں میں ایسا لگتا جیسے وہ ان مضبوط بازوؤں میں ہمیشہ محفوظ رہے گی۔ وہ اسے سرد و گرم ہواؤں سے بچا کے رکھے گا۔ ہلکی سی بھی آنچ نہیں آنے دے گا اس پر اتنا یقین ہو گیا تھا اسے عارفین پر۔ عارفین اس پل بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ مکمل مردانہ وجاہت حسن کا شاہکار۔ معصوم نے کن انکھیوں سے اس کا پورا جائزہ لے لیا تھا۔

"یار! تمہاری ہی پراپرٹی ہوں، یوں چھپ چھپ کر کیوں دیکھ رہی ہو۔ استحقاق سے دیکھو تمہیں تو پرمٹ حاصل ہے۔" شیشے سے اس نے معصوم کی چوری پکڑ لی تھی جس پر معصوم جھینپ کر نگاہ جھکا گئی تھی۔ اوپر سے عارفین کی آنکھ مار کر شرارت کرنا اسے مزید جلتی کر گیا تھا۔

رابعہ نے اسے وارڈ روب سے ہٹا کر خود اس کے لیے ایک سوٹ سلیکٹ کر لیا تھا۔

"یہ لو معصوم! اسے پکڑو اور جاؤ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"یہ......!" معصوم کی آنکھیں حیرت سے وہ پھیلا کر دیکھنے لگی تھیں جس میں استری شدہ ساڑھی ہینگ ہوئی تھی۔ بلیک کلر کی جارجٹ کی ساڑھی جس کے بارڈر پر چوڑی سی حسین ترین فینسی لیس لگی ہوئی تھی اور بیگی نیل اس کے بلاؤز کی آستین پر خوب بہار دکھا رہی تھی۔ جب کہ گلے پر نازک سی کڑھائی ہوئی تھی۔

"ہاں یہ...... کیوں اچھی نہیں ہے؟" رابعہ نے معصوم کو مسکرا کے دیکھا تھا۔

"نہیں امی! بہت خوب صورت ہے مگر امی میں نے کبھی بھی یہ ڈریس نہیں پہنا۔" کس قدر معصومیت تھی اس کے انداز میں کہ سامنے بیٹھا عارفین ہولے سے ہنس دیا تھا۔

"کوئی بات نہیں جان! میں ساڑھی باندھنا سکھا دوں گی تم ایک کام کرو پہلے میرے ساتھ ڈریسنگ روم میں چلو میں تمہیں تیار کر دیتی ہوں۔"

"مگر امی! مجھ پر ساڑھی اچھی نہیں لگے گی۔" وہ کسی طرح نہیں چاہ رہی تھی کہ وہ یہ ساڑھی باندھے اس

میں سراپا نمایاں ہوتا تھا۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ تم پر ساڑھی اچھی نہیں لگے گی تم تو اتنی پیاری اور خوب صورت ہو کہ تم جو بھی پہنو اچھا لگے گا۔ چلو اب مذمت کرو آؤ میں تمہیں تیار کرتی ہوں پھر تم خود آئینہ سے پوچھنا وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیسی لگ رہی ہو۔" رابعہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈریسنگ روم میں لے گئی تھیں۔

کوئی پندرہ منٹ میں رابعہ نے اسے ساڑھی باندھ دی تھی۔ ڈریسنگ روم کا دروازہ بھی کھول دیا تھا۔ معصوم ایک قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ ساڑھی کی ساری پلیٹیں کھل گئی تھیں۔

"اوہ شٹ!" اس نے تیزی سے ساڑھی سنبھالی تھی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ سامنے ہی بالکل عارفین بیٹھا تھا اور اس کا رخ یہیں تھا۔

"اوہو......" رابعہ نے بھی دیکھا تھا۔

"امی پلیز! مجھے رہنے دیں نا میں کوئی سوٹ پہن لیتی ہوں۔" عارفین کی موجودگی میں وہ گھبراہٹ اور شرم و حیا کے مارے سرخ ہوتی جا رہی تھی۔ پہلی دفعہ یہ ساڑھی باندھی جو کسی عذاب سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس عذاب سے جان چھڑانا چاہ رہی تھی۔

"نہیں تم رکو ہم شاید سیفٹی پن لگانا بھول گئے ہیں۔" انہوں نے معصوم کی ساڑھی کا پلو پکڑ کے زمین پر گرا دیا اور ساڑھی کی ساری پلیٹیں پھر سے پکڑ کے سیٹ کرنے لگی تھیں۔ اس کی حالت سے بے خبر وہ ساڑھی سیٹ کرنے میں مگن تھیں۔ اس کا دل بری طرح دھڑک کے جا رہا تھا۔ جیسے مضبوط پسلیوں کی دیوار توڑ کے ابھی باہر آجائے گا۔ کیوں کہ ان دو نگاہوں میں شوخیاں ہی شوخیاں سی ابھرنے لگی تھیں۔ بہت مشکل سے وہ دو سیاہ نگاہیں اور اٹھی تھیں۔

"میں آؤں۔" عارفین نے اپنے سینے پر ہاتھ کے اشارے سے وہاں معصوم کے پاس آنے کی اجازت مانگی تھی۔

"نہیں۔" معصوم نے بے ساختہ ہی گھبرا کے نفی میں ادھر ادھر گردن ہلائی تھی۔ گھنیری سیاہ پلکیں حد درجہ ہو گئی تھیں اس کی پلکوں اور دونوں لبوں کے لرزنے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ عارفین کی موجودگی سے بے انتہا گھبرا رہی ہے۔

"یہ لو اب نہیں کھلے گی ساڑھی؟" رابعہ نے اس کی ساڑھی کی پلیٹوں پر سیفٹی پن لگائی اور ساڑھی کے پلو پر خوب صورت سا بروچ لگا کر سیٹ کر دیا تھا۔

لائٹ سا میک اپ اور میچنگ جیولری میں اس کا حسن دو آتشہ ہو گیا تھا۔

"تمہارے بال ویسے تو بہت خوب صورت ہیں مگر یہ کرلی کی وجہ سے سمجھ نہیں آرہا کیا ہیئر اسٹائل بنایا جائے۔" رابعہ نے پرسوچ نظروں سے اس کے کمر تک لہراتے بال ہاتھ میں لیے۔

"ایک کام کرتے ہیں ان بالوں کو تھوڑا سا اسٹریٹ کر دیتے ہیں۔" رابعہ نے اسٹریٹنر مشین اٹھائی تا کہ اس کے کرلی بالوں کو اسٹریٹ کر دیں۔

"ارے امی نہیں مجھے اس پر اسٹریٹ بال بالکل اچھے نہیں لگیں گے آپ اس کو ایسے ہی سیٹ کر دیں۔" عارفین تیزی سے بولا تھا۔ مبادا وہ اسٹریٹنر مشین اس کے بالوں پر لگا ہی نہ دیں۔ رابعہ نے عارفین کو مسکرا کے دیکھا اور اسٹریٹنر واپس ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"چلو بھی یہ تو مسئلہ ہی حل ہو گیا۔ عارفین کو تمہارے گھنگریالے بال پسند ہیں۔ تو ایسا کرتے ہیں آگے سے آدھا باندھ کے باقی کھلے چھوڑ دیتے ہیں۔" رابعہ نے اس کے آدھے بال پکڑ کر اس میں کلپ لگا کر باقی کو کمر پر کھلا چھوڑ دیا۔

"ماشاء اللہ میری بہو تو بہت خوب صورت لگ رہی ہے۔" رابعہ نے مقسوم کو تیار ہوتا دیکھا اور اس کے ماتھے پہ آئی گھنگریالی لٹوں کو سمیٹ کر کے اس کی چمکتی روشن پیشانی پر پیار بھرا بوسہ لیا تھا اور کچھ آیا تیں پڑھ کر اس پر دم کر دیں۔

"اب میری بہو کو کسی کی بدنظر نہیں لگے گی۔" رابعہ نے پیار سے مقسوم کو دیکھا تھا۔ جس پر وہ حیا سے شرما کے رہ گئی تھی اس کے رخسار پر پڑتے ڈمپل مزید گہرے ہو گئے تھے جن میں عارفین کو اپنی جان قید ہوتی ہوئی لگی تھی۔

"امی! آپ کی اجازت ہو تو ہم نکلیں۔" عارفین گہری مسکراہٹ لیے کھڑا ہو گیا تھا مگر نظروں کے حصار میں مقسوم کو ہی رکھا ہوا تھا وہ لگ ہی اتنی حسین رہی تھی کہ نظر ہٹانے کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ اس کے رخسار سے چھلکتا گلال اس کو دیوانہ بنا گیا تھا۔ دل کی شدید خواہش ابھری تھی کہ وہ اسے کہیں دور لے جا کر دل کھول کر اپنی دیوانگی کا اظہار کرلے۔

"ہاں اب تم لوگ نکلو اور خیر سے جاؤ اور خیر سے واپس آؤ۔"

"امی آپ کھانا کھا لیجیے گا۔" مقسوم نے فکر مندانہ لہجے میں کہتے ہوئے رابعہ کو دیکھا۔

"ہاں آج میں کھانا بجیہ بھابھی اور سلیم بھائی کے ساتھ ہی کھاؤں گی۔"

"تو پھر تو ہماری فکر ختم ہو گئی۔" عارفین نے مسکراتے ہوئے رابعہ کو دیکھا اور ڈریسنگ ٹیبل سے اپنا والٹ نکالا تھا۔

"اللہ حافظ۔"

"فی امان اللہ۔" رابعہ بھی مسکراتی ہوئی ان کے ساتھ نیچے تک آئی تھیں۔

کاریڈور میں دو تین اچھی اور نئے ماڈل کی گاڑیوں کے ساتھ ایک بائیک بھی کھڑی تھی۔ عارفین اس بائیک کی سمت بڑھ گیا تھا۔

"ہم اس پر جائیں گے۔" مقسوم کی تو اس بائیک کو دیکھ کر ہی جان نکل گئی تھی۔

"جی ہم اس پر جائیں گے۔" عارفین نے بائیک اسٹینڈ سے نیچے اتاری اور آرام سے بیٹھ کر بائیک اسٹارٹ کی تھی۔

"نہیں عارفین! مجھے اس سواری پر بیٹھنے کا بالکل کوئی تجربہ نہیں ہے اور آپ میری حالت تو دیکھئے نہیں میں بائیک پر نہیں بیٹھوں گی۔ آپ پلیز ان گاڑیوں میں سے کسی ایک گاڑی پر چلیے۔" مقسوم گھبرا کے دو قدم پیچھے ہٹی تھی بلکہ اشارے سے ان نیو ماڈل کھڑی گاڑیوں کی طرف اشارہ کر کے اپنی رائے بھی دی تھی۔

"جی نہیں آج میرا موڈ بائیک چلانے کا ہے اور تم اس پر ہی بیٹھو گی۔" عارفین اس کی گھبراہٹ اور ہچکچاہٹ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ بلکہ اس کی حالت سے لطف اندوز بھی ہو رہا تھا۔

"تو ٹھیک ہے میں نہیں جا رہی۔" مقسوم اس کی شرارت اچھی طرح سمجھ گئی تھی اور واپس جانے کے لیے مڑی تھی کہ عارفین نے جھٹ اس کی کلائی تھامی اور کھینچ کر پیچھے بیٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"شرافت سے چپ کر کے بیٹھی رہو۔" اور جو نہی اس نے بائیک بھگائی اس کے دل کا سارا ڈر و خوف اس کے چہرے پہ آ گیا۔ اس نے خوف زدہ ہو کر زور سے عارفین کو کمر سے پکڑا تھا۔ عارفین اس کے ڈرنے پر زور سے ہنس دیا تھا۔

"ہائے اللہ! عارفین پلیز! مجھے آپ گھر چھوڑ دیں میں گر جاؤں گی۔" اس کی تو جان حلق میں آ گئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار بیٹھی تھی اور شاید آخری بار۔ جس طرح عارفین بائیک بھگا رہا تھا اس نے خود پہ کلمہ پڑھ لیا تھا۔

"ارے یار! ڈر و مت میں تمہیں گرنے نہیں دوں گا بلکہ میں تو اس بائیک کا شکریہ ادا کر رہا ہوں جس کی بدولت تم میرے اتنے قریب آئی ہو۔" وہ مسلسل اسے تنگ کر رہا تھا اور پھر مزید بائیک کی اسپیڈ بڑھا دیتا جس سے وہ اور زیادہ عارفین سے خوف زدہ ہو کر چپک جاتی۔

بالآخر اللہ اللہ کر کے یہ سفر ختم ہوا مطلوبہ ہال آ گیا تھا۔

"اف عارفین! مجھے تو چکر آ رہے ہیں۔" بائیک رکی تو وہ نیچے اتری اور اپنا سر تھام لیا تھا۔ سر بری طرح چکرا کے رہ گیا تھا۔ بروقت عارفین کا چوڑا شانہ نہ تھام لیتی تو زمین بوس ہو چکی ہوتی۔

"کہو تو تمہیں ان بازوؤں میں اٹھا لوں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" اس نے شرارت سے کہتے ہوئے اسے شوخی سے دیکھا تھا۔

"کیا تنگ۔" وہ گھور کے رہ گئی اور اپنا ہاتھ بھی اس کے شانے سے ہٹا لیا کیوں کہ اس کا کوئی بھروسہ نہیں تھا وہ اپنے کہے پر عمل پیرا ہی نہ ہو جائے۔

وہ دونوں ایک ساتھ ہال میں داخل ہوئے تھے۔ عارفین اس کو وہیں ایک چیئر پر بٹھا کے تھوڑی دیر میں آنے کا کہہ کر اپنے کسی دوست سے ملنے چلا گیا تھا۔ مقسوم نے دور تک اسے دیکھا تھا اور پھر ٹیبل پر رکھے گلاس میں پانی بھر کے ایک گھونٹ بھرا اور گلاس واپس ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"ارے ہائے مقسوم ڈارلنگ!" مقسوم نے نہایت چونک کر دیکھا تھا۔

"جون......!" اسے دیکھا تو ایسا محسوس ہوا جیسے ہال کی ہر شے اس کے گرد گھوم کر اس کے پورے وجود پر آ گری ہو اور وہ کتنے ہی لاتعداد ٹکڑوں میں ٹوٹ کر ادھر ادھر بکھرتی چلی گئی ہو۔ اس کی سوچ گویا بالکل بھٹک کر گئی تھی۔ عقل و خرد پر ایک سیاہ سفید پردہ ڈال گیا تھا اور رنگت اس قدر سپید پڑ گئی تھی جیسے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو کہ جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ بچا ہو۔

"بہت ڈھونڈا تمہیں میری جان! کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا اور تم یہاں پاکستان میں چھپی بیٹھی ہو۔ میں کچھ ہی دیر میں انگلینڈ نکلنے والا تھا اچھا ہوا تمہیں لا اب ہم ساتھ ہی نکلیں گے۔" اس کی حالت سے بے خبر بس وہ اپنی ہی کہے جا رہا تھا اور آخری جملے نے تو جیسے اس کی رہی سہی جان بھی نکال لی ہو۔

"تم رکو میں ابھی ڈیڈ کو یہ خوش خبری بتا کر آتا ہوں کہ آپ کی بہو صاحبہ مل گئی ہے۔ ہمیں مزید خوار نہیں ہونا پڑے گا۔" جون تیزی سے کسی سمت نکل گیا تھا۔

"مقسوم! آر یو او کے؟" عارفین نے اس کا چہرہ دیکھا تو صحیح معنوں میں گھبرا کے رہ گیا تھا۔

"عا......رفین......خدا......کے لیے......یہاں......سے چلو۔" عارفین کو دیکھتے ہی وہ تیزی سے اپنی چیئر سے اٹھی تھی اور اس کا کسرتی بازو تھام لیا۔ عارفین کو دیکھتے ہوئے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ مضبوط

تناور درخت کی چھاؤں میں محفوظ ہو گئی ہو کڑی دھوپ سے ٹھنڈی چھاؤں میں آ گئی ہو۔

"کیا بات ہو گئی تم اس قدر اتنی پریشان کیوں ہو گئی ہو؟" عارفین کو اس کے چہرے کی رنگت نے بہت پریشان کر دیا تھا۔

"پلیز عارفین ابھی مجھ سے کوئی سوال مت کرو۔ بس تم یہاں سے مجھے لے چلو۔" اس کی آنکھوں سے آنسو خود بخود جاری ہو گئے تھے۔

"اوکے......اوکے...... چلو میں ذرا آنٹی کو بتا دوں وہ یہاں آ گئی رہی ہوں گی۔" عارفین نے معصوم کا ٹھنڈا برف ہاتھ تھام لیا تھا۔

"نہیں۔ آپ جلدی چلیں۔" وہ تو باقاعدہ اسے گھسیٹنے لگی تھی۔ وہ مزید دیر نہیں کرنا چاہتی تھی اگر ذرا سی دیر اور ہو گئی تو ابھی اور اسی وقت سب ختم ہو جائے گا۔

عارفین نے اس کی سپید پڑتی رنگت دیکھتے ہوئے یہاں سے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

"آل رائٹ تم گھبراؤ نہیں ہم چل رہے ہیں۔" اس نے معصوم کا ہاتھ تھام لیا اور باہر آ گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں بائیک فراٹے بھرنے لگی تھی۔

"ٹکٹ کینسل کر دو یہ ہمارے ساتھ ہی انگلینڈ جائے گی۔" ان دونوں نے جاتی ہوئی بائیک کو دور تک بغور دیکھا تھا۔

☆......☆

عارفین اور معصوم کے جانے کے بعد رابعہ، نجمہ کے پورشن میں ہی آ گئی تھیں۔ ان کے ساتھ کھانا کھایا اور اب تینوں باہر لاؤنج میں بیٹھے گرم گرم چائے پی رہے تھے۔

"ثمرن کی کوئی خبر نجمہ بھابھی؟"

"ہاں وہ اپنی خالہ کے پاس ہے۔" نجمہ کے انداز میں ایک اداسی جھلک رہی تھی۔ جسے رابعہ نے بہت شدت سے نوٹ کیا تھا۔

"تو آپ جا کر اسے واپس لے آئیں۔"

"کس منہ سے جاؤں ارشد نے اس قابل چھوڑا ہی کب ہے۔"

"آپ نے ارشد کو سمجھایا اب تو بہت بہتر لگ رہے ہیں وہ۔"

"نہیں میں ارشد سے سخت ناراض ہوں انہیں احساس ہونا چاہیے کہ انہوں نے ثمرن کے ساتھ بہت غلط کیا ہے۔ بہت ناانصافی اور زیادتی کی ہے۔"

"نجمہ بھابھی! اگر آپ کہیں تو میں ثمرن کو منا لوں انہیں گھر لے آؤں۔"

"رابعہ یہ کام تو میں بھی کر سکتی ہوں۔ کوئی مشکل نہیں ہے ثمرن کو منانا وہ مان جائے گی اور گھر بھی آ جائے گی مگر ارشد نے ثمرن کی انا پر خودداری پر جو ضرب لگائی ہے اس کا مداوا کیسے کروں۔ وہ بے چاری بن ماں باپ کی بچی جس پر ارشد نے ظلم کر کے بہت برا کیا ہے۔ کبھی کبھی تو میرا دل کانپ کر رہ جاتا ہے کہ خدانخواستہ ثمرن کی آہ نہ لگ جائے۔"

"اللہ نہ کرے بھابھی اور پھر ہماری ثمرن میں یہی خوبی تو سب سے اچھی اور بڑی ہے کہ وہ بہت رحم دل نرم مزاج اور درگزر کرنے والی لڑکی ہے۔ وہ کبھی کسی کو بددعا نہیں دے سکتی کسی کا برا نہیں چاہ سکتی ہے۔"

"ہاں رابعہ! میں جانتی ہوں اتنے سال ہو گئے ہیں۔ ارشد اور ثمرن کی شادی کو مگر آج تک مجھے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ بلکہ نواسے کا جس طرح خیال رکھا رضا کو جس طرح پیار دیا۔ دن رات اس کی دیکھ بھال کی اس وجہ سے تو اور مزید اس کے لیے میرے دل میں جگہ ہی نہیں محبت بڑھ گئی ہے۔" کس قدر خلوص اور چاہت جھلک رہی تھی ان کے لہجے میں ان کے لب و لہجے میں ثمرن کے لیے یہاں تک کہ آنکھوں میں نمی بھی اتر آئی تھی۔

"انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا، اللہ سب بہتر کرے گا۔" رابعہ نے خلوص دل سے دعا دی تھی۔

"انشاء اللہ۔" نجمہ نے دل سے آمین کہا تھا۔

"آج کل کہاں ہیں ارشد کافی دن ہو گئے ان کو دیکھے ہوئے۔"

"ارشد کے کسی دوست کا بہت بری طرح ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے کہ چہرے کی شناخت کرنا تک مشکل ہو گئی ہے۔ پاکستان میں تو اس کا علاج ناممکن بتا دیا ہے۔ اس لیے وہ لندن لے کر گئے ہیں اپنے دوست کو۔"

"اچھا کب ہوا یہ سب؟"

"ایک مہینہ کا عرصہ تو بیت ہی گیا ہے۔"

"کوئی فون آیا ہے اب تک؟"

"فون تو آیا ہے میں نے بات نہیں کی اپنے پاپا سے ہی ساری بات کی تھی۔" نجمہ نے چائے کا خالی کپ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"اور رضا ابھی تک ٹھیک ہے؟"

"پتہ نہیں۔" رابعہ نے ایک سرد سانس کھینچی تھی اور کب سے خاموش بیٹھے سلیم اختر کو دیکھا تھا جو سب سن تو رہے تھے مگر کچھ بول نہیں رہے تھے۔

"سلیم بھائی! آپ کیوں اتنے چپ چپ ہیں کچھ بول ہی نہیں رہے ہیں؟" سلیم اختر نے ایک خاموش نظر رابعہ پر پھر نجمہ پر ڈال کر جھکا لی تھی۔

"کیا بولوں میرے نصیب میں تو شاید اولاد کا سکھ دیکھنا ہی نہیں ہے۔ اس سے بڑی بدنصیبی ایک باپ کے لیے کیا ہو گی کہ اس کی دونوں اولادیں برباد ہیں۔" کس قدر دکھ و کرب تھا ان کے لب و لہجے میں جلتے کلاموں سے ایک ہارا ہوا باپ اپنی بدقسمتی کو کوس رہا تھا۔

"اللہ نہ کرے سلیم بھائی! اس طرح کیوں سوچتے ہیں آپ بے شک غم دینے والی ذات اوپر والے کی ہے تو خوشی بھی دینا اس کے اختیار میں ہے۔" رابعہ نے دہل کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھا تھا ان کا دل خون خون ہوا تھا سلیم اختر کی باتوں پر۔

"اور پھر ہماری لاڈو بھی تو راحیل کے پاس چلی گئی ہے۔ ان کے درمیان صلح ہو گئی ہے۔"

"صلح!" وہ استہزائیہ ہنسی ہنس دیے تھے۔

"کاش یہ صلح ہی نہیں ہوئی ہوتی۔" انہیں کچھ دن پہلے کی بے عزتی بھول ہی نہیں پا رہی تھی جو زرمیل نے ڈالے کی کی تھی وہ اتفاق سے اس وقت نعیم اختر سے کسی فائل کو ڈسکس کرنے گئے تھے۔ وہاں جو کچھ ہوا سب کچھ انہوں نے دیکھا اور سن لیا تھا جو انہوں نے اوپر آ کر نجمہ کو نہیں بتایا تھا۔ جب وہاں سب دیکھ اور سن کر ان کا اپنا دل اس قدر دکھنے لگا تھا تو نجمہ کی کیا حالت ہوتی۔ ڈالے ان کی اکلوتی لاڈلی بیٹی تھی۔

نجمہ اور رابعہ نے نہایت حیرت بھری نظروں سے سلیم احمر کو دیکھا تھا۔ دونوں کی سمجھ میں نہیں آیا کہ سلیم احمر نے یہ بات کیوں کہی۔

"سلیم! کوئی بات ہوئی ہے مجھ سے کیا آپ اس طرح کیوں بول رہے ہیں۔" وہ تو بھی تھیں کہ صرف وہ ہی سب حالات کا احساس کر رہی ہیں مگر سلیم احمر بھی ان حالات کا شدت سے احساس کرتے ہیں انہیں محسوس کرتے ہیں۔ سلیم احمر نے نہایت چونک کر دونوں کو دیکھا تھا جن کی نظروں میں سوال تھے۔

"ارے نہیں بھئی میں نے تو یونہی بول دیا۔"

"نہیں سلیم یقیناً کوئی بات تو ہے ورنہ اتنی بڑی بات آپ اپنی اکلوتی لخت جگر کے لیے بھی کیسے بول سکتے ہیں۔" نجمہ ماننے کو راضی نہیں تھیں اور پھر ان کے چہرے پر جو ایک دکھ کا سایہ سا لہرایا تھا وہ بغور نجمہ نے نا صرف دیکھا تھا بلکہ انہیں چونک جانے پر بھی مجبور کر دیا تھا۔

"نجمہ! میرا ذہن کہیں اور تھا پھر بے ساختہ منہ سے نکل گیا ہے۔" سلیم احمر بات سنبھالنے لگے تھے جسے وہ باخوبی سمجھ گئی تھیں۔

"دیکھیے سلیم!" نجمہ کچھ کہتیں کہ اسی دوران سلیم احمر کا فون بول اٹھا تھا۔ سلیم احمر موقع غنیمت جان کر نجمہ اور رابعہ کو ایکسکیوز کہہ کر اٹھ گئے تھے۔ نجمہ نے بغور ان کی پشت دیکھی تھی۔

"رابعہ! سلیم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔" نجمہ نے شکی لہجے میں رابعہ سے کہا تھا۔

"نہیں نجمہ بھابھی! آپ کا وہم ہے ہوسکتا ہے وہ بالکل سچ بول رہے ہیں اب دیکھیے نا ارشد اور زرنگار کے نہ ہونے سے پورا بزنس ان کے کندھوں پر آ گیا ہے۔" رابعہ اور نجمہ بھی الجھن کہ ان کا موبائل بجنے لگا تھا۔ اسکرین پر ریحان شیخ کالنگ جگمگا رہا تھا۔ رابعہ نے اوکے کا بٹن پریس کیا تھا اور موبائل کان سے لگا لیا۔

"السلام علیکم ریحان بھائی!"

"وعلیکم السلام کیسی ہیں آپ رابعہ بہن؟"

"جی اللہ کا شکر ہے، آپ سنائیے آپ کیسے ہیں اور وانیہ بیٹی کیسی ہیں؟"

"جی وانی بھی بالکل ٹھیک ہیں۔ اللہ کا بہت کرم ہے کہ ان کا آپریشن بھی کامیاب ہو گیا ہے۔ اب وہ ماشاء اللہ سے اپنے پیروں پر چل سکتی ہیں۔ انہیں بیساکھی کی اب بھی ضرورت نہیں پڑے گی۔" ریحان شیخ بہت خوش تھے کہ ان کے لب و لہجے سے چھلکتی خوشی وہ فون پر بھی محسوس کر سکتی تھیں۔

"یہ تو بہت اچھی خوش خبری ہے آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔" رابعہ بھی بہت خوش ہوئی تھیں۔

"آگے کیا سوچا آپ نے پاکستان کب تک آ رہے ہیں۔"

"میں تو مستقل یہیں سیٹل ہونا چاہتا ہوں یہیں پر کوئی پاکستانی اچھی فیملی دیکھ کر وانی کی شادی کر دیتا مگر وانی کی ایک ہی ضد ہے کہ وہ یہاں نہیں رہے گی بلکہ ہمیشہ کے لیے کراچی رہنے کے لیے بضد ہے۔"

"یہ تو اور اچھی بات ہے اور ایک طرح سے اچھا بھی ہے آپ کہاں وانیہ بیٹی کو اتنی دور پردیس میں رہنے کا کہہ رہے ہیں۔ یہیں پاکستان آ جائیے کراچی میں اپنوں کے بیچ ہماری نظروں کے سامنے ہمارے ساتھ رہیے۔"

"درست کہہ رہی ہیں آپ بھی، انشاء اللہ میں اسی ہفتے کراچی آ رہا ہوں وانی کو لے کر۔"

"ٹھیک ہے آپ یہیں اسی گھر میں آئیے گا یہیں ہمارے ساتھ رہیے گا۔"

"نہیں رابعہ بہن یہ تو شاید مجھے اچھا لگے گا نہ ہی وانی راضی ہوں گی۔ میں نے وہاں اپنے جاننے والوں بھا

سے کہہ رکھا ہے کہ کراچی کے بہترین علاقے میں کوئی گھر دیکھ کر رکھیں میں وہیں جاؤں گا۔"

"چلیے جو آپ کی خوشی مگر ہمیں بھی غیریت نہ سمجھئے گا جس دن آنا ہو عارفین کو فون کر دیجیے گا وہ آپ کو اور وانیہ کو ایئرپورٹ لینے آ جائیں گے۔"

"چلیں ٹھیک ہے اب اجازت دیں۔ دو تین اور کام نمٹا لوں پھر ٹکٹ بھی کنفرم کروانے جانا ہے۔"

"اوکے اللہ حافظ، وانیہ بیٹی کو میرا بہت پیار دیجیے گا۔"

"جی بہتر۔" ریحان شیخ نے فون آف کر دیا تھا۔ رابعہ نے بھی مسکرا کے فون آف کر دیا تھا۔

"لگ رہا ہے کوئی بہت اچھی خبر ہے جو چہرے پر خوشی ہے۔" نجمہ مسکرا کے ان کے چہرے پر خوشی دیکھنے لگی تھیں۔

"جی نجمہ بھابھی! میری اسٹوڈنٹ کی بیٹی ہے نا وانیہ وہ ماشاء اللہ سے بالکل صحت یاب ہو گئی ہیں اپنے پیروں پر کھڑی ہو گئی ہیں۔ اس بچی کو دیکھ کر بہت ترس آتا تھا اتنی پیاری معصوم سی بچی بیساکھی کے سہارے چلتی تھی۔ بے تو بن ماں کی بچی ہے مگر اب ماشاء اللہ سے ان کا آپریشن کامیاب ہو گیا ہے۔ وہ اور ریحان شیخ بھائی بھی کراچی ایک ہفتے بعد آ رہے ہیں۔" رابعہ حقیقی معنوں میں وانیہ کے لیے بہت خوش ہو لی تھیں۔

"یہ تو واقعی بہت اچھی خوش خبری ہے۔ ثرا نے بھی وانیہ بیٹی کی بہت تعریفیں کی تھیں۔ بہت خیال رکھا ہے انہوں نے ہمارے بچوں کا اچھا ہے ہمیں بھی ان کی میزبانی کا موقع ملا ہے۔ بہت اچھے اچھے تحفے بھجوائے تھے انہوں نے ہم بھی انہیں خالی ہاتھ نہیں لوٹائیں گے۔" نجمہ کو وہ ان دیکھی لڑکی یاد آ گئی جس کی ثرا نے بہت تعریفیں کی تھیں۔

"جی نجمہ بھابھی! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

☆......☆

"اب بولو کیا بات ہے کیوں تم اس قدر اچانک گھبرا گئی ہو؟" عارفین معصوم کو گھر لے جانے کے بجائے ہوٹل لے گیا تھا تاکہ وہ کچھ ریلیکس ہو سکے باتیک پر بھی اس کا کپکپانا خوف زدہ ہونا وہ محسوس کر گیا تھا۔

"عارفین! آپ ـــ آپ یہاں کیوں آ گئے، پلیز عارفین گھر چلیے نا مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" وہ بے انتہا گھبرا رہی تھی۔ کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ جیسے کوئی شکاری کہیں سے آ کر اسے اپنے جال میں جکڑ لے گا۔ ان سیاہ نینوں میں تھا تھیں مارتا ایک سمندر تھا وہ کسی طرح بھی چیئر پر بیٹھ ہی نہیں رہی تھی۔

"معصوم اور ھی تو میں پوچھ رہا ہوں کس سے خوف زدہ ہو کیوں اتنا ڈر رہی ہو مجھے بتاؤ۔ تمہاری یوں اچانک بدلتی کیفیت سے میں بہت پریشان ہو گیا ہوں۔"

"آپ پلیز گھر چلیے نا میں آپ کو گھر چل کر سب بتا دوں گی مگر اس وقت مجھے گھر لے کر چلیں۔" اس کی ایک ہی رٹ تھی۔ خوف سے اس کی رنگت مزید زرد پڑتی جا رہی تھی کچھ دیر پہلے جس کے چہرے پر چاند شرمائے جا رہا تھا وہاں اب کسی خوف کے سائے لہرا رہے تھے۔

"اوکے ریلیکس یار پہلے ہم تھوڑا کچھ کھا تو لیں ابھی تم نے کچھ نہیں کھایا۔"

"مجھے کچھ نہیں کھانا۔ آپ جتنے کیوں نہیں ہیں مجھے گھر جانا ہے۔"

"آل رائٹ چلتے ہیں۔" معصوم کی کنڈیشن خراب ہونے کے ڈر سے وہ وہاں رکا نہیں تھا۔

کر دیا تھا۔ اس کے اندر کتنے جھکڑ چل رہے ہیں وہ کتنے طوفان و آندھی کی زد میں تھی یہ صرف وہ ہی جانتی تھی جس کا پتہ عارفین کو لگانا تھا اس کو ان پریشانی سے نکالنا تھا۔ ان آندھی طوفان کے جھکڑ سے محفوظ کر کے اپنے اندر چھپا کر رکھ لے گا وہ۔

"معصوم میری جان! بولو نا کیا بات ہے۔ مجھ سے اپنے دل کی بات شیئر کرو۔"

"عارفین! آپ میرے ساتھ ہیں نا؟"

"ہاں معصوم! اپنی آخری سانس تک۔"

"آپ مجھے چھوڑیں گے تو نہیں نا؟" عجیب بہکے بہکے سوالات کر رہی تھی وہ۔

"کبھی بھی نہیں۔"

"وعدہ کر رہے ہیں نا آپ؟" وہ نہایت آس سے پوچھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ اس کی آنکھیں بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھیں۔

"پکا وعدہ۔ اور اب تم ایک کام کرو تم بہت تھک گئی ہو چینج کرو اور سکون سے سو جاؤ مگر اس سے پہلے میں تمہارے لیے ایک گلاس دودھ لے کر آتا ہوں وہ پینا پھر سونا۔" عارفین نے ہولے سے اس کا رخسار تھپتھپایا تھا اور پھر وہاں ٹھہرا نہیں تھا۔ ڈریسنگ روم سے باہر نکلتا چلا گیا تھا۔

معصوم نے اس کی چوڑی پشت کو یقین بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

☆...☆
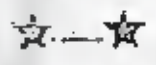
لاروش اعولان نے سلجوق آفریدی کی فرمائش پر لازانیہ بنایا تھا۔ سلجوق آفریدی کو بھی اس کے ہاتھ کی ڈشز بہت پسند آئی تھیں اسی لیے اس نے لاروش اعولان سے لازانیہ کی فرمائش کی تھی جو کہ اس نے جھٹ پٹ تیار کر دی تھی اور اس وقت دونوں بھائی اس کے بنائے لازانیہ سے بھرپور انصاف کر رہے تھے۔

"اگر اس کے ساتھ میکرونی رائس اور ملائی بوٹی بھی ہو جاتے تو مزہ آ جاتا۔" حسین آفریدی نے لازانیہ کا بائٹ کھاتے ہوئے لاروش اعولان کو دیکھا تھا جیسے کہہ رہا ہو جاؤ اور میرے حکم کی تعمیل کرو۔

"سو تو پتہ نہیں کتنا کھاتا ہے۔" لاروش اعولان نہایت آہستگی میں منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی اور اس کی یہ بڑبڑاہٹ وہیں بیٹھے سلجوق آفریدی کی تیز سماعت سے محفوظ نہیں رہ سکی تھی۔ سلجوق آفریدی اس کی بڑبڑاہٹ پر ہولے سے مسکرا دیا تھا۔ لاروش اعولان کی نظر سلجوق آفریدی پر پڑی تو خفیف سی ہو کر رہ گئی تھی اور شرمندہ ہو کر وہاں سے کچن کی جانب گئی تھی۔

وہ اندر ہی اندر جلتی کڑھتی بھی رہتی کہ حسین آفریدی اس سے کھانے کے علاوہ اور کوئی بات ہی نہیں کرتا۔ وہ تو شاید اس رشتے کے بارے میں بھی بھول گیا تھا جو اس سے اس کا ہے پھر جب سمیعہ زیدی نے سے فون پر گفتگو بات کرتا تو مزید اس کی جان جل کر رہ جاتی تھی۔ دل شدت سے چاہتا کہ کوئی بھاری سا پتھر اٹھا کر سمیعہ زیدی کے سر پر دے مارے اور حسین آفریدی کا فون زور سے دیوار پر دے مارے کہ دو ٹکڑے ہو جائیں۔

"اہم... اہم......" وہ اپنی ہی کڑوی کسیلی سوچوں میں گم تھی کہ احساس ہی نہیں ہوا کب کچن کے دروازے پر سلجوق آفریدی آ کھڑا ہوا تھا۔

لاروش اعولان بری طرح چونک کر مڑی تھی۔

"آپ......!" وہ سلجوق آفریدی کو دیکھ کر گھبرا سی گئی تھی۔

کوئی آدھے گھنٹے کے سفر سے عارفین اور معصوم گھر بھی آ گئے تھے۔ رابعہ سو چکی تھیں عارفین نے ان کے کمرے میں جھانکا تھا۔

"اچھا ہوا سو گئیں ورنہ معصوم کی حالت دیکھ کر پریشان ہو جاتیں۔" وہ آہستگی سے خود سے بولتا ہوا رابعہ کے کمرے کا دروازہ بند کر کے اپنے بیڈ روم میں آیا تھا۔ ادھر ادھر متلاشی نظریں دوڑائیں وہ کہیں نہیں تھی۔

"شاید ڈریسنگ روم میں ہو۔" یہی سوچ کر وہ وہاں گیا تھا۔ یقیناً وہ وہ بھی رکی ہوگی۔ بغیر ناک کیے اس نے ڈریسنگ روم کا دروازہ کھول دیا تھا۔ سامنے کے منظر نے جیسے اسے مبہوت سا کر کے رکھ دیا تھا۔ آہٹ پر معصوم نے پلٹ کر دیکھا تھا بہت عام انداز تھا اس کا دیکھنے کا مگر اس کے برعکس عارفین بالکل ساکت ہو گیا تھا۔

معصوم ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی۔ بالوں میں سے کلپ نکال کر رکھ دیا تھا پورے سیاہ کرلی بالوں نے اس چاند چہرے کے گرد ہالہ سا کیا ہوا تھا۔ ساڑھی کا پلو بھی زمین پر گرا ہوا تھا۔ وہ مکمل حسن کا شاہکار تھی۔ قدرت نے نہایت فرصت سے یہ مجسمہ بنایا ہوگا۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جن سے کاجل پھیل کر اس کے ہوشربا حسن کو مزید دوآتشہ کر رہا تھا۔ پہلے کہاں اس نے معصوم کو اس طرح دیکھا تھا اس کا سات پردوں میں ڈھکا چھپا حسن آج بے پردہ تھا۔ عارفین کے دل میں شدت سے اس کے حصول کی خواہش جاگی تھی۔ وہ اس کا عشق اس کا جنون اس کی محبت اس کی دیوانگی بن گئی تھی اور اس پل تو جیسے لمحات ٹھہر گئے تھے۔

وقت رک سا گیا تھا۔

ہر شے اپنی جگہ ساکت و جامد ہو گئی تھی۔ وہ خوشبو جیسی لڑکی اس کے آس پاس مہک رہی تھی۔

عارفین نے بھرپور نظروں سے بغور اس کا سراپا دیکھا تھا۔ وہ خود کو بہت روکنے کے باوجود بھی روک نہیں پایا تھا۔

عارفین آہستہ آہستہ چلتا ہوا بالکل اس کے قریب اس کے نزدیک آ رکا تھا اور اپنی دونوں مضبوط چوڑی ہتھیلیاں اس کے نازک شانے پر دھر دیں اور بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھا تھا ان سیاہ نین کٹوروں میں جھانکا تھا۔

"مگر یہ کیا......" وہ خود تو یہاں سراپا موجود تھا اس کا جسم یہاں تھا مگر اس کی روح اس کا دل و دماغ اپنا لگ رہا تھا جیسے کہیں اور محو سفر تھا۔ معصوم یہاں کمرے میں ان کے سامنے اس کے پاس نہیں تھی اس کے سوچوں کے تمام دھاگے کہیں اور ہی پرواز کر رہے تھے۔ وہ کسی اور دنیا کی باسی لگ رہی تھی کوئی اور ہی معصوم لگ رہی تھی۔ جیسے موسلا دھار بارش میں کوئی دھندلا دھندلا سا منظر۔

ورنہ عارفین کے بے قرار لمس پر اس کے چہرے پر وہ شرماہٹ اور حیا کے رنگ کیوں نہیں تھے وہ اس کی قربت سے جو کم کر سمٹ جاتی تھی خود میں اسے اس وقت یہ ہوش نہیں کہ وہ اس وقت عارفین کے قریب کس کنڈیشن میں کھڑی ہے۔

"معصوم......!!" عارفین نے اس کا خوف زدہ سا چہرہ اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں بھر لیا تھا۔ معصوم نے عارفین کو دیکھا تھا۔

"عارفین......!" معصوم کے کپکپاتے ہونٹوں سے بمشکل اس کا نام نکلا تھا۔

"ہاں معصوم بولو۔" عارفین نے ہولے سے مگر بے تابی سے کہا تھا۔ اتنا تو وہ سمجھ گیا تھا کہ کچھ تو ہے جس نے معصوم کو پریشان کر دیا ہے۔ کوئی تو وجہ ہے جس نے معصوم کی ٹھہری زندگی میں آ کر اچانک بھونچال سا۔

"یہ یہاں کیوں آ گئے ہیں۔" وہ صرف سوچ کر ہی رہ گئی تھی۔ پہلی ملاقات سے ہی وہ سلجوق آفریدی سے خائف ہو گئی تھی یا یہ اس کی سوچ تھی یا وہم کہ سلجوق آفریدی میں اس کو ہیرک شاہ کی جھلک نظر آتی تھی۔ کہیں ایک اور ہیرک شاہ تو ــــ"

"نہیں......نہیں۔" یہ سوچ کر اس کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا اٹھی تھی۔

"پریشان ہو؟" سلجوق آفریدی کاؤنٹر کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ لاروش اخوالان نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"جی نہیں تو۔" اس نے نگاہ جھکا لی تھی۔

"لگ تو نہیں رہا۔ دیکھو لاروش! اگر کوئی پریشانی ہے یا کوئی ٹینشن تو مجھ سے شیئر کر سکتی ہو۔ آئی ایم شیور کہ میں ایک بہت اچھا دوست ثابت ہوں گا۔" سلجوق آفریدی نے مسکراتی آنکھوں سے لاروش اخوالان کو دیکھا تھا۔ لاروش اخوالان نے خاموشی مگر سوالیہ نظروں سے سلجوق آفریدی کو دیکھا تھا۔

"دوست ہی؟" یہ سوال تھا یا یقین مگر وہ کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔

☆......☆

لاروش روم کی صفائی کر رہی تھی کہ تبھی جنین آفریدی نے اسے بلایا تھا۔

وہ شاید اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا جبھی اس انداز میں بات کر رہا تھا۔ لاروش اخوالان کی نظر اس کے ہاتھ میں پکڑے کانچ کے گلاس پر پڑی تو اسے سمجھ آ گئی۔ اور آج تو جیسے انکشافات کا دن تھا۔ وہ ڈرنک کرتا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ جنین آفریدی اپنی کہہ کر جا چکا تھا مگر اسے حکم صادر بھی کر گیا تھا۔ جیسے لاروش اخوالان کو تعمیل کرنا ہی تھی۔ وہ باہر کیسے جائے اس کے دوست بھی تھے۔ جنہوں نے اس کی ہی طرح ڈرنک کی ہوئی تھی۔ تیز بے ہنگم انگلش سونگ پر وہ لوگ ڈانس بھی کر رہے تھے اس نے ایک نگاہ غلط ان سب پر ڈالی اور باہر نکل آئی اس کا رخ کچن کی جانب تھا۔

لاروش اخوالان نے جلدی جلدی سب کے لیے کافی بنائی اور ٹرے ہاتھ میں لیے باہر آ گئی تھی۔

"جنین......!" اس نے پکارا تھا۔

مگر تیز میوزک میں اس کی آواز دب کر رہ گئی تھی۔ وہ اگر چیخ چیخ کر بھی جنین آفریدی کو پکارتی تب بھی وہ سننے والا نہیں تھا۔ لاروش اخوالان نے سوچا بے کار ہے خود ہی آگے بڑھ کر رکھ دے۔ دل تو نہیں چاہ رہا تھا نزدیک جانے کو مگر مجبوری تھی ان لوگوں کو دیکھ کر ہی اس کا دل خراب ہو رہا تھا۔

"اے اللہ! کاش بی جان یا بابا آ جائیں۔" اس نے بہت شدت سے یہ دعا مانگی تھی۔ وہ کافی کی ٹرے لے کر آگے بڑھی تھی اور جتنی بھی آیتیں وغیرہ یاد تھیں سب پڑھتی ہوئی وہاں تک آئی تھی۔ مگر کیا جائے جب بری گھڑی برے وقت کو آنا ہوتا ہے تو وہ آ کر ہی رہتا ہے۔

لاروش اخوالان ٹرے لے کر جیسے ہی ٹیبل کی جانب بڑھی تھی۔ جنین آفریدی کے ایک دوست نے بڑی بے ہودگی سے اس کی چادر کا کونا پکڑ کر کھینچا تھا کہ نا صرف اس کے ہاتھ سے وہ کافی کی ٹرے ماربل پر گری تھی بلکہ اس کا دوپٹہ بھی عماد کے ہاتھ میں رہ گیا تھا۔

"یہ......" سمعیہ زیدی نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا تھا کیونکہ بدقسمتی سے وہ کافی کی ٹرے سمعیہ زیدی کا مہنگا ترین ڈریس ہی نہیں اس کا چہرہ اور پیر میں پڑے سینڈل بھی داغ دار کر گئی تھی۔

وہ مر کیوں نہیں گئی زمین کیوں نہیں پھٹی آسمان کیوں نہیں گرا وہ زمین و آسمان میں کیوں نہیں سما گئی وہ یہ دن دیکھنے کے لیے زندہ کیوں ہے ان ہرنی آنکھوں سے کتنے ہی موتی اس کی حالت پر ماتم کناں تھے۔

"جنین......"

صمد آفریدی کی چنگھاڑتی اور چیختی آواز پر سب ہی ساکت ہو گئے تھے۔ جبکہ سلجوق آفریدی نہایت ہی جلال میں آگے بڑھا پہلے اس نے ہاتھ مار کر وہ ڈی وی ڈی پلیئر پھینکا پھر عماد کا گریبان پکڑا وہیں پر کھڑی خود میں سمٹی خوفزدہ سی کانپتی لاروش اخوالان کو دیکھا تھا۔ جو آنکھیں بند کیے صرف رو رہی تھی اور اپنے لیے موت مانگ رہی تھی۔ اس کا پورا وجود خوف سے کانپ رہا تھا۔ سلجوق نے فرش پر پڑا اس کا دوپٹہ اٹھا کے اس کے گرد ڈالا تھا اور پھر غصے سے دانتوں کو بھینچتا ہوا عماد کو اتنا مارا کہ لہولہان کر دیا۔

جنین آفریدی کے اور دوست اپنی جگہ سہم کر رہ گئے تھے۔ انہیں جیسے سانپ سونگھ گیا تھا کسی کی بھی ہمت نہیں تھی کہ آگے بڑھ کر سلجوق سے عماد کو بچا لیں۔

لاروش اخوالان اپنے سارے ہوش و خرد کھوتی چلی گئی تھی۔ ہر شے اسے گھومتی ہوئی لگ رہی تھی۔ زوہار بیگم نے تو آگے ہی اسے اپنے سینے میں چھپا لیا تھا۔ مگر اسے نہیں پتہ تھا کہ وہ اپنے سارے ہوش حواس کھوتی چلی گئی ہے۔

بی جان آگے بڑھیں اور سمعیہ زیدی کے منہ پر ایک تھپڑ مارا تھا۔

"تمہیں جب میں نے پہلی بار دیکھا تھا میں جب ہی سمجھ گئی تھی کہ تمہارا فیملی بیک گراؤنڈ کیا ہوگا۔ تمہاری نسل کیا ہے۔ تمہارے جیسے ہی لوگوں نے سوسائٹی میں رہنے والے شرفا اور عزت دار لوگوں کو بدنام کیا ہوا ہے۔ آج جو میرے گھر میں ہوا ہے وہ ہماری سات پشتوں میں کبھی نہیں ہوا ہے۔ ہاں مگر تمہارے خاندان میں ہر روز ہوتا ہوگا۔"

سمعیہ زیدی تو چپ چاپ بی جان کو دیکھتی رہ گئی۔ وہ اس کو نہیں اس کے خاندان کو بھی گالی دے رہی تھیں اور وہ کچھ نہیں بول سکی۔ اس کے ماں باپ نے آج تک اسے جھڑکنے سے ڈانٹا تک نہیں تھا۔ اور بی جان نے اسے سب کے سامنے تھپڑ مار دیا۔ اس نے نظریں گھما کر جنین آفریدی کو ڈھونڈا تھا جو اس کے سائیڈ میں نظریں زمین پر گاڑے کھڑا تھا۔

"جی......!"

"شٹ اپ جسٹ شٹ اپ اینڈ گیٹ لاسٹ۔"

صمد آفریدی بری طرح دھاڑے تھے۔ اس نے عشا کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل گیا تھا۔

"اے ہیلو رکو۔"

سلجوق آفریدی نے پیچھے سے ان دونوں کو آواز لگائی تھی۔ وہ دونوں رک گئے تھے۔ عشا نے انس کو دیکھا۔

"اگر ذرا بھی شرم باقی ہے تو آج کے بعد جنین آفریدی سے نہیں ملنا اور جاتے ہوئے اس کو لیتے جاؤ۔" اس کا اشارہ ادھ مرے عماد کی طرف تھا۔

"جی!" وہ دونوں شرمندہ شرمندہ سے آگے بڑھے اور زمین میں پڑے خون میں لت پت عماد کو اٹھایا تھا۔ سلجوق آفریدی نے اس کا منہ پھاڑ دیا تھا۔ انس اور عشا تو سہم کر رہ گئے تھے۔

"اور تم ذرا بھی شرم باقی نہیں ہے یہ تمہارے آوارہ دوست......"

صمد آفریدی کا یہ آخری جملہ ان جاتے ہوئے انس، عشا اور صعیبہ نے سنا تھا اتنی بے عزتی سمیہ زیدی مزید تیز رفتاری سے بھاگی گئی روتی ہوئی۔

"لاروش لاروش......!"

زوباریہ چیخنے لگی تھیں اس کے چیخنے پر سلجوق اور بی جان تیزی سے آگے بڑھے تھے۔

"سلجوق! لاروش بے ہوش ہو گئی ہے۔"

"او مائی گاڈ؟"

سلجوق آفریدی نے جلدی سے اس کے نازک پھول جیسے وجود کو اپنے مضبوط بازوؤں میں بھرا اور جلدی سے گاڑی میں ڈالا۔ گاڑی کا رخ آغا خان ہاسپٹل کی جانب تھا۔ ساتھ ہی ان کے زوباریہ بھی گئیں۔

"شرم آنی چاہیے تمہیں آج تمہاری وجہ سے وہ معصوم بچی اس حال کو پہنچی ہے۔" صمد آفریدی اس کے جھکے ہوئے سر کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے اپنے بیڈ روم کی سمت بڑھ گئے۔

حسین آفریدی نے بمشکل اپنی نظریں اوپر اٹھائیں سامنے ہی بی جان کھڑی اسے دکھ بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"بی جان!"

"بس۔"

بی جان نے اسے ہاتھ کے اشارے سے آگے بولنے سے روک دیا تھا۔

"جانے کہاں ہماری تربیت میں کمی رہ گئی ہے تمہاری ہر غلطی کو نظر انداز کیا۔ تمہاری لڑکیوں سے دوستی کو تمہارا بچپنا مانا۔ مگر گھر تک یہ سب آ گیا ہے۔ جس میں اس معصوم بھولی بھالی بچی کا نقصان ہوا ہے۔ ہم نے اسے اس گھر کی بیٹی مانا ہے اور تم نے کیا کیا اپنے گھر کی عزت کو ہی اپنے دوستوں کے آگے رسوا کر دیا۔ یہ غلطی تمہاری ناقابل معافی ہے۔ ہم اس کے لیے بھی تمہیں معاف نہیں کریں گے۔" بی جان تھکی تھکی سی اپنی بوڑھی آنکھوں میں نمی لیے اپنے کمرے میں آ گئی تھیں۔ تاکہ نماز پڑھیں اور دعا مانگیں اس معصوم کی پیاری سی لاروش اخوالان کے لیے۔

☆......☆

"جی فرمایئے آپ کو کس سے ملنا ہے؟" ثوالے اس وقت رضا کو نوڈلز کھلا رہی تھی۔ چوکیدار نے انٹرکام پر کسی کے آنے کی اطلاع دی تھی۔ تو اس نے اندر آنے کی اجازت دی تھی۔

"ہمیں معصوم سے ملنا ہے کیا آپ انہیں بلا سکتی ہیں؟"

"ایک منٹ پلیز۔" ثوالے نے رضا کو اپنی گود سے اتارا اور نوڈلز کا پیالہ میز پر رکھ کر انٹرکام کے پاس گئی۔

"جی عارفین بھائی کوئی معصوم بھابھی سے ملنے آیا ہے۔"

"کون ہے؟"

"پتہ نہیں میں نے تو پہلی دفعہ دیکھا ہے انہیں ایک سیکنڈ رکیں میں نام پوچھ کر بتاتی ہوں۔" ثوالے نے انٹرکام سے منہ موڑ کر پیچھے ان دونوں کو دیکھا۔

"آپ اپنا نام بتائیں؟"

"جی کیوں نہیں میرا نام اسفند درانی ہے اور یہ میرا بیٹا یاور درانی ہے۔"

"او کے۔" ثنا لے نے عارفین کو نام بتائے۔

"ٹھیک ہے تم ان کو اوپر بھیج دو۔"

"جی بہتر۔" ثنا لے نے ریسیور رکھ دیا۔

"آپ لوگ اوپر سیکنڈ فلور پر چلے جائیں۔"

"تھینکس بیٹا!" اسفند درانی نے پیار سے کہا اور دونوں اوپر جانے والی سیڑھیوں کی جانب بڑھتے چلے گئے۔ ثنا لے نے ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھا۔ دیکھنے میں تو کسی مہذب خاندان کے لگ رہے ہیں۔ ان کی چال ڈھال ان کی ڈریسنگ ان کے بولنے کا انداز پڑھے لکھے ہونے کا ثبوت دے رہا تھا مگر ان صاحب کا بیٹا وہ تو بالکل ہی انگریز لگ رہا تھا۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ پاکستان کا شہری ہو۔

"خیر مجھے کیا لینا۔" اپنی سوچوں کو جھٹکتی وہ رضا کی جانب بڑھی اسے تو ڈنر کھلا کر پھر زریل کے لیے سوپ بھی تیار کرنا تھا۔

"معصوم! تم سے کوئی ملنے آیا ہے۔" عارفین بیڈ روم میں آیا وہ شام میں پہننے کے لیے کپڑے استری کر رہی تھی۔

"مجھ سے مگر کون؟" اس نے استری چھوڑ دی تھی اور عارفین کو دیکھنے لگی تھی۔

"آئی ڈونٹ نو۔" عارفین نے لاعلمی کا اظہار کر دیا تھا۔

"او کے میں آتی ہوں۔" معصوم نے سوئچ آف کر دیا اور عارفین کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی اس کی نظر ان دونوں شخصیات پر جیسے ہی پڑیں ایسا لگا جیسے اس کی سانس رک گئی ہو۔

اسفند درانی اور یاور درانی کی بھی نظر معصوم پر پڑ چکی تھی۔ وہ دونوں صوفے سے کھڑے ہو گئے تھے۔ بلکہ یاور تو باقاعدہ کھڑا ہو گیا معصوم کہتے ہوئے۔

"معصوم ڈارلنگ کہاں چلی گئی تھیں تم؟" معصوم تو خوف کے مارے سپید پڑ گئی تھی اس کے تو ذہن و گمان میں بھی نہیں تھا وہ دونوں یہاں بھی آ سکتے ہیں۔ وہ کسی خوفزدہ سی چڑیا کی طرح عارفین کی پشت پر چھپ گئی تھی۔ عارفین کو اس طرح معصوم کو پکارنا سخت ناگوار لگا تھا۔ مگر معصوم کا یوں ڈر کر سہم کر اس طرح سے اس کے پیچھے چھپ جانا وہ الجھ کر رہ گیا۔

"کیا میں جان سکتا ہوں آپ لوگ کون ہیں؟" عارفین نے ناگوار نظروں سے یاور درانی کو دیکھنے کے بعد خاموشی سے اسفند درانی کو دیکھا تھا۔

کیا یہ اچھا نہیں ہو گا یہ سوال آپ معصوم سے کریں۔" اسفند درانی نے پیچھے سے جھانکتی معصوم کو مسکرا کے دیکھا تھا۔

عارفین نے خاموشی کی ایک نظر ان پر ڈالی پھر سوالیہ نظروں کا رخ معصوم کی سمت موڑا۔

"معصوم کون ہیں یہ لوگ؟"

"جی!" وہ بری طرح بوکھلا کے رہ گئی تھی۔

"ہاں بتاؤ کون ہیں یہ؟" عارفین نے معصوم کی بوکھلاہٹ نوٹ کر لی تھی۔

"یہ اسفند درانی ہیں میرے چچا اور یہ ان کے بیٹے ہیں یاور درانی۔" معصوم نے ڈرتے ڈرتے ان دونوں کی طرف دیکھا تھا۔

"بیٹا پورا تعارف کرائیے۔" اسفند درانی نے شفقت سے کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ مگر معصوم خاموش رہی۔ عارفین کو تو ان لوگوں کی ذو معنی باتیں بالکل سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔

"ڈیڈ! یہ کچھ نہیں بتائے گی آپ بتائیے یا مجھے بتانے دیجیے۔" یاور درانی کی آنکھوں میں غصے کے رنگ جھلکنے لگے تھے۔

"آل رائٹ مائی سن ریلیکس۔" انہوں نے یاور کو غصہ سے منع کرنے کا اشارہ دیا تھا۔

"عارفین صاحب معصوم نہ صرف میری بھتیجی ہے بلکہ میری بہو میرے بیٹے یاور کی بیوی بھی ہے جو اس وقت آپ کے سامنے کھڑا ہے۔"

"واٹ کیا بیہودگی ہے یہ؟" زبردست انکشاف تھا نہیں بلکہ دل کو دھچکا بھی لگا تھا۔

"آپ کو کچھ اندازہ بھی ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ معصوم آپ کے بیٹے کی بیوی کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ معصوم تو میری بیوی ہے۔ میں نے باقاعدہ سب کی موجودگی میں اس سے نکاح کیا ہے۔ یقیناً آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"اب کیا کہہ سکتے ہیں آپ کو حقیقت کا نہیں پتا اس لیے اس طرح کہہ رہے ہیں۔ اچھا ایک کام کریں کہ معصوم آپ کے سامنے کھڑی ہے آپ معصوم سے خود ہی پوچھ لیں۔ کیوں معصوم بیٹا؟" اسفند درانی نے معصوم کو نرم و ملائم نظروں سے دیکھا تھا۔

"نہیں یہ سب جھوٹ ہے۔ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔" وہ بری طرح ڈری ہوئی تھی اور اسفند درانی کی باتوں نے اسے مزید ڈرا دیا تھا۔

"ڈیڈ یہ ایسے نہیں ماننے کی مجھے اپنی زبان میں سمجھانے دیں اسے۔" یاور درانی اسے بری طرح غصے سے گھورنے لگا تھا۔ اور ایک قدم میں اس کی طرف بڑھا تھا اور ایک جھٹکے سے اس کی کانچ کی کلائی تھام لی تھی۔

"چل میرے ساتھ --- تجھے پیار کی بات سمجھ میں آتی نہیں ہے۔"

"نہیں!"

معصوم نے خوفزدہ ہو کر عارفین کا کسرتی بازو اپنی ہتھیلی میں سختی سے دبوچ لیا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" عارفین نے یاور درانی کے ہاتھ سے معصوم کی کلائی چھڑوائی تھی۔

"جب معصوم منع کر رہی ہے کہ یہ سب جھوٹ ہے تو ان سب کیا مطلب۔" عارفین کو یاور درانی کا اس طرح معصوم کو ہاتھ لگانا سخت ناگوار گزرا تھا۔ معصوم تو پھرتی سے عارفین کی پشت کے پیچھے پھر سے جا چھپی تھی کہ جیسے وہ لوگ اسے لے ہی نہ جا سکیں۔

"عارفین صاحب! اب آپ زیادتی کر رہے ہیں معصوم ہماری بہو بیٹی ہے آپ کو انہیں یہاں روکنے کا کوئی حق نہیں ہے۔" اسفند درانی خواہ مخواہ ہو گئے تھے مگر زیادہ غصہ کر کے کام کو بگاڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اپنے غصے پر کنٹرول کیا کیونکہ ثبوت بھی تو ان کے پاس۔

"بہرحال جو کچھ بھی ہے میں نہیں جانتا میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ معصوم میری بیوی ہے اور مجھے اس پر پورا پورا بھروسہ ہے وہ اگر بول رہی ہے تو سچ ہی ہے۔ اسی لیے آپ لوگوں کی بہتری اسی میں ہے کہ آپ لوگ یہاں سے تشریف لے جائیں اور دوبارہ یہاں آنے کی تکلیف نہیں کیجیے گا۔"

(جاری ہے)

قمروش شہک

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 19

تیرے پیار کی خوشبو

عارفین کو غصہ تو بہت آیا دل تو شدت سے چاہا کہ نہ صرف ٹھیک ٹھاک سنا دے بلکہ یاور درانی کی بدتمیزی پر اس کا ریشہ ریشہ الگ کر دے مگر وہ دونوں ان کے گھر پہلی دفعہ آئے تھے، اس لیے نرمی برتی تھی، پیچھے

کھڑی مقسوم جس نے عارفین کی چوڑی پشت کو سختی سے پکڑ رکھا تھا۔ وہ بغور اسے سن رہی تھی اور دل میں سوچ رہی تھی کہ وہ اب محفوظ ہے عارفین اسے کچھ نہیں ہونے دے گا۔

''چلو مقسوم!'' عارفین نے گھوم کر سہمی ہوئی مقسوم کی کپکپاتی کلائی تھامی اور وہاں سے اسے اپنے بیڈ روم میں لے آیا تھا۔

''ڈیڈ! آپ نے اسے ایسے کیوں جانے دیا؟'' یاور درانی غصے سے ان کے پیچھے جانے لگا تھا کہ اسفند درانی نے اس کو روک دیا تھا۔ وہ اور غصہ ہو گیا تھا۔

''ریلیکس مائی سن! ریلیکس۔'' اسفند درانی نے ایک نظر بیڈ روم کا بند دروازہ دیکھا پھر یاور درانی کو دیکھا تھا۔

''تم ایک کام کرو کینیڈا سے شادی کی تصویریں، مووی اور نکاح نامہ سب ارجنٹ منگواؤ'' یہ عارفین خاصی

ٹیڑھی کھیر ہے اور جب گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو انگلی ٹیڑھی کرنی پڑتی ہے۔"

ان کے ذہن نے ابھی ابھی سارا سازشی پلان بنالیا تھا۔ ہونٹوں پر مکروہ اور پراسرار مسکراہٹ لیے وہ واپسی کے راستے پر ہو لیے اور ان کے پیچھے یاور درانی چل دیا تھا۔

☆......☆

وہ بیتے دن یاد ہیں
وہ پرچھن یاد ہیں
گزارے تیرے سنگ جو

ژالے بیڈروم کی صفائی کررہی تھی۔ زرمیل بیک کراؤن سے ٹیک لگائے اسٹیریو پر یہ گانا فل والیوم میں سن رہا تھا اور وہ یہ گانا فل والیوم میں کیوں سن رہا تھا۔ وہ اچھی طرح سے جانتی تھی۔ مری کے ہوٹل میں گزارے اس کے ساتھ وہ دو دن دو راتیں بھلا وہ کیسے بھول سکتی تھی۔ وہی دو دن تو تھے جس نے اس کو سراپا بدل دیا تھا۔ اس کی زندگی بدل دی تھی۔ اس کے دل میں زرمیل کے لیے محبت ہی محبت آباد کردی تھی۔ اس نے چپکے سے ایک نظر زرمیل پر ڈالی تھی۔ وہ آنکھیں موندے شاید انہی لمحوں کی کہانی میں کھویا ہوا تھا۔

وہ باتیں سب یاد ہیں
وہ راتیں سب یاد ہیں
بتائے تیرے سنگ جو

ژالے کے دل میں ہلکا سا درد اٹھا تھا۔ آج زرمیل اس حالت میں تھا تو اس کی وجہ صرف اور صرف وہ ہی تو تھی۔ وہ شاید یونہی یک ٹک زرمیل کو تکتی رہتی اگر اچانک سے زرمیل نے آنکھیں نہ کھول لی ہوتیں، وہ بری طرح سے گڑبڑا کے رہ گئی تھی اور پھر سے ڈریسنگ ٹیبل کی صفائی کرنے لگی تھی۔ زرمیل نے بغور اس کو دیکھا تھا۔ شیشے میں اس کے عکس سے بہت سی یادیں مزید گہری ہوتی چلی گئی تھیں، جن سے اب تکلیف ہونے لگی تھی۔

"وہ زخم اتنے گہرے ہیں کہ شاید ہی مندمل ہوں، جسم کے ان زخموں سے زیادہ تو روح پر گھاؤ لگے ہیں، جن سے ابھی بھی لہو رستا ہے اور ان سب کی وجہ سامنے کھڑی ژالے ہے۔"

اسٹیریو ابھی بھی چل رہا تھا۔ جس کی فل والیوم سے پورے کمرے کے در و دیوار گونج رہی تھیں۔ ژالے نے پورے بیڈروم کی صفائی کردی تھی۔ سوائے بیڈشیٹ چینج کرنے کے ہمت کر کے وہ بیڈ کی طرف بڑھی۔

"زرمیل! وہ مجھے بیڈشیٹ چینج کرنی ہے۔" ہاتھ میں بیڈشیٹ لیے سر کو نگاہوں کو جھکائے اس طرح کھڑی تھی جیسے کوئی مجرم اپنے جرم کا اعتراف کررہا ہو۔

زرمیل کے دل میں جانے کیا آیا اس نے سائیڈ ٹیبل سے کھڑی اپنی اسٹک اٹھائی اور آہستگی سے کھڑا ہوا تھا اور اس پر ایک غلط نگاہ ڈالتا آرام آرام سے چلتا ہوا صوفے پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔ ژالے نے جلدی سے بیڈشیٹ چینج کی تاکہ زرمیل آرام سے پھر بیڈ پر لیٹ جائے۔ ارادہ تھا کہ بیڈشیٹ چینج کرلے اور کمرے سے باہر چلی جائے کیوں کہ زرمیل نے یہ گانا پھر سے اسٹارٹ کردیا تھا۔

رضا بھی حرا کے ساتھ سامنے کسی بچے کی برتھ ڈے پارٹی میں گیا ہوا تھا۔ عارفین بھی کچھ دیر پہلے زرمیل سے کافی باتیں کر کے چلا گیا تھا۔ وہ بھی اپنا سارا کام نمٹا کے اوپر نجمہ کے پاس جانا چاہتی تھی۔ اولا و اکرا دان

اور غمگین ہو تو ماں کی نرم و گرم آغوش کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔ وہ سکون حاصل کرنے کے لیے اپنی ماں کی آغوش میں چھپ کر ڈھیر سارا رو کر اپنے دل کا غبار ہلکا کرنا چاہتی تھی۔

ژالے بیڈشیٹ چینج کر کے جیسے ہی مڑی تھی، بالکل پیچھے زرمیل کھڑا تھا ان سرمئی آنکھوں میں جانے کیسا جذبہ ہلکورے لے رہا تھا۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکی تھی۔ اس کے ہاتھ سے نہ صرف میلی بیڈشیٹ کارپٹ پر گری تھی بلکہ زرمیل کے یوں اچانک پیچھے کھڑے ہونے پر ژالے نے اس کا مضبوط بازو پکڑ لیا تھا مگر خود کو سنبھال ہی نہیں سکی اور نہ زرمیل نے ایسی کوئی کوشش کی تھی وہ بیڈ پر گری تو زرمیل نے اس کے گرد اپنے مضبوط بازو کا حصار کھینچ دیا تھا۔

"مری کے ہوٹل میں گزارے تمہارے ساتھ وہ دو دن، دو راتیں یاد آتی ہیں تو دل کرتا ہے، اپنے ساتھ ساتھ تمہاری ہستی بھی مٹا دوں۔ کاش اپنی زندگی کے اوراق میں سے یہ صفحے پھاڑ کر جلا سکتا۔ کبھی کبھی تو سوچتا ہوں میری محبت میری چاہت کی۔ میری قربت و رفاقت کے تم قابل تھیں ہی نہیں، تم جیسی بے حس خود غرض مفاد پرست لڑکی سے محبت کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔" ان سرمئی کانچ میں اتنا زہر اتنا غصہ اتنی کڑواہٹ تھی وہ سب الگ بات تھی۔

وہ نفرت وہ بھی شدید نفرت...... وہ کیسے ان کا بوجھ سنبھال سکے گی۔ وہ تو یہی سوچ سوچ کر گھٹ گھٹ کر مر جائے گی کہ زرمیل اسے بے وفا سمجھتا ہے۔"

"اتنی نفرت کرتے ہیں آپ مجھ سے۔" اپنی ہی آواز جیسے کسی گہرے کنواں سے آتی محسوس ہوتی تھی۔

"ہونہہ...... نفرت......" وہ طنزیہ ہنستا تھا اور اس کے چہرے پر آئی چند بکھری الجھی لٹوں کو اپنی انگلی میں لپیٹنے لگا تھا اور بغور ان سبز جھیل میں جھانکنے لگا تھا۔

"یہ تو بہت چھوٹا لفظ ہے تم تو اس سے بھی زیادہ کی حقدار ہو۔"

بس اس کی رہی سہی ہمت بھی ٹوٹ گئی تھی اس سے پہلے کہ ان سبز جھیل جیسی آنکھوں سے ایک سمندر بہنے لگے جس کی اس دشمن جاں کی نظروں میں دل میں کوئی قدر نہیں وہ کیوں اب اس کے سامنے مزید رو کر خود کو ارزاں کرلے، اس نے ان نفرت بھری سرمئی آنکھوں سے بچنے کے لیے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

"آں...... آں......" زرمیل نے فوراً ٹوک دیا تھا اس نے آنکھیں کھول دیں مگر ان میں ناچاہتے ہوئے بھی نمی سی بھرنے لگی تھی۔

"کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلینے سے خطرہ نہیں ٹل جائے گا۔ میری تکلیف کا اذیت کا ایک ایک حساب دینا ہوگا تمہیں، جتنا درد مجھے ہے اس سے دوگنا تمہیں سہنا ہوگا۔ چاہے اس میں تمہاری جان ہی کیوں نہ چلی جائے مگر نہیں ان سب سے پہلے مجھے میرا بچہ چاہیے۔"

وہ اس پر جھکا تھا اور اس کے لبوں پر اپنی نفرت کی ایک مہر ثبت کردی تھی۔ اس نفرت کی شدت اس نے اپنے اندر تک محسوس کی تھی۔ زرمیل اٹھا اور اسٹک کے سہارے چلتا ہوا واش روم میں چلا گیا تھا۔

ژالے نے اپنے لبوں پر ہاتھ پھیرا جہاں سے خون کی معمولی سی بوند ٹپکنے لگی تھی۔ زرمیل نے اس کا ہونٹ زخمی کردیا تھا۔ آنکھوں میں آنسو لیے بمشکل اس نے اپنے وجود کا بوجھ اٹھایا تھا اور ہارے ہوئے قدموں سے باہر نکل گئی تھی۔

☆......☆

اسفند درانی اور یاور درانی آج تین دن بعد پھر آئے تھے اور جو کچھ اپنے ساتھ لائے تھے وہ کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔ وہ یقین نہیں کرتا مگر کیسے نہیں کرے یہ سب اپنی آنکھوں سے جو دیکھ رہا تھا تو کسی شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں نکلتی تھی۔

"نہیں...... عارفین! یہ سب جھوٹ ہے۔ بکواس ہے، یہ سب ان دونوں کی پلاننگ ہے۔" مقسوم عارفین کے پاس آئی اور اس کا مضبوط ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"عارفین! میرا یقین کریں یہ سب بالکل سچ نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں کی چال ہے مجھے یہاں سے لے جانے کی۔ عارفین آپ سن رہے ہیں ناں۔" وہ سسکتی ہوئی عارفین کے قدموں میں بیٹھ گئی تھی۔

"وہ نہیں سنیں گے تمہاری کیوں کہ عارفین نے یہ سب حقیقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی ہے۔ وہ تمہارا یقین نہیں کرے گا۔" یاور درانی نے خباثت سے مسکراتے ہوئے بلکتی ہوئی مقسوم کو دیکھا تھا۔ عارفین نے ایک نظر یاور درانی پر ڈالی پھر مقسوم کو دیکھتا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے ہٹاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ یاور درانی نے اپنے باپ اسفند درانی کو فاتحانہ نظروں سے دیکھا تھا۔ اسفند درانی نے اشارہ کر دیا۔

"چلو اب بہت ہوگئی ہے یہ رونا پیٹنا ختم کرو۔ اٹھو اور ہمارے ساتھ کینیڈا چلو تمہارے چلنے کے سارے انتظامات کر دیے ہیں۔ آج شام کی ہی فلائیٹ سے ہمیں نکلنا ہے۔" یاور درانی نے کہنے کے ساتھ ہی بڑی بے دردی سے اس کی کلائی اپنے شکنجے میں سختی سے دبوچی اور اسے گھسیٹنے کے انداز میں لے جانے لگا تھا۔

"نہیں کبھی نہیں تم دھوکے باز ہو۔" مقسوم نے ایک ہی جھٹکے سے یاور درانی سے اپنی کلائی چھڑائی اور رخ موڑے عارفین کی طرف بھاگی تھی۔

"عارفین! میرا یقین کریں خدارا، یہ جھوٹ بول رہے ہیں یہ تصویریں یہ نکاح نامہ یہ مووی سب جھوٹ ہے۔ جعلی ہے سب ان میں کوئی سچائی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ میں صرف آپ کی بیوی ہوں۔ آپ سے محبت کرتی ہوں آپ کو چاہتی ہوں۔" وہ بے نیاز کھڑے عارفین کے سامنے آئی اور اس کے شانے پر اپنی ہتھیلی رکھ دی تھی۔ عارفین نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا، وہ آنسوؤں سے بے اختیار رو رہی تھی۔ اپنی بات کا یقین دلا رہی تھی اور جو اعتراف وہ آج کر رہی تھی اس کو سننے کے لیے تو اس نے کتنا بے صبری سے انتظار کیا تھا مگر آج اس پل اس اعتراف نے اپنی قدر کھو دی تھی۔ وہ شاید ان کے ڈر کی وجہ سے یہ اعتراف محبت کر رہی تھی یا شاید اسے بہلا رہی تھی۔

"چل مقسوم! بہت ہوگیا تیرا ڈراما اب نکلنے کی کر یہاں سے۔" یاور درانی اپنی اصلیت پر اتر آیا تھا اپنے مہذبانہ خول سے باہر آگیا تھا۔ مقسوم کا ہاتھ اتنی بری طرح پکڑا تھا کہ اس کا ناخن لگنے کی وجہ سے اس کی کلائی چھل گئی تھی جہاں سے خون کی چند بوندیں نکلی تھیں۔

"چھوڑو مجھے۔" یاور درانی زبردستی اسے گھسیٹنے لگا تھا۔ مقسوم پوری جان سے اپنی کلائی اس درندے سے چھڑا رہی تھی۔

"عارفین! خدا کے لیے مجھے بچا لیں یہ لوگ مجھے مار دیں گے عارفین...... عارفین......" وہ بری طرح حلق کے بل چیخی تھی۔ عارفین کے دماغ کی رگیں تن گئی تھیں وہ دانتوں کو بھینچتا ہوا پیچھے مڑا تھا۔

"چھوڑو مقسوم کا ہاتھ۔" یاور درانی، عارفین کو دیکھنے لگا تھا مگر مقسوم کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ بلکہ اس بار اسفند درانی آگے بڑھا تھا۔

"دیکھو عارفین......!"

"شش......" عارفین نے اسفند درانی کو خاموش کرا دیا اور غصے سے یاور درانی کو دیکھا تھا۔

"میں نے کہا مقسوم کا ہاتھ چھوڑو۔"

"دیکھو عارفین! جتنا میں نے صبر کرنا تھا کر لیا تم سے نرمی سے بات کرنا میری مجبوری تھی مگر تم شاید نرمی کی زبان نہیں سمجھتے ہو۔ بہتری اسی میں ہے کہ تم میرے راستے کی رکاوٹ مت بنو ورنہ تمہارے لیے اچھا نہیں ہوگا۔"

"میں تم سے کہہ رہا ہوں مقسوم کا ہاتھ چھوڑو۔" عارفین نے خود ہی آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے یاور درانی کے ہاتھ سے مقسوم کی کلائی چھڑائی تھی۔ یاور درانی سے اپنی بے عزتی ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے عارفین پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ جسے عارفین نے اپنے فولادی ہاتھ سے پکڑ لیا تھا۔ بلکہ وہی ہاتھ بری طرح موڑ بھی دیا تھا۔ وہ ٹھہرا بلیک بیلٹ اس کے آگے کہاں یاور درانی جیسے رنگین مزاج رکھنے والے کی چل سکتی تھی۔

"یہ پہلی اور آخری بار ہے جو میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ آج کے بعد اس گھر میں تو کیا اس علاقے کے آس پاس بھی نظر مت آنا۔" عارفین نے کہہ کر زور سے اس کا ہاتھ چھوڑا تھا کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا صوفے پر گرا تھا۔

"یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو عارفین بیگ!" اسفند درانی نے گرتے ہوئے یاور درانی کو پھر عارفین کو دیکھا تھا۔

"گیٹ آؤٹ۔" اس نے مزید آگے کوئی بات کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

"ڈیڈ! چلیے یہاں سے اس کو سمجھانے کا دوسرا طریقہ بھی ہے میرے پاس۔" یاور درانی صوفے سے کھڑا ہوا مقسوم اور عارفین کو گھورتا اسفند درانی کے پاس آیا تھا۔

"دیکھ لوں گا میں تمہیں۔" اسفند درانی اسے دھمکی دے کر یاور درانی کے ہمراہ نکلتے چلے گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد عارفین نے مقسوم کی کلائی چھوڑ دی تھی اور چلتا ہوا اپنے اور مقسوم کے مشترکہ بیڈ روم میں چلا آیا تھا۔ اس کے پیچھے مقسوم بھاگی بھاگی آئی تھی۔

"عارفین...... عارفین میری بات سنیے پلیز۔" وہ عارفین کی راہ میں حائل ہوگئی تھی۔

"اب کیا کہنا چاہتی ہو تم؟" کتنا عجیب سا انداز تھا اس کا پہلے سے بالکل بدلا بدلا لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ پہلے والا عارفین ہے۔

"عارفین وہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں، ان تصویروں اور مووی میں وہ لڑکی میں نہیں کوئی اور ہے آپ پلیز مجھ سے بدگمان مت ہوئیے۔ میرا یقین کیجیے میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی ہوں مگر یہ بھی سچ ہے کہ اسفند درانی میرے چاچو اور یاور میرا کزن ہے لیکن پاپا نے ان لوگوں سے اپنی زندگی میں ہر رشتہ توڑ لیا تھا۔ ہم ان سے نہیں ملتے تھے۔ عارفین میں صرف آپ سے محبت کرتی ہوں آپ ہی میرے سب کچھ ہیں۔"

"بول لیا۔" کتنا پرسکون انداز اور ٹھنڈا لب و لہجہ تھا۔

"عارفین!" وہ کچھ اور بولتی کہ عارفین نے بات ہی کاٹ دی تھی۔

"اسٹاپ اٹ کیا سمجھتی ہو خود کو۔" عارفین سے اب اور زیادہ خود پر اپنے غصے پر کنٹرول کرنا مشکل ہوگیا تھا۔ اس نے بے ساختہ ہی مقسوم کے دونوں نازک بازو پکڑ کے جھنجوڑ دیے تھے۔

''حقیقت تو یہ ہے مقسوم بی بی کہ تم نے مجھ سے شادی اسفند درانی اور یاور درانی سے بچنے کے لیے ہی کی تھی۔ سوئی کا تو صرف بہانہ تھا اتنے ماہ ہو گئے ہماری شادی کو آج تک تم نے مجھے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا اور آج اچانک تمہیں مجھ سے محبت بھی ہو گئی۔'' کس قدر تضحیک آمیز جملہ تھا کہ وہ حیرت بھری نظروں سے دیکھتی کی دیکھتی ہی رہ گئی۔

''عارفین! آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔'' روہانسی سی آواز آنکھوں میں آنسو لیے وہ اسے یقین بھی نہیں دلا پا رہی تھی۔

''غلط سمجھ رہا ہوں۔'' عارفین نے اس کے دونوں بازو چھوڑ دیے تھے اور ایک قدم کے فاصلے پر جا کھڑا ہوا سینے پر دونوں بازو باندھے اس نے مقسوم کو دیکھا تھا۔

''او کے فائن! تم مجھے سمجھاؤ اس میں کیا غلط بات ہے۔'' طنزیہ مسکراہٹ لیے وہ اس کے بہتے آنسوؤں کی بھی پروا نہیں کر رہا تھا۔

''پلیز ٹیل ہی مقسوم عارفین! اوہ سوری مقسوم اظہر یا ایکس وائے زیڈ......''

''پلیز عارفین! ایسا مت بولیے۔''

''پھر کیا بولوں۔ اصل بات تو یہ بھی ہے کہ تمہیں پروٹیکشن چاہیے تھی مجھ سے جو تمہیں مل گئی۔ تم نے مجھے دھوکہ دیا سو دیا مگر میں تمہیں دھوکا نہیں دوں گا کیوں کہ میں ایک فیئر بندہ ہوں اور فیئر ہی لوگوں کو پسند کرتا ہوں۔''

''میں نے آپ کو دھوکا نہیں دیا ہے۔'' آنسو آنکھوں سے زارو قطار رواں دواں تھے۔

''ایک اور مذاق...... اینی ویز میں زیادہ بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ تمہیں ایک مضبوط سہارا چاہیے تھا اسفند درانی اور یاور درانی سے بچنے کے لیے سو وہ تمہیں مل گیا اور جب تک یہ معاملہ کلیئر نہیں ہو جاتا اس وقت تک تم یہاں رہ سکتی ہو۔''

کتنا سخت دل ہو گیا تھا وہ کہ اسے مقسوم کے رونے کا بھی خیال نہیں رہا تھا۔ وہ تو دعویٰ کرتا تھا اس کی سوچ پڑھنے کا پھر اب؟ اب کیا ہوا اس کے دعوے سارے کے سارے دھرے رہ گئے۔ مگر یہ بھی سچ اور حقیقت تھی کہ اس نے یہ سب چھپایا اپنی پچھلی زندگی چھپائی اس سے مگر ان سب سے زیادہ بڑا سچ یہ بھی تھا کہ وہ عارفین سے پیار کرنے لگی تھی۔ اندر ہی اندر اسے چاہنے لگی تھی اور اس بات کا وہ اقرار بھی کر لیتی اگر اچانک سے یاور درانی اور اسفند درانی بیچ میں نہیں آ جاتے جو کچھ بھی ہوا اس کا انجام مگر وہ عارفین سے جدائی نہیں چاہتی یہ سوچ ہی سوہان روح تھی۔

وہ تو کب کا جا چکا تھا مگر اس کو انگاروں پر برہنہ پا چلنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

☆......☆

وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ کھٹکے کی آواز پر آنکھ کھولی تھی تو حنین آفریدی اندر آیا تھا اور پاس پڑی چیئر گھسیٹ کے بیڈ کے پاس لا کر اس پر بیٹھ گیا تھا۔ لاروش اغولان تو اس کو دیکھتے ہی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

''جو کچھ ہوا میں ان سب کے لیے تم سے بہت شرمندہ ہوں، مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' حنین آفریدی نے بغور لاروش اغولان کو دیکھا جو ان چند دنوں میں بالکل مرجھا کے رہ گئی تھی۔ زوباریہ اور بی جان تو بہت

ان کا خیال رکھ رہی تھیں مگر وہ اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی۔ حنین آفریدی اور اس کے دوستوں کی اس حرکت اور بے عزتی نے اسے اپنی ہی نظروں میں گرا دیا تھا۔ اس کی نسوانیت کو گہری چوٹ لگی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی ہرنی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ حنین آفریدی کو جانے کیوں تکلیف ہوئی تھی اندر کچھ ہوا کسی جذبے نے سر اٹھایا تھا جسے وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

''عماد نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا وہ بھی اپنی غلطی پر پشیمان ہے اور اپنی غلطی کی تلافی چاہتا ہے۔ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' حنین آفریدی کا یہ کہنا ایسا تھا جیسے اس کے سر پر یہ پوری چھت آ گری ہو وہ آنسو روکے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں حنین کچھ اندازہ ہے آپ کو۔''

''ہاں تو اس میں برا کیا ہے عماد اسٹیبلش ہے، اچھی فیملی سے بلونگ کرتا ہے، فیوچر بھی روشن ہے، وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔ رہا ہمارا نکاح تو یہ بات تو صرف ہم دونوں کے بیچ میں ہے۔ میں تمہیں ابھی ڈائیورس......''

''خدا کے لیے چپ ہو جائیے۔'' لاروش اغولان نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

''دیکھو لاروش! میرے ساتھ زندگی گزارنا بہت مشکل ہے تمہارا میں تو آل ریڈی سمعیہ کو پسند کرتا ہوں اور بہت جلد اسی سے شادی کروں گا۔ گھر والے آج نہیں تو کل مان ہی جائیں گے۔ مگر میں تمہیں یوں اپنے نام کے ساتھ باندھ کر رکھ کے تمہاری زندگی خراب نہیں کر سکتا۔ اس لیے میرا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ میں بہت جلد تمہارے ہاتھ میں آزادی کا پروانہ رکھ کے عماد کو اجازت دے دوں گا وہ جلد ہی اپنی فیملی کو لے کر تمہارے رشتے کے لیے یہاں آ جائیں۔'' حنین آفریدی نے مزید کچھ نہیں کہا اور ایک سرسری سی نظر اس پر ڈال کر کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔ لاروش اغولان صرف دیکھتی کی دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔

''نہیں یہ نہیں ہو سکتا میں ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گی۔'' لاروش اغولان نے بڑی بے دردی سے اپنا چہرہ صاف کیا تھا اور بہت کچھ سوچ کر وہ بیڈ سے نیچے اتری تھی۔

☆......☆

وہ آج آفس جا رہا تھا۔ خود ہی تیار ہوا تھا۔ ثرالے کی ذرا سی بھی مدد لینا گوارا نہیں کی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا۔ مگر مرر میں سے نظر آتے اس کے عکس پر نگاہیں ٹکی ہوئی تھیں۔ وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ بہت کمزور ہو گئی تھی۔ چاند کو شرماتا اس کا حسن ماند پڑ گیا تھا۔ اس کی جھیل جیسی سبز آنکھیں جن میں وہ کبھی ہی تک دیکھنا نہیں چاہتا تھا اب وہ ہر دم بھیگی ہی رہتی تھیں۔ وہ کہیں کچھ زیادہ ہی تو غلط نہیں کر رہا۔ وہ تو ثرالے سے عشق کرتا تھا۔ محبت کرتا تھا پھر یہ کیسی محبت تھی جس میں وہ جل بھی رہی تھی اور جلا بھی رہی تھی۔ وہ ماں بننے والی تھی اسے اس وقت اس کی محبت کی توجہ کی ضرورت تھی۔ رضا کی دفعہ وہ یہاں نہیں تھا جب بھی اس نے ایسی حالت میں اکیلے ہی تکلیف اٹھائی تھی اور آج بھی وہ اسے اکیلا چھوڑ رہا تھا۔ رضا کی بار تو وہ یہاں موجود نہیں تھا مگر اب تو وہ یہاں تھا پھر کیوں وہ اسے سزا دے رہا تھا۔

''بس بہت سزا پا لی اس نے اب اور نہیں۔ میں اسے اب اور تکلیف نہیں دوں گا۔ اپنی بانہوں میں قید کر کے اپنی پناہوں کے حصار میں چھپا کے اسے بے انتہا پیار دوں گا۔ اس کے سارے غم، دکھ، تکلیف اپنے اندر اتار لوں گا۔ وہ میرے پاس میرے قریب میرے بیڈ روم میں ہے۔ وجہ چاہے جو بھی ہو مگر میری محبت کا

ثبوت تو یہ ہے کہ وہ میرے پاس آگئی ہے۔ جس کے لیے کتنی تکلیفیں سہی ہیں میں نے بھی اور ژالے نے بھی۔ مگر اب اور نہیں...... دکھوں کے دن گئے اور ہم اپنی زندگی میں خوشیوں کو خوش آمدید کہیں گے۔" زرمیل بہت کچھ سوچتا مڑ سے ہٹا اور چلتا ہوا اس کے بالکل سامنے آکھڑا ہوا تھا۔ دل شرارت پر آمادہ ہوا تھا اور وہ اپنی دل کی بات نہیں ٹال سکتا تھا۔ اس نے ژالے کی مرمریں نازک سی کمر میں اپنا مضبوط آہنی بازو ڈال کر اسے اپنے سے قریب تر کرلیا تھا کہ معمولی سا بھی انچ بھر کا فاصلہ نہیں رہا تھا۔

"کیا ہر دم روتی بسورتی شکل بنائے رکھتی ہو۔ اس طرح شکل بنائے رکھو گی تو میری بیٹی بھی روتی ہوئی اس دنیا میں آئے گی اور مجھے اپنی بے بی خوب صورت گول مٹول پیاری سی چاہیے نہ کہ تمہاری طرح روتی ہوئی اس لیے اپنے لیے نہیں میری بیٹی کے لیے ہنسو بولو اور خوش رہا کرو۔" زرمیل نے ژالے کے سبز کانچ میں اپنا جھلملاتا عکس بغور دیکھا تھا۔

"زرمیل بھائی! عارفین بھائی بلا رہے ہیں۔" حرا نے باہر سے ہی ہانک لگائی تھی۔ وہ شاید بہت جلدی میں تھی اس لیے دروازہ بھی کھٹکھٹانے کا ٹائم نہیں تھا۔

"اوکے اللہ حافظ! شام میں جب میں واپس آؤں تو مجھے تم ایسی بری شکل اور ایسے تلچھے کپڑوں میں نہیں ملو، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" وہ ایک بھرپور نظر اس کے چہرے پر ڈالتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

"یہاں بھی اپنی ہی غرض شامل تھی۔" ژالے کا دل خون خون ہوا تھا۔

"یار! کیا ضرورت ہے آفس جانے کی کچھ دن اور ریسٹ کرلو اچھی طرح صحت یاب ہوجاتے پھر آفس آجانا۔" عارفین نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

"نہیں گھر میں رہ رہ کر بہت بور ہوگیا ہوں۔" نگاہیں ونڈ اسکرین پر گاڑھ دیں۔

"ژالے کے ہوتے ہوئے بھی......" مذاقاً چھیڑا تھا جس کا زرمیل نے مسکرانے کے علاوہ کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"خیر ان سب باتوں کو چھوڑو یہ بتاؤ کل کوئی آیا تھا تم سے ملنے؟"

"کیوں تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" وہ چونکا ضرور تھا مگر ظاہر نہیں کیا۔

"حرا بتا رہی تھی اوپر سے کافی شور کی آوازیں آرہی تھیں تم بھی کافی غصے میں تھے۔"

"حرا کہاں تھی، وہ کچھ اور بھی بتا رہی تھی کیا؟" بہت عام سا انداز تھا وہ مقسوم کی بات اس گھر میں کسی کو بھی بتانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ یہ معاملہ اپنے طور پر ہینڈل کرلے گا۔

"وہ شاید نجمہ چچی کے پاس کسی کام سے گئی تھی۔ وہیں اس نے کچھ زور زور سے بولنے کی آوازیں سنی ہوں گی مگر تم بتاؤ سب خیریت تو ہے نا کوئی مسئلہ ہے کیا؟" بہت عام سا لب و لہجہ تھا زرمیل کا معمولی سا شک کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ جس کا مطلب تھا حرا نے کچھ نہیں سنا ورنہ وہ زرمیل کو ضرور کچھ بتاتی۔

"ارے نہیں یار! کوئی ایسا خاص مسئلہ نہیں ہے۔" عارفین نے ایک موڑ کاٹا تھا۔

"اچھا زرمیل ایک بات بتاؤ۔"

"ہاں پوچھو۔"

"وہ جو پچھلے سال ہمارے آفس کا ایک ایمپلائی تھا جو اسمگل کرکے کینیڈا چلا گیا ہے اس کا کچھ اتا پتہ ہے تمہارے پاس؟"

"کون حیدر......؟"

"ہاں وہی حیدر عباسی......"

"ہاں کیوں نہیں ہوگا ویسے آسان طریقہ تو یہی ہوگا کہ انٹرنیٹ پر معلوم کرلو ورنہ ہمارے کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ میں اس کی ساری انفارمیشن ہوں گی۔ لیکن تمہیں اچانک سے اس کی کیا ضرورت پڑ گئی۔" زرمیل نے سوالیہ نظروں سے اسٹیئرنگ گھماتے عارفین کو دیکھا تھا۔

"کچھ نہیں بس ذرا حیدر عباسی سے تھوڑا کام تھا۔ خیر تم چھوڑو میں پتہ کرلوں گا، تم سناؤ۔" عارفین نے باآسانی باتوں کا رخ دوسری طرف موڑ دیا تھا۔

☆......☆

رابعہ، آسیہ، فہیم احمد آج عمرے سے واپس آگئے تھے اور ان کے ساتھ وانیہ بھی آئی تھی۔ سب بہت خوش تھے کہ اچانک سے کچن سے کچھ گرنے کی زوردار آواز آئی تھی۔

"ماما۔"

"یا اللہ خیر یہ آواز تو ژالے کی ہے۔"

آسیہ ہاتھ میں پکڑا بیگ وہیں پھینکتے کچن کی سمت بھاگی تھیں ان کے پیچھے نجمہ بھی دل پر ہاتھ رکھے بھاگی تھیں۔ حرا اور وانیہ نے بھی جانے میں دیر نہیں کی تھی باہر ڈرائیور کے ہمراہ گاڑی سے سامان نکالتے سلیم احمد اور فہیم احمد بے خبر تھے۔

کچن میں ژالے کو ماربل کے فرش پر اوندھا پڑا دیکھ کر نجمہ کے تو اوسان ہی خطا ہوگئے تھے۔ وہ وہیں دیوار کا سہارا لے کر نہ کھڑی ہوتیں تو چکرا کے زمین بوس ہوجاتیں، آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھانے لگا تھا۔ حرا، مقسوم، وانیہ اور آسیہ تیزی سے ژالے کے پاس زمین پر بیٹھی تھیں اور اسے آہستگی سے مگر جلدی سیدھا کیا تھا مگر ژالے بے ہوش ہوچکی تھی۔

"ژالے میری بچی۔ آنکھیں کھولو۔" آسیہ نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔

"یہ بے ہوش ہوگئی ہے جلدی سے ایمبولینس بلاؤ۔" آفس فون کردیا گیا تھا۔ عارفین اور زرمیل وہیں اسپتال میں آگئے تھے۔

"یہ کیسے ہوا یہ سب؟" زرمیل، آسیہ کے پاس آیا تھا ان کے عمرے پر سے آنے کی خوشی منائے یا ژالے کے گر جانے پر افسردہ ہو۔

"زرمیل بھائی! ژالے کچن میں تھی اسٹول پر چڑھ کر شاید اوپر کیبنٹ سے کچھ نکال رہی تھی۔ اسی پر سے گر گئی ہے۔" حرا نے شرمندگی سے کہا۔

"تم کہاں تھیں؟" زرمیل نے حرا کو سخت نظروں سے دیکھا تھا۔

"ہم سب ممی ڈیڈی اور پھپھو کو ایئرپورٹ ریسیو کرنے گئے تھے۔"

"انہیں لینے نجمہ چچی اور سلیم چاچو جب گئے تھے تو تمہارا جانا ضروری تھا۔" آج کافی عرصے بعد زرمیل کا غصہ عود کر آیا تھا۔ حرا کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے وہ تو رابعہ پھپھو آگے بڑھیں اور زرمیل کے چوڑے شانے پر ہاتھ دھر دیا تھا۔

"حرا! تم جاؤ۔" انہوں نے اسے اشارے سے زرمیل کے سامنے سے ہٹ جانے کو کہا تھا حرا وہاں سے

ہٹی اور بینچ پر جا کر سر جھکائے اشک بہانے لگی تھی۔

"مقسوم! تم تو گھر میں تھیں تم نے بھی ژالے کا خیال نہیں رکھا۔" رابعہ نے شکایتی نظروں سے مقسوم کو دیکھا تھا۔

مقسوم نے شرمندہ شرمندہ سی نظریں اوپر اٹھائیں وہیں پاس کھڑے عارفین سے نظروں کا تصادم ہوا۔ جو سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا مگر مقسوم کے دیکھنے پر رخ پھیر لیا تھا۔ مقسوم کا دل اس دشمنِ جاں کا اس طرح سے منہ پھیرنے پر کٹ کر رہ گیا اور پھر رابعہ بھی تو غلط نہیں کہہ رہی تھیں اس کو ژالے کو ایسی حالت میں چھوڑ کے نہیں جانا چاہیے تھا اوپر اپنے بیڈروم میں۔

"آئی ایم سوری امی!"

"سوری سے کیا ہوگا۔ جو ہونا تھا وہ تو ہوگیا تم لوگوں کو خیال رکھنا چاہیے تھا مجھے کم از کم تم سے یہ امید نہیں تھی۔" رابعہ نے مقسوم کو سخت سنائی تھیں جس کا اس نے قطعی برا نہیں مانا تھا۔ زرمیل نے ایک غصے کی نظر مقسوم کے جھکے سر پر ڈالی اور وہاں سے ہٹتا چلا گیا تھا۔ کچھ ہی گھنٹوں میں ڈاکٹر بھی آگئی تھی آسیہ اور رابعہ جلدی سے آگے بڑھیں۔

"ڈاکٹر! کیسی ہے ہماری بچی؟"

"بہت سیریس کنڈیشن ہوگئی تھی اباَرشن کرنا لازمی ہوگیا تھا۔"

کیا......!" پیچھے کسی کے گرنے کی آواز پر سب نے پیچھے مڑ کے دیکھا تھا تو نجمہ زمین پر گر چکی تھیں جلدی سے وہ سب ان کی طرف بڑھے تھے۔

"نجمہ......!" آسیہ نے نجمہ کا گال تھپتھپایا تھا مگر وہ بے سود تھیں جلدی جلدی اسٹریچر منگوایا اور دو نرسوں کی مدد سے ان کو اس پر ڈالا۔ سیکنڈوں میں انہیں ٹریٹمنٹ دی گئی تھی۔

☆......☆

دوسرے دن ژالے گھر آگئی تھی۔ وہ اندر سے بالکل خالی ہوگئی تھی۔ بالکل چپ اور خاموش تھی۔ ہونٹوں کو اس طرح سی لیا تھا جیسے کبھی نہ بولنے کی قسم کھائی ہو نجمہ کا دل اپنی اکلوتی بیٹی کی ایسی حالت پر خون کے آنسو رونے لگا تھا۔ وہ اندر ہی اندر گھل رہی تھیں کتنی بدنصیب تھی ان کی بیٹی کہ اس کے مقدر میں خوشیاں ہی نہیں تھیں۔

"نجمہ بھابی!" رابعہ اوپر سے آئی تھیں۔ نجمہ کے پاس جو ٹی وی لاؤنج میں اکیلی صوفے پر بیٹھی کسی گہری سوچ میں منہمک تھیں ان کے چہرے پر کتنا درد تھا وہ ژالے کے لیے کتنی پریشان تھیں یہ سب صاف ظاہر ہو رہا تھا۔

"رابعہ! میری ژالے کے نصیب میں خوشیاں نہیں ہیں کیا؟" ان کے دل کا درد ہونٹوں پر آ گیا تھا۔

"اللہ نہ کرے نجمہ بھابھی! ایسے نہیں سوچتے۔" رابعہ نجمہ کے برابر میں ہی ان کے ساتھ بیٹھ گئی تھیں۔

"کیسے نہ سوچوں رابعہ! تم خود ہی دیکھو جب سے ژالے کی شادی ہوئی ہے اسے کبھی کوئی خوشی نہیں ملی، اس کے چہرے پر سے خوشیاں مسکراہٹیں روٹھ گئی ہیں۔ جیسے وہ بالکل ناامید ہوگئی ہو۔ اپنی زندگی سے پتا نہیں وہ زندگی جی رہی ہے یا زندگی اس کو جی رہی ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی آنکھوں سے اشک بہہ نکلے تھے ان کی آہ وزاری پر رابعہ کی بھی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔

"السلام علیکم!" زرمیل آج ایک ہفتے بعد اوپر آیا تھا۔ اب وہ بغیر اسٹک کے سہارے چلنے لگا تھا وہ بالکل صحت یاب ہوگیا تھا۔

"وعلیکم السلام!" نجمہ نے اپنے دوپٹے سے اپنی آنکھیں اور بھیگا چہرہ خشک کیا تھا۔ زرمیل کی نظروں سے نجمہ کے آنسو پوشیدہ نہیں رہ سکے تھے وہ چلتا ہوا نجمہ کے پاس آ بیٹھا تھا۔

"کیسی ہیں آپ چچی جان؟"

"ایک دکھی ماں کیسی ہوسکتی ہے جس کی جوان جہان بیٹی بستر پر اپنی زندگی سے منہ موڑ کر پڑی ہو اور جس کا لخت جگر اکلوتا بیٹا اپنے ہاتھ سے اپنی زندگی کو برباد کرنے پر تلا ہو۔" نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ہونٹوں سے شکوہ نکل گیا تھا۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا انشاءاللہ۔"

"پتا نہیں بیٹا ہر روز تو یہی دعا کرتی ہوں یہی امید کرتی ہوں کہ سب ٹھیک ہوجائے گا مگر اب تو لگتا ہے میں جب خود قبر میں اتروں گی شاید وہاں بھی میری روح بے چین بے سکون رہے گی۔" آج ان کی ساری ہمت ٹوٹ گئی تھی۔

"اللہ نہ کرے چچی جان!" زرمیل نے نجمہ کو بے ساختہ مگر تڑپ کر خود سے لگایا تھا۔

"اللہ آپ کو ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔"

"نہیں زرمیل! شاید میری بچی کو سزا ملی ہے ہم نے بھی تو انجانے میں کسی کی یتیم بیٹی کا دل دکھایا ہے۔" نجمہ کی آنکھوں کی پتلیوں پر ثمرن کا ستا ہوا چہرہ گھوم گیا تھا۔ زرمیل ان کا اشارہ بھی سمجھ گیا تھا مگر خاموش رہا تھا۔

"چچی جان! میں ژالے کو لینے آیا ہوں۔" نجمہ نے زرمیل کا چہرہ دیکھا تھا۔

"زرمیل! ژالے بچی ہے تم اس سے ناراض ہو اس کے اباَرشن کو لے کر خفا ہو میری ایک ماں کی التجا ہے زرمیل میری بچی کو معاف کردو۔ اس نے بہت دکھ بہت تکلیف اٹھائی ہے۔ ابھی بھی ایسی حالت بنالی ہے کہ مجھے لگتا ہے وہ اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی مار دے گی جیتے جی۔" ان کی آنکھیں ایک بار پھر برس پڑی تھیں۔

"نجمہ بھابھی! اتنی مایوسی اور ناامیدی کی باتیں مت کریں۔ زرمیل بول رہے ہیں نا سب ٹھیک ہوجائے گا۔ آپ اللہ پر بھروسہ رکھیے انشاءاللہ سب بہتر بلکہ بہت اچھا ہوگا۔ جو ہوتا ہے ہماری بہتری کے لیے ہی تو ہوتا ہے ہر چیز میں اللہ کی رضا اس کی مصلحت شامل ہوتی ہے اور پھر عمر ہی کیا ہے ژالے کی ابھی تو وہ خود بچی ہے ہوجائیں گے پانچ چھ بچے...... کیوں زرمیل بیٹا۔" رابعہ نے بات کو مزاح کا رخ دیا تھا۔

رابعہ کے اس طرح کہنے پر وہ جھینپ کر رہ گیا تھا۔ اس کے اس طرح جھینپنے پر رابعہ نے نہایت محظوظ ہو کر دیکھا تھا۔

"آپ بھی رابعہ پھپھو! اچھا خیر چچی جان ممی بتا رہی تھیں کل ارشد واپس آگیا ہے۔"

"ہاں کل رات ہی آیا ہے اپنے ساتھ کسی دوست کو بھی لے کر آئے ہیں۔"

"اچھا چلیں ٹھیک ہے، ارشد سے بات بعد میں ہوگی پہلے میں ژالے کو دیکھ لوں اور اس کی اچھی طرح سے کھنچائی کروں سب کو پریشان کیا ہوا ہے۔"

”زرمیل!“ نجمہ کچھ کہتی کہ رابعہ نے بات ہی کاٹ دی تھی۔
”نجمہ بھابھی! اب آپ فکر مت کریں ژالے کا علاج زرمیل ہی کریں گے بہت اپنی من مانی کرلی۔“ رابعہ نے زرمیل کا شوخ سا موڈ دیکھ لیا تھا۔ جس کا مطلب تھا وہ سب ٹھیک کردے گا۔ اس لیے نجمہ کو خاموش رہنے کا کہنے کے بعد زرمیل کو جانے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا ژالے کے بیڈ روم میں آیا تھا۔
دروازہ ناک کیے بغیر وہ اندر آیا تھا۔ پورا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اس نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کے سارے بٹن آن کردیے تھے۔ پورا کمرہ تیز مرکری بلب کی روشنیوں میں نہا گیا تھا۔ اس نے ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی بیڈ پر ایک سائیڈ پر سمٹی سی ژالے نے اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ لیے تھے۔ وہ شاید مستقل اندھیرے میں رہی تھی جبھی وہ جھیل سی سبز آنکھیں اتنی تیز روشنی برداشت نہیں کرسکی تھیں۔ زرمیل چلتا ہوا اس کے سامنے اس سے کچھ فاصلے پر آٹھہرا تھا۔
”ژالے۔“ نہایت چاہ سے پکارا تھا۔
ژالے نے ہولے ہولے اپنی ہتھیلیاں چہرے سے ہٹائی تھیں مگر یہ کیا زرمیل کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں زور سے مسل دیا ہو۔ اس کے دل کو زبردست سا دھکا لگا تھا۔ وہ شاکڈ ہی تو رہ گیا تھا۔
وہ چہرہ جو کل تک چاند کو شرماتا تھا۔ آج اس چہرے کی روشنی کہاں گئی۔ ان سبز آنکھوں سے پھوٹتی وہ کرنیں کہاں گئیں۔ اس کے چہرے کی حد درجہ گوری رنگت ماند کیوں پڑگئی۔ آنکھوں کے نیچے اس قدر سیاہ حلقے گلابی ہونٹ سوکھ کر سفید ہوگئے تھے۔ بال کھلے ہوئے تھے جن میں کتنے دن سے کنگھی نہیں کی گئی ہو بغیر دوپٹے کے دو رنگ کے کپڑے وہ بھی اتنے ملگجے اسے اپنی زندگی میں یاد نہیں پڑتا کہ کبھی اس نے ژالے کو ایسے ملگجے دو رنگ کے کپڑوں میں دیکھا ہوگا۔ وہ کتنی لاغر اور کمزور ہوگئی تھی جیسے برسوں کی بیمار لگ رہی تھی۔
”زرمیل! میں مر جاؤں گی۔“ بہت پہلے اس کا یہ کہا گیا جملہ اس کے اردگرد گونجنے لگا تھا۔
”نہیں۔“ وہ ایسا نہیں ہونے دے گا۔
بے قراری و بے اختیاری میں زرمیل نے اس کی کلائی تھام کر کھینچی تھی اپنی طرف اور خود میں سمو لیا تھا۔ ژالے ٹھہری کمزور اور لاغر ایک ہاری ہوئی عورت اپنی زندگی سے۔ بے زار زرمیل کے سینے سے لگی ہچکیوں سے بلک بلک کر رو دی تھی پورا وجود اس کا کپکپا رہا تھا۔
”ششش...... بس کرو ژالے! اور کتنا روؤ گی اپنے ساتھ ساتھ تم مجھے بھی مار دو گی۔“ زرمیل نے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تھا جو آنسوؤں سے پورا بھیگا ہوا تھا۔
”زرمیل! میں نے ایسا نہیں چاہا تھا۔ نہ ہی سوچا تھا میں آپ کی امانت کا خیال نہیں رکھ سکی۔“ پھر سے آنسوؤں کا ایک ریلا امڈ پڑا تھا۔ نگاہیں نیچے کیے وہ اعتراف جرم کر رہی تھی۔
”مجھے یہ احساس یہ خیال مار دے گا کہ میں ہمارے بچے کو بچا نہیں سکی۔“
”جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے کیا پتا وہ اس دنیا میں آکر ہم سے بچھڑ جاتا پھر وہ تو زیادہ تکلیف دہ ہوتا مجھے نہ تم سے کوئی شکایت ہے نہ ہی اپنے رب سے بے شک وہ دلوں کے بھید جاننے پر قادر ہے۔ تم خود کو قصور وار مت ٹھہراؤ۔“ زرمیل نے اس کا چہرہ اپنی ہتھیلیوں کے پیالے میں بھر لیا تھا اور جھک کر اپنی محبت اور بے قراری کی مہر اس کی پیشانی پر ثبت کردی تھی۔
”آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں نا؟“

”نہیں بالکل بھی نہیں، کوئی اپنی جان سے بھلا روٹھ سکتا ہے اور رہی بچوں کی بات تو نیکسٹ ٹائم کیا پتہ ہمارے ٹوئنز ہو جائیں۔“ سرمئی آنکھیں ان جھیل جیسی سبز کانچ میں گاڑ دیں۔ جن میں شوخی شرارت چھپی ہوئی تھی۔ زرمیل کی بات کا مطلب سمجھ کر ژالے بری طرح حیا سے جھینپ کر رہ گئی، پلکوں کی گھنیری باڑھ رخسار پر سجدہ ریز ہوگئی تھی ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نے گھر کرلیا تھا۔ زرمیل نے شوق سے یہ بارش ہونے کے بعد کا اجلا اجلا نکھرا منظر دیکھا تھا۔
”اچھا ایک بات تو بتاؤ۔“ زرمیل نے اسے چھوڑا اور دو قدم کے فاصلے پر کھڑا ہوگیا اور بھرپور نظروں سے اسے سر کے بال سے پیر کے ناخن تک دیکھا تھا۔
”یہ تم نے اپنی حالت کیا بنائی ہوئی ہے؟“
اس کے کہنے پر ژالے نے اپنے کپڑوں کو دیکھا۔ ملگجے دو رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اوپر سے دوپٹہ ندارد۔ اسے دوپٹے کا احساس ہوا تو اس نے پیچھے بیڈ پر پڑا اپنا دوپٹہ دیکھا تھا وہ اسے اٹھانے کے لیے بڑھی کہ زرمیل نے اس کو تھام لیا تھا۔
”میں تمہارے دوپٹے کی بات نہیں کر رہا۔ تمہارے اس بے ترتیب حلیے کی بات کر رہا ہوں۔“ وہ کچھ نہیں بولی صرف خاموشی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔
”اب ایسا ہے کہ اسی حالت میں اسی وقت نیچے چلو میں لینے آیا ہوں۔“
”ابھی۔“
”جی ابھی اور اسی وقت۔“ زرمیل نے اس کی بکھری لٹیں سنوار دی تھیں۔
”زرمیل! ابھی میں بہت کمزور ہوں مجھ سے چلا نہیں جائے گا۔“
”جانتا ہوں اور سب خبر ہے جو تم نے اپنی بے وقوفی کی وجہ سے کھانا پینا چھوڑا ہوا ہے۔ اب تمہاری دیکھ بھال میں اپنی نظروں کے سامنے ہوتا دیکھوں گا۔ ممی تو خود آتیں مگر مجھے پتا تھا تم ان کے ساتھ نہیں آؤ گی اس لیے ایک ہفتہ اور بھی لگایا تاکہ جلد از جلد ٹاسک سے جان چھڑا کے اپنی جان سے نمٹ سکوں۔“
”اچھا آپ تھوڑا ویٹ تو کریں میں اپنا حلیہ درست کرلوں تائی ممی دیکھیں گی تو کیا سوچیں گی۔“ اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اپنی ہی کرے گا وہ اس سے دور ہٹنے لگی تھی۔
”جی نہیں ابھی وقت نہیں ہے میرے پاس اور اگر تم سے کمزوری کی وجہ سے نہیں چلا جائے گا تو اس کا بھی حل ہے میرے پاس۔“ زرمیل نے مسکراتے ہوئے اس کے نازک پیکر کو اپنی آہنی مضبوط بازوؤں پر اٹھا لیا تھا۔
”نہیں زرمیل! میں ہمت کرکے چل لوں گی۔“ وہ گڑبڑا کے رہ گئی تھی۔
”بالکل چپ۔“ اور پھر اس کی ایک بھی سنے بغیر وہ باہر آگیا تھا۔ جہاں رابعہ اور نجمہ ابھی بھی بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ زرمیل کے بازوؤں میں ژالے کو دیکھ کر نجمہ ڈر گئیں اور دل پر ہاتھ رکھ کے کھڑی ہوگئیں رابعہ بھی پریشان سی اٹھیں تھیں۔
”زرمیل! کیا ہوا ہے ژالے کو؟“
”ارے چچی جان! گھبرایئے نہیں کچھ نہیں ہوا ہے بس ذرا اس کا صحیح سے خیال نہیں ہو رہا یہاں اور یہ خود بھی آپ کو بہت تنگ کر رہی ہے۔ اس لیے میں اسے نیچے لے کر جا رہا ہوں۔“ وہ نجمہ کو دیکھ کر مسکرا دیا

تھا۔ نجمہ نے سکون کا سانس لے کر ژالے کو دیکھا اور واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئیں۔

"بیٹا! تمہاری چیز ہے تم جب چاہو لے جاسکتے ہو۔"

"تھینکس۔" زرمیل نے نجمہ کو تشکرانہ نظروں سے دیکھنے کے بعد ژالے کو دیکھا اور پھر رابعہ کو وکٹری نشان دکھا کے پیچھے کی سمت بڑھ گیا۔ رابعہ نے دل سے ان دونوں کو دعا دی تھی۔

"بے فکر رہیں نجمہ بھابھی! ہماری ژالے کے دامن میں اب خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی۔"

"انشاء اللہ!" اب انہیں پورا یقین تھا کہ زرمیل ژالے کو بہت خوش رکھے گی بس ارشد کی زندگی بھی کامل ہو جائے وہ ارشد کی طرف سے بھی پرسکون ہونا چاہتی تھیں۔

☆......☆

وہ خالی بینچ پر بیٹھی کسی گہری سوچ میں مستغرق تھی، بس ایک ہی خلاء میں نہ ہونے والی نقطے پر نظر تھی۔

ثمرن کافی دیر سے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہ تو صاف لگ رہا تھا کہ وہ بالکل اکیلی ہے، کوئی اس کے ساتھ نہیں ہے اگر وہ گہری سوچوں میں منہمک تھی تو ساتھ اس کے چہرے پر بے پناہ فکر اور پریشانی بھی تھی مگر کیا ثمرن دھیان لاروش اغولان پر نہیں جاتا اگر برابر میں بیٹھے دو، تین لڑکوں کی باتوں کی سمت نہ جاتا تو وہ بہت نازیبا گفتگو کر رہے تھے، اس لڑکی کے لیے اسے کڈنیپ کرکے بیچنے کی بات کر رہے تھے، وہ تھی بھی تو بہت خوبصورت بالکل میدے جیسی سفید رنگت کہ ہاتھ لگاؤ تو میلی ہو جائے۔ ساحرانہ آنکھیں جن میں شاید ہلکورے لے رہی تھی۔ پٹھانوں جیسی رنگت والی اس خوب صورت اور پیاری سی لڑکی کی طرف ثمرن بڑھی تھی اور لاروش اغولان کے برابر میں اس طرح فرینکلی بیٹھی تھی جیسے بہت پرانی شناسائی ہو۔

"میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی تھی اور تم یہاں بیٹھی ہو۔"

"جی۔" لاروش اغولان بری طرح چونک کر ثمرن کو دیکھنے لگی تھی۔ ثمرن نے ان لفنگے لڑکوں کو دیکھا جو ثمرن کے بیٹھنے اور اس کے بات چیت کرنے پر پیچھے پلٹ گئے تھے۔

"پریشان مت ہو اگر میں یہاں تمہارے پاس آ کر نہ بیٹھتی تو وہ لڑکے تمہارے کڈنیپ کی پلاننگ اور تمہیں بیچنے کی پوری پلاننگ کر چکے تھے۔" ثمرن نے اسے اشارے سے ان لڑکوں کو دکھایا جو پارک سے جانے والے راستے کی طرف جا رہے تھے لاروش اغولان نے اس طرف دیکھا اور پھر تشکرانہ نظروں سے ثمرن کو دیکھا تھا۔

"تھینک یو۔"

"اٹس اوکے۔" ثمرن دھیرے سے مسکرا دی۔

"بائے دا وے میرا نام ثمرن اور تمہارا......؟"

"لاروش...... لاروش اغولان......"

"گڈ نیم...... کہاں رہتی ہو؟"

"کوئٹہ۔" نظریں نیچی کر کے کہا۔

"کوئٹہ۔" ثمرن نے حیرانگی سے لاروش اغولان کو دیکھا تھا مگر کوئٹہ میں رہتی ہو۔"

"تو یہاں کیسے؟" لاروش اغولان نے بغور ثمرن کو دیکھا دل نے کہا اس سادی سی مخلص خاتون پر یقین کر لینا چاہیے۔

اور پھر لاروش اغولان نے ثمرن کو اپنی پوری زندگی کی داستان الف سے لے ے تک سنا دی تھی۔ کچھ نہیں چھپایا تھا اس سے۔

"اف اوہ...... یہ تو بہت برا ہوا تمہارے ساتھ۔" ثمرن نے دکھ بھری نظروں سے مایوس و افسردہ لاروش اغولان کو دیکھا تھا۔

"کم از کم تمہارے شوہر کو اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ سب تو جاہل لاعلم تھے مگر تمہارے شوہر کو تو سب پتا ہے۔"

"مگر انہوں نے ہی مجھے پہلے دن باور کرا دیا تھا کہ خاموشی کے قفل ڈال لینا اپنے ہونٹوں پر۔" ان آنکھوں سے نا چاہتے ہوئے بھی چند موتی ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

"پھر...... اب کیا کرو گی تم کہاں جاؤ گی؟"

"معلوم نہیں میرا نصیب میری تقدیر مجھے کہاں لے جائے۔" ثمرن نے خاموش نظروں سے اسے دیکھا تھا پھر بہت کچھ سوچتے ہوئے اس سے کہا۔

"ٹھیک ہے تم میرے ساتھ چلو میرے گھر۔"

"آپ کے گھر...... آپ کے گھر والے آپ سے ناراض نہیں ہوں گے۔" لاروش اغولان نے سوالیہ نظروں سے ثمرن کو دیکھا تھا۔

"اس کی فکر تم مت کرو کیونکہ میں اپنے گھر میں اپنی خالہ خالو کے ساتھ رہتی ہوں اکیلی۔"

"آپ کے ہسبنڈ؟"

"اوہو تم بڑے سوالات کرتی ہو اب چھوڑو ان سوال جواب کو میرے ساتھ میرے گھر چلو یہیں پاس میں ہے میرا گھر؟ میں یہاں اس پارک میں ہر روز صرف ایک گھنٹے کے لیے تازہ ہوا کے لیے آتی ہوں۔" لاروش اغولان ثمرن پر بھروسا کر کے اس کے ساتھ اس کے گھر چلی گئی تھی باقی سب اللہ پر چھوڑ دیا تھا۔

☆......☆

وانیہ نیچے ژالے کی طبیعت پوچھنے آ رہی تھی۔ آخری چند سیڑھیوں پر اس کے قدم ٹھٹھک کر رہ گئے تھے۔ اس کا سانس رک گیا تھا دل جیسے حلق میں آ گیا تھا اور دھڑکنیں اتنی تیز دھڑکنے لگی تھیں کہ دل پر بے ساختہ ہاتھ گیا تھا۔ آنکھیں یقین نہیں کرنا چاہتی تھیں مگر سامنے جو تھا وہ حقیقت تھا ایک جیتا جاگتا سچ۔ ارشد کو تو وہ جانتی تھی اس کے ساتھ جو کھڑا تھا اسے تو وہ لاکھوں نہیں کروڑوں میں پہچان سکتی تھی۔ اس کی طرف بے شک اس کا رخ نہیں تھا وہ صرف پیچھے سے اس کی پشت دیکھ رہی تھی۔ وہی قد و قامت وہی بھورے بال چونکہ پیچھے پشت پر ہاتھ باندھا ہوا تھا شرٹ کی آستین فولڈ تھیں۔ ہاتھوں کی وہی پٹھانوں والی رنگت وہ کوئی اور نہیں آفریدی تھا۔

"مگر نہیں وہ تو مر گیا تھا۔ وہ زندہ نہیں ہے نہیں کہ ریحان شیخ نے اسے مروا دیا ہے۔ میں نے خود اپنی ان گناہ گار آنکھوں سے اس کی موت کی موی موبائل میں دیکھی ہے پھر یہ یہاں......" سوچ سوچ کر دماغ پھٹنے لگا تھا۔

فون پر بات کرتے ہوئے ارشد کی نظر سامنے سیڑھی پر اٹھی تھی۔ ارشد کے دیکھتے پر وہ گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

''السلام علیکم!'' فوراً سلام جھاڑا تھا۔

''وعلیکم السلام!'' حسن نے ارشد کو دیکھتے ہوئے پیچھے پلٹ کر دیکھا تھا۔ نظروں کا تصادم بڑا جاندار تھا۔ نہیں وہ آفریدی نہیں تھا وہ تو کوئی اور تھا جس کی آفریدی جیسی جسامت قد و قامت، رنگت ضرور تھی مگر اس کی آنکھیں ہاں وہی بلوریں آنکھیں جو ہو بہو آفریدی کی بلوریں آنکھوں کی طرح تھیں۔

''آپ کو کوئی کام تھا۔'' کافی دیر یونہی کھڑا دیکھ کر ارشد نے پوچھا تھا تو اپنی حرکت پر وہ خود ہی شرمندہ سی ہو گئی۔

''جی..... وہ میں ژالے سے ملنے آئی تھی۔'' حسن نے اپنا رخ اس کو ایک نظر دیکھنے کے بعد ہی موڑ لیا تھا۔

''ژالے کو آج صبح ہی زرمینہ لے گیا ہے آپ چاہیں تو نیچے چلی جائیں۔''

''جی بہتر اور نجمہ آنٹی؟''

''ہاں وہ اپنے روم میں ہیں۔''

''تھینکس میں ان کے پاس چلی جاتی ہوں۔'' وہ سیڑھیاں اتری تھی اسے ان دونوں کے پاس سے گزر کر ہی نجمہ کے روم میں جانا تھا۔ اب آئی تھی تو نجمہ آنٹی سے مل بھی لے گی اور ژالے کی طبیعت بھی پوچھ لے گی۔ وہ وہاں سے گزر کر نجمہ کے بیڈ روم میں انٹر ہوئی تھی مگر اس دوران مستقل خود پر دو آنکھیں ضرور محسوس کی تھیں۔

''ہاں حسن اب بولو کیا بول رہے تھے؟'' ارشد نے اشارے سے اسے پاس رکھے صوفے سیٹ پر بیٹھنے کا کہا تھا۔ آگے کیا ارادے ہیں تمہارے۔

''ارادہ تو یہی ہے کہ یہیں رہ کر بزنس کروں باہر جانے کا اب دل بھی نہیں کرتا۔''

''پارٹنرشپ۔''

''نہیں یار خود کا کوئی بزنس۔''

''اور اگر میں آفر کروں تب بھی نہیں؟'' ارشد نے مسکراتے ہوئے آفر کی تھی۔

''تمہارے خلوص کی میں قدر کرتا ہوں چلو مگر اس بارے میں سوچا ضرور جا سکتا ہے۔'' حسن نے اس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا تھا۔

''ٹھیک ہے سوچو تم بہت ٹائم ہے تمہارے پاس جب تک میں دو کپ چائے بنا کے لاتا ہوں۔'' وہ کھڑا ہوا اور کچن کی جانب بڑھ گیا تھا۔

حسن نے میز پر پڑا ریموٹ اٹھالیا اور ٹی وی آن کر لیا تھا۔

کوئی آدھے گھنٹے پندرہ منٹ بعد وانیہ، نجمہ کے بیڈ روم سے نکلی تھی۔ حسن کی نظر ٹی وی پر سے ہٹی تھی اور وانیہ پر ٹک گئیں۔

وانیہ جھجک کر رہ گئی اس کے اس طرح گھورنے پر سر کو جھکائے وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی تھی مگر جانے دل میں کیا آیا اس نے پیچھے پلٹ کر ایک نظر دیکھنا چاہا۔ وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ بری طرح سٹپٹاتی ہوئی اوپر کی جانب تیزی سے بڑھی تھی۔

''بیوٹی فل۔'' حسن کے ہونٹوں کی تراش میں مسکراہٹ سی گھلنے لگی تھی۔

☆......☆

آج وہ سارا کام کر کے بیٹھی تھی۔ آج چونکہ اتوار کا دن تھا سبھی مرد گھر میں تھے۔ دوپہر کا کھانا اس نے عارفین کی پسند کا بنایا تھا۔ قورمہ اور چائنز رائس اسے بہت پسند تھے۔ عارفین بہت بدل گیا تھا۔ پہلے جیسی شوخیاں شرارتیں اس پر دوستی جملے کسنا سب جیسے وہ بھول چکا تھا۔ اب تو بات کرنا تو دور دیکھنا تک پسند نہیں کرتا تھا۔ مقسوم کا دل کٹنے لگا تھا۔ اس کے بدلتے رویے پر دل خون کے آنسو رونے لگا تھا۔ آج جو کچھ اس کے ساتھ ہوا یا ہو رہا تھا سب اسفند درانی اور یاور درانی کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ کیا تھا وہ پہلے ہی عارفین کو سب کچھ بتا دیتی تو نوبت یہاں تک نہیں پہنچتی مگر اسفند درانی اور یاور درانی نے اس کی سکون بھری زندگی میں زہر گھول دیا تھا۔ وہ اتنی گہری چال چلیں گے اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا اس کی زندگی کٹھن ہو گئی تھی۔ مشکل میں پڑ گئی تھی اس کی جان، شاید زندگی میں اس کی آزمائش اس کا امتحان ختم نہیں ہوا تھا ابھی برہنہ پا قدموں سے دہکتے انگاروں پر اور چلنا پڑے گا۔ وہ انہی گہری سوچوں میں غلطاں تھی کہ یہ بھی احساس نہ ہوا کب سے اس کا موبائل بج رہا ہے۔

''مقسوم بھابھی! آپ کا موبائل بج رہا ہے۔'' وانیہ اپنے روم میں جا رہی تھی مقسوم کو دیکھا جو اکیلی صوفے پر بیٹھی تھی سامنے ٹی وی چل رہا تھا مگر اس کا دل و دماغ کہیں اور ہی بھٹک رہا تھا۔

''آں..... ہاں.....'' وہ بری طرح چونک کر وانیہ کو دیکھنے لگی تھی۔

''آپ کا موبائل کافی دیر سے بج رہا ہے شاید۔''

''اوہ.....'' اس نے موبائل اٹھایا جہاں کوئی انجانا نمبر تھا۔ اس نے کچھ سیکنڈ نمبر دیکھا وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کس کا نمبر ہے فون بند ہو گیا تھا مگر پھر فون بجنے لگا تھا۔ وانیہ تو اندر چلی گئی تھی اس نے بالآخر فون اٹھالیا تھا۔

''ہیلو۔'' کانپتی ہوئی آواز پر کمرے سے نکلتے عارفین کے قدم وہیں ٹھہر گئے۔

''ہیلو مقسوم کیسی ہو؟'' وہ جو اس کے اندر ایک ڈر منہ پھاڑے اسے ڈرا رہا تھا وہ ڈر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''اسفند چاچو!''

''ہاں میں...... کیوں بے چارے شریف لوگوں کو پریشان کر رہی ہو ان کے لیے اور تمہارے لیے بھی بہتر ہے کہ تم سیدھی شرافت سے ہمارے ساتھ کینیڈا چلو۔''

''مجھے نہیں معلوم کہ آپ لوگوں کا کیا مقصد ہے مگر میں بھی جانتی ہوں اور آپ بھی کہ وہ سب تصویریں، مووی، نکاح نامہ وغیرہ جعلی ہیں ان سب میں کوئی سچائی نہیں ہے۔''

''ہا...... ہا...... ہا'' نہایت جاندار فاتحانہ قہقہہ کافی دیر تک سنائی دیا تھا۔

''بالکل ٹھیک کہا تم نے کہ وہ سب جعلی ہے ان میں کوئی سچائی نہیں ہے مگر کیا کریں وہ کہتے ہیں نا کہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔''

''شرم کریں اسفند چاچا، پاپا نے آپ کو ہماری زندگی سے بے دخل کر دیا تھا اور ہمیں بھی وصیت کی تھی کہ آپ سے ان کے مرنے کے بعد بھی نہ ملیں یقیناً آپ میں کوئی خامی ہے۔''

''خیر یہ سب باتیں تو ایک طرف فی الحال تم جلد از جلد یہاں آؤ میں تمہاری شادی یاور سے کرا دوں گا۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں میری شادی عارفین سے ہو چکی ہے یاور سے کیسے کر سکتے ہیں آپ۔'' مقسوم نے دبی دبی آواز میں غصہ کیا تھا۔

''یہ بات تو تم کہتی ہو عارفین تو نہیں مانتا۔''

''نہیں آپ غلط کہہ رہے ہیں وہ مانتے ہیں اس شادی کو۔''

''اب تمہاری اس بات کو غلط فہمی کہوں یا خوش فہمی بہرحال اگر تم اس بات پر اڑی ہوئی ہو کہ عارفین تمہارا شوہر ہے تو کوئی بات نہیں لیکن اگر عارفین ہی نہ رہے ہو تب تو تم یاور سے شادی کر سکتی ہو نا۔'' کتنی خباثت بھری تھی ان کی سوچ میں۔

''خبردار اسفند چاچو! اگر آپ نے عارفین کو کوئی نقصان پہنچایا تو......'' وہ دہل کر ہی تو رہ گئی تھی۔ عارفین کا ذرا سا بھی نقصان وہ بھلا کیسے برداشت کر سکتی تھی۔

''تو پھر ڈن کہ تم یہاں ہمارے پاس آ رہی ہو۔'' اسفند درانی نے اس کے جذبات پر پیر رکھا تھا جس کے لیے وہ کامیاب ٹھہرے تھے۔

''اگر عارفین کی زندگی کے عوض آپ کو میں چاہیے ہوں تو میں آؤں گی آپ مجھے بتایئے میں کب اور کہاں آؤں۔'' شکست زدہ لب و لہجہ پر اس کی سیاہ آنکھوں سے گرم گرم سیال بہنے لگے تھے۔

اور اس سے پہلے اسفند درانی کچھ کہتے وہ کچھ سنتی پیچھے کھڑے عارفین نے اس کے ہاتھ سے تیزی سے موبائل چھینا تھا۔ وہ اتنے قریب تھا کہ با آسانی ان دونوں کی گفتگو سن سکتا تھا۔

آج کے بعد اگر تم نے مقسوم کو فون کرنے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ آرام سے سمجھا رہا ہوں، سمجھ جاؤ مقسوم سے دور رہو ورنہ اگر میں اپنے پر آ گیا تو یہاں پاکستان میں تم باپ بیٹے نظر بھی نہیں آؤ گے۔ یاد رکھنا یہاں پاکستان کی جیل سے بھلے ہی تم چھوٹ جاؤ مگر کینیڈا کے قانون کی جیل ہی تمہارے لیے زندگی بھر کا مقدر ٹھہرائیں گی اگر میری بات نہیں مانی تو۔'' عارفین کے لب و لہجے میں شیر کی دہاڑ تھی۔ آنکھوں میں غصے کے شرارے تھے اور غصے کی وجہ سے اس کے دماغ کی رگیں ابھر گئی تھیں۔ عارفین نے موبائل آف کر کے صوفے پر پھینکا تھا اور ڈری سہمی دہشت زدہ سی مقسوم کو بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اپنی طرف کھینچا تھا کہ وہ کمزور سی اس کے چوڑے سینے کا حصہ بنی تھی۔

تم نے اگر اس گھر سے باہر ایک قدم بھی میری مرضی کے بغیر نکالا تو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا اور میں جو کہتا ہوں کر بھی گزرتا ہوں آئی سمجھ۔'' جس جھٹکے سے اس نے مقسوم کو کھینچا تھا اس سے کہیں زیادہ زور سے خود سے الگ بھی کر دیا تھا کہ وہ پیچھے صوفے پر گری تھی۔ عارفین نے ایک تیز غصے آور نظر سے اسے دیکھا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا مگر اس کا رخ باہر جانے والی کی جانب تھا۔

رابعہ نیچے ژالے کے پاس سے آئی تھیں، مقسوم کو صوفے پر سر جھکائے بیٹھا تو وہ اس کے پاس ہی آ کر بیٹھ گئیں۔

''مقسوم بیٹا! کیا بات ہے اس طرح کیوں بیٹھی ہو تم؟''

''جی۔'' وہ چونک کر رہ گئی اور جلدی سے اپنا بھیگا چہرہ صاف کیا تھا۔ رابعہ نے اس کا بھیگا چہرہ اور بھیگی پلکیں دیکھ لی تھی۔

''اور یہ تم روئی کیوں ہو؟'' انہیں مقسوم کی فکر لگ گئی تھی۔

''نہیں تو امی! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ وہ دراصل میں ابھی کچن سے آ کر بیٹھی ہوں نا کچن میں گرمی بہت تھی۔'' وہ یقین دلانے کی کوشش میں کامیاب ہوئی یا نہیں یہ وہ نہیں جانتی تھی کیوں کہ رابعہ اسے بے یقینی سے بغور دیکھ رہی تھیں۔

''سچ کہہ رہی ہو تمہاری آنکھیں بھی سرخ ہو رہی ہیں اگر عارفین نے کچھ کہا ہے تو مجھے بتاؤ میں ابھی اس کے کان کھینچتی ہوں۔'' بہت شفقت سے اس کے گال پر ہاتھ رکھا تھا۔

''تم مجھے بہت عزیز اور پیاری ہو میں تمہاری آنکھوں میں معمولی سی بھی اداسی نہیں دیکھ سکتی۔ بتاؤ مجھے کیا بات ہے۔ کیوں کہ عارفین کو بھی میں نے بہت جلدی میں باہر جاتے دیکھا ہے تم دونوں کے بیچ سب ٹھیک ہے ناں۔''

''ارے امی! واقعی ایسی کوئی بات نہیں ہے میرا یقین کریں۔ بس اپنے ماما پاپا کی یاد آ گئی تھی۔''

''میری جان اگر ان کی یاد آتی ہے تو انہیں کچھ پڑھ کے بخشا کرو۔''

''جی امی میں روز بخشتی ہوں۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اچھا چلو یہ بتاؤ رات میں پہننے کے لیے اپنے اور عارفین کے کپڑے نکال لیے۔''

''کپڑے مگر کیوں امی! ہم کہیں جا رہے ہیں۔'' اس نے اپنا درد اپنے دل میں چھپا لیا تھا رابعہ سے کہہ کر وہ انہیں دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''ارے لڑکی! بتایا تو تھا آج رات کا کھانا فہیم بھائی اور سلیم بھائی نے نیچے لان میں رکھا ہے تقریباً سب ہی فرینڈز کو بلایا ہے۔''

''اوہ آئی ایم سوری میں واقعی بھول گئی تھی میں ابھی نکال لیتی ہوں۔'' مقسوم وہاں سے کھڑی ہو گئی مبادا رابعہ کوئی اور سوال نہ کر دیں کیوں کہ اس وقت وہ اس پوزیشن میں بالکل نہیں تھی اس کا دل بار بار بھر رہا تھا۔ آنسوؤں کا ایک گولہ جو حلق میں اٹکا ہوا تھا وہ بہہ نہ نکلے ان کے سامنے۔

☆......☆

''ژالے۔'' زرمیل بیڈ پر نیم دراز کوئی میگزین پڑھ رہا تھا۔

''ہوں۔'' وہ وارڈ روب کے پاس کھڑی مصروف انداز میں بولی تھی۔

''آج رات کیا پہن رہی ہو؟'' اس نے میگزین واپس رکھ دیا تھا۔

''سوچ رہی ہوں یہ سوٹ پہن لوں اسلام آباد سے خریدا تھا۔ ابھی ہلکی سی ٹھنڈ بھی ہے تو یہ ویلوٹ کا سوٹ اچھا لگے گا۔'' اس نے ہینگر کیا ہوا سوٹ بیڈ پر رکھا تھا۔ زرمیل نے وہ سوٹ دیکھا وہ واقعی نہایت خوب صورت لگ رہا تھا۔ زرمیل نے اس کی پسند کو سراہا بھی تھا۔ ژالے بالکل خاموش گم صم سی ہو گئی تھی اور اس کی خاموشی کو زرمیل نے بہت شدت سے محسوس بھی کیا تھا۔ وہ بیڈ سے کھڑا ہوا اور اس کے پاس آیا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' ژالے نے زرمیل کو اداسی سے دیکھا تھا۔

ثمرن بھابھی کی بہت یاد آ رہی ہے آپ جانتے ہیں نا انہوں نے میرا کس قدر خیال رکھا ہے۔ میرے کھانے پینے کی دیکھ بھال رضا کی پوری ذمہ داری انہوں نے سنبھالی ہوئی تھی۔ اس کی تربیت و پرورش انہوں نے ہی تو کی ہے۔ آج وہ ہمارے ساتھ نہیں ہیں مجھے بہت محسوس ہو رہا ہے۔'' اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

(جاری ہے)

قمروش شہک

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 20

"زرمیل! آپ مجھے ثمرن بھابی کے پاس لے کر چلیے وہ میرا فون تک ریسیو نہیں کر رہی ہیں، زرمیل وہ مجھ سے بہت سخت ناراض ہیں۔ مجھے یہ احساس بار بار مارتا ہے کہ وہ اس گھر سے صرف میری وجہ سے گئی

میں انھیں یہاں منا کے لے آؤں گی۔" اس نے زرمیل کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔
"ثمرن تم سے بالکل بھی ناراض نہیں ہے میری اس سے روز بات ہوتی ہے آج کل اس کی طبیعت ذرا سی ہے۔"
"آپ کی بات ہوتی ہے تو پھر آپ اپنے فون سے، اچھا میری ثمرن بھابی سے بات کرا دیجیے۔" اس نے بے صبری سے کہا۔
"ابھی رک جاؤ کچھ دن بعد لے چلوں گا تمہیں۔"
"ٹھیک ہے مگر ابھی تو آپ بات کرا دیجیے بلکہ یوں نہ کریں کہ ہم انھیں یہاں منا کے لے آئیں آج ہے۔ ان کی کمی سب کو محسوس ہو گی۔" اس نے اپنے بہتے آنسو صاف کیے تھے۔
"میری جان صبر کرو، اچھا آج کا یہ فنکشن نکل جائے پھر کل چلتے ہیں او کے۔" زرمیل نے اس کی جلد

بازی پر اس کو دونوں شانوں سے تھام لیا۔
"آپ سچ کہہ رہے ہیں۔" وہ منمنائی، جس پر وہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔
"ہاں یار! اب دیر مت کرو جلدی سے تیاری پکڑو مہمان آنے والے ہیں۔" اس نے اس کی پیشانی پر ایک بوسہ دیا اور خود تیار ہونے کے لیے ڈریسنگ روم میں چلا گیا تھا۔
رات کو لان میں جیسے میلہ لگا ہوا تھا تقریباً سبھی لوگ جمع تھے سوائے ثمرن کے جس کی کمی گھر والوں نے سب نے ہی نوٹ کی تھی مگر ارشد کو شدت سے اس کی کمی کا احساس ہوا تھا۔ اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کس منہ سے وہ اس کا سامنا کرے، بہت غرور سے کہا تھا کہ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے اور کتنی بے دردی سے نکل جانے کو بھی کہا تھا۔ بے حسی وبے اعتنائی کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے تھے اس نے اس وقت وہ یقیناً سخت ناراض تھی اس سے شادی کی دس سالہ زندگی میں اسے نہیں یاد پڑتا کہ اس نے کبھی ثمرن کو منایا بھی ہوگا۔ ہمیشہ سے اسی نے منایا چاہے وہ ہی غلطی پر کیوں نہ ہو اور آج بھی ہمیشہ کی طرح وہی غلطی پر تھا۔
"تو وہ اس کو نہیں منائے گی مجھے ہی منانا پڑے گا مگر کیسے...... کیسے جائے اس کے پاس۔" یہاں آ کر اس کی انا جوش مارنے لگتی تھی۔ اس کی ضدی طبیعت عود کر آ جاتی تھی۔
"کیا سوچ رہے ہو؟" حسن اسی کے پاس اپنی کولڈ ڈرنک کی بوتل لیے چلا آ رہا تھا۔
"آں...... ہاں......" وہ بری طرح چونک کر حسن کو دیکھنے لگا تھا۔
"نہیں کچھ بھی تو نہیں۔" اس نے حسن کے ہاتھ سے کولڈ ڈرنک لے لی جو وہ اس کے لیے بھی لایا تھا۔
"ارشد! ثمرن بھابی نظر نہیں آ رہی ہیں ابھی تک آئی نہیں ہیں اپنے میکے سے۔"
"ہاں وہ وہیں ہے ابھی۔" ارشد نے کولڈ ڈرنک کا ایک سپ لیا تھا۔
"مگر آج تو گھر میں فنکشن ہے تو آج انہیں یہاں ہونا چاہیے تھا نا۔" بہت عام سا ہی لہجہ تھا۔
"ہوں۔"
صرف ہوں پر ہی اکتفا کیا تھا حسن نے بغور ارشد کا جائزہ لیا تھا اسے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔
"سم تھنگ رونگ۔"
"تمہیں ایسا کیوں لگا؟" الٹا سوال داغا تھا۔
"یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہے۔" حسن کی نظریں بلا ارادہ ہی سامنے اٹھی تھیں۔ جہاں وانیہ کھڑی معصوم کی کسی بات پر مسکرا رہی تھی کاسنی بیٹ کی فراک جس پر بہت خوب صورت کام کیا گیا تھا۔ نہایت غضب کی لگ رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں میچنگ چوڑیاں بھری ہوئی تھیں۔ نازک سی جیولری میں وہ نازک سی گڑیا لگ رہی تھی۔ جو سب سے زیادہ کچھ نمایاں ہو تو اس کی صراحی دار گردن، جس پر ایک کالا سا تل اس کی خوب صورتی میں چار چاند لگا تا تھا۔ وانیہ کی نظر بلا ارادہ ہی اس جانب اٹھی تھی۔ تو حسن کو خود پر نظریں مرکوز پائیں۔ اس کی ہونٹوں کی مسکراہٹ اندر ہی جیسے کہیں دم توڑ گئی تھی ان بلوریں آنکھوں میں بہت چمک تھی اسے وہ دو آنکھیں یاد آ گئیں، مگر یہ حسن ہے ارشد بھائی کا فرینڈ اور پھر وہ کیوں اس سے سہم جاتی ہے اس دنیا میں ہزاروں کروڑوں لوگوں کی بلوریں چمکتی آنکھیں ہوں گی ایک آفریدی تو واحد نہیں تھا۔ وہ پھر وہاں رکی نہیں معصوم سے کچھ کہہ کر چلی گئی تھی حسن کی بلوریں آنکھوں نے دور تک اس پری وش کا پیچھا کیا تھا جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوگئی۔

"تم نے بتایا نہیں۔" ارشد نے خاموشی سے حسن کو دیکھا تھا حسن بہت کچھ سمجھ گیا۔
"لڑائی ہوئی ہے۔"
"ہوں......"
"تم نے منایا نہیں۔" ارشد نے ایک سرد سانس اپنے اندر اتاری تھی۔
"نہیں۔"
"کیوں؟"
"ڈرتا ہوں اگر نہ مانی تو مجھے بہت دکھ ہوگا۔"
"یہ تو سراسر غلط بات ہے۔ تمہیں کوشش کرنی چاہیے تھی نا اور میں وثوق سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ ثمرن بھابی بھی دل کی بہت اچھی ہیں۔ ان صنف نازک کا دل بہت نرم و ملائم ہوتا ہے ذرا سا پیار دو یہ تم پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دیں گی۔"
"جانتا ہوں ایک عرصہ ہم نے ساتھ گزارا ہے اس کی ایک ایک خوبی سے واقف ہوں۔"
"پھر بھی منانے میں عار محسوس کر رہے ہو وہ کہتے ہیں نا کہ وجود زن سے ہے کائنات میں رنگ تو میرے بھائی کیوں اپنی زندگی بے رنگ کرتا ہے جا جا کر لے آ میں نے یہ بھی نوٹ کیا ہے کہ شاید نجمہ آنٹی بھی تم سے کچھ خفا خفا سی ہیں۔ اب دیکھو ناں اس محفل میں تقریباً سب نے ہی ثمرن بھابی کا نجمہ آنٹی سے پوچھا ہوگا۔"
"ہوں ہاں۔" ارشد کے سامنے ہی نجمہ بیٹھی تھیں اور ساتھ ایک دو خواتین بھی بیٹھی تھیں جو یقیناً ان سے ثمرن کے متعلق پوچھ رہی تھیں۔ وہ سر جھکائے کچھ شرمندہ شرمندہ سی لگی تھیں۔
"تو یار! وہ خود بھی تو آ سکتی ہے کوئی بھگائے گا تو نہیں۔" اپنا ہی لہجہ کچھ پست سا لگا تھا۔
"یہ تو اپنے دل سے پوچھ کہ وہ یہاں خود سے آ سکتی ہیں یا تجھے لینے جانا چاہیے انہیں۔" ارشد نے آگے کچھ نہیں کہا کیوں کہ اس کے پاس بولنے کو کچھ بچا ہی نہیں تھا۔
"ہیلو عارفین!"
"ہیلو سلجوق! واٹ آ سرپرائز کیسے ہو یار؟" عارفین کو بہت خوشی ہوئی تھی سلجوق آفریدی کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر وہ خلوص سے اس سے بغلگیر ہوا تھا۔
"تم کب آیا؟"
"کافی ٹائم ہو گیا ہے مگر کچھ تمہاری بھی مصروفیت تھی اور کچھ میری بھی کہ ہمارا ملنا آج ہوا ہے۔" دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوئے تھے۔
"زرمیل سے روز ملاقات نہ سہی مگر فون پر بات ہوتی رہتی تھی۔ ابھی پچھلے ہفتے میری فیملی بھی یہاں آ گئی۔ پھر زرمیل کے پیرنٹس سے ملے۔"
"بھیا مجھے زرمیل نے کچھ نہیں بتایا۔"
"اگر بتا دیتا تو سارا سرپرائز ختم ہو جاتا اور تمہارے چہرے پر جو یہ ہنسی اور خوشی ہے وہ دیکھنے کو نہیں ملتی جو پچھلے دنوں سے بالکل مفقود ہے۔" زرمیل نے پیچھے سے کہا تو دونوں نے اسے دیکھا تھا۔
"اب تو اب بتایئے مسٹر عارفین بیگ صاحب کیا پرابلم ہے آپ کے ساتھ۔"

"میرے ساتھ......! نہیں تو کوئی پرابلم نہیں ہے۔"

"مجھے زرمیل نے سب بتا دیا ہے، اس لیے کچھ بھی چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ورنہ ہم آرمی والے اندر سے بات نکالنے کا فن جانتے ہیں۔" سلجوق آفریدی نے مصنوعی دھمکی دے کر اسے گھورا تھا۔ عارفین نے زرمیل کو دیکھا۔

"سوری یار! مگر کیا کرتا تو مجھے تو بتا نہیں رہا تھا سلجوق کی پوسٹنگ یہیں کراچی میں ہو گئی ہے تو میں نے ہی اسے تمہارے بارے میں سب بتا دیا۔" عارفین نے زرمیل کو کچھ نہیں کہا ویسے بھی اب زرمیل اور سلجوق آفریدی سے چھپانے کا کوئی جواز نہیں بنتا وہ اتنے اچھے دوستوں سے اپنا مسئلہ ڈسکس ضرور کرے گا اور پھر سلجوق آفریدی ایک آرمی مین ہے اس کے پاس یقیناً اس کا حل ہوگا کیوں کہ پانی اب سر سے اوپر سے جاتا نظر آ رہا تھا۔

حسن اندر جا رہا تھا اور دانیہ اندر سے باہر آ رہی تھی۔ بے دھیانی میں زبردست تصادم ہوا تھا ان دو بازوؤں نے اگر اسے نہ سنبھال لیا ہوتا تو وہ زمین بوس ہو چکی تھی۔ آنکھیں سختی سے میچ لی تھیں۔ ٹکراؤ اتنا زوردار تھا کہ لگ رہا تھا کہ آنکھیں شاید اسپتال میں ہی کھلیں گی مگر کوئی اسے نہایت دھیرے دھیرے پکار رہا تھا۔ دانیہ نے ہلکے ہلکے آنکھیں کھولیں تو خود کو حسن کی مضبوط بانہوں میں قید پایا تھا۔

"آر یو آل رائٹ؟" مگر وہ تو جیسے سن ہی نہیں رہی تھی۔

"مس دانیہ! کیا آپ ٹھیک ہیں؟" حسن نے اسے تھوڑا سا جھنجوڑا تھا۔ وہ ہوش کی دنیا میں لوٹی تھی اپنی پوزیشن کا خیال آیا تو جی بھر کے شرمندہ ہوئی تھی اور اس سے کچھ فاصلے پر جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"آئی ایم سوری۔" سر جھکائے اپنی غلطی پر پشیمان لگ رہی تھی۔

"اٹس او کے بٹ آئی سے یو آل رائٹ۔" حسن کی گمبھیر آواز پر اس نے نہایت چونک کر اسے دیکھا تھا سب کچھ تو وہی تھا وہی لمبا چوڑا پٹھانوں جیسا قد و قامت، وہی پٹھانوں جیسی سرخ و سفید رنگت، وہی چمکتی بلوریں آنکھیں، ویسی ہی بھاری آواز، ویسے ہی بھورے گھنے بال صرف چہرہ وہ نہیں تھا، اس کے اتنے قریب ہونے پر جانے کیوں اس کا دل پہلے سہا اور پھر دھڑکا تھا۔

"اگر آپ نے پوری طرح میرا جائزہ لے لیا ہو تو بتا دیں کہ آپ ٹھیک ہیں۔"

"جی میں ٹھیک ہوں۔" وہ خفیف سی ہو کر رہ گئی تھی۔

"اوہ شکر ہے خدا کا ورنہ شاید آپ کا جواب سننے کے لیے مجھے پوری رات یہیں کھڑے رہنا پڑتا۔" وہ ہولے سے مسکرا دیا تھا مگر اس کے برعکس دانیہ کی دل کی حالت یکسر الگ تھی اسے اپنے جسم پر ابھی بھی اس کے لمس کی حرارت محسوس ہو رہی تھی۔ اس سے مزید وہاں رکنا محال ہو رہا تھا۔ اس لیے حسن کی طرف دیکھے بغیر وہ وہاں سے لان میں چلی آئی تھی۔ پیچھے حسن کے گداز عنابی لبوں پر دلکش سی مسکراہٹ کھلی تھی۔ اسے یہ نازک سی لڑکی بہت پسند آئی تھی۔

حسن اندر جا رہا تھا کسی نے اسے پیچھے سے آواز لگائی تھی۔

"ایکسکیوزمی۔" حسن نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تھا۔ کوئی چوبیس پچیس سال کا نوجوان لڑکا کھڑا تھا۔

"جی کہیے۔"

"مجھے ایسا لگتا ہے میں آپ کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں نا صرف بلکہ بہت قریب سے دیکھا بھی

حسین آفریدی مزید اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

"اچھا آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے؟" حسن نے نہایت پرسکون ہو کر پوچھا تھا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا مگر مجھے کچھ شک ضرور ہے اگر میرا شک پورا ہوا تو میں آپ سے ضرور کہوں گا۔" حسین آفریدی نے بغور اس کی بلوریں آنکھیں دیکھی تھیں۔

"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گا۔" حسن مسکرا دیا تھا۔

"اینڈ آپ کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا کیوں کہ میں بہت تیز ہوں۔"

"او رئیلی۔" حسن کو اب اس لڑکے سے بات کرنے میں مزہ آنے لگا تھا۔

"آپ جانتے ہیں نا میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں۔" حسین آفریدی کے شک کو یقین کی زبان ملتی جا رہی تھی۔

"نہیں میں کچھ نہیں جانتا۔"

"ٹھیک ہے آپ کچھ نہیں جانتے تو میں آپ سے دوبارہ ضرور ملوں گا۔" حسین آفریدی کی بلوریں آنکھوں میں سب کچھ جان لینے کا عزم تھا۔

"او کی ویٹ۔" اور پھر حسن وہاں مزید نہیں رکا تھا۔ اندر اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف جانے لگا۔

"میں پتا لگا کر ہی رہوں گا کہ آپ وہی ہیں جو میں سمجھ رہا ہوں۔" حسین آفریدی نے حسن کی چوڑی پشت دیکھی تھی۔

☆......☆

"تو یہ مسئلہ ہے۔" سلجوق آفریدی نے پرسوچ انداز میں اسے دیکھا تھا۔

"ہوں۔ جو کچھ بھی تھا میں نے سب کچھ تمہیں سچ سچ بتا دیا ہے۔" عارفین نے ہولے سے کہا۔

"دیکھا کتنا بڑا پہاڑ اپنے دل پر لیے پھر رہا ہے اور اگر میں آج بھی اسے نہیں پکڑتا تو تم سے نہیں ملواتا اپنے منہ سے بولنے والا نہیں تھا۔" زرمیل نے عارفین کو سنجیدگی سے گھورا تھا۔

"اچھا ایک بات بتاؤ عارفین تمہیں پورا یقین ہے وہ مووی اور تصویریں معصوم بھابی کی نہیں ہیں وہ کوئی اور ہے۔" سلجوق آفریدی نے اپنے تفتیشی سوالات شروع کر دیے تھے۔

"سو فیصد یقین ہے۔" عارفین نے وثوق سے کہا تھا۔

"معصوم اور اس لڑکی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ٹریک فوٹو گرافی سے شکل تو بدل سکتے ہیں باڈی نہیں جب اسفند درانی نے مجھے تصویریں اور مووی دکھائی تھیں تو میں دیکھتے ہی سمجھ گیا اور پہچان بھی گیا تھا کہ یہ معصوم نہیں ہے۔"

"پھر تم نے اسی وقت اسفند درانی کو کیوں نہیں کہا؟"

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کا اصل مقصد ہے کیا؟"

"آل رائٹ تم مجھے وہ سب دو اور یہ بھی بتاؤ کہ تمہارے اسپلائے حیدر عباسی نے کیا رپورٹ دی ہے۔"

"اس نے کہا ہے کہ وہ آج کل میں اور انفارمیشن جمع کر کے آگہی دے گا۔"

"ٹھیک ہے تم یوں کرو مجھے حیدر عباسی کا نمبر دو اب یہ معاملہ میں اپنے طریقے سے ہینڈل کروں گا۔"

''مگر دھیان رہے سلجوق کہ وہ لوگ کسی قسم کا جانی نقصان نہیں پہنچائیں۔'' زرمیل نے حالات کے پیش نظر آگاہی دی تھی۔

''ڈونٹ وری ویسے تو اتنی ہمت نہیں ہے مگر اپنا عارفین ہے نا بلیک بیلٹ وہ کس دن کام آئے گا۔''

''وہ سب تو ٹھیک ہے مگر پھر بھی یہ کام نہایت احتیاط اور خفیہ ہو تو اچھا ہے مجھے اتنا تو اندازہ ہو گیا ہے کہ اسفند درانی اور یاور درانی بہت چالاک اور شاطر انسان ہیں۔ اگر ذرا بھی بھنک پڑ گئی تو ثبوت مٹانے میں دیر نہیں کریں گے۔'' عارفین نے پہلے زرمیل کو پھر سلجوق آفریدی کو دیکھا تھا۔

''یہ بھی تم نے ٹھیک کہا ہے مگر تم اس کی فکر مت کرو یہ کیس میرے ہاتھ آ گیا ہے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' سلجوق آفریدی نے عارفین کی بات سے پورا پورا اتفاق کیا ہے۔

''اچھا ایک بات اور وہ یہ کہ میں چاہتا ہوں اس سارے معاملے سے معصوم کو دور رکھا جائے۔ تم جو بھی انویسٹی گیشن کرو گے میں چاہتا ہوں یہ سب معصوم کے علم میں نہ ہو۔'' عارفین کی نظر سلجوق آفریدی سے ہوتی ہوئی سیدھی معصوم پر پڑی تھی۔ جو ژالے کے ساتھ کچھ پژمردہ سی بیٹھی تھی۔ ان چند دنوں میں بالکل مرجھا رہا تھا۔

''میری کوشش رہے گی مگر میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کیونکہ ہو سکتا ہے کچھ ایسی باتیں کچھ ایسے راز جو معصوم بھابی کو معلوم ہوں اور ہم سے پوشیدہ تو ان کی کھوج تو ہمیں چاہیے ہوگی۔'' زرمیل اس کی فیلنگ اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس لیے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

''بے فکر رہو اس سارے معاملے یا سلسلے میں انویسٹی گیشن کے دوران معصوم کا کوئی ذکر نہیں ہوگا۔''

''اور تمہیں ایک بات اور بھی بتاؤں اسفند درانی اور یاور درانی گناہ گار ہیں تو انہیں سزا بھی وہاں کا قانون دے گا اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ وہاں کا قانون کتنا سخت ہے۔ وہ ڈائریکٹ ان کا قتل کرتے ہیں یا زندگی بھر جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیتے ہیں۔'' سلجوق آفریدی نے فوراً عارفین کی پریشانی بھانپ لی تھی۔

''آئی انڈر اسٹینڈ سلجوق! بٹ مجھے معصوم کی فکر ہے۔'' اس نے معصوم کی طرف سے نگاہیں ہٹائی تھیں۔

''آئی نو ہمیں بھی معصوم بھابی کی فکر ہے میرے یار۔'' سلجوق آفریدی نے عارفین کے کسرتی بازو پہ ہولے سے تھپکی دی تھی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' عارفین ٹھیک سے مسکرا بھی نہیں سکا۔ پھر ان تینوں کا رخ دوسری باتوں کی سمت مڑ گیا تھا۔

☆......☆

وانیہ نیچے رضا کو دینے جا رہی تھی کہ بیچ کے پورشن میں ارشد اسے مل گیا تھا۔

''وانیہ، رضا کو مجھے دے دو میں ذرا باہر جا رہا ہوں تو اسے لے کر جاؤں گا۔''

''جی ارشد بھائی!'' اس نے رضا کو ارشد کی گود میں دے دیا۔ وانیہ کی نظر بڑے صوفے پہ پڑی جہاں حسن آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹا تھا یا شاید سو رہا تھا۔

ارشد تو رضا کو لے کر فوراً ہی نیچے لے کر چلا گیا تھا مگر وہ جانے کیوں وہاں کھڑی رہی حسن میں جانے کون سی ایسی کشش یا مقناطیسی طاقت تھی جو بہت چاہنے کے باوجود اس کے قدم اٹھ نہیں رہے تھے وہ

...دیکھنے لگی تھی اور شاید اس کے دیکھنے کا ہی اثر تھا کہ حسن نے اپنے چہرے سے بازو ہٹا لیا تھا اور ...دیکھنے لگا تھا۔ وانیہ ان بلوریں آنکھوں سے بری طرح گھبرا کے رہ گئی تھی۔ وہ اس قدر سرخ ہو رہی تھیں ...ایک لمحے کے لیے وہ ڈر کے رہ گئی۔ اس نے آفریدی کی آخری دفعہ وہ بلوریں آنکھیں دیکھی تھیں ...جن میں غصے کی وجہ سے سرخ ڈورے بلکورے لے رہے تھے اور انہی بلوریں آنکھوں نے اسے ...یاد کر دیا تھا۔ اس کا غرور اعتماد سب مٹی میں ملا دیا تھا۔ وہ واپس جانے کے لیے مڑی تھی۔

...وانیہ سنیے۔'' وہ واپس پلٹی تو نہیں تھی مگر رک ضرور گئی تھی اس کے رکنے پر حسن اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

...پلیز مجھے ایک کپ گرم چائے بنا کے دے دیں میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے اور شاید بخار بھی ...ہے۔'' اس نے اس قدر مسکینی صورت بنا کر کہا تھا کہ وہ پلٹے بغیر نہ رہ سکی اور بغور اس کا چہرہ دیکھنے لگی ...اس نے وانیہ کے دیکھنے پر مزید معصومیت بھری شکل بنالی تھی۔ وانیہ نے نجمہ کے بیڈ روم کا بند ...دیکھا تھا۔

...نجمہ آنٹی گھر میں نہیں ہیں۔ ورنہ میں آپ کو یہ زحمت ہرگز نہ دیتا۔'' اس نے وانیہ کی سوچ بھانپ لی ...وانیہ کو ترس آ گیا وہ اس کے بخار کا سوچتی ہوئی کچن میں چلی آئی تھی۔

...پر چائے کا پانی چڑھایا تھا اس میں چائے کی پتی چینی اور دودھ ڈال کر وہ وہیں کھڑی ہو گئی تھی۔ ...پکا کر وہ حسن کو چائے دے کر جلد از جلد یہاں سے چلی جانا چاہتی تھی۔

''پلیز ایک پراٹھا بھی بنا دیجیے۔'' پیچھے سے آتی گھمبیر آواز پر وہ بری طرح دہل کر رہ گئی۔ پیچھے پلٹ ...کچن کے دروازے پر ہی ایستادہ تھا۔

...بی آج صبح ناشتہ نہیں کیا اب بھوک بھی لگ رہی ہے۔'' وہ چہرے پہ معصومیت بھری مسکراہٹ ...ہی آ گیا تھا۔

''او......اوکے......آپ......آپ باہر ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھیں میں وہیں لے کر آتی ہوں۔'' وانیہ، حسن ...موجودگی سے گھبرا رہی تھی۔

...اس نے اپنی بلوریں آنکھوں کو بلیک فریم والے گلاسز سے چھپا لیا تھا مگر شیشوں کے پیچھے ...وہ سرخ بلوریں آنکھیں اسے شک میں ڈال دیتی تھیں۔

''آپ بنائیے میں یہیں بیٹھ جاتا ہوں۔'' وہ کچن میں رکھی ٹیبل چیئر کی طرف بڑھا تھا اور آرام سے ...ٹکا کے بیٹھ گیا۔

...پلیز۔'' اس کا پھر وہی انداز تھا۔

...بی نہ کرتی کے مصداق فریج سے آٹا نکال کر لائی اور جلدی جلدی اپنا کام کرنے لگی جب تک ایک ...چائے بھی تیار ہو چکی تھی۔ اس نے ٹرے میں پراٹھا اور چائے رکھی ٹرے اٹھا کے ٹیبل پر رکھ دی ...نے مسکرا کے ٹرے دیکھی۔

...وانیہ جی! آپ نے تو اپنی خوراک مجھے دے دی ہے۔'' وانیہ ناسمجھی کے عالم میں حسن کو دیکھنے ...لگی۔

''مطلب یہ آپ نے ایک پراٹھا بنایا، وہ بھی اتنا چھوٹا پلیز ذرا ایک اور بنا دیجیے مگر ذرا صحت مند سا۔'' ...وہ پراٹھے کا ایک نوالہ توڑ کے کھانے لگا تھا۔ وانیہ ٹھیک ٹھاک تپ گئی۔ وہ پیر پٹخ کے پھر سے کاؤنٹر کی

جانب مڑی تھی اور جلدی جلدی ایک اور موٹا سا پراٹھا بنایا۔

"موصوف نے اپنی نوکرانی سمجھ لیا ہے۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی۔

وانیہ پراٹھا بنا کر جیسے ہی پلٹی تھی پھر سے ڈبل مائنڈڈ ہو گئی حسن چپ چاپ لیفٹ ہینڈ سے پراٹھا کھا رہا تھا۔ آفریدی بھی تو لیفٹ ہینڈ تھا۔

"پلیز دے دیجیے۔"

"جی.....!" وہ چونک کر رہ گئی اور پراٹھا اس کی ٹرے میں رکھا اور تیزی سے کچن سے نکل گئی۔ حسن نے اچنبھے سے اسے جاتا دیکھا اور پھر کندھا اچکا کر کھانے لگا تھا۔

"السلام علیکم!" دوسری چیئر پر اچانک ہی حتین آفریدی آکر بیٹھ گیا تھا۔

"وعلیکم السلام تم کب آئے؟"

"بالکل ابھی آپ سنائیے کیسے ہیں۔" حتین آفریدی نے اس کی گلاسز کے پیچھے سے جھانکتی ہلوری آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں لو کھاؤ۔" حسن نے ٹرے اس کے آگے بڑھائی۔

"آپ اپنے ہاتھ سے کھلائیے۔" حتین آفریدی کی عجیب فرمائش تھی۔

"اتنے بڑے ہو گئے ہو اپنے ہاتھ سے نہیں کھاتے۔"

"جتنا بھی بڑا ہو جاؤں آپ سے تو پھر بھی چھوٹا ہی رہوں گا نا۔"

"یار! تم کتنی ذومعنی باتیں کرتے ہو۔"

"آپ اپنے ہاتھ سے کھلائیں گے تو کھاؤں گا ورنہ نہیں۔" حتین آفریدی نے چیئر کی بیک سے ٹیک لگا لی تھی۔ "بہت ضدی ہو ہے نا۔" حسن نے مسکراتے ہوئے پراٹھے کا ایک لقمہ توڑا اور چائے میں ڈیپ کر کے حتین آفریدی کے منہ میں ڈال دیا تھا۔ وہ کھاتا گیا اور حسن اسے کھلاتا گیا۔ چائے سے بھرا مگ آدھا ہو گیا تھا جسے حسن نے ایک دو گھونٹ پی کر حتین آفریدی کو دے دی جسے اس نے فوراً تھام لی تھی۔

"تھینکس۔" حتین آفریدی نے کپ واپس ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ حسن مسکرا دیا اور پیار سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

☆.....☆

"آہم..... آہم....." سلجوق آفریدی نے کھنکھارا بھرا تھا۔ حرا جو رضا کو لیے چائے پی رہی تھی اور ساتھ ٹی وی بھی دیکھ رہی تھی۔ کھنکھارنے پر پیچھے گردن گھما کے دیکھا تھا۔

"او سلجوق بھائی آپ، السلام علیکم۔" وہ رضا کو صوفے پر بٹھا کے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ کے کھڑی ہو گئی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" سلجوق آفریدی دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔ "چائے پی جا رہی ہے وہ بھی اکیلے اکیلے۔"

"جی..... مگر آپ بیٹھیے میں آپ کے لیے دوسری بنا کے لاتی ہوں۔"

"اب تم جاؤ گی، بناؤ گی پھر مجھے دیر ہو جائے گی۔ ایسا ہے کہ تم جاؤ زرمیل کو بلا کے لے آؤ جب تک میں تمہاری چائے سے ہی لطف اندوز ہو جاتا ہوں۔" سلجوق آفریدی نے بغیر کسی جھجک کے اس کا چائے کا

کپ ٹیبل سے اٹھا لیا اور ایک سپ لیا تھا۔

"مگر سلجوق بھائی! یہ میری جھوٹی چائے ہے، میں جلدی سے آپ کے لیے دوسری گرم بنا کے لے آتی ہوں۔"

"اوہ..... ہوں رہنے دو جو مزہ یہ جھوٹی چائے پینے میں ہے وہ تمہارے دوبارہ بنانے میں نہیں ہوگا۔" سلجوق آفریدی نے پرشوق نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ذومعنی بات کی تھی۔ حرا کے خاک پلے پڑا تھا۔ ادھر ادھر گردن ہلا کے وہاں سے زرمیل کے بیڈ روم میں آ گئی تھی جو ابھی کچھ دیر پہلے ہی آفس سے آیا تھا۔ سلجوق آفریدی دلکشی سے مسکرا دیا تھا۔

ابھی کچھ دن پہلے ہی اس کی فیملی باقاعدہ اس کا رشتہ حرا کے لیے لے کر آئی تھی۔ وہ چونکہ اس فیملی کو اور حرا کو بچپن سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے بہت پسند تھی نٹ کھٹ سی حرا اس کے دل میں بہت پہلے بسیرا کر چکی تھی مگر یہ بات ابھی تک حرا کے علم میں نہیں تھی۔ یہی کہا گیا تھا وہ اپنی پڑھائی سے فارغ ہو جائے پھر بات آگے بڑھاتے ہیں اس رشتے کے لیے زرمیل کے پیرنٹس نے انکار نہیں کیا تھا۔

"ہاں سلجوق کیسا ہے؟" زرمیل کے آنے سے اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا تھا۔

"فائن تو سنا۔" سلجوق آفریدی نے چائے ختم کر کے خالی کپ ٹیبل پر رکھا تھا۔ زرمیل نے صوفے پر کھیلتے رضا کو گود میں لیا اور پھر صوفے پر بیٹھ گیا سلجوق آفریدی کے سامنے۔

"میں بھی ٹھیک ہوں عارفین کا مسئلہ کہاں تک آگے بڑھا۔"

"میں اسی سلسلے میں آیا تھا اب بہت ضروری ہو گیا ہے کہ مقسوم بھائی سے کچھ سوالات کر لیے جائیں۔ حیدر عباسی سے بھی میری بات ہو گئی ہے اسفند درانی اور یاور درانی کی انکوائری کا پورا بائیو ڈیٹا آ چکا ہے وہ دونوں اسمگلرز کی دنیا کے بے تاج بادشاہ ہیں میرا خیال ہے باقی باتیں عارفین اور مقسوم بھائی کے سامنے کر لیں۔"

"ہاں تم ٹھیک بول رہے ہو تو پھر چلو اوپر چلتے ہیں۔" دونوں کھڑے ہو گئے سامنے سیڑھیوں سے ارشد اترتا ہوا آ رہا تھا۔

"ہیلو! کیسے ہو تم سلجوق؟" ارشد نے دونوں سے مصافحہ کیا اور خوش دلی سے سلجوق آفریدی کو دیکھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں تم سناؤ۔" اسی دوران زرمیل کا فون بجنے لگا تھا۔

"ایکسکیوز می۔" زرمیل نے ارشد کی طرف ایک نظر دیکھ کر فون ریسیو کر لیا تھا۔

"ہاں ثمرن بولو۔"

ثمرن کے نام پر ارشد نے زرمیل کو دیکھا تھا۔

"اچھا..... مگر کیوں؟" وہاں سے ایسا کچھ کہا گیا تھا کہ زرمیل کے چہرے پر پریشانی و فکر کے سائے لہرانے لگے تھے۔ ارشد نے بغور زرمیل کو دیکھا تھا۔

"او کے تم فکر مت کرو میں ابھی تھوڑی دیر میں کچھ کام نمٹا کے آتا ہوں او کے اللہ حافظ۔" زرمیل نے فون آف کیا۔

"کیا ہوا زرمیل! سب خیریت تو ہے نا پریشان لگ رہے ہو۔" ارشد کے دل میں مچلتا ہوا سوال لبوں پر آیا۔ ثمرن کا فون آیا تھا ایسا کیا ہوا تھا جو وہ پریشان ہو گیا تھا۔

"ہاں ثمرن کی خالہ کرائے پر رہتی ہیں مالک مکان نے انہیں آج شام تک گھر سے نکلنے کا کہہ دیا ہے۔"

"اوہ...... پھر......" اسے ثمرن کی فکر ستانے لگی تھی۔

"میں کچھ کام نمٹا لوں پھر ایک گھنٹے میں جاتا ہوں۔"

"نہیں تم رہنے دو میں جا رہا ہوں۔"

زرمیل کی دل کی خواہش یہی تھی کہ وہ ثمرن کے پاس جائے کیوں کہ اس وقت ثمرن کو سب سے زیادہ ارشد کی ہی ضرورت تھی وہ یہی چاہتا تھا کہ ارشد ثمرن کو جا کے منا لے آئے۔ "یہ تو بہت اچھی بات ہے بیسٹ آف لک، ہاں ایک کام کرنا میرا جو گلشن والا فلیٹ ہے وہاں اس کے خالہ اور خالو کو شفٹ کر دینا۔ اس کی چابی ڈرائیور سے لیتے جانا۔"

"او کے۔"

ارشد کے چہرے پر ثمرن کے ذکر سے روشنی سی بکھر گئی تھی وہ مسرور سا ثمرن کو لینے آگے بڑھا تھا۔

"ان کے درمیان سب ٹھیک چل رہا ہے۔" ان سب کے درمیان سلجوق آفریدی صرف خاموشی سے سن رہا تھا۔ زرمیل نے سلجوق آفریدی سے کچھ نہیں چھپایا تھا وہ اس کا کلوز بیسٹ فرینڈ تھا۔

"انشاء اللہ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"انشاء اللہ۔" سلجوق آفریدی دھیرے سے مسکرا دیا۔ دونوں چلتے ہوئے رابعہ کے پورشن میں آ گئے تھے رابعہ ہاتھ میں ہینڈ بیگ لیے کہیں جا رہی تھیں ان کے ساتھ وانیہ بھی تھی۔

"السلام علیکم! لگتا ہے آپ کہیں جا رہی ہیں۔" دونوں نے ہی سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" رابعہ نے شفقت سے دونوں کو دیکھا تھا۔ ہاں آج رات کا ڈنر سب کا میرے ہاں ہے تو کچھ سامان لینے جا رہی ہوں مارکیٹ سے۔"

"رابعہ پھوپھو آپ بھی نا اتنی محنت کرتی ہیں سب کچھ ریڈی میڈ منگوا لیا کریں۔" زرمیل کو تو حیرت ہوتی تھی ان پر اتنا ڈھیر سارا کھانا پکاتی تھیں وہ گھر پر۔

"مگر بیٹا جانی جو کھانے کا مزہ گھر میں بنانے کا ہے وہ باہر کے ریڈی میڈ میں کہاں۔"

"اب آپ کی منطق کے آگے ہماری کہاں چلے گی۔" زرمیل دھیرے سے مسکرا دیا۔

"یو رائٹ مائی چائلڈ۔" رابعہ نے اس کی مسکراہٹ کا ساتھ دیا تھا۔

"تو پھر ایک خوش خبری اور سنیے آج رات کے ڈنر پر ثمرن بھی ہم سب کے ساتھ ہوگی۔"

"ارے پھر تو اس سے اچھی خوش خبری کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔ میں ڈنر میں آج ثمرن کی کچھ فیورٹ ڈشز بھی بنا لیتی ہوں۔" وہ خوشی خوشی وانیہ کے ہمراہ ہی آگے بڑھیں۔

"السلام علیکم زرمیل بھائی۔"

معصوم اسٹور سے کانچ کے برتن نکال کر کچن میں جا رہی تھی۔ سلجوق آفریدی اور زرمیل کو کھڑے دیکھا۔ سلجوق آفریدی کو تو وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ اس لیے تھوڑا جھجک سی گئی تھی مگر سلجوق آفریدی کی غائبانہ جان پہچان بہت اچھی طرح ہو گئی تھی۔

"وعلیکم السلام! عارفین کہاں ہے۔"

"جی وہ اپنے کمرے میں ہیں۔" اس کے ہاتھ میں کانچ کے برتن تھے زرمیل نے وہ برتن دیکھے۔

"او کے آپ یوں کریں یہ سارے برتن رکھ کے روم میں آئیے آپ سے کچھ کام ہے۔" زرمیل سنجیدگی سے کہتا سلجوق آفریدی کو لیے عارفین کے روم میں آ گیا تھا۔

وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔ "انہیں مجھ سے کیا کام ہے۔" رابعہ اور وانیہ مارکیٹ جانے کے لیے نکلی تھیں کہ راہ میں حسن مل گیا تھا۔ "آپ کہیں جا رہی ہیں؟"

"ہاں ذرا مارکیٹ تک جا رہی تھی کچھ سامان لینا تھا۔" رابعہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اگر آپ کو برا نہ لگے تو میں لے کر چلتا ہوں گاڑی میں۔"

وانیہ نے کن انکھیوں سے حسن کو دیکھا جو نہایت مودب ہو کر رابعہ سے بات کر رہا تھا۔ رابعہ کو ارشد کا دوست بہت پسند آیا تھا۔ شریف فرمانبردار۔

"نہیں برا لگنے کی کوئی بات نہیں ہے اگر آپ کو کچھ کام نہیں ہے تو پلیز گاڑی میں لے چلیں جلدی سے سامان لے کر واپس بھی آ کر ڈنر تیار کرنا ہے۔"

"او کے میں گاڑی لے کر آتا ہوں۔" حسن جلدی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا اور ایک منٹ میں وہ گاڑی ان کے پاس لے بھی آیا تھا۔

"مامی ہم کسی رکشہ ٹیکسی میں چلے جاتے۔" وانیہ نے آہستگی سے رابعہ کو منع کرنا چاہا۔

"بے فکر رہے وانیہ جی! میں بہت اچھا ڈرائیور ہوں آپ کو تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔" وانیہ نے اس کے چشمے کے پیچھے سے جھانکتی دو بلوریں آنکھوں میں جھانکا تھا جہاں شوخیاں ہی شوخیاں بھری تھیں۔ وہ سٹپٹا کے رہ گئی۔

وانیہ نے پیچھے کی سیٹ سنبھال لی تھی جب کہ رابعہ بھی وانیہ کے برابر میں ہی بیٹھی تھیں۔ حسن نے بیک مرر اس کے چہرے پر فوکس کر دیا تھا۔

مارکیٹ آ گئی تھی وہ تینوں گاڑی سے نیچے اترے تھے۔

"ایسا ہے وانیہ بیٹا تم یوں کرو کہ یہاں سے مختلف قسم کے بہت سے فروٹس اور جلیبی کے پیکٹ لے لو اس کے علاوہ وہ کلرز سویاں بھی لب شیریں اور ٹرائفل بنانے کے لیے میں جب تک وہاں سے چکن لے آتی ہوں۔"

"رابعہ آنٹی! آپ اتنا پریشان ہوں گی آپ مجھے گھر پر ہی لسٹ دے دیتیں میں لے کر آ جاتا سارا سامان۔" حسن کو رابعہ کا یوں پریشان ہونا اچھا نہیں لگا تھا۔

"ارے نہیں بیٹا! اصل میں عارفین نے مجھے سارا سامان تو پہلے ہی لا کر دے دیا ہے میں نے سب رابعہ پر چھوڑا بھی دیا ہے بس میٹھا اور بروسٹ کے لیے یہاں آئی ہوں وہ ثمرن کو بھی بہت پسند ہے اور سب کو میرے ہاتھ کا میٹھا بہت پسند ہے۔"

"چلیں ٹھیک ہے آپ گاڑی میں بیٹھیے میں سب لے کر آتا ہوں۔"

"نہیں تم لوگ فروٹس لو چکن میں خود لے کر آتی ہوں وقت بھی کم ہے۔" وہ آگے بڑھیں اب وانیہ کیا نہ کرتی کے مصداق حسن کے ساتھ ہو لی تھی۔

"آپ کو شاید میرے ساتھ آنا اچھا نہیں لگا۔" حسن نے وانیہ کے چہرے پر بیزاری نوٹ کر لی تھی۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے میں آپ کی پریشانی کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔"

"مگر مجھے آپ کو لے کر کبھی بھی پریشانی نہیں ہوگی۔" اس نے ذومعنی سرگوشی کی تھی۔ وانیہ کا دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا اور پھر باقی کا سارا وقت وہ خاموش رہی تھی۔

☆......☆

"جی تو مقسوم بھابی آپ سے کچھ سوالات کرنے تھے آپ اگر تعاون کریں گی تو کیس اور آسان ہو جائے گا۔ نا صرف بلکہ بہت جلد یاور درانی اور اسفند درانی اپنے انجام کو بھی پہنچ جائیں گے۔" بیڈروم میں سائیڈ پر رکھے چھوٹے سے صوفے سیٹ میں عارفین اس کے ساتھ مقسوم بیٹھی تھی۔ سامنے والے دونوں سنگل صوفوں پر سلجوق آفریدی اور زرمیل براجمان تھے۔ رضا چونکہ زرمیل کی گود میں سو چکا تھا اس لیے اس نے عارفین کے بیڈ پر ہی لیٹا دیا تھا۔

سلجوق آفریدی نے اسے سب سچ بتا دیا تھا کہ وہ کس طرح عارفین کو پریشان کر رہے تھے اور کچھ کاغذات دکھا کے وہ اس کو یہاں سے لے جانے کی دھمکیاں بھی دے رہے ہیں۔

"جی سلجوق بھائی پوچھیے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"اچھا ایک بات بتایئے آپ کو یہ پتا ہے کہ اسفند درانی اور یاور درانی آپ کو یہاں سے کینیڈا کیوں لے جانا چاہتے ہیں؟"

"نہیں۔"

"کچھ تو ڈاؤٹ ہوگا۔"

"میرا خیال ہے وہ پاپا کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔"

"کیسا بدلہ؟" سلجوق آفریدی نے اسے بغور دیکھا اس کے چہرے پر تکلیف کے سائے تھے۔

"یہی کہ میرے گرینڈ پا نے سب کو اپنی زندگی میں ان کا حصہ دے دیا تھا مگر ان کے انتقال کے بعد اسفند چاچو اور یاور نے بزنس میں کچھ ہیرا پھیری کی جو پاپا کے علم میں آگئی تھی انہوں نے دونوں کو گھر سے ہی نہیں اپنے مشترکہ بزنس سے بھی بے دخل کر دیا تھا۔ یہ سب ان دونوں سے برداشت نہیں ہوا تو شاید اس لیے وہ مجھ سے بدلہ لینا چاہتے ہیں۔"

"آپ کے گرینڈ پا نے جب پراپرٹی دونوں بھائیوں میں تقسیم کر دی تو کیا وہ پراپرٹی کے پیپرز ہیں آپ کے پاس۔"

"میرے پاس تو نہیں مگر ہو سکتا ہے جینی مم کے پاس ہوں۔"

"یہ جینی مم کون ہیں؟"

"میری گورنس جنہوں نے مجھے بچپن سے پالا ہے ہمیشہ سے وہ میرے ساتھ ہی رہی ہیں۔"

"اب کہاں ہیں وہ کوئی کانٹیکٹ نمبر ہے آپ کے پاس ان کا؟"

"جی مہینے پندرہ دن میں وہ مجھ سے ایک بار بات ضرور کرتی ہیں۔"

عارفین بھی بغور اسے ہی سن رہا تھا یہ سب اس کے علم میں نہیں تھا اور ساتھ حیرت بھی ہو رہی تھی۔

"آپ مجھے وہ سارے اوریجنل پیپرز منگوا کے دے سکتی ہیں؟" سلجوق آفریدی نے صوفے کی بیک سے ٹیک لگائی تھی۔

"جی۔"

"کب تک مل سکتے ہیں پاپا؟"

"اسی ہفتے میں مل جائیں گے۔" سلجوق آفریدی ٹو دی پوائنٹ بات کر رہا تھا بنا کسی تمہید باندھے۔

☆......☆

"ثمرن تم......او مائی گاڈ۔" وہ کھڑی ہوئی مگر چکرا کے پھر سے بیٹھ گئی تھی اور سر پہ ہاتھ رکھ لیا تھا ارشد تیزی سے اس کے قریب آیا اور اس کے نزدیک بیٹھا تھا۔

"ثمرن طبیعت ٹھیک ہے نا تمہاری۔" اس کے فربہ جسم سے لگ رہا تھا جیسے وہ پریگنینٹ ہو مگر ارشد کی سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے اتنی بڑی خوش خبری پر وہ کیا کرے خوش ہو یا ثمرن کے نہ بتانے پر ناراض

"ثمرن۔" ارشد نے اس کا لرزتا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"چھوڑیے مجھے میں بالکل ٹھیک ہوں۔" ثمرن نے غصے سے ارشد کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا تھا مگر ارشد نے گرفت مضبوط کر لی تھی۔ ارشد نے اس کی ناراضی نوٹ کر لی تھی مگر اب تو ہر حال میں اسے ہی منانا تھا۔ کیوں کہ ثمرن اس سے سخت ناراض تھی۔

"میرا خیال ہے یہ گھڑی اور یہ جگہ روٹھنے اور منانے کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ چلو گھر چلو بیڈروم میں تمہاری ساری ناراضی دور کر دوں گا۔" ارشد نے ذومعنی انداز میں ہولے سے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"میں نے کہا نا میں آپ کے ساتھ نہیں جا رہی ہوں آپ نے جس طرح میری بے عزتی کر کے مجھے گھر سے نکالا تھا میری دس سالہ رفاقت کا جو صلہ مجھے دیا مجھے سب یاد ہے۔" ارشد سمجھ رہا تھا کہ زیادہ ناراضی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ ثمرن کو منانے میں مگر اس کی سوچ غلط ثابت ہوئی ثمرن اتنی آسانی سے ماننے والی نہیں تھی۔

"یار دیکھو! میں نے زندگی میں کبھی بھی کسی کو منایا نہیں ہے اور نہ ہی مجھے ایسا کوئی تجربہ ہے۔ تو پلیز تم مان جاؤ نا۔"

"میں نے کہا نا مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی ہے۔" ثمرن نے ارشد کی مٹھی میں دبا اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا تھا مگر وہ نہیں مانا تھا۔

دروازے پہ دھیرے سے دستک ہوئی۔

"ثمرن آپی!" باہر سے لاروش افغلان نے پکارا تھا۔

"ہاں لاروش آجاؤ اندر۔"

ارشد کی گرفت ڈھیلی پڑی تو ثمرن نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکال لیا تھا۔

لاروش افغلان اندر داخل ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں ارشد کے لیے چائے اور ثمرن کے لیے کھانا تھا۔

"لاروش مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"نہیں ثمرن آپی آج آپ نے نہ تو صبح سے کچھ کھایا ہے اور نہ ہی آج دوائی کھائی ہے اور آج تجمہ آنٹی بھی نہیں آئی ہیں ورنہ روز وہی آپ کو کھلاتی ہیں۔" لاروش افغلان کے انکشافات پر ارشد نے ثمرن کو

حیرت بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

"ارشد بھائی آپ ہی ثمرن آپی کو سمجھا دیجئے یہ کچھ نہیں کھا رہی ہیں۔" لاروش اغولان نے ارشد کو چائے کا کپ دیا جو اس نے تھام لیا مگر ہونٹوں سے نہیں لگایا بلکہ کپ پونہی کا یونہی ٹیبل پر رکھی ٹرے پر رکھ دیا تھا۔

"ثمرن ماما تم سے یہاں ملنے آئی ہیں اور انہیں تمہاری کنڈیشن کے بارے میں بھی سب معلوم ہے۔"

"گھر میں آپ کے سوا سب کو میری طبیعت کا معلوم ہے۔" اس نے کہہ کر رخ ہی پھیر لیا تو ارشد کی تپ گئی ارشد نے اس کا رخ اپنے ہاتھ سے اپنی سمت موڑا تھا۔

"یہ سراسر ناانصافی ہے ثمرن میرے ساتھ زیادتی ہے کیوں کہ اس خبر کے بارے میں سب سے پہلے مجھے معلوم ہونا چاہیے تھا اور مجھے اب پتا چلا ہے سب سے آخر میں اور اگر میں آج نہ آتا تو شاید بے خبر ہی رہتا۔"

"آپ اپنے دل پر ہاتھ رکھیے اور مجھے بتائیے کہ کیا میں آپ کو فون کرکے بتا سکتی تھی؟" ثمرن شاکی نظروں سے اسے دیکھا تھا تو ارشد اس کی شکایتی نظریں دیکھ کر وہ خفیف سا ہو کر رہ گیا تھا مگر بنا دیر وہ خفیف نہ رہ سکا تھا۔

"ٹھیک ہے میں غصے میں تھا اور تمہیں میری عادت بھی معلوم ہے پھر بھی تمہیں مجھ سے یہ سب خوش خبری نہیں چھپانی چاہیے تھی۔" ارشد ابھی بھی خود کو حق بجانب سمجھ رہے تھے ثمرن کے دماغ پر لگی تھی۔

"ارشد! آپ ابھی بھی خود کو حق پر سمجھ رہے ہیں اور مجھے قصوروار ٹھہرا رہے ہیں۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔

"نہیں یار! میرا وہ مطلب نہیں ہے مگر میں نے اس خوش خبری کے لیے دس سال بے صبری سے انتظار کیا ہے۔"

"اچھا اگر آپ کو پتا چل جاتا پھر کیا ہوتا؟" وہ ٹھنک کر بولی۔

"اپنی جان کو پلکوں پر بٹھاتا۔"

"جھوٹ دلاسے مت دیں میں جان گئی ہوں آپ کے دل میں اور آپ کی نظروں میں میری حیثیت کوئی وقعت نہیں ہے۔"

"یار اب غلط فہمیوں کے سمندر سے باہر بھی آجاؤ اگر یقین نہیں آرہا تو پھر میں تمہیں بیڈ روم میں ثبوت بھی دے دوں گا۔" ارشد نے بے ساختہ اس کے رخسار پر اپنی ہتھیلی کی پشت پھیری تھی ثمرن حیا سے شرما کر رہ گئی۔ آج بہت سال بعد ثمرن کو ارشد پہلے والا ارشد لگا تھا جو شادی سے پہلے تھا۔

"ارشد! آپ نے مجھے بہت دکھ دیے ہیں یہ سات ماہ میں نے بہت اذیت میں بہت تکلیف سے اور تڑپ تڑپ کے گزارے ہیں۔ میں اس بار آپ سے سخت ناراض ہوں آپ سے اس بار بالکل بات نہیں کروں گی۔" آنکھوں سے چند موتی ٹوٹ کر رخسار پر پھسل کر ارشد کی ہتھیلی پر گرتے چلے گئے جو اس کے ہاتھ پر تھے۔

ارشد کا دل خون خون ہوگیا تھا۔ اس نے واقعی میں اپنی زندگی بہت کٹھن کر لی تھی۔ جس میں سب سے بڑا ہاتھ خود اس کا اپنا تھا مگر اب اپنی زندگی کو سنوارنا تھا اور جھکنے میں اسے کوئی شرم نہیں تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے گھٹنوں میں بیٹھ گیا تھا اور دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر رکھ لیے تھے۔

(جاری ہے)

تھے۔ ویسے بھی اب وہ بھی تھکنے لگی تھی۔ ٹھنڈی میٹھی چھاؤں میں بیٹھنا چاہتی تھی۔ ارشد کی پناہوں میں اپنی تھکن اتارنا چاہتی تھی۔

"بچی بہت برے لگ رہے ہیں۔" ثمرین نے اس کے دونوں ہاتھ کانوں سے ہٹائے۔

"تم پہلے کہو کہ تم نے مجھے معاف کر دیا۔ دیکھو ماما بھی مجھ سے سخت ناراض ہیں۔ بات تک نہیں کر رہی ہیں ان کی لاڈلی بہو کا دل جو دکھایا ہے۔ تم معاف کر دو گی تو ماما بھی مجھے معاف کر دیں گی۔"

"میں سب جانتی ہوں۔"

"واٹ...... تمہیں سب معلوم ہے۔"

"جی ہاں ماما سے میری روز بات ہوتی ہے اور وہ یہاں مجھ سے ملنے بھی آتی رہتی ہیں۔" ارشد نے ثمرین کو گھورا تھا مگر اس گھوری میں بھی پیار و چاہت کوٹ کوٹ کے بھری تھی۔

”تم ساس، بہو کس قدر تیز ہو نا؟“

”اور جناب کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔“

”نہایت نیک خیال ہے اور ایک بات تو بتاؤ ذرا تم نے صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں اس پر بھی تمہارے اندر اتنی انرجی ہے کہ تم مجھ سے مستقل لڑ رہی ہو۔“ ارشد اس کے گھٹنوں کے پاس سے اٹھ کر دوبارہ اس کے برابر میں بیٹھ گیا تھا اور نظر سامنے ٹیبل پر رکھی ٹرے پر پڑی جس میں کھانا رکھے رکھے ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

”جی ہاں آپ سے لڑنے کے لیے میری انرجی مزید بڑھ گئی ہے مگر آپ ایک بات سن لیں کہ میں آپ سے بات بالکل نہیں کر رہی۔“

”اچھا تو کیا آپ ایک پچھلے پہر سے بھوت سے باتیں کر رہی تھیں بلکہ لڑ رہی تھیں۔“

”آپ ویسے کسی بھوت سے کم بھی نہیں۔“ وہ چڑانے کے انداز میں مسکرا کے بولی تھی۔

”وہ تو تم گھر چل رات کو بتاؤں گا یہ بھوت کیا کیا کر سکتا ہے۔“ ارشد نے پر شوخ لب و لہجے میں کہتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کی تو ثمرن اس کی پیار بھری ذو معنی سرگوشی سے کانوں کی لو تک سرخ پڑ گئی تھی۔ اس نے پلکوں کی باڑ نیچے گرا لی تھی، ارشد نے نہایت چاہ سے یہ لوٹ لیے منظر دیکھا تھا۔

☆......☆

ارشد کے ساتھ ثمرن گھر کے اندر داخل ہوئی تو سب نے ارشد کو ستائشی نظروں سے دیکھا اور بہت خوش بھی ہوئے اس کے فیصلے پر سب سے پہلے آسیہ نے ثمرن کو گلے سے لگایا تھا۔

”بہت خوشی ہوئی، ارشد تم نے زیادہ دیر نہیں کی ورنہ ثمرن کو ہمیشہ دکھ رہتا۔“ ان کا اشارہ ثمرن کی پریگنینسی کی طرف تھا جیسے وہ سمجھ گیا تھا۔

”ٹھیک کہہ رہی ہیں تائی امی آپ مگر بعض اوقات ہم سے انجانے میں بہت بڑی بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں لیکن میں اپنی اس غلطی کا ازالہ کروں گا۔“ ارشد نے ثمرن کو مشکور نظروں سے دیکھا۔ ثمرن نے معاف کر دیا میں بہت مشکور ہوں۔“

”میں نے تو آپ کو اسی وقت معاف کر دیا تھا جب آپ مجھے لینے کے ارادے سے گھر آئے تھے۔“

”دیکھا یہ ہوتی ہے مشرقی بیوی جس کے خمیر میں صبر و استقامت گندھی ہوتی ہے۔“ آسیہ نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر بوسہ لیا تھا۔ ارشد خاموش رہا صرف فخریہ نظروں سے ثمرن کو دیکھ کر رہ گیا۔

ثمرن کا سن کر اندر سے ثرالے بھی آ گئی تھی اور ثمرن کے گلے لگ کر خوب روئی تھی۔ بڑا مشکل ہو گیا تھا اس کو چپ کرانا، زرمیل ہی آگے بڑھا تھا اور اسے ثمرن سے الگ کیا۔

”بری بات ہے خوشی کے موقع پر خود بھی رو رہی ہو اور ثمرن کو بھی رلا رہی ہو۔“

”سوری ثمرن بھابھی!“ ثرالے نے شرمندگی سے اپنی بھیگی آنکھیں صاف کی تھیں۔

”پگلی......“ ثمرن کی آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی تھی یہ سچ تھا کہ وہ ثرالے کو بہت چاہتی تھی۔

”رضا نظر نہیں آ رہا۔“ ثمرن نے بے تاب نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

”آج رابعہ پھپھو نے سب کو ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے۔ وہ وہیں پر ہے۔“ ثرالے نے کہا۔ نجمہ نے سنا کہ ثمرن آئی ہے وہ تیزی سے اپنے بیڈ روم میں سے نکلیں۔

''خوش آمدید مائی چائلڈ!''
''السلام علیکم بابا۔'' وہ خوش ہو کر ان کے گلے سے لگی تھی۔
''جیتی رہو خوش رہو۔'' انہوں نے اس کے ماتھے پر بوسہ لیا تھا۔
''بابا آئی ایم سوری۔'' ارشد نے نجمہ کے کندھے پر اپنا بازو پھیلایا تھا۔
''میری بہو میرے گھر اپنے گھر میری نظروں کے سامنے آگئی۔ میرے دل سے سارے شکوے گلے ساری ناراضگیاں دور ہو گئی ہیں۔'' انہوں نے مسکرا کے ارشد کو پھر ثمرن کو دیکھا۔
بس یہی کہنا تھا ان کا اور ارشد کا دل خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔ میروں خون بڑھ گیا تھا۔
''تھینکس بابا!'' اس نے نجمہ کے سر پر پیار کیا تھا۔
''خوش رہیں میرے سب بچے میرے لیے یہی بہت ہے۔''
''اب تو کوئی فکر نہیں ہے نجمہ؟'' آسیہ نے سوال کیا۔
''نہیں آسیہ بھابھی! اب میں بہت خوش ہوں۔'' نجمہ اور آسیہ اسے اوپر اس کے بیڈروم میں لے آئی تھیں تاکہ وہ کچھ دیر آرام کر لے۔ پھر سب اکٹھے رابعہ کے پورشن میں جمع ہوں گے۔
رات سب رابعہ کے پورشن میں جمع ہو گئے تھے۔ ڈائننگ ٹیبل پر بے شمار ڈشز رابعہ، مقسوم، ثرا لے اور آسیہ نے مل کر بنائی تھیں۔ ان کی ہیلپ کرنے آسیہ بھی اوپر آ گئی تھیں۔ ہر شخص کی کوئی نہ کوئی پسندیدہ ڈش رکھی گئی تھی۔ جسے شوق سے کھا رہے تھے۔ سوائے لاروش اخولان کو وہ تو ویسے اوپر آ بھی نہیں رہی تھی مگر ثمرن زبردستی اسے لے آئی وہ سب لوگوں میں بیٹھ کے جھجک رہی تھی مگر وہ سب اتنے اچھے تھے کہ لگ ہی نہیں رہا تھا جیسے وہ اسے مہمان سمجھ رہے ہیں یا کوئی نیا چہرہ سب بہت اپنائیت اور پیار سے اس سے بات کر رہے تھے۔
''لاروش، کھاؤ نا، یہ کھاؤ بہت مزے کا بنا ہے۔'' ثرا لے نے اچار گوشت کی ڈش اس کے آگے رکھ دی تھی جسے لاروش اخولان نے چھوا تک نہیں تھا۔
''بیٹا! مت شرماؤ سب کو اپنا ہی سمجھو۔'' نجمہ نے نہ صرف کہا بلکہ خود اس کی ڈش میں پلیٹ میں سے اچار گوشت کا سالن نکال دیا تھا۔
''بس... بس...'' نجمہ نے بہت سارا ہی نکال دیا تھا وہ گھبرا کے رہ گئی۔
''بابا اس کا چوائس تھوڑی ہے مجھے بھی کہہ کہہ کر اسے کھلانا پڑتا تھا۔'' ثمرن نے مسکرا کے لاروش اخولان کو دیکھا تھا۔ کچھ ویر ان کی اپنی باتیں تھیں۔ دوسری سائیڈ پر ارشد نے حسن کو دیکھا۔
''حسن آفس میں جو ڈیلی پیمنٹ آ رہی ہے اسے ڈنر پر کب بلا رہے ہو۔''
''ارشد کیا یہ اچھا نہیں ہو گا ہم کھانا کھانے کے بعد ڈسکس کریں۔'' حسن جو بریانی کا ایک چمچہ منہ کی طرف لے کر جا رہا تھا یکدم رک کر سنجیدگی سے ارشد کو دیکھنے لگا تھا۔
''اوہ سوری یار! میں تو بھول ہی گیا تھا کہ تمہیں کھانا کھاتے وقت بات کرنا سخت ناپسند ہے۔'' ارشد کو تھوڑی سبکی بھی ہوئی۔
''اٹس اوکے۔'' ارشد ہولے سے مسکرا رہا تھا مگر وہاں بیٹھی ثمرن ضرور چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی جو اب سب سے یکسر لاتعلق ہو کر کھانا کھا رہا تھا۔ اس کی ہر عادت کو مرید کیا کتنے کس قدر ملتی جلتی ہے ویسے ہی

لیفٹ ہینڈ سے کھانا کھانا۔"

"ویری گڈ بیٹا! بہت اچھی عادت ہے آپ کی یہ۔ ہمیں بھی سیکھنا چاہیے کہ کھانا چپ چاپ ہو کر کھانا چاہیے ورنہ ہمارے گھر تو یہ رولز ہے کہ ایسا لگتا ہے دنیا بھر کی ساری باتیں کھانے کی ٹیبل پر ہی کریں گے۔" نعیم احمد نے حسن کو سراہنے کے ساتھ ساتھ زرنگل اور عارفین پر بھی گہرا طنز کیا جو اس وقت جانے کون کون سے قصے لے کر اس پر بحث و مباحثہ کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے نجبہ، آسیہ اور رابعہ کو بھی تیز نظروں سے دیکھا تھا جو اپنی ہی باتوں میں لگی ہوئی تھیں۔ پھر تینوں شرمندگی سے اپنی اپنی پلیٹوں پر جھک گئیں۔ انہیں ہمیشہ سے ہی سب لوگوں سے شکایت رہی کہ کھانا کھاتے وقت ساری گفتگو ایک طرف رکھ دو اور بالآخر یہی ہوا وانیہ کا جو نوالہ کھانسی کا پھندا جو لگا تھا جو ثرالے کی کسی بات پر کسی کا سب نے اپنے اپنے ہاتھ روک لیے تھے۔

حسن نے جلدی سے اپنے آگے رکھا پانی کا گلاس جس میں سے اس نے آدھا پانی پی لیا تھا وانیہ کے آگے بڑھایا تھا۔ وانیہ نے گلاس تھام لیا اور ایک دو گھونٹ پانی پی کر واپس رکھ دیا تھا۔

"دیکھ لیا نتیجہ مگر کوئی سنے تب نا۔" نعیم احمد کی سنجیدہ گمبھیر آواز ٹیبل پر بیٹھے ہر شخص کو شرمندہ کر گئی تھی۔

وانیہ کی کھانسی تو رک گئی تھی مگر آنکھوں سے بہتا پانی نہیں رک رہا تھا۔ اس نے کھانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنے دوپٹے سے اپنی آنکھوں کا پانی صاف کرنے لگی تھی۔

"وانیہ بیٹا! آر یو آل رائٹ؟" رابعہ کو اس کی خاموشی اور کھانا چھوڑنے کی فکر لگ گئی تھی۔ بلکہ وہ تو اور پریشان یوں بھی ہو گئی تھیں کہ اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔

"جی امی میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"پھر رو کیوں رہی ہو؟" ثرالے نے آہستگی سے پوچھا تھا۔ وہ لوگ تو ویسے بھی ڈھیٹ ہو گئی تھیں نعیم احمد کی ڈانٹ کھا کھا کر مگر اپنی ڈھٹائی ثرالے اور حرا نے نہیں چھوڑی تھی۔ جس میں اب وانیہ اور مرحوم کو بھی شامل کر لیا تھا۔

"ارے نہیں وہ دراصل میں میری آنکھوں سے کھانستے وقت یا چھینکتے وقت پانی آتا ہے۔ میں خود بھی اپنی اس چیز سے پریشان ہوں۔ بہت علاج کرایا مگر کوئی بھی فائدہ نہیں ہوا۔" وہ بھیگی آنکھوں سمیت مسکرا دی تھی۔ حسن نے بغور اس کو دیکھا تھا۔ اس کا دل اب کھانا کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ پانی پی کر باقی کا بچا ہوا کھانا چھوڑ کر ایکسکیوزمی کہتا ہوا کھڑا ہو گیا تھا۔ سب کا کھانا ختم ہو چکا تھا اب سب کی فرمائش تھی اچھی سی چائے کی۔

"رابعہ آنٹی اگر آپ کہیں تو میں بناؤں چائے۔" لاروش اخولان نے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

"کیوں نہیں بالکل بناؤ۔" رابعہ نے مسکرا کے اس کا گال تھپتھپایا تھا۔ شہرن کے ذریعے لاروش اخولان کے بارے میں سب کو پتا چل گیا تھا۔ سب نے اسے اس گھر میں دل سے ویلکم کہا تھا۔

☆.....☆
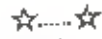
سب تھک ہار کے اپنے اپنے بیڈ روم میں جا کر سو گئے تھے۔ رابعہ کے گھر آج کا ڈنر بھی بہت اچھا رہا تھا۔ سب بہت خوش خوش تھے۔ وانیہ کا دل بھی بہت خوش تھا۔ آج اس کی آنکھوں سے نیند روٹھی ہوئی تھی۔ جانے کیوں اس کا دل عجیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ کوئی ان آنکھوں کو اپنا پن دوا چھا لگنے لگا تھا۔ اس نے

اپنے بے قابو دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھا جہاں سے ایک ہی صدا گونج سنائی دی تھی۔ حسن، حسن، حسن......!
''اف اللہ! یہ مجھے کیا ہوگیا ہے۔'' وہ تکیے پر سر رکھے آنکھیں موند کے لیٹی تھی کہ آنکھوں کی بند پلکوں پر بھی اس کا جھلملاتا عکس ابھرا تھا۔ لیٹے سے اٹھ بیٹھی تھی۔ کمرے میں زیرو پاور کا بلب جل رہا تھا۔ وہ بیڈ سے نیچے اتری اور چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس آئی تھی۔ دبیز پردہ تھوڑا سا سرکا یا تھا۔ نیچے سامنے بجرہ کے پورشن پر نگاہ پڑی جہاں نیم روشنی میں کمرے کی طرف کھلنے والی بالکنی میں حسن کھڑا تھا۔ اس کی انگلیوں میں ایک شعلہ سا چمک رہا تھا۔ غور سے دیکھا تو وہ اسموکنگ کر رہا تھا۔ اس کے ذہن کی اسکرین پر پھر سے آفریدی کا چہرہ ابھرا تھا۔
''وہ بھی تو اسموکنگ کرتا تھا اور لیفٹ ہینڈ تھا اور حسن بھی لیفٹ ہینڈ ہے۔'' مگر اس نے اپنا خیال جھٹک دیا اور دل کو تسلی دی تھی۔
''نہیں آفریدی اس دنیا میں نہیں ہے وہ مر چکا ہے اور ضروری نہیں ہے کہ اس دنیا میں ایک آفریدی ہی ہے جس کی انوکھی عادتیں ہیں۔'' وہ اپنے ذہن کے پردے سے آفریدی کے خیال کو نظرانداز کیے حسن کو بغور دیکھنے لگی تھی۔

انجان ہو تم بیگان ہو تم جو پہچان لگتے ہو کیوں
میری نیندوں میں جب سوئے سوئے ہو تو مجھ میں جگتے ہو کیوں
جب تجھ کو پاتا ہے دل مسکراتا ہے کیا تجھ سے ہے واسطہ
کیا تجھ میں ڈھونڈوں میں کیا تجھ سے چاہوں میں کیا تجھ میں ہے میرا
جانوں نہ تجھ میں میرا ہے کیا وہ اجنبی اپنا مجھے تو لگا

دانیہ کے لبوں پر جیسے بہار سی آگئی ہو اس کے دیکھنے میں اتنی تپش اتنی شدت تھی کہ اسموکنگ کرتا حسن نے اپنا رخ ہلکا سا موڑ کے سیدھا اور اس کے روم میں اوپر کی سمت دیکھا تھا۔ حسن کے یوں اچانک دیکھنے پر دانیہ کا دل دھک سا رہ گیا وہ تیزی سے پیچھے ہوئی اور دیوار سے چپکی اپنے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھے اپنی پھولی سانس کو بحال کرنے لگی۔ چہرے پر اس کی سوچ سے اتنا گلال سا پھیل گیا جیسے وہ اس کے سامنے ہی کھڑا ہے۔
دانیہ نے تھوڑی دیر بعد پھر سے پردے کی آڑ سے چھپکے سے جھانکا تھا مگر اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ حسن اندر جا چکا تھا بالکنی کا دروازہ بھی بند تھا اور اس پر دبیز پردہ بھی برابر تھا۔ دانیہ ہولے سے مسکرا دی اور پردہ برابر کیے اپنے بیڈ کی طرف آگئی اور آرام سے لیٹ بھی گئی۔ اس کی آنکھوں میں حسن کے لیے بہت سی روشنی تھی اب تو لگتا ہے جیسے بھی دن جاں کے آئیں گے۔
سیدھی سادی معصوم سی وہ لڑکی اس کے دل میں اتر گئی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے دل اسے ایک زمانے سے چاہنے لگا تھا۔ یہ دل بھی کتنا نادان ہے اس کے پیار کی خواہش کر بیٹھا تھا۔
حسن، رابعہ کے پورشن سے آکر اپنے بیڈروم میں آنے کے بعد سویا ہی نہیں تھا۔ ادھر سے ادھر ٹہلتا رہا تھا۔ جب سگریٹ کی طلب جاگی تو اسموکنگ کرنے کی طلب جاگی تو وہ سگریٹ سلگاتا اپنے کمرے کی بالکنی میں چلا آیا تھا۔ وہ یونہی آسمان پر چمکتے چودھویں کے چاند میں اس کا چہرہ تلاش کر رہا تھا۔ اس کے عنابی گداز لبوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ رینگنے لگی تھی۔ دل اسے کتنا چاہنے لگا تھا دعا کرنے لگا تھا کہ

اس کا ساتھ اس کی زندگی بھر کے لیے ہو جائے۔ وہ یونہی اس کے خیالوں میں کھویا رہتا چاند میں اس کا چہرہ تکتا رہتا اگر ایسا محسوس نہ ہوتا کہ کوئی اسے بغور دیکھ رہا تھا اپنی نگاہوں کی تپش سے اس کا وجود جلا رہا تھا۔ حسن کی نظر بالکل بے ساختہ اوپر سامنے والے پورشن پر پڑی تھی۔ کوئی بہت تیزی سے پیچھے ہٹا تھا اور وہ جانتا تھا وہ کون ہے۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی ایک نظر پردے پر ڈال کر وہ وہاں سے ہٹتا چلا گیا تھا۔

رات کا تیسرا پہر تھا اس کی آنکھ پانچ دس منٹ پہلے ہی لگی تھی۔ کمرے میں زیرو پاور کا بلب جل رہا تھا مگر شاید وہ بھی بند کر دیا گیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے ناتواں وجود پر کسی کی انگلیاں سرسرا رہی ہیں۔ کسی کی گرم سانسیں اس کا چہرہ جھلسا رہی تھیں۔ کوئی تھا جو اس کے بے حد قریب تھا۔ اس نے وجود کو اپنی بانہوں کے حصار میں قید کیا ہوا تھا۔

وانیہ کی آنکھ کھلی تھی۔ کچی نیند کا خمار اس کی آنکھوں میں تھا۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ اس کی ساری ہمت اس کی ساری سوچنے سمجھنے کی طاقت مفلوج ہو کر رہ گئی تھیں۔ کسی نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں قید کیا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا آخر اس کے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔ وہ چیخنا چاہتی تھی مگر زبان تو جیسے تالو سے جا چپکی تھی۔

''ہائے جانِ آفریدی!''

یہ چند جملے یہ گھمبیر آواز اس کے کانوں میں ایسا لگا تھا جیسے کسی نے کھولتا ہوا سیسہ ڈال دیا ہو۔ اندھیرے میں اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ نیند کا سارا خمار ہرن ہو گیا تھا۔ وہ آفریدی کا چہرہ کیسے دیکھتی اس گھپ اندھیرے نے ہر شے اپنے اندر گم کر دی تھی۔

''بہت خوب صورت ہو گئی ہو تم تو، میری جدائی نے تمہیں بہت حسین بنا دیا ہے۔ دل ہی نہیں کر رہا تم سے اپنی نظریں ہٹائی جائیں۔'' وہ اس کے چہرے پر اپنے ہونٹوں کے لمس سے ہر نقش تحریر رقم کر رہا تھا اور وہ اتنی بے بس تھی کہ کوئی مزاحمت بھی نہیں کر پا رہی تھی۔ ہر بار کی طرح وہ اس بار بھی ہار گئی تھی۔ دل اتنی بری طرح دھڑک رہا تھا جیسے سینے کی پسلیاں توڑ کے ابھی باہر آجائے گا۔ اس کے ساتھ آخری بتائے وہ لمحات وہ آج بھی نہیں بھولی تھی۔ مگر وہ لمحات وہ پل وہ خون آلود شام جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مدھم پڑتے جا رہے تھے۔ اس وقت سب ایک ایک کر کے پھر سے تازہ ہو گئے تھے۔ اس کے زخموں سے خون رسنے لگا تھا۔

''آفریدی زندہ ہے۔'' نہایت آہستگی سے اس کے صرف منہ سے یہ جملے ادا ہوئے تھے مگر وہ بھی آفریدی تھا جو قیامت کی نظر اور بلا کی سماعت رکھتا تھا۔

''ہاں میں زندہ ہوں اور صحیح سلامت تمہارے پاس ہوں، ورنہ تمہارے باپ نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی مجھے مارنے میں۔'' آفریدی اس کی کپکپاتے ہونٹوں پر انگلیاں پھیر رہا تھا۔

''چھوڑو مجھے۔'' وہ اس کے دہکتے لمس پر کسمسانے لگی تھی مگر آفریدی نے اس کی جھنجلاہٹ اس کا کسمسانا سب کچھ ایک بار پھر خود میں سمیٹ لیا تھا۔ اس کی ساری مزاحمت اس کا احتجاج سب کچھ اس کی مضبوط بانہوں میں دم توڑ چکا تھا۔

☆......☆

کھڑکی سے آتی سورج کی تیز کرنوں سے اس کا چہرہ روشن ہو گیا۔ بے ساختہ اس نے اپنی آنکھوں پر

ہاتھ رکھا تھا اور سیدھے ہو کر لیٹ گئی تھی وہ بغور چھت کو گھورتی رہی تھی اس کے ذہن کی اسکرین پر وہ سب رات جو کچھ ہوا وہ گھومنے لگا تھا۔

''کیا تھا وہ سب؟''

دانیہ تیزی سے اٹھی تھی۔ اس کی کمر اور ہاتھوں میں شدید درد کی ایک لہر اٹھی تھی۔ کمرے کی چاروں طرف نظر دوڑائی کمرہ بالکل صاف ستھرا ہو رہا تھا۔ بیڈ کو دیکھا جس پر معمولی سی بھی شکن نہیں تھی جس کا مطلب تھا بیڈ پر اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔

''وہ خواب تھا میرا۔'' وہ منہ میں ہی بڑبڑائی تھی۔

اتنا بھیانک اور جان لیوا خواب، اس کا دل اندر سے سہم کر رہ گیا تھا۔ اس نے اپنے چہرے کو ہاتھ لگایا ایسا محسوس ہوا جیسے ابھی بھی اس کا دہکتا لمس موجود ہے۔ وہ تکلیف برداشت کرتی ہوئی اٹھی اور قدر آور آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

''نہیں آفریدی مر گیا ہے۔ وہ زندہ نہیں بچ سکتا۔ بابا نے اسے بہت بری طرح سے مروایا ہے۔ اس کا بچنا ناممکن ہے۔'' وہ خود کو سمجھاتی ہوئی وارڈروب کی سمت بڑھی اور ایک پرسکون اور شکر کا سانس لیتی وارڈروب سے ایک کاٹن کا سوٹ نکال کر واش روم میں جا گھسی تھی۔

☆......☆

معصوم کچن میں دوپہر کا کھانا بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔ رابعہ نے اسے آلو گوشت کا سالن بنانا سکھایا تھا۔ وہی بنانے لگی تھی۔ پیاز کاٹ کر چولہے پر چڑھادی تھی اب کھڑی سینک کے پاس گوشت دھو رہی تھی۔ نیچے کے پورشن سے شور کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ اس نے نل بند کیا اور ہال میں آئی اور نیچے جانے والی سیڑھیوں کی ریلنگ پکڑ کے نیچے جھانکنے لگی تھی۔ نیچے ہال میں سب جمع تھے۔ اس نے غور سے دیکھا صوفے پر عارفین بیٹھا تھا اس کے ہاتھ پر سفید پٹی بندھی ہوئی تھی اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ تیزی سے نیچے آئی تھی۔

''یہ کیا ہوا میری جان! یہ سب کیسے ہوا؟'' رابعہ تشویش سے رو رہی تھیں اس کے پاس بیٹھ کر۔

''امی آپ پلیز پہلے رونا بند کریں۔'' اس نے بایاں بازو روتی ہوئی رابعہ کے شانے پر پھیلایا۔

''تمہیں کچھ پتا ہے رابعہ ہم سب کو کس قدر تکلیف ہو رہی تھی تمہیں اس طرح دیکھ کر اور تم ہو کہ بتاتے ہی نہیں۔'' آسیہ بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھیں۔

''بڑی ماما بات پریشانی کی نہیں ہے۔ دراصل آپ لوگوں کو تو پتا ہے کہ ہمارے کراچی کے حالات کس قدر خراب ہیں۔ کچھ موٹر بائیک پر بیٹھے لڑکوں نے دہشت پھیلانے کے لیے ہوائی فائرنگ کی تھی بس میں ان کی گولیوں کی زد میں آ گیا۔''

''تم سچ بول رہے ہو؟'' رابعہ نے شکی نظروں سے عارفین کو گھورا۔

''بالکل سچ۔'' اس نے مسکرا کے جواب دیا۔

''پتا نہیں ہمارے کراچی ہمارے ملک پاکستان کے حالات کب بہتر ہوں گے ایسی دھندلی مچائی ہوئی ہے کہ کچھ پوچھو نہیں۔'' آسیہ نے دکھ سے کہا تھا۔

''عارفین......!'' زرمیل کو جب پتہ چلا وہ فوراً سب کام چھوڑ کے سیدھا گھر آیا تھا۔ عارفین نے

زرسیل کی سمت دیکھا۔

"اوہ تھینکس گاڈ تم آ گئے۔ پلیز مجھے میرے کمرے میں لے چلو ان خواتین نے رو رو کے آج سیلاب لے آنا ہے۔" عارفین نے بڑی بے چارگی سے زرسیل کو دیکھا تھا۔

ڈالے کی تو پیر سے لگی سر پہ بجھی۔ وہ نہایت سلگتی نظروں سے عارفین کو دیکھنے لگی۔

"یہ بولیے کہ آپ کو ہماری محبتوں کی قدر نہیں ہے۔" ڈالے کے تنکتے ہوئے جواب پر عارفین ہنس دیا تھا۔

"خدا کے لیے اپنی محبت زرسیل بھیا کے لیے ہی وقف رکھو۔ مجھ جیسا کمزور دل انسان تمہاری جنگجو محبت برداشت نہیں کر سکتا۔" وہ اس حالت میں بھی اسے چھیڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"ہاں ایسے ہی تو کمزور دل انسان ہیں آپ۔"

"ڈالے بری بات ابھی تو سوتے شکل دیکھ کر بولا کرو پھر تک عارفین سے لڑائی کرنا شروع کر دیتی ہو۔" نجمہ نے آہستگی سے ڈپٹا تھا۔

"بالکل درست کہا آپ نے نجمہ ماسی یہ بالکل جنگلی لڑاکا بلی ہے۔" عارفین مزاح لینے لگا تھا۔

"عارفین بھائی آپ نے مجھے لڑاکا کہا۔" ڈالے بھڑک اٹھی۔

"ڈالے....." زرسیل نے سختی سے ایک آنکھ دبائی وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

"ٹھیک ہے سب مجھے ہی ڈانٹو نہیں کہتی میں کچھ بھی کسی کو۔" مگر منہ پھلا ہی تھا۔

"ڈالے بدتمیزی مت کرو۔" نجمہ نے گھر کا بلکہ چاہ تو رہی تھیں کہ ایک جھانپڑ بھی لگا دیں۔

"ارے نجمہ مت ڈانٹو ڈالے کو۔ پتہ تو ہے عارفین کتنا تنگ کرتا ہے اسے۔" آسیہ نے اس کی حمایت کی تھی۔

"پھر بھی آسیہ بھابی یہ دیکھ رہی ہے نا کہ رابعہ کس قدر پریشان ہے عارفین تکلیف میں ہے اور اس کو ہنسی سوجھی ہے۔" نجمہ کو اس وقت ڈالے کا منہ پھلانا سخت ناگوار گزر رہا تھا۔ عارفین نے دیکھا کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے۔

"نجمہ ماسی رہنے دیں۔ میں تو صرف مذاق کر رہا تھا اور میں واقعی اب بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ چہرے پر بشاشت لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اس کی وجہ سے پریشان ہو۔ سب اسے ہنستا مسکراتا دیکھ کر مطمئن ہو گئے تھے مگر زرسیل سب سمجھ گیا تھا کہ ان سب کے پیچھے کون ہے۔ زرسیل نے اسے اٹھایا تھا۔ وہ دونوں اوپر جانے لگے سائیڈ میں گم صم سی کھڑی معصوم پر نظر پڑی تھی۔

"معصوم آر یو آل رائٹ؟" زرسیل اور عارفین رک گئے تھے مگر معصوم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

زرسیل اس کی خاموشی کی وجہ بھی جانتا تھا۔

"فکر مت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" زرسیل نے دھیرے سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا اور عارفین کو لے کر اوپر اس کے بیڈروم میں لے آیا تھا۔ معصوم بھی اس کے پیچھے چل دی تھی۔

وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ عارفین کے ساتھ یہ کس نے کیا تھا اسفند درانی اور یاور درانی کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں اس کا اندازہ تھا اسے۔ معصوم بغور عارفین کو تکنے لگی تھی وہ اگر اس حال کو تھا اتنی تکلیف میں تھا تو اس کی وجہ وہ خود تھا۔

عارفین نے معصوم کو اس طرح غور سے دیکھنے پر نظریں چرا لیں۔ زرمیل نے اسے آرام سے بیڈ پر لٹا دیا تھا۔ دوائی کھائی تھی مگر نیند پھر بھی نہیں آ رہی تھی۔

"تم آرام کرو میں سلجوق سے مل کر آتا ہوں۔"

"او کے۔"

زرمیل کے جانے کے بعد معصوم بیڈ کے نزدیک آئی تھی۔ عارفین نے اسے دیکھا تھا۔

"میں جانتی ہوں آپ نے جو کچھ کیا ہے وہ سب جھوٹ ہے اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ کی یہ حالت اسفند چاچو اور یاور کی وجہ سے ہے۔"

"تو پھر۔"

"تو پھر یہ کہ میں مزید آپ کا نقصان نہیں چاہتی ہوں خدانخواستہ آپ کو اگر کچھ ہو جاتا تو میں آپ کے گھر والوں کا کیسے سامنا کرتی۔" آواز روہانسی سی ہو گئی تھی۔

"مگر مجھے کچھ ہوا تو نہیں نا۔"

"لیکن عارفین! وہ لوگ بہت خطرناک ہیں اپنی زندگی بچانے کے لیے میں آپ کی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتی ہوں۔" دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کیے وہ مرد رزہی تھی۔

"اچھا تو محترمہ معصوم صاحبہ! یہ بھی بتانا پسند فرمائیں گی کہ آگے کیا سوچا ہے آپ نے؟" اس نے بڑے تیکھے لہجے میں معصوم کو مخاطب کیا تھا۔

"یہی کہ میں واپس لندن چلی جاؤں گی۔"

"اس سے کیا ہوگا؟" عارفین کے پرسکون چہرے پر معمولی سا غصہ نمودار ہوا تھا۔

"کم از کم وہ آپ کو نقصان تو نہیں پہنچا سکیں گے۔"

"اور تم کہتی میرے نقصان کی تمہیں پروا ہے۔" طنز کا یہ تیر اس کے دل پر لگا تھا۔

"صرف مجھے ہی نہیں آپ کے سب گھر والوں کو پروا ہے آپ کی اور اس سے پہلے کہ اسفند چاچو اور یاور کوئی کارروائی کریں کچھ برا کریں میں ان کے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔ وہ جہاں بھی لے جائیں گے وہ مجھے اگر میری برابری لینا چاہتے ہیں۔ تو کوئی بات نہیں میں آپ کے لیے یہ بھی کرنے کو تیار......" اور اس سے پہلے کہ وہ آگے بولتی عارفین نے اس کی کلائی جو کھینچی وہ اپنا توازن سنبھال نہ سکی۔ اس کے وجود کے ساتھ عارفین پر آ گری تھی۔

"یہ بات تمہیں میری زندگی میں آنے سے پہلے سوچنی چاہیے تھی۔ ہماری شادی کسی بھی طرح ہوئی ہو مگر یہ بھی سچ ہے کہ تم میرے نکاح میں ہو میری بیوی ہو، میری عزت، میری غیرت...... اور اگر میری عزت کی طرف کسی نے بھی بری نظر ڈالی میں اس کی آنکھیں نکال لوں گا اور میری عزت کی حفاظت تم پر بھی لاگو ہے۔ بے شک لندن جیسے آزاد شہر میں تمہاری پرورش ہوئی ہو مگر یہ پاکستان ہے یہاں کا شوہر اپنی عزت کے لیے بہت غیرت مند ہوتا ہے۔" اس نے معصوم کی سیاہ کانچ جیسی آنکھوں میں جھانکا تھا اور اسے نہایت سہولت سے خود سے مزید قریب تر کیا تھا۔

"اور تم میری عزت اور غیرت کے علاوہ میری محبت بھی ہو۔" عارفین نے دھیرے سے اس کے چہرے پر آئی کرلی لٹوں کو چھیڑا تھا۔ معصوم کے دل کی حالت کی اسے ذرا پروا نہیں تھی۔

''اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم بے شک مغربی ماحول میں پلی بڑھی ہو مگر اندر سے انہی مشرقی عورتوں کی طرح ہو جو اپنے شوہر سے اپنا حق وصول کر کے زندگی بھر انہی کے ساتھ اپنی زندگی کی آخری سانس تک جڑی رہنا چاہتی ہیں۔ اس لیے اگر میں نے اپنا حق وصول نہیں کیا تو اسے میری کمزوری مت سمجھنا، مجھے زیادہ ٹائم نہیں لگے گا تم سے اپنا حق وصول کرنے میں۔'' عارفین کا جو معمولی سا بھی غصہ تھا وہ ان کے چہرے کی معصومیت دیکھ کر رفو چکر ہو گیا تھا۔ ان سیاہ کانچ میں زمانے بھر کی معصومیت رقصاں تھی۔ جس نے عارفین کا قرار لوٹ لیا تھا۔ بہت پیار آیا تھا اس کے ہوائیاں اڑتے چہرے پر وہ جانتا تھا کہ اس کے دل کی حالت زیر و بم ہے با آسانی ان کے تیز دھڑکتے دل کی شور کی آواز سن سکتا تھا۔ مسکراتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ مقسوم کے سر پر رکھ کر اسے تھوڑا اور جھکایا اور اس کی عرق آلود پیشانی پر اپنے پیار کی مہر ثبت کر دی تھی اور نہایت آہستگی سے اسے خود کے حصار سے آزاد کیا تھا۔ وہ مزید اسے تنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''جاؤ شاباش کچن میں جا کر میرے لیے کچھ بنانے کے لیے لاؤ بہت زور کی بھوک لگی ہے۔'' مقسوم نے لرزتی پلکوں سے عارفین کو دیکھا جہاں زندگی سے بھرپور مسکراہٹ رقصاں تھی۔ آنکھوں میں بے پناہ شوخیاں تھیں چہرے پر تکلیف کی معمولی سی بھی رمق نہیں تھی۔ اسے حیرت ہوئی تھی کہ اس قدر تکلیف اور اذیت میں ہے مگر نہ تو چہرہ اپنا تھا نہ ہی کوئی الجھن۔

''ہو گیا میرے چہرے پر تبصرہ۔'' عارفین نے اسے چونکا دیا تھا۔ پتا نہیں وہ کیسے اس کی سوچ تک رسائی حاصل کر لیتا تھا۔

''مسز مقسوم عارفین! تمہارے شوہر کے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے کہ وہ تمہاری حفاظت کر سکتا ہے۔ اس لیے بے فکر رہو اور آگے کی فکریں اور سوچیں میرے لیے چھوڑ دو۔ اسفند ورائی اور کیا ورانی سے کیسے نمٹا جائے گا، میں اچھی طرح جانتا ہوں مگر تم بھی اپنے ذہن میں یہ بات بٹھا لو کہ یہ دونوں گیدڑ بھبکیاں دے رہے ہیں وہ میرا نہ تو کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ ہی تمہارا بال بیکا کر سکتے ہیں۔'' مقسوم نے پرسکون ہو کر نگاہیں جھکا لیں۔

''کھانا ملے گا اب؟''

''لاتی ہوں۔'' اور کھانے سے یاد آیا کہ اس نے تو چولہے پر پیاز چڑھائی تھی وہ اب تک کوئلہ ہو گئی ہو گی۔ وہ جلدی سے کمرے سے نکلی تھی۔

مقسوم کو وہ اب ہر صورت میں منالینا چاہتا تھا۔ وہ اپنی زندگی کو خوشگوار بنانا چاہتا تھا۔ اسے الجھنوں میں ڈال کر یا مقسوم پر غصہ کر کے مقسوم کی سوچ کو غلط رخ نہیں دینا چاہتا تھا۔ اسفند اور یاور نہایت شاطر اور چالاک تھے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر مجھے نقصان پہنچائیں گے تو مقسوم ٹریپ ہو جائے گی اور مقسوم اتنی معصوم ہے وہ جلد ان کی باتوں میں آ جائے گی جو کہ عارفین نہیں چاہتا تھا۔ مگر کھیل یہاں ختم نہیں ہوتا وہ ضرور مقسوم سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کریں گے اور یہ ضروری ہے کہ مقسوم پر بھی نظر رکھی جائے۔ وہ اپنی بے وقوفی میں ضرور کام بگاڑ لے گی۔

مقسوم تیزی سے کچن میں آئی جہاں رابعہ اور لاروش اخولان کھڑی تھیں آہٹ پر لاروش اخولان نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

''مقسوم! میں نے آپ کا سالن بھی تیار کر دیا ہے اور عارفین بھائی کا چکن سوپ بھی بنا دیا ہے۔''

"وہ دراصل میں بالکل بھول گئی تھی۔ وہ شرمندہ ہوئی۔
"کوئی بات نہیں بیٹا تم ہی نہیں ہم سب پریشان ہو گئے تھے۔ وہ تو لاروش کو جلنے کی بدبو آئی تو وہ فوراً کچن میں آئی تھی اور سارا کھانا تیار کر دیا۔" رابعہ نے معصوم کو پیار سے دیکھا تھا۔
"تھینکس لاروش۔"
"اب آپ زیادتی کر رہی ہیں۔" لاروش اغولاان کو معصوم کا تھینکس بالکل اچھا نہیں لگا۔
"او کے پھر میں نے اپنا تھینکس واپس لے لیا۔" معصوم مسکرا دی جس کا ساتھ لاروش اغولاان نے بھی دیا تھا۔
"معصوم اگر عارفین جاگ رہے ہیں تو انہیں یہ سوپ دے دو۔" رابعہ نے سوپ کانچ کی ڈش میں نکال کر ڈش اور کانچ کا پیالہ چمچے سمیت ٹرے میں رکھ دیا۔
"جی امی وہ جاگ رہے ہیں اور انہیں بھوک بھی لگ رہی ہے۔"
"تو ٹھیک ہے تم یہ بڑے عارفین کو دے آؤ ہم جب تک ٹیبل پر کھانا لگاتے ہیں آج لاروش بھی ہمارے ساتھ کھانا کھائے گی۔" رابعہ نے مسکراتے ہوئے ٹرے معصوم کو تھمائی اور کیبنٹ سے پلیٹیں نکالنے لگیں۔ لاروش اغولاان نے ان کا ساتھ دیا اور ٹیبل پر کھانا چننے لگی۔ حسن ابھی اوپر سے عارفین کی خیریت پوچھ کر نیچے کمرے میں آیا تھا۔ وہاں حسین آفریدی کو دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔
"تم یہاں......؟"
"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ میرا شک وہی ہے جو آپ سمجھ رہے تھے مگر آپ نے تصدیق نہیں کی اس لیے مجھے یقین کرنے کے لیے آپ کے کمرے میں آنا پڑا نا صرف آپ کی چیزوں کو بھی چھیڑنا پڑا۔" حسین آفریدی کی آنکھوں میں چمک تھی۔ اس کے ہاتھ میں وہ ضروری کاغذات شناختی کارڈ اور اس کا فیملی البم تھا۔
"آپ کیا سمجھتے تھے میں آپ کو پہچان نہیں پاؤں گا جب آپ کو عرصے کے کھانے پر دیکھا تھا آپ سے ملوایا تھا میرے دماغ میں شک کی گھنٹیاں بجنا شروع ہو گئی تھیں اور آج دیکھ لیں میرے شک کو یقین کی ضمانت مل گئی۔" حسین آفریدی نے وہ البم کھول کے اس کے آگے کیا جس میں وہ ساری بچپن کی تصاویر تھیں وہ حسن کے ساتھ اور سلجوق کے ساتھ کھڑا تھا۔ تو کہیں حسن آفریدی کے کندھے پر چڑھا ہوا تھا۔ کہیں زبردستی اپنے ابا کا کان پکڑا ہوا ہے۔ تو وہ حسن آفریدی کے بازوؤں میں چھپ جاتا۔
"میں جانتا ہوں تم شروع سے ہی بہت شارپ ہو۔ بہت تیز دماغ ہے تمہارا۔" حسن آفریدی نے اپنے دونوں بازوؤں کو پھیلایا۔ حسین آفریدی تیزی سے اسی طرح اس کے گلے سے لگا تھا۔ جیسے بچپن میں اس سے لگا تھا سلجوق آفریدی اور حسن آفریدی اسے بہت چاہتے تھے۔ مگر اس کی پوری شبیہ حسن آفریدی سے ملتی تھی اس کی بلوریں آنکھیں خاندان بھر میں مشہور تھیں۔ جو حسن آفریدی کے جیسی تھیں اس لیے وہ سلجوق آفریدی سے زیادہ حسن آفریدی کے قریب تھا۔
"کیوں اتنے سال ہم سے دور رہے آپ۔ دلید چاچو اور شہلا پھپھو کو کھونے کے بعد ہم نے آپ کو اور ملیحہ چچی کو بہت ڈھونڈا مگر آپ کا کوئی پتہ نہیں ملا۔ کیوں بھائی اتنے سال آپ لوگ ہم سب سے دور رہے۔" وہ حسن آفریدی کے گلے سے الگ ہوا تھا اس کا چہرہ رونے کی وجہ سے پورا بھیگا ہوا تھا۔ حسن

آفریدی خاموش رہا۔ صرف اس میں اپنا آپ دیکھنے لگا وہ چہرہ جسے اس نے کھو دیا تھا۔
"پلیز حسنی بھائی اب تو بولیے کچھ۔ کیا وجہ تھی جو آپ ہم سے دور رہے؟"
"شہلا پھپھو کی وجہ سے؟"
"شہلا پھپھو کی وجہ سے...... کیا مطلب حسنی بھائی شہلا پھپھو تو کھائی میں گر کے مرگئی تھیں نا۔ ہاں مگر ان کی لاش ہم نے بہت ڈھونڈی وہ نہیں ملی۔"
"نہیں...... شہلا پھپھو زندہ تھیں۔"
"زندہ تھیں؟" حنین آفریدی کو ایسا لگا جیسے اس بلڈنگ کی پوری چھت اس پر آگری ہو۔
"زندہ تھیں تو اب تک کہاں تھیں؟"
"میرے پاس۔"
اور پھر حسن آفریدی نے حنین آفریدی کو اپنے گزرے واقعات، ریحان شیخ، وانیہ کے بارے میں سب بتا دیا تھا۔ وہ سب بھی جو اس نے ارشد سے چھپایا تھا۔
کتنی ہی دیر تک حنین آفریدی سنانے میں بیٹھا رہا تھا۔ اس کی بلوریں آنکھیں جیسے پتھرا گئی ہوں۔ زبان تالو سے جا چپکی ہو جیسے کبھی نہ بولنے کی قسم کھائی ہو۔
"کیا ہوا، چپ کیوں ہو گئے؟" حسن آفریدی نے جامد و ساکت بیٹھے حنین آفریدی کو دیکھا تھا۔ حنین آفریدی نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر زمانے بھر کا کرب تھا۔ کرب و اذیت تھی اور کچھ کھونے کا غم بھی۔ حنین آفریدی کی جامد و ساکت وجود میں حرکت پیدا ہوئی وہ تڑپتا ہوا اٹھا اور حسن آفریدی کے قدموں میں آ بیٹھا تھا۔
"اتنا پہاڑ اپنے دل پر خود پر اٹھائے ہوئے تھے تو کیوں مجھے نہیں بتایا میں تو آپ کا راز داں تھا آپ کا۔ پر تو آپ کی جان تھا۔ پھر مجھ سے کیوں دور رہے آپ؟"
"کیا کرتا شہلا پھپھو کو بھی تو بچانا تھا۔ ہر علاج کرایا، ہر ملک، شہر، گاؤں سب جگہ لے کر گیا مگر ان سکتہ نہیں ٹوٹا اور ٹوٹا بھی تو جب...... جب بہت دیر ہو گئی تھی۔"
"شہلا پھپھو، ولید چاچو کے جانے کے بعد بہت بدلاؤ آ گیا تھا ہمارے خاندان میں۔ وہ پہلے جیسی پست سوچ وہ پرانے ریت رسم و رواج سب کو بی جان نے کسی گہری قبر میں دفنا دیا تھا مگر وہ خیلہ چچی اور آپ کو آج بھی بہت یاد کرتی ہیں اور چھپ چھپ کے روتی ہیں۔"
"ہاں وہ ہمیں چاہتی بھی تو بہت تھیں۔" اس کی بلوریں آنکھوں میں بی جان کا پاکیزہ چہرہ گھوم گیا تھا۔
"اب آپ نے آگے کیا سوچا ہے؟"
"بس یہی کہ وانیہ کو منا کر یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لندن شفٹ ہو جاؤں گا۔"
"اور ہم لوگ میں...... میرے بارے میں نہیں سوچا کہ اب آپ ہمیں مل گئے ہیں تو ہمارا کیا ہو گا۔" حنین آفریدی نے بے تابی سے اس کا ہاتھ تھاما۔
"نہیں...... مگر ہاں تمہیں فون کرتا رہوں گا۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ میں شہلا پھپھو کا یہ راز اپنے دل تک ہی چھپا کے رکھوں گا۔ انہیں سب کے سامنے لا کر ان کی روح کو شرمندہ نہیں کروں گا۔ جب تک زندہ رہیں۔ تکلیف میں رہیں بہت مگر ان کے جانے کے بعد میں تم لوگوں سے مل کر کیا جواز پیش کرتا کیا بتاؤں کہ مجھے

کہاں لے گئیں بابا کے مرنے پر گاؤں کیوں نہیں آئے۔ ایسے بہت سے سوالات جن کا جواب شہلا پھپھو سے شروع ہو کر شہلا پھپھو پر ہی ختم ہوتے ہیں۔"

"تو پھر یہ سب آپ نے مجھے کیوں بتایا؟" اس نے حیرت بھری نظروں سے سوال کیا۔

"کیوں کہ میں جانتا ہوں شہری پھپھو بھی تمہیں بہت چاہتی تھیں۔" حسن آفریدی نے اس کی چھوٹی سی ناک دبائی تھی۔

"تو پھر آپ بھی سن لیں یہ راز اگر آپ نے مجھے دیا ہے تو اس کی حفاظت میں اپنی آخری سانس تک کروں گا۔ شہلا پھپھو مجھے بھی اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہیں۔"

"ویری گڈ، مجھے تم سے یہی امید ہے۔"

"اچھا چلیں یہ سب ایک طرف اب یہ بتائیے کہ ہمارے بھابی کہاں ہیں؟" حسین آفریدی نے اپنا چہرہ صاف کیا اور اس کے برابر میں آ بیٹھا۔

"یہیں ہے۔"

"یہاں پر مگر کون؟ میں تو یہاں سب سے مل چکا ہوں۔ تارا آپی، حرا بھابی، ثمرن آپی اور مقسوم بھابی کو بھی جانتا ہوں۔"

"ایک منٹ...... یہ حرا تمہاری بھابی کیسے......؟"

"مجون بھیا کے حوالے سے۔"

"مجون کے لیے حرا کو پسند کیا ہے بی جان نے؟" اسے حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی بہت ہوئی تھی۔

"جی اور بہت جلد شادی کی ڈیٹ بھی فکس ہو جائے گی۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ رئیس کی فیملی واقعی بہت اچھی ہے۔" اس نے کھلے دل سے تعریف کی تھی۔

"بھئی بھائی! یہ تو بتائیے کہ وہ بھابی کہاں ہیں یہاں؟"

"عارفین کی کزن ہے۔"

"عارفین بھائی کی کزن، اچھا میں ابھی مل کر آتا ہوں۔" وہ اٹھنے لگا تھا۔

"ارے...... آں...... ابھی نہیں۔" حسن آفریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کے واپس بٹھا دیا تھا۔

"بہت سال بعد ملے ہو دل بھر کے دیکھنے تو دو، سب کے بارے میں بتاؤ سب کیسے ہیں۔ صمد تایا بابا، زرو بار بیگم اور بی جان کیسی ہیں؟"

"سب بہت اچھے ہیں بس تھوڑا مجھ سے ناراض ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے سر کھجایا تھا۔

"ناراض ہیں تم سے مگر کیوں؟ یہ تو میں جانتا ہوں کہ تم بچپن سے ہی بہت شرارتی ہو اور شرارت کر کے ہمیشہ میرے پاس آ کر چھپ جایا کرتے تھے اس بار کیا کر دیا؟"

"لاروش کی وجہ سے سب مجھ سے ناراض ہیں۔"

"یہ...... لاروش کون ہے؟"

"مائی وائف۔"

"وائف...... یار کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو صحیح صحیح بتاؤ تم نے شادی اتنی جلدی کیسے کر لی؟"

"بس مت پوچھیے یہ سب بھی بی جان کا کمال ہے انہوں نے مجھے مجبور کیا تھا۔"

''تو اس کا مطلب ہے سب پہلے دن سے ہی جانتے تھے کہ لاروش تمہارے نکاح میں ہے۔''

''جی! میں ہی بے وقوف بنا ہوا تھا۔''

''اور سمعیہ زیدی.....؟''

''بی جان کے تھپڑ کھانے کے بعد اس نے مجھ سے تعلق توڑ لیا تھا مگر لاروش کے گھر سے جانے کے بعد میں نے ریلائز کیا کہ مجھے اس کی کتنی ضرورت ہے۔'' حسن آفریدی کے سامنے اس نے اپنی محبت کا اقرار کرلیا تھا۔

''چلو دیر آئے درست آئے مگر اب مسئلہ اور فکر کی بات یہ ہے کہ لاروش اس وقت کہاں ہوگی اور کیسے ڈھونڈیں اسے۔''

''یہ تو میں سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا ہوں۔ خدانخواستہ وہ اگر غلط ہاتھوں میں چلی گئی..... نہیں خدا نہ کرے۔'' خود ہی بول کر خود ہی نے اپنے آپ کی سرزنش کی تھی۔

''بس بھائی دعا کریں لاروش مل جائے۔''

''انشاء اللہ۔'' حسن آفریدی نے نرم نگاہوں سے اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھا۔ اتنے میں آفریدی کا فون بجنے لگا جس کی اسکرین پر ارشد کا نمبر لکھا آرہا تھا۔

''ارشد کا فون......!'' وہ منہ ہی منہ میں بولا تھا۔

''کون ہے؟'' حسین آفریدی نے پوچھا۔

''ارشد ہے میں ذرا پوچھ کے آتا ہوں۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔

''آپ جایئے میں اوپر دانیہ بھابی سے مل کر آتا ہوں۔''

''اوکے۔'' وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔

''بھائی!'' حسین آفریدی نے پکارا۔

''ہاں بولو۔'' حسن آفریدی نے پلٹ کر دیکھا۔

''آئی لو یو۔'' وہ ایک بار پھر حسن آفریدی سے لگا تھا۔

''لو یو ٹو۔'' اس نے حسین آفریدی کے سنورے بال بگاڑے تھے۔

حسین آفریدی اوپر آگیا تھا۔ رابعہ اپنے کمرے میں تھیں۔ عارفین کھانا کھا کے سو گیا تھا کچن میں دانیہ، معصوم اور لاروش اغولان تھیں۔ دانیہ اور معصوم کی فرمائش پر لاروش اغولان شام کی چائے کے ساتھ فنگر چپس اور بروسٹ بنا رہی تھی۔ جس میں وہ دونوں بھی اس کی مدد کر رہی تھیں۔ معاملہ میرینٹ ہو گیا تھا۔

''میں چولہا جلاتی ہوں دانیہ تم سارے آلو دھو کر چھلنی میں نکال کر میدہ کی کوٹ لگا دو۔'' یہ آواز تو بہت جانی پہچانی تھی۔ دماغ پر تھوڑا زور دالنے کے بعد اس کو ایک جھٹکا ہی تو لگا تھا۔ وہ آواز کے تعاقب میں چلتا ہوا آیا اور جو سوچ رہا تھا وہی حقیقت تھی۔

لاروش اغولان نے برنر آن کرنے کے لیے ماچس جلایا تھا۔ ماچس جلاتے ہی اس کی نظر سامنے اٹھی تو سناٹے میں رہ گئی۔ وہ یونہی سناٹے میں رہتی اگر ماچس کی تیلی بجھ کر اس کی دو انگلیوں کو جلا نہ دیتی۔

''سی......''

سی کر کے اس نے تیلی پھینکی اور اپنی دونوں انگلیوں کو جھٹکنے لگی تھی۔

"کیا ہوا لاروش؟ کیسے جلا لیا دھیان رکھو۔" معقوم نے دیکھ لیا تھا اس کی دو انگلیاں جل گئی تھیں وہ جلدی سے آئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کے چیک کرنے لگی۔ دانیہ نے بھی نل بند کیا اور فنگر چپس کے آلو کی چھلنی سائیڈ پر رکھے اس کے پاس چلی آئی۔

"تم ہٹو میں کر لیتی ہوں۔" دانیہ نے کچن میں رکھی چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل سے ایک چیئر گھسیٹی اور اس پر لاروش اخولان کو بٹھا دیا۔ اسی دوران معقوم کی نظر ساکت و جامد حتین آفریدی پر پڑ چکی تھی۔

"جی فرمایئے آپ کون؟" دانیہ نے اس نئے چہرے کو دیکھا مگر اس کی بلوریں آنکھیں اسے آفریدی کی یاد دلا گئیں۔ مگر ہاں لاروش اخولان نے ضرور چہرے کا رخ گھما لیا تھا۔ اس طرح کہ حتین آفریدی کو اس کا سائیڈ کا صرف آدھا چہرہ نظر آ رہا تھا۔

حتین آفریدی بغیر کچھ کہے کسی کی طرف دیکھے وہاں سے چلا گیا تھا۔

"پتا نہیں کون ہے؟" معقوم نے کندھے اچکائے تھے۔

"کہیں اسفند چاچو کی کوئی چال تو نہیں۔" وہ سوچتی ہوئی تیزی سے کچن سے نکلی تھی۔ ادھر ادھر دیکھا نیچے جھانکا تو وہ لڑکا تیزی سے باہر جانے والے دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

"کون ہو سکتا ہے؟" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی عارفین کے بیڈ روم میں آئی تھی۔ سوچ یہی تھی کہ ان گھٹیا لوگوں نے عارفین کو پھر سے نقصان پہنچانے کے لیے تو کہیں کسی کو نہیں بھیجا۔

☆......☆

صبح لاروش اخولان کی آنکھ نہ کھلتی اگر کچھ محسوس نہ ہوتا۔ کسی کی آہٹ نہ ہوتی۔ حتین آفریدی کو جب سے اس گھر میں دیکھا تھا سوچ سوچ کر دماغ تھکنے لگا تھا کہ آخر وہ یہاں کر کیا رہا ہے۔ کیا رشتہ ہے اس کا اس گھر کے لوگوں سے کیونکہ اپنے کون ہو گئے تھے اسے یہاں کوئی ایسے ہی ایرا غیرا یہاں دندنا نہیں سکتا۔ باہر مین گیٹ پر پوری انفارمیشن لی جاتی ہے۔ جب جا کر وہ اس گھر میں داخل ہوتا ہے پھر حتین آفریدی یہاں کیا کر رہا ہے۔ یہی سوچ سوچ کر پریشان ہوتی چلی گئی مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آیا۔ رات دیر سے سونے کی وجہ سے وہ صبح فجر میں نہیں اٹھی تھی۔ مگر جب آنکھ کھلی اور جس کو پوری رات سوچتے سوچتے گزار دی وہی چہرہ اس کے بالکل پاس اس کے قریب تھا۔ حتین آفریدی بیڈ پر بالکل لاروش اخولان کے برابر میں لیٹا تھا۔ جو اس کے بالوں کی لٹوں کو تو کبھی اس کے چہرے کے نقوش پر اپنی انگلیوں کی پوروں سے لمس چھوڑ رہا تھا۔ لاروش اخولان کا شعور یکدم سے بیدار ہوا تھا۔ اس کی نیند بھک سے اڑی تھی۔ ان ہرنی آنکھوں میں ابھی نیند کا خمار ابھی بھی ہلکورے لے رہا تھا۔ وہ حتین آفریدی سے یوں جھٹکے میں پیچھے ہو کر بیڈ سے نیچے اتر کر دور جا کھڑی ہوئی تھی جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ آپ کو شرم نہیں آتی اس طرح کسی کے بیڈ روم میں داخل ہو کر کسی کے بیڈ پر لیٹنا؟"

حتین آفریدی کے ہونٹوں پر شریری مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی۔ وہ بغور اس کو تکتا چلا گیا تھا۔ اس نے کبھی لاروش اخولان کو بغیر دوپٹے کے نہیں دیکھا تھا بڑی سی چادر میں ہی خود کو چھپائے دیکھا تھا۔ نہ ہی کبھی اس کا چہرہ دیکھا تھا یا شاید کبھی اس کو اس انداز سے نہیں دیکھا۔ بیدے کی طرح سفید رنگت، کھڑے سے نقوش، بڑی بڑی ہرنی آنکھیں جن میں ابھی نیند کا خمار تھا۔ نازک سا سراپا، لمبے گھنے بال جو اس وقت

پورے کھلے ہوئے تھے۔ بلاشبہ وہ مکمل حسن کا پیکر تھی۔ پریوں کی ملکہ اسے صعب زیدی کی بات یاد آگئی تھی۔
"تم نے کبھی لاروش کو غور سے نہیں دیکھا۔ اس سے بات کیوں نہیں کرتے۔ وہ تمہارے گھر میں کیوں رہ رہی ہے۔ وہ جانی کیوں نہیں۔" ایسے بہت سے جملے صعب زیدی کے جو اس کے کانوں میں گردش کرنے لگے تھے۔ حسین آفریدی مسکراتا ہوا بیڈ سے نیچے اترا تھا۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ تم اس قدر حسین ہو۔ میرے سوچنے کا اور دیکھنے کا انداز بدلا۔ آنکھوں سے دھند چھٹی تو تمہارا چہرہ واضح ہوا اور تمہاری دوری نے تو مجھے تم سے مزید قریب کر دیا ہے اور رہی کسی کے بیڈ روم میں بغیر اجازت لیے داخل ہونا اور کسی کے بیڈ پر لیٹنا تو میری جان تم کسی نہیں میری منکوحہ ہو، جس کے ساتھ کچھ بھی کرنے کی مجھے شرعی اور قانون نے اجازت دے رکھی ہے۔" حسین آفریدی نے قریب آکر اس کی نازک سی مرمریں کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے خود سے قریب تر کر لیا کہ وہ نازک سی کانچ کی طرح اس کے وجود کا حصہ بنی تھی۔

"چھوڑیے مجھے اور یہاں سے چلے جائیں مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔" اس نے خود کو چھڑانے کی بہت مزاحمت کی مگر حسین آفریدی کی گرفت کا حصار بہت مضبوط تھا۔

"چھوڑنا ہی ہوتا تو بہت پہلے چھوڑ چکا ہوتا۔ وہ تو میری قسمت اچھی ہے بی جان کی دعائیں ہیں جو تم مل گئی ہو۔ اب بہت ڈیرا ڈال لیا یہاں گھر چلو میں تمہیں یہاں سے لے کر جاؤں گا۔"

"ہونہہ...... کس رشتے سے......؟" وہ پوری جان سے حسین آفریدی کا بازو اپنی مرمریں کمر سے ہٹا رہی تھی۔

"ارے ابھی تو بتایا ہے کہ تم میری منکوحہ ہو۔" اس نے مزید لاروش اخولان کو خود سے نزدیک کیا تھا کہ اس کے چہرے پر حسین آفریدی کی گرم گرم سانسیں اس کا چہرہ جھلسا رہی تھیں۔

"منکوحہ...... یہ کیا آپ بار بار منکوحہ منکوحہ کی گردان کر رہے ہیں؟" بالآخر لاروش اخولان کامیاب ہو گئی تھی حسین آفریدی کی گرفت سے آزاد ہونے میں۔

"وہی منکوحہ جسے آپ اپنے سب دوستوں کے سامنے لے کر سے آئے تھے وہی منکوحہ جس پر آپ ایک نظر ڈالنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ وہی منکوحہ جس کے منہ پر آپ کی گرل فرینڈ نے سب کے سامنے زور سے تھپڑ مارا تھا اور وہی منکوحہ جس کے لیے آپ اپنے دوست کا رشتہ لے کر آگئے؟ مسٹر حسین آفریدی آپ سے تو لاکھ درجے بہتر ہیرک شاہ ہے بھلے ہی وہ مجھے کوئی اہمیت نہ دیتے ہوں مجھ سے بدتمیزی کرتے ہوں رنگ کرتے ہوں ان کی بہت سی گرل فرینڈز ہوں جس سے ان کا افیئر ہے مگر جو بھی ہے جیسا بھی ہے کبھی اپنے دوستوں کے سامنے آنا میرا ان کو پسند نہیں تھا۔ میں جانتی تھی وہ مجھ سے شادی کر کے میری لاکھوں کی جائیداد اپنی میری زمینوں کو اپنے نام کرانا چاہتا تھا مگر اب سوچتی ہوں وہ صحیح تھا چاہے مجھے محبت وچاہت نہ دیتا، عزت نہ کرتا میری مگر چار دیواری میں تو چھپا کے رکھتا۔ آپ کی طرح اپنے دوستوں کے سامنے میرا مذاق تو نہیں بناتا۔ آپ نے تو مجھے دربدر کر دیا ہے۔"

لاروش اخولان کا سانس پھول گیا تھا۔ یہ سب کہتے کہتے۔ ہرنی آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی تھی۔ حسین آفریدی نا صرف اسے بغور تک رہا تھا بلکہ اسے آج پہلی بار اتنا بولتا ہوا سن بھی رہا تھا۔ اس کا غصہ بھی کرنا دیکھ رہا تھا۔ اور اگر وہ یہ سب کر رہی تھی تو سب جائز تھا وہ حق پر تھی۔ لاروش اخولان کی باتوں نے اسے بہت شرمندہ کیا تھا مگر وہ اسے منا کر یہاں سے لے جانا چاہتا تھا اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ اسے چاہنے بھی لگا تھا۔

"اگر میں کہوں کہ میں تم سے معافی کا طلب گار ہوں تو۔"
"تو بھی کوئی فائدہ نہیں ہے کیوں کہ میں آپ کو معاف کرنے والی نہیں ہوں۔" اس نے حتین آفریدی کی طرف سے رخ ہی پھیر لیا تھا۔ حتین آفریدی پھر اس کے پاس بڑھا اور اس کی نازک سی کلائی تھام کر اپنی سمت کھینچا تھا اسے۔
"میں تو تمہیں بہت سیدھا اور معصوم سمجھتا تھا۔ تم بہت ہی کٹھور اور ظالم نکلی ہو بھئی۔"
"یہ کیا بے ہودگی ہے آپ بار بار مجھے اس طرح ٹچ کرکے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کی کوئی گرل فرینڈ سمعیہ زیدی نہیں ہوں میں لاروش اغولان ہوں۔"
"آں...... آں لاروش اغولان نہیں...... لاروش حتین۔" حتین آفریدی نے بڑی بے دردی سے اس کے گلاب کے پنکھڑی جیسے نرم ہونٹوں پر انگلی پھیری تھی۔
لاروش اغولان کے دماغ پر لگی تھی ایک تو بار بار اس کا یوں کھینچ کے خود سے لگانا پھر اس کا یہ جملہ۔
"اچھا تو آپ کو یاد ہے کہ میں لاروش حتین ہوں!" وہ طنز کرنے سے باز نہیں آئی تھی۔
"تو تمہیں لاروش حتین کے یقین کے لیے کیا ثبوت چاہیے اگر یہ کہ ہمارا کوئی بے بی، بابا وغیرہ ہو جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" حتین آفریدی نے نہایت دھیمے سے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی کہ وہ شرم وحیا کے مارے پوری پسینے میں شرابور ہوگئی۔ چہرے کی رنگت سرخ پڑ گئی تھی۔ حتین آفریدی نے بہت خوشی سے اس کا شرمانا گھبرانا دیکھا تھا۔
"تم لڑکیاں بھی نہ اتنا بولتی ہو لڑتی ہو اپنے شوہروں سے مگر ذرا سا کوئی بے باک سا جملہ بول دو زبان پر جیسے لگ جاتی ہے۔" اس نے لاروش اغولان کے کھلے ریشمی بالوں کی آگے کی لٹوں کو چھیڑا تھا۔
"حتین چھوڑیے۔" بالوں کی باڑ کو رخسار پر گرائے وہ ہولے سے بولی تھی۔ حتین آفریدی نے اس کو اپنی گرفت کے حصار سے آزاد کر دیا تھا۔
"حتین آفریدی کی بہت سی گرل فرینڈز تھیں مگر حتین آفریدی کی زندگی کا جو سکون وقرار لوٹ کر لی گئی وہ صرف اور صرف ایک ہی ہے جو تم ہو۔"
"اور سمعیہ زیدی......!" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ہونٹوں پر شکوہ آ گیا تھا جس پر وہ ہولے سے ہنس دیا تھا۔
"ان کا چیپ اپ تو اسی دن ہو گیا تھا۔" وہ روح فرسوں منظر اس کی ہرنی آنکھوں میں ایک بار پھر کسی فلم کی طرح گھومنے لگا تھا جب عماد نے اس کا دوپٹہ کھینچ کے اس کو سب کے سامنے برہنہ کر دیا تھا۔ وہ قیامت کا منظر تھا۔ جان نکال لینے والا منظر۔ یکدم سے اس کے دونوں ہاتھ اس کے سینے پر گئے تھے۔ ان ہرنی آنکھوں میں ایک دکھ کا سمندر سا ابھرنے لگا تھا۔ حتین آفریدی سمجھ گیا تھا۔ اس کی سوچ کو، وہ آگے بڑھا اور اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھر لیا تھا۔
"آپ نے مجھے وہ دکھ دیا ہے جو میں زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔" ان ہرنی آنکھوں میں آنسوؤں نے حتین آفریدی کا دل خون خون کر دیا تھا۔ اس نے بے ساختگی اس کو خود میں سمو لیا تھا۔

(جاری ہے)

قمر روش شہک

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 22

تیرے پیار کی خوشبو

''میں ہر دکھ کا ازالہ کردوں گا لاروش! بس تم مجھے معاف کردو اور گھر چلو، بی جان اور ماما تمہیں بہت یاد کرتی ہیں اور جب تک تم مجھے معاف نہیں کرو گی وہ لوگ بھی مجھے معاف نہیں کریں گی۔''

''بہت اچھی بات ہے جو بی جان اور ماما آپ کو معاف نہیں کر رہی ہیں ان کو کرنا بھی ایسا چاہیے۔''
لاروش اغولان نے اپنی دونوں ہتھیلیاں اس کے سینے پر رکھ کر اسے زور سے پیچھے دھکا دیا تھا۔ وہ لڑکھڑا کے جو پیچھے ہوا پیچھے جہازی سائز بیڈ پر گرا مگر لاروش اغولان کی کلائی نہیں چھوڑی تھی۔ وہ پورے وزن سمیت اس پر آرہی تھی۔

لاروش اغولان کا دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا۔ سانسوں کا تنفس تیز سے تیز تر ہوتا چلا گیا تھا۔ ان ہرنی آنکھوں میں حنین آفریدی کو اپنا عکس بہت واضح نظر آیا تھا۔ بے اختیار ہی حنین آفریدی نے اس کے گرد اپنے دونوں بازوؤں کا حصار کھینچ کر خود سے مزید نزدیک کرلیا تھا۔
''میں جانتا ہوں تم بھی مجھ سے بہت پیار کرتی ہو۔ تمہاری آنکھوں کا یہ پیار میں نے بہت پہلے دیکھ لیا تھا مگر سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ آج سب کچھ واضح ہے ساری دھند چھٹ گئی ہے۔ ہر منظر صاف ستھرا نکھرا سا ہوگیا

ہے جس میں صرف میں اور تم ہیں۔'' حنین آفریدی نے اس کی لرزتی گھنیری پلکوں پر اپنے دہکتے لب رکھ دیے تھے۔

لارڈش اغولان کا سارا غصہ جیسے کہیں جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ اسے یہ در بدری کی زندگی نہیں چاہیے اسے حنین آفریدی کے ساتھ رہنا تھا۔ ان چاہنے والوں کے درمیان رہنا تھا۔ جنہوں نے اسے مان سمعان عزت، محبت چاہت دی تھی اسے اپنی بیٹی مانا ہے اور جو سب سے حیرت والی بات تھی اس کے لیے وہ یہ کہ وہ سب پہلے دن سے جانتے تھے کہ وہ حنین آفریدی کے نکاح میں ہے۔

☆......☆

''اف۔''

ثمرن بیڈ پر بیٹھ کر بری طرح کراہ رہی تھی ارشد ویسے بھی آج کل آفس سے ثمرن کی وجہ سے جلدی ہی آرہا تھا۔ وہ اپنا آرام دہ شلوار قمیض لے کر واش روم جا رہا تھا۔ ثمرن کی تکلیف دہ کراہ پر وہ شلوار قمیض صوفے پر پھینکے اس کی سمت آیا تھا۔

''کیا ہوا ثمرن طبیعت ٹھیک ہے نا تمہاری؟'' ارشد اس کے قریب بیٹھا اور اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس کے چہرے پر درد کے آثار بہت زیادہ تھے۔

''بس ارشد ایسی ہی طبیعت ہو رہی ہے اتنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بیٹھ جاؤں تو کھڑے ہونا مشکل ہو جاتا ہے اور اگر کھڑی ہو جاؤں تو بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جلدی سے یہ دو ماہ بھی گزریں بہت بے چینی ہو جاتی ہے۔''

''تو یار کیوں اٹھ بیٹھ رہی ہو لیٹی رہو آرام کرو۔''

''ارشد پتہ نہیں کیوں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔'' ثمرن نے ارشد کے دونوں ہاتھ اپنے لرزتے کپکپاتے ہاتھوں میں تھام کر اس پر گرفت سخت کر دی تھی۔

''کیوں!'' اس کی گھبراہٹ ارشد نے اپنے اندر تک محسوس کی تھی۔

''مجھے نہیں معلوم مگر اندر اندر میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔'' ثمرن کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے تھے۔ ارشد کا دل خون ہونے لگا تھا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا تھوڑی ہمت کرو میں ہوں سب ہیں تمہارے ساتھ۔'' بس پھر کیا تھا درد کی ایک تیز لہر اٹھی تھی ثمرن کی جان نکل گئی تھی۔

''ارشد!'' ثمرن چیخی تھی۔

وہ تڑپنے لگی تھی۔ اب گھبرانے کی باری ارشد کی تھی۔ اس نے نجمہ کو آواز دینی شروع کر دی۔

''ماما...... ماما...... جلدی آئیں۔''

ایک منٹ میں ارشد کے کمرے میں سب جمع ہو گئے تھے۔ گھر میں مردوں میں ارشد اور عارفین کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔

''ارشد ثمرن کو اسپتال لے کر چلو۔''

''میں گاڑی نکالتا ہوں تم ثمرن بھابی کو اٹھاؤ۔'' عارفین اپنی تکلیف کی پرواہ کیے بغیر تیزی سے بھاگا تھا۔ ارشد نے جلدی سے ثمرن کو بازوؤں میں اٹھایا تھا وہ بے انتہا درد رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی، ان کے ساتھ

نجمہ، آسیہ اور رابعہ بھی گئی تھیں۔ دوسری گاڑی میں ژالے، دانیہ نکلی تھیں۔ ثمرن کی ایسی حالت تھی کہ گھر پہ رکھنے کو کوئی تیار ہی نہیں تھا۔

آپریشن تھیٹر میں ثمرن کو گئے دو گھنٹے ہو گئے تھے۔

آفس میں زرمیل کو بھی اطلاع دے دی گئی تھی۔

آپریشن تھیٹر سے ڈاکٹر آئی تھی۔ نجمہ آسیہ تیزی سے آگے بڑھیں۔

''مبارک ہو ثمرن کے دو جڑواں بچے ہوئے ہیں ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔'' سب کی خوشی کی حد ختم ہو گئی تھی۔ دس برس بعد ارشد کو خوشی دیکھنے کو ملی تھی۔ ثمرن کی گود بھری تھی، اس پر جتنی خوشیاں منائی جاتیں کم تھیں۔

ثمرن کو کچھ دیر بعد پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ اس کمرے میں سب اکٹھے ہو گئے تھے۔ خیرات وصدقہ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ شکرانہ نمازیں ادا کی گئیں مسجدوں میں دیگیں بھیجنے کا آرڈر دیا گیا، غریب ومساکین بچوں کو کھانا کھلانے کا کہا گیا۔ گو کہ جس کا جو دل کر رہا تھا وہ کر رہا تھا۔ ان سب میں کسی نے بھی مقسوم کی غیر موجودگی کو نوٹ نہیں کیا تھا۔ عارفین کی متلاشی نظریں اسے ہی ڈھونڈنے لگیں مگر ناکام ثابت ہوئی تھیں۔ اس کے دل ودماغ میں خطرے کا الارم بجنا شروع ہو گیا۔

''ژالے مقسوم کہاں ہے؟''

''عارفین بھائی یہیں ہوں گی۔'' ژالے نے عارفین کا فکرمند چہرہ نہیں دیکھا تھا۔

''ژالے وہ تمہارے ساتھ آئی ہے نا۔''

''نہیں میرا تو خیال تھا کہ وہ آپ کے ساتھ آئی ہوں گی۔'' ژالے کو بھی فکر لگ گئی تھی وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تھی کہ حرا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اس کی گود میں ارشد کا بیٹا تھا۔ عارفین کے چہرے کی رنگت اڑنی شروع ہو گئی تھی۔ اس کے اندر جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔ زرمیل کی زیرک نگاہوں سے عارفین کا ہوائیاں اڑتا چہرہ مفقود نہیں رہ سکا تھا۔

''عارفین کیا بات ہے اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہو سب خیریت تو ہے ناں۔''

''نہیں زرمیل میرا خیال ہے کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ مقسوم ہمارے ساتھ نہیں آئی ہے تم یوں کرو سلجوق کو لے کر گھر پہنچو میں تمہیں وہیں ملتا ہوں۔'' عارفین نے اپنے گلے ہاتھ میں بندھی پٹی بے دردی سے اتار کے پھینکی تھی اور اپنی گاڑی اسٹارٹ کر لی۔

''بے وقوف...... یہ لڑکی بالکل عقل سے پیدل ہے۔'' وہ غصے میں منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا تیزی سے گاڑی بھگا رہا تھا۔

اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا مگر قسمت نے بروقت اس کا ساتھ دیا تھا، گھر کے پاس ہی اسفند درانی کی گاڑی کھڑی تھی، جس میں وہ دونوں آگے اور مقسوم اکیلی پیچھے بیٹھی تھی۔ عارفین کا خون رگوں میں لاوا بن کر بہنے لگا تھا اس نے مزید اسپیڈ بڑھائی تھی اور لا کر اسفند درانی کی گاڑی کے آگے لا کر اس طرح روک دی کہ وہ گاڑی آگے بڑھا ہی نہیں سکتا تھا۔ یاور پسٹل لے کر غصے میں باہر نکلا تھا۔ مقسوم کا دل دہل کر رہ گیا تھا۔ یاور درانی کو یوں غصے میں پسٹل نکال کر گاڑی سے باہر نکلتے دیکھ کر وہ بھی باہر نکلی تھی۔

''نہیں یاور تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، تم عارفین کو کچھ نہیں کہو گے۔'' مقسوم نے یاور درانی کا پسٹل پکڑا

تھا۔

''تو پھر اسے اپنی زبان میں کہو کہ یہ ہمارے راستے سے ہٹ جائے۔'' یاور درانی نے مقسوم کا ہاتھ جھٹک کر عارفین کو گھورا تھا۔

''عارفین پلیز! آپ جائیں یہاں سے میں ان لوگوں کے ساتھ اپنی مرضی سے جا رہی ہوں۔''

''شٹ اپ...... جسٹ شٹ اپ۔ اگر آگے ایک اور لفظ بھی کہا تو ابھی یہیں تمہاری جان نکال لوں گا۔'' عارفین نے مقسوم کو بری طرح جھڑکا تھا اس کو مقسوم سے اتنی بے وقوفی کی امید نہیں تھی۔

''بس بہت ہو گیا آج اس بات کا فیصلہ ہو ہی جائے۔'' اس کا غصہ اتنا جلالی تھا کہ مقسوم اندر تک کانپ کر رہ گئی۔

''دیکھو مسٹر عارفین! تمہیں آرام سے سمجھا رہے ہیں ورنہ میرے اور میرے بیٹے کے لیے کسی کو بھی مارنا کوئی بڑی بات نہیں ہے اور اس کا ہلکا سا نمونہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔'' اسفند درانی کا اشارہ اس کے بازو پر لگی گولی پر تھا۔

''تم جیسے شیر کی کھال میں چھپے گیدڑ صرف دھمکیاں ہی دے سکتے ہو۔ ہمت تھی تو سامنے سے آ کر وار کرتے بزدلوں کی طرح پیچھے سے وار کیوں کرتے ہو۔''

''عارفین!'' اسفند درانی اور یاور درانی بری طرح دہاڑے تھے۔

''آواز نیچی...... ورنہ ایسا نہ ہو کہ تمہاری زبان حلق سے کھینچ کر تمہارے ہی ہاتھ پر رکھ دوں۔'' عارفین نے دونوں کو باری باری گھورا تھا اور عارفین بیگ صرف دھمکیاں نہیں دیتا کر گزرتا ہے۔

''اچھا اپنی بہادری اور طاقت پر بڑا غرور ہے نا تمہیں ابھی پتہ چل جائے گا کہ دھمکی کس چڑیا کا نام ہے۔'' اسفند درانی نے اپنی بڑی سی جیپ کے پاس کھڑے دونوں مسلح گارڈز کو آرڈر دیا تھا اسفند درانی کے آرڈر پر دونوں مسلح گارڈ عارفین کی طرف بڑھے۔

خوب زبردست ہاتھا پائی ہوئی تھی۔ ایک گارڈ نے تو ایک زور کا مکا عارفین کے کسرتی بازو پر رسید کر دیا تھا کہ اس کی ہلکی سی کراہ نکل گئی۔ وہاں سے اب خون رسنے لگا تھا۔

مقسوم کی روح تک تڑپ کے رہ گئی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی مگر یاور درانی نے اس کا ہاتھ پکڑ کے روک لیا تھا۔

''یاور چھوڑو مجھے...... عارفین......'' وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کی جان توڑ کوشش کرنے لگی تھی مگر یاور درانی کی گرفت بہت سخت تھی۔ مقسوم حلق کے بل چیخ رہی تھی۔ عارفین کے کسرتی بازو سے خون بہت بہہ رہا تھا۔

مگر وہ بھی عارفین تھا جس نے جوڈو کراٹے میں ماسٹر کیا ہوا تھا۔ وہ بلیک بیلٹ تھا۔ عارفین نے مقسوم کو چیختے چلاتے روتے تڑپتے دیکھا تو اس کا خون کھول اٹھا جس میں دگنا اضافہ یاور درانی کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس نے مقسوم کا ہاتھ بری طرح سے پکڑا ہوا تھا۔ اس کا جوش مزید بڑھا اور ان گارڈز کو عارفین نے اتنا مارا کہ وہ دونوں خون میں لت پت ادھر ادھر گرے تھے اب باری تھی اسفند درانی اور یاور درانی کی۔

''عارفین تیری موت میرے ہی ہاتھ لکھی ہے۔'' یاور درانی نے مقسوم کو اسفند درانی کی طرف دھکیلا تھا۔ یاور درانی نے پسٹل کی نلی عارفین کی طرف کی مگر اس سے پہلے کہ وہ گولی چلاتا۔ وہیں دور سے آتے سلجوق آفریدی نے اس کے ہاتھ پر گولی چلا دی تھی یاور درانی کے ہاتھ سے پسٹل دور جا گری تھی۔

اسفند درانی نے سلجوق آفریدی کو پولیس فوج کے ساتھ دیکھا تو مقسوم کو چھوڑا اور یاور درانی پر چیخا تھا۔
''یاور بھاگ۔''
مگر سلجوق آفریدی نے اسفند درانی کے پیر پر گولی مار دی تھی۔ سلجوق آفریدی نے اسفند درانی اور یاور درانی کو پکڑ لیا تھا۔ پولیس نے ان دونوں کو گارڈ سمیت پولیس وین میں ڈال دیا تھا۔
''فکر مت کرو اب کچھ نہیں ہوگا۔ کینیڈا کی گورنمنٹ کو تلاش ہے ان مجرموں کی، یہ وہیں جائیں گے۔''
سلجوق آفریدی نے زرمیل کو دیکھا۔
''تم ٹھیک ہو؟'' سلجوق آفریدی نے عارفین کو دیکھا۔
''عارفین تمہارے ہاتھ سے تو بہت خون بہہ رہا ہے۔'' وہ پریشان ہو گیا تھا۔
''میں ٹھیک ہوں۔ تم ان لوگوں کو یہاں سے لے جاؤ۔'' عارفین نے اپنے ہاتھ پر توجہ دیئے بغیر مقسوم کو غصے سے دیکھا اور اس کی طرف بڑھا اس کی کلائی زور سے پکڑی تھی۔ مقسوم کو تقریباً گھسیٹتا ہوا اندر لایا تھا اور اپنے بیڈروم میں لا کر زور کا دھکا دے کر دروازہ اندر سے بند کر کے لاکڈ کر لیا تھا۔ عارفین دروازہ لاکڈ کر کے مقسوم کی طرف بڑھا اور ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔ کہاں وہ نازک اندام سی اور کہاں وہ باڈی بلڈر عارفین، وہ عارفین کا وار سہہ نہ سکی اور دور جا کر گر گئی تھی۔ عارفین پھر غصے میں آگے بڑھا اور اس کا بازو سختی سے پکڑ کے کھڑا کر کے مقابل کھڑا کیا۔
''کیا سوچ کر مجھ سے بغیر اجازت کے تم نے گھر سے قدم باہر نکالا میرے منع کرنے کے باوجود تم ان لوگوں کے ساتھ جا رہی تھیں۔'' عارفین کا اس قدر غیض و غضب بھرا انداز دیکھ کر وہ مزید خوفزدہ ہو گئی تھی۔
''عارفین میں نہیں چاہتی تھی کہ اسفند چاچو اور یاور آپ کا کوئی اور نقصان کریں آپ کو تکلیف پہنچائیں۔'' سیاہ آنکھوں میں ایک سمندر موجزن تھا۔ لب کپکپا رہے تھے۔ درد کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔
''اور جو تم میرا نقصان کر کے جا رہی تھیں اس کا کوئی احساس کوئی پرواہ ہے تمہیں۔'' عارفین کی ذومعنی بات مقسوم کی بالکل سمجھ میں نہیں آئی تھی۔
اس نے خاموشی سے بھیگی پلکیں سرخ عارض پر گرا لیں۔ عارفین نے غور سے دیکھا تھا۔
''آل رائٹ۔'' عارفین نے ایک سرد آہ لی اور اس کا بازو چھوڑ دیا تھا۔
''تم میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی ہو، ٹھیک ہے اسفند درانی اور یاور درانی کینیڈا کی جیل کی سلاخوں تک پہنچ جائیں پھر تمہارا بھی فیصلہ کر دوں گا تم نے جس مقصد کے تحت مجھ سے شادی کی تھی، اس میں تم کامیاب بھی ہو گئی ہو، بہت جلد میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔'' عارفین کا بہت سا خون بہہ جانے کی وجہ سے اسے بہت کمزوری ہو گئی تھی اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ اس نے اپنے سارے عقل و خرد گنوا دیئے تھے۔ مقسوم ڈر و خوف کے زیر اثر عارفین کی طرف بڑھی تھی۔
''عارفین...... عارفین......''
وہ تو صد شکر کہ زرمیل یہیں ان کی طرف آ رہا تھا۔ مقسوم کے چیخنے پر اس نے زور زور سے دروازہ پیٹا تھا۔ مقسوم نے جلدی سے دروازہ کھولا اور زرمیل اندر آیا تھا۔

''او مائی گاڈ!''

''زرمیل بھائی عارفین......''اس کا پورا وجود ہچکیوں کی زد میں تھا۔

زرمیل کے فون کرنے پر ڈاکٹر بھی فوراً ہی آ گیا تھا۔ اسی اثناء میں ثمرن اور دونوں جڑواں بچوں کے ہمراہ سب خوشی خوشی گھر میں داخل ہوئے تھے۔ سب کو عارفین کی طبیعت کے بارے میں پتا چلا تو سب پریشان ہوا ٹھے۔

زرمیل نے رابعہ اور مقسوم کو تسلی دی کہ سب ٹھیک ہے عارفین جلد ہی صحت یاب ہو جائے گا۔

☆......☆

ڈاکٹر کی ٹریٹمنٹ نے عارفین کی حالت قدرے بہتر کر دی تھی۔ وہ اس وقت دوائیوں اور انجکشن کے زیر اثر پرسکون سو یا تھا۔ گھر کے سبھی لوگ اس سے مل کر جا چکے تھے۔ فہیم احمد نیر دہلی سے کچھ گھنٹے پہلے آئے تھے اور جیسے ہی عارفین کی طبیعت کے بارے میں پتہ چلا وہ فوراً اسے دیکھنے اوپر آئے تھے۔ زرمیل، عارفین اور ارشر میں انہوں نے کبھی کوئی فرق نہیں رکھا تھا۔ وہ جو کچھ زرمیل کے لیے لاتے بچپن میں عارفین کو بھی وہی دلاتے تھے۔ عارفین کا بھی یہی حال تھا باپ کی شکل تو اس نے کبھی دیکھی نہیں تھی جو اس کے پیدا ہوتے ہی کینسر کا شکار ہو کر یہ دنیا چھوڑ گئے تھے مگر اپنے دونوں ماموں اور ممانی کو ویسی ہی عزت د احترام دیتا جیسی اپنی ماں رابعہ کو دیتا، اسی لیے تو سب گھر والے اس کی تکلیف پر پریشان ہوا ٹھے تھے۔

عارفین بیڈ پر کمبل اوڑھے سو رہا تھا۔ مقسوم آرام سے چلتی ہوئی آئی اور عارفین کے پاس بیٹھ گئی۔ آج اس کو کوئی جھجک کوئی عار نہیں تھا۔ عارفین کے پاس اس کے قریب بیٹھنے پر، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ عارفین اتنا دیوانہ وار اس سے محبت کرتا ہے کہ اس کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہے اور اس نے...... عارفین کو کیا دیا سوائے درد تکلیف اور اذیت کے......وہ بغور اس کا چہرہ دیکھنے لگی تھی عارفین سوتا ہوا بہت معصوم لگ رہا تھا اس نے بلا جھجک اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور اپنی بھیگی بھیگی آنکھوں سے لگا لیا تھا۔

''مجھے معاف کر دیں عارفین! میں آپ کو سمجھ ہی نہیں سکی۔ آپ بہت اچھے ہیں میں آپ کی قدر نہیں کر سکی۔''اس کی ہچکیاں بندھ گئیں آگے کچھ بولا ہی نہیں جا رہا تھا بس روئے جا رہی تھی۔

''پلیز عارفین! مجھے معاف کر دیں مجھے خود سے جدا مت کریں میں آپ کے بغیر مر جاؤں گی۔''

''اگر مرنے دیتا تو آج اس حالت میں بستر میں نہیں پڑا رہتا۔''عارفین کی گھمبیر آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ یعنی وہ جاگ رہا تھا۔

کس قدر شرمندگی نے گھیرا تھا۔

''میرے لیے عارفین نے اتنا خطرہ مول لیا ہے اور میں پھر بھی انہی دھوکے باز لوگوں کا ساتھ دینے چلی تھی۔''

''آپ جاگ رہے ہیں۔''لہجے میں شرمندگی ہی شرمندگی تھی۔

''اچھا ہے ناورنہ اتنا خوب صورت اقرار اور اظہار محبت جس کے لیے میں ترس گیا تھا کیسے سن سکتا تھا۔''

مقسوم اس کی بات پر بری طرح نا صرف جھینپ کر رہ گئی بلکہ سیاہ آنکھوں سے اشکوں کا ایک ریلا ٹوٹ کر بہنے لگا تھا۔

''جانتی ہو نا میں کتنی تکلیف میں ہوں تم پھر بھی مجھے اپنے آنسوؤں سے اور تکلیف اور اذیت دے رہی

ہو۔"

عارفین کا بس اتنا ہی کہنا تھا کہ وہ اس کے چوڑے سینے پر سر دھر کے جو روئی تھی تو اگلا پچھلا سارا سیلاب آنکھوں کے ذریعے اس کے سینے پر جذب ہوتا چلا گیا تھا۔ عارفین کے ہونٹوں کی مسکراہٹ یکدم دم توڑ گئی اس نے سختی سے اپنے جبڑے بھینچ لیے تھے۔

"عارفین خدا کے لیے مجھے معاف کر دیں۔" اس کا پورا وجود ہچکیوں کی زد میں تھا۔ عارفین سے بھلا کہاں برداشت ہوتا اس کا یوں بلک بلک کر زار و قطار رونا اس نے بڑی مشکل سے اپنا زخمی بازو اٹھایا اور اس کے سر پر رکھ دیا تھا۔

"مقسوم! بس کرو، کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں مجھ سے معافی مانگنے کی کیوں کہ جن لوگوں سے ہم بے انتہا محبت کرتے ہیں اپنے دل میں کسی قیمتی شے کی طرح سنبھال کے رکھتے ہیں، ان سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوتے اور مقسوم......" عارفین نے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تھا۔

"میں نے تم سے صرف محبت ہی نہیں کی تم میرا عشق بھی ہو۔" عارفین نے اس کا بھیگا چہرہ اپنے ہاتھ سے صاف کیا تھا۔

"مگر ہاں میں تم سے ضرور معافی مانگوں گا۔" آنکھوں میں مسکراہٹ لیے وہ بغور ان سیاہ آنکھوں میں جھانکنے لگا تھا۔

"وہ کس لیے؟"

"میں نے تمہیں یہاں زور سے تھپڑ مارا تھا۔" عارفین نے ہولے سے اس کے گال پر اپنی ہتھیلی پھیری تھی۔

"وہ تو میں نے غلطی کی تھی نا۔" ہولے سے پلکوں کی باڑ گرالی تھی۔

"مقسوم اگر میں بروقت نہ پہنچتا تو جانے وہ کہاں لے جاتے تمہیں، کیا کرتے یہی سوچتا ہوں تو جسم سے ایسا لگتا ہے روح نکل رہی ہو۔"

"لیکن عا......"

"ششش......" عارفین نے مقسوم کے ہونٹوں پر انگلی رکھی تھی اور نفی میں اِدھر اُدھر گردن ہلائی تھی۔

"اب ہم کبھی بھی اس ٹاپک پر بات نہیں کریں گے او کے۔"

"عارفین۔" مقسوم نے اس کی اپنے ہونٹوں پر رکھی انگشت شہادت پکڑ کر دھیرے سے پکارا تھا۔

"ہوں۔"

"میں آپ سے الگ رہ کر جینا نہیں چاہتی، مجھے اس گھر سے بہت پیار ملا ہے آپ مجھے چھوڑیں گے تو نہیں نا۔" اس کے دل کا ڈر اس کی زبان پر آ گیا تھا۔

"یہ واہیات خیال تمہارے ذہن میں کیونکر آیا۔"

"آپ ہی نے کہا تھا کہ آپ میرا فیصلہ کر دیں گے مجھے آزاد کر دیں گے۔" کتنی مشکل سے اس نے یہ چند لفظ بولے تھے۔ عارفین نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا وہ تو بھول چکا تھا کہ اس نے ایسا کچھ کہا ہے۔ اس نے مقسوم کی کمر میں اپنا بازو ڈال کر اسے خود سے اتنا قریب کر لیا کہ دونوں کی گرم سانسیں ایک دوسرے سے الجھنے لگی تھیں۔

''مسز مقسوم عارفین آپ ہماری رگوں میں لہو بن کر بہتی ہیں۔ میری آتی جاتی سانسوں میں خوشبو بن کر مہکتی ہو، میرے جسم میں مقید میری روح ہو تم تو کیا اگر جسم سے روح الگ کر دی جائے جسم زندہ رہ پائے گا۔ تم میری قسمت ہو اور اپنی خوش قسمتی سے جدا ہو کر کون زندہ رہ سکتا ہے۔''

کتنا خوب صورت اقرار کر رہا تھا وہ کہ مقسوم کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ دل بہت پرسکون ہو گیا تھا اس نے آسودہ ہو کر عارفین کے وسیع سینے پر اپنا سر دھر دیا اور آنکھیں موند لیں۔ عارفین ہولے سے مسکرا دیا اور اس کے سر پر اپنے پیار کی مہر ثبت کر دی۔

☆......☆
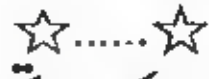
وانیہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی پر کوئی پروگرام دیکھ رہی تھی۔ جب ہی حسن چلا آیا۔

''السلام علیکم!'' وانیہ نے نہایت چونک کر پلٹ کر دیکھا تھا۔ ہاتھ سے ریموٹ بھی گر گیا تھا۔ ایسا لگا جیسے اچانک سے آفریدی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا ہے۔

''وعلیکم......السلام......!'' زبان بری طرح لڑکھڑا کے رہ گئی تھی۔

حسن آفریدی نے بغور اسے دیکھا تھا۔ پھر قالین پر پڑے ریموٹ کو دیکھا وہ آگے بڑھا اور اس کے قدموں پر جھک کر ریموٹ اٹھا لیا۔ حسن آفریدی کے اس طرح جھکنے پر وہ ڈر کر پیچھے کھسکی تھی۔ اس کی کلون کی تیز خوشبو وانیہ کے نتھنوں میں گھس کر بہت کچھ یاد دلا گئی تھی اس نے پھر چونک کر حسن آفریدی کو تکا تھا۔ یہ خوشبو کتنی جانی پہچانی ہے۔

وانیہ کے یوں گم صم ہونے پر حسن آفریدی نے پہلے ریموٹ ٹیبل پر رکھا پھر اس کی پرسوچ آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی تھی۔ وہ گڑبڑا کے رہ گئی۔

''کیا میں عارفین سے مل سکتا ہوں۔''

''جج......جی......''

''یہ میرے سوال کا جواب ہے یا حیرت کا اظہار۔'' وہ دلکشی سے مسکرا دیا تھا۔

''جی وہ اپنے کمرے میں ہیں۔''

''یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ عارفین اپنے کمرے میں ہے مگر میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ کیا میں ان سے مل سکتا ہوں؟'' حسن آفریدی نے بغور اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا اور ان آنکھوں سے نظر ہٹتی ہوئی سیدھی اس کی صراحی دار شفاف گردن پر پڑے سیاہ تل پر ٹھہر گئی تھی۔

حسن آفریدی کے یوں گھور گھور کر دیکھنے پر وانیہ بری طرح جھینپ کر نا صرف رہ گئی تھی بلکہ اپنے دوپٹے کو اور ٹھیک کر کے اپنی گردن بھی چھپا لی تھی۔ حسن آفریدی نے اپنی نظروں کا رخ پھیر لیا تھا۔ ہونٹوں سے مسکراہٹ یکدم غائب ہو گئی تھی۔

''میں رابعہ باجی کو بلا کے لاتی ہوں۔'' وانیہ سے وہاں رکنا محال ہو رہا تھا وہ سیدھی بھاگتی ہوئی رابعہ کے بیڈ روم میں آئی تھی۔

وہ عارفین سے ملا یا نہیں وہ نہیں جانتی مگر وہ بیڈ روم سے باہر نہیں نکلی تھی۔ آج پھر اسے وہ بلوریں آنکھیں یاد آ گئی تھیں۔

☆......☆

لاروش اغولان کو دو دن ہو گئے تھے یہاں آئے مگر کسی کے بھی رویے سے ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اس سے ناراض ہیں بلکہ زوباریہ نے تو اسے خود سے لپٹا کے خوب پیار کیا تھا۔ بی جان نے بھی اسے گلے سے لگایا تھا۔ صمد آفریدی نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا تھا۔

''اسی لیے بار بار بول رہا تھا کہ مجھ سے دوستی کرلو فائدے میں رہو گی مگر تم تو کچھ سمجھ ہی نہیں رہی تھیں اگر عارفین کا مسئلہ بیچ میں نہ آیا ہوتا تو تمہیں اس گھر میں واپس آنے میں اتنے دن بھی نہیں لگتے۔'' سلجوق آفریدی نے نرمی سے لاروش اغولان کو دیکھا تھا۔

''غلطی کچھ ہماری بھی ہے جب یہ گھر آئی تھی ہمیں اسی دن بتا دینا چاہیے تھا کہ تم اس گھر کی بہو ہو حنین کی بیوی مگر ہم ان دونوں کا انتظار کرتے رہے کہ کب یہ بتائیں گے اور دیکھ لو ہماری دیری نے یہ دن دکھایا کہ ہماری بیٹی کو گھر سے دربدر ہونا پڑا۔'' بی جان نے لاروش اغولان کا سر اپنے کندھے سے لگایا تھا۔

''آئی ایم سوری بی جان!'' اس نے شرمندگی سے بی جان کا نرم ہاتھ تھام لیا تھا۔

''نہیں کوئی بات نہیں اگر تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتا وہ یہی کرتا ہنی نے جو کیا وہ غلط کیا اور اسے اپنی غلطی پر ناصرف پچھتاوا ہے بلکہ اسے تمہاری قدر بھی ہوگئی ہے۔'' لاروش اغولان ہولے سے مسکرا دی اور کن انکھیوں سے سلجوق آفریدی کے برابر میں بیٹھے حنین آفریدی کو دیکھا۔

''یار! اتنی آؤ بھگت ہوگئی اتنا پیار سمیٹ لیا، اب ذرا مجھ پر بھی توجہ دے لو۔ صبح سے بھوکا ہوں۔'' حنین آفریدی نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا تھا۔ ''سچی جب سے گئی ہو کچھ اچھا کھانے کو نہیں ملا۔''

''شاباش بیٹا! کیا ٹھاٹ ہیں تمہارے۔'' زوباریہ نے اسے گھور کے دیکھا تھا۔ حنین آفریدی کان کھجا کے رہ گیا تھا۔

''ماما اس کو سزا تو ملنی چاہیے نا۔'' سلجوق آفریدی نے شریر لہجے میں کہتے ہوئے اپنے برابر میں بیٹھے حنین آفریدی کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

''بالکل ملے گی اور سزا یہ ہے کہ حنین ہی آپ کی شادی کے ہر فنکشن کا سوٹ شادی کی پوری تیاری یہ لاروش کو اپنے پاکٹ منی سے کرائیں گے۔''

''یہ سزا.....'' حنین آفریدی یکدم خاموش ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ذہن میں حسن آفریدی گھوم گیا۔ اس نے بھی تو ہم سب لوگوں سے دور رہ کے سزا کاٹی ہے اکیلے ہی سب سنبھالا ہے اور اب گھر کی شادی ہے وہ کیسے اس گھر کی شادی میں نہ ہو۔

''کیا ہوا یہ سزا کم ہے کیا؟'' سلجوق آفریدی نے پرمزاح انداز میں اسے چھیڑا تھا۔

''میرے پاس آپ سب کے لیے ایک سرپرائز ہے۔''

''بات پلٹنا تو کوئی تم سے سیکھے۔''

''اوکے نہ یقین کریں مگر جب یہ سرپرائز کا بم پھٹے گا نا تو آپ سب مجھے شادی کی شاپنگ کرانے کی آفر کریں گے۔''

''بیٹا! مجھے مغرب کی نماز ادا کرنی ہے میں تو چلوں۔'' بی جان کو اس کا سب پتہ تھا۔ یقیناً کوئی لڑکی کی کہانی ہوگی اور ابھی ان کے پاس ٹائم نہیں تھا کہ وہ سنتیں۔ ''بی جان سمجھ گئی ہیں تمہارے سارے بہانے اور میں بھی جانتی ہوں کہ یقیناً کسی لڑکی کے بارے میں کوئی سرپرائز ہے مگر یاد رکھنا اس بار تمہارے بابا

تمہارے کان پکڑیں گے۔'' زوبار یہ بھی بور ہوتی ہوئی اٹھیں اور ساتھ لاروش اغولان بھی۔
''بھئی میں تو آپ سب کو سرپرائز دے رہا تھا بھی، اب انتظار کریں پھر مجھ سے شکایت مت کرنا۔''
''کسی میں ہمت نہیں ہے اس وقت پکنے کی سو باتیں مت بناؤ۔''
''یہ تم کہاں جا رہی ہو۔ مجھے کچھ کھانے کو تو دے دو بھوک لگ رہی ہے۔'' حنین نے جاتی ہوئی لاروش اغولان کو ٹوکا تھا۔ لاروش اغولان نے پلٹ کر دیکھا تو اس نے اتنی معصوم سی شکل بنا لی تھی کہ اسے ترس آ گیا۔ سلجوق آفریدی نے مسکرا کے دیکھا۔
وہ اندر جانے کا ارادہ کینسل کرتی ہوئی کچن میں چلی آئی تھی۔

☆......☆

حرا اور سلجوق آفریدی کی شادی کے سلسلے شروع ہو چکے تھے۔ تاریخ رکھ دی گئی تھی۔ اس اچانک شادی پر سب خوش تھے مگر جو جھنجلا گئی تھی وہ تھی ژالے جسے اپنی شاپنگ کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔
''شادی کی اتنی جلدی کیا پڑی تھی میری تو کوئی شاپنگ نہیں ہے۔ شادی میں پہننے کے لیے ہر فنکشن کا سوٹ چاہیے۔'' وہ جھنجلاتی ہوئی بولی تھی۔
''جی ہاں ہم سب جانتے ہیں کہ جب تک ژالے مارکیٹ کے دس چکر نہ لگا لے سب کا کھانا ہضم نہیں ہونے دے گی۔'' عارفین نے جی بھر کے چڑایا۔
''آپ تو چپ ہی رہیں تو اچھا ہے لیکن میں نے بھی سوچ لیا ہے کہ میں مقسوم بھابی کو ہی پکڑوں گی۔ مقسوم بھابی آپ میرے ساتھ شاپنگ پر چلیں گی نا؟'' ژالے کا ڈائریکٹ رخ مقسوم کی سمت تھا۔
''میں......'' ژالے کا رخ اور پھر ڈائریکٹ اس سے کہنا سب کے درمیان وہ بھوچکا کے رہ گئی تھی۔ اس کی شکل پر ایسی مسکینی تھی جو حلال ہونے والے بکرے کی شکل پر قربانی کے بعد ہوتی ہے یا جیسے کسی مجرم کو پھانسی پر لٹکانے پر اس سے آخری خواہش پوچھ لی ہو۔ مقسوم کی معصومیت بھری شکل دیکھ کر عارفین کا چھت پھاڑ قہقہہ پورے ہال میں گونجا تھا۔ ژالے نے نہایت گھور کے عارفین کو دیکھا پھر مقسوم کو دیکھا تھا۔
''ژالے! میں ضرور چلتی مگر تم دیکھو ماں آج کل عارفین کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ ان کے لیے سوپ پرہیزی کھانا اور دوائی وغیرہ کا خیال مجھے ہی دیکھنا ہوتا ہے۔''
''مقسوم بھابی! آپ کو عارفین بھائی کی محبت نے صحیح کا بگاڑا ہے۔'' عارفین اس پر بھی چپ نہیں رہا۔
ایک تو مقسوم کا بہانہ پھر ژالے کی بات وہ پھر سے زور سے ہنسا تھا۔
ژالے نے ثمرن کو دیکھا تھا۔ ثمرن جو کیری کاٹ میں لیٹے اپنے بیٹے کو جھلا رہی تھی اس کے ہاتھ میں ذرا تیزی آ گئی تھی۔
''اللہ ژالے! میں تو ضرور چلتی مگر دیکھو تو تمہارا بھتیجا اتنا روتا ہے کہ کیا بتاؤں وہ میرے بغیر رہتا ہی نہیں ہے۔''
''ثمرن بھابی! ہم زیادہ ٹائم نہیں لیں گے۔''
''نہیں چندا! یوشع بہت روتا ہے اور مارکیٹ میں تو مزید گھبرائے گا۔''
''ثمرن، لاروش کا کوئی فون وغیرہ آیا، کہاں ہے وہ بچہ اتنا بتا شادی میں بلایا ہے نا اس بچی کو؟'' رابعہ کو اچانک سی لاروش اغولان کی یاد آئی تھی۔

''رابعہ پھپھو! لاروش کو اس کا ہسبینڈ لے گیا ہے اور فون تو کوئی نہیں آیا۔ میں بھی انتظار کر رہی تھی۔ اس کے فون کا کہ اگر آئے گا تو بلاؤں۔''

''ماشاء اللہ سے اتنی پیاری بچی تھی کہ دل خوش ہوتا تھا اس بچی کو دیکھ کر۔'' رابعہ کی نظروں میں لاروش اغولان کا چہرہ گھوم گیا تھا۔

''اگر وہ یہاں ہوتی تو وہ ژالے کے ساتھ چلی جاتی۔''

''جی ہاں بجا فرمایا آپ نے جو یہاں موجود ہیں وہ تو میرے ساتھ چل نہیں رہی ہیں اور جو نہیں ہیں ان کی فکر کے لیے گھل رہی ہیں۔'' ژالے، ثمرن کی چالاکی سمجھ گئی تھی۔

''بے چاری بچ گئی۔'' ارشد نے دھیرے سے کہا تھا۔

''مت جاؤ کوئی بھی میری بیسٹ فرینڈ حرا میرا ساتھ کبھی نہیں چھوڑے گی۔'' ژالے نے بڑے یقین سے کہتے ہوئے حرا کے گلے میں ہاتھ ڈالا تھا۔

''سوری یار ژالے! میں تو مایوں بیٹھ رہی ہوں ابھی کل ہی پانچ ہزار کا فیشل، مینی پوریڈی کیور کروایا ہے، دھوپ اور گرمی سے خراب ہو جائے گا۔'' ژالے کا ہاتھ اپنے گلے سے نکالا اور تھوڑا پیچھے کھسکی تھی۔

''دیکھ لیا کوئی حامی نہیں بھر رہا تھا۔ تمہاری بیسٹ فرینڈ حرا نے بھی ہری جھنڈی دکھا دی۔ اب سمجھ جاؤ کہ تمہارے ساتھ شاپنگ پر جانا دانتوں کے نیچے پسینہ آ جانے کے مترادف ہے۔'' ارشد باز نہیں آیا تھا اسے چھیڑنے سے۔

''مجھے تو لگ رہا ہے آپ نے پیسہ کھلایا ہے ان لوگوں کو۔'' ژالے نے تپ کر عارفین کو دیکھا تھا۔

''خدا کا خوف کرو کیوں مجھے مشکوک بنا رہی ہو۔''

ژالے کچھ بولتی کہ زرمیل بول پڑا۔

''ژالے اپنی شاپنگ کی ساری لسٹ پندرہ منٹ میں بناؤ میں لے کر چلتا ہوں ابھی۔''

''چلو جی آ گیا زرمیل کو جوش۔'' عارفین نے اپنے دونوں ہاتھ جھاڑے تھے۔

''آپ!'' اب سٹپٹانے کی باری ژالے کی تھی۔

''کیوں میں نہیں چل سکتا کیا؟'' زرمیل نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ کافی دیر سے بیٹھا لیپ ٹاپ پر کچھ کر رہا تھا۔

''نہیں زرمیل وہ بات نہیں ہے مگر آپ کو شاپنگ کرنا نہیں آتی ہے۔'' وہ منمنائی تھی۔

''لیکن تمہیں شاپنگ میں ہی کراؤں گا کیوں کہ تمہیں میرے علاوہ کوئی ہینڈل نہیں کر سکتا۔'' زرمیل نے لیپ ٹاپ بند کر کے ٹیبل پر رکھ دیا تھا اور بغور ژالے کو دیکھا۔

''جی میرے شیر۔'' عارفین نے پھر جملہ کسا۔

''اچھا آپ رہنے دیں میں ارشد بھائی کے ساتھ ہی چلی جاتی ہوں۔''

''سوری گڑیا! اگر میری میٹنگز اور ڈیلی گیشن کا مسئلہ نہ ہوتا یا میں نے حسن کے ساتھ نیا بزنس اسٹارٹ نہیں کیا ہوتا تو میں ضرور تمہارے ساتھ چلتا مگر ابھی بالکل ٹائم نہیں ہے۔ میرے پاس لو یہ دیکھو میرا فون بھی آ گیا۔'' ارشد کا فون بج رہا تھا۔ فون آن کر کے وہ فوراً وہاں سے نکلا تھا۔ زرمیل نے ژالے کو ایسے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو ''اب''۔

''وانیہ...... وانیہ فارغ ہے وہ میرے ساتھ چلے گی۔''

''آئی ایم...... سو...... سو...... سوری...... ژالے......'' وہ گڑبڑا کے دیکھنے لگی۔

''وہ دراصل میں نے ابھی اپنی ٹانگوں کا آپریشن کرایا ہے۔ میں زیادہ چل نہیں سکتی۔ میرے پاؤں میں درد اٹھنے لگتا ہے۔'' وانیہ نے بھی خود کو صاف بچا لیا اس کا پہلا تجربہ ہی کافی تھا۔

''تو یار! ہم کسی ریسٹورینٹ میں بیٹھ جائیں گے۔'' چہرے پر بے چارگی ہی بے چارگی تھی مگر عارفین کی دبی دبی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ!'' عارفین بھرپور مزے لے رہا تھا اس وقت ژالے کی بے چارگی کے مقسوم گھور کے رہ گئی تھی۔ عارفین کو حالانکہ اندر ہی اندر وہ خود بھی مسکرا رہی تھی مگر ژالے کی ناراضی کی وجہ سے چپ رہی تھی۔

''ژالے ابھی اور اسی وقت شاپنگ کی لسٹ تیار کرو جو تمہیں چاہیے سب لکھو ایک پیپر پر میں صرف تمہیں آدھا گھنٹہ دوں گا۔ جو آئے گا آج ہی آئے گا تمہیں میرے ساتھ جہاں چلنا ہے چلو، اس کے بعد تم مارکیٹ نہیں جاؤ گی۔'' زرمیل دوٹوک لب و لہجے میں کہتے ہوئے اٹھا تھا۔ جیب سے موبائل نکالا اور کسی کو فون ملاتا باہر نکل رہا تھا۔ شاپنگ پر جانا وہ بھی زرمیل کے ساتھ، ایک دو دفعہ وہ جا چکی تھی اس کے ساتھ۔

''جو شے تمہیں پسند آرہی ہے گھنٹوں بحث کے چکر میں پڑ کے گنواؤ نہیں، خرید لو مجھے ٹائم ضائع کرنا پسند نہیں ہے۔'' بہت سال پہلے کا کہا گیا زرمیل کا یہ جملہ ابھی ابھی اس کے کان میں گونجا تھا۔

''زرمیل نے کہا ہے کہ اسے آدھے گھنٹے بعد باہر آنا ہے تو آنا ہے ورنہ وہ بنا لسٹ کے بھی اس کو لے جائے گا اور سب جانتے ہیں کہ جو زرمیل بول دے پتھر پر لکھی لکیر ہے۔'' وہ سب کو ایک نظر دیکھ کر رہ گئی مگر اس نے غصے و غم کی شدت سے مغلوب ہو کر صرف عارفین کو گھورا تھا جس کی ہنسی کو بریک ہی نہیں لگ رہا تھا۔

''یار! میری طرف مت دیکھو ان ظالم نظروں سے میں معصوم بچہ ہوں ڈر جاتا ہوں۔'' وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرنے لگا تھا۔

''اور تم دیکھ بھی رہی ہو کہ میرے بازو پر لگی ہے میں بیمار ہوں، مقسوم بے چاری میری تیمارداری میں لگی ہوئی ہے۔'' وہ جان کر چٹکلے چھوڑ رہا تھا۔ مقسوم گھورے بنا نہیں رہ سکی۔

ژالے نے اپنے پیچھے سے کشن نکالا اور کھینچ کر عارفین کو مارا تھا۔

''مجھ سے بات بھی مت کیجیے گا۔'' نہایت جل بھن کر وہ پیر پٹختی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی مگر پیچھے سے عارفین کا ایک اور جاندار قہقہہ ضرور اس کی جان جلا گیا تھا۔

''عارفین! بہت بدتمیز ہیں آپ، اتنا تنگ کرتے ہیں آپ ژالے کو۔ سچی اس بار آپ کی کوئی خلاصی نہیں ہوگی۔'' مقسوم نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا تھا۔

''ٹھہرو بھئی مجھے سانس لینے دو ژالے کے غم و غصے کی وجہ سے کب سے سانس روکے بیٹھی تھی۔'' رابعہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لو دیکھ لو۔'' عارفین نے مقسوم سے کہا۔ مقسوم رابعہ کو دیکھ کر ہنس دی۔

''امی! ژالے بہت غصے میں گئی ہوگی عارفین نے مزید اسے غصہ دلا دیا ہے۔''

"اگر تمہیں اتنی فکر ہے تو جاؤ تم چلی جاؤ ژالے کے ساتھ شاپنگ پر۔"

"خدا کو مانیے عارفین! میں نے آپ سے یہ کب کہا ہے کہ میں ژالے کے ساتھ شاپنگ پر جاؤں۔" مقسوم اس طرح گڑبڑائی جیسے ابھی ژالے کہیں سے نکل کر آئے گی اور اس کا ہاتھ پکڑ کے لے جائے گی۔ عارفین اس کے گڑبڑانے پر ہنس دیا تھا۔

"خوب ہنس لو مگر یاد رکھنا ژالے تمہیں چھوڑنے والی نہیں ہے اس بار۔" ثمرن نے اپنے بیٹے یوشع کو کیری کاٹ سے نکالا جو رونے لگا تھا۔ بیٹی عانیہ آسیہ کے پاس تھی۔

"دیکھیں گے۔" عارفین نے بات ہوا میں اڑائی۔

"دیکھ لیجیے گا مگر میں ژالے کا ہی ساتھ دوں گی۔" مقسوم کھڑی ہو گئی تھی۔

"ابھی تم ہی بڑی بڑی تقریریں کر رہی تھیں کہ میں عارفین کی تیمارداری کر رہی ہوں ان کا خیال رکھ رہی ہوں وغیرہ وغیرہ اب فوراً پارٹی بدل لی یعنی شوہر کی نافرمانی۔" عارفین نے مقسوم کو مسکرا کے دیکھا مگر مقسوم نے کچھ نہیں کہا اور ایک تپتی ہوئی نظر سے دیکھتی ہوئی چلی گئی کیوں کہ وہ سمجھ گئی تھی عارفین اس وقت فل موڈ میں ہے۔

"عارفین! تمہاری خیریت نہیں ہے آج مقسوم بھی چھوڑ کے چلی گئی اور میں بھی جا رہی ہوں۔" ثمرن، یوشع کو لے کر نیچے آنے لگی تھی ژالے کے پاس۔

"یعنی میں اکیلا محاذ پر کھڑا ہوں۔"

"جی ہاں اور میں تو ویسے بھی ژالے کی بیسٹ فرینڈ ہوں۔"

"بیسٹ فرینڈ، بہت خوب تو ذرا اپنی دوستی نبھاؤ، جاؤ ژالے کے ساتھ شاپنگ پر۔" عارفین نے حرا کو رگیدا۔

"ہاں تو......"

"تو......" عارفین نے فوراً کہا حرا نے گھور کے دیکھا اسے۔

"صحیح کہتی ہے ژالے آپ ہیں ہی بدتمیز۔ اچھی بات ہے آپ کی کلاس لی جائے۔" حرا تیزی سے وہاں سے نکلی۔

"کہاں جا رہی ہو رکو ابھی بلاتا ہوں۔ ژالے کو کہتا ہوں کہ حرا جانے کو تیار ہے تمہارے ساتھ۔" حرا زور زور سے کوئی انگلش سونگ گاتی ہوئی باہر نکلی تھی، عارفین ہنس دیا تھا۔

"دیکھیں ذرا سب ژالے کے ساتھ ڈرتے ہیں شاپنگ پر جانے سے۔" اس نے رابعہ سے کہا۔

"اگر تم صحیح ہوتے نا تو زبردستی میں تم کو ژالے کے ساتھ بھیجتی۔"

"امی تسلی تو کر لیجیے سب ڈرتے ہیں اس سے۔ مراد اس میں، میں بھی شامل ہوں۔"

"مگر تمہارے لیے اس سے اچھی سزا ہو ہی نہیں سکتی۔" عارفین مسکرا دیا تھا۔

☆......☆

حسن آفریدی اوپر رابعہ کے پورشن میں آیا تھا۔ ان کے ہاتھ میں خاکی کلر کا ایک لفافہ تھا گھر میں سب لوگ شادی کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔ وہ بھی ابھی حنین آفریدی کے ساتھ شاپنگ مال سے آیا تھا۔ حنین آفریدی نے لاروش اغولان کے لیے بہت سی شاپنگ کی تھی۔ وہ تو گھر چلا گیا تھا۔ حسن آفریدی

یہاں آ گیا تھا۔ رابعہ مقسوم شاپنگ پر گئی ہوئی تھیں۔ وانیہ نے جانے سے منع کر دیا تھا۔ وہ اپنے روم میں بیڈ پر نیم دراز کوئی میگزین پڑھ رہی تھی۔ جبھی دروازے پر دھیرے سے دستک ہوئی تھی۔ وانیہ نے دروازے کی طرف دیکھا اور میگزین ٹیبل پر رکھ کے دروازے کی سمت بڑھی تھی۔ دروازہ کھولا وہاں حسن آفریدی کھڑا تھا۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام۔'' اس نے جھجکتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''وہ عارفین بھائی تو گھر پر نہیں ہیں۔''

''میں نے آپ سے کب کہا کہ مجھے عارفین سے ملنا ہے۔'' حسن آفریدی نے مسکراتے ہوئے اس کی جھجک سے حظ اٹھایا تھا۔ وہ خاموش رہی مگر اس کی آنکھوں اور چہرے پر سوالیہ نشان ضرور پڑھا جاسکتا تھا۔

''اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ کے لیے یہ لایا تھا۔'' حسن آفریدی نے ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا تھا جس میں وہ خاکی لفافہ تھا۔''

''یہ کیا...... ہے؟'' وانیہ نے وہ خاکی لفافہ دیکھا اور اندر سے گھبرانے بھی لگی تھی۔

''میں ابھی مال سے آ رہا ہوں مجھے یہ سوٹ بہت پسند آیا تو میں نے آپ کے لیے لے لیا۔ مجھے خوشی ہو گی اگر آج کی کمبائن مایوں میں آپ یہ سوٹ پہنیں گی تو۔'' وانیہ نے حسن آفریدی کی بلوریں آنکھوں میں دیکھا۔

''پلیز لے لیجیے اگر آپ نے میری خواہش کا احترام کیا تو میں سمجھ جاؤں گا کہ آپ کے دل میں میرے لیے کوئی سوفٹ کارنر ہے۔''

وانیہ شش و پنج میں پڑ گئی تھی اس کے پرسوچ چہرے کو حسن آفریدی نے بغور دیکھا تھا اور دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

''وانیہ!'' گھمبیر لہجے میں ہولے سے پکارا تھا۔

وانیہ نے نظر اٹھا کے دیکھا۔

''پلیز......!'' حسن آفریدی کے لہجے میں ایسی التجا تھی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی جانے کیوں وانیہ نے ہاتھ بڑھا دیا۔

''تھینکس۔ آج رات میں آپ کی ہاں کا انتظار کروں گا۔''

اور پھر وہ رکا نہیں وانیہ کے چہرے پر ایک اپنائیت بھری نظر ڈالتا ہوا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔ وانیہ نے جاتے ہوئے حسن آفریدی کو ایک نظر دیکھا پھر اس بند خاکی لفافے کو اور دروازہ بند کر کے بیڈ پر آ کر پھر سے بیٹھ گئی۔ کتنی ہی دیر تک اس نے اس بند خاکی لفافے کو دیکھا تھا۔ بالآخر بہت سوچنے کے بعد اس نے وہ خاکی لفافہ کھولا تھا جس میں سے نہایت ہی قیمتی خوب صورت سی بوتل گرین اور میرون امتزاج کی نیٹ کی اٹھارہ کلیوں والی فراک نکلی تھی۔ جس پر بہت ہی نازک مگر مہنگا کام کیا گیا تھا جو بول رہا تھا کہ یہ فراک بہت ہی مہنگی ہے اس کا دوپٹہ تو زیادہ خوب صورت تھا پورے دوپٹے پر چوڑی سی ایپلک کے ساتھ کڑھائی ہوئی تھی۔ وانیہ نے پورا دوپٹہ کھولا تھا۔ بے شک حسن آفریدی کی چوائس لاجواب تھی اس کی سوچوں کا محور حسن

آفریدی ہی تھا وہ دلکشی سے مسکرانے لگی تھی مگر یہ مسکراہٹ تادیر اس کے ہونٹوں پر نہیں رہ سکی تھی۔اس کے ذہن کی اسکرین پر ہی نہیں آنکھوں کی پتلیوں پر بھی ایک چہرہ پورے استحقاق و طمطراق کے ساتھ وارد ہوا تھا اور وہ چہرہ وہ عکس تھا آفریدی کا۔

''نہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔یہ غلط ہے مجھے سپنے دیکھنے کا کوئی حق نہیں ہے اور نہ ہی حسن کو دھوکے میں رکھ کر اس کے ساتھ زیادتی کرنی ہے۔یہ سراسر ناانصافی ہے اس کے ساتھ وہ میری پچھلی زندگی سے ناواقف ہے اور اگر اسے میری گزری پچھلی زندگی کے بارے میں پتا چل گیا تو وہ مجھ سے نفرت کرے گا نا صرف بلکہ اپنے بڑھتے قدموں کو بھی روک لے گا۔''

ان گلابی آنکھوں میں سے جانے کب دو موتی ٹوٹ کر حسن آفریدی کے دیے ہوئے سوٹ پر گرے اور اندر ہی جذب ہو گئے تھے۔وانیہ نے اس سوٹ پر ایک افسردہ بھری نظر ڈالی تھی اور پھر اسے واپس تہ کر کے اسی خاکی لفافے میں قرینے سے ڈال دیا تھا۔

☆......☆

لاروش اغولان، حنین آفریدی کا بیڈروم سمیٹ رہی تھی۔

''پتا نہیں کیوں اتنا پھیلا دیتے ہیں یہ سب، ایسا لگتا ہے جیسے پوری رات اپنے کمرے کی ہر شے سے فائٹنگ کرتے ہیں۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہی تھی۔حنین آفریدی نے پورے کمرے کو تہس نہس کیا ہوا تھا۔وہ وارڈروب میں کپڑے رکھنے لگی تھی کہ ایک شاپر اوپر کے خانے سے اس کے پیروں پر گرا تھا۔ لاروش اغولان نے وہ شاپر دیکھا۔پھر ہاتھ میں تہہ شدہ اس کے کپڑے خانے میں رکھ کے وہ شاپر اٹھانے کو جھکی شاپر کھولا اس میں سے ایک چھوٹی سی ٹاپ یلو کلر کی نکلی جس پر ریڈ کلر سے پریٹی لکھا ہوا تھا۔اس کے ساتھ ہی جینز کی بلیک ٹائٹس تھی۔لاروش اغولان نے نہایت عجیب نظروں سے وہ ٹاپ اور ٹائٹس دیکھا تھا۔اسی اثناء میں حنین آفریدی بھی بیڈروم میں آ گیا تھا۔حنین آفریدی نے اس کے ہاتھ میں وہ ٹاپ اور ٹائٹس دیکھا تو اسے یاد آیا کہ وہ یہ سمعیہ زیدی کو پارٹی میں دینے کے لیے لایا تھا مگر حالات ایسے ہو گئے کہ یہ رکھا کا رکھا ہی رہ گیا۔

''کیسا لگ رہا ہے تمہیں یہ؟'' حنین آفریدی نے مسکراتی آواز میں اسے چونکا دیا تھا۔

''یہ کس کا ہے اور آپ کی الماری میں کیا کر رہا ہے؟'' لاروش اغولان نے حق سے پوچھا تھا۔

''تمہیں لگ کیسا رہا ہے یہ بتاؤ۔''

لاروش اغولان نے کچھ نہیں کہا خاموشی سے وہ ٹاپ اور ٹائٹس تہہ کر کے واپس شاپر میں ڈالنے لگی تھی کہ حنین آفریدی آگے بڑھا تھا۔

''ارے یار! کیا ہوا اچھا نہیں لگ رہا کیا دیکھو تو ذرا۔'' حنین آفریدی نے اس کے ہاتھ سے شاپر لیا اور اس میں سے وہ یلو ٹاپ نکال کر اس پر لگایا۔

''دیکھو کتنی اچھی لگ رہی ہے اور آج کی پارٹی ویئر کے حساب سے یہ کلر بھی اچھا لگے گا۔''

''آپ کو لگتا ہے یہ اتنا واہیات سوٹ میں پہنوں گی؟'' لاروش اغولان نے وہ ٹاپ سمیت اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

''واہیات کی کیا بات ہے لڑکیاں پہنتی ہیں ایسے سوٹ۔''

(جاری ہے)

قمروش شہک

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 23

لاروش اغولان نے اس کی مسکراہٹ کے پیچھے چھپی اس کی شرارت نہیں دیکھی تھی۔
''آپ مجھے ان لڑکیوں کی کیٹیگری میں شامل مت کریں۔''

''یار! تم میری اتنی سی خواہش پوری نہیں کر سکتی ہو۔ آج سلجوق بھیو کی مایوں سرمنی ہے اور یہ ناپ اسی تقریب کے حساب سے یاد بھی ہے۔'' حنین آفریدی نے وہ ناپ پھر سے اس سے لگایا تھا۔

''حنین.....!'' وہ بری طرح گھور کے رہ گئی تھی۔

حنین آفریدی تا دیر اپنا قہقہہ روک نہیں سکا تھا اور جو ہنسا تو ہنستا ہی چلا گیا تھا۔ لاروش اغولان سمجھ گئی کہ وہ اس سے مذاق کر رہا تھا۔

لاروش اغولان نے بیڈ پر پڑا کشن اٹھایا اور خوب اس کے بازو پر سینے پر مارنے لگی تھی۔

''آپ بہت بدتمیز ہیں۔''

''یار سنو تو سہی۔'' وہ اپنے بچاؤ کے لیے ہاتھ چلا رہا تھا اور ساتھ خوب ہنسے بھی جا رہا تھا۔ بالآخر حنین آفریدی نے اس کا کشن پکڑ کے کھینچ کر دوسری سائیڈ پھینکا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی سمیت کھینچا تھا۔

لاروش اغولان جو کھنچتی چلی آئی اور اس کے سینے سے ٹکرائی۔
''تمہارا ہر روپ سروپ ہر روز نیا ہوتا ہے جو مجھے تمہارا دیوانہ بنا دیتا ہے۔'' حنین آفریدی نے اس کے بالوں میں اپنا چہرہ چھپایا تھا۔ لاروش اغولان سر تا پیر سرخ اناری ہوئی جارہی تھی۔ اس کی بے باک باتیں اور شرارتیں روز بروز بڑھتی ہی چلی جارہی تھیں۔ لاروش اغولان نے لرزتی پلکیں بمشکل اوپر اٹھائیں۔
''سمعیہ زیدی ایسے ہی تمہارے حسن سے خائف نہیں تھی۔'' حنین آفریدی نے ہولے سے اس کے دہکتے رخسار پر اپنی ہتھیلی کی پشت پھیری تھی۔
''آپ سے ایک بات کہوں؟''
''ہاں کہو۔''
''ہماری زندگی میں آج کے بعد سمعیہ زیدی کا ذکر کبھی نہیں آئے گا۔''
''ارے...... بس اتنی سی بات۔'' حنین آفریدی نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔
''جی۔''
''اوکے ڈن، مگر کسی اور لڑکی کا تو ذکر ہوسکتا ہے نا۔'' وہ شرارت سے اسے چھیڑنے لگا تھا۔ لاروش اغولان نے اس کی بات سن کر اسے گھورا۔
''پھر تو میں آپ کو جان سے مار دوں گی۔''
''وہ تو تم پہلے ہی مار چکی ہو۔ وہ بھی قطرہ قطرہ کرکے اور یہ دیوانہ تمہارے عشق میں قطرہ قطرہ بن کر ہی ڈوبا ہے۔ اس لیے اس دیوانے سے بچ کر رہنا، اس کے والہانہ پیار سے اور اس کی مضبوط گرفت سے اب رہائی ناممکن ہے۔'' حنین آفریدی نے اس کی نازک کمر کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار سخت کیے اس کے چہرے پر جابجا اپنی محبت کی داستان رقم کردی تھی۔
''لاروش......!'' دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ زوباریہ لاروش اغولان کو پکار رہی تھی۔
''حنین چھوڑیں۔'' وہ سٹپٹا کے رہ گئی تھی۔
''اس شرط پر کہ رات تم ملنے آؤ گی دوبارہ۔''
''نہیں بالکل نہیں۔'' وہ بدک کے رہ گئی اور اس کے بازو اپنی کمر سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔
''تو پھر میں بھی نہیں چھوڑ رہا۔'' حنین آفریدی نے مزید اسے خود سے قریب تر کرلیا۔
''لاروش۔'' زوباریہ نے پھر اسے پکارا تھا۔
''حنین! پلیز چھوڑیں نا۔''
''نہیں پہلے وعدہ کرو۔''
''او......اوکے......'' لاروش اغولان نے اس کے سینے پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے۔
''پرامس؟''
''اچھا بابا پرامس آجاؤں گی۔'' اسے مانتے ہی بنی۔
''ٹھیک ہے پھر باقی باتیں اور پیار رات کو۔'' حنین آفریدی نے اس کو چھوڑا۔ وہ تیزی سے دروازے

کی طرف بڑھی ۔دروازہ کھولا زوباریہ کھڑی تھیں ۔

''لاروش بیٹا صفائی کرلی؟''

''جی ماما صفائی بھی ہوگئی ان کے کمرے کی اور کپڑے بھی نکال دیے۔''

''چلو ٹھیک ہے جلدی سے میرے ساتھ آؤ میں نے تمہارے لیے لیو اینڈ بیرٹ گرین نیٹ کا شرارہ نکالا ہے۔تم آج سلجوق کی مایوں مہندی میں وہی پہنو گی۔''

زوباریہ،لاروش اغولان کا ہاتھ پکڑ کے نیچے اپنے بیڈروم میں لے گئی تھیں۔

مایوں کی تقریب شروع ہوگئی تھی ۔حرا نے جارجٹ کی یلو اینڈ گرین خوب گھیر دار فراک پہنی تھی جس پر فیروزی اور گولڈ ریڈ دھاگوں اور دبکے سے نفیس سا کام ہوا تھا۔سندھی کرسی پر گھونگھٹ ڈالے وہ شہزادی لگ رہی تھی ۔جہاں حرا کے سادے حسن کو سراہا گیا تھا۔وہیں ریاست کے شہزادے سلجوق آفریدی کی وجاہت کی بھی خوب دھوم مچی ہوئی تھی۔ سفید براق کاٹن کے سوٹ پر وائٹ پگڑی باندھے وہ آج پورا سندھی وڈیرہ لگ رہا تھا۔پشاوری چپل پہنے وہ ہر کسی کا مرکز نگاہ بنا ہوا تھا۔ دائیں بائیں اس کے زرمیل اور عارفین بیٹھے تھے ۔اب باری تھی رسم کرنے کی۔ پہلے دلہن کی رسم شروع کردی گئی تھی۔سب سے پہلے حرا کی رسم اس کے گھر والوں کو کرنی تھی ۔یہ رسم سات سہاگنیں ہی کرتی ہیں۔حرا کو ابٹن،مہندی لگا کر اسے مٹھائی کھلاتے رہے پھر پیسے وار کے جھولی میں ڈال کر بہت سی دعائیں دی جاتی رہیں۔

حرا کی رسم کرنے سب سے پہلے ژالے آئی تھی ۔رسم کرنے کے بعد اس کے کان میں منہ گھسیڑے میٹھی میٹھی سرگوشی کرنے لگی تھی۔گھونگھٹ میں چھپا حرا کا سر مزید شرم سے جھک گیا تھا۔پھر ثمرن آئی اس نے بھی رسم ادا کی اور اس نے بھی حرا کو خوب چھیڑا تھا۔وہ سرخ گلنار ہوئی جا رہی تھی۔

مقسوم کی باری تھی ژالے نے پکارا مگر وہ یہاں ہوتی تو آتی نا،بس وہی رہ گئی تھی۔ سلجوق آفریدی کی بھی رسم کرنی تھی۔

''عارفین بھائی!مقسوم بھابی کو دیکھا ہے؟'' ژالے نے پریشانی سے اِدھر اُدھر دیکھ کر عارفین کو دیکھا جو سلجوق آفریدی سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔

''نہیں۔'' عارفین کھڑا ہوگیا۔سلجوق آفریدی اور زرمیل سے باتوں کے چکر میں دھیان مقسوم کی طرف گیا ہی نہیں کہ وہ اس محفل سے کافی دیر سے غائب ہے۔آخری بار اسے حرا کو باہر لاتے دیکھا تھا۔ژالے کی گود میں رضا زرمیل کو دیکھ کر اس کی طرف آنے کو ہمکنے لگا تھا۔جسے زرمیل نے لے لیا تھا۔

''تم لوگ رسم کرو میں مقسوم کو دیکھتا ہوں۔'' اس نے ژالے کو کہا اور اندر جانے والے راستے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

عارفین اوپر اپنے پورشن کی طرف بڑھا تھا۔اپنے بیڈروم میں گیا ڈریسنگ روم سے مقسوم نکلی تھی۔ کچھ دیر پہلے جو اس نے نہایت مہارت سے میک اپ کیا ہوا تھا وہ اب مفقود تھا۔وہ یقیناً کافی دیر سے روتی رہی تھی۔ آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں۔کھڑی ستواں ناک رونے کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھی۔عارفین کو سامنے کھڑا دیکھا تو نظریں شرمندگی سے جھک گئی تھیں۔عارفین کو اس کے رونے کی وجہ قطعی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

خوشی کا موقع تھا مقسوم کا رونا کیا معنی رکھتا تھا۔
''مقسوم! کیا بات ہے تم روئی کیوں ہو؟ سب تمہیں نیچے ڈھونڈ رہے ہیں۔ حرا کی رسم ہو رہی ہے تم یہاں ہو سب خیریت تو ہے ناں۔'' عارفین نے اسے دونوں شانوں سے تھام لیا تھا اور اس کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کے اوپر کیا تھا۔
''بتاؤ مجھے کیا بات ہے۔'' عارفین کا دل بہت دکھا تھا۔ مقسوم کے رونے پر۔
''وہ سات سہاگنیں کرتی ہیں رسم اور میں حرا کی رسم کر کے اس کی خوشیوں پر اپنا سایہ نہیں ڈالنا چاہتی۔'' جہاں عارفین نے اسے چونک کر دیکھا تھا۔ وہیں اندر داخل ہوتی ثمرن اور ژالے کے قدم بھی ٹھٹکے تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ثمرن نے ژالے کو چپ رہنے کا اشارہ کر کے دونوں سائیڈ میں ہو گئیں۔
''میں سمجھا نہیں کیا مطلب؟'' عارفین نے الجھتی نظروں سے مقسوم کو دیکھا تھا۔
''آپ چھوڑیں ان باتوں کو آپ کی سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا۔'' وہ جھنجلاتی ہوئی بولی۔
''یار! تم سمجھاؤ گی تو سمجھ میں آئے گا ناں۔'' اس نے نرم و ملائم نظروں سے دیکھا تھا۔
''عارفین! چھوڑ دیں نا۔'' اب بھلا وہ اپنے منہ سے کیسے بتاتی بھلے ہی وہ لندن جیسے آزاد ملک کی پروردہ رہی ہو مگر اندر سے وہی مشرقی لڑکی تھی۔
''عارفین بھائی! ویسے تو خود کو بہت سمجھ دار سمجھتے ہیں مگر اندر سے بالکل ناسمجھ ہیں اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آئی مگر آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں ہم سب سمجھ گئے ہیں۔'' ژالے سے مزید باہر رکنا برداشت نہیں ہوا وہ ثمرن کا ہاتھ پکڑے اندر کمرے میں آ گئی تھی۔ عارفین اور مقسوم نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ مقسوم پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا ہو جو بات وہ خود سے چھپا رہی تھی۔ آج وہ عیاں ہو گئی۔ وہ بھی ژالے کے سامنے اس نے حیا سے نگاہیں جھکا لیں۔
''اچھا تو ژالے بی بی! اگر آپ اتنی ہی سمجھ دار ہیں تو مجھے بھی سمجھا دیں۔ مجھ جیسا بزنس ٹائیکون بلیک بیلٹ باڈی بلڈر ان باتوں سے نابلد ہے۔'' عارفین نے نہایت اطمینان سے اپنے سینے پر دونوں بازو باندھے تھے۔
''یہی تو افسوس کی بات ہے دیور جی، چہ چہ چہ۔'' ثمرن نے بھی ذو معنی انداز میں اسے چھیڑا تھا۔
''یار! آپ لوگ اپنی یہ ذو معنی باتیں ایک طرف رکھ کے مجھے سیدھے سیدھے سمجھا سکتی ہیں نیچے سلجوق کی رسم بھی کرنی ہے اور تم لوگ اور دیر کر رہی ہو۔'' عارفین الجھا تھا۔
''عارفین بھائی! حد ہوتی ہے مجھے آپ سے ایسی امید نہیں تھی ہر معاملے میں پرفیکٹ ہیں مگر ازاے ہسبینڈ بالکل زیرو، جبھی تو آج مقسوم بھابی ہم میں شامل نہیں ہوئی ہیں کہ حرا کی رسم کرتیں۔''
ژالے تو ویسے بھی منہ پھٹ تھی کہاں تک برداشت کرتی۔ ثمرن نے ژالے کو تنبیہہ نظروں سے دیکھا جب کہ مقسوم نے اس کے ہاتھ پر چٹکی بھری تھی۔ ژالے ''سی'' کر کے رہ گئی۔ اپنا ہاتھ سہلانے لگی تھی۔
''یہ اچھا ہے ایک تو آپ کی فیور کر رہی ہوں آپ مجھے ہی نوچ کھسوٹ رہی ہیں۔''
''ژالے کی بچی چپ نہیں ہو گی۔'' مقسوم گھورنے لگی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے دھمکی دینے لگی تھی۔
عارفین کی سمجھ میں اب سب آ گیا تھا۔
''آئی سی تو یہ بات ہے۔'' عارفین نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں لے کر مسکراتی آنکھوں سے بغور شرماتی گھبراتی مقسوم کو دیکھا تھا۔
''اب اتنا ٹائم تو نہیں ہے کہ ابھی حرا کی رسم کرنے کے لیے تم میں شامل ہو مگر ابھی برات اور ولیمہ کی تقریب

باقی ہے۔ اینڈ آئی ایم شیور کہ اب کسی سہاگن کی رسم میں یہ تم لوگوں سے پیچھے نہیں رہے گی۔'' عارفین نے دلکشی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ مقسوم تو مزید بری طرح شرما کے رہ گئی جب کہ ثمرن اور ژالے عارفین کی بے باک گفتگو پر جھینپ کر رہ گئیں مگر ژالے بھی اپنے نام کی ایک ہی ڈھیٹ تھی۔

''عارفین بھائی! اب بہتری اسی میں ہے کہ آپ یہاں سے نکل جائیں۔ ہم مقسوم بھابی کو تیار کر کے لا رہے ہیں نیچے۔'' ژالے نے مقسوم کو خود سے بتایا۔

''ارے واہ یہ کیا بات ہوئی یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔'' عارفین چھیڑنے لگا تھا اور والہانہ نظروں سے مقسوم کو دیکھنے لگا۔

''عارفین! اب بہت مذاق ہو گیا جاؤ یہاں سے ورنہ پٹ جاؤ گے۔'' ثمرن نے مصنوعی سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا تھا۔ اپنی چھیڑ چھاڑ میں یہ لوگ صرف وقت ضائع کر رہے تھے ابھی نیچے بھی جانا ہے۔ کتنے کام باقی تھے۔

''اوہ، ہو...... اب تو جانا ہی پڑے گا۔'' عارفین نے ڈرنے کی بھرپور ایکٹنگ کی تھی۔ ثمرن کی گھوری پر وہ سر کھجاتا ہوا جانے لگا مگر کچھ یاد آنے پر وہ پلٹا اور وارڈروب کی سمت بڑھا۔ وہاں سے ایک ڈبہ نکالا اور لا کر ثمرن کو تھما دیا تھا۔

''مجھے نہیں لگتا کہ مجھے آپ کو کچھ بتانا پڑے گا۔'' اس نے نہایت چاہ سے مقسوم کو دیکھا اور پھر وہاں رکا نہیں بیڈ روم سے نکلتا چلا گیا تھا۔

ثمرن نے ڈبہ کھولا اس میں سے ریڈ اینڈ پنک امتزاج کی کلیوں والی فراک نکلی جس پر گولڈن اینڈ سلور نگوں اور دبکے کا کام ہوا تھا۔ ثمرن نے ستائشی نظروں سے جارجٹ فراک دیکھی اور آگے بڑھ کر مقسوم کی پیشانی پر بوسہ لیا تھا۔

''یو آر ویری لکی۔''

''اگر عارفین بھائی دیکھ لیں تو یہی کہہ دیں کہ ثمرن بھابی یہ حق میرا ہے۔'' ژالے نے چھیڑا تھا۔

''تم تو بہت ہی بے شرم ہو۔'' مقسوم کو موقع ملا اور اس نے ایک چپت اس کے بازو پر لگائی۔

''ویسے ایک بات تو ماننی پڑے گی کہ حرا ہم سے زیادہ سمجھ دار عقل مند نکلی۔ کتنا کہتی رہی کہ عارفین بھائی اور مقسوم بھائی کے بیچ کچھ ٹھیک نہیں ہے مگر ہم ہی اس کو ڈانٹ کر چپ کرا دیتے کہ یہ سب اس کی غلط فہمی ہے۔'' ژالے کو حرا کی باتیں یاد آ گئیں۔ کتنی ہی دفعہ وہ بول چکی تھی عارفین اور مقسوم کے بارے میں۔

''مقسوم! ہم سے تو کچھ شیئر کرتیں اگر اتفاق سے ہم تم کو ڈھونڈتے ہوئے اوپر نہیں آتے تو آج بھی ہمیں کچھ پتا نہیں چلتا۔'' ثمرن نے شکایتی نظروں سے مقسوم کو دیکھا تھا۔

''میں کیا کہتی میں تو خود اتنی شرمندہ ہوں۔''

''شرمندہ!'' ثمرن اور ژالے نے نہایت چونک کر مقسوم کو دیکھا تھا۔

''وہ کس لیے؟'' مقسوم نے دونوں کو دیکھا اب اتنا تو پتا چل ہی گیا اب مزید کیا چھپانا۔ مقسوم نے اپنی شادی سے لے کر اب تک کی ساری بات ان دونوں کو بتا دی تھی۔ اس نے کتنا عارفین کو ستایا خود کتنا درد سہا۔ عارفین سے پسند سے لے کر محبت کرنا، عارفین کا اس سے عشق کرنا اس کی طرف قدم بڑھانا تو مقسوم کا جھڑکنا پھر سوی کا واپس آنا ان دونوں کی غلط فہمیوں کو دور کرنا، سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا۔ مقسوم ساری دوریوں کو مٹا کر نزدیکیوں میں بدلنا چاہتی تھی کہ ان کی زندگی میں یاور اور اسفند درانی کا زہر گھولنا، ان میں پھر سے غلط فہمیاں

جنم لینے لگی تھیں۔ یہ سب دن و رات اس نے کیسے گزارے وہ جانتی تھی یا اس کا خدا مگر اب سب کچھ صحیح ہو گیا تھا۔ ہواؤں کا خوشگوار رخ ان کی زندگی کو خوشیاں دے رہا تھا۔ ان کی زندگی پرسکون مطمئن ہو گئی تھی۔ سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا مگر سب کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ ادھوری تھی۔ نامکمل تھی جس کا احساس آج اسے حرا کی رسم کے وقت ہوا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ!'' ثمرن اور ثرالے پر تو حیرتوں کے جتنے پہاڑ ٹوٹتے کم تھا۔

''مقسوم! ہم سے ذکر تو کیا ہوتا کچھ تو شیئر کرتیں چندا، اکیلے ہی اتنے پہاڑ جیسے بھاری دن و رات گزار دیئے۔ اکیلے ہی خود بھی گھٹتی کڑھتی رہیں اور عارفین بھی پریشان رہا ہے۔'' ثمرن نے دکھ بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''مقسوم بھابی! آپ کے اور عارفین بھائی کے صبر کی داد دینی چاہیے۔'' ثرالے نے فخریہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''مگر اب سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے۔ دکھوں کے غموں کے اور پریشانیوں کے بادل چھٹ گئے ہیں۔ نئی صبح کی کرن تمہیں خوش آمدید کہنے کو بے چین ہے بہاروں کی خوشگوار مہک آگے بڑھ رہی ہے۔ ان خوشبو بھرے جھونکوں کو اپنے اوپر لپیٹ لو اور زندگی کو آگے بڑھاؤ۔'' ثمرن نے اس کے گال پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

''اور جلد از جلد دو سے تین اور پھر تین سے چار ہو جاؤ۔'' ثرالے نے پرمزاح انداز میں ٹکڑا جوڑا تھا۔ مقسوم اس کی بات کا مطلب سمجھ کر جھینپ کر رہ گئی جب کہ ثمرن ہولے سے مسکرا دی۔

''عارفین کے لیے تم جیسی نازک سی اور پیاری سی ہی لڑکی سوٹ کرتی ہے۔ اب بہت ایک دوسرے کو ستا لیا اور تڑپا لیا۔ اب ان فاصلوں کو پاٹو اور اگر تم پہل کرو گی تو عارفین کے دل میں تمہارے لیے پیار اور بڑھے گا۔'' ثمرن نے اسے سمجھایا تھا۔

''مقسوم!'' رابعہ آوازیں دیتی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔

''دیکھو ذرا تینوں کی تینوں ادھر محفل جما کے کھڑی ہیں اور نیچے سب تم تینوں کو بلا رہے ہیں۔''

''بس پھپھو! ہم مقسوم کو تیار کر کے لا رہے تھے۔'' ثمرن نے مقسوم کو مسکرا کے دیکھا۔

''میری جان بہت دیر ہو رہی ہے سلجوق کی رسم شروع کر دی گئی ہے۔'' رابعہ نے الجھن بھری نظروں سے دیکھا۔

''بس پھپھو! آپ نیچے چلیں ہم دس منٹ میں آ رہے ہیں۔'' ثرالے نے عارفین کی دی ہوئی فراک اٹھائی اور مقسوم کے ہاتھ میں تھما دی۔

''آل رائٹ صرف دس منٹ اور ثمرن یوشع اب رونے والا ہو گیا ہے اسے بھوک لگنی شروع ہو گئی ہے تم جلدی سے آؤ۔'' رابعہ اپنی ساڑی کا پلو سنبھالتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھیں مگر جاتے جاتے پھر پلٹی تھیں۔

''آج میری بہو کو بہت اچھا سا تیار کرنا۔ آج سارے خاندان والے، رشتے دار، دوست احباب جمع ہیں۔ آج میں مقسوم کو سب سے ملواؤں گی۔'' رابعہ نے مقسوم کو محبت سے دیکھا اور پھر ثمرن، ثرالے کو باری باری دیکھتے ہوئے باہر نکلتی چلی گئی تھیں۔

''واقعی آج تو مقسوم کو اچھا سا تیار کرنا ہے کہ عارفین کے بھی ہوش اڑ جائیں۔ کیوں کہ آج ان دونوں کی اسپیشل نائٹ ہے۔ ہے نا مقسوم بھابی۔'' ثرالے نے شوخی سے اسے دیکھا۔ مقسوم پر تو جیسے شادی مرگ کی سی کیفیت ہو گئی تھی۔ اس کے گالوں پر پڑے ڈمپل مزید گہرے ہو گئے تھے۔

''کل سات سہاگنیں سہرابندھائی کریں گی حرا کی، جس میں تمہیں ہر صورت شامل ہونا ہے۔'' ثمرن نے اس کے کان میں آہستہ سے سرگوشی کی جس پر وہ گلنار سی ہو گئی۔ عارفین کی شبیہہ آنکھوں کے پردے پہ جھلملانے لگی تھی۔ تو ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ کھل اٹھی تھی۔

ژالے نے جلدی جلدی کسی ماہر بیوٹیشن کی طرح اس کا خوب صورت سا میک اپ کرنا شروع کر دیا تھا۔

☆......☆

کافی دیر ہو گئی تھی۔ ابھی تک وہ دشمنِ جان نظر ہی نہیں آئی تھی اس کے دل کو بے چینی و بے قراری سی بھی ہونے لگی تھی۔ جانے وہ اس کا دیا ہوا سوٹ زیب تن کرتی ہے یا نہیں۔ دل خوش فہمی کی پرواز اڑنے لگا تھا۔ دل بار بار کہہ رہا تھا کہ وانیہ ضرور وہ سوٹ پہنے گی جو حسن آفریدی نے دیا ہے مگر کچھ ہی پل لگے تھے۔ دل کو خوش فہمیوں کے بادل میں اڑتے ہوئے۔

سامنے سے آتی وانیہ نے بلیک جارجٹ کی ساڑھی باندھی ہوئی تھی۔ جس کی آستین پر بلیک بارڈر بنا ہوا تھا۔ بالوں کو اس نے پورا کھلا چھوڑ دیا تھا۔ چہرہ بالکل سادہ تھا۔ سوائے پنک لپ اسٹک کے اس نے کوئی میک اپ نہیں کیا ہوا تھا۔ حسن آفریدی بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''ایک بات کہوں؟'' حنین آفریدی کی آواز پر اس کی نگاہوں کا تسلسل ٹوٹا تھا۔ اس نے رخ موڑ کے حنین آفریدی کو دیکھا۔

''کہو۔''

''آپ کو نہیں لگتا وانیہ بھابی! میں شہلا پھپھو کی جھلک آتی ہے۔''

''ہاں۔''

''خاص کر ان کی صراحی دار گردن۔'' حنین آفریدی کی نظریں بھی وانیہ پر ٹکی ہوئی تھیں۔ حسن آفریدی نے حنین آفریدی کی طرف سے نظریں ہٹا کر پھر سے وانیہ کو دیکھا جس کے چہرے پر اداسی پژمردگی تھی، نین کٹوروں میں ایک دکھ سمندر کی تیز لہروں کی طرح ہلکورے لے رہا تھا جو اس نے بہت ضبط سے چھپایا ہوا تھا۔

''ہنی بھیو......''

''ہوں۔''

''ریحان شیخ کی غلطی کی سزا وانیہ بھابی کو دینا عقل مندی تو نہیں ہے۔'' حنین آفریدی نے بھی اس کا چھپا دکھ و غم دیکھ لیا تھا۔

حسن آفریدی نے ایک گہری سانس ہوا کے سپرد کی اور نظروں کے ارتکاز کو توڑتے ہوئے اپنے ساتھ کھڑے حنین آفریدی کو دیکھا۔

''سزا تو وانیہ نے بہت بھگتا لی ہے مگر کچھ وقت اور میں خود اسے سب سچ بتا کے اسے منالوں گا۔''

''آپ کہیں تو منانے کی اچھی اچھی ٹپس میں دے سکتا ہوں آپ کو۔'' وہ مسکرا کے چھیڑنے لگا۔

''یقیناً تم ماہر ہو۔ لڑکیوں کو منانے میں۔ بائے دا وے کوئی نئی گرل فرینڈ۔''

''نہیں یار! میں اب نا ہی لاروش کو کھونا چاہتا ہوں نہ ہی ناراض کروں گا۔''

''اوہ ہو...... تو بچہ سدھر گیا ہے۔'' حسن آفریدی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''جی لاروش نے مجھے بالکل بدل دیا ہے۔'' اس کی نظر سامنے پڑی جہاں لاروش اغولان یلو سوٹ میں حرا

کے ساتھ بیٹھی اس کے کان میں کچھ کہہ رہی تھی۔

''زوباریہ۔'' بی جان نے اپنے ساتھ بیٹھی زوباریہ کو پکارا جو پھولوں کا بکے ٹھیک کر رہی تھیں۔

''جی بی جان کہیے۔''

''یہ ہنی کے ساتھ یہ لڑکا کون کھڑا ہے۔ اسے پہلے تو کبھی نہیں دیکھا۔'' بی جان کی نظروں کے تعاقب میں زوباریہ نے بھی دیکھا تھا۔

''پتا نہیں بی جان! میں نے بھی آج پہلی بار دیکھا ہے مگر ہنی کی بے تکلفی سے تو لگ رہا ہے کہ وہ ہنی کے بہت کلوز فرینڈ ہیں۔''

''پتا نہیں کیوں اس لڑکے کی طرف دل کھینچ رہا ہے۔'' بی جان کے دل کی بات ہونٹوں پر آ گئی تھی۔

ذہن کی اسکرین پر چھپ سے ایک عکس ابھرا تھا۔ انہوں نے حسن آفریدی کی طرف سے نظریں ہی نہیں ہٹائی تھیں، بس دل چاہ رہا تھا دیکھتے ہی جاؤ مگر آنکھوں کی پیاس نہیں بجھ رہی تھی۔

''ہنی بھیا! میں ابھی آتا ہوں۔'' حنین آفریدی، لا روش اغولان کی طرف بڑھا تھا۔ حسن آفریدی کا دل چاہا وہ وانیہ کے پاس جائے اس سے بات کرے مگر اس سے پہلے وہ اس کے پاس پہنچتا کہ اس سے پہلے عارفین اس کے پاس آیا تھا۔ وہ وہیں رک گیا تھا۔

''وانی بیٹا۔''

''جی عارفین بھائی۔''

''میں نے تمہیں ہنڈی کیم کیمرہ دیا تھا کہاں رکھا ہے۔''

''وہ تو میں نے رابعہ مامی کے بیڈروم میں ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں سنبھال کے رکھ دیا تھا۔''

''اوکے۔'' وہ مسکراتا ہوا جانے لگا۔

''میں لے کر آ جاؤں۔''

''ہاں پلیز جلدی سے تم لا دو میرا ایک فرینڈ آنے والا ہے، مجھے اسے ریسیو بھی کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے میں ابھی لے کر آتی ہوں۔''

وہ کہہ کر جلدی سے اندر کی سمت بڑھی تھی۔ گھر کے سارے افراد باہر لان میں تھے۔ بس ایک دو ملازم تھے جو بے حد مصروف تھے۔ اوپر کے دونوں پورشن میں سناٹا ہو رہا تھا۔ وانیہ بغیر اِدھر اُدھر دیکھے اوپر کی جانب بڑھی تھی۔ اوپر چونکہ بہت سناٹا بھی تھا اور روشنی بھی کم تھی۔ وہ بھی باہر لان میں جو رنگ برنگے قمقمے لگائے تھے ان کی روشنی اندر تک آ رہی تھی۔ وہ جیسے ہی رابعہ کے بیڈروم کی طرف بڑھی تھی کہ کسی نے سائیڈ سے نہایت جارحانہ طریقے سے اس کی کلائی پکڑی اور بے دردی سے گھسیٹتا ہوا اسے اسی کے بیڈروم میں لایا تھا اور اسے اندر دھکا دے کر پلٹ کر دروازہ لاکڈ کیا۔ پھر واپس پلٹ کر وانیہ کے لڑکھڑاتے وجود کو تھاما تھا مگر ان قمقموں کی رنگ برنگی مدھم روشنی میں اس نے ایک لمبا چوڑا وجود اپنی سمت آتے دیکھا تو اس کے ذہن نے کام کیا اور بری طرح اس کا ہاتھ جھٹک کے بھاگنے لگی مگر حسن آفریدی کے ہاتھ اس کا ساڑھی کا پلو رہ گیا تھا۔ حسن آفریدی نے وہ پلو اتنی زور سے کھینچا کہ ساڑھی پوری کھلتی چلی گئی تھی۔ حسن آفریدی نے ساڑھی پیچھے کی جانب اچھال دی اور وانیہ کے کپکپاتے نازک وجود کو اپنے اندر سمو لیا تھا۔ اس کے گرد اپنے آہنی بازو کی گرفت سخت کر دی تھی۔

''بہت شوق ہے اس بے ہودہ لباس کو پہن کر اپنے جسم کی نمائش کرنے کا۔'' وہ ہلکے سے غرایا تھا۔ اس کی

غراہٹ کی چنگاری نے وانیہ کو جیسے بھسم ہی تو کر دیا تھا۔
''آفریدی۔'' وانیہ کے لب دھیرے سے ہلے تھے۔ اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ وہ کیسے بھول سکتی تھی کہ یہ جارحانہ سلوک اس کے ساتھ آفریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔
''چھوڑو مجھے۔''
وہ پوری جان لگا رہی تھی خود کو چھڑانے کی اسے خود کی بے بسی پر بے انتہا رونا آرہا تھا۔ آفریدی سے سے ہر امید کی بعید تھی وہ بھیانک رات آج بھی اسے یاد تھی۔ آج بھی وہ ہر رات ڈر ڈر کے اٹھتی تھی۔ خوف سے کانپنے لگتی تھی۔ ابھی بھی جو حرکت آفریدی نے کی دل نے شدت سے دعا کی کہ زمین پھٹے یا آسمان پھٹے اور وہ زندہ ہی ان میں سما جائے۔
''خدا کے لیے چھوڑ دو مجھے۔'' آنسو متواتر بہہ رہے تھے۔
''یہ کام تو جب میں نے پہلے نہیں کیا تو اب کیسے کر دوں میری جان۔'' حسن آفریدی نے مزید اپنے آہنی بازو کی گرفت سخت کی کہ محسوس ہوا جیسے اس کا گال آفریدی کے ہونٹوں سے چھو ہوا ہے اس کے پورے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی آنسوؤں میں مزید روانی ہو گئی تھی۔
''اوں..... ہوں...... مجھے تمہارے ان آنسوؤں نے کبھی بھی کمزور نہیں کیا ہے۔'' وہ جھکا اور اس کے آنکھوں سے گرتے موتیوں کو اپنے گداز عنابی ہونٹوں میں جذب کر لیا تھا۔
''ساڑھی باندھنے کا اگر بہت شوق ہے تو اپنا یہ شوق بیڈروم میں میرے سامنے ضرور پورا کر سکتی ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا مگر یہ واہیات لباس باہر پہن کر نکلنے کی میں قطعی اجازت نہیں دوں گا۔'' دانیہ بری طرح ڈر گئی۔ سینے کی پسلیوں کے پیچھے ننھا سا دل زور و شور سے دھڑ کنے لگا تھا۔ جیسے پسلیوں کی مضبوط دیوار توڑ کے ابھی باہر آجائے گا۔
''نن...... نہیں...... آفر...... آفریدی...... پلیز میں...... میں قسم کھاتی...... ہوں آج کے بعد یہ لباس نہیں...... پہنوں گی۔ پلیز ایسا مت کرو۔'' وہ ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔ آفریدی کا سلوک وہ اب برداشت نہیں کرے گی شاید مر جائے گی وہ۔
''پلیز مجھے بخش دو۔ چھوڑ دو مجھے۔'' بے پناہ روتے ہوئے وہ عاجزی سے گڑگڑا رہی تھی۔ اپنی عزت و آبرو کی بھیک مانگ رہی تھی۔
''اب تو بہت مشکل ہے وانی جان! تمہارے اس ادا س سے روپ نے میرا سب کچھ لوٹ لیا ہے۔ اس رات کے بعد میں بہت پچھتایا تھا کہ تمہیں واپس کیوں جانے دیا۔'' بہکا بہکا لب ولہجہ وانیہ کی روح نکال رہا تھا۔ جسم سے اس کی انگلیوں کی سرسراہٹ اسے اپنے وجود سے ہوتی ہوئی اپنی صراحی دار گردن پر محسوس ہوئی تھی۔
''آپ کو اللہ رسول کا واسطہ ہے آفریدی! مت کریں میرے ساتھ زیادتی آج بھی میرے زخموں سے لہو رستا ہے۔ میں مزید اذیت تکلیف برداشت نہیں کر پاؤں گی۔'' وانیہ نے خوف زدہ ہو کر اس کی شرٹ اپنے دونوں ہاتھ کی مٹھی میں اس طرح سختی سے بھینچ لی وہ گڑگڑا رہی تھی۔
''مجھے اللہ اور رسول نے ہی تو اجازت دی ہے تمہارے ساتھ کچھ بھی کرنے کو، تمہارے زخموں پر مرہم ہی تو لگانا چاہتا ہوں۔ جسے تم زیادتی کا نام دے رہی ہو۔'' وہ جھکا اور اس کی صاف شفاف سی صراحی دار گردن پر اپنے جنون کی ایک تحریر رقم کرتا چلا گیا تھا۔ اس کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے پر والہانہ پیار کی داستان لکھتا

چلا گیا۔ وہ یہ بھی نہیں سوچ رہا تھا کہ مقابل کی جان حلق تک آ گئی ہے یا اس کا دل دھڑکنا بند ہو جائے گا۔ سانسیں چلنا تھم جائیں گی۔ وہ اپنے بچاؤ کے لیے کوئی مزاحمت نہیں کر پا رہی تھی۔ اس کی مٹھی میں بھینچی اس کی شرٹ کی سختی حسن آفریدی نے اپنے اندر تک محسوس کی تھی۔ حسن آفریدی مزید جھکا اور اس کے کپکپاتے لرزتے نازک وجود کو اپنے آہنی مضبوط بازوؤں میں بھر لیا تھا اور چلتا ہوا اس کے بیڈ تک آیا اور نہایت آرام اور احتیاط سے اسے بیڈ پر بٹھا دیا اور خود بھی اس کے بالکل نزدیک ہی بیٹھ گیا۔

''میں تو سمجھا تھا تم اس جدائی کے دوران بہت بہادر ہو گئی ہو گی مگر تم تو آج بھی ویسی کی ویسی ہو، بس ذرا پہلے سے زیادہ حسین اور خوب صورت ہو گئی ہو۔ تمہاری اس خوب صورتی میں نکھار تمہارے ڈر و خوف نے دوبالا کر دیا ہے۔ تمہارا حسن مزید دوآتشہ ہو گیا ہے۔ پھر تم خود ہی بتاؤ میں کیسے تمہاری طرف اپنے بڑھتے قدموں کو روک سکتا ہوں۔'' حسن آفریدی مزید آگے بڑھا اور اس کے چہرے پر جھک کر اپنی دیوانگی کا ثبوت اس کے کپکپاتے ہونٹوں پر دیا تھا۔ کتنے ہی پل تک وہ اس اذیت میں رہی، آنکھوں کے سمندر میں اور زیادہ روانی ہو گئی تھی۔ حسن آفریدی نے اسے چھوڑ دیا اور پھر کھڑا ہو گیا تھا۔

''اوکے گڈ نائٹ مگر اب جو میری تم سے ملاقات ہو گی وہ میرے بیڈ روم میں ہو گی۔ جہاں میں اپنی جدائی کا حق تم سے سود سمیت وصول کروں گا۔'' وہ پھر رکا نہیں وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

وانیہ نے اپنے کپکپاتے لبوں پر ہاتھ پھیرا جہاں آفریدی نے اپنی درندگی کا نشان چھوڑ دیا تھا خون کی بوندسی نکلنے لگی تھی۔

''آئی ہیٹ یو...... آئی ہیٹ یو......'' وہ بری طرح سسکی تھی اور دونوں گھٹنوں میں چہرہ گھسیڑ ے ایک بار پھر بلک بلک کر رو دی۔

کوئی پانچ منٹ بعد حسن آفریدی اس کے بیڈ روم میں پھر داخل ہوا تھا۔ بالکل گھپ اندھیرا تھا مگر اس اندھیرے میں برقی رنگ برنگی قمقموں کی روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی۔ حسن آفریدی نے دیوار پر سوئچ بورڈ پر جو ہاتھ مارا تو کمرہ پورا کا پورا روشنی میں نہا گیا تھا۔ سامنے نظر پڑی تو وانیہ کی بکھری حالت پر بہت دکھ ہوا تھا۔ جی تو شدت سے چاہا کہ سب کچھ بھلا کے اسے نرمی سے اپنے اندر چھپا کے سب کچھ سچ بتا دے۔ اس کے آنسوؤں کو اپنے ہونٹوں سے چن لے''مگر ابھی نہیں'' یہ سوچ کر وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اس کے پاس بیڈ پر اس سے تھوڑے فاصلے پر ہی بیٹھ گیا تھا۔

''وانیہ۔'' لب و لہجہ میں کس قدر بے قراری تھی۔

وانیہ نے سر اٹھا کے دیکھا تو دل نے شدت سے خود کے لیے بددعا کی تھی۔ زندگی اور کتنا دکھ دے گی۔ اس کے وجود کی اور کتنی بے حرمتی بے عزتی ہو گی۔ اس کا نفس اس کی نسوانیت اس کا اعتماد آج پھر چکنا چور ہو گیا تھا۔ اس کی ایسی بکھری حالت اوپر سے سامنے بیٹھا حسن آفریدی جو اسے ہی بغور دیکھ رہا تھا۔

''وانیہ! یہ سب کیا ہے کس نے کیا ہے یہ سب تمہارے ساتھ۔ مجھے بتاؤ...... اور...... یہ خون...... یہ خون کیوں نکل رہا ہے تمہارے ہونٹوں سے؟'' اس کی پریشانی اور فکر کو وانیہ کسی خاطر میں نہیں لائی تھی۔ بلکہ تیزی سے پاس پڑی بیڈ کی چادر کھینچ کے خود کو اس میں ڈھانپ لیا تھا۔

''ہاؤ ڈیئر یو، تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی میرے بیڈ روم میں آنے کی، یہاں میرے بیڈ پر بیٹھنے کی۔'' وانیہ نے حسن آفریدی کو بری طرح جھڑک دیا تھا جس کا اس نے قطعی برا نہیں مانا تھا۔

''وانیہ۔''

''نکل جاؤ یہاں سے۔'' وہ ہذیانی سی ہو گئی تھی۔ بس چلتا تو خود کو مار لیتی یا سامنے بیٹھے اس شخص کی آنکھیں نوچ لیتی جو اتفاق سے آفریدی کی طرح بلوریں ہی تھیں۔

''وانیہ میری بات تو سنو۔''

''مجھے کچھ نہیں سننا۔ تم یہاں سے چلے جاؤ بس ورنہ میں......'' اس نے متلاشی نگاہ ادھر ادھر دوڑائی تو سائیڈ ٹیبل پر کانچ کا لیمپ رکھا تھا وانیہ نے وہ تیزی سے اٹھا لیا۔

''میں تمہیں یہ کھینچ کے ماردوں گی۔'' غم و غصے کی شدت سے وہ بالکل پاگل ہو رہی تھی۔ وہ یہ بھی نہیں سوچ سمجھ رہی تھی کہ کیا بول رہی ہے کیا کر رہی ہے۔

''اوکے......تم اس وقت بہت غصے میں ہو پھر بات کرتے ہیں۔'' حسن آفریدی کھڑا ہو گیا تھا۔

''خبردار! جواب تم میرے سامنے آئے تو......ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' اس نے غصے سے اسے دیکھا تھا۔

حسن آفریدی نے خاموشی کی ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر آگے بڑھا مگر اس کے جوتوں میں وانیہ کی بلیک ساڑھی اٹکی تھی۔ جسے وہ روندتا ہوا آگے بڑھا اور دروازہ اندر سے لاکڈ کر کے باہر نکلتا چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد وانیہ نے لیمپ بیڈ پر پھینکا اور اپنی بے بسی پر ایک بار پھر ہچکیوں سے رو دی تھی۔

☆......☆

آج رات رت جگا تھا۔ سب ینگ پارٹی کا فیصلہ تھا کہ کوئی بھی اپنے روم میں آج نہیں جائے گا۔ لان میں ہی سب نے محفل جما لی تھی۔ البتہ سلجوق آفریدی کے سب گھر والے رشتے دار جا چکے تھے۔ سوائے سلجوق آفریدی، حنین آفریدی اور لاروش اغو لان کے، انہیں ان لوگوں نے جانے ہی نہیں دیا تھا۔ وانیہ نے تو کمرے سے نکلنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا تھا۔ حسن آفریدی کی نظروں کا سامنا نہیں کر سکتی تھی اور جو آج سب سے بڑا انکشاف اس پر ہوا وہ آفریدی کا زندہ ہونا تھا۔ اس نے وانیہ کو بالکل توڑ پھوڑ کے رکھ دیا تھا۔ رو رو کے آنکھیں سوج گئی تھیں۔ سر درد کی شدت سے پھٹا جا رہا تھا۔ رابعہ تو گھبرا کے رہ گئی تھیں۔ اس کو دیکھ کر اس نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ رابعہ کچن سے جا کر گرم دودھ کے ساتھ پین کلر لے کر آئی تھیں۔ وہ کھلا کے اسے بیڈ پر لیٹا دیا تھا۔ مگر ژالے اس کے پاس آئی اور اس کی نہ نہ کرتے ہوئے بھی اسے اپنے ساتھ لے گئی۔ رابعہ نے بھی منع کیا مگر وہ نہیں مانی۔

''رابعہ پھپھو یہ یوں کمرے میں اکیلے پڑے پڑے اور بیمار پڑ جائے گی۔ تازی ہوا لگے گی تو جلدی صحیح ہو گی۔'' ژالے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ گھسیٹتے ہوئے لے جانے لگی۔

''یار ژالے! میری طبیعت واقعی بہت خراب ہے۔''

''چپکی رہو تم خاک مزہ آئے گا تمہارے بنا۔'' اس نے ڈپٹا۔

لان میں فل والیوم میں چلنے والے سی ڈی پلیئر کو آف کر دیا گیا تھا۔ سب کا یکطرفہ خیال تھا کہ سب خود ہی الگ الگ گانا گائیں گے۔ اب چاہے سریلا ہو یا بے سرا مگر گانا بہر حال ہوگا۔

''جی تو سب سے پہلے خوب صورت سی آواز سے شروعات کرتے ہیں اور میں نے سنا ہے حسن کی آواز بہت اچھی ہے۔ اس لیے حسن آپ ہی کوئی اچھا سا گیت گنگنائیں۔'' عارفین نے کہا۔ حسن آفریدی کی

طرف بڑھایا تھا۔

''میں......!'' وہ اچانک افتاد پر گھبرا گیا اور عارفین کے بڑھے ہوئے ہاتھ میں گیٹار کو دیکھا۔

''جی ہاں آپ۔'' عارفین مسکرا دیا۔

''یار ہنی بھیو! گھبرا کیوں رہے ہیں یہ تو آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔'' برابر میں بیٹھے حنین آفریدی نے ہولے سے سرگوشی کی تھی۔

''اور مجھے پکا یقین ہے کہ یہ تمہاری ہی کارستانی ہے۔'' حسن آفریدی نے گھور کے اسے دیکھا۔

''جی بالکل آپ بھی جھوٹ بول سکتے ہیں۔''

''وہ تو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔''

''جی تو حضرات ہنی بھیو! اپنی سریلی آواز میں اس محفل کو چار چاند لگائیں گے تالیاں۔'' حنین آفریدی نے بہت روانی سے کہتے ہوئے تالیاں بجانی شروع کیں وہاں بیٹھے سب نے تالیاں بجائیں۔ سوائے سلجوق آفریدی کے جس نے بہت چونک کر پہلے حنین آفریدی کو دیکھا پھر اس شخص کو جسے حنین آفریدی نے جذبات میں ہنی بھیو کہہ کر پکارا تھا۔ حسن آفریدی گیٹار تھام چکا تھا۔ بلوریں آنکھیں بھٹکتی ہوئی ژالے کے برابر میں بیٹھی نظر کو جھکائے وانیہ پر ٹھہر سی گئی تھیں۔

''وانیہ بھابی کو بعد میں دیکھ لیجیے گا پہلے گانا شروع کریں۔'' حنین آفریدی نے دھیرے سے کہا۔ حسن آفریدی دھمکی بھری نظر اس پر ڈال کر رہ گیا۔ یہ سب سلجوق آفریدی بغور دیکھ رہا تھا اور الجھن کا بھی شکار تھا۔ گیٹار پر دھن بجنا شروع ہو گئی تھی۔

تیری قسم ہم کو تیری یادیں جو آتی ہیں ہمیں ہر پل ستاتی ہیں
اب تو نہیں لگتا ہمارا دل تمہارے بن اب ہر دھڑکن رلاتی ہے
تمہارا ساتھ اگر ملتا ہمارا دل نہ یوں جلتا کہ جل کے ہم نے راتوں میں
تڑپ کر بے قراری میں
گزارے ہیں وہ پل وہ یادیں وہ میں......

وانیہ نے نہایت چونک کر حسن آفریدی کو دیکھا تھا۔ یہ آواز یہ انداز بھلا وہ کیسے بھول سکتی تھی۔ یہ آواز تو اس کے وجود میں اس کے لہو میں ایک ایک نس میں سرائیت کرتی تھی۔ وہ یہ آواز زندگی کی آخری سانس تک نہیں بھول سکتی تھی۔ وہ یک ٹک ٹکٹکی باندھے بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ جس کے ہاتھ بڑی مہارت سے گیٹار کے تاروں پر چل رہے تھے۔

گانا ختم ہو چکا تھا۔ سب کی تالیوں کی گونج سے لگ رہا تھا کہ آواز کے ساتھ گانا بھی بہت زبردست تھا۔ حسن آفریدی نے سب کو تھینکس کہا تھا۔

''وہ دیکھیں وانیہ بھابی تو ابھی تک آپ کی آواز کے جادو میں کھوئی ہوئی ہیں کیسے بنا پلک جھپکائے آپ کو ہی دیکھے جا رہی ہیں۔'' حنین آفریدی کے کہنے پر حسن آفریدی نے وانیہ کو دیکھا۔ وہ مسکرایا بھی مگر وہاں سے کوئی رسپانس نہیں ملا تھا۔ تو اس نے اپنی نظروں کا رخ پھیر کے گیٹار واپس عارفین کو تھما دیا۔

''زبردست۔'' عارفین نے خوش ہو کر تعریف کی۔

''تھینکس۔'' بلوریں آنکھوں کی چمک مزید روشن ہو گئی۔

''جی تو اب باری ہے اپنے زرمیل کی۔'' عارفین نے گیٹار زرمیل کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔
''پاگل ہوئے ہو کیا میں کیا گانا گاؤں گا۔'' زرمیل نے تو یوں کارخ اپنی طرف دیکھتے ہوئے عارفین کو گھورا۔
''سوری رولز اینڈ رولز اور زرمیل وہ گانا گائیں گے جو وہ اکثر و بیشتر گنگناتے ہیں۔'' عارفین نے اسے گھیر لیا تھا۔
''زرمیل...... زرمیل۔'' سب نے نعرے لگانا شروع کر دیے تھے۔ زرمیل نے سب کو دیکھا۔
''اوکے...... اوکے...... مگر صرف دو بول۔'' اس نے ہار مان لی تھی۔
زرمیل کی انگلیاں گیٹار کے تاروں پر تھرکنے لگی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں مری کی وہ ٹھنڈی رات گھوم گئی تو ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

وہ بیتے دن یاد ہیں وہ پل چھن یاد ہیں
گزارے تیرے سنگ جو لگا کے تجھے انگ جو

وہ مسکانا تیرا وہ شرمانا تیرا
دسمبر کا سماں وہ بھیگی بھیگی سردیاں
وہ موسم کیا ہوا نا جانے کہاں کھو گیا بس یاد ہیں......

وہ شرارت سے بھری سرمئی آنکھیں ان سبز آنکھوں کا طواف کر رہی تھیں۔ جس چہرے پر اسی ٹھنڈی رات کی کہانی لکھی تھی۔ وہ سبز آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ گھنیری پلکوں کی باڑ سجدہ ریز تھیں۔ زرمیل نے جانثار نظروں سے اس کا جھلملاتا چہرہ دیکھا تھا۔
''کیا خیال ہے دوبارہ چلیں۔'' عارفین نے کان میں ہولے سے سرگوشی کی تھی۔
''کہاں؟'' زرمیل نے سوالیہ نظروں سے پوچھا تھا۔
''اسلام آباد، اسی ہوٹل کے اسی بیڈ روم میں جہاں سے یہ کہانی شروع ہوئی تھی۔'' زرمیل نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔
''اپنی خیر چاہتا ہے تو فضول گوئی سے پرہیز کرنا۔'' عارفین نے کچھ نہیں کہا بس ہنستا ہی چلا گیا تھا۔ اس کی ہنسی پر زرمیل تھوڑا جھینپ سا گیا تو عارفین کو ہنسنے کا اور موقع مل گیا۔
''کیا بکواس ہے۔'' وہ جھنجھلا کے رہ گیا۔
''یار! قسم سے آج پہلی بار تجھے اس طرح جھینپتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔'' اس کی تو ہنسی ہی نہیں رک رہی تھی۔
''دیکھ اگر تو چپ نہیں ہوا تو تیرا یہ گیٹار تیرے سر پر دے ماروں گا۔'' زرمیل نے گیٹار اوپر اٹھایا۔
''اچھا...... اچھا سوری تو میرا یہ گیٹار دے دے یہ میرا فیورٹ ہے۔'' یکدم ہی اس کی ہنسی کو بریک لگا تھا اور اس نے سنجیدہ ہو کر زرمیل سے گیٹار لے لیا تھا مگر ہنسی کا فوارہ پھر سے ابل پڑا تھا۔ زرمیل وہاں سے اٹھنے لگا تھا کہ عارفین نے پھر سے سوری کہہ کر اسے واپس بٹھا دیا تھا۔
''اب باری عارفین کی ہے۔'' ثمرن نے کہا۔
''مجھے کوئی پرابلم نہیں ہے مگر سوچ لو تم لوگوں کو نیند آ جائے گی۔''
''بے فکر رہو ہم سب تمہاری بے سری آواز کے عادی ہیں اور تمہاری ہی طرح نہایت ڈھیٹ ہیں۔'' ارشد نے چٹکلہ چھوڑا۔
''اچھا میں بے سرا ہوں ٹھیک ہے ذرا تم بھی اپنے سُر بکھیر دو اس محفل میں۔''

"ابھی تو باری فی الحال تمہاری ہے اور ویسے بھی میں اپنے دو بچوں کو سنبھال رہا ہوں۔" ارشد نے اپنی گود میں اپنے ٹوئنز بچوں کی طرف اشارہ کیا۔

"عارفین! فکر مت کرو تمہارے بعد ارشد کی باری ہے۔ کیوں کہ یہ بے سروں کا سردار ہے۔" حسن آفریدی کے کہنے پر محفل زعفران بن گئی تھی۔

عارفین نے مسکراتے ہوئے مقسوم کو دیکھا اس کے دیئے ہوئے سوٹ میں اس کی چھب ہی نرالی لگ رہی تھی۔ وہ مکمل حسن کا شاہکار لگ رہی تھی۔

"اس کی انگلیاں خود بخود گیٹار کی تاروں پر تھرکنے لگی تھیں اس خوب صورت سی دھن نے مقسوم کو اپنے گرد لپیٹ لیا تھا۔ شیراز کا یہ گیت پوری محفل کی جان بن گیا تھا۔

خدا کو دکھ رہا ہوگا نہ دل تجھ سے جدا ہوگا

تیری تقدیر میں مجھ کو وہ اب تو لکھ رہا ہوگا

باقی کے جتنے بھی مصرعے تھے عارفین نے گیٹار کی دھن پر ہی گائے تھے۔ پوری محفل اس کی دھن کے سحر میں جیسے کھو سی گئی تھی۔ مقسوم بھی اسی دھن میں کھو گئی تھی آج اس کا درد جیسے چیخ چیخ کر اپنے ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔

زرمیل نے بغور عارفین کو دیکھا تھا ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے اپنے دل کا درد اپنے اس گیت میں عیاں کیا ہو۔ اس نے مقسوم کو دیکھا جس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں مگر ایسا لگا جیسے ان سیاہ کانچ میں نمی سی بھر گئی ہو۔

اس کا مطلب ہے معاملہ ٹھیک نہیں ہے کچھ تو گڑبڑ ہے۔ زرمیل نے خود سے ہی کہا تھا مگر ساتھ بیٹھے سلجوق آفریدی کی تیز سماعت سے محفوظ نہیں رہ سکا تھا۔

"کچھ نہیں بہت زیادہ۔ عارفین جیسا اسٹون مین بہت بڑے دکھ سے گزر رہا ہے۔ ہم اس کی کیا مدد کر سکتے ہیں۔" زرمیل نے افسردہ نظروں سے عارفین کو دیکھا۔

"یار یہ اس کا پرسنل افیئر ہے ہم کیا مدد کریں۔"

"ہوں......" وہ پرسوچ نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔

عارفین سب کو مسکرا مسکرا کے تعریفیں سمیٹ رہا تھا۔ سب سے نظر ہوتی ہوئی جب نظر زرمیل پر ٹھہری تو ہونٹوں کی مسکراہٹ ہونٹوں کی تراش میں ہی دم توڑ گئی تھی۔ زرمیل کی سنجیدہ صورت دیکھ کر وہ سمجھ سکتا تھا کہ زرمیل اسے کتنا جانتا ہے۔

"عارفین۔" زرمیل نے سنجیدگی سے اسے پکارا تھا۔

"ہوں۔"

"میں تجھے بچپن سے جانتا ہوں تو کیوں خوش ہوتا اور کس بات پر اداس۔ تیری زندگی کے سارے اوراق میرے سامنے ہیں۔"

"جانتا ہوں میں۔"

"تو نے مقسوم کو منانے کی کوشش نہیں کی۔"

"تجھے پتا ہے یہ لڑکیاں بہت نازک ہوتی ہیں ان کا دل بہت حساس ہوتا ہے۔ ذرا سی ٹھیس لگنے سے چکنا چور ہو کر بکھر جاتا ہے۔" اس کی نظر مقسوم کے چہرے میں ہی الجھی ہوئی تھیں۔

"مگر جب انہیں پیار سے اپنی طرف کرو تو پھر یہ تمہارے ہی گن گاتی ہیں۔ نا صرف بلکہ اپنا سب کچھ تم پر

نچھاور بھی کر دیتی ہیں۔" زرمیل نے اشارے میں اسے بہت کچھ سمجھا دیا تھا اور عارفین اتنا نا سمجھ نہیں تھا کہ وہ اس کا اشارہ نہیں سمجھ پاتا۔

"عارفین بیگ برنس ٹائیکون ہر فیلڈ میں کامیاب اعلیٰ عہدے پر فائز پھر اپنی ازدواجی زندگی میں ناکام کیوں۔" سلجوق آفریدی کو بھی بہت دکھ ہوا تھا عارفین پر۔ وہ اندر سے کتنا اکیلا اور تنہا تھا۔

"میں زبردستی پر یقین نہیں کرتا مگر اسے میری کمزوری بھی مت سمجھنا۔ مقسوم کو حاصل کرنے میں مجھے کوئی مشکل نہیں مگر زور زبردستی کر کے میں اس کا اعتماد اس کا بھرم نہیں توڑنا چاہتا اس کی انا اس کی نسوانیت کو ٹھیس پہنچا کے اسے ریزہ ریزہ نہیں کرنا چاہتا۔"

"یار! یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی مقسوم تیری بیوی ہے۔ تو نے اس کی اتنی مدد کی ہے۔ تو اس سے بات تو کر کے دیکھ۔ یوں اکیلا اور تنہا رہ کر کب تک اس کی پیش قدمی کا انتظار کرے گا۔" زرمیل زچ ہو گیا تھا عجیب ہی لگی تھی اس کی لوجک۔

"تو کیا ہوا اگر مدد کی تو وہ میری بیوی ہے میری عزت میری غیرت اور میں اس سے اس کا معاوضہ وصول کر کے اسے اسی کی نظروں میں بھی نہیں تو گرا سکتا۔" عارفین ہولے سے مسکرا دیا تھا۔ زرمیل کے چہرے پر غصے کی لالی سی چھلکنے لگی تھی۔

"حد ہے بھئی تو زندگی ایسے ہی اپنی الگ الگ مسجد بنا کے کاٹ دو گے۔"

"زرمیل!" سلجوق آفریدی نے آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کول ڈاؤن، اگر عارفین کچھ کہہ رہا ہے یا سوچ رہا ہے تو یقیناً اس میں کوئی وجہ ہو گی۔"

"مگر یار سلجوق! یہ غلط ہے۔"

"چھوڑ نا یار! کیوں محفل خراب کرنا چاہتا ہے۔" سلجوق آفریدی نے اس کو پرسکون کرنا چاہا عارفین ہولے سے ہنس دیا تھا۔

"اب سمجھ میں آیا کہ ژالے کیوں تیرے عشق میں مبتلا ہے۔ اوہ بھائی میرے اب تو اپنا غصہ چھوڑ دے۔"

"بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے زیادہ۔" زرمیل تھوڑا خفیف سا ہو گیا تھا۔ عارفین کی بات کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

"دیکھ ذرا مایوں تیری ہے اور شرما یہ رہا ہے۔" عارفین نے جان کر چھیڑا بہت آسانی سے اپنی طرف سے رخ موڑ دیا تھا۔

"اگر آپ لوگوں کی میٹنگ ختم ہو گئی ہے تو گیٹار سلجوق بھیو کو تھما دیجیے۔" حنین آفریدی نے زور سے ہانک لگائی تھی۔ تینوں نے ایک ساتھ حنین آفریدی کو دیکھا۔

"مجھے مگر وہ کیوں؟"

"وہ اس لیے کہ آپ کی مایوں ہے اور آپ ہی کوئی گانا نہ گائیں تو مزہ کچھ خاک آئے گا۔" ژالے نے بھی وہیں سے بیٹھے بیٹھے انجوائے کیا۔

"بہنا میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے مگر میری آواز واقعی میں اتنی اچھی نہیں ہے۔"

"ہم جانتے ہیں کہ یہ آواز باتھ روم میں گانے والی ہے مگر ہم کیا کر سکتے ہیں مجبوری ہے برداشت کر لیں گے۔" ارشد نے چھیڑ چھاڑ میں حصہ لیا تھا۔ سلجوق آفریدی نے ارشد کو گھور کر دیکھا۔

''تو فکر مت کر ہم ارشد کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ کیوں کہ جتنی بے سری آواز تیری ہے اس سے کہیں زیادہ پھٹا ہوا ڈھول ارشد ہے۔'' زرمیل نے سلجوق آفریدی کے ہاتھ میں گیٹار تھمایا۔
''یہ تو میرا ساتھ دے رہا ہے یا میری بے عزتی کر رہا ہے۔'' سلجوق آفریدی نے دانتوں کو بھینچ کے زرمیل کو دیکھا۔
''میرا خیال ہے دونوں......'' عارفین نے کہا۔
''ٹھیک ہے دیکھ لوں گا تم دونوں کو بھی۔''
''سلجوق......سلجوق......'' سب کے نعرے لگنا شروع ہو گئے تھے۔
''آل رائٹ......آل رائٹ۔ اب کیا کر سکتا ہوں کہ تم لوگوں کو جب اپنے سر میں درد کرنے کا بہت شوق ہے تو۔''
''ڈونٹ وری دو گولی ڈسپرین۔'' ارشد کے کہنے پر سلجوق آفریدی مسکرا دیا اور پھر گیٹار سنبھال کر متلاشی نظر ادھر ادھر دوڑائی۔ بالآخر وہ پری وش اسے مل ہی گئی۔ جو ژالے کے پیچھے چھپنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ وہ شاید بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ژالے نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔
''ژالے کی بچی ہاتھ چھوڑ دے ورنہ مار کھائے گی۔''
''چپکی بیٹھی رہو بھی کبھی تو ایسا موقع ملتا ہے اور تو فکر مت کر زیادہ بھاری نیگ وصول کرنے کا یہ نادر موقع کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ بہت چہک رہے تھے نا کہ ہمارے ہاں مایوں میں نہیں برات اور ولیمہ میں نیگ دیا جاتا ہے تو دیکھ چھوڑوں گی نہیں میں انہیں۔'' حرا گھورنے کے سوا کچھ نہیں کر سکی۔
''یہ بات ہے تو ژالے آپی میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔'' لاروش اغولان نے حرا کا دوسرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔
''یہ تم ہماری طرف سے ہو یا ان کی طرف سے؟'' ژالے نے لاروش اغولان کو اچنبھے سے دیکھا۔
''میں دونوں طرف سے رخصتی کے وقت تو میں وہاں ہوں گی نا سلجوق بھیو کو اندر جانے نہیں دوں گی۔''
''وری گڈ یہ ہماری دیورانی پلس دوست ہیں۔'' حرا نے لاروش اغولان کو ایک چٹکی بھری۔
''ارے ہاں لاروش! تم کتنی تیز ہو ہمیں ہوا تک لگنے نہیں دی کہ حرا کے دیور سے تمہارا نکاح پہلے ہی ہو چکا ہے۔''
''اور ہم سمجھتے رہے کہ روز روز حسنین صاحب اپنی بھابی سے ملنے آتے تھے وہ تو بعد میں پتا چلا کہ دن میں دس چکر لاروش کے لیے لگتے تھے۔'' حرا نے بھی رگیدا۔
''بھئی بہت لمبی کہانی ہے پھر کبھی کے لیے رکھو ابھی تو سلجوق بھیو حرا بھابی کے لیے گانا سنانے والے ہیں۔'' لاروش اغولان نے جلدی سے دونوں کی توجہ اپنی سمت سے ہٹا کے سلجوق آفریدی کی سمت لگائی جو گیٹار پر دھن بجانے لگا تھا۔
''بہت چالاک ہو تمہیں تو میں بعد میں دیکھتی ہوں پہلے ذرا ان دونوں سے نمٹ لوں۔'' ژالے نے ہلکے سے لاروش اغولان کے بازو پر چپت لگائی تھی۔ لاروش اغولان ہونٹوں کو دانتوں میں دبائے مسکرا دی۔
سلجوق آفریدی نے گانا شروع کر دیا تھا۔

آپ سے مل کر ہم کچھ بدل سے گئے شعر پڑھنے لگے گنگنانے لگے
پہلے مشہور تھی اپنی سنجیدگی اب تو جب دیکھیں مسکرانے لگے

''بس خدا کے واسطے بس کر، ورنہ نصرت فتح علی خان صاحب کی روح یہاں آ کر یہی گیٹار تیرے سر پہ دے مارے گی۔'' ارشد زور سے چیخا تھا۔ سب کی زوردار ہنسی نے سلجوق آفریدی کو کچھ خفیف سا کر دیا تھا۔
''او بھائی پلیز! مجھے میرا گیٹار دے دے، میں تو تجھے دیکھ دیکھ کر ڈر رہا تھا کہ کہیں کوئی تار وار نہ ٹوٹ جائے۔''

عارفین نے سنجیدگی کی ایکٹنگ کرتے ہوئے سلجوق آفریدی کے ہاتھ سے گٹار لے لیا تھا اور اسے چیک کرنے لگا تھا۔

"میرے یار! لندن سے منگوایا ہے ابھی کچھ ماہ پہلے بہت نزاکت سے چلاتے ہیں اسے مگر تو اس طرح اسے چلا رہا تھا جیسے بارڈر پر ریوالور چلا رہا ہو۔"

"سلجوق! تمہاری آواز تمہارے باتھ روم تک ہی ٹھیک ہے۔" یہ حسن تھا جس نے حنین آفریدی کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنستے ہوئے کہا۔

"سلجوق! اللہ کا واسطہ ہے یار میری بہن پر رحم کرنا کبھی اس کے سامنے گانا گانے مت بیٹھ جانا، وہ تو ویسے ہی بہت ڈرپوک ہے یا تو رونے لگے گی یا پھر بے ہوش ہو جائے گی۔" زرمیل بھی خوب چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔

"سلجوق بھائی! آپ کیپٹن کے عہدے پر ہی پرفیکٹ ہیں۔ کبھی سنگر بننے کا سوچے گا بھی مت ہم تو ڈر رہے تھے خدانخواستہ کہیں آسمان سے بجلی نہ گر جائے۔" ژالے نے مذاق کرتے ہوئے سلجوق آفریدی کو دیکھا۔

ہر کوئی اپنے کمنٹس دے رہا تھا مگر سلجوق آفریدی کے ماتھے پر معمولی سی بھی شکن نہیں آئی وہ کسی کی بھی بات کا برا نہیں منا رہا تھا۔

"ہاں تو کس نے کہا تھا کہ مجھ سے گانا گانے کی فرمائش کرو میں تو منع کر رہا تھا۔"

"ہمیں اتنا اندازہ تھوڑی ہی تھا کہ ہمارے سر میں درد ہو جائے گا۔ اب کوئی خواتین میں سے ایک جائے اور سب کے لیے اچھی سی چائے بنا کر لائے۔" عارفین پر مزاح لہجے میں کہتے ہوئے زرمیل کو ایک آنکھ دباتے ہوئے سلجوق آفریدی کو دیکھنے لگا مگر ساتھ ہی اپنے دردِ سر کی دہائی بھی دی۔

"میں لے کر آتی ہوں سب کے لیے چائے۔" لاروش اغولان اپنی جگہ سے اٹھی۔

"لاروش اغولان میرے لیے کچھ کھانے کو بھی لیتی آنا سلجوق بھیو کے گانے سن کر میرے پیٹ کے چوہے بھی بریک ڈانس کرنے لگے ہیں۔" حنین آفریدی نے ہانک لگائی۔ لاروش اغولان نے پلٹ کر حنین آفریدی کو گھور کر دیکھا۔

"سب سے پہلے اپنے کھانے کی فکر ہو جاتی ہے ابھی تو اتنا کھایا ہے۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی اور اس کی بڑبڑاہٹ ثمرن نے سنی تھی وہ ہولے سے ہنس دی۔

"تم ایک کام کرو، فریج میں چکن کے کباب رکھے ہیں سب کو مائیکرو ویو میں گرم کر کے لے آؤ۔" لاروش اغولان نے ثمرن کو شرمندگی بھری نظروں سے دیکھا۔

"کوئی بات نہیں جب پتا ہے کہ وہ کھانے پینے کا شوقین ہے تو گھبراتے نہیں ہیں۔"

"سوری ثمرن آپی!"

"اٹس اوکے جاؤ جلدی سے لے آؤ۔" وہ دھیمی سی مسکراہٹ لیے بولی۔

"یہ بات بھی حقیقت ہے کہ میں سلجوق کے گٹار بجانے سے ہی ڈر گیا تھا۔ سلجوق نے سُر لے سب ایک ساتھ ملا دیا تھا۔" حسن آفریدی نے پھر اسے چھیڑا تھا۔

"خود کو بہت تان سین کے بھتیجے سمجھ رہے ہو نا ذرا یار حسن کو گٹار تو دو۔" اب کی بار سلجوق آفریدی چپ نہیں رہا تھا۔

"سلجوق بھیو! یہ ٹھیک بول رہے ہیں انہیں سُر لے کی بہت سمجھ ہے۔ امریکہ سے باقاعدہ کلاسیکل کا کورس کر

کے آئے ہیں۔آپ انہیں ہلکا مت سمجھے۔'' حنین آفریدی کے انکشاف پر سب نے حیرت سے حسن آفریدی کو دیکھا مگر وانیہ اور سلجوق آفریدی واحد تھے جنہوں نے نہایت چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''تمہیں حسن کے بارے میں بہت جانکاری ہے۔'' سلجوق آفریدی نے حنین آفریدی کو دیکھتے ہوئے حسن آفریدی کو پہچانتی نظروں سے جانچا تھا۔حنین آفریدی گڑبڑا کے رہ گیا۔

''کہیں وہ زیادہ بولنے کے چکر میں کچھ سچائی تو نہیں اگل گیا۔

''ہاں تو تمہیں نہیں پتا پورا پورا وقت یہ یہیں پایا جاتا تھا'' زرمیل کے انکشاف پر اس نے تفتیشی نظروں سے حنین آفریدی کو دیکھا۔سلجوق آفریدی کے اس طرح دیکھنے پر وہ بغلیں جھانکنے لگا تھا۔

ادھر لڑکیوں کے بیچ بیٹھی وانیہ جس کی نظر حسن آفریدی پر ہی تھیں۔'' کچھ بھی تو فرق نہیں تھا آفریدی اور حسن کی باڈی میں سوائے اس چہرے کے یہاں تک کہ اس کی بلوریں آنکھیں بھی آفریدی کی طرح تھیں۔ کچھ ایسا تھا جو بار بار دل کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

''آفریدی نے بھی تو امریکہ سے کلاسیکل کا کورس کیا تھا۔'' وہ یہ سب خاموشی سے اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''یہ خبر تو زبردست ہے تو پھر حسن ایک گانا اور ہو جائے۔'' عارفین نے گیٹار اس کو تھما دیا جو حسن آفریدی نے مسکراتے ہوئے تھام لیا تھا۔

اس دوران لاروش اغولان گرم گرم چائے کے ساتھ کباب بھی لے آئی تھی اور اسی ٹرے میں ایک کانچ کے چھوٹے پیالے میں مایونیز اور کیچپ رکھا تھا جو اس نے حنین آفریدی کے آگے رکھ دی۔

''یہ ہوتی ہیں سگھڑ بیویاں۔''

''جی ہاں میں جانتی ہوں کہ آپ سے زیادہ یہاں کوئی چٹورا نہیں اس سے پہلے آپ مجھے یہ لینے دوبارہ دوڑاتے میں خود ہی لے آئی۔'' اس نے تپ کر دیکھا تھا۔

''تھینکس۔'' حنین آفریدی ڈھٹائی سے ہنسا اور کباب کو مایونیز اور کیچپ سے لگائے کھانا شروع ہو گیا تھا۔

''ہنی بھیو آپ گانا گانا تو شروع کریں۔''

''کیوں تم اپنے ہنی بھیو کو کباب نہیں کھلاؤ گے۔'' سلجوق آفریدی بلا کی سماعت رکھتا تھا اور اس وقت تو ویسے بھی اس کا پورا وجود حنین آفریدی اور حسن آفریدی کے لیے سماعت بنا ہوا تھا۔حنین آفریدی نے نہایت چونک کر سلجوق آفریدی کو دیکھا۔

سب چائے پینے میں لگے ہوئے تھے۔کسی نے ان کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔

''یار حسن! شروع کرو۔'' ارشد نے چائے کا ایک سیپ لیتے ہوئے کہا تھا۔

حسن آفریدی نے ایک بار پھر گیٹار سنبھال لیا تھا اور جو دھن بجا رہا تھا عارفین سمجھ گیا تھا۔

کیونکہ یہ گانا اس کا بھی فیورٹ ہی تھا۔''میری قسمت کے ہر ایک پنے پر میرے جیتے جی بعد مرنے کے میرے ہر ایک کل ہر لمحے میں تو لکھ دے میرا اسے۔

جہاں عارفین نے مسکرا کے وکٹری کا نشان بنایا تھا۔ وہیں شک کی گھنٹیاں پھر سے بجنا شروع ہو گئی تھیں آہستہ آہستہ اس کے شک کو یقین کی زبان مل رہی تھی۔

وانیہ اپنے شک کو یقین کو سچ ثابت کرنا چاہتی تھی اور اس کا صرف اب ایک آخری حل تھا۔

سب حسن آفریدی کی خوب صورت آواز میں کھوئے ہوئے تھے مگر ایک اور شخص تھا جو بغور حسن آفریدی کو ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ تھا سلجوق آفریدی۔

اس کی بلوریں آنکھیں اور حنین آفریدی کی بلوریں آنکھیں ایک جیسی تھیں حنین آفریدی کا حسن آفریدی سے یوں بے تکلف ہو کر بات کرنا اس کا دماغ ٹھٹکا تھا۔

وانیہ چپکے سے ژالے کے برابر سے اٹھی تھی اور بنا وقت ضائع کیے وہ اندر کی طرف بڑھی تھی۔

حسن آفریدی کی آواز پورے لان میں گونج رہی تھی۔

وانیہ نے اس کے بیڈروم میں قدم رکھا تھا۔ سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کے سارے بٹن آن کر دیے تھے۔ پورا کمرہ کمرے کی ہر ایک شے روشنیوں میں نہا گئی تھی۔ پورے بیڈروم پر اس نے ایک طائرانہ نظر ڈالی تھی۔ جہازی سائز بیڈ تھا اس کے سامنے ہی تھری ڈور الماری رکھی تھی۔ ایک بڑی سی کانچ کی ٹیبل تھی جس پر اس کے آفس کے کچھ کاغذات فائلز وغیرہ رکھی تھیں۔ دبیز کارپٹ جس کے اندر اس کا آدھا پیر دھنس گیا تھا۔ آف وائٹ کرٹن جو اس بیڈروم کی خوب صورتی کو مزید بڑھا رہے تھے اس نے ایک سانس لی اور سب سے پہلے کانچ کی ٹیبل کی سمت بڑھی۔ وہاں رکھے ہر کاغذ کو اس نے دیکھنا شروع کیا تھا جلدی جلدی جو کام کے نہیں تھے اس کے وہ نیچے کارپٹ پر پھینکتی چلی گئی۔ اب باری تھی وارڈروب کی تینوں پٹ ایک ساتھ کھولے ایک ایک شرٹ، ٹی شرٹ، جینز ہینگر سب اس نے نکال کے سائیڈ میں پھینکنے شروع کر دیے۔ ساری درازیں کھولیں ایک دراز میں البم رکھی تھی۔ بلیو ویلوٹ کے کور والی وہ البم اس نے نکال لی تھی البم کھولی جہاں فرنٹ پر ہی اس کی تصویر چسپاں تھی۔ وہ آگے بڑھی ہر تصویر کو دیکھتی چلی گئی۔ سارے راز افشاں ہوتے چلے گئے تھے۔ ایک تصویر میں آفریدی اور وانیہ تھی یہ جب کی تصویر تھی۔ جب آفریدی نے زبردستی اس سے نکاح کیا تھا۔ ایک تصویر اس میں وہ ارشد کے ساتھ بھی کھڑا تھا۔

''تو حسن ہی آفریدی ہے۔'' دل کو زبردست دھکا لگا تھا۔ شاکڈ لگا تھا۔ شک کی یقین کی ساری گرہیں خود بخود کھلتی چلی گئی تھیں اس کے ہاتھ سے البم گر گیا تھا۔

جو دوسری دراز کھولی تو وہاں اس کا والٹ رکھا تھا۔ وانیہ نے وہ اٹھا لیا تھا۔ اسے کھولا۔ اس میں پیسے رکھے تھے، کریڈٹ کارڈ، اے ٹی ایم کارڈ اور دو NIC کارڈ رکھے تھے۔ ایک نیا اور ایک پرانا، اس نے ساری چیزوں سمیت والٹ وہیں پھینک کر دونوں NIC کارڈ ہاتھوں میں لے کر بغور دونوں کو پڑھا، کچھ فرق نہیں تھا۔ سوائے اس چہرے کے۔

ایک کارڈ اور بھی ملا تھا جس پر موبائل نمبر لکھا تھا۔ ذہن پر زور ڈالا تو یہ وہ نمبر تھا جس پر نوری بار بار فون کرتی تھی اور جب وانیہ وہاں آجاتی تو فوراً لائن بھی کاٹ دیا کرتی اسے نوری پر شک سا ہو گیا تھا۔ جس کا اس نے اظہار بھی کر دیا تھا۔ اسی شک کو یقین میں بدلنے کے لیے اس نے نوری کا چپکے سے موبائل سے سم کارڈ نکال کر کوئی اور سا لگا دیا تھا۔

''اے خدا...... اے خدا...... جب بنا اس کا ہی بنا۔''

(جاری ہے)

قمروش شہک

سلسلہ وار ناول

قسط آخری

وانیہ کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ غم کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ دل چاہا کہ خودکشی کر لے۔ حسن آفریدی کی آواز ابھی بھی کانوں کے پردے جیسے پھاڑ رہی تھی۔ وہ چلتی ہوئی لان کی طرف کھلنے

والے دروازے کی جانب بڑھی تھی۔ دروازہ کھولا اور ریلنگ کے پاس آ کھڑی ہوئی حسن آفریدی کو دیکھنے لگی۔

عارفین نے حسن آفریدی سے گیٹار مانگا اور ریکوئسٹ کی کہ اس کا آخری مصرعہ وہ بھی گائے کیونکہ یہ گانا اس کا بھی فیورٹ ہے۔

میری قسمت کے ہر اک پنے پہ میرے جیتے جی بعد مرنے کے
میرے ہر اک پل ہر اک لمحے میں تو لکھ دے میرا اسے
اے خدا...... اے خدا...... جب بنا اس کا ہی بنا......

عارفین نے وہ گانا میوزک کی دھن پر گنگنایا تھا صرف اس کی انگلیاں چل رہی تھیں آنکھیں اور ہونٹ بالکل چپ تھے۔

وانیہ نے جو سم نوری کے موبائل سے نکال کر اپنے موبائل میں لگالی تھی کبھی موقع ہی نہیں لگا کہ اسے استعمال کرے۔ نہ ہی کبھی اس پر کسی کی کال آئی تھی۔ مگر آج شاید وقت آ گیا تھا اس سم کو استعمال کرنے کا، وانیہ نے وہ نمبر ڈائل کیا بیل جا رہی تھی۔

حسن آفریدی نے اپنا موبائل دیکھا وہاں نوری کا نمبر اسکرین پر جھلملا رہا تھا۔ اس نے اچھنبے ہو کر وہ نمبر دیکھا تھا۔

''اس نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟'' وہ صرف سوچ کر رہ گیا تھا۔ بلوریں آنکھوں میں سوال ڈول رہا تھا۔ وہ بلوریں آنکھیں محفل میں وانیہ کو تلاش کر رہی تھیں مگر وہ یہاں تھی ہی نہیں۔ اس نے ایک سرد سانس لی اور موبائل پھر دیکھا جہاں ابھی بھی کال آ رہی تھی۔ اس نے فون آن کر کے کان سے لگایا۔

''ہاں نوری بولو کیسے فون کیا؟'' لب و لہجے میں بہت بے زاری تھی۔

مگر وہاں سے کچھ نہیں بولا گیا بلکہ لائن کٹ کر دی گئی تھی حسن آفریدی نے موبائل کان سے ہٹا کے عجیب نظروں سے فون کو دیکھا تھا۔

وانیہ نے نمی بھری آنکھوں سے دیکھا تھا۔

''ویلڈن یار! بہت زبردست آواز پائی ہے تم نے۔'' سلجوق آفریدی نے دل کھول کر داد دی تھی بلکہ خوشی سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بھی بڑھایا تھا جو اس نے مسکرا کے تھام لیا تھا۔

''آخر بھیو کس کے ہیں۔'' حنین آفریدی کی زبان پھر پھسلی تھی۔ سلجوق آفریدی نے پھر چونک کر اسے دیکھا تھا۔ اس نے ایک بات اور نوٹ کی تھی کہ حنین آفریدی کی طرح حسن آفریدی کی بھی آنکھیں بلوریں تھیں۔

موبائل پر پھر سے نوری کا فون آنے لگا تھا۔ حنین آفریدی نے حسن آفریدی کا فون دیکھا بیل بج رہی تھی مگر وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ وانیہ پر نظر حنین آفریدی کی ہی پڑی تھی۔ وہ بھی اچانک...... وہ حسن آفریدی سے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ بالکل سامنے حسن آفریدی کے بیڈ روم میں کھلنے والی بالکنی میں وانیہ کان سے موبائل لگائے حسن آفریدی کو ہی دیکھ رہی تھی۔

''منی بھیو......'' حنین آفریدی نے دھیرے سے پکارا۔

''ہوں۔'' حسن آفریدی نے اسے دیکھا۔

''ادھر دیکھیں۔'' حنین آفریدی کی نظروں کے تعاقب میں حسن آفریدی نے ادھر دیکھا تھا۔ وانیہ اسے ہی ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

''اوہ شٹ۔'' وانیہ نے حسن آفریدی کے اس طرف دیکھنے پر سر کو نفی میں اِدھر اُدھر ہلایا تھا۔ حسن آفریدی تیزی سے اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تھا۔ حسن آفریدی تیزی سے اندر کی سمت بڑھا تھا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' ارشد نے اس کی جلد بازی نوٹ کی۔

''کہیں نہیں بس ابھی آتا ہوں۔'' وہ پھر رکا نہیں تھا۔

''یا اللہ ان دونوں کے بیچ سب کچھ صحیح ہو جائے۔'' حنین آفریدی کے دھیرے سے بولنے پر سلجوق آفریدی نے پھر اسے چونک کر دیکھا اور پھر اندر بڑھتے حسن آفریدی کو دیکھا تھا۔ حسن آفریدی تیزی سے تقریباً بھاگتا ہوا دو تین سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگتا ہوا اپنے بیڈ روم میں پہنچا تھا اور اس کا سوچنا درست تھا۔ وانیہ اس کے آنے سے پہلے ہی بھاگنے کے لیے پر تول رہی تھی۔ حسن آفریدی دروازہ کھول کر جیسے ہی

اندر داخل ہوا تھا۔ وانیہ تیزی سے پیچھے ہٹی تھی۔ حسن آفریدی نے اپنا اس قدر پھیلا ہوا بیڈ روم دیکھا۔ جہاں ایک بھونچال سا آیا ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی آندھی طوفان یہاں سے آ کر گزرا ہو۔ اس کے بیڈ روم کی کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو اپنی جگہ پر موجود ہو ٹیبل سے اس کی ساری ضروری فائلز و کاغذات نیچے کارپٹ پر بکھرے پڑے تھے۔ وارڈ روب سے سارے تہہ شدہ کپڑے ہینگر میں لٹکے اس کی شرٹ اینڈ ٹی شرٹ سب نیچے بے دردی سے پھینکے گئے تھے۔ وہیں پر اس کی البم بھی کھلی پڑی تھی اس کے کارڈز، کریڈٹ کارڈ، اے ٹی ایم کارڈ، شناختی کارڈ اس میں رکھے بہت سے پیسے سب کے سب وہیں دبیز کارپٹ پر الٹے سیدھے پڑے تھے اور جس نے یہ سب کیا وہ دشمنِ جان نہایت خوف زدگی سے کسی خوفزدہ چڑیا کی طرح سہم کر اسے دیکھ رہی تھی۔

وانیہ کی رنگت سپید پڑنے لگی تھی۔ وہ یہ کیسے بھول گئی کہ حسن آفریدی صفائی کے معاملے میں کس قدر پوزیسو ہے۔ اسے معمولی سی بھی کمرے کی کسی شے پر دھول پسند نہیں ہے۔ اس کو پھیلا ہوا کمرہ نہیں پسند۔ یہ سب اسے وہ پہلے ہی باور کرا چکا تھا

مگر حسن آفریدی کے چہرے پر معمولی سا بھی غصہ کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ اس کو مزید خوف زدہ و ہراساں کر کے مزید خود کا نقصان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ حسن آفریدی نے بغور اس کا بھیگا چہرہ دیکھا تھا۔

''اتنا بڑا دھوکہ.....'' خوف و ڈر کی وجہ سے اس سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

''وانی میری بات سنو!'' حسن آفریدی اس کی طرف بڑھا تھا۔

''خبردار! میرے قریب مت آئیے گا۔ آپ نے میری زندگی کو مذاق بنا دیا ہے۔ میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

ان نین کٹوروں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ جن سے حسن آفریدی کو بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ وانیہ کے ڈر و خوف میں تھوڑی سی ہمت پیدا ہوئی تھی۔

''وانیہ جان! مجھے اپنی صفائی میں کچھ بولنے تو دو۔'' وہ ایک ہی قدم میں اس تک پہنچا تھا اور نرمی سے کہتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

''خاموش ہو جائیں نہیں سننی۔ مجھے آپ کی کوئی بھی بات اور نہ ہی آپ مجھے ان بے ہودہ لفظوں سے پکاریں۔'' وانیہ نے نہایت بے دردی سے اس کے دونوں ہاتھوں کو جھٹک دیئے تھے اور مزید اس سے دور ہٹی تھی۔

''او کے مگر تمہیں میری بات سننی ہوگی۔''

''وانیہ اس وقت زخمی ہرنی بنی ہوئی تھی۔ نہ ہی تو حسن آفریدی کو کچھ کہنے دے رہی تھی اور نہ ہی اپنے قریب آنے دے رہی تھی۔ وہ جھنجلا گیا تھا۔

''وانیہ اسٹاپ اٹ!''

بالآخر حسن آفریدی کے چہرے پر غصہ در ہی آیا تھا۔ وانیہ ایک دم سب رونا دھونا بھول کر ساکت و جامد ہو گئی۔ وہ یہ کیسے بھول گئی کہ سامنے آفریدی کھڑا ہے جس کے سائے سے وہ آج بھی خوفزدہ تھی اور خاص کر ان بلوریں آنکھوں سے جن میں اس نے ہمیشہ سے سرخ ڈورے ایک غصے کی چنگاری لیے دیکھے تھے۔ اس کی زبان تالو سے جا چپکی تھی۔ سانسیں تھم سی گئی تھیں، دل کی دھڑکنیں دھڑکنا بند ہو گئی تھیں،

آنکھوں کے گرد اندھیرا سا چھانے لگا تھا، ہوش و حواس کھونے لگے تھے۔ عقل و خرد کے سارے دروازے بند ہو گئے تھے، وہ لڑکھڑا کے گر ہی جاتی اگر بروقت حسن آفریدی نے اسے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے اپنی آہنی مضبوط بانہوں میں تھام نہ لیا ہوتا۔

''او مائی گاڈ!'' اب گھبرانے کی باری اس کی تھی۔ اس نے وانیہ کے پھول جیسے وجود کو اپنے چوڑے مضبوط بازوؤں میں اٹھا لیا اور چلتا ہوا اپنے جہازی سائز بیڈ پر لٹا دیا تھا اور خود اس کے پاس اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ اسے خود پر جتنا غصہ آتا کم تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وانیہ اس کے سائے سے بھی کس قدر خوف زدہ ہے اور وہ رات...... وہ رات بھلا وہ کیسے بھول سکتا تھا جو وانیہ کے ڈر و خوف کے تابوت میں آخری کیل تھی۔ وہ آرام سے اس پر جھکا تھا۔

''وانی...... وانیہ......''

حسن آفریدی نے اس کے رخسار پر اپنی ہتھیلی پھیری تھی۔ وانیہ نے اتنی زور سے آنکھیں بھینچ رکھی تھیں جیسے اب کبھی نہیں کھولے گی۔ حسن آفریدی نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا اس چہرے سے بارہا اس نے شدید نفرت کی تھی۔ حالانکہ یہ چہرہ شہلا آفریدی سے کتنا شبہات رکھتا تھا۔ ریحان شیخ نے جو کچھ کیا اس سے کہیں زیادہ حساب وہ اس وجود سے سود سمیت وصول کر چکا تھا کہ اس کے جسم کے ساتھ ساتھ روح بھی گھائل ہو گئی تھی۔ اس کا رواں رواں زخمی ہو گیا تھا۔ اس کا نفس اس کی نسوانیت اس کا اعتماد، انا سب کانچ کے ٹکڑوں کی طرح ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا تھا مگر جو بھی کیا جیسا بھی سلوک و برتاؤ اس نے وانیہ کے ساتھ کیا یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ اس چہرے سے بے پناہ پیار کرتا تھا۔ اس کے وجود کے بغیر رہ نہیں سکتا اس کا پیار اس کی محبت وانیہ کے لیے عشق میں جنون میں کب بدلا وہ بھی نہیں جانتا تھا۔ وہ بغور اس کا ایک ایک نقش تکنے لگا تھا اور نگاہ بھٹکتی ہوئی اس کی صاف و شفاف صراحی دار گردن کے بیچ میں پڑے تل پر ٹھہر گئی تھی۔ وہ خود کو اپنی بے قراری کو روک نہیں سکا۔ تادیر اپنے جذبات پر بند نہیں باندھ سکا تھا۔ وہ جھکتا چلا گیا اور اس کی صاف و شفاف صراحی دار گردن پر اپنے عشق و جنون کی مہر ثبت کرتا چلا گیا تھا۔ وانیہ کی آنکھ کسی احساس کے تحت کھلی تھی۔ پہلے تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا مگر سوتے منجمد اعصاب جاگے تو محسوس ہوا کہ حسن آفریدی اس پر جھکا ہوا ہے۔ خود پر جھکے حسن آفریدی کے دونوں چوڑے کندھوں پر ہاتھ رکھ کے پوری طاقت سے اس نے اس کو الگ کیا تھا اور تیزی سے اٹھی دوسری سائیڈ سے بھاگنے لگی کہ حسن آفریدی نے اس سے زیادہ تیزی سے وانیہ کا بازو تھام کر اپنی سمت کھینچا کہ وہ مکمل اس کے حصار میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ وانیہ کے چہرے پر خوف و ڈر واضح پڑھا جا سکتا تھا۔

''اس طرح اگر مجھ سے ڈرتی رہو گی تو میری بات کیسے سنو گی۔'' اس نے اپنی چمکتی ہوئی بلوریں آنکھیں وانیہ کی سہمی سہمی آنکھوں میں ڈال دی تھیں۔

''مجھے کچھ نہیں سننا آپ مجھے جانے دیں۔'' ان سہمی سہمی خوفزدہ آنکھوں سے چند موتی ٹوٹنے لگے تھے اور اس سے پہلے کہ وہ اپنا اصل کھوتے حسن آفریدی نے جھک کر اس کی پلکوں پر اپنے لب رکھ دیئے تھے۔

''اب مت رونا۔''

وانیہ کی آنکھیں حسن آفریدی کی جسارت پر پھٹی کی پھٹی ہی رہ گئیں۔ اتنا تو وہ جان ہی گئی تھی کہ اب کسی طرح کی بھی مزاحمت کرنا بے کار ہے۔ اس نے پھر ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔ خاموشی سے اس کی بات

سننے میں ہی بھلائی تھی۔

حسن آفریدی کو جب یقین ہو گیا کہ وانیہ اس کی بات سننے کو راضی ہو گئی ہے تو اس نے اپنی گرفت کے حصار سے اسے آزاد کر دیا تھا مگر اس کا نازک ہاتھ ہنوز اس کی مضبوط مٹھی میں قید تھا۔

''تمہارے جانے کے بعد شہلا پھپھو نے بھی میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا، جب میں نے انہیں بتایا کہ میں نے آپ کا بدلہ ریحان شیخ کی بیٹی سے لے لیا ہے تو ان کی آنکھیں جو ایک عرصے سے خشک تھیں، پتھرا گئی تھیں، جانے کہاں سے ان آنکھوں میں ایک سمندر آٹھہرا تھا جو مضبوط بندھ توڑ کر انہیں ہی نہیں میری تم سے شدید نفرت بھی اپنے ساتھ بہہ لے گیا۔ وہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے چلی گئیں مجھے تنہا اکیلا کر کے۔'' ان بلوریں آنکھوں میں ایک درد، ایک کرب تھا بہت گہرا جدائی کا دکھ تھا۔ وانیہ نے حسن آفریدی کے چہرے پر لکھی تکلیف کو بغور دیکھا تھا تو ان آنکھوں میں وہ چہرہ بھی جھپ سے آرکا تھا جو اس نے حسن آفریدی کے گھر پر بستر پر دیکھا تھا۔

''میں اپنی شہلا پھپھو سے بچپن سے ہی بہت محبت کرتا تھا ان سے اٹیچ تھا۔ ان کا اتنا بڑا دکھ مجھ سے برداشت ہی نہیں ہوا۔ دس سال کی عمر سے ہی میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ میری زندگی کا صرف ایک ہی مقصد ہے، ریحان شیخ کی ہر طرح سے بربادی اور میں اپنے مضبوط ارادوں اور مقصد میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ تم سے شدید نفرت کرتے کرتے کب تم میرے اندر محبت کی جڑیں پھیلا گئیں مجھے پتا ہی نہیں چلا۔''

اس نے محبت و چاہت سے وانیہ کو دیکھا تھا۔ وانیہ جو بغور اس کا چہرہ تک رہی تھی اس کے یوں چاہت بھری نظروں سے دیکھنے پر بری طرح جھینپ کے رہ گئی حیا سے پلکوں کی باڑلرز کے رہ گئی تھی۔

''اس دن میں تمہارے پاس واپس آرہا تھا تمہیں لینے کے لیے۔ ریحان شیخ نے جو کچھ شہلا پھپھو کے ساتھ کیا اس کا درد انہوں نے پا لیا تھا جو کچھ انہوں نے شہلا پھپھو کو دیا اس سے کہیں زیادہ تکلیف نقصان انہیں مل چکا تھا۔ مجھے اب ریحان شیخ سے کوئی سروکار کوئی مطلب نہیں تھا۔ میں نے تم سے نکاح کیا تھا تم میری بیوی تھیں۔ اس لیے میں نے سوچ لیا تھا کہ میں تمہیں لے کر ہمیشہ کے لیے یہاں سے اس ملک کو چھوڑ کے چلا جاؤں گا، جہاں صرف میں اور تم اپنی الگ دنیا بسا کے رہیں گے، جہاں دکھ و درد کا معمولی سا بھی سایہ ہم کو چھو نہ سکے مگر وہ حادثہ...... اس حادثے نے سب کچھ ختم کر دیا تھا، میں جس گاڑی میں تھا اس گاڑی میں پہلے سے بم لگا دیا گیا تھا جس کا ریموٹ کنٹرول ریحان شیخ کے ہاتھ میں تھا۔ ریحان شیخ نے بٹن دبا دیا تھا اور وہ گاڑی بلاسٹ ہو گئی تھی یہ میری خوش قسمتی تھی کہ گاڑی بلاسٹ ہوتے ہی میں ونڈ اسکرین سے اچھل کے دور جا گرا تھا۔ ریحان شیخ نہیں جانتا تھا کہ میں اچھل کر گاڑی سے نکل کر دوبارہ جا گرا ہوں، ورنہ ریحان شیخ مجھے اس طرح کبھی نہیں چھوڑتا اس کا پورا پورا پلان تھا کہ وہ مجھے آج ختم ہی کر دے گا مگر گاڑی کی شیشوں کی کرچیوں سے میرا وجود زخمی زخمی ہو گیا تھا اور جو سب سے بڑا نقصان ہوا تھا وہ میرا چہرہ تھا میرا پورا چہرہ مسخ ہو گیا تھا۔ اس وقت میں نے اس قدر تکلیف برداشت کی تھی کہ شاید ہی زندگی میں کبھی اتنی تکلیف سہی ہو گی۔ ریحان شیخ تو اپنا کام کر کے کب کا جا چکا تھا مگر میں دور ایسے ہی زخمی زخمی لہولہان سا روڈ پر پڑا تھا کچھ لوگوں نے اٹھا کر مجھے قریبی اسپتال میں پہنچا دیا تھا۔ ڈاکٹرز کے بھی میری ایسی کنڈیشن دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ میں نے صرف اتنی ہمت کی کہ ڈاکٹر سے کہہ کر اپنے جگری دوست ارشد کو فون کرا دیا تھا۔ ارشد ایک کال پر پہلی فلائٹ سے ہی اسلام آباد پہنچا تھا۔

''او مائی گاڈ! حسن یہ کیا ہوا ہے کس نے کیا ہے تمہارے ساتھ اس طرح۔'' ارشد کی آنکھوں میں دکھ ہلکورے لے رہا تھا۔ حسن آفریدی کی تکلیف اسے اپنے اندر محسوس ہوئی تھی۔

''یار...... تم...... بس میرا...... علا...... علاج کروا...... دو......'' یہ چند جملے بمشکل تکلیف کی شدت سے اس کے منہ سے نکلے تھے۔ چہرے کی پوری کھال جھلس کے رہ گئی تھی۔ سوائے ان بلوریں آنکھوں کے۔ چہرے کا ہر نقش جل کے رہ گیا تھا۔

''تو خاموش مت بول میں تیرا علاج کرواؤں گا تجھے کچھ نہیں ہوگا۔'' ارشد سے اس کا پٹیوں میں جکڑا وجود دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ اس کا دل اس قدر دکھا تھا وہی جانتا تھا خون کے آنسو رو رہا تھا۔

ارشد نے ایک دو گھنٹے میں ارجنٹ امریکہ کی دو سیٹیں کنفرم کرالی تھیں۔ کتنے ہی گھنٹوں کی مسافت طے کر کے وہ حسن آفریدی کے ساتھ امریکہ کے اسپتال میں موجود تھا۔ حسن آفریدی کا آپریشن شروع کر دیا گیا تھا۔

''مسٹر ارشد! حسن آفریدی کا چہرہ پوری طرح جھلس کے رہ گیا ہے پلاسٹک سرجری سے ان کا پورا چہرہ کسی اور چہرے میں تبدیل ہو جائے گا۔'' ڈاکٹر نے انگریزی میں ارشد سے کہا تھا۔

''نو پرابلم ڈاکٹر! حسن کی زندگی سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔''

''اوکے تو پھر آپ جلدی سے کچھ پیپرز پر سائن کر کے فارمیلٹی پوری کریں۔ ہم آپریشن کی تیاری کرتے ہیں۔'' حسن آفریدی کا آپریشن کامیاب ہو گیا تھا کتنے ہی دن وہ اسپتال میں رہا تھا۔ اس کا چہرہ سفید پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔

آج اس کے چہرے سے پٹیاں ہٹانی تھیں۔ ڈاکٹرز اور ارشد روم میں داخل ہوئے۔ حسن آفریدی کے چہرے کی پٹی ہٹا دی گئی تھی۔ اسے ایک نیا چہرہ ملا تھا، ڈاکٹر نے اسے آئینہ دکھایا۔

''ارشد! میرا چہرہ......'' حسن آفریدی نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''تمہارا کانچ کی کرچیوں اور بلاسٹ کی تپش سے پورا چہرہ جھلس گیا تھا۔ تمہارے چہرے کی پلاسٹک سرجری کرنی ضروری تھی۔'' ارشد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

حسن آفریدی نے کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے آئینہ دیکھا تھا، اس میں اپنا نیا چہرہ دیکھا تھا۔ کچھ عرصہ وہ وہیں امریکہ میں ہی رہے ڈاکٹرز کی بہترین ٹریٹمنٹ سے وہ جلد صحت یابی کی طرف لوٹنے لگا تھا۔

''ہم اسلام آباد واپس آ گئے ارشد کو اپنی کوئی میٹنگ اٹینڈ کرنی تھی اور مجھے تمہارے پاس آنا تھا مگر ہر دکھ ایک طرف تمہاری جدائی کا دکھ ایک طرف۔ تم دنیا کی بھیڑ میں کہاں کھو گئیں مجھ سے جدا ہو گئیں میں نہیں جانتا تھا۔

میں نے اللہ کے حضور گڑگڑا کے تمہارے ملنے کی دعا مانگی تھی مگر مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری دعائیں اتنی جلدی قبول ہو جائیں گی اور مجھے تم مل جاؤ گی۔'' حسن آفریدی نے اس کے رخسار پر اپنی چوڑی ہتھیلی رکھی تھی۔

''ارشد مجھے زبردستی اپنے گھر لے آیا تھا۔ میں یہاں قطعی نہیں آنا چاہتا تھا مگر اب سوچتا ہوں اچھا ہوا ارشد کی بات مان لی۔ ارشد میرا جگری دوست ہے میری زندگی کے ہر اوراق سے وہ واقف ہے۔ سوائے اس کے جولڑ کی میری زندگی میں ہے وہ تم ہو اور اس گھر میں موجود ہو، جب میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا تو

مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ قدرت مجھ پر یوں بھی مہربان ہوسکتی ہے۔'' وہ ہولے سے مسکرا دیا تھا۔
''تم مجھے یوں اتنی آسانی سے مل جاؤ گی۔ میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ جبھی تو اس رات میں خود کو روک ہی نہیں پایا تھا اور تمہارے پاس تمہارے بیڈروم میں چلا آیا تھا۔'' وانیہ کو پچھلے ماہ کی وہ گزری رات یاد آگئی جو اس نے بھیانک خواب سمجھ کر جھٹک دیا تھا۔
''اس کا مطلب وہ سب حقیقت تھا اس دن حسن آفریدی نے جو کچھ اس کے ساتھ کیا وہ سب سچ تھا۔'' وانیہ پرسوچ نظروں سے حسن آفریدی کو دیکھنے لگی تھی۔
''کچھ بولو گی نہیں؟'' حسن آفریدی نے اس کی پرسوچ آنکھوں میں اپنی بلوریں آنکھیں گاڑھ دیں۔ وانیہ نے اس کے دیکھنے پر نگاہیں جھکا لیں۔
''اسپتال سے ڈسچارج ہونے کے بعد بابا مجھے لندن لے گئے تھے تاکہ میرے پاؤں کا آپریشن کرائیں، میں ان کے ساتھ جانے کو راضی ہوگئی تھی۔ اس شہر میں اب میرا دل بالکل نہیں لگتا تھا، میں اپنی زندگی سے بیزار ہوگئی تھی چھٹکارا چاہتی تھی آپ سے آپ کی یادوں کو بھول جانا چاہتی تھی۔ اس حادثے کو اپنے دل ودماغ پر چسپاں ہر نقش کو مٹا دینا چاہتی تھی۔ میں لندن آگئی تھی جہاں سب سے پہلے میرا آپریشن ہوا تھا۔ اللہ کے فضل وکرم سے وہ کامیاب ہوگیا تھا۔ میں بابا کے کزن کے گھر آگئی تھی۔ کچھ ماہ بعد انہوں نے مجھے موبائل میں وہ وڈیو کلپ دکھائی جس سے پل بھر میں، میں بری طرح چکرا کے رہ گئی تھی۔ ایسا لگا پورا آسمان میرے سر پر آگرا ہو۔'' ان آنکھوں سے وہ لمحہ یاد کرکے چند موتی ٹپکے تھے۔
''کیا تھا اس وڈیو میں......''
''آپ......'' اس نے بھیگی بھیگی آنکھوں سے حسن آفریدی کو دیکھا تھا۔
''میں......''
''جی......اس میں وہ وڈیو تھی جس گاڑی میں آپ گاڑی کار پارکنگ کی طرف لے جارہے تھے کہ وہ اچانک سے بم بلاسٹ ہوگئی تھی۔''
''بابا......یہ......یہ کیا ہے۔'' وانیہ کی زبان لڑکھڑا کے رہ گئی۔ وہ ایک پل میں چکرا کے رہ گئی تھی۔
''بیٹا وانی! یہ آفریدی ہے جس کی بدولت آپ نے بہت سی تکلیفیں سہیں، درد برداشت کیے، آپ کی زندگی آپ کا چین سکون سب برباد ہوگیا اور یہ سب جس کی وجہ سے ہوا میں نے اسے جان سے مار دیا۔ اس دنیا سے اس کا وجود مٹا دیا۔''
''نہیں بابا! یہ غلط ہے آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں آفریدی سے دور جانا چاہتی تھی۔ اس کے سائے سے چھٹکارا چاہتی تھی مگر بابا یہ بھی حقیقت ہے کہ میں کسی کی جان نہیں لینا چاہتی تھی۔''
''میری جان! یہ کسی نہیں آفریدی ہے وہی آفریدی جس نے لمحہ لمحہ آپ کو اذیت میں رکھا، آپ کو آپ کے سائے تک سے خوف زدہ رکھا، راتوں کو ڈر ڈر کر اٹھنا، چیخنا، چلانا، یہ سب کس وجہ سے تھا آفریدی کی وجہ سے اور اگر آج میں نے آپ کا بدلہ پورا لے لیا تو آپ کو خوش ہونا چاہیے اور پھر یہی تو نہیں اس نے ہمیں مالی حالات سے بھی تو کنگال کردیا ہے، میرا پورا بزنس میری فیکٹریز سب برباد کردیا۔''
''تو بابا! اگر آفریدی نے ایسا کیا تو کیوں کیا ان سب کی وجہ کیا ہے؟''
''کیا مطلب؟'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''شہلا آفریدی۔'' انہوں نے دھیرے سے یہ نام پکارا تھا۔ ریحان شیخ وانیہ سے نگاہ چرانے لگے تھے۔
''نظریں چرانے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی بابا۔'' اس نے ریحان شیخ کو نظریں چراتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

''بابا! آفریدی نے میرا جسم ہی نہیں میری روح تک زخمی کر دی ہے۔ میں خود سے بھی نظر ملانے کے قابل نہیں رہی مگر آپ سے جو دکھ مجھے ملا ہے وہ آفریدی کے دیئے گئے درد اور زخم کے آگے بہت بڑا ہے، دل سے خود کے لیے یہی بد دعا ہے کہ اللہ مجھے بھی شہلا آفریدی کی طرح یا اس سے زیادہ درد دے یا ایسی دردناک موت دے کہ دوسروں کے لیے عبرت کا نشان بن جائے۔''

''وانیہ......!'' ریحان شیخ نے آج زندگی میں پہلی بار وانیہ پر ہاتھ اٹھایا تھا اور جتنا اپنے آپ پر افسوس ہوتا کم تھا۔

''ماریں آپ مجھے۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ آپ مجھے مار ہی دیں۔'' وانیہ کے آنکھوں سے متواتر آنسو ٹپک رہے تھے۔

''خدا کے لیے وانی بیٹا! ایسا مت بولیے۔''

''کیوں نہیں بولوں بابا! شہلا آفریدی کو موت سے بھی بدتر حالت میں، میں نے بستر پر پڑے دیکھا ہے۔ وہ زندہ لاش جیسی زندگی گزار رہی ہیں اور ان کی اس حالت کے ذمہ دار ہیں تو صرف اور صرف آپ ہیں بابا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا نا کہ آفریدی نے اب تک جو میرے ساتھ جانوروں جیسا جارحانہ برتاؤ کیا، میرے وجود کی روح کی میرے نفس نسوانیت کی جو دھجیاں بکھیریں وہ سب آپ کا خمیازہ تھا۔ آفریدی کا مجھ سے شدید نفرت اور اپنی اس شدید نفرت میں میری انا میرے اعتماد کو چکنا چور کرتا اپنے پیروں تلے روند ڈالنا وہ سب آپ سے بدلہ تھا آپ کے کیے کی سزا اس نے مجھے لحہ بہ لحہ دی ہے بابا۔'' وہ پل بھر کے لیے خاموش ہو گئی تھی، اس کا سانس پھولنے لگا تھا۔ ریحان شیخ نظر جھکائے سر کو جھکائے شرمندہ کھڑے تھے۔

''میں آپ کو دنیا کا سب سے بیسٹ فادر گردانتی تھی، آپ میرے سپر ہیرو تھے میرا غرور میرا فخر تھے بابا! مگر آپ نے میرا غرور میرا مان بھرم سب توڑ دیا۔'' وہ بری طرح رو دی تھی۔

''مجھے شکایت آفریدی سے نہیں ہے بابا! کہ اس نے تو اپنی شہلا پھپھو کا بدلہ لے کر آپ کو جانی مالی نقصان پہنچایا ہے۔ اس نے تو جو میرے ساتھ زیادتی کی میرے ساتھ جارحانہ سلوک کیا وہ نکاح کرنے کے بعد کیا لیکن آپ نے اس معصوم لڑکی کو ناجائز طریقے سے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا، بابا میں یہ سب سننے اور دیکھنے کے بعد زندہ ہوں تو کیوں مجھے موت نہیں آ گئی۔ شاید اس لیے کہ زندگی کی آخری سانس تک آپ کا گناہ مجھے دھونا ہے، پل پل مر کے جینا ہے اور جی کے مرنا ہے۔

وہ چپ ہو گئی بولتے بولتے تھک گئی تھی اس کا نفس پھول گیا تھا۔

ریحان شیخ ایک لفظ نہیں بولے تھے کیا بولتے وہ اپنی صفائی میں، انہوں نے واقعی وہ گناہ کیا جسے وہ بھول گئے تھے مگر قدرت کے نظام کو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جس شہلا آفریدی کی عزت و آبرو کی دھجیاں بکھیر دیں تھیں۔ آج وہ سر اٹھائے ان کی اپنی سگی چہیتی بیٹی وانیہ کی شکل میں ان سے حساب مانگ رہی تھی مگر اسے کہنے کے لیے ریحان شیخ کے پاس کچھ نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے کندھے ڈھائے شرمندگی سے نظروں کو جھکائے ہارے ہوئے قدموں سے کمرے سے نکلتے چلے گئے تھے۔

وانیہ وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بلک بلک کر رو دی تھی۔
اس دن سے ریحان شیخ کو کبھی مسکراتے نہیں دیکھا۔ وہ بالکل خاموش ہو کر کمرے میں قید ہو کر رہ گئے تھے۔
''بابا بالکل خاموش ہو گئے تھے کسی سے بھی بولنا انہوں نے ترک کر دیا تھا۔ مسکرانا چھوڑ دیا تھا جو غلطی انہوں نے کی اس پر وہ بہت شرمندہ اور پشیمان تھے مجھ سے بھی بات کرنا چھوڑ دی تھی۔ میں ہر روز چپکے سے راتوں کے تیسرے پہر ان کے کمرے میں جاتی وہ اپنے بیڈروم میں جائے نماز بچھائے نہایت خشوع وخضوع سے اللہ کے حضور گڑ گڑا کے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہتے تھے۔ دن بدن ان کی صحت گرتی چلی جارہی تھی جو غلطی یا گناہ ان سے سرزد ہوا تھا، وہ گھن کی طرح اندر ہی اندر انہیں گھلا رہا تھا انہیں ختم کر رہا تھا۔'' بولتے بولتے کب اس کا چہرہ بھیگ گیا وہ خود نہیں جانتی تھی۔
''انہیں اس طرح تنکا تنکا مرتے دیکھ کر میں کڑتی رہتی۔ جذبات کی رو میں بہہ کر وہ بہت بڑا گناہ کر بیٹھے تھے پھر میں نے ڈیسائیڈ کیا کہ ہمیں مکہ مدینہ خانہ کعبہ عمرے کی سعادت حاصل کرنے جانا چاہیے۔ ہم اس پاک مقدس جگہ پر پہنچے وہاں کی پاک مقدس جگہوں کی زیارت کی، عمرے کی سعادت حاصل کی، بابا اس پاک ومقدس جگہ کے ذرے ذرے پر سجدہ کرتے رہے اور تڑپ تڑپ کر روتے ہوئے معافی مانگتے رہے، میں انہیں صرف دیکھنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکی۔ مجھ میں اتنی سکت ہی نہیں تھی کہ اللہ اور بابا کے درمیان آکر دخل اندازی کرتی اور پھر وہ ہوا جس کا مجھے وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ بابا خانہ کعبہ کی پاک مقدس زمین پر جب سجدہ ریز تھے اسی لمحے انہیں ہارٹ اٹیک کا ایسا شدید دورہ اٹھا کہ اس پل ان کی جان لے گیا۔'' وانیہ کی ہچکیاں بندھ گئیں وہ بلکتی ہوئی حسن آفریدی کی بند مٹھی پر سر ٹکائے رو پڑی۔ حسن آفریدی نے نہایت دکھ و تکلیف سے اس لڑکی کو دیکھا تھا جو اس کی رگ جاں تھی اس کے لرزتے کپکپاتے وجود پر نظر ڈالتے اس نے وانیہ کے سر پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وانیہ نے سر اوپر اٹھایا۔
''میں آپ سے ریکویسٹ کرتی ہوں التجا کرتی ہوں منت کرتی ہوں میرے بابا کو معاف کر دیں آخری سانس تک جو ان کے لبوں پر دعا تھی تو صرف یہی کہ ''یا اللہ میرے گناہوں کو معاف کر دے، مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی، مجھے معاف کر دے مجھے سکون دے۔'' وانیہ نے التجائی منت بھری نظروں سے حسن آفریدی کو تکا تھا۔ حسن آفریدی نے اس کا آنسوؤں میں تر چہرہ دیکھا۔
''وانیہ! میری کیا اوقات جو میں انہیں معاف کروں، انہیں تو اللہ رب العزت نے ہی معاف کر دیا ہے جو اپنے گھر بلا کر اپنے گھر کی مٹی نصیب کی ہے ورنہ بہت کم خوش قسمت ہوتے ہیں جنہیں وہ مٹی نصیب ہو۔ شہلا پھپھو بہت اذیت میں درد میں اور تکلیف میں رہی ہیں، اپنی سگی ماں کے ہوتے ہوئے بھی ان کی نرم وگرم آغوش سے دور رہی ہیں۔ اپنوں کے ہوتے ہوئے بھی انہوں نے بے سہارا زندگی صرف بستر پر گزار دی ہے مگر ہم نہیں جانتے کہ ہمارا خدا کیا ہم سے چاہتا ہے یا کیا سوچ بیٹھا ہے۔ ان کی زندگی صرف اتنی ہی تھی جو تکلیفوں کے علاوہ کچھ نہیں تھی۔ شہلا پھپھو اپنی تکلیفوں سے آزاد ہو گئی ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ جب میں نے انہیں تمہارے بارے میں بتایا تو کیوں ان کی عرصے سے خشک آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔ شاید وہ دوسری شہلا آفریدی نہیں چاہتی تھیں۔'' حسن آفریدی نے اس کا بھیگا چہرہ صاف کیا تھا۔
''اور اگر تمہیں سکون معافی سے ہی ملتا ہے، تو میں نے میرے خدا نے ریحان شیخ کو معاف کیا اس لیے

اب مزید اپنے دل و دماغ پر کوئی بوجھ ست ڈالو۔‘‘ وہ ہولے سے مسکرا دیا۔ وانیہ کچھ نہیں بولی خاموشی سے نگاہیں جھکا گئی۔

’’اچھا اب یہ ساری درد بھری سوچوں اور یادوں کو بھول جاؤ اور مجھے یہ جواب دو کہ یہ جو میرا بیڈ روم اتنا بکھیرا ہے کون سمیٹے گا؟‘‘

وانیہ نے نظر اٹھا کے اس کا پھیلا بکھرا کمرہ دیکھا۔

’’اسی کمرے کی طرح تو آپ نے مجھے بھی بکھیر دیا ہے۔‘‘ بیساختہ ہی شکوہ اس کی زبان سے نکلا تھا۔ ان آنکھوں میں شام کا وہ منظر گھوم گیا جو اس نے اس کے ساتھ بیڈ روم میں جارحانہ سلوک کیا تھا۔ حسن آفریدی نے ان آنکھوں پر لکھی سوچ پڑھ لی تھی۔

’’مسز وانیہ حسن! آپ اتنی مہارت سے یہ کمرہ نہیں سمیٹیں گی جتنے پیار و محبت سے میں آپ کو اپنے اندر سمیٹ لوں گا۔‘‘ نرمی اور چاہ سے کہتے ہوئے حسن آفریدی مزید اس کے نزدیک ہوا تھا۔ وانیہ اس کے بے باک جملے پر اور اس کے یوں نزدیک آنے پر حیا سے خود میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔ حسن آفریدی نے جانثار نظروں سے اس کے شرم و حیا سے سرخ چہرے کو دیکھا تھا۔

’’اور تم جانتی ہو کہ ساڑھی مجھے قطعی پسند نہیں ہے، جب تم ساڑھی باندھ کر محفل میں آئیں تو کتنے ہی لوگوں کی نظر تمہارے سوگوار حسن پر اٹھی تھی۔ بس ہمارا پٹھانوں کا خون جوش مارنے لگا، غصہ آ گیا اس لیے شام کو جو تمہارے ساتھ سلوک کیا وہ سب غصے میں کیا تھا۔‘‘ اس نے وانیہ کے چہرے پر آئے بالوں کو کان کے پیچھے کیا تھا۔

’’آپ بہت چالاک ہیں رات کے اندھیرے میں آفریدی بن کر مجھے زخم دیتے رہے اور دن کے اجالے میں حسن بن کر مرہم رکھنے چلے آئے۔‘‘ اس نے اپنے چہرے سے حسن آفریدی کا ہاتھ ہٹایا تھا۔

’’اور تم نہایت معصوم اور تھوڑی بے وقوف بھی۔‘‘

’’وہ کیوں؟‘‘ معصومیت سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

’’وہ اس لیے کہ جب تمہیں تمہارے بیڈ روم میں لے گیا اور کچھ دیر بعد چھوڑ کے گیا مگر پھر دو منٹ بعد اندر آیا تو تمہیں جب بھی شک نہیں ہوا۔‘‘ وانیہ نے ناسمجھ نظروں سے دیکھا، اسے حسن آفریدی کی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی جو حسن آفریدی نے نوٹ کر لی تھی۔

’’اچھا دیکھو! میں سمجھاتا ہوں، اب دیکھو جو شخص اپنی بیوی کے لیے اس کی عزت کے لیے اتنا پوزیسو ہو سکتا ہے وہ کیا اپنی بیوی کو ایسی حالت میں چھوڑ کے دروازہ بنا لاکڈ کیے جا سکتا ہے۔‘‘ وانیہ کو اب سمجھ میں آیا تھا اور اپنی بکھری حالت جو حسن آفریدی نے کی تھی اسے یاد کر کے اس کے گالوں پر لالی سی بکھرنے لگی تھی۔ حسن آفریدی نے بغور اس کا گلنار کی طرح اناری چہرہ دیکھا تھا۔

’’ایک بات کہوں۔‘‘ حسن آفریدی نے اس کا شرمیلا سندر مکھڑا اپنے ہاتھوں کے پیالوں میں بھرا تھا۔ وانیہ نے لرزتی پلکیں بمشکل اوپر اٹھائی تھیں۔

’’تم پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو گئی ہو۔‘‘ اس کی ذومعنی سرگوشی بلوریں آنکھوں میں شوخیاں وانیہ کے دل میں اودھم پیل مچانے لگے تھے۔ اس کا پورا جسم اس کی اس طرح نزدیکی پر لرزنے لگا تھا۔ آنکھوں میں ... نمی آ ٹھہری تھی، شنگرفی ہونٹ کپکپانے لگے تھے، حسن آفریدی کے دل میں یہ ہوشربا منظر اس

کے صبر کا مزید امتحان نہیں لے سکے۔ وہ بے قراری و بے تابی لیے اس کے خوب صورت چہرے پر جھکا تھا اور اپنے والہانہ پیار کا ثبوت دیتا چلا گیا تھا۔

''بہت دکھ درد دیے ہیں میں نے تمہیں مگر فکر مت کرو ایک ایک حساب سود سمیت پورا کردوں گا کہ اپنی قسمت پر رشک کرو گی۔'' وانیہ نے آسودہ ہوکر اس کے شانے پر سر رکھ دیا تھا۔ اسی دوران اس کا فون بجنے لگا تھا۔ حسن آفریدی نے اپنی جینز کی جیب سے فون نکالا۔ وانیہ نے بھی سر کو اٹھا کے اسے دیکھا تھا۔ حسن آفریدی نے فون او کے کر کے کان سے لگایا۔

''ہاں حنین بولو۔''

''سب ٹھیک ہے وانیہ بھابی مان گئیں؟''

''ہاں بارش کے بعد جو منظر نکھرا نکھرا اجلا اجلا ہوتا ہے وہی حال یہاں بھی ہے۔'' حسن آفریدی نہایت محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''تو اس کا مطلب ہے وانیہ بھابی سے اب مل سکتا ہوں میں۔''

''شیور۔''

''تو ٹھیک ہے آپ دروازہ کھولیں میں باہر ہی کھڑا ہوں۔''

''وائے تم یہاں ہو.......؟'' حسن آفریدی نے چونک کر دروازہ دیکھا۔

''یار ہنی بھیو! قسم سے پاؤں شل ہوگئے ہیں کھڑے کھڑے بعد میں چونک لینا ابھی تو دروازہ کھولیں۔''

''یو چیٹر......'' حسن آفریدی وہاں سے اٹھا اور دروازے کی سمت بڑھا تھا۔ دروازہ کھولا تو وہ واقعی میں وہاں کھڑا تھا اور بنا حسن آفریدی سے کوئی بات کیے وہ اندر گھسا تھا۔ وانیہ اس کی اچانک آمد پر اپنی جگہ سے دو فٹ اونچی اچھلی تھی۔

''یہ تو حرا کا دیور ہے۔'' وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔

''السلام علیکم وانیہ بھابی!''

''جی وعلیکم السلام!'' وہ گھبرا کے حسن آفریدی کو تکنے لگی جو چہرہ نیچے کیے مسکرا رہا تھا۔

''یار! خدانخواستہ کیا وانیہ بھابی نے آپ کی ان چیزوں سے پٹائی کی ہے۔'' حنین آفریدی نے بکھرا کمرہ دیکھا اور پر مزاح انداز میں گھبرائی وانیہ کو دیکھا۔ وانیہ وہاں سے جانے لگی کہ حسن آفریدی نے اس کی کلائی تھامی تھی۔ اس نے حسن آفریدی کو دیکھا تھا سہمی ہوئی نظروں سے۔

''ادھر بیٹھو سب بتاتا ہوں۔'' وہ اسے لیے بیڈ کی طرف لے آیا تھا۔

☆......☆

''کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اپنے ہونے والے سسرال میں یوں کیوں کھلم کھلا دندناتے پھر رہے ہیں، جب کہ کل آپ کی شادی ہے۔'' ثمرن اپنے بچوں کے لیے فیڈر بنا کے لے جا رہی تھی کہ سلجوق آفریدی کو سامنے سے آتا دیکھا۔

''کچھ نہیں ثمرن بھابی! دراصل میں پانی پینے جا رہا تھا۔'' وہ سر کھجانے لگا تھا۔

''مگر جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے یہ کمرہ تو حرا کا ہے۔ کچن کا راستہ اس طرف ہے۔'' ثمرن کو ثانے نے سب بتا دیا تھا کہ سلجوق آفریدی کی خواہش ہے حرا سے ملنے کی۔

''جی......وہ......'' مشکل میں پڑ گیا تھا وہ۔
''ارے سلجوق بھائی! آپ ابھی تک یہیں کھڑے ہیں۔'' ژالے حرا کے کمرے سے نکل کر آئی۔
''بس میں آرہا تھا مگر بارڈر پر ہی روک لیا گیا۔'' سلجوق آفریدی نے ژالے کو مسکرا کے دیکھا۔ وہ دھیرے سے ہنس دی۔
''ژالے رضا رورہا ہے۔'' باہر سے کسی نے آواز لگائی تھی۔
''صرف آدھا گھنٹہ ہے آپ کے پاس اس کے بعد آپ یہاں سے نو دو گیارہ ہو جائیے گا اور حرا اس ملاقات کے لیے قطعی طور پر راضی نہیں ہے۔'' وہ جلدی جلدی کہنے لگی۔
''اب میں جاؤں؟''
''جی ہاں بالکل جائیے مگر ذرا احتیاط سے۔''
''اوکے......'' سلجوق آفریدی، حرا کے بیڈروم کی سمت بڑھ گیا اور ژالے ثمرن کو لیے باہر لان کی جانب بڑھ گئی۔ سلجوق آفریدی اندر داخل ہوا تو زرد جوڑے میں حرا پشت موڑے کھڑی تھی، سلجوق آفریدی نے ایک نظر اس کو دیکھنے کے بعد دروازہ لاکڈ کیا تھا اور پلٹ کر اس کے پاس آنے لگا۔ آواز کی آہٹ پر حرا تیزی سے پلٹی تھی۔
''ژالے کی بچی مار کھائے گی۔''
''ارے......ارے......'' سلجوق آفریدی نے اپنے دونوں ہاتھ مجرموں کی طرح اوپر اٹھا لیے کیوں کہ حرا کے ہاتھ میں ٹیبل لیمپ تھا جو شاید ژالے کو مارنے کے لیے ہی اٹھایا تھا۔
''آ......پ......'' حرا، سلجوق آفریدی کو دیکھ کر بری طرح گھبرا گئی اور ہاتھ میں پکڑا لیمپ تیزی سے نیچے کیا۔
''آپ اپنے بیڈروم میں آنے والوں کا اس طرح سواگت کرتی ہیں۔'' سلجوق آفریدی نے بغور اس کا دلکش سراپا دیکھا تھا۔ زرد کپڑوں میں وہ خود بھی ایک زرد پھول لگ رہی تھی۔ حرا اس کے اس طرح غور سے دیکھنے پر جھینپ کر رہ گئی بلکہ اس کی جانب سے رخ ہی موڑ لیا تھا ہونٹوں پر شرگیں مسکراہٹ نے قبضہ کر لیا تھا۔
سلجوق آفریدی چلتا ہوا اس کے مقابل آٹھہرا تھا اور اس کا جھکا شرمیلا چہرہ انگشت شہادت سے اوپر اٹھایا تھا اس کی آنکھیں بند تھیں۔ سلجوق آفریدی نے اس کی لرزتی بند پلکیں دیکھیں۔
''حرا......!'' نہایت دھیمے سے پکارا تھا۔
''میری طرف دیکھو میں تمہیں دیکھنے آیا ہوں۔ سنا ہے مایوں کی دلہن اس روپ میں بہت حسین لگتی ہے۔ جہاں کا سارا حسن اس کے چہرے پر آکر سمٹ جاتا ہے جو اسے اور پاکیزہ بنا دیتا ہے مگر آج اس خوب صورتی پر ایمان لے آیا ہوں یقین ہو گیا ہے کہ یقیناً مایوں کی دلہن بہت خوب صورت ہوتی ہے۔'' سلجوق آفریدی نے جھک کر نہایت دھیمی سی سرگوشی کی تھی۔ مقابل کی جان ہی تو نکل گئی تھی۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کیے گھبرا رہی تھی۔ جس کا سلجوق آفریدی کو اچھی طرح اندازہ تھا۔
سلجوق آفریدی نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط و چوڑی ہتھیلیوں میں قید کر لیے تھے۔ اس کے نرم و گرم لمس پر حرا کانپ کر رہ گئی۔

''آپ پلیز جائیے نا کوئی آ جائے گا۔''

''اور اگر میں کہوں کہ آج رات میں یہیں رکنے کا ارادہ رکھتا ہوں، جب تک تم اقرار محبت نہیں کرتی ہو پھر۔'' حرا کی تو سٹی ہی گم ہوگئی۔

''یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' اس کی جان مزید مشکل میں پڑ گئی تھی۔ وہ اپنے ہاتھ اس کی مٹھی میں سے نکالنے لگی، جس کے لیے مقابل قطعی طور پر راضی نہیں تھا۔

''کیوں کچھ غلط کہا میں نے؟'' آنکھوں میں خمار سا بھرنے لگا تھا۔ اس کو جو موتیاں کے پھولوں کا سیٹ پہنایا تھا اس کی خوشبو سلجوق آفریدی کو اور دیوانہ بنا گئی۔

''میں نے ژالے کو منع کیا تھا۔'' وہ ہولے سے بولی مگر مقابل بھی قیامت کی ساعت رکھتا تھا۔

''میں جانتا ہوں مگر کیا کریں آپ کی بھابی صاحبہ نیگ بھی تو بھاری وصول کریں گی مگر خیر ہے تمہارے حسن کے صدقے یہ بھی قبول ہے۔''

''یہ سراسر بے ایمانی ہے۔''

''بے ایمانی، کیسی بے ایمانی تمہارے حسن کے دیدار کی یا ژالے بھابی کو نیگ دینے کی۔'' وہ مستقل چھیڑ رہا تھا۔

''آپ پتا نہیں کیا کہہ رہے ہیں، میں جا رہی ہوں۔'' وہ ہڑبڑاتی ہوئی جانے لگی کہ سلجوق آفریدی کی مضبوط مٹھی میں جو اس کا ہاتھ قید تھا وہ اس نے ایک جھٹکے سے جو کھینچا تو حرا اپنا آپ سنبھال نہ پائی اور اس کے چوڑے بازو سے آ ٹکرائی تھی۔

''محترمہ آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔''

''آپ کل کا انتظار کریں۔'' حیا سے پلکوں کی باڑ لرزنے لگی تھی۔

''ضرور کیوں نہیں مگر کل عملِ محبت ہوگا، آج صرف اظہارِ محبت کا دن ہے۔'' اس قدر بے باکی۔ وہ شرم و حیا سے کٹ کر رہ گئی تھی۔

''مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ ایسے بھی ہو سکتے ہیں۔''

اس کا جب بھی سلجوق آفریدی سے سامنا ہوا تھا وہ اسے سنجیدہ اور ریزرو سا لگتا تھا کبھی کبھی تو وہ ژالے سے کہتی تھی کہ ''زرمیل بھائی کا یہ دوست کتنا مغرور ہے نا۔'' مگر آج اپنی ہر سوچ بدلنی پڑی تھی۔

''حرا صاحبہ! آپ ابھی جانتی ہی کیا ہیں کل حجلہ عروسی میں تشریف لائیے پھر اور بھی بہت سے راز ہیں جو کل افشاں ہوں گے۔''

''اف اللہ۔''

حرا اے سی روم کی ٹھنڈک میں بھی پوری پسینے میں شرابور ہوگئی تھی بلکہ چہرہ اس قدر سرخ ہوگیا تھا جیسے وہاں سے ابھی خون چھلک اٹھے گا اس نے بے ساختہ ہی اپنے مہندی، چوڑیوں اور گجرے سے سجے دونوں ہاتھوں سے اپنا اناری چہرہ چھپا لیا تھا۔ سلجوق آفریدی، حرا کی اس دلفریب ادا پر نہال ہوگیا۔ کمرے کی اس ٹھنڈی فضا میں اس کا جاندار قہقہہ گونجا تھا جو حرا کے پورے وجود کو مہکا گیا۔

معصوم کو ژالے اور ثمرن نے پکڑ کر اس کے دونوں ہاتھوں پیروں کو مہندی کے خوب صورت ڈیزائن سے سجا دیا تھا۔

''مقسوم بھابی! مہندی بہت زبردست لگ رہی ہے دیکھنا کل اس کا رنگ بھی خوب گہرا آئے گا۔''
ژالے کی ذومعنی بات مقسوم اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔
''یہ تو ہے۔'' ثمرن نے محبت سے مقسوم کو دیکھا تھا۔
''اچھا ایک بات اور کہ آج رات تم میرے معصوم سیدھے سادھے دیور کو بالکل تنگ مت کرنا۔'' ثمرن کے اشارے پر اس کی گھنیری پلکیں حیا سے جھک گئیں۔ گال پر پڑتے ڈمپل میں لالی سی گھلنے لگی تھی۔
''ویسے بھی عارفین بھائی باڈی بلڈر ہیں زیادہ دیر صبر نہیں کریں گے۔'' ژالے نے پرشوق انداز میں کہتے ہوئے شرمیلی مسکان لیے مقسوم کو چھیڑا تھا۔
''ژالے!'' مقسوم نے ڈانٹنا چاہا مگر حیا کی وجہ سے ڈانٹ ہی نہیں سکی تھی۔
''کچھ بھی کہہ لیں مگر آج رات عارفین بھائی آپ کو چھوڑنے والے نہیں ہیں کیونکہ آپ اس وقت مکمل ہتھیار سے لیس ہیں اور ویسے بھی عارفین بھائی کو مہندی کی خوشبو بہت پسند ہے۔'' مقسوم نے اس کو گھورا۔
''ثمرن بھابی، ژالے بہت بے شرم ہے۔'' مقسوم نے ثمرن سے شکایت کی۔
''یہ تو پورا گھر کہتا ہے اسے، ابھی کچھ ہی دیر پہلے حرا سے بھی خوب سن کر آئی ہے مگر ہماری ژالے بی بی نے تو ڈھٹائی کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔'' ثمرن نے ژالے کے ہلکے سے کان کھینچا تھا۔
''تو اور کیا زندگی جینے کا پورا مزہ لو۔''
''وہ تو نظر آ رہا ہے زرمیل بھائی کی قربت نے مزید پر نکال دیئے ہیں تمہارے۔'' مقسوم نے ژالے کو کہا۔
''ارے ہاں ژالے سلجوق چلے گئے۔'' ثمرن کو ایک دم سے یاد آ گیا تھا۔
''گھر سے تو پتا نہیں مگر حرا کے بیڈ روم سے چلے گئے اور تو اور دیکھیے تو ذرا حرا صاحبہ کے مزاج ہی نہیں مل رہے ہیں۔ کہاں سلجوق بھائی سے ملنا نہیں چاہ رہی تھیں۔ محترمہ اب ایک ملاقات میں ہی یہ حال ہے تو جانے کل کے بعد کیا کرلے گی۔'' ژالے ہولے سے ہنس دی۔
''ژالے تو واقعی بہت بے وقوف ہے۔ ذرا شرم لحاظ نہیں رہا۔'' ثمرن نے اس کے بازو پر چٹکی کاٹی تھی۔
''آہ......'' وہ بلبلا کے رہ گئی اور اپنا بازو سہلانے لگی۔
''کیا ثمرن بھابی اتنی زور سے چٹکی لی ہے۔''
''ثمرن بھابی! میری طرف سے بھی اس کی پٹائی کریں۔'' مقسوم نے انہیں دھمکی نظروں سے اسے دیکھا۔
''یہ سب زرمیل کی صحبت کا اثر ہے۔'' وہ بھی ڈھٹائی سے ہنسی۔
''بکواس کر رہی ہے زرمیل کو بھی ایسی بے باک کھلی گفتگو قطعی طور پر پسند نہیں ہے۔ ابھی کل ہی جانے یہ دانیہ کو کیا بول رہی تھی کہ زرمیل نے بری طرح جھاڑا تھا۔'' ثمرن نے اس کے سر پر چپت لگائی۔
''ہاں ایسے ہی تو نوشے میاں ہیں وہ۔'' اس کے تپ کر بولنے پر مقسوم اور ثمرن مسکرا دیں۔
''ثمرن کہاں رہ گئی ہو یار! یوشع اور روحا دونوں ایک ساتھ رو رہے ہیں۔'' ارشد کی بے چارگی سی آواز سیڑھیوں سے آئی تھی۔
''آ رہی ہوں۔'' ثمرن کھڑی ہوئی۔
''سدھر جاؤ۔'' ثمرن نے ژالے کی ناک ہلکے سے کھینچی اور نیچے چلی گئی۔

''چلو بھئی ثمرن بھابی تو گئیں ہم بھی جائیں گے اب۔'' ژالے کھڑی ہوگئی۔
''چپکی بیٹھی رہو، تم کہیں نہیں جارہی ہو۔ جب تک میری مہندی سوکھ نہیں جاتی تم کہیں نہیں جاؤ گی۔'' مقسوم نے گھر کا۔
''ارے یار مقسوم بھابی! اس وقت تو آپ عارفین بھائی کی کمپنی جوائن کریں اور انجوائے کریں۔ بچی عارفین بھائی کو آج گولڈن چانس ملا ہے آپ کوئی بھی مزاحمت نہیں کرپائیں گی۔'' ژالے نے جھک کر مقسوم کے کان میں سرگوشی کی۔
''ژالے کی بچی نہایت بدتمیز ہو، تمہیں تو میں کل بتاؤں گی۔'' مقسوم نے اس کو بری طرح گھورا تھا مگر اس کی سرگوشی پر دل بری طرح دھڑکا بھی ضرور تھا۔
''ہاں مقسوم بھابی! بتایئے گا ضرور ذرا ہمیں بھی تو پتا چلے کہ عارفین بھائی کتنے رومنٹک ہیں۔'' وہ مقسوم کو چھیڑنے سے باز نہیں آرہی تھی۔
''سچی اگر یہ مہندی گیلی نہیں ہوتی تو ایک ہاتھ تو تم کھا ہی لیتیں میرے ہاتھ سے۔'' ژالے زور سے ہنس دی۔
''ارے دیکھیں یاد آیا آپ کے چکر میں بھول ہی گئی، آج رت جگا ہے تو میں نے زرمیل کے لیے خوب مرچ والے گلگلے بنائے ہیں۔'' وہ سوچ کر ہی مزے سے ہنسی تھی۔
''ژالے! پاگل ہوئی ہو کیا زرمیل بھائی پٹائی کریں گے تمہاری۔'' ژالے کی بات پر اور جو وہ کرنے جارہی ہے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی ہی رہ گئیں۔
''تو ان کو کھلانے کے بعد بیڈروم میں رہے گا کون میں تو ویسے بھی آج حرا کے پاس سونے والی ہوں۔''
''وہ تو جبھی پتا چلے گا۔'' مقسوم کو اس گھر میں رہتے ہوئے سب کی پسند ناپسند کا پتا چل گیا تھا اور یہ بھی کہ زرمیل کو مرچی سے کتنی سخت الرجی ہے اور اگر ژالے انہیں گلگلے میں مرچ کھلائے گی تو اس کی خیر نہیں ہوگی۔
''دیکھ لینا۔'' وہ اترائی۔
''یعنی کہ میں تم پر ابھی سے فاتحہ پڑھ لوں۔''
''مقسوم بھابی! میرا خیال ہے آپ کو اس کا بھی ٹائم نہیں ملے گا۔ میں تو چلی۔'' وہ ذومعنی بات کہتی ہوئی وہاں سے نیچے جانے والے راستے کی طرف ہولی مگر اس کی بات مقسوم کے خاک بھی پلے نہیں پڑی۔
مقسوم اپنے دونوں ہاتھوں پیروں کو دیکھنے لگی جو ابھی گیلے ہورہے تھے۔ جس کی مہندی سوکھی نہیں تھی۔ بہت مشکل ہوگئی تھی اگر اٹھے گی تو پیروں کی مہندی لازمی خراب ہوجائے گی۔ ژالے نے اتنی نفاست سے ڈیزائن بنایا تھا۔ بیٹھے بیٹھے کمر بھی تختہ ہوگئی تھی۔ جانے وہ اور کیا کیا سوچتی کہ کسی نے دو مضبوط آہنی بازوؤں میں جھک کر اسے اٹھا لیا تھا۔ مقسوم نے خوف زدہ ہوکر سختی سے آنکھیں میچ لی تھیں اور جب آنکھیں کھلیں تو خود کو اپنے بیڈروم میں بیڈ پر پایا تھا اور سامنے عارفین بیٹھا نہایت محبت و چاہت سے اسے ہی تک رہا تھا۔ مقسوم نے نظر جھکالی۔
''جانتی ہو مجھے مہندی کی خوشبو بہت پسند ہے۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ اچھا ہے کہ مہندی کی خوشبو میری

کمزوری ہے اور پھر جب تم سامنے مہندی لگا کر بیٹھی ہو، بھلا میں اپنے بے قرار دل کو کیسے روک سکتا ہوں۔''
عارفین نے ہاتھ بڑھا کے مقسوم کے چہرے پر آئی کرلی لٹوں کو چھیڑا تھا۔ اس کے لمس پر وہ گلنار سی ہونے لگی۔ دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا۔

اور جیسا کہ ژالے نے کہا کہ تم کوئی بھی مزاحمت نہیں کرسکتی ہو۔ میں کچھ بھی کرسکتا ہوں۔'' عارفین جھکا اور اس کے دہکتے رخسار پر اپنے ہونٹوں کا لمس چھوڑ دیا مقسوم ریڑھ کی ہڈی تک سنسنا اٹھی تھی۔

یعنی عارفین وہیں کہیں چھپا ہوا تھا ژالے کی ذو معنی بات اب سمجھ میں آئی تھی۔''

''عارفین۔'' نہایت دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

''شش......'' عارفین نے اس کے تھرتھراتے ہونٹوں پر اپنی انگشت شہادت رکھ دی تھی۔

''آج کوئی بات نہیں کوئی سوال نہیں کوئی جواب نہیں۔'' مقسوم مزید خود میں سمٹ کر رہ گئی۔ کالی سیاہ آنکھوں میں عارفین نے آج واضح اپنا عکس دیکھا تھا۔ اس کے رخسار پر پڑتے ڈمپل میں اسے اپنا دل ڈولتا ہوا نظر آیا تھا۔ شرم وحیا سے اس کا چہرہ مکمل طور پر سرخ ہوگیا تھا جیسے ابھی خون چھلک پڑے گا۔

''آج میں تمہارے ان گھٹاؤں جیسی زلفوں میں اپنا جہاں آباد کرنا چاہتا ہوں، محبت کا ایک آشیانہ بنانا چاہتا ہوں۔'' عارفین نے اس کے کرلی بالوں میں قید کیچر نکال دیا تھا۔

''تمہارے ہونٹوں تمہاری ان کالی آنکھوں میں اپنے نام کی مہر ثبت کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ جھکا تھا اور اس کی لرزتی پلکوں کی باڑ پر اپنے عنابی گداز لب رکھ دیے تھے۔ اس کے کپکپاتے شنگرفی گلابی ہونٹوں پر ایک میٹھی سی کہانی رقم کردی تھی اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اپنی ناک کی طرف لے گیا اور ایک لمبی سی سانس لے کر مہندی کی سوندھی گیلی خوشبو کو اپنے اندر تک اتار لیا تھا۔

اس نے اس کی مہندی پر اپنے ہونٹوں سے اپنا نام لکھ دیا تھا اور جو دونوں ہاتھ پکڑ کے اپنی طرف کھینچے تو وہ پوری طرح اس کے لمبے چوڑے وجود میں سما گئی تھی۔

''زندگی کے ہر پل ہر لمحہ ہر گھڑی ہر دکھ ہر سکھ میں ہم ساتھ ہیں، یہ دل ہمیشہ سے تمہارے لیے دھڑکا تھا۔ تم ہمیشہ اس کی مالک رہو گی پہلی نظر میں ہی یہ دل تمہارے حسن کا گرویدہ ہوگیا تھا مگر آج کی رات عہد و پیمان کی رات نہیں ہے آج رات کوئی قسموں کی رات نہیں۔ آج صرف اور صرف ان پر عمل کرنے کی رات ہے۔'' عارفین اس کی گھنی کرلی کالی زلفوں میں چہرہ چھپائے داستانِ محبت سنا رہا تھا۔ اس رات اس نے مقسوم کو اس قدر اپنی والہانہ محبت کی بارش میں بھگو یا کہ اسے خود پر فخر ہونے لگا تھا۔

مقسوم نے آنکھیں میچ کر اپنا سر اس کے وسیع سینے پر رکھ دیا تھا۔ عارفین اپنی محبت و پیار کا مضبوط حصار اس کے گرد کھینچتا چلا گیا تھا۔

☆......☆

سلجوق آفریدی باہر جانے والے راستے کی طرف جارہا تھا کہ اوپر سے حنین آفریدی کچھ پریشان حال سا نیچے اترتا نظر آیا تھا۔ سلجوق آفریدی نے اسے پکڑ لیا۔

''خیریت یہ چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں، ابھی حسن سے باتیں کرتے تو بڑے چہک رہے تھے۔

''جی۔'' وہ بری طرح گڑبڑایا تھا۔ سلجوق آفریدی نے نام ہی ایسا لیا تھا۔

''وہ سلجوق بھیو! دراصل......ہاں......وہ......لاروش گھر نہیں چل رہی ہے۔''

''تو... کیا ہوا؟'' اس نے حنین آفریدی کی زبان کی لڑکھڑاہٹ محسوس کرلی تھی۔
''سلجوق بھیو! آپ کو پتا تو ہے کہ میرا بیڈ روم کتنا پھیل جاتا ہے۔ وہی میرا کمرہ سمیٹتی ہے۔'' سلجوق آفریدی نے تفتیشی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
''اوکے۔ تم میرے ساتھ گھر چلو۔ ہم گھر چل کے بات کرتے ہیں۔''
''مگر سلجوق بھیو! لاروش......''
''اسے چھوڑ دو آج یہیں کل صبح آجائے گی۔'' پھر وہ رکا نہیں اور حنین آفریدی کا ہاتھ پکڑ کے باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆

''کہاں رہ گئی تھیں ژالے پتا ہے اتنی مشکل سے سویا ہے رضا۔'' ژالے پلیٹ میں گلگلے لیے اندر آئی تھی۔ زرمیل نائٹ گاؤن پہنے سونے کی تیاری کرنے لگا تھا مگر ژالے کا ویٹ کررہا تھا۔
''کچن میں تھی آپ کے لیے یہ بنارہی تھی آپ کو دے کر حرا کو بھی دینے ہیں۔'' اس نے پلیٹ پہلے ٹیبل پر رکھی اور اس میں سے ایک گلگلہ اٹھا کے زبردستی زرمیل کے کچھ کہنے سے پہلے وہ مرچوں والا گلگلہ اس کے منہ میں ڈال دیا تھا جیسے ہی زرمیل نے وہ منہ میں رکھ کے توڑا تو مرچوں کا ایک گولہ اس کے منہ میں آگ سی لگا گیا تھا۔ زرمیل نے فوراً وہ گلگلہ منہ سے نکالا اور پلیٹ میں واپس ڈال دیا تھا۔
''ژالے......'' زرمیل نے اسے گھورا اور گلاس میں رکھا پانی منہ سے لگایا۔
''کیا کریں شرط لگائی تھی ایم سوسوری۔'' وہ زور زور سے ہنستی ہوئی واپس بھاگنے لگی تھی مگر مقابل بھی زیرک نگاہ رکھتا تھا۔
''تمہاری ایسی کی تیسی۔'' اس نے بھاگتی ژالے کی کلائی ایک ہی جست میں پکڑی تھی۔
''اب ذرا تم بھی تو اس مرچ کا مزہ چکھو۔'' زرمیل اس کو اپنی طرف کھینچ کے اس پر جھکتا چلا گیا تھا۔
ژالے تڑپ کے رہ گئی اندر تک اس مرچ کی آگ لگی تھی۔ وہ 'سی' 'سی سی' کرنے لگی تھی۔
''اب بتاؤ کیسا لگا آرہا ہے مزہ۔'' زرمیل شوخ بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگا تھا جو اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو پنکھا جھل رہی تھی۔
''زرمیل آپ بہت چیٹر ہیں۔'' اس نے پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگایا اور آدھا گلاس پی کر گلاس واپس ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔
''ہاں تم نے تو بہت اچھا کام کیا ہے نا۔'' اس نے ژالے کا باقی بچا ہوا پانی پی لیا تھا۔
''بہر حال میں آج رات حرا کے پاس سونے والی ہوں۔ وہ میرا ویٹ کررہی ہے۔'' وہ جانے لگی تھی مگر زرمیل نے اس کی کلائی پکڑلی تھی۔

☆......☆

بڑے سے ہال نما ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر حسن آفریدی بیٹھا تھا۔ جن کے سینے پر بی جان سر ٹکائے ہوئے تھیں اور رو رہی تھیں۔ حسن آفریدی نے اپنا بازو ان کے شانے پر پھیلا کر انہیں خود میں سمیٹا ہوا تھا۔ صمد آفریدی اور زوبار یہ سامنے بڑے سے صوفے پر بیٹھے بڑی محبت سے دیکھ رہے تھے۔ صمد آفریدی کو اس میں اپنا چھوٹا بھائی ولید آفریدی نظر آرہا تھا۔ سائیڈ میں سلجوق آفریدی سنگل صوفے پر بیٹھا

تھا جو حنین آفریدی کو ناراض نظروں سے دیکھتا تو کبھی شکایتی نظروں سے حسن آفریدی کو۔
بی جان کے برابر میں ہی حنین آفریدی سر کو جھکائے بیٹھا تھا۔ جس کی مسکراہٹ ہی نہیں رک رہی تھی۔ وہ سلجوق آفریدی کی ناراضی نظروں کی تپش کو بھی محسوس کر رہا تھا۔
''بس کریں بی جان!'' حسن آفریدی نے اپنے ہاتھوں سے اپنے بازو پر سر ٹکائے بی جان کے چہرے سے آنسو صاف کیے تھے۔
''کیسے بس کروں اور کیوں نہ روؤں یہ میرے لیے کتنے دکھ کی بات ہے کہ اسی شہر میں میرا چہیتا پوتا میرے لختِ جگر میرے ولید کی نشانی میرا حسن رہتا ہے اور مجھے پتا ہی نہیں چلا کتنے سال سے یہ آنکھیں پیاسی تھیں۔ سوچتی تھیں شاید اپنے ہنی کو دیکھے بغیر ہی اس دنیا سے چلی جاؤں گی۔''
''اللہ نہ کرے بی جان! آپ کو کچھ ہو۔'' حسن آفریدی نے تڑپ کر اپنا سر بی جان کے سر سے ٹکا دیا۔
''کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا جب تم ہمیں پہچان گئے تھے تو کیوں ہمارے پاس نہیں آئے؟'' انہوں نے ہلکے سے غصے سے اسے خود سے الگ کیا تھا اور اسے شکایتی نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔
''بی جان! حسن سے تو بعد میں نمٹنا ہے پہلے تو اس ہنی کے بچے کے کان کھینچیں اتنا گھنا میسنا ہے ہوا تک لگنے نہیں دی۔ زرمیل کے گھر بھاگ بھاگ کے جانا اب سمجھ میں آیا۔'' سلجوق آفریدی نے مسکراتے حنین آفریدی کو گھور کے دیکھا تھا اور پھر حنین آفریدی جو ہنسا تو ہنستا ہی چلا گیا تھا۔
''سلجوق بھیو! اپنا سسرال کہتے شرم آرہی ہے۔''
''زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ مار کھاؤ گے۔'' سلجوق آفریدی نے تپ کر اسے دیکھا تھا۔
''یار سلجوق! تم اپنا خون مت جلاؤ، ویسے بھی آج تمہاری برأت ہے۔'' حسن آفریدی نے پرمزاح انداز میں اس کو چھیڑتے ہوئے حنین آفریدی کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔
حنین آفریدی کا قہقہہ مزید اس کی جان جلا گیا۔ سلجوق آفریدی سے برداشت کرنا مشکل ہوگیا تو اس نے اپنے پیچھے سے کشن اٹھایا اور قہقہہ لگاتے ہوئے حنین آفریدی کو نشانہ بنایا۔ حنین آفریدی نے کشن کیچ کیا اور ہنستے ہوئے اٹھ کر جا کر سلجوق آفریدی کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔
''سوری یار بھیو! مگر یقین کریں ہنی بھیو کو پہلے ہی میں پہچان گیا تھا مگر انہوں نے اگلا نہیں اس لیے ثبوت کے ساتھ گھیرا تھا اور میں آپ کو بتاتا اس سے پہلے آپ نے ہی مجھے پکڑ لیا تھا۔
''وہ سب ٹھیک ہے مگر تمہیں ہمیں اسی دن بتا دینا چاہیے تھا۔''
''میں تو کہتا ہوں دعا دیں ہم کو نہ ہم آپ کا رشتہ لے کر حرا کے گھر جاتیں اور نہ ہی ہمیں لاروش اور ہنی بھیو ملتے۔''
''بس کرو سلجوق بیٹا! چھوڑو ناراضی۔'' زوباریہ نے چاہت سے اپنے ناراض بیٹے کو دیکھا۔
''مما، پاپا آپ دونوں کو اس ہنی کے بچے سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔'' سلجوق آفریدی نے اپنے قدموں میں بیٹھے حنین آفریدی کے کان کھینچے تھے۔
''نہیں ہمیں ہنی سے کوئی شکوہ شکایت نہیں ہے بلکہ یہ تو اس کا احسان ہے کہ مجھے میرے چھوٹے بھائی کی نشانی حسن مل گئے ہیں۔'' صمد آفریدی نے شفقت سے حسن آفریدی کو دیکھا۔

''اب بھپو! میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں یہ شادی نہیں کرسکتا کیونکہ شادی جو آج آپ کی ہے۔'' وہ شریر مسکراہٹ لیے بولا۔

''بس فضول کی ہانکتے ہو۔ اٹھو یہاں سے۔'' سلجوق آفریدی نے اس کو اپنے قدموں سے اٹھا کے اپنے برابر میں بیٹھایا تھا۔

''سلجوق جنی کی سزا یہی ہے کہ اس ماہ اس کی پاکٹ منی بند رہے گی۔'' بی جان نے کہا۔

''واٹ! یہ کیا بات ہوئی یار! یہ سراسر ناانصافی ہے میرے ساتھ۔'' وہ بدکتا ہوا کھڑا ہوا۔

''بی جان! آج آپ نے میرا دل خوش کیا ہے۔'' صمد آفریدی نے بی جان کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔

حنین آفریدی نے صمد آفریدی کو دیکھا اور تیزی سے بی جان کے برابر میں بیٹھ گیا کیوں کہ سب سے زیادہ بھاری پاکٹ منی ہی وہ دیتی تھیں۔

''بی جان! میں تو آپ کا چہیتا پوتا ہوں ناں۔''

''جذباتی بلیک میلنگ......'' سلجوق آفریدی نے ہولے سے کہا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں تو تو میری جان ہے۔ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔'' بی جان نے اس کی اتری ہوئی شکل دیکھی اور فوراً پھسل گئیں۔

''یہ دیکھو کیسے بٹر پاش ہو رہی ہے۔'' زوباریہ نے اشارے سے سلجوق آفریدی سے کہا۔

صمد آفریدی مسکراتے ہوئے اٹھے اور حسن آفریدی کے پاس آئے حسن آفریدی ان کے ادب میں احتراماً کھڑا ہوگیا۔

''نائلہ نے جو کیا یقیناً اس میں کوئی راز چھپا ہوگا ہم کو مگر اس سے کوئی شکایت نہیں اللہ اسے بہت اعلیٰ مقام پر پہنچائے، ہمیں تم مل گئے ہمارے لیے یہی کافی ہے تمہاری آمد نے ہم سب کی زندگی مکمل کر دی ایک خلا سا تھا ہم سب کی زندگی میں جو بھر گیا۔ اب ہمیں چھوڑ کے کہیں مت جانا۔'' صمد آفریدی نے جذبہ شدت سے اس کو گلے سے لگایا تھا۔ ان کی آنکھوں میں معمولی سی نمی تھی۔

''ولید اور شہلا کو کھونے کا دکھ اور غم تو ساری زندگی یونہی رہے گا مگر تمہارے آنے سے اس میں کمی ضرور آجائے گی۔'' انہوں نے اس کے چوڑے شانے پر تھپکی دی۔

''خوش رہو۔'' حسن آفریدی ہولے سے مسکرادیا اور ان کا ہاتھ تھام کر ان پر بوسہ لیا۔

''بڑے پاپا! آج میں بھی خود کو مکمل محسوس کرتا ہوں اتنا عرصہ اکیلے تنہا زندگی گزار کے تھک گیا تھا مگر اب آپ لوگوں کی نرم و گرم آغوش کی ٹھنڈی میٹھی چھاؤں میں رہنا چاہتا ہوں۔'' ان بلوریں آنکھوں میں صمد آفریدی کے لیے نہایت ادب و احترام محبت تھی۔

صمد آفریدی ہولے سے مسکرادیئے اور اپنے بیڈ روم کی جانب چل دیئے تاکہ دو رکعت نماز نفل ادا کرسکیں۔

''اور اب ہم تمہیں جانے دیں گے بھی نہیں۔'' سلجوق آفریدی اٹھا اور اس سے بغلگیر ہوا تھا۔

''ہنی بھپو! دانیہ بھابی کو بھی تو فون کرلیں وہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' حنین آفریدی نے شرارت سے دیکھا تھا۔

''دانیہ......!'' بی جان نے نام دہرایا۔

''تو کیا حسن پر بھی تمہارا رنگ چڑھا ہے۔'' بی جان نے حنین آفریدی کو گھورا۔
''رنگ چڑھا مطلب......؟'' حسن آفریدی نے سوالیہ نظروں سے سلجوق آفریدی کو دیکھا تھا۔
''مطلب یہ میرے بھائی کہ یہ محترم ہر ہفتے ایک نئی گرل فرینڈ کے ساتھ دوستی کرتے اور بے شمار قیمتی تحفے تحائف دینا ان کی ہابی ہے۔''
''اور ان تحفہ تحائف میں جو سب سے مہنگا تحفہ ہوتا ہے، وہ پانچ یا چھ سال کی بچی کا سوٹ ہوتا ہے۔'' بی جان نے ٹکڑا جوڑا۔
''اچھا مگر اتنا چھوٹا سوٹ کیوں کیا میرڈ گرل فرینڈ بناتا ہے جس کی اتنی سی بچی ہو۔''
''نہیں خود اس کے لیے دیتا ہے ایسے چھوٹے چھوٹے کپڑوں میں وہ اسے بہت حسین لگتی ہیں۔'' بی جان نے ایک ہنٹرا اپنے برابر میں بیٹھے حنین آفریدی کو مارا جب کہ سلجوق آفریدی منہ نیچے کیے مسکرا دیا اور حسن آفریدی نا سمجھی نظروں سے تینوں کو دیکھنے لگا مگر پھر سمجھ آ گیا۔
''لاحول ولاقوۃ......'' وہ کہہ کر بری طرح جھینپ گیا۔
''بی جان! مگر اب تو کوئی نہیں ہے نا۔'' اس نے اپنا بازو سہلایا۔
''میں کیا جانو......''
''یار! آپ لوگ مجھے ہی ڈسکس کرتے رہو گے یا حسن بھیو کو بھی کچھ کہو گے؟''
''ہاں حسن یہ وانیہ کون ہے؟'' سلجوق آفریدی نے اس سے پوچھا۔
''ارے یار! اپنے عارفین بھائی ہیں نا ان کی کزن ہیں وہ جن سے ہنی بھیو کا نکاح بہت پہلے ہی ہو چکا تھا۔''
''عارفین کی کزن......'' سلجوق آفریدی کی نظروں میں جھپ سے وانیہ کا چہرہ ابھرا تھا۔
''اچھا وہ جسے میں نے کہا تھا یہ شہلا پھپھو میں کتنا ملتی ہے۔''
''مگر خدا کے لیے آپ انہیں پھپھو کہہ کر مت بلا لیجیے گا، وہ ہماری بھابی ہیں۔'' حنین آفریدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''فضول ہی بولا کرو۔'' سلجوق آفریدی خفیف سا ہو گیا تھا۔
''دیکھا ہے میں نے اس بچی کو مایوں میں ہی دیکھا تھا۔ جب وہ کالی ساڑھی میں چلی آ رہی تھی تو ایسا لگا جیسے میری شہلا چلی آ رہی ہے۔'' بی جان کی نظروں میں وانیہ کا چہرہ گھوم گیا تھا۔
''تو کیا خیال ہے بی جان! آج ہی وانیہ بھابی کی بھی رخصتی کروا کے نہ لے آئیں، حرا بھابی کے ساتھ۔''
''نہیں ابھی نہیں اور اتنی ارجنٹ تو بالکل بھی نہیں میں اپنے ہنی کی بھی بہت دھوم دھام سے شادی کروں گی وہ بھی اسی ہفتے۔''
''تھینکس بی جان!'' اس نے خوشی سے بی جان کو گلے سے لگایا۔
''وہ کس لیے؟''
''آپ ہی تو بول رہی ہیں کہ میں اپنے ہنی کی بھی بہت دھوم دھام سے شادی کروں گی وہ بھی اسی ہفتے اور سب کو پتا ہے کہ آپ ہنی مجھے ہی کہتی ہیں۔'' حسن اور سلجوق آفریدی دونوں اس کی مطلب کی بات پر

ہنس دیے تھے۔ بی جان بھی اس کا اشارہ سمجھ گئی تھیں۔

''ارے پرے ہٹو۔'' انہوں نے اسے خود سے الگ کیا اور کھڑی ہوگئیں۔

''یہ اپنی اسی طرح فضول ہانکتا رہے گا، ٹائم بھی اتنا ہوگیا ہے شام کے چھ بج گئے ہیں تیاریاں بھی کرنی ہیں۔ بنی میرے چاند تم یوں کرو سلجوق کو جلدی سے پارلر لے جاؤ میں کچھ اور کام نمٹا لوں۔'' وہ اپنے کمرے کی جانب چل دیں۔

''پارلر...... وہ بھی سلجوق بھیو؟'' حنین آفریدی پیٹ پکڑ کے جو ہنسا تو ہنستا ہی چلا گیا تھا۔

حسن آفریدی اور سلجوق آفریدی دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کرتے ہوئے صوفے سے کشن اٹھایا اور پھر جو اس کی درگت بنائی کہ وہ چیختا ہی رہ گیا۔

''بچاؤ...... بچاؤ...... مجھ معصوم کو بچاؤ۔''

☆......☆

آج حرا اور سلجوق آفریدی کی برات تھی۔ ہر فرد خوش اور مطمئن تھا سب کی تیاریاں عروج پر تھیں۔

''مقسوم......!'' رابعہ مقسوم کے بیڈروم میں آئیں مقسوم وارڈروب سے گولڈن کی جیولری نکال رہی تھی۔

''جی امی!'' اس نے اپنا کام چھوڑ دیا اور ان کی طرف بڑھی۔ عارفین بھی وہیں بیٹھا ٹی وی پر کوئی انگلش مووی دیکھ رہا تھا۔ اس نے رابعہ کی طرف دیکھا جن کے ہاتھ میں کوئی بکس تھا۔

''آج کیا پہن رہی ہو؟''

''جی میں نے یہ نکالا ہے۔'' اس نے ہینگر کیا ہوا سوٹ دکھایا۔ بلیو اینڈ فان کلر کا جارجٹ کا سوٹ تھا جس پر گولڈن اینڈ بلیو ایمبرائڈری ہوئی تھی۔ عارفین وہ سوٹ طارق روڈ سے اپنی پسند سے لایا تھا۔ رابعہ کو وہ سوٹ بھی بہت خوب صورت لگا تھا۔ فان ایئر لائن شرٹ کے ساتھ بلیو اوور کوٹ زبردست تھا آج کی تقریب کی مناسبت سے۔

''یہ سوٹ بھی بہت خوب صورت لگ رہا ہے مگر تم ایک کام کرو یہ ولیمہ کی تقریب میں پہن لینا، آج یہ ساڑھی باندھو۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے وہ بکس اس کی طرف بڑھایا جسے مقسوم نے تھام لیا تھا۔

''امی ساڑھی......'' ساڑھی باندھنے کا پہلا ہی تجربہ ہی اس کا بہت خراب تھا۔

''جی ساڑھی...... اب ٹائم ضائع مت کرو جلدی سے تیار ہو کر آجاؤ۔ نیچے پارلر کی بیوٹیشن کو بلوایا ہے۔ وہ تھوڑی دیر میں اوپر آجائے گی تمہارا میک اپ اور ہیئر اسٹائل وہ ہی کردے گی۔'' وہ کہہ کر رکی نہیں تھیں کیونکہ انہیں کچھ اور بھی کام کرنے تھے۔

مقسوم نے بے چارگی بھری نظروں سے عارفین کو دیکھا جس نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔ مقسوم نے بکس کھولا جس سے بلڈ ریڈ نیٹ اینڈ جارجٹ کی ساڑھی نکلی تھی جو نہایت ہی حسین لگ رہی تھی جس پر بہت ہی باریک کام کیا گیا تھا جو مہنگی اور قیمتی کے علاوہ بہت ہی خوب صورت لگ رہی تھی۔

''ساڑھی بہت خوب صورت ہے مگر اسے باندھوں کیسے؟'' پریشانی اس کے چہرے پر ہویدا تھی۔

''اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ کی مدد کرسکتا ہوں۔'' عارفین کو اس کی بیچاری صورت پر ترس آگیا تھا۔

مقسوم نے عارفین کو دیکھا پھر ساڑھی جو جتنی مہنگی اور خوب صورت تھی، نازک بھی اتنی ہی تھی مگر عارفین کی آفر پر اسے حیا سی آنے لگی۔

''نہیں...... میں وانیہ کے پاس چلی جاتی ہوں وہ باندھ دے گی۔'' وہ وہاں سے جانے لگی مگر عارفین نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی تھام لی تھی۔

''میں بھی اچھی باندھ دوں گا...... چلو......'' اس نے مقسوم کو کمر سے پکڑا اور ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا۔

''عارفین......'' اس نے احتجاج کرنا چاہا مگر عارفین نے اس کی ایک نہ سنی۔ بی جان آج کے دن کی تقریب کے لیے زوبار یہ سے لاروش اغولان اور وانیہ کے لیے ارجنٹ ریڈی میڈ سوٹ مال سے منگوائے تھے۔ وانیہ کو حنین آفریدی دے گیا تھا۔ بیوٹیشن اسے تیار کرنے آرہی تھی مگر حسن آفریدی کا فون آگیا۔

''مجھے تمہارا بیوٹیشن سے میک اپ کرانا اچھا نہیں لگے گا۔ پتا نہیں وہ کیا کیا لگا کر بندے کا اصل چہرہ ہی چھپا دیتی ہیں۔ مجھے تمہارا سادہ حسن ہی اٹریکٹ کرتا ہے اس لیے زیادہ میک اپ کرا کے اسے بگاڑنا نہیں۔''

وانیہ آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر مسکرا دی اور وہ سوٹ اٹھائے ڈریسنگ روم میں آگئی تھی۔ حنین آفریدی لاروش اغولان کے بیڈروم میں چلا آیا تھا۔

''تم نے اچھا نہیں کیا کل میرے ساتھ آئی نہیں نا مگر آج تمہیں یہاں ڈیرا ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شرافت سے گھر چلنا۔'' حنین آفریدی دھم سے اس کے بیڈ پر لیٹا تھا۔

''وانیہ بھابی نے مجھے کہا ہے کہ میں آج ان کے ساتھ ان کے بیڈروم میں سوؤں گی۔''

''یہ وانیہ بھابی کو آج ہی تمہاری کیوں ضرورت پڑ گئی اچانک سے؟''

''مطلب......!''

''مطلب یہ میری جان کہ کیوں اپنی بھیو کی بددعائیں سمیٹتی ہو۔'' حنین آفریدی نے ایک جھٹکے سے اس کی کلائی کھینچی کہ وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پائی اور اس کے پہلو میں آگری تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھتی حنین آفریدی نے اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر دیا۔

''حنین! حد ہوتی ہے بے ہودگی کی بھی۔ سمعیہ زیدی خود تو چلی گئی مگر آپ کو بگاڑ گئی۔'' لاروش اغولان نے تپ کر اسے دیکھا تھا اور اس کا مضبوط گھیرا توڑنے کی کوشش بھی کی جس کے لیے مقابل قطعی طور پر راضی نہیں تھا۔

''تم نے ابھی میری بے ہودگیاں دیکھی کہاں ہیں آج گھر تو چلو پھر بتاتا ہوں۔'' اس نے دھیمے سے کہتے ہوئے ایک شریری جسارت کر دی تھی۔

''یہی وجہ ہے جو میں آج آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔'' اس کا اشارہ اس کی جسارت کی طرف تھا۔

''کبھی کبھی تو سوچتی ہوں سمعیہ زیدی کے ساتھ جانے کیا کیا کرتے ہوں گے۔''

''سمعیہ زیدی کے ساتھ جو کرتا تھا اگر تمہارے ساتھ کر دیا تو تم تو یقیناً بے ہوش ہی ہو جاؤ گی۔'' وہ مسکرا کے ذومعنی بات کر گیا۔

''کیا مطلب......؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ایک تو تم مطلب بہت پوچھتی ہو گھر چلو سارے مطلب سمجھاتا ہوں۔''
''نہیں پہلے آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ نے سمعیہ زیدی کے ساتھ کیا کیا ہے؟'' کیا وہ جو سوچ رہی تھی ایسا ہی تھا اور حنین آفریدی اس کی سوچ پڑھ چکا تھا۔
''لاحول ولاقوۃ...... بے وقوف لڑکی جیسا تم سمجھ رہی ہو ایسا بالکل نہیں ہے۔''
''پھر کیا ہے؟''
''اف اوہ یار! میری صرف سمعیہ زیدی سے زبانی کلامی گفتگو رہتی تھی جسے بے باک گفتگو اور تمہاری زبان میں بے ہودگی کہا جاتا ہے۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ اظہارِ محبت اور عملی محبت صرف تمہارے ساتھ ہے۔'' اس نے لاروش اغولان کے چہرے پر ہلکی سی پھونک ماری۔ لاروش اغولان نے اپنی ہرنی آنکھیں بند کرلیں۔ جن پر حنین آفریدی نے اپنے ہونٹوں سے اپنا نام لکھ دیا تھا۔ لاروش اغولان نے آنکھیں آہستہ آہستہ سے کھولیں وہ ابھی بھی اس پر جھکا ہوا تھا۔
''تمہارے چہرے کے ہر نقش نے تمہاری اداؤں نے مجھ پر ایسا مضبوط حصار باندھ دیا ہے کہ دل تمہارا غلام بن گیا ہے اور یہ دل تمہارے علاوہ کسی کو نہیں چاہتا یہ دل کبھی نہیں چاہے گا کہ تمہاری محبت کا حصار ٹوٹے اس لیے بے فکر رہو۔ حنین آفریدی کی نظر تم سے کبھی نہیں ہٹے گی یہ صرف تمہاری صورت تمہاری سیرت کا ہی گرویدہ ہے صرف تمہیں ہی پوجتا ہے تمہیں ہی چاہتا ہے۔'' وہ لاروش اغولان کے چہرے پر ہولے ہولے انگلیاں پھیر رہا تھا اور اپنا آپ دل، روح سب کچھ اسے سونپ چکا تھا۔
لاروش اغولان کا دل مغرور ہونے لگا۔ فخر کرنے لگا کہ یہ شخص آج مکمل اس کا ہو چکا ہے اسے اپنی نانو کی پسند پر ناز تھا، فخر تھا۔
''مجھے یقین ہے آپ مجھے چھوڑ کے کہیں نہیں جائیں گے۔ آپ کی محبت سے میرا پورا وجود خوشبو سے مہکنے لگا ہے۔'' اس نے ڈھیرے سے اظہار محبت کیا تھا اور اس کے اظہار محبت پر حنین آفریدی نے یقین کی مہر ثبت کردی تھی۔

☆......☆

پرل ہوٹل میں خوب چہل پہل ہو رہی تھی۔ پر رونق ماحول تھا۔ ہر طرف خوشبو ہی خوشبو خوشیاں ہی خوشیاں بکھری ہوئی تھیں۔
حنین آفریدی اور حسن آفریدی کے بیچ میں چلتا ہوا ریاست کا شہزادہ فاتحانہ قدموں سے چلتا ہوا سلجوق آفریدی خوب صورت سے اسٹیج تک آیا تھا۔
تھوڑی ہی دیر میں نکاح بھی کردیا گیا تھا۔
خوب صورت سی نازک اور پیاری سی بالکل گڑیا لگ رہی تھی حرا۔
جسے آہستہ آہستہ ژالے اور مقسوم تھامے ہوئے تھیں۔ دونوں کے سنگ وہ اسٹیج تک آرہی تھیں اور نہایت آرام سے اسے سلجوق کے برابر میں بٹھادیا تھا۔ سلجوق آفریدی کا چوڑا شانہ اس سے ٹچ ہوا تو اس کا دل بری طرح دھڑک اٹھا تھا تنفس تیز تر ہوگیا تھا۔ جب کہ ژالے سلجوق آفریدی کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔
''جی تو سلجوق بھیو! لائیے نکالیے ہمارا نیگ۔'' اس نے اپنا ہاتھ سلجوق آفریدی کے سامنے پھیلا دیا تھا۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا ہے۔'' سلجوق آفریدی نے پُر مزاح انداز میں کہتے ہوئے ژالے کو دیکھا تھا۔

''کیا...... یعنی آپ دھوکا دے رہے ہیں۔'' ژالے کی آنکھیں پھٹ کے رہ گئیں۔

''مگر فوجی تو کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیتا۔''

''سلجوق بھیو! آپ اس وقت بارڈر پر نہیں بلکہ اسٹیج پر اپنی دلہن کے ساتھ بیٹھے ہیں اور آپ نہیں تو کیا ہوا ہم تو دھوکہ دے سکتے ہیں، ہم حرا کو آج یہاں سے ابھی اٹھا کے لے جاتے ہیں آپ کو بغیر دلہن کے اپنی خوب صورت سی سجی ہوئی گاڑی میں اکیلا بیٹھ کے جانا ہوگا۔'' برابر میں کھڑی مقسوم بھی چہکی تھی۔

''سلجوق بھیو! کیوں بے موت خود بھی مرو گے اور مجھے بھی مارو گے۔ ژالے بھابی چنگیز خان کی بھتیجی ہوتی ہیں، یہ نہ حرا بھابی کو جانے دیں گی اور نہ ہی لاروش کو۔'' پیچھے سے حنین آفریدی نے کان میں آہستگی سے کہا تھا۔

''کیا کھسر پھسر چل رہی ہے؟'' ژالے نے حنین آفریدی کو گھورا تھا۔

''کچھ نہیں ژالے بھابی! میں تو کہہ رہا تھا کہ یہ جتنا مانگ رہی ہیں دے دیں۔'' اس نے ڈرنے کی بھرپور ایکٹنگ کی تھی۔

''وہ تو میں سب سمجھ رہی ہوں مگر تمہیں بھی میں بعد میں دیکھتی ہوں۔'' اس نے کہتے ہوئے پھر سے سلجوق آفریدی کو دیکھا۔

''چلیں بھئی سلجوق بھیو! جلدی کریں نا۔''

''آپ نے حرا سے اجازت لی تھی؟'' گھنی بلیک مونچھوں تلے ان لبوں پر شریر مسکراہٹ تھی۔

''اوکے ہم حرا کو اندر لے جاتے ہیں پھر تسلی سے اس سے پوچھتے ہیں، چلیں مقسوم بھابی حرا کو اٹھایئے۔'' وہ آگے بڑھی۔

''ارے، ارے میں تو مذاق کررہا تھا یہ لیجیے۔'' سلجوق آفریدی نے جلدی سے شیروانی کے اندر والی جیب سے بھاری لفافہ نکال کے ژالے کے ہاتھ پر رکھا۔

''تھینکس۔'' وہ مسکرادی۔

وہ دونوں نیچے اسٹیج سے اتریں۔

''اچھا تم نے بتایا نہیں۔''

''کیا نہیں بتایا مقسوم بھابی۔'' اس نے وہ بھاری لفافہ اپنے گولڈن پرس میں ڈال کے مقسوم کو دیکھا تھا۔

''وہی رات کا فسانہ۔''

مقسوم ریڈ ساڑھی میں بہت حسین اور خوب صورت لگ رہی تھی۔ آج پہلی بار ژالے نے اس کے چہرے پر قوس وقزح کے سارے رنگ دیکھے تھے جو اس کے چہرے کو ہی نہیں اس کے پورے وجود کے گرد ہالا روشن کررہے تھے۔ آج سے پہلے اس نے مقسوم کو اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''مقسوم بھابی! آپ پر تو خوب ٹوٹ کے رنگ آیا ہے۔'' اس نے بے ساختہ مقسوم کے رخسار پر اپنا رخسار رکھ کر کس کیا تھا۔ وہ جھینپ کے رہ گئی۔

''میری فی الحال چھوڑو اپنی سناؤ رات کو کیا ہوا، زرمیل بھائی نے تمہارا بنا ہوا وہ گلگلہ کھالیا تھا؟''

''ہاں یار کھلا کے اپنی ہی شامت کو آواز دی۔'' ثرالے کے چہرے پر اس قدر بے چارگی تھی مقسوم سمجھی کہ یقیناً ایک تھپڑ تو ضرور پڑا ہوگا۔ اس کے کام بھی تو ایسے ہی نرالے ہوتے ہیں۔

''خیریت......!''

''خیریت تو ہی نہیں تھی۔ گلگلہ میں نے انہیں کھلایا اور پوری رات میں ٹھنڈا پانی پیتی رہی بچی مقسوم بھابی نیند بھی پوری نہیں ہوئی۔''

ثرالے کے کہنے پر اسے کچھ دیر میں سمجھ میں آیا تھا۔

''اللہ ثرالے بہت ہی بری ہو تم تو۔'' مقسوم نے اس کو زور سے چپت اس کے کندھے پر لگا دی تھی۔

''آہ مقسوم بھابی!'' اپنا کندھا سہلانے لگی۔

''آخر کو ہیں نا باڈی بلڈر کی بیوی، کیا پوری رات آپ پر ہی آزماتے رہے ہیں۔'' اس نے دھیمے سے سرگوشی کی۔

''میں تو بعض اوقات تم سے کچھ ایسا ویسا پوچھ کے ہی پچھتاتی ہوں۔ ٹھیک کہتی ہیں ثمرن بھابی بے شرمی کے ریکارڈ توڑے ہوئے ہیں تم نے۔''

''چلیں ایسا ویسا نہ پوچھیں مگر کچھ ایسا ویسا ہی بتا دیں۔'' شرارت سے بھرپور مسکراہٹ لیے اس نے شرمائی سی مقسوم کو چھیڑا۔

''صبر کرو تمہاری ابھی زرمیل بھائی سے شکایت کرتی ہوں وہی تمہیں سیدھا کریں گے۔'' مقسوم نے اپنی ریڈ ساڑھی کا پلو ٹھیک سے کیا تھا۔

''اوئے ہوئے آج تو لوگ بہت زیادہ ہی اترا رہے ہیں، بھئی اترانا بھی چاہیے کہ آخر کو میرے سب سے اچھے بھائی کی مسز ہیں۔''

''اور یہ میری سب سے اچھی مگر نالائق بہن ہے۔'' پیچھے سے آتے عارفین نے شفقت سے دیکھتے ہوئے ہلکی سی چپت اس کے سر پر ماری تھی۔

ثرالے کو یوں ہنستا مسکراتا خوش دیکھ کر وہ بہت مطمئن تھا۔ ثرالے نے اپنی چھوٹی سی عمر میں جو تکلیف اٹھائی تھی آج اس کو سود سمیت خوشیاں بھی بڑھ کر ملی تھیں۔

''عارفین بھائی آپ اپنی اس نالائق بہن کو پھپھو کب بنا رہے ہیں؟'' وہ ایسی ہی تھی بغیر سوچے سمجھے ہر بات بول دیتی تھی کتنی ہی ڈانٹ کھا چکی تھی مگر کوئی اثر نہیں۔

''وہ تو انشاء اللہ تمہیں جلد پھپھو بنا دے گا مگر تم ممابالکل کوری ہو۔'' وہیں زرمیل بھی رضا کو گود میں لیے چلا آیا تھا جو ثرالے کو دیکھ کے پاس آنے کے لیے ہمک رہا تھا۔

''کب سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہے رضا۔''

''میرا بیٹا۔'' ثرالے نے دلار سے اسے لے لیا تھا۔

''اسے کچھ کھلاؤ بھوکا لگ رہا ہے یہ مجھے، مجھ سے کچھ کھا بھی نہیں رہا ہے۔'' ثرالے رضا کو گال پر پیار کرتی کھانے کی ٹیبل کی سمت بڑھی تھی۔ مقسوم بھی وہاں سے وانیہ کی سمت بڑھ گئی جو بی جان اور زوباریہ کے پاس بیٹھی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' زرمیل بغور عارفین کو تک رہا تھا۔

''یہی کہ آج خوب رونق ہے چہرے پر۔''

''یہ سب رونق مقسوم کی مرہون منت ہے۔'' اس کی نظریں مقسوم پر ہی تھیں جو بی جان کے برابر میں بیٹھی تھی۔

''وہ تو نظر آرہا ہے؟ آج دل تجھے دیکھ کر بہت خوش ہے۔ تیری مکمل زندگی پر تجھے مبارک باد۔'' عارفین ہولے سے ہنس دیا۔

ساری رسمیں ہوگئی تھیں۔ اب آخری رسم سہرا بندھی کی تھی۔ وہ بھی شروع ہوگئی تھی جو رسم تھی کہ سات سہاگنیں ہی کریں گی۔

''مقسوم! جلدی آؤ سہرا بندھی کرنی ہے اور ژالے کہاں ہے؟'' ثمرن نے وہیں اسٹیج پر سے ہانک لگائی تھی۔ عارفین اور زرمیل نے اسٹیج پر دیکھا تھا۔

مقسوم ساڑھی سنبھالتی کھڑی ہوئی تھی اور اوپر اسٹیج کی طرف بڑھی۔

''وہ دیکھو۔'' زرمیل نے ٹیبل کے پاس دیکھا جہاں ژالے رضا کو زبردستی کچھ کھلانے کی کوشش کررہی تھی مگر وہ مسلسل انکاری تھا۔

''جانے اس لڑکی کا کیا بنے گا وہاں رسم شروع ہوگئی ہے سہرا بندھی کی اور یہ ابھی تک یہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔'' زرمیل ہنستا ہوا ژالے کی طرف آرکا تھا۔ ژالے نے زرمیل کو دیکھا۔

''زرمیل! کچھ نہیں کھا رہا یہ۔'' ژالے پریشان ہی نہیں رضا کو سنبھالتے سنبھالتے ہلکان بھی ہوگئی تھی، زرمیل ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''تم رضا کو مجھے دو اور چلو ثمرن تمہیں بلا رہی ہے حرا کی سہرا بندھائی کی رسم شروع ہوگئی ہے۔'' زرمیل نے رضا کو ژالے کی گود سے لے لیا تھا اور ژالے کے کان میں کوئی میٹھی سی سرگوشی کی تھی جس سے ژالے کا چہرہ گلنار سا ہوگیا تھا۔ بلکہ اس نے ایک ہلکا سا مکہ بنا کر اس کے بازو پر جڑ دیا تھا۔

یہ سب کھڑا عارفین دور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا اور زندگی بھر خوشیاں دینے کی رب سے صدق دل سے دعا کی۔ وہ ایک گہری سانس لیتا ہوا مقسوم کو تلاش کرنے لگا تھا۔ جو وہاں اسٹیج کے پاس ہی کھڑی تھی۔ وہ چلا ہوا مقسوم کے بالکل نزدیک جا کر کھڑا ہوگیا تھا۔ مقسوم نے رخ موڑ کے دیکھا۔ ان بلوریں آنکھوں میں چاہت کا ایک سمندر دیکھا۔

''بہت خوب صورت لگ رہی ہو سوچ رہا ہوں ہنی مون منانے پیرس خوشبو کے شہر چلیں تمہارا کیا خیال ہے؟'' مقسوم حیا سے مسکرا دی اس کے گال پر پڑتا ڈمپل مزید گہرا ہوگیا تھا۔

پھولوں سے سجی کار میں دانیہ اور لاروش اغولان کے ہمراہ حرا چلتی ہوئی آئی تھی۔ تینوں کار میں بیٹھ گئی تھیں۔ فرنٹ پر سلجوق آفریدی براجمان تھا۔

دوسری گاڑی میں حسن آفریدی اور حنین آفریدی جن کے ساتھ پیچھے بی جان زوباریہ اور صمد آفریدی بیٹھے تھے یہ دونوں کاریں آفریدی ولاز کی طرف گامزن تھی۔

ہر کوئی اپنی جگہ خوش تھا ہر شخص کو مہکتی خوشبوؤں نے اپنے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ خوش حال خوش و خرم زندگی کی نوید جس کا پتا کل نکلنے والے سورج کی پہلی کرن دے گی۔

☆......ختم شد......☆